نوادر الحقائق

شرح

کنز الدقائق

تصنیف

ابو البرکات عبد اللہ بن احمد بن محمود النسفیؒ

مترجم و شارح

مفتی ابو عمار عبد المالک

استاذ الحدیث جامعہ عثمانیہ شیر شاہ کراچی

ناشر

مکتبہ دار القلم

سائٹ، کراچی

نوادر الحقائق

شرح

کنز الدقائق

تصنیف

ابو البرکات عبد اللہ بن احمد بن محمود النسفیؒ

مترجم و شارح

مفتی ابو عمار عبد المالک

استاذ الحدیث

جامعہ عثمانیہ شیرشاہ

ناشر

مکتبہ دار القاسم

سائٹ۔ کراچی

منظوم تأثرات

مولانا سعید [illegible] بلگرامی دامت برکاتہم تلمیذ رشید محدث العصر علامہ بنوریؒ،
استاذ الحدیث جامعہ عثمانیہ شیر شاہ کالونی کراچی

جو شروح میں ہے فائق ہے نوادر الحقائق
ہر کوئی ہے جس کا شائق ہے نوادر الحقائق

جو مطالعہ میں رکھیں وہ فقیہ بنیں گے اچھے
جو بنائے سب کو لائق ہے نوادر الحقائق

صرف دید ذوق کی ہے اور بات شوق کی ہے
جس میں خوب ہیں دقائق ہے نوادر الحقائق

یوں نہیں کہ اور کوئی کارزار میں نہیں ہے
جو تمام سے ہے سابق ہے نوادر الحقائق

صبح و شام علم و فن میں خاندان دیوبند میں
فرقہ من الخوارق ہے نوادر الحقائق

ہو قبول عام خلقت میرے دوست کی یہ محنت
رب سے ہے امید واثق ہے نوادر الحقائق

تاثرات

محسن المدارس والعلماء، سرمایۂ جمعیت، امیر جمعیت علماء اسلام کراچی

رئیس جامعہ عثمانیہ حضرت قاری محمد عثمان صاحب دامت برکاتہم العالیہ

الحمد للہ وحدہ والصلاۃ والسلام علی من لا نبی بعدہ

کنز الدقائق فقہ کی مشہور کتاب ہے اور عرصہ دراز سے دینی مدارس کے نصاب تعلیم میں داخل ہے، ساتویں صدی کے مشہور عالم محقق، فقیہ مدقق عبداللہ بن احمد بن محمود النسفیؒ نے کنز الدقائق کے نام سے فقہ میں ایک متن تحریر فرمایا اللہ جل جلالہ نے اس کتاب کو ان کی دوسری کتاب منار (متن نور الانوار) کی طرح علماء اور طلبہ میں بڑی مقبولیت بخشی ہے،

کنز الدقائق درس وتدریس کے اعتبار سے ایک مغلق کتاب سمجھی جاتی ہے اور اس کی عبارت اور صورت مسئلہ کو سمجھنے کے لیے پوری توجہ اور انہماک کی ضرورت ہوتی ہے اسی لئے مختلف زبانوں میں اس کی شروح لکھی گئی ہیں۔ عربی میں تو اس کی بہت سی معتمد علیہ شروح موجود ہیں مثلاً علامہ زیلعیؒ کی "تبیین الحقائق" اور علامہ ابن نجیمؒ کی "البحر الرائق" اور علامہ عینیؒ کی رمز الحقائق۔

لیکن اردو میں سہل اور جامع شرح کی ضرورت محسوس کیجارہی تھی جو حل کتاب میں معین ومددگار ثابت ہو۔ چنانچہ اس کمی کو پورا کرنے کے لیے جامعہ عثمانیہ شیر شاہ کے مایہ ناز اور سینئر استاذ واستاذ الحدیث برادر عزیز حضرت مولانا مفتی عبدالمالک صاحب مدظلہم نے چھ سال مسلسل محنت کر کے نوادر الحقائق کے نام سے کنز الدقائق کی عام فہم اور جامع شرح لکھ کر علماء، طلباء اور علم فقہ کے عام شائقین کی موجودہ دور کی ایک بڑی مشکل کو آسان کر دیا ہے۔ مفتی صاحب موصوف اگرچہ ابھی نوجوانی کی عمر میں ہیں مگر انہوں نے یہ عظیم کام ایک منجھے ہوئے محقق کا اپنی خداداد صلاحیتوں سے اس کم عمری میں سرانجام دیا ہے۔ اسی طرح تمام علوم خاص کر علم صرف اور علم فقہ سے گہرے لگاؤ اور طلبہ کی ان علوم میں پختگی کیلئے شب وروز محنت کی وجہ سے اس کوشش میں رہتے تھے کہ طلبہ کے لیے ایسی شرح ہو جو آج کے کم فرصتی کے دور میں حل کتاب میں معاون ومددگار ثابت ہو، الحمد للہ اپنی تمام مصروفیات کو ترک کر کے طلبہ کرام اور شائقین علوم دینیہ کے لیے ایک جامع مواد جمع کر کے دین متین کی بڑی خدمت سرانجام دی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے علم وعمل اور عمر میں برکت عطا فرمائے اور اس شرح کو نافع اور مقبول بنائے اور اہل علم اور عامۃ الناس کو اس شرح سے مستفید فرمائے اور اسے ذخیرۂ آخرت بنائے اور جامعہ عثمانیہ کے فیض کو عام فرمائے۔ آمین

قاری محمد عثمان

خادم جامعہ عثمانیہ شیر شاہ کراچی

سخنِ عاجزانہ

الحمد للہ وکفی والصلاۃ والسلام علی عبادہ الذین اصطفی

امّا بعد

ہر زمانہ میں سلف لوگوں کی کامیابی وکامرانی کے لیے اللہ جل جلالہ نے اہلِ علم کو چنا ہے جنہوں نے اپنی کوشش اور بساط کے مطابق مختلف انداز میں علوم دینیہ کو پھیلایا ہے چنانچہ علوم دینیہ میں بہت ساری قسمیں ہیں البتہ علم فقہ کو ان علوم میں ایک اہم حیثیت حاصل ہے۔ پھر علم فقہ میں متون کو اہلِ علم کے ہاں جو اہمیت حاصل ہے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں پھر متون میں کنز الدقائق اہم ترین کتاب ہے یہی وجہ ہے کہ کنز الدقائق برصغیر کے اکثر مدارس میں قدیم زمانہ سے نصاب میں شامل ہے۔ تاہم کنز الدقائق کو سمجھنے کے لیے عربی زبان میں تو متعدد کتابیں موجود ہیں مگر اردو زبان میں اس دقیق اور مغلق کتاب کی قابلِ ذکر شرح موجود نہیں ہے۔ البتہ بعض اہلِ علم نے اپنے ذوق کے مطابق اس پر کام کیا لیکن ان میں بعض مقامات پر طوالت سے کام لیا گیا ہے اور بعض مقامات پر ایسا اختصار کہ جو فہمِ مطالب میں مخل ہے اس لئے کنز الدقائق جیسی مغلق کتاب کے لیے ایک ایسی شرح کی ضرورت محسوس کی جا رہی تھی جو کہ جامع اور واضح ہونے کے ساتھ ساتھ جس میں فقہی مسائل کی مکمل وضاحت ہو چنانچہ میرے رفیق و محسن مولانا مفتی عبد المالک صاحب (استاذ الحدیث ونائب رئیس جامعہ عثمانیہ پشاور) نے اس پر قلم اٹھایا اور ان کی چھ سالہ جہد پیہم کے نتیجہ میں جو کنز الدقائق کی شرح مکمل ہوئی اس کی چند نمایاں خصوصیات یہ ہیں (۱) مکمل عربی عبارت اعراب کے ساتھ دی گئی ہے (۲) سلیس اور بامحاورہ ترجمہ کا اہتمام کیا گیا ہے (۳) اہم مسائل کو عنوانات کے ذریعہ واضح کیا گیا ہے (۴) ماشاء اللہ مذاہب کے بیان کے ساتھ ساتھ کافی حد تک حوالہ جات سے بھی اسے آراستہ کیا گیا ہے (۵) انداز بیان انتہائی سہل اور عام فہم ہے اور ہر مسئلہ کی اختصار کے ساتھ مکمل وضاحت کی گئی ہے۔ (۶) کتاب کے شروع میں تفصیلی مقدمہ کیا گیا ہے جس میں امام صاحبؒ کے تفصیلی حالات کے ساتھ علم فقہ سے متعلق ضروری باتوں کا اضافہ کیا گیا ہے اللہ تبارک وتعالیٰ سے دعا ہے کہ اسے قبولیت سے نوازے اور طلباء اساتذہ، علماء کرام کے لیے مفید بنائے۔

مکتبہ دار العلم کیلئے یہ بات باعث فخر و مسرت ہے کہ فن فقہ کی یہ اہم ترین کتاب شائع کرنے کی اسے سعادت حاصل ہو رہی ہے۔

(مفتی) عبد الغفور

استاذ جامعہ بنوریہ سائٹ کراچی

موضوعات	صفحہ نمبر

موضوعات	صفحہ نمبر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حرفِ آغاز

طالب علمی کے باقاعدہ دور میں ایک دن "علامہ انور شاہ کشمیریؒ کے علوم ومعارف" کی ورق گردانی کر رہا تھا کہ اس میں حضرتؒ نے ایک طالب علم سے فرمایا کہ "کنز الدقائق" کا مطالعہ کیا کرو اس سے علم تازہ ہوتا رہے گا۔ اس کے بعد جب مجھ ناچیز کو "کنز الدقائق" کے پڑھانے کا موقع ملا تو کتاب کے اختصار اور پیچیدہ اور مغلق عبارت سے علامہ انور شاہ کشمیریؒ کی یہ بات بار بار یاد آئی کہ واقعی اس کی مغلق عبارت کے سمجھنے سے علم میں تازگی آتی ہے تدریس کے ابتدائی دنوں میں عبارت کے مغلق ہونے کا اندازہ خوب ہوا کیونکہ ہمارے درس نظامی کی خصوصیات میں سے دو باتیں قابل ذکر ہیں (۱) اس نصاب میں اولاً ہر فن کی ایک دو مختصر کتابیں رکھی گئیں پھر متوسط درجہ کی بعض کتابیں اور اخیر میں مبسوط کتابیں رکھی گئی ہیں (۲) ہر مرحلہ میں فن کی ایسی کتابیں منتخب کی گئی ہیں جو اس فن میں سب سے زیادہ مشکل ہیں۔ تاکہ تدریجاً ضبط مسائل کے ساتھ ساتھ قوت مطالعہ اور وسعت نظر بآسانی پیدا ہو سکے اور استعداد اتنی قوی اور پختہ ہو جائے کہ اس نصاب کے ختم کرنے کے بعد جس فن کی جو کتاب بھی طالب علم کے سامنے آئے اسے بلا تکلف وہ سمجھ سکے۔

پچھلی دو تین صدیوں کے اندر درس نظامی میں بڑی بڑی تبدیلیاں آنے کے باوجود آج تک اس کی وہ امتیازی خصوصیت کسی نہ کسی حد تک محفوظ ہے۔ چنانچہ ہمارے مدارس کے مروجہ نصاب تعلیم میں فن فقہ کی ترتیب اس طرح رکھی گئی ہے کہ پہلے مرحلہ میں بعض مختصر متون مثلاً نور الایضاح اور مختصر القدوری، اور دوسرے مرحلہ میں کنز الدقائق اور شرح الوقایہ اولین یا آخرین اور آخری مرحلہ میں ہدایہ کامل جیسی کتابیں داخل درس ہیں کہ اگر اچھی طرح سمجھ کر یہ کتابیں پڑھ لی جائیں تو فن فقہ میں عربی کی کوئی کتاب بھی لاینحل نہیں رہ سکتی۔ اس انتخاب میں کنز الدقائق کو [illegible] کے مصداق ہونے کا شرف حاصل ہے۔ اسی لئے صدیوں سے یہ کتاب محبوب عام وخاص اور مدارس درس میں داخل ہے اور اس کی بے انتہا شہرت ومقبولیت اور علماء امت کی نظر میں غیر معمولی اہمیت ہی کا ثمرہ ہے کہ اس پر بے شمار شروح وحواشی لکھے جا چکے ہیں اور متعدد زبانوں میں اس کے تراجم شائع ہو چکے ہیں۔

بہرحال بندہ کو "کنز الدقائق" مسلسل نو (۹) سال پڑھانے کا شرف حاصل ہوا تو دوران درس اپنی یادداشت اور آسانی کیلئے کچھ باتیں لکھ لیا کرتا تھا۔ ایک دن میرے محترم دوست "مفتی سیف اللہ جمیل دامت برکاتہم" نائب رئیس دار الافتاء جامعہ بنوریہ سے اس کا تذکرہ ہوا تو انہوں نے اس پر نظرثانی کر کے شائع کرنے کا مشورہ دیا اس سے پہلے اس کو کتابی شکل میں لانے کا سوچا بھی نہ تھا۔ پھر اس پر نظرثانی کیا بھی وہ تو از سر نو سب کچھ تحریر کرنا پڑا۔ باقاعدہ تالیف کا آغاز ۲۰۰۶ء کو کیا تقریباً ۲۰۰۸ء کے وسط میں بیماری اور کچھ عوارض کی وجہ سے تعطل آ گیا میرے دوست مفتی عبدالغفور صاحب، اللہ ان کی عمر علم وعمل میں مزید برکت

عطاء فرمائے اُنہی کے امر پر باقی ماندہ کام دسمبر ۲۰۰۷ء کو شروع کیا جو بحمد اللہ اگست ۲۰۱۰ء بمطابق ۱۷ رمضان المبارک ۱۴۳۱ھ کو پایۂ تکمیل کو پہنچا۔ تحریر سے پہلے بعض شروحات موجود تھیں اور باقی تمام مطبوعہ شروحات دستیاب ہو گئیں اور "مستند الحقائق" (عربی) اور "البحر المتدفق فی حل المسائل والفوائد" کی فوٹو کاپی حاصل کی اور وقتاً فوقتاً ان سے مستفید کیا اور بنیادی طور پر سب سے زیادہ بلکہ بنیادی علامہ زیلعیؒ کی "تبیین الحقائق" اور عبد الحکیم افغانیؒ کی "کشف الحقائق" تھیں اور جہاں جہاں الجھن درپیش ہوئی وہاں متداول کتب "المحیط البرہانی" اور "فتاویٰ شامی" اور اکابر علماء دیوبند کے موجود مطبوعہ فتاویٰ کی طرف مراجعت کرتا رہا اور بندہ نے مسائل کو پوری پوری احتیاط اور صحت کے ساتھ نقل کرنے کی کوشش کی ہے، مزید برآں اہل علم سے مذاکرہ اور استفادہ بھی کرتا رہا۔

اپنی بے بضاعتی اور کم مائیگی کے اعتراف کے ساتھ میری اہل علم حضرات سے گذارش ہے کہ اگر کتاب ہذا میں کوئی مسئلہ اپنی تحقیق کے خلاف پائیں تو مستند کتب فقہ کی طرف مراجعت کے بعد کتاب ہذا کی غلطی پر اس عاجز کو از راہ کرم مطلع فرمائیں تاکہ آئندہ کی طباعت میں ان کی اصلاح کی جا سکے کیونکہ باوجود نہایت کوشش اور احتیاط کے اغلاط کا رہ جانا بشری تقاضا ہے اور اس عاجز کی علمی کمزوری اس پر مستزاد ہے۔ آخر میں دعا ہے کہ اللہ جل شانہ بندہ ناچیز کی اس حقیر کاوش کو ہر قسم کی ظاہری و باطنی کوتاہیوں اور ریا و نمود وغیرہ کی برائی کی معافی کے ساتھ شرف قبولیت بخشے اور طلبہ علم کو بالعموم اس سے استفادہ کی توفیق عطاء فرمائے اور کوتاہیوں اور غلطیوں پر آگاہی نصیب فرما کر اصلاح و ترمیم کی توفیق بخشے۔ آمین۔

وما توفیقی الا باللہ العلی العظیم علیہ توکلت والیہ انیب

ابو عمار عبد المالک

استاذ الحدیث جامعہ عثمانیہ شیر شاہ کراچی

مقدمہ حصہ اول

چند ضروری باتیں

کسی بھی فن کو شروع کرنے سے پہلے چند چیزوں کا جاننا ضروری ہے (۱) اُس کی تعریف (۲) موضوع (۳) غرض وغایت (۴) اس فن کا حکم (۵) مصنف کے حالات زندگی (۶) اس فن کی تدوین

(۱) تعریف کا جاننا اس لئے ضروری ہے تاکہ مجہول مطلق کی طلب لازم نہ آئے کیونکہ نہ جانی ہوئی چیز کو طلب کرنا فضول اور بے سود ہے (۲) موضوع کا جاننا اس لئے ضروری ہے تاکہ ایک فن کے مسائل کو دوسرے فن کے مسائل سے ممتاز کیا جا سکے (۳) غرض وغایت کا جاننا اس لئے ضروری ہے تاکہ طلب عبث لازم نہ آئے یعنی اس کے مقصد کا معلوم ہونا ضروری ہے ورنہ عبث اور بیکار چیز کو طلب کرنا لازم آئیگا (۴) مصنف کے حالات کا جاننا اس لئے ضروری ہے تاکہ اس کی قابلیت اور اس کے علمی مقام سے اس کی تصنیف کا علمی مقام معلوم ہو جائے کیونکہ جس حیثیت کا اس کا متکلم ہوگا اسی حیثیت کا اس کا کلام ہوگا جیسا کہ مشہور ہے ”کلام الملوک ملوک الکلام“ یعنی بادشاہوں کا کلام کلاموں کا بادشاہ ہوتا ہے لہذا جس درجہ کا آدمی ہوگا اس کا کلام بھی اسی درجہ کا تام رہوگا۔

تعریف: ما یبین به حقیقة الشئ کو کہتے ہیں یعنی تعریف وہ شئی ہے جس کے ذریعہ کسی چیز کی حقیقت بیان کی جائے۔

موضوع: ما یبحث فیه عن عوارضه الذاتیة کا نام ہے یعنی فن کا موضوع وہ شئی کہلاتی ہے جس شئی کے عوارض ذاتیہ سے اس فن میں بحث کی جائے۔

غرض: ما یصدر الفعل عن الفاعل لاجله کو کہتے ہیں یعنی وہ ارادہ جس کی وجہ سے فاعل سے فعل صادر ہوتا ہے حصول مقصد سے پہلے اس کو غرض کہتے ہیں اور بعد الحصول اس کو غایت کہتے ہیں۔

فقہ کے لغوی تعریف: لغت میں فقہ ”فہم، سمجھداری اور ذہانت“ کو کہتے ہیں اور فقیہ ذہین اور سمجھدار شخص کو کہا جاتا ہے اور علامہ فقیہ ہونے وقت حاصل کرنے اور اس میں غور و خوض کرنے کا نام ہے۔

فقہ کے قدیم اصطلاحی تعریف: اسلام کے قرون اولیٰ کی اصطلاح میں فقہ سے مراد ”پورے دین کی گہری سمجھ“ ہے یعنی دین کی تمام تعلیمات خواہ ان کا تعلق کسی بھی شعبۂ زندگی سے ہو ان کی گہری بصیرت ومہارت کو ”فقہ“ کہا جاتا تھا اور فقیہ اس شخص کو کہتے تھے جو پورے دین کی گہری بصیرت ومہارت رکھتا ہو اور اپنی پوری زندگی کو دین کے سانچہ میں ڈھال چکا ہو۔

قرآن وسنت میں جو احکام دیئے گئے ہیں ان کی تین قسمیں ہیں۔

اوّل: وہ احکام جن کا تعلق عقائد سے ہے مثلاً اللہ تعالیٰ کی صفات اور توحید پر ایمان وغیرہ۔

دوم: وہ احکام جن کا تعلق بندے کے اُن افعال سے ہے جو جسم کے ظاہری اعضاء ہاتھ، پاؤں، کان، ناک، حلق، زبان وغیرہ سے انجام دیئے جاتے ہیں جیسے نماز، زکوٰۃ، روزہ، حج وغیرہ۔

سوم: وہ احکام جن کا تعلق باطنی اخلاق وعادات سے ہے یعنی بندے کے ان اعمال سے جو وہ اپنے باطن اور قلب سے انجام دیتا ہے مثلاً اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت رکھنا، اللہ تعالیٰ سے ڈرنا اور اسے یاد رکھنا۔

دین ان تینوں قسموں کے احکام بجالانے کا نام ہے چنانچہ وہ حدیث جو حدیث جبرئیل کے نام سے مشہور ہے آپ ﷺ نے ان تینوں پر عمل کو دین قرار دیا ہے۔ پس انہی تینوں قسم کے احکام میں گہری بصیرت ومہارت کو قرون اولیٰ میں فقہ کہا جاتا تھا۔

فقہ امام صاحبؒ کے نزدیک: اسی لئے امام صاحبؒ نے جو تابعینؒ کے آخری دور سے تعلق رکھتے ہیں فقہ کی یہ تعریف کی ہے کہ: ھو معرفة النفس ما لها وما عليها "یعنی فقہ ان امور کی بصیرت کا نام ہے جو بندے کیلئے جائز یا ناجائز ہیں" یہ تعریف علمِ دین کے تینوں اقسام کو شامل ہے، چنانچہ امام صاحبؒ نے جو کتاب عقائد میں تصنیف فرمائی تھی اس کا نام "الفقہ الاکبر" رکھا تھا جس سے معلوم ہوا کہ ان کے نزدیک بھی علم عقائد فقہ ہی کا ایک اہم ترین شعبہ تھا۔

خلاصہ یہ کہ متقدمین کی اصطلاح میں پورے دین کی گہری بصیرت ومہارت کو "فقہ" کہا جاتا تھا اور "فقیہ" اس شخص کو کہتے تھے جو پورے دین کی گہری بصیرت ومہارت رکھتا ہو اور اپنی پوری زندگی اس کے سانچے میں ڈھال چکا ہو۔

فقیہ حسن بصریؒ کے نزدیک: مشہور تابعی اور فقیہ حسن بصریؒ سے ایک صاحب نے کہا کہ فلاں مسئلہ میں فقہاء آپ کے خلاف کہتے ہیں تو فرمایا: هل رأيت فقيها بعينك؟ انما الفقيه الزاهد في الدنيا الراغب في الآخرة البصير بدينه "تم نے کبھی کوئی فقیہ دیکھا بھی ہے؟ فقیہ تو وہ ہوتا ہے جو دنیا سے بے رغبت ہو، آخرت کا طلبگار ہو، اپنے دین کی بصیرت رکھتا ہو" معلوم ہوا کہ فقیہ ہونے کیلئے دینی احکام کا محض علم کافی نہ تھا بلکہ اپنی زندگی کو اس کے مطابق ڈھالنا بھی فقیہ کی تعریف میں شامل تھا جس کے بغیر کوئی خواہ کتنا ہی بڑا عالم ہو فقیہ کہلانے کا مستحق نہ سمجھا جاتا تھا۔

احادیث میں فقہ اور فقیہ کے جو فضائل آئے ہیں وہ اسی قدیم معنی کے فقہ اور فقیہ سے متعلق ہیں مثلاً نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: من يرد الله به خيرا يفقهه في الدين۔ "جس شخص کے ساتھ اللہ تعالیٰ بھلائی کا ارادہ کرتا ہے اسے دین کا فقہ (سمجھ) عطا فرما دیتا ہے" اس میں دین کے کسی شعبہ کی تخصیص نہیں کی گئی ہے لہٰذا یہ سمجھنا صحیح نہ ہوگا کہ احادیث میں فقہ اور فقیہ کے فضائل صرف اسی جدید اصطلاحی معنی کے ساتھ خاص ہیں جو اب معروف ہیں۔

فقہ کی جدید اصطلاحی تعریف: اس تقسیم میں دینی احکام کی دو قسمیں چونکہ الگ کر دی گئیں لہٰذا فقہ کا موضوع اور دائرہ کار

سمجھا جانے لگا محدود ہو گیا اسی وجہ سے متاخرین کو ایک مستقل علم وفن کی حیثیت سے فقہ کی تعریف بھی از سر نو کرنی پڑی، اب "فقہ" کی اصطلاحی تعریف یہ ہو گئی کہ "هو العلم بالاحكام الشرعية العملية المكتسب من ادلتها التفصيلية" کہ فقہ ظاہری اعمال سے متعلق تمام احکام شرعیہ کا علم ہے جو ان کے تفصیلی دلائل سے حاصل کیا جائے، جدید اصطلاح کے اعتبار سے یہ فقہ کی نہایت جامع، مانع اور مکمل تعریف ہے، اب فقہ کا لفظ اسی معنی میں استعمال ہوتا ہے، اسے پوری طرح سمجھنے اور سمجھانے کیلئے فقہاء کرام نے تو اپنی عادت کے مطابق نہایت باریک بینی اور خوب تفصیل سے کام لیا ہے کئی کئی صفحات میں اس کے ایک ایک لفظ کی تشریح اس طرح فرمائی ہے کہ کوئی پہلو تشنہ نہیں رہتا۔

احکام شرعیہ کے دلائل:۔ احکام شرعیہ کے دلائل صرف چار ہیں قرآن، سنت، اجماع، قیاس، ہر عمل کا حکم شرعی انہی چار سے کسی نہ کسی دلیل سے ثابت ہوتا ہے یعنی انسان کے کسی بھی عمل کے متعلق یہ بات کہ وہ فرض ہے، یا واجب، یا مندوب یا مباح، یا حرام، یا مکروہ، ثابت کرنے کا ذریعہ یا تو قرآن کریم ہے یا سنت نبویہ یا اجماع یا قیاس ان کے علاوہ حکم شرعی ثابت یا مستنبط کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں۔

فقہ کا موضوع:۔ کسی علم میں جس چیز کے حالات وصفات سے بحث کی جاتی ہے، وہی چیز اس علم کا موضوع ہوتی ہے اور بحث کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ان حالات وصفات کو موضوع کیلئے ثابت کیا جاتا ہے۔ فقہ میں چونکہ انسان کے ظاہری اعمال کی کچھ صفات یعنی احکام شرعیہ سے بحث کی جاتی ہے، لہذا فقہ کا موضوع انسان کے ظاہری افعال ہیں یعنی انسان کے صرف ظاہری افعال کے متعلق یہ بتایا جاتا ہے کہ ان کے شرعی احکام کیا ہیں۔ غرض فقہ کی جدید اصطلاحی تعریف کی رو سے نہ عقائد فقہ کا موضوع ہیں نہ باطنی اعمال واخلاق بلکہ عقائد علم کلام کا موضوع ہیں اور باطنی اعمال واخلاق تصوف کا، فقہ کا موضوع انسان کے صرف ظاہری افعال ہیں۔

غرض وغایت:۔ العلم بالاحكام الشرعية ليترتب عليه الفوز بسعادة الدارين، علم فقہ کے حاصل کرنے سے غرض اور مقصود یہ ہوتا ہے کہ احکام شرعیہ پر عمل کیا جا سکے تاکہ دنیا وآخرت میں کامیابی حاصل ہو

تفقہ فی الدین فرض کفایہ ہے:۔ یہ سارا علم دین قدیم اصطلاح میں فقہ ہے، جسے قرآن کریم نے تفقہ فی الدین (پورے دین کی سمجھ بوجھ) کے لفظ سے تعبیر کیا ہے اور اس کو فرض کفایہ قرار دیا ہے ارشاد ہے: فلولا نفر من كل فرقة منهم طائفة ليتفقهوا في الدين ولينذروا قومهم اذا رجعوا اليهم لعلهم يحذرون "کیوں نہ نکلی ہر بڑی جماعت میں سے ایک چھوٹی جماعت (جہاد میں) جایا کرے، تاکہ باقی لوگ دین میں سمجھ حاصل کرتے رہیں" (التوبہ ۱۲۲) اور یہی چیز ہے جس کی دعا نبی کریم ﷺ نے فرمائی تھی کہ "اللهم فقهه في الدين" "اے اللہ ان کو دین کی سمجھ بوجھ عطا فرما" وہ بھی یہی تفقہ فی الدین ہے جس کی وسعت دین کی تینوں شاخوں عقائد، تصوف اور جدید اصطلاحی فقہ کو سمیٹے ہوئے ہے دور تابعین تک فقہ کا لفظ اسی وسیع مفہوم میں استعمال ہوتا تھا، بعد میں متاخرین نے محض درس وتدریس وغیرہ میں سہولت کیلئے دین کی ان تینوں شاخوں کو الگ الگ مرتب کر کے ہر شاخ کا الگ الگ نام رکھ دیا، جس کے نتیجہ میں ہر شاخ کی تعریف الگ الگ کرنی پڑی۔

سوانحی خاکہ صاحب کنز الدقائق

نام ونسب: صاحب کنز کا نام عبداللہ، والد کا نام احمد، دادا کا نام محمود، کنیت ابوالبرکات اور لقب حافظ الدین ہے۔ شہر نسف (جو ماوراء النہر کے نخشب میں واقع ہے) کے رہنے والے تھے۔ اپنے زمانہ کے امام کامل، عالم محقق، فقیہ مدقق، فاضل عدیم النظیر، فقہ واصول میں سرآمد، اور حدیث اور اس کے معانی میں بارع، زاہد وپرہیزگار تھے۔

صاحب کنز کا فقہی مقام: ابن کمال پاشا نے آپ کو فقہاء کے چھٹے طبقہ میں شمار کیا ہے جو روایات ضعیفہ اور قویہ کی تمیز کرنے پر قادر ہوں۔ فقہ کا علم شمس الائمہ محمد بن عبدالستار کردری اور حمید الدین الضریر اور بدر الدین خواہر زادہ سے حاصل کیا

امام موصوف کی بغداد آمد: جب آپ بغداد میں ۷۱۰ھ میں تشریف لائے تو آپ نے ہدایہ کی بھی شرح لکھی لیکن علامہ اتقانیؒ نے غایۃ البیان میں لکھا ہے کہ امام موصوفؒ نے ہدایہ کی شرح لکھنی ضرور چاہی تھی مگر جب آپ کے اکابر معاصر تاج الشریعہ نے سنا تو انہوں ان سے کہا کہ آپ کی شان سے بعید ہے کہ اس خفیف امر میں مصروف ہوں، تو امام موصوفؒ نے یہ ارادہ ترک کر دیا اور انہوں نے چاہا کہ ہدایہ کی طرز پر کوئی کتاب تصنیف کی جائے۔ چنانچہ انہوں نے کتاب وافی اور اس کی شرح کافی تصنیف کی گویا ہدایہ کی ہی شرح تصنیف کی

تصانیف: امام موصوفؒ نے فقہ، اصول فقہ میں بہت عمدہ اور معتبر کتابیں تصنیف کیں۔ (۱) کنز الدقائق (۲) وافی (۳) اس کی شرح کافی (۴) منار (متن در اصول) (۵) اس کی شرح کشف الاسرار (۶) مصفی شرح منظومہ نسفیہ (۷) مستصفی شرح فقہ النافع (۸) المنافع (۹) شرح عمدہ (۱۰) عقیدہ حافظیہ (۱۱) منتخب حسامی پر دو شرحیں تصنیف فرمائیں۔ (۱۲) نہایت عمدہ جدید اور معتبر مدارک التنزیل نامی تفسیر تحریر فرمائی

وفات: امام موصوفؒ کی وفات جمعہ کی رات ماہ ربیع الاول ۷۱۰ھ میں ہوئی "فقیہ شہیر" تاریخ وفات ہے۔

ابو عمار عبدالمالک

استاذ الحدیث جامعہ [illegible] شیر شاہ کراچی

مقدمہ حصہ دوم

فقہ اسلامی کے ماخذ چار ہیں

اسلامی قانون کے بنیادی ماخذ اور سرچشمے چار ہیں

پہلا ماخذ قرآن کریم ہے: قرآن کریم کے مشہور نام پانچ ہیں ا۔ القرآن ۲۔ الفرقان ۳۔ الکتاب ۴۔ الذکر ۵۔ التنزیل، ان میں سے بھی سب سے زیادہ مشہور نام "القرآن" ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی اس کتاب کو کم از کم اکسٹھ مقامات پر اسی نام سے یاد کیا ہے مگر اصول فقہ کی کتابوں میں جس نام کا زیادہ تر استعمال ہوا وہ "الکتاب" ہے قرآن کریم اس کائنات کی مشہور ترین کتاب ہونے کے باعث درحقیقت کسی تعارف کی محتاج نہیں مگر علماء نے قرآن جیسی بدیہی کتاب کی بھی تعریف کردی، کیونکہ تعریف بیان کردینے میں بعض حکمتیں ان کے پیش نظر تھیں، قرآن کریم کی اصطلاحی تعریف: القرآن المنزل علی الرسول ﷺ المکتوب فی المصاحف المنقول عنہ نقلا متواترا بلا شبہۃ "قرآن اللہ تعالیٰ کا وہ کلام ہے جو رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوا، مصاحف میں لکھا گیا اور آپ ﷺ سے بغیر کسی شبہ کے تواتر کے ساتھ منقول ہے"

وحی کی دو قسمیں: نبی کریم ﷺ پر جو وحی بھیجی گئی وہ دو قسم کی تھی، ایک تو یہی قرآن کریم جس کے الفاظ اور معنی دونوں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں، اس وحی کو وحی متلو کہا جاتا ہے، یعنی ایسی وحی جس کی تلاوت کی جاتی ہے،

دوسری قسم وحی کی وہ ہے جو قرآن کریم کا جزء بنا کر نازل نہیں کی گئی، وحی کی اس قسم کا نام وحی غیر متلو ہے یعنی ایسی وحی جس کی تلاوت نہیں کی جاتی اسی وحی کو حدیث اور سنت کہا جاتا ہے، پھر وحی متلو یعنی قرآن کریم میں قصص و مواعظ کے سلسلے میں جو آیتیں ہیں، ان سے جو احکام مستنبط ہوتے ہیں ان کے علاوہ خاص احکامی آیتیں بھی نازل ہوئیں جن کی تعداد تقریبا پانچ سو ہے یہ احکام دو قسموں پر ہیں۔ (۱) حقوق اللہ (۲) حقوق العباد پھر حقوق اللہ کی دو قسمیں ہیں، ایک تو وہ احکام جن کا تعلق صرف ایک انسان اور اس کے پروردگار کے ساتھ ہے جیسے نماز، روزہ، اور دیگر مقررہ عبادتیں، دوسرے وہ احکام جن کا تعلق اگرچہ ایک انسان اس کے پروردگار کے ساتھ ہے لیکن ان احکام میں صرف ایک انسان کے علاوہ دوسرے انسانوں کا بھی کسی نہ کسی طرح تعلق پایا جاتا ہے جیسے زکوۃ، صدقات، جہاد وغیرہ۔

حقوق العباد سے متعلق احکام کی تین قسمیں ہیں:۔ اول وہ احکام جو خاندان سے متعلق ہیں۔ جیسے نکاح، طلاق اور وراثت وغیرہ۔ دوم وہ احکام جو معاملات باہمی سے متعلق ہیں جیسے بیع شراء، اجارہ، ہبہ وغیرہ۔ سوم وہ احکام جو معاملات سیاست مدن سے متعلق ہیں جیسے حدود و قصاص، جزیہ، بین الاقوامی معاہدات اور مناظرے سے متعلق مسائل۔

دوسرا ماخذ سنت ہے :۔ لفظ سنت لغت عرب میں طریقہ اور عادت کیلئے استعمال ہوتا ہے جو فرض یا واجب نہ ہو اور علم

حدیث اور اصول فقہ کی اصطلاح میں رسول اللہ ﷺ کے اقوال وافعال کو سنت کہا جاتا ہے یہاں یہی اصطلاحی معنی مراد ہیں۔ سنت اور حدیث میں یہ فرق ہے کہ حدیث تو رسول اللہ ﷺ کے صرف اقوال کا نام ہے اور سنت آپ ﷺ کے اقوال وافعال دونوں کا نام ہے۔ اقوال کی طرح آپ ﷺ کے افعال بھی حجت ہیں یعنی احکام شرعیہ کی دلیل صرف حدیث نہیں، بلکہ جس طرح قرآن کریم پورے کا پورا وحی ہے اسی طرح رسول اللہ ﷺ کی حدیث بھی امور دین کے متعلق سب کی سب وحی ہیں، اور آپ ﷺ کے تمام اعمال واخلاق وحی کے عین مطابق ہیں اس لئے قرآن پاک کے بعد شرعی احکام کا سب سے بڑا ماخذ رسول اللہ ﷺ کی سنت ہے۔

قرآن مجید کی طرح حدیث بھی حدیث ہونے کی حیثیت سے قطعی اور واجب العمل ہے۔ البتہ حدیث جس واسطہ اور ذریعہ سے پہنچی ہو اس کے ظنی اور غیر متلو ہونے میں اور زیادہ قابل اعتماد اور کم قابل اعتماد ہونے کی وجہ سے وہ قرآن مجید کی طرح قطعی نہیں ہے۔ اسی لئے فقہاء کرام ومحدثین عظام نے حدیث کے تین درجے کئے ہیں:۔ (۱) خبر متواتر (۲) خبر مشہور (۳) خبر واحد۔ یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ فقہ اسلامی کا سب سے بڑا ماخذ اور سرچشمہ یہی احادیث نبوی ﷺ ہیں جن کی تحقیق اور تنقیح کی تحقیق میں علمائے اسلام نے اتنے حزم واحتیاط اور دل سوزی وجگر سوزی سے کام لیا ہے کہ تاریخ عالم میں اس کی کوئی نظیر نہیں مل سکتی۔ چنانچہ آج بھی حدیث کا ایک عام عالم اور محدث صحاح ستہ کی کسی حدیث کے بارے میں یہ بتا سکتا ہے کہ اس کے اور رسول اللہ ﷺ کے درمیان کس قدر واسطے ہیں اور پھر ان کے سلسلہ میں یہ تحقیق بھی کی جا سکتی ہے کہ عدل وثقاہت اور قوت حافظہ ہر لحاظ سے ان کا کیا مرتبہ ہے اور پھر اس پورے سلسلہ سند میں کہیں ایک راوی بھی کسی وجہ سے کم درجہ قابل اعتبار پایا جائے تو وہ حدیث ضعیف ہو کر ناقابل استدلال بن جاتی ہے۔ علماء نے اس کیلئے ایک مستقل فن "اسماء الرجال" کی بنیاد ڈالی جس کے ذریعہ حیرت انگیز طور پر لاکھوں انسانوں کے حالات محفوظ کر دیئے گئے۔ یہاں لوگوں پر حیرت ہے جو اتنے مضبوط ذرائع سے آنے والی خبر کو بھی ناقابل اعتماد سمجھتے ہیں۔

سنت کو خود قرآن کریم نے حجت قرار دیتے ہوئے آپ ﷺ کے تمام ارشادات کے وحی ہونے اور افعال کے ہر غلطی سے پاک ہونے کی شہادت قرآن پاک نے قسم کھا کر دی ہے کہ ﴿وما ینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحی﴾ "اور نہ آپ ﷺ اپنی نفسانی خواہش سے باتیں بناتے ہیں، ان کا ارشاد نری وحی ہے" اور دوسری جگہ صاف الفاظ میں حکم دیا کہ

﴿یا ایھا الذین آمنوا اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول﴾ "اے ایمان والو تم اللہ تعالیٰ کا کہنا مانو اور رسول ﷺ کا کہنا مانو"

تیسرا ماخذ اجماع ہے:۔ لغت میں اجماع متفق ہونے کو کہتے ہیں، لغوی معنی کے اعتبار سے اتفاق اور اجماع ایک ہی چیز ہے مگر اصطلاح شریعت میں ایک خاص قسم کے اتفاق کو "اجماع" کہا جاتا ہے جس کی تعریف یہ ہے:۔ نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد کسی زمانے کے تمام فقہاء مجتہدین کا کسی حکم شرعی پر متفق ہو جانا "اجماع" ہے۔ یہ "اجماع" فقہ کا تیسرا ماخذ اور احکام شرعیہ کے چار دلائل میں سے ایک ہے، جس مسئلہ کے شرعی حکم پر اجماع منعقد ہو گیا ہے اسے "اجماعی فیصلہ" یا "مسئلہ اجماعیہ" یا "مسئلہ مجمع علیہا" کہا جاتا ہے اس کی حیثیت احکام شرعیہ کی دلیل اور فقہ کا ماخذ ہونے کے اعتبار سے وہی حکم ہے جو نبی کریم ﷺ کی سنت

کی ہے جس طرح سنت متواترہ دلیل قطعی ہے اور سنت غیر متواترہ دلیل ظنی ہے اسی طرح جو اجماعی فیصلہ ہم تک تواتر سے پہنچا ہو وہ قطعی احکام کیلئے دلیل قطعی ہے اور جو تواتر کے بغیر قابل اعتماد روایت سے پہنچا ہو وہ دلیل ظنی ہے

اجماع کو خود قرآن وسنت نے حجت قرار دیتے ہوئے مسلمانوں پر اجماع کی پیروی اسی طرح لازمی قرار دی ہے جس طرح وحی سے ثابت شدہ احکام کی پیروی لازم ہے۔ چنانچہ قرآن کریم نے بتایا کہ آخرت میں جو سزا نبی کریم ﷺ کی مخالفت کرنے والوں کو ملے گی وہی سزا ان لوگوں کو دی جائے گی جو مسلمانوں کا متفقہ دینی طریقہ چھوڑ کر کوئی دوسرا راستہ اختیار کریں گے، ارشاد ہے: ﴿ومن يشاقق الرسول من بعد ما تبين له الهدى ويتبع غير سبيل المؤمنين نوله ما تولى ونصله جهنم﴾ "اور جو شخص رسول اللہ ﷺ کی مخالفت کرے گا بعد اس کے کہ اس پر حق ظاہر ہو چکا ہو اور سب مسلمانوں کے (دینی) راستہ کے خلاف چلے گا تو ہم اس کو (دنیا میں) جو کچھ وہ کرتا ہے کرنے دیں گے اور (آخرت میں) اس کو جہنم میں داخل کریں گے" اس سے معلوم ہوا امت کے متفقہ فیصلے (اجماع) کی مخالفت گناہ عظیم ہے۔ اور دوسری جگہ ارشاد ہے: ﴿وكذلك جعلناكم أمة وسطا لتكونوا شهداء على الناس ويكون الرسول عليكم شهيدا﴾ "اور اسی طرح ہم نے تم کو ایسی امت بنایا ہے جو نہایت اعتدال پر ہے تاکہ تم لوگوں پر گواہ بنو اور تمہارے (قابل شہادت اور معتبر ہونے کے) لئے رسول ﷺ گواہ بنیں" معلوم ہوا کہ اس امت کے جو اقوال واعمال متفقہ طور پر ہوں وہ سب اللہ تعالیٰ کے نزدیک درست اور حق ہیں کیونکہ اگر سب کا اتفاق کسی غلط بات پر تسلیم کر لیا جائے تو اللہ تعالیٰ کے ارشاد ﴿أمة وسطا﴾ کے کوئی معنی نہیں رہتے، نیز اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اس امت کو گواہ قرار دیکر دوسرے لوگوں پر اس بات کو حجت قرار دیا ہے، اس سے بھی یہی ثابت ہوا کہ اس امت کا اجماع حجت ہے، اسی آیت سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اجماع کا حجت ہونا صرف صحابہ کرامؓ یا تابعینؒ کے زمانہ کے ساتھ مخصوص نہیں، بلکہ ہر زمانے کے مسلمانوں کا اجماع معتبر ہے کیونکہ آیت میں پوری امت کو خطاب ہے۔

اسی طرح نبی کریم ﷺ نے احادیث میں اجماع کی حقانیت کو اور زیادہ صراحت اور تاکید سے بیان فرمایا، اس سلسلے کی احادیث اتنی زیادہ ہیں کہ ان کا مجموعہ حد تواتر کو پہنچ گیا ہے

اجماع کی تین قسمیں ہیں (۱) اجماع قولی (۲) اجماع عملی (۳) اجماع سکوتی، اجماع کی ان تینوں قسموں میں سے پہلی دو قسمیں تو سب فقہاء کے نزدیک حجت ہیں، البتہ تیسری قسم یعنی "اجماع سکوتی" کے حجت ہونے میں فقہاء کا اختلاف ہے، امام اعظمؒ، اکثر حنفیہ اور بعض شوافع کے نزدیک یہ "حجت قطعیہ" ہے۔ اور امام شافعیؒ، اکثر شوافع اور اکثر مالکیہ کے نزدیک حجت ہی نہیں۔ اور بعض فقہاء نے اسے "حجت ظنیہ" قرار دیا ہے

چوتھا ماخذ قیاس ہے:۔ قیاس کا لغوی معنی تقدیر اور مساوات کے ہیں تقدیر کے معنی اندازہ کرنے اور ناپنے کے ہیں جیسے کہا جاتا ہے "قست النعل بالنعل" ایک جوتے کا دوسرے جوتے کے ساتھ اندازہ کیا یعنی اس کو ناپا، اور مساوات کے معنی برابری

کرنے کے ہیں جیسے بولا جاتا ہے "فُلَانٌ لَا یُقَاسُ بِفُلَانٍ" فلاں فلاں کے مساوی و برابر نہیں ہو سکتا، اور اصطلاح شریعت میں قیاس کی مختلف تعریفات کی گئی ہیں زیادہ مقبول تعریف فقہاء کرام کے ہاں یہ ہے "تقدیر الفرع بالاصل فی الحکم و العلۃ" یعنی فرع کو حکم اور علت میں اصل کے برابر کرنا۔ قیاس کیلئے چار چیزوں کا ہونا ضروری ہے (۱) اصل یعنی مقیس علیہ جس پر فرع کو قیاس کیا جاتا ہے (۲) فرع یعنی مقیس کہ جس کو اصل پر قیاس کرکے اس کا حکم جاننا مقصود ہوتا ہے (۳) حکم جو اصل یعنی مقیس علیہ میں کتاب وسنت یا اجماع سے ثابت شدہ ہو (۴) علت یعنی وہ وصف جو اصل و فرع کے درمیان مشترک ہو اور مقیس علیہ میں حکم کی بنیاد ہو اور اسی وصف کی وجہ سے حکم کو مقیس علیہ سے مقیس کی جانب منتقل کیا جائے۔ اس کو آسان اور جدید کی تعبیر میں منصوص احکام کو غیر منصوص واقعات میں نافذ کرنا کہہ سکتے ہیں گو اس کا درجہ چوتھا ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ عملاً فقہ کا سب سے بڑا حصہ اسی اصول پر مبنی ہے اور یہی ہے جو ہر زمانہ میں فقہ اسلامی کو زندہ اور حالات زمانہ سے ہم آہنگ رکھتا ہے۔ اور یہ اجماع سے وسیع تر اور آسان تر ہے لیکن مکمل حجت یا طریقہ ہے، در شریعت کو نہایت اہم اور وسیع الاثر ماخذ ہے۔

اس کے جواز کی سند خود نبی کریم ﷺ کا یہ ارشاد ہے آپ ﷺ نے معاذ بن جبلؓ کو یمن بھیجنا چاہا تو ان سے جو گفتگو ہوئی وہ ابوداؤد میں اس طرح نقل کی ہے "أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا أَرَادَ أَنْ يَبْعَثَ مُعَاذًا إِلَى الْيَمَنِ قَالَ كَيْفَ تَقْضِي إِذَا عَرَضَ لَكَ قَضَاءٌ قَالَ أَقْضِي بِكِتَابِ اللّٰهِ قَالَ فَإِنْ لَمْ تَجِدْ فِي كِتَابِ اللّٰهِ قَالَ فَبِسُنَّةِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فَإِنْ لَمْ تَجِدْ فِي سُنَّةِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَا فِي كِتَابِ اللّٰهِ قَالَ أَجْتَهِدُ رَأْيِي وَلَا آلُو فَضَرَبَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَدْرَهُ وَقَالَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي وَفَّقَ رَسُولَ رَسُولِ اللّٰهِ لِمَا يُرْضِي رَسُولَ اللّٰهِ." (ابوداؤد کتاب الاقضیہ باب اجتہاد الرأی فی القضاء) نبی کریم ﷺ نے فرمایا اگر کتاب اللہ میں (صراحت) نہ پاؤ تو؟ عرض کیا: پھر رسول اللہ کی سنت کے مطابق، نبی کریم ﷺ نے فرمایا اگر سنت رسول اور کتاب اللہ میں بھی نہ پاؤ تو پھر؟ حضرت معاذؓ نے کہا تو پھر میں اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا، اس پر رسول اللہ ﷺ نے ان کے سینے پر ہاتھ مارا اور فرمایا: تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کیلئے ہیں جس نے رسول اللہ (ﷺ) کے قاصد کو اس چیز کی توفیق دی جسے اس کا رسول پسند کرتا ہے۔ حضرت عمرؓ نے بھی ایک مکتوب میں حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کو بعض مقدمات و معاملات کے سلسلے میں اسی نوع کی ہدایت دی تھی۔

اصول قیاس کی بدولت فقہ اسلامی میں بڑی وسعت پیدا ہوئی، اور اس میں تسلسل زمانی کا عنصر شامل ہو کر بہت سے مسائل و تغیرات کے بارے میں شرعی فیصلے حاصل کرنے کی سہولت پیدا ہوئی۔ بعض فقہاء کرام ایسے بھی ہوئے ہیں جو قیاس کو تسلیم نہیں کرتے مثلاً علامہ ابن حزم (ظاہری) اور داؤد ظاہری وغیرہ۔ یہ تو فقہ اسلامی کے بنیادی مصادر ہیں۔ اس کے علاوہ (۱) استحسان (۲) مصالح مرسلہ (۳) استصلاح (۴) استصحاب وغیرہ بھی ہیں جو ضمنی ماخذ کہلاتے ہیں۔

فقہ کے مآخذ و مصادر کا خلاصہ: جیسا کہ پہلے بیان ہوا ہے فقہ کے مسلّم ماخذ چار ہیں (۱) قرآن مجید (۲) سنت (۳)

اللہ ہے اور اگر غلط ہے تو غلطی میری طرف منسوب کی جائے ، اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف منسوب نہ کی جائے "حضرت عمرؓ کے اجتہادات (یا طریق استنباط) کے بارے میں فن کی جملہ کتابوں میں تفصیلات ملتی ہیں۔ آخری دور میں شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے رسالہ "مذہب فاروق اعظم" میں ان اصولوں کا عمدہ خلاصہ پیش کیا ہے۔ حضرت عمرؓ کا مفصل طریق کار اس فرمان سے واضح ہوتا ہے جو انہوں نے قاضی شریح کے نام لکھا اور ہدایت کی کہ قرآن وحدیث کے بعد اہل علم کے متفقہ مشورے (اجماع) سے ..... اور یہ بھی ممکن نہ ہو تو اس اجتہاد سے کام لو جو بہت سے اہل علم پہلے کر چکے ہیں۔ اور اگر یہ بھی معلوم نہ ہو تو خود قیاس کرو۔ کبار صحابہ کرامؓ کے ان اجتہادات اور بعض اوقات ان میں جزوی اختلاف کو دیکھ کر یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ یہ بزرگ حضرات (صحابۃ لوجہ اللہ) قرآن اور سنت نبوی ﷺ کی ترجمانی زریں روح تک پہنچنے کیلئے بذریعہ عامت کوشاں تھے اور اس معاملے میں حدود سے تجاوز ہی نہیں اور قوت غور و فکر کو کام میں لاتے تھے تا کہ صحیح معنوں میں قرآن وسنت کے حقیقی منشا تک پہنچنے کے ساتھ ساتھ تکلیف اور انسانی طبائع کیلئے بہا لا انطباق کی دشواری سے بھی بچتے تھے۔ ابن مسعودؓ کا حضرت عمر فاروقؓ کے متعلق قول ہے: کَانَ عُمَرُ اِذَا سَلَكَ طَرِيقًا وَجَدْنَاهُ سَهْلًا۔ اس کی روشنی میں اکابر صحابہ کرامؓ میں اپنے اپنے میلان یا معلومات عامہ کے فرق کے مطابق اختلاف بھی ہو جاتا تھا۔

۳) عہد اصاغر صحابہؓ و تابعینؒ: اس عہد میں بعض وہ فرقے جن کی بنیاد عہد عثمانی اور عہد علوی میں پڑ چکی تھی انہوں نے باہم تکفیر و تفسیق کا بازار بھی گرم کیا تھا۔ عہد رسالت اور عہد صحابہ سے قربت کی وجہ سے چونکہ ابھی تک دینی مزاج بہت گہرا تھا اور اسلامی قدریں دلوں میں راسخ تھیں اس لئے وہ بہر حال ہر بات کیلئے مذہبی سند کے طلبگار ہوتے تھے۔

اس دور کے چند نمایاں واقعات: ۱۔ بعض فرقوں نے احادیث گھڑیں اور من گھڑت احادیث پھیلانی شروع کر دیں اور بے جھجک خود آنحضرت ﷺ کی طرف ایسی احادیث کی نسبت بھی کر دی۔

۲۔ ان حالات کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس عہد میں سب سے بڑا کام تدوین حدیث کا ہوا پھر چونکہ صحابہ کرامؓ کی جماعت فتوحات کے ساتھ ساتھ اطراف ملک میں پھیل گئی۔ وہ احادیث کی صحت کے معاملے میں متن وسند کے لحاظ سے بڑے محتاط تھے۔ اس کے باوجود حدیث کی روایت مختلف وجوہ سے بکثرت ہونے لگی اور تعلیم یافتہ غلاموں کی ایک بہت بڑی تعداد پیدا ہوگئی جو روایت حدیث اور تعبیر احکام میں شریک ہوگئی۔ ان وجوہ سے دشواریاں بھی پیدا ہوگئیں۔

۳۔ اس زمانے میں رائے اور حدیث کی نزاع شدت اختیار کر گئی۔ اہل عراق میں اہل الرائے کی کثرت تھی اور اہل الحجاز میں اہل الحدیث کی۔ اس نزاع کے اندر سے بہت سے فقہی اصول و فروع نے جنم لیا اور فقیہوں کے دو بڑے گروہ ہو گئے ایک اہل الرائے اور دوسرا اہل الحدیث کا ترجمان تھا۔ ان کے برعکس بعض نے رائے کا بالکل انکار کر دیا مثلاً داؤد ظاہریؒ نے جو ظاہریہ کے امام تھے اس زمانے میں حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے کتابت و حفاظت حدیث کا خاص اہتمام کیا اور ابن الشہابؒ نے اس سلسلے میں خاص نام پایا۔ اس زمانے کے نامور فقیہوں کی فہرست طویل ہے، جس کی تفصیل آگے آئے گی۔ اس زمانے میں علم اور فقہ کے مفہوم میں فرق کیا جانے لگا

علوم کے معنی کی روایت یا معرفت نصوص (قرآن و حدیث) قرار پائے اور فقہ کے معنی روایت یا نصوص سے استنباط احکام کا ملکہ ہو گئے۔

۳۔ شیعی فقہ کی باقاعدہ تنظیم بھی اسی دور کی پیداوار ہے۔ زیدی فقہ پر ایک کتاب "المجموع" مرتب ہوئی جو کہ جاتا ہے کہ امام زید بن علی زین العابدین کی ہے جس کی صحت میں اختلاف ہے۔ (شیعہ کی کتب فقہ اور حدیث ایک بالکل جدا سلسلہ ہے اہل سنت علماء انہیں بالکل درخور نہیں سمجھتے) تاہم اسی دور میں شیعی فقہ نے امتیازات کے ساتھ مرتب ہونے کا آغاز ہوا۔

۴) عہد تبع تابعین۔ تبع تابعین کا یہ چوتھا دور دوسری صدی کے اواخر سے چوتھی صدی ہجری کی ابتدا تک ہے اسی دور کو فقہ اسلامی کا عہد شباب کہا جاتا ہے

اس دور کی چند نمایاں **خصوصیات**: احادیث کے مجموعے گو کہ اس سے پہلے ہی مرتب ہو چکے تھے مگر اب تک ان کو باب وار فقہی احکام کی ترتیب سے جمع نہ کیا گیا تھا۔ چنانچہ ایک علمی کتابی اور فنی صورت میں ان کو مرتب کرنے کا آغاز اسی دور میں ہوا مدینہ میں امام مالک، کوفہ میں امام ابو حنیفہ و سفیان ثوری نے بصرہ میں حماد بن سلمہ، سعید بن عروبہ نے واسط میں ہشیم بن بشیر نے شام میں عبدالرحمن اوزاعی نے مکہ میں عبدالعزیز بن جریج وغیرہ نے اور خراسان میں عبداللہ بن مبارک نے احادیث کی تدوین شروع کی ان کتابوں میں سب سے زیادہ مستند صورت میں امام مالک کی موطا اور ان کے بعد امام ابو حنیفہ کی مسند رہی ہے۔

پھر اسی دور کے اواخر میں احادیث کے بڑے بڑے صحیح اور مستند مجموعے مرتب ہوئے جس میں بطور خاص اس سلسلے کی مشہور کتابوں میں صحاح ستہ ہیں جسے امت نے حدیث کے صحیح ترین مجموعے تسلیم کیا ہے۔ نیز اسی عہد میں اسماء الرجال کا مستقل فن معرض وجود میں آیا۔

۲۔ اسی دور میں اصول فقہ کی ترتیب عمل میں آئی۔ مورخین لکھتے ہیں کہ اس موضوع پر سب سے پہلے امام ابو یوسف نے قلم اٹھایا لیکن اب ان کی کتاب کا کوئی سراغ نہیں ملتا اب اصول فقہ کی اولین کتاب جو موجود ہے امام شافعی کی "الرسالہ" ہے جس میں آیات قرآن، احادیث، قیاس و اجتہاد، استحسان، ناسخ و منسوخ، مثلاً حدیث اور خبر واحد وغیرہ سے بحث کی گئی ہے۔

۳۔ اسی زمانہ میں انکار حدیث کا مسئلہ بھی شروع ہو گیا۔ اور ایک طبقے نے کتاب اللہ کو کافی قرار دے کر سنت رسول اللہ ﷺ پر عمل کو دین کے خلاف کہا۔ امام شافعی نے اپنی کتاب "کتاب الام" میں بہت عمدہ دلائل سے گفتگو کی ہے۔

۴۔ اسی دور کے اواخر میں فقہی تدوین و ترتیب کا سلسلہ عروج پر ہوا اور مختلف فقہاء نے فقہ اور ان کے تلامذہ نے کتب فقہ کی تدوین اور ان کی نشر و اشاعت کی۔ جیسے حنفی مذہب کو مکمل اقتدار تلامذہ ملا ان کی فقہ مرتب ہوئی اور دنیا کو ان کا معمول بہ بن گئی اور جن فقہاء کو ایسے تلامذہ نہ ملے ان کی فقہ ضائع ہو گئی اور مسلمانوں میں عام نہ ہو سکی۔

۵۔ اسی طرح اس زمانہ میں جو کہ "تقلید شخصی" کا رواج نہ تھا اور آدمی کسی فقیہ سے دریافت کر کے اس کے مطابق عمل کرتا تھا تو اسی دور میں ہی تقلید کی ایک گونہ بنیاد پڑ رہی تھی۔

۶۔ فقہی اصطلاحات کا ظہور بھی اسی دور میں ہوا جیسے جائز و ناجائز، حلال و حرام، مکروہ و مستحب، فرض و واجب وغیرہ اسی سے

امام اعظم ابوحنیفہؒ کی سوانح حیات

(۶۱ یا ۸۰ھ تا ۱۵۰ھ)

امام صاحبؒ کی تاریخ پیدائش کے بارے میں تین اقوال ہیں (۱) ۸۰ ہجری کا، یہ جمہور محدثین اور مورخین کا قول ہے (۲) ۷۰ ہجری کا: اس کو بھی بہت سے محدثین نے اختیار کیا ہے جن میں سے خطیب بغدادیؒ کے معاصر امام ابوالقاسم سمعانی اور علامہ بدرالدین عینی بھی ہیں (۳) ۶۱ ہجری کا: اس کو بھی کئی محدثین و مورخین کی تائید حاصل ہے، چنانچہ علامہ زاہد الکوثریؒ نے بھی ان آخری دونوں اقوال کو ذکر کر کے ان کی ترجیح کی طرف اشارہ کیا ہے (مناقب الامام ابی حنیفہ از ذہبی مع حاشیہ)۔ ان آخری دو اقوال میں سے کسی ایک قول کو اختیار کیا جائے تو امام صاحبؒ کے تابعی ہونے پر، آپ کے صحابہ کرامؓ سے سماع کرنے پر بعض لوگوں نے جو اعتراضات و اشکالات کئے ہیں وہ خود بخود ختم ہو جاتے ہیں۔ کنیت امام ابوحنیفہؒ، نام نعمان، والد کا اسم گرامی ثابت فارسی الاصل تھے۔

امام ابوحنیفہؒ کے حق میں حضرت علیؓ کی دعا: امام صاحبؒ کے والد حضرت ثابت نے جب اپنے والد نعمان کے ساتھ حضرت علیؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضرت علیؓ نے حضرت ثابت کیلئے دعا فرمانے کے ساتھ ان کی اولاد کیلئے بھی دعا فرمائی کہ اے اللہ اس کو اور اس کے ساتھ اس کی اولاد کو بھی برکت دے۔ اس واقعہ کو خطیب بغدادیؒ سے لے کر امام صیمریؒ، امام موفقؒ، امام سیوطیؒ سمیت ہر محدث اور مورخ نے بلا اختلاف لکھا ہے۔ حضرت علیؓ کا حضرت ثابت کیلئے دعا فرمانے میں آپ کی اولاد کو شامل فرمانا حضرت علیؓ کی اس نگاہ میں امام صاحبؒ کے غیر معمولی مرتبہ کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ اس طرح امام صاحبؒ گویا حضرت علیؓ کی دعاؤں کا اثر تھے۔ فقہ کی تعلیم حماد بن ابی سلیمانؒ سے حاصل کی حدیث کی سماعت دیگر بہت سے تابعین کے علاوہ عطاء بن ابی رباحؒ اور نافع مولی ابن عمرؓ جیسے مشہور محدثین اور فقہاء سے کی۔ وہ کوفہ کے رہنے والے تھے جو فقہ دار الخلافہ کے قریب ہونے کی وجہ سے علمی اور تحریکی نیز سیاسی اعتبار سے مملکت اسلامی کے قلب کی حیثیت رکھتا تھا۔ پھر ان کا زمانہ بہت آفرین تھا، اسی زمانہ میں بنو اُمیہ کی حکومت کے تار و پود بکھرے اور بنو عباس کی خلافت قائم ہوئی، اور ابوالعباس سفاح تخت نشین ہوئے۔

سیاسی اعتبار سے امام ابوحنیفہؒ کا ہمیشہ خاندانِ نبوت سے گہرا تعلق رہا، اور جب بھی بنو اُمیہ یا بنو عباس نے ان پر مظالم ڈھائے امام ابوحنیفہؒ نے ان کی مذمت کی، انہوں نے ہشام بن عبد الملک کی حکومت کے سقوط اور بنو عباس کی حکومت کے آغاز پر اپنی خوشنودی اور رضامندی کا اظہار کیا، پھر جب عہد عباسی میں آل علی پر ستم اں گیزی اور بربریت شروع ہوئی تو اس پر بھی تنقید کی اور بر وقت ان کے مقابلہ میں باغیوں کا مالی تعاون کیا۔

ایک بار اموی دور میں ان کو "قاضی" کے عہدہ کی پیشکش کی گئی جو بہت بااختیار عہدہ تھا اور اس کے دستخط اور مہر کے بغیر کوئی فرمان نافذ نہیں ہو سکتا تھا دوسری بار عہد عباسی میں عہدہ قضاء پیش کیا گیا مگر ہر بار انکار کیا، کوڑے کھائے، قید ہوئے، یہاں تک کہ قید ہی میں انتقال ہو گیا مگر حکومت کی اس قربت اور عملاً اس کی تائید پر آمادہ نہ ہوئے۔ علمی اعتبار سے ابتداءً ان پر علم کلام کا

غالب تھا۔ اسے بڑی اہمیت دیتے۔ اعتقادی جدلیات میں بہت مہارت تھی، بڑے حاضر جواب اور نکتہ رس تھے، خوارج کے فرقے اباضیہ اور صفریہ سے بارہا مناظرے ہوئے مگر جلد ہی وہ اس مناظرہ بازی کے فن سے متنفر ہو گئے اور فقہ کی تدوین کی طرف توجہ کی۔

مدوّنِ فقہ امام ابوحنیفہؒ تھے:۔ فقہ کی موجودہ صورت کے وہ اولین مؤسس و مدوّن ہی تھے۔ انہوں نے اس کیلئے علمِ اسلام کے گوہر نایاب کو اپنے گرد جمع کیا اور قرآن، حدیث، اصول دین، لغت، معانی، اور قیاس وغیرہ کے ماہرین اور خواص کی ایک بڑی جماعت کے ساتھ تدوینِ فقہ کا کام کیا۔

یہ تو سب جانتے ہیں کہ اسلام ایک ہمہ گیر، وسیع اور دائمی ”نظامِ حیات“ ہے اور اس نے اپنی امتیازی شان ہمہ گیری اور دوامی حیثیت کی بقاء کی خاطر اپنے اندر لچک اور گنجائش رکھی ہے کہ ہر دور اور ہر قسم کی انسانی ضروریات کا ساتھ دے سکے اور کسی حزب پر اپنے پیروکاروں کی رہبری سے قاصر نہ رہے۔ مگر جس جس طرح انسان ترقی کرتا گیا اس کی ضرورتیں بڑھتی اور پھیلتی گئیں۔ پھر اسلامی حکومتوں کے بڑھتے ہوئے حدود نے نئے نئے مسائل سامنے لا کھڑے کئے۔ ادھر مزاجوں میں بڑی تیزی سے انقلاب آ چکا تھا اور وہ رات دن پھیلتا جا رہا تھا، سوز و گداز اور سادہ دلی و سادہ زندگی جو صحابہ کرامؓ کا شیوۂ خاص تھا ختم ہوتا جا رہا تھا ایران اور دوسرے عجمی ممالک کی سہل پسندی طبیعتوں میں مرکوز ہوتی جا رہی تھی اس نئے حالات کا تقاضا ہوا کہ کتاب و سنت کی تعلیمات ایک نئے انداز سے مرتب ہوں۔ صحابہ کرامؓ کے اقوال تلاش کئے جائیں اور دین کا سارا ذخیرہ سامنے رکھ کر ”نظامِ حیات“ کی ترتیب ایسے جاذب اور دلکش انداز میں ہو کہ ہے عالم و جاہل، ذہین و غبی، عربی و عجمی اور شہری و بدوی ہر ایک با آسانی سمجھ سکے۔ اور جو مسائل صراحۃً کتاب و سنت اور اقوالِ صحابہ میں موجود نہیں ہیں۔ علماء کے باہمی غور و فکر، بحث و تمحیص سے متعین ہوں۔ تاکہ آنے والی نسلیں پریشانیوں سے دوچار نہ ہونے پائیں۔ اور کتاب و سنت کی روشنی میں تیز گامی سے چل سکیں اور ساتھ ہی ان کی عجلت پسند اور سہل طلب طبیعتیں تلاش و تجسس کی مشقت سے محفوظ رہ جائیں۔ چنانچہ علماء ربانیین نے اس ضرورت کا احساس کیا اور اس کیلئے باضابطہ سب سے پہلے سراج الامت حضرت امام ابوحنیفہؒ آمادہ ہوئے اور آپ نے اپنے عہد کے علماء کرام کی ایک اچھی معقول تعداد جمع کی جس میں ہر علم و فن کے ماہرین شریک تھے، اور جو اپنے علم و فن میں بصیرت و مہارت کے ساتھ ساتھ زہد و اتقاء، خداترسی و فرض شناسی اور دوسرے اوصاف سے متصف تھے۔ خود امام ابوحنیفہؒ جو اس مجلس علماء کے صدر تھے، اس سارے کمالات و فضائل کے جامع تھے جس کی اس اہم دینی کام میں ضرورت ہوتی ہے، ہزاروں محدثین و شیوخ کے فیض یافتہ تھے کہ کم و بیش چار ہزار تابعین علماء و مشائخ سے آپ نے علم حاصل کیا تھا۔

امام صاحبؒ تابعی تھے:۔ پھر خود آپ کو تابعی ہونے کا شرف حاصل تھا، امام اعظمؒ کے تابعی ہونے پر اکیس ائمہ کی تصریحات موجود ہیں ان میں سے اختصار کے ساتھ صرف چند اقوال درج کئے جاتے ہیں۔

۱۔ خود امام اعظمؒ کی حضرت انسؓ بن مالک کی زیارت کرنے کے بارے میں صراحت موجود ہے چنانچہ امام صاحبؒ فرماتے

اللہ ﷺ عن مائة الف واربعة عشر الفا من الصحابة ممن روی عنه وسمع منه" ان سے ایک شخص نے پوچھا: اے ابوزرعہ کیا یہ نہیں کہا جاتا کہ نبی کریم ﷺ سے چار ہزار احادیث مروی ہیں؟ ابوزرعہ نے فرمایا: جس شخص نے ایسا کہا ہے اللہ تعالیٰ اس کو برباد کرے، یہ زنادقہ کا قول ہے۔ کون شخص نبی کریم ﷺ کی احادیث کا احاطہ کر سکتا ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ کے وصال کے وقت ایک لاکھ چودہ ہزار صحابہ کرامؓ موجود تھے جنہوں نے آپ ﷺ سے حدیث روایت کی اور آپ ﷺ سے سماع کیا۔ (مقدمہ ابن صلاح، حافظ عراقی، علوم الحدیث)

حدیث روایت کرنے کے اعتبار سے صحابہ کرامؓ کے بنیادی طور پر چار طبقات ہیں (۱) کثیر الروایہ (۲) اوسط الروایہ (۳) قلیل الروایہ (۴) اقل الروایہ۔ کثیر الروایہ اس طبقہ میں وہ صحابہ کرام شامل ہیں جن سے مروی احادیث کی تعداد دو ہزار سے زائد ہے۔ (کثیر الروایہ صحابہ کرامؓ کو اصطلاح میں اصحاب الالوف کہا جاتا ہے۔) کثیر الروایہ صحابہ چھ ہیں ان کے نام حسب ذیل ہیں: ابوہریرہؓ، ابن عمرؓ، انسؓ، ام المومنین عائشہؓ (ابن حزم، اسماء الصحابہ الرواۃ)

صحابہ کرامؓ میں تعداد مجتہدین واصحاب افتاء: تمام صحابہ کرامؓ میں سے صرف دس مجتہد تھے ان کے نام گرامی یہ ہیں ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ، علیؓ، عبدالرحمن بن عوفؓ، معاذ بن جبلؓ، ابن مسعودؓ، زید بن ثابتؓ، ابی بن کعبؓ، ابوموسیٰ اشعریؓ (الطبقات الکبریٰ، ابن سعد) اور کل صحابہ کرامؓ میں سے صرف ایک سو تیس صحابہ کرام منصب افتاء پر فائز تھے (ابن حزم، الاحکام فی اصول الاحکام)

اوپر جو تفصیل ذکر کی گئی اس میں دو باتیں قابل غور ہیں (۱) یہ کہ عہد نبوی ﷺ اور عہد خلفائے راشدین میں مجتہد اور فقیہ صحابہ کرامؓ کی تعداد صرف دس تھی اس بات سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ منصب کتنے بلند مرتبہ کا حامل ہے جو ایک لاکھ چودہ ہزار صحابہ کرامؓ میں سے صرف دس کو نصیب ہوا۔ (۲) دوسری بات یہ ہے کہ جو چھ صحابہ کرام کثیر الروایہ کے منصب پر فائز ہیں ان میں سے کوئی ایک بھی دس مجتہدین اور فقہاء صحابہ کرامؓ میں شامل نہیں (۳) تیسری بات یہ ہے کہ دس کے دس مجتہدین صحابہ کرام میں حدیث روایت کرنے کے اعتبار سے اوسط الروایہ اور قلیل الروایہ میں شمار ہوتے ہیں۔ اتنا واضح فرق ہونے کے باوجود کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ مجتہدین صحابہ کرامؓ کا شمار محدثین یا حفاظ حدیث صحابہ میں نہ ہوتا تھا یا یہ کہ ان کے پاس اتنا ذخیرۂ حدیث نہ تھا۔

اسی طرح اگر روایت حدیث اور افتاء کے حوالے سے بھی نظر ڈالیں تو ان میں بھی زمین و آسمان کا فرق نظر آتا ہے کہاں ایک سو تیس مفتیان صحابہ کرامؓ اور کہاں ایک لاکھ چودہ ہزار روایت صحابہ کرامؓ؟ اس سے یہ حقیقت عیاں ہوتی ہے کہ محض حدیث کو روایت کرنا اور اس میں فقہ و بصیرت سے کام لینا دو مختلف امور ہیں۔ یہی وجہ تھی کہ ان میں سے ہر صحابی فتویٰ دینے کے مقام پر فائز نہ تھا۔ اگرچہ ان میں تمام حضرات راوی حدیث تھے۔ اس فرق کے باعث فقہاء عظام اور محدثین کرام کے درمیان حد فاصل بھی خود بخود قائم ہو جاتی ہے اور فقہاء فکری اور علمی اعتبار سے محدثین سے بلند رتبہ کے حامل ٹھہرتے ہیں کیونکہ محدثین اگر حدیث سے واقف ہیں تو فقہاء حدیث اور اس کے فہم دونوں سے آگاہ ہیں۔ حضرت عمر فاروقؓ اسی فرق پر بعض اوقات حسرت کا اظہار فرماتے تھے کہ کثیر

رواۃ اور محدثین صحابہ کرامؓ تو موجود ہیں مگر احادیث کا فہم و ادراک رکھنے والے کثیر فقہا موجود نہیں۔ درج ذیل روایت سے اسی حقیقت کا پتہ چلتا ہے۔ انّ عمر بن الخطاب قال یوما: عدوا الائمۃ فعدوا لہ سبعا من خمسۃ. قال المتروک اکثر من تسعۃ. فسألت مالکا: من الائمۃ من ہم؟ قال: ہم ائمۃ الذین فی الفقہ والورع. (تدریب الراوی) "عمرؓ نے ایک روز فرمایا: ائمہ کو شمار کر سکتے ہیں؟ جب لوگوں نے شمار کیا تو وہ پانچ کے قریب تھے۔ آپ نے فرمایا: کیا لوگ ائمہ کے بغیر ہی رہ رہے ہیں؟ راوی (ابن وہب) کہتے ہیں کہ میں نے امام مالکؒ سے پوچھا: ائمہ سے کون لوگ مراد ہیں؟ انہوں نے کہا: ان سے مراد فقہ اور زہد و ورع پر فائز حضرات ہیں"۔

لہذا مجتہد و فقیہ ہونا بہت بھاری ذمہ داری ہے جس کیلئے قرآن و احادیث کا علم اور ان میں احکام کا فہم و ادراک دونوں ضروری ہیں اس تفصیل سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ ایک مجتہد کا بنیادی کام مسائل کا استنباط ہے نہ کہ روایت حدیث۔ یہی صورت حال امام ابو حنیفہؒ، امام شافعیؒ اور دیگر کثیر الروایہ محدثین کے درمیان رونما ہوئی امام ابو حنیفہؒ، امام شافعیؒ کے پاس احادیث کا وسیع ذخیرہ موجود تھا لیکن ترجیحی طور پر وہ دوسرے علمی اور فکری مشاغل میں ایسے مصروف ہوئے کہ دیگر محدثین کی طرح وہ کثیر روایت نہ کر سکے۔ لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہو سکتا کہ امام اعظمؒ اور دوسرے مجتہدین حضرات حدیث سے شغف نہیں رکھتے تھے بلکہ مخالفین اور حاسدین قلت روایت کی آڑ میں امام اعظمؒ کی حدیث دانی اور فقہی قدر و منزلت کو مجروح کر کے خلیج کا راستہ روکنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ مگر مذکورہ بالا تفصیل سے یہ بات بالکل روز روشن کی طرح عیاں ہو گئی ہے کہ قلت روایت، قلت علم اور قلت فقہ و اجتہاد کو مستلزم نہیں ہے لیکن آنے والی تفصیل سے یہ بات بھی واضح ہو جائیگی کہ امام اعظمؒ پر جو قلت روایت کا الزام ہے وہ محض ایک پروپیگنڈہ ہے جس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں

امام اعظمؒ سے امام بخاریؒ کے عدم روایت کا اعتراض: دوسرا اعتراض جو غیر مقلدین کی طرف سے بڑا شد و مد سے کیا جاتا ہے وہ یہ کہ امام صاحبؒ سے امام بخاریؒ کا روایت نہ کرنا ان کے ضعیف ہونے پر دال ہے۔ ان کا یہ اعتراض بھی محدثین کے اخذ حدیث کے اصول سے عدم واقفیت پر مبنی ہے، کیونکہ کسی سے روایت نہ لینا صرف اس کے ضعف کی وجہ سے نہیں ہوتا بلکہ اس کے اسباب اور وجوہات اور بھی ہیں۔ اگر کسی سے روایت نہ لینا اس کے ضعیف اور غیر ثقہ ہونے کی طرف اشارہ ہے تو امام بخاریؒ نے ایک روایت بھی امام شافعیؒ کی سند سے نہیں لی حالانکہ امام شافعیؒ ان کے نزدیک ضعیف یا غیر ثقہ نہیں ہیں۔ اسی طرح امام احمد بن حنبلؒ سے بھی صرف ایک حدیث لی ہے اور وہ بھی تعلیقاً اس سے یہ بات واضح ہو گئی کہ عدم اخذ حدیث کی وجوہات کچھ اور ہیں۔ اس کی کئی وجوہات بیان کی گئی ہیں ان میں سے دو وجوہات زیادہ مشہور ہیں (۱) امام اعظمؒ پر ارجاء کا الزام لگایا گیا تھا اور اس الزام نے بہت شہرت پکڑی اور یہ الزام امام بخاریؒ تک بھی پہنچا لیکن اس کی تردید اس طرح نہ پہنچ سکی تو انہوں نے اسی وجہ سے امام اعظمؒ سے روایت نہیں کی (۲) امام بخاریؒ کے نزدیک امام اعظمؒ سے حدیث نہ لینے کا سبب ان کا غیر ثقہ، ضعیف یا قلیل الحدیث

ہوا نہیں بلکہ ایک علمی اختلاف کی وجہ سے تھا جس پر دونوں ائمہ کا موقف اپنی اپنی جگہ بے چوں تھا۔ امام اعظمؒ اور امام بخاریؒ کے درمیان علمی اختلاف "ایمان" کی تعریف پر تھا۔ امام اعظمؒ تصدیق قلبی اور زبانی اقرار کو نفس ایمان کا نام دیتے ہیں اور اس میں عمل کو شامل نہیں کرتے جبکہ امام بخاریؒ ایمان کی تعریف میں قول و عمل دونوں کو شامل کرتے تھے۔ ایمان کی تعریف میں اس بنیادی اختلاف کی وجہ سے امام بخاریؒ خود فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے عقیدہ کے خلاف کسی سے روایت قبول نہیں کی چنانچہ امام محمد بن ابی حاتمؒ سے روایت ہے کہ امام بخاریؒ فرماتے ہیں: کتبت عن الف وثمانین نفسا لیس فیہم الا صاحب حدیث، وقال لم اکتب الا عمن قال ان الایمان قول وعمل۔ "میں نے بذات خود ایک ہزار اسی (۱۰۸۰) افراد سے حدیث کو نقل کیا ہے ان میں سے ہر ایک محدث تھا، اور امام بخاریؒ نے کہا: میں نے حدیث کو صرف اسی محدث سے نقل کیا جس نے کہا کہ بے شک ایمان قول و عمل کا نام ہے" (مقدمہ فتح الباری)۔ چونکہ امام بخاریؒ کے عقیدہ اور مسلک کے مطابق ایمان قول و عمل دونوں کا نام تھا لہٰذا انہوں نے حدیث روایت کرنے میں بھی اپنے اسی عقیدہ کا التزام کیا اور صرف ان محدثین سے احادیث روایت کیں جو قول و عمل دونوں کو تعریف ایمان میں شامل کرتے۔ اسی علمی اختلاف کے باعث انہوں نے ایمان کی تعریف میں عمل کو شامل نہ کرنے والوں سے احادیث نہ لیں جن میں امام صاحبؒ کا نام بھی آتا ہے۔ اس علمی اختلاف کو امام بخاریؒ کا خود نقل کرنا ان کی ایمانداری و دیانت داری، تقویٰ، صداقت و امانت اور عدالت پر دلالت کرتا ہے نیز اپنے بیان سے انہوں نے امام اعظمؒ کے مخالفین پر یہ بھی واضح کر دیا کہ وہ امام اعظمؒ کو قطعاً غیر ثقہ اور ضعیف نہیں سمجھتے تھے بلکہ ایمان کی تعریف پر ایک بنیادی علمی اور اعتقادی اختلاف تھا جس کی وجہ امام بخاریؒ نے امام اعظمؒ کے طریق سے حدیث روایت نہیں کی۔

امام اعظمؒ اور علم حدیث: امام الائمہ نعمان بن ثابتؒ میں جہاں خالق کائنات نے اور بہت سی خوبیاں اور کمالات ودیعت رکھی تھیں وہاں ان کو علم حدیث سے وافر حصہ مرحمت فرمایا تھا اور علم فقہ کی طرح علم حدیث میں بھی بعض خصوصیات میں اپنے معاصرین پر فائق تھے۔ یہاں اختصار کے مد نظر روایت اور علم حدیث کے متعلق چند اقوال ذکر کئے جاتے ہیں جن سے امام اعظمؒ کی علم حدیث میں جلالت شان واضح ہوتی ہے۔

(۱) مشہور محدث امام مسعر بن کدامؒ (متوفی ۱۵۵ھ) کی جلالت قدر سے کون واقف نہیں۔ یہ مسعر بن کدامؒ جو امام اعظمؒ کے ہم عصر و ہم سبق تھے وہ فرماتے ہیں: طلبت مع ابی حنیفۃ الحدیث فغلبنا واخذنا فی الزھد فبرع علینا وطلبنا معہ الفقہ فجاء منہ ما ترون۔ "میں نے اور ابوحنیفہ نے اکٹھے حدیث پڑھنی شروع کی وہ ہم پر غالب رہے علم حدیث میں ہم سب طلبہ سے بڑھ گئے۔ ہم زہد و سلوک میں پڑے تو اس میں بھی وہ کمال پر پہنچے اور ہم نے ان کے ساتھ فقہ پڑھنی شروع کی تو اس میں بھی وہ اس مقام پر آ پہنچے جو تم دیکھ رہے ہو"۔ (مناقب ابی حنیفہ للذہبی)

(۲) محمد بن حسین موصلیؒ اپنی کتاب ضعفائے اخیر میں لکھتے ہیں کہ امام الجرح والتعدیل یحییٰ بن معینؒ فرماتے ہیں: کہ وکیع بن

بجز یہ کہ امام ابوحنیفہ کے مذہب پر فتویٰ دیا کرتے تھے اور امام کی تمام حدیثوں کو یاد رکھتے تھے اور انہوں نے بہت سی احادیث سن رکھی تھیں۔ ایک دفعہ یحییٰ بن معینؒ سے پوچھا گیا کہ امام ابوحنیفہؒ حدیث کی روایت میں کیسے ہیں؟ فرمایا صدوق ہیں۔ ایک دفعہ پھر ان سے پوچھا گیا کہ ابوحنیفہؒ، شافعیؒ اور ابویوسفؒ میں سے کون درست تر ہے؟ فرمایا: کہ شافعی کی حدیث پسند نہیں کرتا اور ابوحنیفہؒ سے ایک گروہ صالحین نے حدیث کی روایت کی اور ابویوسفؒ اگرچہ صدوق ہیں مگر میں ان سے روایت جائز نہیں دیکھتا۔

(۳) تمام ازتم پانچ لاکھ احادیث بیک نظر آپ کے سامنے ہوتی تھیں۔ آپ نے اپنے بیٹے حماد کو ان پانچ حدیثوں پر عمل کرنے کی وصیت کی ان کے بارے میں فرمایا کہ میں نے یہ پانچ لاکھ احادیث سے منتخب کی ہیں۔ وصیت نمبر ۱۱ کے تحت لکھتے ہیں: تعمل بخمسة احاديث جمعتها من خمس مائة ألف حديث: "ان پانچ احادیث کو خاص طور پر معمول بہ بنانا جن کو میں نے پانچ لاکھ احادیث سے منتخب کیا ہے"۔

(۴) حافظ ذہبیؒ لکھتے ہیں: كان يحيى القطان يفتي بقول ابي حنيفة ايضا "یحییٰ بن القطان ابوحنیفہؒ کے قول پر بھی فتویٰ دیتے تھے" (تذکرہ ص ۲۸۹) یہ اس وجہ سے کہ امام تھے کہ امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں: ما رأيت بعيني مثل يحيى بن سعيد القطان "میں نے اپنی آنکھوں سے یحییٰ بن سعید قطان کی مثل کسی کو نہیں دیکھا"۔ اس وجہ کے عظیم القدر محدث کا فقہی مسائل میں امام ابوحنیفہؒ کی پیروی کرنا اور ان کے قول پر فتویٰ دینا اس بات کا پتہ دیتا ہے کہ امام اعظمؒ حدیث اور فقہ میں کتنا اونچا مقام رکھتے تھے۔

(۵) عبداللہ بن داؤدؒ فرماتے ہیں: کہ جب کوئی آثار یا حدیث کا قصد کرے تو اس کیلئے سفیان ثوریؒ ہیں ... اور جب آثار یا حدیث کی باریکیوں کو معلوم کرنا چاہے تو امام ابوحنیفہؒ ہیں۔ (سیرۃ النعمان)

امام اعظمؒ کی تعداد مرویات: (۱) امام اعظمؒ ابوحنیفہؒ سے کافی تعداد میں وحدانیات مروی ہیں۔ جن کو ابومعشر عبدالکریم بن عبد الصمد طبری شافعیؒ نے امام صاحبؒ کی ان وحدانیات کو ایک جزء میں جمع کیا ہے۔ ان روایات کو امام صاحبؒ نے نبی کریم ﷺ سے ایک واسطہ سے روایت کیا ہے، جو آپ کے معاصرین یا بعد میں آنے والے کسی بھی محدث سے مروی نہیں۔ (مقدمہ حدیث)

(۲) امام صاحبؒ سے سینکڑوں ثنائیات مروی ہیں، لہٰذا یہ بھی آپ کا عظیم الشان خاصہ ہے۔ ثنائیات روایت کرنے میں معروف محدثین میں سے صرف امام مالکؒ آپ کے شریک ہیں۔

(۳) امام صاحبؒ سے سینکڑوں ثلاثیات مروی ہیں امام شافعیؒ، امام احمدؒ، امام بخاریؒ اور بعض دیگر ائمہ حدیث سے ثلاثیات مروی ہیں لیکن وہ تعداد میں بہت کم ہیں۔ امام صاحبؒ ان شخصیات میں سے ایک ہیں جن کو یہ حصہ بھی بہت زیادہ میسر آیا ہے۔

(۴) امام صاحبؒ نے جو حدیث اعلیٰ اسناد سے لی ہے وہی حدیث باقی محدثین نے نازل اسناد سے لی ہے۔ یوں امام صاحبؒ کا حدیث میں بھی بلند رتبہ نکھر کر سامنے آتا ہے۔

(۵) امام صاحبؒ سے پندرہ سے زائد مسانید مروی ہیں۔ جن کو ابوالمؤید محمد بن محمود خوارزمیؒ نے یکجا کر دیا ہے اس مجموعے کا

نام جامع المسانید ہے (تذکرۃ المحدثین) اور اس کے علاوہ امام صاحبؒ سے ہزار ہا احادیث مروی ہیں تفصیل کیلئے ملاحظہ فرمائیں "امام ابوحنیفہ امام الائمہ فی الحدیث" ج ۱/۲

بہرحال حقیقت یہی ہے کہ امام صاحبؒ اور آپ کے اصحاب پہلے محدث پھر فقیہ تھے اور احادیث کے ساتھ بھی اپنے دور کے مذاق کے مطابق وہی شغف رکھا جو رکھنا چاہئے تھا

کیفیت تدوین فقہ: حماد بن ابی سلیمان کی وفات کے بعد امام اعظم کو پیشوائی کا منصب اعزاز حاصل ہوا۔ وہ سالہا سال درس دیتے رہے اور فتوے نیز فیصلے کرتے رہے کہا جاتا ہے کہ انہوں نے اپنی زندگی میں ساٹھ ہزار اور بعض علماء کے قول کے مطابق ۸۳ ہزار مسائل پر فتوے دیئے۔ یہ بات پہلے گذر چکی کہ فقہ باقاعدہ تشکیل و تدوین میں امام صاحبؒ کو اولیت حاصل ہے۔ اس غرض کیلئے انہوں نے تلامذہ کی ایک شورائی جماعت بنائی جن کی اصابت رائے پر امام صاحبؒ کو اعتماد تھا۔ اس طرح امام صاحبؒ نے اجتماعی مشورے اور بحث کے بعد فتویٰ کا طریقہ رائج کیا۔ محض ذاتی رائے کے مرتبے میں آنے کا احتمال نظر نہیں۔ مجلس کا طریقہ کار یہ تھا کہ شوریٰ کا ہر رکن کسی مسئلہ پر بحث و فکر کے بعد جس نتیجے پر پہنچتے اسے لکھ لیا جاتا۔ لکھنے کا کام امام ابو یوسفؒ کے سپرد تھا (تاریخ بغداد) ان فیصلوں کو امام صاحبؒ کی زندگی ہی میں مختلف عنوانات کے تحت مرتب کر لیا گیا تھا (مناقب امام اعظم) ان کتابوں میں تقریباً پانچ لاکھ فیصلے ہوئے جن میں پیش آمدہ صورتوں کے علاوہ امکانی صورتیں بھی مد نظر تھیں۔ اس طرح مسائل کی بہت سی انواع سے متعلق فیصلے مرتب ہوگئے۔ تدوین فقہ میں بہت سے علوم مروجہ سے کام لیا گیا یہاں تک کہ ریاضی و حساب سے بھی۔ بین الاقوامی قانون بھی دنیا میں سب سے پہلے انہوں نے ہی مرتب کیا جو "کتاب السیر" کے عنوان سے بیان ہوا۔ فقہ کے اس مسلک کو قبول عام نصیب ہوا چنانچہ خلافت عباسیہ کی وسیع حدود میں اس کا رواج ہوا۔ آج بھی ملت اسلامیہ کا سواد اعظم اسی مسلک کا پیرو ہے

تدوین فقہ اور مسائل کا پھیلاؤ: فقہ کا جو کام امام اعظم کی زیر نگرانی انجام پایا تھا وہ ان کے تلامذہ کے ذریعہ عام ہوا اور ضرورت اور تقاضائے وقت کے ساتھ پھیلتا اور بڑھتا گیا۔ کسی منزل پر جا کر رکا نہیں۔ اور یہی ہونا بھی چاہئے تھا کیونکہ انسانی ضرورتیں نئی نئی شکلیں اختیار کرتی رہیں اور نئی ایجادات و جدت پسندی کے ساتھ نئے مسائل ابھرتے رہے اور ان شاء اللہ یہ سلسلہ تاقیامت یونہی جاری رہے گا۔ اور یہی وجہ ہے کہ فقہ کی احادیث میں بڑی فضیلتیں بیان کی گئی ہیں۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے من یرد اللہ به خیرا یفقهه فی الدین وانما انا قاسم واللہ یعطی "اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ بہتری کا ارادہ فرما لیتا ہے دین میں اسے بصیرت عطا کر دیتا ہے، اور میرا کام تو بس تقسیم کرنا ہے، حقیقت میں عطا و بخشش اللہ تعالیٰ کا کام ہے"۔ اس حدیث میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ فقاہت اور استنباط و استخراج میں بصیرت فیضان الٰہی ہے، انسانی عمل کو اس میں دخل نہیں، قدرت کی طرف سے یہ فیضان ان بندوں پر ہوتا ہے جن پر وہ اتارنا چاہتا ہے۔

ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا فقیه واحد اشد علی الشیطان من الف عابد "ایک فقیہ شیطان پر

ہزار عابد سے زیادہ بھاری ہے"۔

فقہ حنفی کے محور اربعہ: جن سیکڑوں بلکہ ہزاروں طلبہ نے امام صاحبؒ سے بہ حیثیت طالب علم استفادہ کیا اور جنکو فروعات کی تفریع اور ان کے جواب کی تخریج میں ید طولیٰ حاصل تھا ان میں سب سے زیادہ مشہور یہ چار ہیں

ا۔ **امام ابو یوسفؒ** (قاضی) امام ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم الانصاری (تاریخ پیدائش ۱۱۳ھ/۷۳۱ء وفات ۱۸۲ھ/۷۹۸ء) نے ابن ابی لیلیٰ سے فقہ کی تعلیم حاصل کی ان کے ساتھ ایک مدت تک قیام کیا۔ اس کے بعد امام ابو حنیفہؒ کے درس میں آئے اور ان کے ارشد تلامذہ میں شمار ہوئے اور امام صاحبؒ کے مذہب پر کتابیں لکھیں۔ امام صاحبؒ کا مسلک بڑی حد تک انہیں کے ذریعہ تمام دنیائے اسلام میں پھیلا۔ امام ابو یوسفؒ نے بہت سی کتابیں لکھوائیں (املاء کرائیں) لیکن ان کی اہم کتاب جو موجود ہے اور طبع ہو چکی ہے "کتاب الخراج" ہے۔ یہ ہارون الرشید کے نام ایک خط کی صورت میں ہے ان کی کتاب "اختلاف ابی حنیفۃ وابن ابی لیلیٰ" جیسا کہ نام سے ظاہر ہے اپنے دونوں اساتذہ کی اختلافی آراء پر مشتمل ہے

امام ابو یوسفؒ کا طریق استنباط عراقی مسلک کی پوری ترجمانی کرتا ہے۔ یعنی قرآن و حدیث سے استناد اور اجماع صحابہؓ کے بعد عقل و تجربہ اور نفسیات انسانی کا اصول ان کے مد نظر ہے۔ اور مقصد فریقین کے معاملہ میں حق و انصاف کا حصول اور انہیں ضرر سے بچانا ہے۔ انہوں نے قاضی ہونے کی مناسبت سے معاملات و امور کی وقتی شکلوں سے جو عملی تجربہ حاصل کیا اس سے انہوں نے استنباط میں بڑا فائدہ اٹھایا۔

۲۔ **امام محمد بن حسن بن فرقد الشیبانی:** (تاریخ پیدائش ۱۳۱ھ/۷۴۸ء وفات ۱۸۹ھ/۸۰۴ء) انہوں نے امام ابو حنیفہؒ سے مسلک عراق کی تعلیم حاصل کی۔ لیکن چونکہ ان کے شباب ہی میں امام صاحبؒ کا انتقال ہو گیا تھا اس لئے اپنے استاذ کے ساتھ ان کی مصاحبت زیادہ نہیں رہی۔ انہوں نے زیادہ تر امام ابو یوسفؒ سے تربیت حاصل کی۔ وہ امام شافعیؒ سے مناظرے ہوئے جو امام محمدؒ کی اکثر کتابوں میں موجود ہیں خوش قسمتی سے انکی اکثر کتابیں محفوظ ہیں انکی کتاب "الجامع الصغیر" ان کے دو شاگردوں (عیسیٰ بن ابان اور محمد بن سماعہ) کی روایت ہے۔ اس کے مسائل چالیس کتابوں میں بیان ہوئے ہیں۔ "الجامع الکبیر" میں بھی یہی انداز ہے۔ ان کے شاگرد احمد بن حفصؒ نے اسے روایت کیا ہے۔ اس کے علاوہ "السیر الصغیر" اور "السیر الکبیر" بھی ہیں اور "کتاب الآثار" بھی ہے اور نوادر کے نام سے بھی کچھ کتابیں ہیں۔ انہوں نے امام مالکؒ کی "الموطا" کی روایت خود انہیں سے کی ہے۔

۳۔ **امام زفرؒ زفر بن ہذیل بن قیس الکوفی:** (تاریخ پیدائش ۱۱۰ھ وفات ۱۵۸ھ) پہلے حدیث پڑھی۔ پھر امام صاحبؒ کے حلقۂ درس میں بیٹھ کر قیاس کے امام ہوئے۔ ساری زندگی تعلیم و تعلّم میں گذار دی

۴۔ **امام حسنؒ حسن بن زیاد اللؤلؤی:** (تاریخ پیدائش معلوم نہیں ہو سکی وفات ۲۰۴ھ) امام صاحبؒ سے تحصیل علم فقہ کی ابتداء کی اور صاحبینؒ سے اس کی تکمیل کی۔ فقہ حنفی پر متعدد کتابیں لکھیں۔ قیاس کے ماہر تھے کچھ عرصہ قاضی رہے

فقہ حنفی کے بنیادی چار ائمہ ہیں جن سے مذہب پھیلا۔ فقہ حنفی اگرچہ امام ابوحنیفہؒ کی طرف منسوب ہے مگر فی الحقیقت ان کی اور ان کے تلامذہ بالخصوص مندرجہ بالا چار ائمہ کی آراء کا مجموعہ ہے اور سب پر فقہ حنفی کا اطلاق ہوتا ہے۔ پھر ان میں بھی امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کی کوشش زیادہ ہے۔

فقہ حنفی کا سلسلہ نسب: عہد فاروقی کے بعد چونکہ صحابہ کرام عالم اسلام کے مختلف علاقوں اور علاقوں میں پھیل گئے، وہ جہاں گئے ان کے وجود سے ایک انجمن بن گئی، وہاں ان کے تلامذہ پیدا ہوئے اور فطری طور پر ان کی فقہی آراء اور اجتہادات کی گہری چھاپ پڑ گئی۔ چنانچہ امام شافعیؒ کے مسلک کی بنیاد اکثر ابن عباسؓ کی مرویات اور فقہی اجتہادات پر ہے۔ جبکہ ابن مسعودؓ کے کوفہ میں مقیم ہونے کی وجہ سے امام ابوحنیفہؒ کی فقہ پر ان کی آراء اور اجتہادات کے گہرے اثرات ہیں، اس لئے یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ صحابہؓ میں فقہ حنفی کا سلسلہ ابن مسعودؓ سے ملتا ہے۔ فقہاء احناف نے اس کی تاریخ یوں بیان کی ہے کہ امام ابوحنیفہؒ نے حماد سے، انہوں نے ابراہیم نخعیؒ، انہوں نے علقمہ سے اور علقمہ نے ابن مسعودؓ سے فقہ کی تعلیم حاصل کی۔ پھر امام صاحبؒ کی آراء کو امام ابو یوسفؒ نے مدون کیا اور اس کی اشاعت امام محمدؒ کے ذریعہ ہوئی۔ چنانچہ بعض حضرات نے اس کو تمثیلی انداز میں یوں بیان کیا ہے: زرعہ ابن مسعود وسقاه علقمة وحصده ابراهيم وداسه حماد وطحنه ابو حنيفة وعجنه ابو يوسف وخبزه محمد وياكل منها جميع الناس۔

طبقات فقہاء

علامہ ابن عابدین شامیؒ نے اپنے رسالہ "شرح عقود رسم المفتی" فقہاء کے سات طبقات لکھے ہیں

(۱) پہلا طبقہ مجتہدین مطلق کا ہے جیسے امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمدؒ وغیرہ جنہوں نے اصول و قواعد کو مؤسس و مقرر کیا اور احکام فروع کو دلائل اربعہ یعنی کتاب، سنت، اجماع اور قیاس سے مستنبط کیا اور وہ اس میں کسی کے مقلد نہیں، یہ طبقہ انبیاء کرام کے بعد علماء اسلام میں سب سے اہم و افضل ہے خصوصا ائمہ اربعہ کے بعد اب تک کوئی نہیں ہوا

(۲) جو اصول میں تو مقلد ہوں لیکن احکام کے استنباط میں خود بھی اجتہاد سے کام لیتے ہوں مثلاً امام ابو یوسفؒ، امام محمدؒ وغیرہ۔ ان کو اصطلاح میں "مجتہد فی المذہب" کہتے ہیں

(۳) مجتہدین سے جن مسائل میں کوئی رائے منقول نہ ہو ان میں انہی کے اصول کو پیش نظر رکھ کر اجتہاد کرتے ہوں، جیسے امام طحاویؒ، امام کرخیؒ، امام سرخسیؒ وغیرہ۔ ان کو "مجتہد فی المسائل" کہتے ہیں۔

(۴) ائمہ کے بعض ایسے اقوال جو مجمل ہیں اور دو معنوں کا احتمال رکھتے ہوں ان میں سے کسی ایک کی تعیین کرتے ہیں مثلاً ابوبکر جصاص۔ ان کو "اصحاب تخریج" کہا جاتا ہے

(۵) جن مسائل میں مجتہدین سے مختلف اور متضاد رائیں مروی ہوں ان میں سے بعض کو بعض پر ترجیح دیتے ہیں، جیسے امام ابوالحسن

القدوری اور صاحب ہدایہ ان کو ''اصحاب ترجیح'' سے موسوم کیا جاتا ہے

(۶) وہ مقلدین جو قوی اور ضعیف کے درمیان فرق کر سکیں کہ کونسا قول مفتی بہ ہے۔ صاحب کنز اور شرح وقایہ اسی زمرہ میں آتے ہیں

(۷) وہ مقلدین جو مذکورہ بالا امور میں سے کسی بات پر قادر نہ ہوں

احکامِ شریعت کی قسمیں

احکامِ شرعیہ کی آٹھ قسمیں ہیں۔ (۱) فرض (۲) واجب (۳) سنت مؤکدہ (۴) مستحب (۵) مباح (۶) مکروہ (۷) حرام (۸) حلال۔

فرض اس حکم کو کہتے ہیں جو دلیل قطعی اور یقینی سے (کہ جس میں کوئی دوسرا احتمال نہ ہو) ثابت ہو۔ جیسے کہ آیت قطعی یا حدیث متواتر کہ اس میں اور کوئی احتمال نہ ہو یا صحابہ اور تابعینؒ کے اجماع سے ثابت ہو۔

فرض کا حکم اس کا منکر کرنے والا کافر ہے اور بغیر عذر چھوڑنے والا فاسق اور سخت عذاب کا مستحق ہوتا ہے اور یہ اوامر و نواہی دونوں کو شامل ہے اور اکثر اس کا اطلاق ان ہی افعال پر ہوتا ہے جن کا کرنا مقصود ہے

واجب: وہ حکم ہے جو دلیل ظنی سے ثابت ہو یعنی اس دلیل سے جس میں دوسرا ضعیف احتمال بھی ہو جیسے وہ ظنی آیت و حدیث آحاد اور جو مجتہد کے قیاس سے ثابت ہو۔

واجب کا حکم: اس کا انکار کرنے والا کافر نہیں ہوتا بلکہ فاسق ہوتا ہے اور اس کو بلا عذر ترک کرنے والا بھی فاسق اور سخت عذاب کا مستحق ہے لیکن فرض سے کم۔ پس فرض اور واجب میں فرق فقط اعتقاد کے اعتبار سے ہے کہ فرض کا منکر کافر ہے اور واجب کا منکر کافر نہیں بلکہ فاسق ہے لیکن عمل میں جیسا وہ ضروری ہے ویسا ہی یہ ضروری ہے اسی لئے اس کو فرض و واجب اعتقادی بھی کہتے ہیں

سنت مؤکدہ: وہ فعل ہے جسے نبی کریم ﷺ یا صحابہ کرامؓ نے عموماً اور غالب طور پر کیا ہو اور کبھی بغیر عذر کے ترک بھی کیا ہو تاکہ اس خیال سے کہ لازماً یہ واجب نہ ہو جائے۔ یا ترک کرنے والے پر کسی قسم کی زجر و تنبیہ نہ کی ہو۔ یا اس کے کرنے کی تاکید فرمائی ہو مگر ترک کا راستہ بند نہ کیا ہو۔

سنت مؤکدہ کا حکم: اس کا ترک گناہ اور ترک کی عادت فسق اور موجب عتاب ہے مگر اس پر عتاب واجب کی نسبت کم ہوگا مثلاً نبی کی شفاعت سے جو اتباع سنت کی وجہ سے حاصل ہوتی محروم رہے گا۔ اگر کبھی چھوٹ جائے تو مضائقہ نہیں لیکن مستحق عتاب ہے۔

مستحب: وہ ہے کہ جس کو نبی کریم ﷺ یا صحابہ کرامؓ نے کیا ہو یا اس کو اچھا خیال کیا ہو یا تابعین نے اس کو اچھا سمجھا ہو لیکن اس کو ہمیشہ یا اکثر نہ کیا ہو بلکہ کبھی کیا ہو اور کبھی ترک کیا ہو۔

مستحب کا حکم: اس کا کرنا ثواب ہے اور نہ کرنا گناہ نہیں اور اس کو سنت زائدہ یا سنت غیر مؤکدہ بھی کہتے ہیں اور فقہ کی اصطلاح

میں نفل اور مندوب اور تطوع بھی کہتے ہیں۔ اور بعض حضرات نے مستحب اور سنت غیر مؤکدہ میں تھوڑا سا فرق کیا ہے

مباح: وہ حکم ہے جس کے کرنے میں ثواب نہ ہو اور نہ کرنے میں عذاب نہ ہو

مکروہ: وہ حکم ہے کہ جس میں ممانعت تو وارد ہے لیکن جواز کی دلیل بھی پائی جاتی ہے۔ اس کی دو قسمیں ہیں (۱) مکروہ تنزیہی: جس کے نہ کرنے میں ثواب ہو اور کرنے میں عذاب نہ ہو اور یہ جواز کے دائرہ میں ہے وہ کراہت طلبی رکھتا ہے اور سنت غیر مؤکدہ کے بالمقابل ہے.... (۲) مکروہ تحریمی: یہ حرام کے قریب ہے اور یہ دلیل ظنی سے ثابت ہوتا ہے اگرچہ اشد ضرورت میں یہ بھی جائز ہے، یہ واجب کے بالمقابل ہے پس اس کا انکار کرنے والا فاسق اور بغیر عذر کرنے والا گنہگار اور عذاب کا مستحق ہوگا

حرام: وہ ہے جس پر ممانعت کا حکم پایا جائے اور جواز کی دلیل نہ ہو، یہ بھی فرض کی طرح دلیل قطعی سے ثابت ہوتا ہے

حرام کا حکم: اس کا منکر کافر اور بغیر عذر کے کرنے والا فاسق اور سخت عذاب کا مستحق ہے

حلال: جس میں ممانعت کی وجہ نہ پائی جائے اور یہ حرام کے مقابل ہے۔ سنت مؤکدہ کے مقابل "اسائت" ہے یعنی جس کا کرنا برا اور ترک التزام پر مستحق عذاب ہوتا ہے اور مستحب کے بالمقابل "خلاف اولیٰ" ہے کہ نہ کرنا بہتر تھا مگر کر لیا تو کچھ مضائقہ نہیں۔

فرض: اس کی دو قسمیں ہیں (۱) فرض عین: وہ ہے جس کا کرنا ہر ایک پر ضروری ہے اور جس پر وہ لازم ہے جب تک اس کو ادا نہ کرے اس کے ذمہ سے ساقط نہیں ہوتا جیسے نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج وغیرہ (۲) فرض کفایہ: وہ ہے کہ بعض لوگوں کے ادا کرنے سے باقی کے ذمہ سے بھی ساقط ہو جائے لیکن اگر کوئی بھی ادا نہ کرے تو سب گنہگار ہوں گے جیسے نماز جنازہ وغیرہ۔ فرض کی طرح سنت مؤکدہ کی بھی دو قسمیں ہیں سنت مؤکدہ علی الکفایہ جیسے رمضان المبارک کے آخری عشرہ کا اعتکاف ہے۔

بعض اصطلاحات کا بیان

ائمہ اربعہ: امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کو ملا کر ائمہ اربعہ کہا جاتا ہے

ائمہ ثلاثہ احناف: امام ابوحنیفہؒ، امام ابویوسفؒ، امام محمدؒ کو ملا کر ائمہ ثلاثہ احناف کہتے ہیں

شیخین: کتب فقہ کی اصطلاح میں امام ابوحنیفہؒ اور امام ابویوسفؒ کو ملا کر شیخین کہتے ہیں کیونکہ یہ دونوں حضرت امام محمدؒ کے استاذ ہیں۔ محدثین کی اصطلاح میں شیخین امام بخاریؒ و امام مسلمؒ کو کہتے ہیں اور سیر میں حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ مراد ہوتے ہیں۔

صاحبین: امام ابویوسفؒ اور امام محمدؒ کو ملا کر صاحبین کہتے ہیں کیونکہ یہ دونوں حضرات امام ابوحنیفہؒ سے تحصیل علم میں ساتھی ہیں

طرفین: امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کو ملا کر طرفین کہتے ہیں کیونکہ یہ دونوں حضرات دو طرفین ہیں یعنی امام ابوحنیفہؒ طرف اعلیٰ (استاذ) ہیں اور امام محمدؒ طرف ادنیٰ (شاگرد) ہیں

متقدمین و متأخرین: اس میں تین اقوال ہیں (۱) متقدمین ان حضرات کو کہا جاتا ہے جنہوں نے امام ابوحنیفہؒ اور صاحبینؒ کا

زمانہ پایا ہو اور ان سے فیض حاصل کیا ہو اور جنہوں نے ائمہ ثلاثہ سے فیض حاصل نہیں کیا وہ متاخرین ہیں (۲) تیسری صدی ہجری سے پہلے تک کے علماء ومشائخ کو متقدمین اور اس کے بعد والوں کو متاخرین کہا جاتا ہے (۳) امام محمدؒ تک کے اصحاب کو متقدمین اور ان کے بعد محمد بن محمد نصر بخاریؒ (م ۶۹۳ھ) تک کے علماء کو متاخرین کہا جاتا ہے

سلف وخلف: اصطلاح فقہاء میں امام صاحبؒ سے لیکر امام محمدؒ تک کے حضرات کو سلف اور امام محمدؒ کے بعد سے لیکر شمس الائمہ حلوائیؒ (م ۴۵۶ھ) تک کے حضرات کو خلف کہا جاتا ہے

ظاہر الروایہ: ائمہ ثلاثہؒ یا ان میں سے بعض کے وہ اقوال جو امام محمدؒ کی چھ مشہور کتابوں میں منقول ہوں ان کو ظاہر الروایہ کہا جاتا ہے۔ اور وہ چھ کتابیں یہ ہیں جامع کبیر، جامع صغیر، زیادات، مبسوط، سیر کبیر، سیر صغیر۔

نوادر الروایہ: وہ احکام ومسائل جو امام محمدؒ مذکورہ کتابوں میں نہیں ہیں ان کو نوادر الروایہ یا غیر ظاہر الروایہ یا مسائل نوادر کہا جاتا ہے جیسے کیسانیات، ہارونیات، جرجانیات، رقیات اور امام ابو یوسفؒ امام محمدؒ کے امالی

مسائل نوازل: مجتہدین فی المذہب کے فتاویٰ کو کہا جاتا ہے

متون معتبرہ: کتب فقہ میں جتنی کتابیں ہیں ان میں سے بعض تو ایسی ہیں کہ وہ کسی متن کی شرح نہیں ہیں جیسے مختصر القدوری اور کنز الدقائق اور بعض ایسی ہیں کہ وہ کسی متن کی شرح ہیں جیسے شرح وقایہ اور ہدایہ۔ چونکہ فقہاء کے ہاں تین متون بہت زیادہ مشہور اور معتبر ہیں (۱) مختصر القدوری (۲) کنز الدقائق (۳) وقایہ۔ ان کو متون ثلاثہ کہتے ہیں متاخرین نے انہیں پر اعتماد کیا ہے اور بعض نے ان کے علاوہ مختار اور بعض نے مجمع البحرین کو بھی متون معتبرہ میں شمار کیا ہے اس طرح ان کے نزدیک متون معتبرہ چار ہیں۔ چونکہ ان کتابوں کے مصنفین مسلم الثبوت، جلیل القدر فقہاء تھے اس لئے تعارض کے وقت ان ہی کی طرف رجوع کیا جاتا ہے۔

(۲) استغراقی (۳) عہد ذہنی (۴) عہد خارجی جنسی کی مثال "الرَّجُلُ خَيْرٌ مِنَ الْمَرْأَةِ" میں "الرجل" اور "المرأة" کا الف لام۔ استغراقی کی مثال "إِنَّ الْإِنْسَانَ لَفِي خُسْرٍ" میں "الانسان" کا الف لام ہے۔ عہد ذہنی کی مثال "أَخَافُ أَنْ يَأْكُلَهُ الذِّئْبُ" میں "الذئب" کا الف لام ہے اور عہد خارجی کی مثال "فَعَصَىٰ فِرْعَوْنُ الرَّسُولَ" میں "الرسول" کا الف لام ہے۔ اور اس جگہ "الحمد" کا الف لام جنسی بھی ہو سکتا ہے اور استغراقی بھی۔ جنسی کی صورت میں ترجمہ ہوگا کہ جنس حمد اللہ تعالیٰ کیلئے ثابت ہے اور استغراقی کی صورت میں ترجمہ ہوگا کہ تمام افراد محامد ذات باری تعالیٰ کیلئے مختص ہیں کیونکہ جس قدر خیر ہے سب کا عطا کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے اب وہ عطا بلا واسطہ ہو یا بالواسطہ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "وَمَا بِكُمْ مِنْ نِعْمَةٍ فَمِنَ اللَّهِ" تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ ہی کیلئے ہیں۔

(۳) تیسری بات الحمد کو لفظ اللہ پر مقدم کیوں کیا گیا۔ اس کے مقدم کرنے کی وجہ یہ ہے اللہ کا ذکر اگرچہ فی ذاتہ اہم ہے لیکن آغاز تالیف کی وجہ سے یہ مقام چونکہ مقام حمد ہے اس لئے اس مقام کے اعتبار سے حمد کا مقدم کرنا اہم ہے جیسے "اقرأ باسم ربك" میں اللہ کا نام ذکر کرنا مقصود نہیں بلکہ آنحضرت ﷺ کو قرأت کی دعوت دینا مقصود ہے پس مقام قرأت کی رعایت کرتے ہوئے فعل "اقرأ" کو مقدم کیا گیا اگرچہ اللہ کے نام کو اہمیت ذاتی حاصل ہے اسی طرح مقام حمد کی رعایت کرتے ہوئے حمد کو مقدم کیا اگرچہ اللہ کے نام کو اہمیت ذاتی حاصل ہے۔

لِلّٰهِ الَّذِي: لوگ جس طرح ذات باری تعالیٰ اور صفت باری تعالیٰ میں حیران ہیں اسی طرح اللہ کے اسم کی تحقیق کے بارے میں حیران و پریشان ہیں، چنانچہ قدماء فلاسفہ تو سرے سے اللہ کے اسم ذاتی ہونے کا ہی انکار کرتے ہیں۔ مگر جو حضرات اسم ذاتی کے قائل ہیں ان میں سے بعض فرماتے ہیں کہ صفت مشتقہ ہے اور بعض کے نزدیک لفظ اللہ سریانی زبان کا لفظ ہے۔ لیکن راجح قول یہ کہ "اللہ" اس ذات کا علم ہے جو واجب الوجود اور تمام صفات کمالیہ کو جامع ہے۔

اَعَزَّ الْعِلْمَ فِي الْأَعْصَارِ: العلم میں الف لام عہد کا ہے اس سے علم شرائع یعنی فقہ مراد ہے کیونکہ یہاں یہی مقصود تالیف ہے اور فقہ کا اعزاز یہ ہے کہ ہر عاقل کے نفس میں اس کی تعظیم ہے۔ اعصار عصر بسکون صاد کی جمع ہے اس پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ فعل بفتح الفاء وسکون العین کی جمع "افعال" شاذ ہے قیاس کا تقاضا ہے کہ اس کی جمع "افعل" کے وزن پر ہونی چاہئے تھی۔ جواب: الامصار اور الاعصار کے درمیان مناسبت کیلئے مصنف نے شاذ کا ارتکاب کیا۔ دوسرا اعتراض یہ ہے کہ الاعصار جمع قلت ہے جو یہاں مناسب نہیں بلکہ یہاں مناسب جمع کثرت تھی اور "عصور" ہے۔ اس کا جواب علامہ حمویؒ نے یہ دیا ہے کہ جمع قلت پر جب لام استغراق داخل ہو جاتا ہے تو وہ جمع کثرت کے مساوی ہوتی ہے

وَاَعْلٰى حِزْبَهٗ: اعلیٰ باب افعال سے ماضی معلوم کا صیغہ ہے بمعنی بلند کیا۔ حزب بمعنی طائفہ اور لوگوں کی جماعت۔ "واعلی حزبه" سے مراد رفع مقام اور درجات ہے۔ ذکر رفع حسی اس میں اللہ تعالیٰ کے ارشاد "يَرْفَعِ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَالَّذِينَ

ہے۔ ہو علی الھدی وہ ہدایت پر ہے۔ علامۃ اسم مبالغہ ہے بہت جاننے والا۔ الوری، وری کا اسم ہے مخلوق، ازمۃ زمام جس سے کوئی چیز باندھی جائے مہار، باگ، لگام۔

مالک ازمۃ الفتیا مظہر کلمات اللہ العلیا کشاف الحقائق مبین الدقائق سلطان علماء المشرق والصین: الفتیا بضم الفاء شرعی مسائل میں ماہر شریعت کا فیصلہ جمع فتاوی۔ مظہر باب افعال سے ظاہر کرنے والا۔ کلمات کلمۃ کی جمع ہے بمعنی لفظ مفرد ہو یا مرکب۔ العلیا بلند تر۔ کشاف اسم مبالغہ کا ہوتا ہے۔ خوب کشف الغم اور غموں کا ازالہ کرنے والا ہے۔ علماء مشرق سے مراد عجم ہے اور صین (چین سے معرب ہے) اس سے مراد مغرب ہے۔

حافظ الحق والملۃ والدین وارث الانبیاء والمرسلین ابو البرکات عبد اللہ بن احمد بن محمود النسفی: حافظ الحق سے مراد مصنفؒ کے لقب کی طرف اشارہ ہے مصنف کا لقب حافظ الدین ہے۔ اصطلاح محدثین میں حافظ اس شخص کو کہتے ہیں جس کو ایک لاکھ احادیث یاد ہوں۔ حجت اس شخص کو کہتے ہیں جس کو تین لاکھ احادیث یاد ہوں۔ حاکم اس شخص کو کہتے ہیں جس کو احادیث مرویہ متن وسند ہر اعتبار سے یاد ہوں۔ ملت اور دین ذاتاً متحد ہیں اعتباراً مختلف۔ شریعت اس حیثیت سے کہ اس کی اطاعت کی جاتی ہے دین ہے اور اس حیثیت سے کہ وہ سب کو جمع کرتی ہے ملت ہے اور اس حیثیت سے کہ وہ اس کی طرف راجع ہے مذہب ہے یہ بھی کہا گیا ہے کہ احکام اس حیثیت سے کہ ان کا ظہور ہوتا ہے شرع اور شریعت ہے اور دین کا اطلاق حق اور باطل ہر دو پر ہوتا ہے اور دین شریعت کے اصول وفروع پر مشتمل ہوتا ہے۔ وارث الانبیاء میں نبی کریم ﷺ کے فرمان العلماء ورثۃ الانبیاء کی طرف اشارہ کیا گیا ہے ابو البرکات مصنفؒ کی کنیت، عبد اللہ مصنفؒ کا نام ہے والد کا احمد اور دادا کا نام محمود ہے۔ النسفی نسف شہر کی طرف منسوب ہے نسف (صاد کے ساتھ بھی ہے، اور صاحب فتح المعین نے سین کے ساتھ ذکر کیا ہے) جیحون اور سمرقند کے درمیان ایک شہر کا نام ہے نسف بکسر السین ہے نسبت کے وقت فتح السین ہو جاتا ہے جیسے صدف میں صدفی بالفتح ہے۔ **متع اللہ المقتبسین بدوام بقائہ:** مقتبسین استفعال سے اسم فاعل ہے آگ کا شعلہ حاصل کرنا، یہاں طلبۃ العلم مراد ہیں مصنفؒ کے شاگردوں کی عبارت اس دعا کے ساتھ مکمل ہوگئی

لَمَّا رَأَيْتُ الْهِمَمَ مَائِلَةً إِلَى الْمُخْتَصَرَاتِ وَالطِّبَاعَ رَاغِبَةً عَنِ الْمُطَوَّلَاتِ أَرَدْتُ أَنْ أُلَخِّصَ الْوَافِيَ بِذِكْرِ مَا عَمَّ وُقُوعُهُ وَكَثُرَ وُجُودُهُ لِتَكْثُرَ فَائِدَتُهُ وَتَتَوَفَّرَ عَائِدَتُهُ فَشَرَعْتُ فِيهِ بَعْدَ الْتِمَاسِ طَائِفَةٍ مِنْ أَعْيَانِ الْأَفَاضِلِ وَالْأَجِلَّةِ الْأَعْيَانِ الَّذِينَ هُمْ بِمَنْزِلَةِ الْإِنْسَانِ لِلْعَيْنِ وَالْعَيْنِ لِلْإِنْسَانِ مَعَ

الأفاضل: فضل میں بڑھے ہوئے۔ أعيان الأفاضل: اعیان سے مراد علماء ہیں کیونکہ علماء تمام ہی خیار الناس ہیں اور اعیان الافاضل سے مراد وہ علماء ہیں جو علوم میں انتہا کو پہنچے ہوئے ہوں جن سے بڑھ کر کسی کا وجود نہ ہو سوائے انبیاء علیہم السلام کے اور افاضل الاعیان سے وہ علماء مراد ہیں جو ابھی نہ ہوں لیکن اب انتہائی فضیلت کے درپے ہوں۔ الذين هم بمنزلة: سے الافاضل الاعيان کی صفت بیان کی ہے یہ بمنزلہ پتلی کے ہیں آنکھ کیلئے اور بمنزلہ آنکھ کے ہیں انسان کیلئے۔ الإنسان للعين: بکسر الہمزہ آنکھ کی پتلی جس میں اللہ تعالیٰ نے نور پیدا کیا ہے جس سے انسان دیکھتا ہے۔ جمع اناسی، اناسیۃ اور اناس آتی ہے بکسر الہمزہ آدمی جنس بشر کے افراد پر اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ العين آنکھ، العوائق واحد عائق موانع، اور ہر روکنے والی چیز۔

وسميته بكنز الدقائق وهو وإن خلا عن العويصات والمعضلات: کنز الدقائق، نام رکھا اس کثیر مسائل کے اعتبار سے ہے جن کو مصنفؒ نے اس کتاب میں جمع کیا ہے اور کنز کی اضافت دقائق کی طرف کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اس کے مسائل دقیق ہیں جو دقیق فکر کے محتاج ہیں۔ العويصات: واحد عویصہ، دشوار، اعوص من الکلام جس کا سمجھنا مشکل ہو۔ المعضلات واحد معضلہ، پیچیدہ مشکل مسئلہ کو کہتے ہیں۔

فقد تحلى بمسائل الفتاوى والواقعات: تحلی بمعنی آراستہ ہونا، زیور پہننا۔ مسائل الفتاوى: فتاوی کے مسائل، الواقعات: نئے پیش آنے والے واقعات اور حوادثات اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس سے فتاوی اور واقعات نامی دو کتابوں کے نام مراد ہوں۔ مصنفؒ فرماتے ہیں کہ اگرچہ میری یہ کتاب جامع کبیر کے مشکل مسائل سے خالی ہے لیکن ان دونوں کتابوں کے مسائل سے مزین ہے۔

معلما بتلك العلامات وزيادة الطاء للإطلاقات والله الموفق للإتمام والمتفضل بالاختتام: معلما اسم مفعول باب تفعیل سے، نشان و علامت لگانا۔ معلما، تحلی کی ضمیر سے حال ہے یعنی اس حال میں کہ وہ ان علامات سے مزین ہے جو میں نے لگائی ہیں جو "وافی" میں ہیں مراد وہ حروف ہیں جن سے مصنفؒ نے آئمہ کی طرف اشارہ کیا ہے مثلاً "ح" سے امام ابو حنیفہ کی طرف اشارہ ہے، "ف" سے امام شافعی کی طرف اشارہ ہے البتہ ایک علامت یہاں زائد ہے "ط" جس سے مسائل مطلقہ کی طرف اشارہ ہے جو "وافی" میں نہیں۔ الموفق: توفیق باب تفعیل کا اسم فاعل ہے جس کے معنی ہیں جعل الأسباب العبد موافقة لمطالبه یعنی بندہ کے مطلوب کے مطابق اسباب پیدا کرنا خواہ مطلوب خیر ہو یا شر۔

اور مجلس کی طرح دونوں وزنوں پر آتا ہے کُنّی۔ رِجل: پاؤں۔ کَعب: قدموں کے دونوں جانب ابھری ہوئی ہڈی، ٹخنے۔ مَسح: پانی کا تر ہاتھ پھیرنا۔ لحیۃ: داڑھی۔

فرض کے لغوی اور اصطلاحی معنی

فرض کئی معنی میں مستعمل ہے (۱) کاٹنا، چھیدنا (۲) مقرر کرنا (۳) نصیحت دینا (۴) بیان کرنا (۵) عطیہ دینا (۶) عمر رسیدہ ہونا۔ لیکن شریعت میں ایسے حکم کو کہتے ہیں۔ جس میں کمی بیشی کا احتمال نہ ہو کیونکہ وہ ایسی قطعی دلیل سے ثابت ہوتا ہے جس میں کسی قسم کا شبہ نہ ہو اور اس کا حکم یہ ہے کہ اس کا کرنے والا مستحق ثواب ہو اور اس کو ترک کرنے والا مستحق عذاب ہو

فرائض وضوء

فَرْضُ الْوُضُوْءِ فَرْضُ الْوُضُوْءِ غَسْلُ وَجْهِهِ وَهُوَ مِنْ قُصَاصِ الشَّعْرِ إِلَى أَسْفَلِ الذَّقَنِ وَإِلَى شَحْمَتَيِ الْأُذُنِ: مصنفؒ نے احکام وضوء کو مقدم کیا (۱) اس کی ایک وجہ تو کثرت حاجت ہے (۲) دوسری وجہ یہ ہے کہ وضوء کا محل غسل کے محل کا جز ہے اور جز کل پر مقدم ہوتا ہے۔ اس لئے وضوء کو غسل پر مقدم کیا (۳) تیسری وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بھی وضوء کو غسل پر مقدم کیا چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ﴾ اور اس کے بعد فرمایا: ﴿وَإِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا﴾۔

وضوء کے چار فرض ہیں: تین اعضاء کا ایک مرتبہ دھونا اور چوتھائی سر کا مسح کرنا اور ان چاروں کی فرضیت کا ثبوت آیت کریمہ ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ﴾ سے ہے۔ مصنفؒ طولاً اور عرضاً "وجہ" کی حد بندی اس طرح کی ہے کہ سر کے بالوں کے اگنے کی جگہ سے ٹھوڑی کے نیچے تک اور ایک کان کی لو سے دوسرے کان کی لو تک چہرہ کا دھونا فرض ہے۔ کیونکہ "وجہ" مشتق ہے مواجہت سے اور مواجہت اس پورے حصہ سے واقع ہوتی ہے اس لئے اس پورے حصہ کا دھونا فرض ہوگا۔ اگر مصنفؒ إِلَى شَحْمَتَيِ الْأُذُنِ کی بجائے إِلَى شَحْمَتَيِ الْأُذُنَيْنِ کہتے تو زیادہ بہتر ہوتا کیونکہ ایک کان کے دو نہیں ہوتے۔ (تبیین الحقائق مع حاشیہ شلبی)

وَيَدَيْهِ بِمِرْفَقَيْهِ وَرِجْلَيْهِ بِكَعْبَيْهِ: اس میں اختلاف ہے کہ مرفقین غسل یدین میں اور کعبین غسل رجلین میں داخل ہیں یا خارج ہیں۔ امام صاحبؒ اور صاحبینؒ کا مذہب یہ ہے کہ ہاتھوں کے ساتھ کہنیوں اور پاؤں کے ساتھ ٹخنوں کا دھونا بھی شرط ہے۔ اور یہی مذہب ہے امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کا اور یہی ایک روایت امام مالکؒ سے ہے۔ اور امام زفرؒ فرماتے ہیں کہ مرفقین اور کعبین دھونے میں داخل نہیں ہیں۔ کیونکہ غایت تو ماوراء غایت کو ساقط کرنے کیلئے ہے جیسے ﴿ثُمَّ أَتِمُّوا الصِّيَامَ إِلَى اللَّيْلِ﴾ میں لیل روزے میں داخل نہیں ہے، اسی طرح مرفقین غسل یدین میں اور کعبین غسل رجلین میں داخل نہیں ہوں گے ہماری دلیل یہ ہے امام زفرؒ کا یہ کہنا کہ غایت مغیا کے حکم میں مطلقاً داخل نہیں ہوتی ہمیں تسلیم نہیں بلکہ غایت کی دو قسمیں ہیں (۱) غایت اپنے

داخل یعنی مغیا کی جنس سے ہو کہ اگر غایت کو الگ کر دیا جائے تو صدر کلام یعنی مغیا وغایت اور ماوراء غایت سب کو شامل ہو، (۲) غایت اپنے داخل یعنی مغیا کی جنس سے نہ ہو کہ اگر غایت کو الگ کر دینے کے بعد صدر کلام یعنی مغیا وغایت اور ماوراء غایت کو شامل نہ ہو۔ اگر غایت قسم اول سے ہے تو غایت مغیا میں داخل ہوتی ہے اور اگر قسم ثانی سے ہے تو غایت مغیا میں داخل نہیں ہوتی۔ کیونکہ اگر قسم اول میں یہ غایت نہ ہوتی تو پورے عضو کو کندھوں تک دھونا ضروری ہوتا تو مرفقین غسل یدین میں اور کعبین غسل رجلین میں داخل ہوں گے۔ اور روزہ کے مسئلہ میں حکم کو رات تک کھینچ کر لے جانے کیلئے ہے۔ اس لئے کہ لفظ صوم ایک ساعت امساک کرنے پر بھی بولا جاتا ہے اس لئے لیل صوم میں شامل نہیں ہوگی۔

وَمَسْحُ رُبُعِ رَأْسِہٖ: سر کے مسح کی مقدار میں تین مذاہب ہیں۔ (۱) احناف کے نزدیک چوتھائی سر کا مسح کرنا فرض ہے۔ (۲) امام مالکؒ کے نزدیک پورے سر کا مسح کرنا فرض ہے۔ (۳) امام شافعیؒ کے نزدیک تین بالوں کا مسح کرنا فرض ہے۔ ہماری دلیل مغیرہ ابن شعبہؓ کی حدیث ہے: مسح علی ناصیتہ۔ آپ ﷺ نے مقدار ناصیہ پر مسح کیا۔ اور ناصیہ سر کا چوتھائی ہے اور یہ امام مالکؒ کے خلاف حجت ہے۔ امام مالکؒ کے خلاف تو اس لئے کہ اگر پورے سر کا مسح کرنا فرض ہوتا تو آپ ﷺ چوتھائی سر کے مسح پر اکتفاء کیوں فرماتے۔ اور امام شافعیؒ کے خلاف اس لئے حجت ہے کہ اگر چوتھائی سے کم پر مسح کرنا جائز ہوتا تو کبھی ایک بار بیان جواز کیلئے اس پر ضرور عمل فرماتے۔ حالانکہ چوتھائی سر سے کم پر آنحضرت ﷺ سے مسح کرنا ثابت نہیں ہے۔

مسح لحیہ کا حکم

وَلِحْيَتِہٖ: مصنف کی اس عبارت میں دو احتمال ہیں (۱) "لحیتہ" کا عطف "الرأس" پر ہو (۲) یا اس کا عطف "ربع" پر ہو۔ پہلی صورت میں چوتھائی ڈاڑھی کا اور دوسری صورت میں کل ڈاڑھی کا مسح کرنا فرض ہوگا لیکن مصنف کا ڈاڑھی کے مسح کو فرض قرار دینا صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ یہ احناف کا غیر مفتی بہ قول ہے۔ چنانچہ علامہ طوری تحریر فرماتے ہیں: وقد اعطا صاحب "الکنز" و"الوقایۃ" فی القول بفرضیۃ مسح ربع اللحیۃ او کلہا وہی روایۃ مرجوع عنہا۔ (منحۃ الخالق) اور اس کا دھونا فرض ہے یا نہیں تو اس میں تفصیل ہے ڈاڑھی کی دو قسمیں ہیں (۱) لحیہ کثہ یعنی گھنی اور گنجان داڑھی (۲) لحیہ خفیفہ یعنی جو گھنی نہ ہو جس میں چہرے کی کھال نظر آئے پھر دونوں کی دو دو قسمیں ہیں۔ (۱) مسترسلہ ڈاڑھی کا وہ حصہ جو چہرے کے حدود سے لٹکا ہوا ہو۔ (۲) غیر مسترسلہ جو چہرہ سے چپکی ہوئی ہو۔ لحیہ خفیفہ میں بالاتفاق وضوء اور غسل کے وقت چہرہ کی جلد تک پانی پہنچانا فرض ہے خواہ مسترسلہ ہو یا غیر مسترسلہ۔ لحیہ کثہ مسترسلہ کی صورت میں وہ بال جو چہرہ کی حدود سے تجاوز ہیں احناف کے نزدیک ان کا دھونا واجب ہے اور مسح کرنا بدعت، مسح مسنون ہے۔ اور لحیہ کثہ غیر مسترسلہ میں احناف کے آٹھ اقوال میں مفتی بہ قول یہ ہے کہ جو بال چہرہ کی حدود میں آ گئے ہیں۔ ان بالوں کو اوپر سے دھونا فرض ہے۔ (الصدائی ردالمحتار ۱/۲۲۳ مع بذل المجہود ۱/۸۹ وبدائع الصنائع مصنف ملخص)

وَسُنَّتُہٗ غَسْلُ يَدَيْہِ اِلٰی رُسْغَيْہِ ابْتِدَاءً كَالتَّسْمِيَةِ وَالسِّوَاكِ وَغَسْلُ فَمِہٖ وَاَنْفِہٖ بِمِيَاهٍ وَتَخْلِيْلُ

۔لیکن فتویٰ امام ابو یوسفؒ کے قول پر ہے۔ کیونکہ جبرائیل علیہ السلام نے نبی کریم ﷺ کو داڑھی کے خلال کرنے کا حکم دیا تھا داڑھی کے خلال کا طریقہ اور وقت کیا؟ چہرہ کو دھونے کے ساتھ ساتھ یا پاؤں کے دھونے سے پہلے خلال کیا جائے۔ خلال کا طریقہ یہ ہے کہ داڑھی کے نیچے سے انگلیاں ڈال کر اوپر سے نکال لے ہاتھ الٹا رکھے یا سیدھا۔ البتہ انگلیوں سے پانی کے قطرے گرنا شرط نہیں ہے۔ (معارف السنن ۱/۱۶۸)

وَالْاَصَابِعِ: (۷) انگلیوں کا خلال کرنا۔ لیکن انگلیوں کا خلال کرنا اس وقت سنت ہے جب انگلیوں کے درمیان پانی پہنچ گیا ہو۔ اور اگر انگلیاں اس قدر ملی ہوئی ہوں کہ بلا تکلف پانی نہ پہنچ پاتا ہو تو پھر پانی کو پہنچانا واجب ہے۔ (تبیین الحقائق ۱/۳) کیونکہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: ''جب تم وضو کرو تو انگلیوں کا خلال کیا کرو''۔ (ترمذی)

ہاتھ اور پاؤں کے خلال کا طریقہ

انگلیوں کے خلال کا طریقہ تشبیک ہے۔ اور پاؤں کے خلال کا طریقہ یہ ہے کہ بائیں ہاتھ کی چھوٹی انگلی کے ساتھ دائیں پاؤں کی چھوٹی انگلی سے شروع کرکے بائیں پاؤں کی چھوٹی انگلی پر ختم کرے۔

وَتَثْلِيثُ الْغَسْلِ: (۸) اور عضو کو تین تین مرتبہ دھونا۔ کیونکہ ایک دیہاتی آنحضرت ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور آپ ﷺ سے وضوء کی کیفیت پوچھی چنانچہ آپ ﷺ نے اس سے اعضاء وضو کو تین مرتبہ دھو کر دکھایا۔ اور فرمایا (کامل) وضو اس طرح ہے۔ لہٰذا جس نے اس پر زیادہ کیا (یعنی تین مرتبہ سے زیادہ دھویا) اس نے برا کیا اور تعدی کی اور ظلم کیا۔ (ابوداؤد) بعض فقہاء کرامؒ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ دھونا فرض ہے اور دوسری مرتبہ دھونا سنت اور تیسری مرتبہ دھونا اکمال سنت۔ اور بعض فرماتے ہیں کہ دوم اور سوم سنت ہے۔ بعض نے فرمایا دوم سنت اور سوم نفل۔ اور بعض نے فرمایا کہ دوم نفل اور سوم سنت ہے۔ (تبیین الحقائق)

فائدہ: اگر کوئی شخص اعضاء مغسولہ ایک بار دھونے پر اکتفاء کرے تو گنہگار ہوگا۔ بعض فقہاء فرماتے ہیں کہ اگر ایک ہی بار دھونے کی عادت ڈال لے تو گنہگار ہوگا۔ اور اگر کبھی اتفاقیہ ایسا کیا تو گنہگار نہیں ہوگا۔ (عالمگیری ۱/۲۳۳ قول ثانی)

وَنِيَّتُهُ: (۹) نیت کرنا۔ نیت لغت میں دل کے پختہ ارادہ کو کہتے ہیں جب نیت کا اصل محل دل ہے تو صرف زبان سے تلفظ کر لینا کافی نہیں ہے بلکہ محققین فقہاء نے اس کو بدعت کہا ہے۔ البتہ دل کے ساتھ زبان سے کہہ لینے کو متأخرین نے مستحب کہا ہے اور شرعاً کسی کام میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور تقرب کے ارادہ کو کہتے ہیں۔ اور وضوء سے ایسی عبادت کی نیت کرے جو وضوء کے بغیر صحیح نہیں ہوتی یا ازالۂ حدث کی نیت کرے۔ (تبیین الحقائق ۱/۳۰)

پھر وضوء میں ہمارے نزدیک نیت کرنا سنت اور امام شافعیؒ کے نزدیک فرض ہے۔ کیونکہ وضو ایک عبادت ہے اور عبادت بلا نیت صحیح نہیں ہوتی۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ وضوء کی دو حیثیتیں ہیں۔ ایک اس کا مستقل عبادت ہونا دوسرا اس کا ذریعہ نماز اور مفتاح صلوٰۃ ہونا۔ اس حیثیت سے کہ وہ عبادت ہے تو وہ بلا نیت درست نہیں ہوگا۔ یعنی متوضی کو بغیر نیت عبادت وضوء کا ثواب حاصل

نہیں ہوگا۔ لیکن اس کا مفتاح صلوٰۃ اور ذریعہ نماز ہونا اس پر موقوف نہیں بلکہ طہارت بلا نیت صحیح ہو جائیگی۔ کیونکہ پانی فی نفسہ پاک کرنے والی چیز ہے۔ دوسری دلیل۔ آپ ﷺ نے جب ایک دیہاتی کو وضوء کی تعلیم دی تو اس میں نیت کا ذکر نہیں فرمایا۔ اگر وضوء میں نیت شرط ہوتی تو آپ ﷺ اس کا ذکر ضرور فرماتے۔

وَمَسْحُ كُلِّ رَأْسِهِ مَرَّةً وَأُذُنَيْهِ بِمَائِهِ: (۱۰) پورے سر کا مسح کرنا۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں نئے پانی کے ساتھ تین مرتبہ مسح کرنا سنت ہے وہ مسح کو اعضاء مغسولہ پر قیاس کرتے ہیں۔ ان کی دلیل عثمانؓ کی حدیث ہے کہ انہوں نے تین بار سر کا مسح کیا اور فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو اسی طرح وضوء کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ ہماری دلیل عثمانؓ اور عبداللہ بن زیدؓ کی حدیث ہے۔ جس میں سر کا مسح ایک بار کرنا مذکور ہے۔ (دارقطنی ا رحمہ)

مسح راس کا طریقہ

یہ ہے کہ دونوں ہتھیلیاں اور تمام انگلیاں سر کے اگلے حصہ پر رکھ کر پیچھے کی طرف گدی تک اس طرح لے جائے کہ پورے سر کا استیعاب ہو جائے۔ پھر انگلیوں سے کانوں کا مسح کرے اور اس طریقہ سے پانی مستعمل نہیں ہوگا۔ اور بعض علماء نے جو یہ کہا ہے۔ کہ ابہام اور سبابہ اور ہتھیلیاں علیحدہ رکھے۔ تاکہ ماء مستعمل کا استعمال لازم نہ آئے۔ اس کا ثبوت کسی روایت سے نہیں ہے۔ (تبیین الحقائق ا رسہ فتح القدیر ،منحۃ الخالق ۲۰/۲ ،فتاوی شامی ا ر۹۶)

وَالتَّرْتِيبُ الْمَنْصُوصُ: (۱۲) اور اس ترتیب سے وضوء کرے جس کو اللہ تعالیٰ نے پہلے ذکر کیا ہے۔ آیت وضوء ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ﴾ میں اول چہرے کے دھونے کا حکم ہے پھر غسل یدین کا پھر مسح راس کا اس کے بعد غسل رجلین کا تو ہمارے نزدیک اسی ترتیب کے ساتھ وضوء کرنا مسنون ہے اگر اس ترتیب کے خلاف وضوء کیا تو وضوء تو ہو جائیگا لیکن خلاف سنت اور مکروہ ہوگا۔ اور امام شافعیؒ کے نزدیک ترتیب فرض ہے کیونکہ آیت وضوء "فَاغْسِلُوا" میں فاء تعقیب کیلئے ہے۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ آیت وضوء میں حرف واؤ مذکور ہے جو با جماع اہل لغت مطلق جمع کیلئے آتا ہے۔ پس فاء تعقیب کا مقتضی یہ ہوا کہ تمام اعضاء وضوء کے دھونے کا تحقق ارادہ نماز کے بعد ہونا چاہئے۔

وَالْوِلَاءُ: (بکسر الواو) پے در پے وضوء کرنا یعنی اتنی تاخیر نہ کرے کہ معتدل ہوا میں دوسرا عضو دھونے سے پہلے خشک ہو جائے۔ اسی طرح مسح کے بعد اور تیمم میں اتنی دیر کرنا۔ کہ اسوقت اگر کوئی عضو دھویا ہوتا تو وہ خشک ہو جاتا خلاف سنت ہے۔ بعض حضرات نے معتدل ہوا کے ساتھ معتدل بدن اور عذر کی قید بھی لگائی ہے۔ پس اگر ہوا یا بدن کی گرمی سے وضوء کے درمیان خشکی طاری ہوگئی یا وضو کے درمیان پانی ختم ہو گیا۔ اور پانی لینے گیا اور عضو خشک ہو گیا۔ تو یہ سنت ولاء کے ادا ہونے سے مانع نہیں ہے۔ (فتاوی شامی ۱/۶۳) امام مالکؒ کے نزدیک موالاۃ فرض ہے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے اس پر مواظبت فرمائی ہے۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ حضرت ابن عمرؓ بازار میں وضوء کر رہے تھے۔ اور سر کا مسح کرچکے تھے کہ آپ کو جنازہ کیلئے مدعو کیا گیا۔ آپ مسجد میں تشریف

فاحشہ: شرمگاہ کا انتشار کے ساتھ دوسری شرمگاہ سے بلا حائل ملنا۔ (عینی بحوالہ حقائق ۱/۵۵) دودھ: کپڑا پھاڑنا۔ زخم جس میں چھوٹا

نواقض وضو کا بیان

مصنف فرائض و سنن و مستحبات وضو سے فراغت کے بعد منافی وضو یعنی عوارض وضو کا بیان فرما رہے ہیں۔ کیونکہ عوارض معروض سے مؤخر ہی ہوتے ہیں۔

وینقضه خروج نجس منه: مصنف کی عبارت "وینقضه خروج نجس منه" عام ہے جو تمام نواقض وضو کو شامل ہے خواہ وہ سبیلین سے نکلے یا غیر سبیلین سے لیکن غیر سبیلین میں ہمارے نزدیک سیلان شرط ہے اور امام زفرؒ کے نزدیک سیلان شرط نہیں بلکہ خروج نجاست خواہ وہ معتاد ہو جیسے حیض، نفاس یا غیر معتاد جیسے دم استحاضہ اور امام شافعیؒ کے نزدیک خارج من غیر السبیلین ناقض وضو نہیں ہے

قی کے پانچ قسمیں اور اس کا حکم

وقیء ملأ فاه ولو مرة او علقا او طعاما او ماء لا بلغما او دما غلب علیه البصاق: قی کی پانچ قسمیں ہیں۔ (۱) پت (۲) کھانا (۳) پانی (۴) خون (۵) بلغم۔ پہلی تین قسموں میں وضو ٹوٹ جائیگا اگر وہ منہ بھر ہو۔ اور اگر اس سے کم ہو تو وضو نہ ٹوٹے گا۔ اور اگر قے خالص بلغم کی ہے تو اس کی دو صورتیں ہیں۔ یا تو دماغ سے اترے گی یا جوف معدہ سے چڑھے گی۔ پہلی صورت تو بالاتفاق ناقض وضو نہیں ہے۔ اور دوسری صورت طرفینؒ کے نزدیک ناقض وضو نہیں البتہ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ناقض وضو ہے بشرطیکہ منہ بھر ہو۔ اور اگر قے خون کی ہے تو اس کی بھی دو صورتیں ہیں۔ یا تو خون بستہ ہوگا یا رقیق۔ اول صورت ناقض وضو نہیں الا یہ کہ ملاء الفم ہو۔ دوسری صورت شیخینؒ کے نزدیک ناقض وضو ہے خواہ قلیل ہو یا کثیر۔ امام محمدؒ کے نزدیک اس وقت ناقض ہوگی جبکہ ملاء الفم ہو اور یہ اختلاف صاعد من الجوف میں ہے۔ اور اگر نازل من الراس ہو تو بالاتفاق ناقض وضو ہے خواہ قلیل ہو یا کثیر۔ (الجوہرۃ النیرۃ ۱/۸)

والسبب یجمع متفرقه: اور قی کا سبب یعنی جی کا متلانا کئی بار کی قی کو جمع کر دیتا ہے۔ یعنی اگر کسی شخص نے کئی بار قی کی اور ہر بار تھوڑی تھوڑی قی کی اس طرح کہ اگر سب کو جمع کیا جائے تو منہ بھر ہو۔ تو اس صورت میں امام ابو یوسفؒ کے نزدیک مجلس کا متحد ہونا معتبر ہے۔ چنانچہ اگر ایک مجلس میں متعدد بار قے کی ہو۔ خواہ سبب ایک ہو یا نہ ہو جمع کی جائیگی۔ اس لئے کہ متفرقات کو اکٹھا کرنے میں مجلس کو بہت بڑا دخل ہے۔ مثلاً اگر ایک مجلس میں ایک آیت سجدہ بار بار تلاوت کی تو ایک ہی سجدہ واجب ہوگا۔ اور امام محمدؒ کے نزدیک سبب کا متحد ہونا معتبر ہے۔ پس اگر ہر بار کی قی کا سبب ایک ہو چاہے ایک مجلس میں ہو یا کئی مجلسوں میں ہو تو اس کو جمع کیا جائیگا۔ اگر منہ بھر ہو جائے۔ تو وضو ٹوٹ جائیگا کیونکہ حکم ثبوت سبب کے مطابق ہوتا ہے۔ تو سبب کے متحد ہونے سے حکم متحد ہو جائیگا۔ اس کی چار صورتیں ہیں (۱) مجلس اور سبب دونوں متحد ہوں اس صورت میں قی بالاتفاق ناقض وضو ہے (۲) دونوں مختلف ہوں اس صورت میں قی بالاتفاق ناقض وضو نہیں ہے۔ (۳) مجلس متحد ہو اور سبب مختلف ہو۔ تو امام ابو یوسفؒ کے ہاں

اگرچہ سلام کے وقت ہو۔ بشرطیکہ رکوع سجدہ والی نماز ہو۔ اگرچہ نمازی رکوع سجدہ والی نماز کو اشارہ سے پڑھ رہا ہو۔ اور مصنفؒ
کے قول مصلی سے مراد صلوٰۃ کاملہ یعنی رکوع سجدہ والی نماز ہے۔ لہٰذا نماز جنازہ اور سجدہ تلاوت میں قہقہہ ناقض وضو نہیں ہے۔
قیاس کا مقتضی تو یہی ہے کہ ناقض وضو نہ ہو کیونکہ قہقہہ سے کوئی نجاست خارج نہیں ہوتی۔ یہی وجہ ہے کہ امام شافعیؒ امام مالکؒ
امام محمدؒ نقض وضو کے قائل نہیں ہیں۔ ہماری دلیل ابو موسیٰ اشعریؓ کی حدیث ہے کہ ایک آدمی گڑھے میں گر پڑا۔ بعض صحابہ
کرام ہنسے۔ تو آپ ﷺ نے ہنسنے والوں کو وضو اور نماز کے اعادہ کا حکم دیا۔ اور وہ حدیث یہ ہے: اَنَّ اَعْمٰی تَرَدّٰی فِی بِئْرٍ
وَالنَّبِیُّ ﷺ یُصَلِّی بِاَصْحَابِہٖ فَضَحِکَ بَعْضُ مَنْ کَانَ یُصَلِّی مَعَہٗ فَاَمَرَ النَّبِیُّ ﷺ مَنْ کَانَ ضَحِکَ مِنْهُمْ اَنْ یُّعِیْدَ
الْوُضُوْءَ وَیُعِیْدَ الصَّلٰوۃَ۔ (نصب الرایہ ۱ رص ۴۳ تفصیل کیلئے دیکھئے معارف مشکوٰۃ ج ۱)

مباشرت فاحشہ

مُبَاشَرَۃٌ فَاحِشَۃٌ: مباشرۃ بشرۃ سے ماخوذ ہے ظاہر جلد کو کہتے ہیں۔ اور فاحشہ سے مراد ظہور ہے۔ یعنی ایسی کھلی مباشرت کہ بغیر
کسی آڑ کے دونوں شرمگاہیں مل جائیں۔ اور اگر یہ مباشرت اپنی منکوحہ کے ساتھ نہ ہو کسی اور عورت کے ساتھ ہو تو پھر فاحشہ کے
معروف معنی مراد ہوں گے۔ بہرحال یہ ناقض وضو ہے کیونکہ ایسی حالت اکثر و اغلب مذی کے نکلنے سے خالی نہیں ہوتی۔ مقام
احتیاط میں غالب متحقق کے حکم میں ہوتا ہے۔ تو ظاہری سبب کو امر باطن کے قائم مقام کر دیا۔ اور امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ جب تک
کوئی چیز نظر نہ آئے وضو نہیں ٹوٹے گا۔ لیکن شیخینؒ کا قول صحیح و مفتی بہ ہے

لَا خُرُوْجُ دُوْدَۃٍ مِنْ جُرْحٍ: خروج نجس پر عطف ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے یعنی "لا ینقض الوضوء خروج دودۃ"
زخم سے کیڑے کا نکلنا ناقض وضو نہیں ہے اور جو کیڑا پاخانہ کے راستے سے نکلے وہ ناقض وضو ہے۔ ان دونوں میں دو وجہ سے
فرق ہے (۱) جو کیڑا دبر سے نکلے وہ متولد من الطعام ہوتا ہے۔ اور اگر طعام دبر سے نکلے تو وہ ناقض وضو ہے۔ تو جو چیز اس سے
متولد ہے وہ بھی ناقض وضو ہوگی اور جو کیڑا زخم سے نکلے وہ متولد من اللحم ہوتا ہے۔ اور اگر خود گوشت گر پڑے تو وہ ناقض وضو
نہیں۔ تو جو چیز اس سے متولد ہے وہ بھی ناقض وضو نہیں ہے۔ (۲) جو کیڑا الخارج من الدبر ہو اس کے ساتھ جو نجاست ہے
وہ بہت کم ہے اور کم نجاست کا نکلنا سبیلین میں حدث ہے نہ کہ ان دونوں کے علاوہ میں۔

وَمَسُّ ذَکَرٍ وَامْرَأَۃٍ: ذکر اور عورت کو چھونا ناقض وضو نہیں ہے۔ کبار صحابہؓ اور کبار تابعینؒ کا یہی مذہب ہے۔ اور امام شافعیؒ
فرماتے ہیں کہ مس ذکر ناقض وضو ہے۔ کیونکہ یہ استطلاق المذی (یعنی جلد مذی آنے) کا سبب ہے تو یہ مذی کے حکم میں
ہے جس طرح التقاء ختانین منی کے آنے کا سبب ہے تو اس کو منی کی طرح قرار دیا گیا۔ ان کی دلیل بسرہ بنت صفوانؓ کی حدیث
ہے "اِذَا مَسَّ اَحَدُکُمْ ذَکَرَہٗ فَلْیَتَوَضَّأْ" (ابوداؤد، نسائی) اور ہماری دلیل طلق بن علیؓ کی حدیث ہے "یَا
رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا تَرٰی فِیْ رَجُلٍ مَسَّ ذَکَرَہٗ فِی الصَّلٰوۃِ قَالَ هَلْ هُوَ اِلَّا مُضْغَۃٌ مِّنْکَ اَوْ بَضْعَۃٌ مِّنْکَ (ترمذی نسائی ابوداؤد)

"وہ بھی تو بدن کا ایک ٹکڑا ہی ہے"۔ یعنی جس طرح بدن کو ہاتھ لگانے سے وضو نہیں ٹوٹتا اسی طرح ذکر چھونے سے بھی نہیں ٹوٹتا۔ (قال الترمذی وهذا الحديث أحسن شيء في هذا الباب وأصح) امام شافعیؒ کی عقلی دلیل کا جواب۔ سبب کو حقیقت کے قائم مقام کرنے کیلئے دو قاعدے ہیں (۱) کہ حقیقت شئی پر اطلاع متعذر ہو تو سبب کو اصل کے قائم مقام کیا جاتا ہے جیسے نوم مضطجع اور التقاء ختانین کہ ان دونوں کو خارج من السبیلین کے قائم مقام کر دیا۔ (۲) جس کا وجود اغلب و اکثر ہو تو امکان اطلاع کے باوجود سبب کے وقت اس کو اصل کے قائم مقام کر دیا جاتا ہے اور نادر کو معدوم قرار دیا جاتا ہے۔ جیسا کہ مباشرۃ فاحشہ میں کیا گیا۔ اور یہاں ان دونوں میں سے کوئی بھی نہیں پایا جا رہا۔ اور اسی طرح مس امراۃ بھی امام شافعیؒ کے نزدیک ناقض وضوء ہے۔ ان کی دلیل اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿او لامستم النساء﴾ اور لمس کا حقیقی معنی لمس بالید ہے تو یہی مراد لیے جائیں گے۔ ہماری دلیل حدیث عائشہؓ ہے: يقبل بعض نسائه ثم يخرج إلى الصلاة ولا يتوضأ. "کہ آپ ﷺ اپنی بعض عورتوں کا بوسہ لیتے اور پھر نماز کیلئے تشریف لے جاتے اور وضوء نہ فرماتے"۔ (نسائی، ترمذی، ابن ماجہ) اور امام شافعیؒ کا ﴿او لامستم النساء﴾ سے استدلال کرنا صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ مس نساء جماع سے کنایہ ہے۔

وَفَرْضُ الْغُسْلِ غَسْلُ فَمِهِ وَأَنْفِهِ وَبَدَنِهِ لَا دَلْكُهُ وَإِدْخَالُ الْمَاءِ دَاخِلَ الْجِلْدَةِ لِلْأَقْلَفِ.

ترجمہ: غسل کے فرض کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا اور سارے بدن کو دھونا ہے۔ اور بدن کو ملنا اور غیر مختون کو اندر چمڑے میں پانی پہنچانا فرض نہیں ہے۔

لغات: دلک: رگڑنا۔ الاقلف: غیر مختون۔

فرائض غسل

وفرض الغسل: غسل واجب (یعنی غسل جنابت، حیض، نفاس) کے فرائض تین ہیں۔ (۱) کلی کرنا (۲) ناک میں پانی ڈالنا (۳) ایک مرتبہ تمام بدن کو دھونا۔ حقیقت میں تو صرف بدن پر پانی بہانا یہی ایک ہی فرض ہے لیکن باقی دو کی فرضیت میں اختلاف ہے اس لئے ان کی علیحدہ علیحدہ صراحت کر دی۔

غسل فمه وانفه: مضمضہ اور استنشاق ہمارے نزدیک غسل واجب میں فرض ہیں اور وضوء میں سنت اور امام شافعیؒ کے نزدیک دونوں غسل میں بھی مسنون ہیں کیونکہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: عشر من الفطرة أي من السنة وذكر منها المضمضة والاستنشاق. کہ دس چیزیں فطرت یعنی سنت سے ہیں اور ان میں سے مضمضہ اور استنشاق کو ذکر فرمایا۔ اسی وجہ سے دونوں وضوء میں سنت ہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ وضوء اور غسل میں فرق ہے۔ کیونکہ وضوء کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فاغسلوا وجوهكم اور وجہ اس کو کہتے ہیں جس سے مواجہت واقع ہو۔ اور داخل فم اور داخل انف سے مواجہت نہیں ہوتی اس وجہ سے یہ دونوں وضوء میں فرض نہیں ہیں۔ اور غسل کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: وان كنتم جنبا

منی، مذی اور ودی کی تعریفات: منی سفید گاڑھا پانی ہے۔ جو کود کر شہوت کے ساتھ نکلتا ہے۔ اس کے نکلنے پر لذت محسوس ہوتی ہے۔ اس کے بعد فتور (سستی) طاری ہو جاتی ہے۔ اس کی بو خرما کی شگوفہ کی طرح ہوتی ہے۔ جو خشک ہونے پر انڈے کی بو کے قریب قریب ہے۔

مذی: ایک قسم کا سفید پتلا مادہ ملاعبت یا بوسہ لینے کے وقت بلا دفق نکلتا ہے۔ اور اس کے بعد فتور طاری نہیں ہوتا۔

ودی: منی کے مشابہ گدلے رنگ کا گاڑھا ایک پانی ہے جو پیشاب یا جماع کرنے کے بعد ایک آدھ قطرہ نکلتا ہے۔

لا مذی وودی: مذی اور ودی کے نکلنے پر غسل فرض نہیں بلکہ مذی میں صرف وضو ہے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے حضرت علی کو فرمایا تھا فیه الوضوء منه "تمہارے لئے اس سے وضو کافی ہے"۔ (ترمذی، بخاری) اور ودی کی صورت میں وضو اجماع سے ثابت ہے۔

واحتلام بلا بلل: کسی آدمی کو خواب میں احتلام ہو لیکن اٹھنے کے بعد بدن اور کپڑوں پر کوئی تری موجود نہ ہو تو بالاتفاق اس صورت میں غسل نہیں ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ سے اس آدمی کے بارے میں دریافت کیا گیا جسے احتلام تو یاد ہو لیکن اس نے اپنے کپڑوں پر تری نہیں پائی۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا لا غسل علیه "اس پر غسل نہیں"۔ (ترمذی) اور متن میں یہی صورت مذکور ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ بیدار ہونے کے بعد بدن یا کپڑے پر تری نظر آجائے۔ اس صورت میں تفصیل ہے۔ اور یہ کل چودہ صورتیں بنتی ہیں۔ (۱) یقین ہو کہ یہ تری منی ہے (۲) یقین ہو کہ مذی ہے (۳) یقین ہو کہ ودی ہے (۴) اولین میں شک ہو (منی، مذی) (۵) اخیرین میں شک ہو (مذی، ودی) (۶) طرفین میں شک ہو (منی، ودی) (۷) تینوں میں شک ہو۔ پھر ہر صورت میں یا تو احتلام یاد ہوگا یا نہیں اس طرح کل چودہ صورتیں بنتی ہیں۔

چودہ صورتوں میں حکم کی تفصیل

ان میں سے سات صورتوں میں بالاتفاق غسل واجب ہے۔ (۱) منی کا یقین ہے اور احتلام یاد ہے (۲) منی کا یقین ہے اور احتلام یاد نہیں ہے۔ (۳) مذی کا یقین ہے اور احتلام یاد ہے باقی چار صورتیں شک والی ہے جبکہ احتلام یاد ہے۔ (۴) منی اور مذی میں شک ہے اور احتلام یاد ہے (۵) مذی اور ودی میں شک ہے اور احتلام یاد ہے۔ (۶) منی اور ودی میں شک ہے اور احتلام یاد ہے (۷) منی اور مذی اور ودی تینوں میں شک ہے اور احتلام یاد ہے چار صورتوں میں بالاتفاق غسل واجب نہیں ہے۔ (۱) مذی کا یقین ہے اور احتلام یاد نہیں (۲) ودی کا یقین ہے اور احتلام یاد نہیں (۳) ودی ہونے کا یقین ہے احتلام یاد ہے (۴) مذی اور ودی میں شک ہے اور احتلام یاد نہیں۔ تین صورتوں میں اختلاف ہے۔ (۱) شک ہے اولین میں کہ منی ہے یا مذی احتلام یاد نہیں (۲) شک ہے طرفین میں کہ منی ہے یا ودی احتلام یاد نہیں (۳) تینوں میں شک ہے۔ احتلام یاد نہیں ان تینوں صورتوں میں طرفین کے نزدیک غسل احتیاطاً واجب ہے۔ جبکہ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک غسل نہیں ہے۔ للشک فی السبب

الموجب گویا امام یوسفؒ کے نزدیک سات طرفینؒ کے نزدیک دس صورتوں میں غسل واجب ہوگا۔ طرفینؒ کی دلیل حدیث کے عموم سے ہے جبکہ امام ابو یوسفؒ اس کو صرف سات صورتوں پر محمول کرتے ہیں۔ فتویٰ طرفینؒ کے قول پر ہے۔

وَسُنَّ لِلْجُمُعَةِ وَالْعِيدَيْنِ وَالْإِحْرَامِ وَعَرَفَةَ وَوَجَبَ لِلْمَيِّتِ وَلِمَنْ أَسْلَمَ جُنُبًا وَإِلَّا نُدِبَ.

ترجمہ: اور غسل مسنون ہے جمعہ کیلئے عیدین کیلئے اور احرام کیلئے اور عرفہ کے دن (حاجیوں) کیلئے اور ضروری ہے میت کیلئے اور اس کیلئے جو ناپاکی کی حالت میں مسلمان ہوا اور ورنہ مستحب ہے۔

غسل مسنون و مستحب

وَسُنَّ لِلْجُمُعَةِ: جمعے کے روز غسل کرنا مسنون ہے ابتدا اسلام میں جمعے کے دن غسل کرنا واجب تھا مگر اس کے بعد منسوخ ہو گیا۔ دلیل عکرمہؒ کی حدیث ہے۔ خرج رسول الله صلى الله عليه وسلم في يوم حار وعرق الناس في ذلك الصوف حتى ثارت منهم رياح آذى بذلك بعضهم بعضا فلما وجد رسول الله صلى الله عليه وسلم تلك الريح قال أيها الناس إذا كان هذا اليوم فاغتسلوا وليمس أحدكم أفضل ما يجد من دهنه وطيبه قال ابن عباس ثم جاء الله بالخير ولبسوا غير الصوف وكفوا العمل ووسع مسجدهم وذهب بعض الذي كان يؤذي بعضهم بعضا من العرق۔ یعنی عکرمہ فرماتے ہیں کہ عراق کے کچھ لوگوں نے کہا کہ اے ابن عباسؓ کیا آپ جمعے کے غسل کو واجب سمجھتے ہیں تو انہوں نے فرمایا نہیں۔ لیکن جس شخص نے غسل کیا اس کیلئے بہت بہتر ہے اور جس نے غسل نہیں کیا اس کیلئے واجب نہیں ہے اور میں آپ لوگوں کو بتاؤں غسل کی ابتداء کیسے ہوئی (واقعہ یہ ہے) کہ لوگ محنت اور مشقت کرتے اور اونی کپڑے پہنتے اور آپ ﷺ کی مسجد تنگ اور نیچی چھت والی تھی گویا جھونپڑی تھی ایک دن آپ ﷺ تشریف لائے اور لوگ اونی کپڑوں کی وجہ سے پسینے سے شرابور تھے حتیٰ کہ پسینے کی بدبودار ہوائیں اڑ کر لوگوں کو تکلیف پہنچا رہی تھیں۔ پس آپ ﷺ نے ان ہواؤں کو دیکھا تو فرمایا اس دن یعنی جمعے کے دن غسل کیا کرو اور تیل یا خوشبو لگایا کرو۔ ابن عباسؓ نے کہا جب اللہ نے بھلائی کا معاملہ کیا یعنی لوگوں کی حالت درست فرمائی اور اونی کپڑوں کے علاوہ پہننے لگے اور کام سے بھی رک گئے اور ان کی مسجد کشادہ ہوگئی اور تکلیف دہ چیز یعنی پسینہ بھی جاتا رہا (تو وجوب غسل ساقط ہو گیا) اس روایت سے واضح ہو گیا کہ ابتداء میں جمعے کے روز غسل کرنا واجب تھا اس کے بعد منسوخ ہو گیا۔ رہی یہ بات کہ جمعے کے دن غسل جمعے کے دن کی وجہ سے مسنون ہے۔ یا نماز کی وجہ سے یعنی نماز جمعہ کی وجہ سے۔ اس بارے میں اختلاف ہے حسن بن زیادؒ کے نزدیک جمعے کے دن غسل کی فضیلت جمعہ کی وجہ سے ہے۔ اور امام یوسفؒ کے نزدیک جمعے کے دن غسل کی فضیلت نماز جمعہ کی وجہ سے ہے اور احناف کے ہاں یہی صحیح ہے۔ اور مالکیہ کے نزدیک بھی غسل یوم الجمعہ نماز جمعہ کیلئے ہے اور بعض متون (جیسے ہدایہ وغیرہ) میں جو امام مالکؒ کی طرف وجوب کا قول منسوب ہے وہ صحیح نہیں۔ (الفقہ الاسلامی وادلتہ [illegible]) اس اختلاف کا ثمرہ اس صورت میں ظاہر ہوگا ایک شخص نے غسل کیا پھر حدث لاحق ہوئی اور وضو کیا نماز

جمعہ ادا کی تو امام یوسفؒ وغیرہ کے نزدیک سنت غسل ادا نہیں ہوئی البتہ حسن بن زیاد وغیرہ کے نزدیک سنت غسل ادا ہو گی لیکن جمعہ کے بعد بالاجماع غسل کرنا معتبر نہیں ہے۔ (الفقہ الاسلامی [illegible])

وَالْعِيدَيْنِ وَالْإِحْرَامِ وَعَرَفَةَ: عیدین اور عرفہ کیلئے غسل مسنون ہے کیونکہ عبدالرحمن بن عقبہ کی روایت ہے: کان یغتسل یوم العرفۃ ویوم النحر ویوم الفطر۔" آپ ﷺ یوم عرفہ، عید الاضحٰی اور عید الفطر کیلئے غسل فرماتے تھے" (ابن ماجہ) اور احرام باندھنے کیلئے بھی غسل مسنون ہے۔ کیونکہ زید بن ثابت کی حدیث ہے: تجرد لاھلالہ واغتسل۔ "کہ آپ ﷺ نے احرام باندھنے کیلئے کپڑے اتارے اور غسل فرمایا"۔ (ترمذی)

غسل میت کا حکم

وَوَجَبَ لِلْمَيِّتِ: اور مسلمانوں پر مردے کو غسل دینا فرض علی الکفایہ ہے کیونکہ ارشاد نبوی ﷺ ہے: للمسلم علی المسلم ستۃ حقوق وذکر منھا الغسل بعد موتہ (مسند احمد) ہاں اگر مردہ خنثیٰ مشکل ہو تو تیمم کرایا جائیگا۔

وَلِمَنْ أَسْلَمَ جُنُبًا وَإِلَّا نُدِبَ: اور جو شخص جنابت کی حالت میں مسلمان ہوا تو صحیح قول کے مطابق اس پر غسل کرنا واجب ہے۔ اور وجوب غسل جنابت کی وجہ سے نہیں کہ یا اعتراض ہو کہ وجوب غسل کے وقت احکام شریعت کا مخاطب نہیں ہے بلکہ اس کو وجوب نماز پڑھنے کے سبب سے اور اس وقت یہ جنبی ہے۔ جس طرح وضو حدث کی وجہ سے واجب نہیں ہوتا بلکہ ارادہ صلوٰۃ کی وجہ سے واجب ہوتا ہے کیونکہ وہ اس وقت محدث ہے۔ دوسری وجہ صفت جنابت اسلام لانے کے بعد بھی قائم ہے اور اس کا قائم رہنا ایسا ہی ہے جیسا کہ فی الحال واقع ہونا۔ اور اس کو حیض پر قیاس نہیں کیا جا سکتا کہ کوئی عورت حیض کے منقطع ہونے کے بعد مسلمان ہوئی تو اس پر غسل واجب نہیں ہے۔ کیونکہ اس میں موجب غسل انقطاع دم ہے اور اس کو کوئی دوام نہیں کہ اس کے دوام کو ابتداء کی طرح قرار دیا جائے۔ تیسری وجہ انقطاع امر وجودی بھی نہیں ہے کہ جس کا حقیقۃً اعتبار ہو سکے۔ اور حکمی اعتبار کے وقت خود غیر معتبر تھا۔ (البنایہ [illegible]) اور اگر اسلام لانے کے وقت جنبی نہیں تھا تو پھر غسل کرنا مستحب ہوگا۔

> وَيَتَوَضَّأُ بِمَاءِ السَّمَاءِ وَالْعَيْنِ وَالْبَحْرِ وَإِنْ غَيَّرَ طَاهِرٌ أَحَدَ أَوْصَافِهِ أَوْ أَنْتَنَ بِالْمُكْثِ أَوْ بِالطَّبْخِ أَوْ اعْتُصِرَ مِنْ شَجَرٍ أَوْ ثَمَرٍ أَوْ غَلَبَ عَلَيْهِ غَيْرُهُ أَجْزَاءً وَبِمَاءٍ دَائِمٍ فِيهِ نَجَسٌ إِنْ لَمْ يَكُنْ عَشْرًا فِي عَشْرٍ وَهُوَ كَالْجَارِي وَهُوَ مَا يَذْهَبُ بِتِبْنَةٍ فَتَوَضَّأَ مِنْهُ إِنْ لَمْ يَرَ أَثَرَهُ وَهُوَ طَعْمٌ أَوْ لَوْنٌ أَوْ رِيحٌ وَمَوْتُ مَا لَا دَمَ لَهُ فِيهِ كَالْبَقِّ وَالذُّبَابِ وَالزُّنْبُورِ وَالْعَقْرَبِ وَالسَّمَكِ وَالضِّفْدَعِ وَالسَّرَطَانِ لَا يُنَجِّسُهُ،

ترجمہ: بارش، چشمہ اور دریا کے پانی سے وضو جائز ہے۔ اگرچہ کسی پاک چیز نے اس کے کسی وصف کو بدل دیا ہو۔ یا زیادہ دن ٹھہرنے کے باعث بدبودار ہو گیا ہو۔ ہاں ایسے پانی سے وضو جائز نہیں جو پتوں کی کثرت سے یا پکانے سے بدل گیا ہو یا درخت یا پھل سے نچوڑا گیا ہو۔ اور نہ ایسے پانی سے جس پر دوسری چیز اجزاء کے اعتبار سے غالب آ گئی ہو اور ٹھہرے ہوئے پانی سے جس میں ناپاکی ہو اگر

آ جائے۔ فقہاء احناف کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ماء مطلق کا استعمال وضو وغیرہ کیلئے جائز ہے اور جو ماء مطلق نہیں ہے اس کا استعمال جائز نہیں لیکن ماء مطلق اور ماء مقید کی تعریف میں اختلاف ہے بعض نے رقت اور سیلان کا اعتبار کیا ہے اور بعض نے عدم تغیر وصف کا اعتبار کیا ہے اور بعض نے دو وصفوں کے متغیر ہونے کا اور بعض نے نصف یا اجزاء کا اعتبار کیا۔

پانی کی طہارت کے متعلق ایک قاعدہ کلیہ

یہاں ایک ضابطہ بیان کیا جاتا ہے جس سے تمام اقوال کے درمیان تطبیق ممکن ہو سکے اور ہر قول کو اس صورت پر محمول کیا جائے جو اس کے مناسب ہے چنانچہ جب پانی اپنی اصلی خلقت پر باقی ہو اور اس کو پانی کے نام سے ہی موسوم کیا جاتا ہو تو اس سے وضو جائز ہے اور اگر وہ اپنی اصلی خلقت پر باقی نہیں رہے تو یہ مقید کہلائیگا اور یہ تقید یا کمال امتزاج سے ہوگی یا تو کمال امتزاج سے یا غلبہ ممتزج سے اور کمال امتزاج کسی چیز کے ساتھ ملا کر پکانے سے حاصل ہوگا اور اس سے مبالغۃ فی التنظیف مقصود نہ ہو جیسے صابن بیری کے پتے وغیرہ، اور غلبہ ممتزج یعنی بغیر پکائے پانی میں کوئی چیز مل جائے اور پانی مغلوب ہو جائے پس شیئ ممتزج جامد اور گاڑھی ہوگی یا سیال اور چکنی اگر جامد ہے تو رقت اور سیلان کا اعتبار ہوگا پس جب تک پانی رقیق ہے اور اس کو اعضاء پر بہایا جا سکتا ہے تو اس سے وضو جائز ہے اور اگر شیئ ممتزج مائع اور چکنی ہے تو پانی کے کل اوصاف کے مخالف ہوگی یا بعض کے یا بالکل مخالف نہیں ہوگی اگر بالکل موافق نہیں ہے جیسے ماء مستعمل اور عرق گلاب جبکہ اس کی بو ختم ہوگئی ہو تو اجزاء کے غلبہ کا اعتبار ہوگا پس اگر ماء مطلق وزن کے اعتبار سے غالب ہے تو اس کا استعمال وضو وغیرہ کیلئے جائز ہے اور اگر اس کا برعکس ہو یا مساوی ہو تو اس کا استعمال جائز نہیں اگر تمام اوصاف میں مخالف ہو تو پانی کے اکثر اوصاف کے بدل جانے سے غلبہ ثابت ہوگا اگر بعض اوصاف میں مخالف ہو جیسے دودھ (کہ رنگ اور مزہ میں مخالف ہے) تو ایک وصف کے متغیر ہو جانے سے غلبہ ثابت ہوگا اور اس کا استعمال جائز نہیں ہوگا (تبیین بالفاظ ما، ۲۰)

ٹھہرے ہوئے پانی کے احکام

وبماء دائم فيه نجس إن لم يكن عشرا في عشر فهو كالجاري وهو ما يذهب بتبنة فيتوضأ به: اور اس ٹھہرے ہوئے پانی سے بھی وضو جائز نہیں ہے جس میں ناپاکی ہو اور وہ دہ در دہ نہ ہو البتہ دہ در دہ ہونے کی صورت میں ایسا ہے جیسا بہتا ہوا پانی اور بہتے پانی کی تعریف یہ ہے کہ وہ تنکا بہا لیجائے پس ایسے پانی سے وضو جائز ہے۔ بشرطیکہ اس میں نجاست کا کوئی اثر نہ دکھائی دے اور اثر نجاست سے مراد اس کا مزہ اور بو اور رنگ ہے ائمہ ثلاثہ اس بات پر تو متفق ہے کہ پانی تینوں اوصاف ثلاثہ سے نجس ہو جاتا ہے لیکن ان کا آپس میں بھی اختلاف ہے امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ اوصاف ثلاثہ میں سے ایک وصف تبدیل ہو جائے تو پانی نجس ہوگا ورنہ نہیں چاہے پانی قلیل ہو یا کثیر گویا مالکیہ کے نزدیک نجاست کے ظہور اور عدم ظہور کا اعتبار ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے الماء طهور لا ينجسه شيء "پانی پاک ہے اس کو کوئی چیز ناپاک نہیں کرتی" امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ ماء قلیل وقوع نجاست سے ناپاک ہو جاتا ہے گرچہ تغیر احد الاوصاف نہ ہوا ہو اور ماء

میں عموم وخصوص کا ایک لحاظ ہے یعنی یہ دونوں جمع بھی ہو سکتے ہیں اور منفرد بھی دونوں کے جمع ہونے کی صورت یہ کہ کوئی بے وضو شخص وضو کرے اور وضو کرنے کی نیت بھی کرے تاکہ ثواب حاصل کرے تو اس صورت میں ہمارے آئمہ ثلاثہ کے نزدیک وہ پانی مستعمل ہو جائیگا اور دونوں کے منفرد ہونے کی دو صورتیں ہیں ایک فقط ازالۂ حدث یا قربت دوسری صورت فقط قربت یا ازالۂ حدث، پہلی صورت میں شیخین کے نزدیک وہ پانی مستعمل ہوگا امام محمدؒ کے نزدیک مستعمل نہیں ہوگا اور دوسری صورت میں حکم اس کے برعکس ہو جائیگا۔ دوم: اس کے ثبوت کے بارے میں صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ صحیح یہ ہے کہ جب پانی عضو سے جدا ہو جاتا ہے تو وہ مستعمل ہو جاتا ہے اس لئے عضو سے جدا ہونے سے قبل ضرورت کی وجہ سے مستعمل ہونے کا حکم نہیں لگایا گیا اور عضو سے جدا ہونے کے بعد ضرورت باقی نہ رہنے کی وجہ سے اس پر مستعمل ہونے کا حکم لگ جائیگا اور یہی لئے صحیح یہ ہے کہ ہمارے صاحب کے نزدیک مستعمل پانی کیلئے کسی جگہ جمع ہونا شرط نہیں ہے اور قول ضعیف کے مطابق شرط یہ ہے کہ جب پانی عضو سے جدا ہو کر کسی جگہ یعنی زمین یا ہتھیلی یا کپڑے میں ٹھہر جائے اور حرکت کرنے سے رک جائے تب مستعمل ہوگا، یہ قول سفیان ثوری وابراہیم نخعی اور بعض مشائخ کا ہے اور طحاوی فخر الاسلام بزدوی وغیرہ نے اسی کو اختیار کیا ہے ظہیر الدین مرغینانی اسی قول پر فتوی دیتے تھے۔ عام مشائخ پہلے قول پر ہیں اور وہی اصح ہے۔ سوم: ماء مستعمل کی صفت کے بارے میں، اور وہ یہ ہے کہ وہ پانی پاک ہے۔ چہارم: ماء مستعمل کے حکم کے بارے میں، اور وہ یہ ہے کہ وہ پانی غیر مطہر ہے یعنی پاک کرنے والا نہیں ہے ہمارے آئمہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ مستعمل پانی پاک کرنے والا نہیں ہے اور اس سے وضو جائز نہیں ہے اس کے پاک ہونے کے بارے میں اختلاف ہے امام محمدؒ کا قول یہ ہے کہ وہ پاک ہے اور امام صاحبؒ سے بھی ایک روایت یہی ہے اور اسی پر فتوی ہے اور مشائخ بلخ کی تحقیق یہ ہے کہ شیخین کے نزدیک مستعمل پانی نجس ہے اور امام محمدؒ کے نزدیک پاک ہے لیکن پاک کرنے والا نہیں ہے اور مشائخ عراق کی تحقیق یہ ہے کہ ہمارے آئمہ ثلاثہ میں کوئی اختلاف نہیں ہے یعنی ان تینوں کے نزدیک پاک ہے اور پاک کرنے والا نہیں ہے اور ہمارے مشائخ ماوراء النہر میں سے محققین نے اسی کو اختیار کیا ہے۔

کنویں کے احکام

ومسئلۃ البئر جحط: یعنی کنویں کے پانی کی پاکی یا ناپاکی تفصیلات اور اس مسئلے کے اختلافات ان الفاظ میں پنہاں ہیں۔ ج: علامت نجاست ہے۔ اور ح: بمعنی نور رحمے کی، اور ط: طہارت کی علامت ہے ہمارے ائمہ ثلاثہ کے درمیان جو اختلاف آراء پیدا ہوئی ان تمام آراء کو اس لفظ "جحط" میں سمو دیا گیا ہے۔ امام اعظم چونکہ ائمہ ثلاثہ میں اقدم ہیں۔ لہذا پہلے ان کی رائے کی جانب لفظ "ج" سے اشارہ کیا گیا ہے۔ امام صاحب کے بعد امام ابو یوسف کا درجہ ہے جن کے مسلک کی جانب بعد کے لفظ "ح" سے اشارہ کیا گیا ہے۔ امام محمدؒ تیسرے مرتبہ پر ہیں۔ لہذا "ط" کے لفظ میں ان کا فتوی ظاہر کیا گیا ہے۔ صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص جنبی تھا جس کے جسم پر کوئی ظاہری نجاست نہیں تھی وہ ڈول یا کوئی چیز نکالنے کے لئے کنویں میں گھس گیا اور اس نے نہ وضو کی

دیواروں سے کسی نجاست لگی ہوئی ہوتی ہے اور اس میں تھوڑا تھوڑا پانی آتا ہی رہتا ہے اور یا کنواں ناپاک ہی نہ ہو کیونکہ اس میں پانی نیچے سے سوت (چشمہ) کے ذریعہ آتا ہی رہتا ہے اور اوپر سے نکالا جاتا ہے اس لئے وہ حوض کی مانند جاری پانی کی مانند ہے لہذا کنووں کے مسائل میں رائے کو کوئی دخل نہیں ہے بلکہ کنوئیں کا پانی نکالنے سے کنوئیں کا پاک ہونا اصول ضرورت کے تحت قیاس خفی یعنی استحسان سے ثابت ہے اور آثار صحابہؓ سے ماخوذ ہے اگر اونٹ یا بکری کی ایک دو مینگنی قلیل مقدار میں مینگنیاں کنوئیں میں گریں تو جب تک وہ کثیر یعنی بہت زیادہ مقدار میں نہ ہوں اس وقت تک کنواں نجس نہیں ہوتا اسی وجہ سے تر اور خشک سالم اور ٹوٹی ہوئی مینگنی میں کوئی فرق نہیں ہے اسی طرح صحیح قول کے مطابق شہر کے اور جنگل کے کنووں میں کوئی فرق نہیں ہے۔ رہی یہ بات کہ قلیل اور کثیر کی حد کیا ہے۔ تو اس میں علماء کے مختلف اقوال ہیں لیکن معتمد علیہ قول یہ ہے کہ دیکھنے والے کا اعتبار ہے وہ جس مقدار کو قلیل سمجھے وہ قلیل ہے اور دیکھنے والا جس کو کثیر سمجھے وہ کثیر ہے۔ (فتاوی شامی ۲۲۲) اور اسی طرح بکری نے دودھ دوہنے کے برتن میں ایک دو مینگنیاں کر دیں وہ نجس نہیں ہوگا کیونکہ اس سے بچنا مشکل ہے لیکن اگر دودھ دوہنے کے بعد اس میں مینگنیاں کیں تو دودھ نجس ہوگا کیونکہ برتن ڈھک دینا ممکن ہے۔ لہذا یہاں ضرورت نہیں ہے۔ (فتاوی شامی ۲۲۲)

اگر کنوئیں میں کبوتر یا چڑیا کی بیٹ گر جائے تو اس سے ناپاک نہیں ہوگا امام شافعیؒ کے نزدیک ناپاک ہو جائیگا کیونکہ بیٹ بدبو اور فساد کی طرف منتقل ہوتی ہے۔ لہذا اس کا حال مرغی کی بیٹ جیسا ہوگا جو بالاتفاق ناپاک ہے ہم کہتے ہیں کہ مساجد میں کبوتروں کو رکھنے اور پالنے کا جمہور مسلمانوں کا دستور چلا آرہا ہے کسی نے بھی اس پر نکیر نہیں کی جبکہ حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ ہمیں اپنے گھروں میں مسجدیں بنانے اور ان کو پاک رکھنے کا حکم دیتے تھے۔ (ابوداؤد) لہذا ہمارا فعل ان کی بیٹ کے ناپاک نہ ہونے کی دلیل ہے۔ رہا بدبو کا معاملہ تو تھوڑی بہت بدبو کا ہونا تو ایسا ہی ہے جیسے کیچڑ میں تھوڑی تھوڑی بدبو ہوتی ہے حالانکہ وہ امام شافعیؒ کے نزدیک ناپاک نہیں ہے۔

وَتَنَزَّحُ مَا يُؤْكَلُ لَحْمُهُ نَجِسٌ: اگرچہ یہ مسئلہ باب الانجاس سے متعلق ہے لیکن یہ واضح کرنے کیلئے کہ ماکول جانوروں کے پیشاب سے کنواں ناپاک ہو جائیگا اسی لئے ان کو یہاں ذکر کیا۔ ماکول جانوروں کا پیشاب شیخینؒ کے نزدیک ناپاک ہے امام محمدؒ کے نزدیک پاک ہے اسی اصل کی بناء پر شیخینؒ کے نزدیک ان کا پیشاب کرنے سے کنواں ناپاک ہو جائیگا۔ اور کل پانی نکالا جائیگا امام محمدؒ کے نزدیک ناپاک نہیں ہوگا کیونکہ نبی کریم ﷺ نے قبیلہ عرینہ کے لوگوں کو اجازت دی تھی "ان یشربوا من ابوال الابل والبانها" "وہ اونٹوں کا پیشاب اور دودھ پئیں" شیخینؒ کی دلیل نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے "استنزهوا من البول فان عامة عذاب القبر منه" "پیشاب سے بچو کیونکہ عام طور پر عذاب قبر اسی سے پیش آتا ہے"۔ پھر امام صاحبؒ کے نزدیک ماکول جانوروں کا پیشاب بطور دوا استعمال کرنا بھی حلال نہیں ہے۔ کیونکہ اس سے حصول شفا یقینی نہیں ہے۔ اور امام ابو یوسف ؒ کے نزدیک بطور دوا استعمال جائز ہے۔ (فتح القدیر ۹۷)

جو چیز باعث حدث نہیں وہ نجس بھی نہیں

لا ما لم يكن حدثا ولا يشرب اصلا: اس کا عطف (ینقض) پر ہے۔ یعنی انسان کے بدن سے جس کا نکلنا باعث حدث نہیں ہے۔ وہ نجس بھی نہیں ہے جیسے تھوڑی سی قے، پیپ، خون، وغیرہ جو اپنی جگہ سے بہا نہ ہو اگر یہ پانی میں گر جائے یا کپڑے یا بدن پر لگ جائے تو ناپاک نہیں ہوگا یہ امام ابو یوسفؒ کا مذہب ہے۔ اور امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ نجس ہوگا۔ اور بعض فقہاء نے دونوں قولوں کو تطبیق کے طور پر لیا کہ اگر تھوڑی سی قے کپڑے یا بدن پر لگ جائے تو امام ابو یوسفؒ کے قول پر فتویٰ دیا جائیگا اور اگر پانی وغیرہ میں گر جائے تو امام محمدؒ کے قول پر فتویٰ دیا جائیگا۔ (فتاوی شامی ص ۲۹۲)

وَعِشْرُوْنَ دَلْوًا وَسَطًا بِمَوْتِ نَحْوِ فَارَةٍ وَاَرْبَعُوْنَ بِنَحْوِ حَمَامَةٍ وَكُلُّهُ بِنَحْوِ شَاةٍ وَانْتِفَاخِ حَيَوَانٍ اَوْ تَفَسُّخِهِ وَمِائَتَانِ لَوْ لَمْ يُمْكِنْ نَزْحُهَا وَنَجَّسَهَا مُنْذُ ثَلَاثٍ فَارَةٌ مُنْتَفِخَةٌ جُهِلَ وَقْتُ وُقُوْعِهَا وَاِلَّا مُنْذُ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ

ترجمہ: چوہے کی مانند جانور مرنے سے اوسط درجہ کے بیس ڈول نکالے جائیں گے۔ اور کبوتر کے برابر مرنے پر چالیس اور بکری کے برابر جانور کے مرنے اور پھول یا پھٹ جانے پر مکمل پانی نکالا جائیگا اور دو سو ڈول اگر پورا پانی نکالنا ممکن نہ ہو چوہے (وغیرہ) کا پھولنا یا پھٹنا کنویں کو تین دن سے ناپاک کر دیتا ہے جس کے گرنے کا وقت معلوم نہ ہو ورنہ ایک دن اور ایک رات سے۔

لغات: اہاب: کچا چمڑا۔ شعر: بال۔ عظم: ہڈی۔ نزح: کھینچنا۔ بعر: مینگنی۔ خرو: بیٹ۔ حمام: کبوتر۔ عصفور: چڑیا۔

وَعِشْرُوْنَ دَلْوًا وَسَطًا بِمَوْتِ نَحْوِ فَارَةٍ وَاَرْبَعُوْنَ بِنَحْوِ حَمَامَةٍ وَكُلُّهُ بِنَحْوِ شَاةٍ وَانْتِفَاخِ حَيَوَانٍ اَوْ تَفَسُّخِهِ وَمِائَتَانِ لَوْ لَمْ يُمْكِنْ نَزْحُهَا: ان مسائل کا حاصل یہ ہے کہ جو جانور کنویں میں گر جائے اس کی سات صورتیں ہیں کیونکہ وہ جانور یا تو چوہا اور اس کے مانند ہوگا پھر ان میں سے ہر ایک زندہ نکالا گیا ہوگا یا مردہ اور اگر مردہ ہے تو پھر دو صورتیں ہیں پھول پھٹ گیا ہوگا یا نہیں پس اگر وہ جانور زندہ نکال لیا گیا تو کنواں ناپاک نہیں ہوگا علاوہ اس کے کہ سور گر گیا ہو کیونکہ سور بالاتفاق نجس العین ہے لہذا اس صورت میں کنواں ناپاک ہو جائیگا اگرچہ اس کو زندہ ہی کیوں نہ نکالا ہو اور جو حضرات کتے کو نجس العین کہتے ہیں ان کے نزدیک کتا بھی سور کے حکم میں ہوگا اور اگر اس جانور کو مردہ نکالا گیا ہو تو پہلی صورت میں یعنی جبکہ مردار چوہا یا اس کے مانند کوئی جانور ہو تو حکم یہ ہے کہ اس مردار کو نکالنے کے بعد بیس ۲۰ ڈول نکالنا واجب ہے تیس ڈول نکالنا مستحب ہے اور یہ حکم ایک سے لیکر چار تک ہے پانچ سے لیکر نو تک چالیس ڈول نکالنا واجب ہے اور دس چوہوں میں پورا پانی نکالنا واجب ہوگا۔ کیونکہ حضرت انسؓ کی حدیث ہے جب ایک مرتبہ کنویں میں چوہا گر کر مر گیا اور اسی وقت نکال دیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ بیس ڈول پانی نکالا جائے۔ اور ابن عباسؓ کی حدیث ہے کہ آپ ﷺ نے تیس ڈول نکالنے کا حکم کیا پس دونوں حدیثوں میں توفیق کے پیش نظر حدیث انسؓ کو وجوب پر محمول کیا اور ابن عباسؓ کے اثر کو استحباب پر محمول کیا گیا اور یہاں اوسط درجہ کا ڈول

مراد ہے اوسط درجہ کا ڈول یہ ہے کہ جس کو شہر میں عام طور پر استعمال کیا جاتا ہے یا اس کنویں پر عام طریقہ سے استعمال کیا جاتا ہے پس اگر بڑے ڈول سے پانی نکالا گیا تو اسی حساب سے تیس ڈول سے کم نکالے جائیں اور اگر چھوٹے ڈول سے پانی نکالا گیا تو اسی حساب سے تیس پر اضافہ کر دیا جائے۔

وَنَجَّسَهَا مُنْذُ ثَلَاثٍ فَارَةٌ مُنْتَفِخَةٌ جُهِلَ وَقْتُ وُقُوعِهَا وَإِلَّا مُنْذُ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ: اور اگر کنویں میں کوئی جانور گر کر پھول گیا یا پھٹ گیا ہو اس کے گرنے کا وقت معلوم نہیں تو تین دن تین رات قبل سے کنویں کو ناپاک کہا جائیگا اور جتنی چیزیں اس مدت میں اس ناپاک پانی کے استعمال میں آئی ہیں پھر سے پاک کیا جائیگا اور اگر پھولا یا پھٹا نہ ہو تو ایک دن ایک رات قبل سے کنویں کو ناپاک کہیں گے یہ امام ابو حنیفہؒ کا قول ہے صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ جس وقت جانور کو کنویں میں دیکھا گیا ہے اسی وقت سے کنواں ناپاک تصور کیا جائیگا۔

کنویں کے پاک ہونے سے ڈول، رسی، کنویں کی دیواریں، اور پانی کھینچنے والے کا ہاتھ یہ سب چیزیں پاک ہو جائیں گی۔ امام یوسفؒ سے منقول ہے کہ ان اشیاء کی نجاست کنویں کی نجاست کی وجہ سے ہے۔ لہٰذا حرج کو دور کرنے کیلئے کنویں کے پاک ہونے سے یہ چیزیں بھی پاک ہو جائیں گی۔ (تبیین الحقائق ص ۱۰۰)

وَالْعَرَقُ كَالسُّؤْرِ وَسُؤْرُ الْآدَمِيِّ وَالْفَرَسِ وَمَا يُؤْكَلُ لَحْمُهُ طَاهِرٌ وَالْكَلْبِ وَالْخِنْزِيرِ وَسِبَاعِ الْبَهَائِمِ نَجِسٌ وَالْهِرَّةِ وَالدَّجَاجَةِ الْمُخَلَّاةِ وَسِبَاعِ الطَّيْرِ وَسَوَاكِنِ الْبُيُوتِ مَكْرُوهٌ وَالْحِمَارِ وَالْبَغْلِ مَشْكُوكٌ يَتَوَضَّأُ بِهِ وَيَتَيَمَّمُ إِنْ فَقَدَ مَاءً وَأَيًّا قَدَّمَ صَحَّ بِخِلَافِ نَبِيذِ التَّمْرِ

ترجمہ اور پسینہ (کا حال) جوٹھے کی طرح ہے۔ اور آدمی اور گھوڑے اور ماکول اللحم جانوروں کا جوٹھا پاک ہے۔ اور کتے، خنزیر، اور درندے یا چوپاؤں کا جوٹھا ناپاک ہے۔ اور بلی، کھلی پھرنے والی مرغی، اور پھاڑنے والے پرندوں اور گھر میں رہنے والے جانوروں کا جوٹھا مکروہ ہے اور گدھے اور خچر کا جوٹھا مشکوک ہے اگر اور پانی نہ ہو تو اس سے وضو بھی کرے اور تیمم بھی اور جس کو مقدم کرے درست ہے بخلاف نبیذ تمر کے۔

آدمی اور جانور کے جوٹھے پانی اور پسینے کے احکام

وَالْعَرَقُ كَالسُّؤْرِ: ہر جانور کے پسینے کا حکم وہی ہے جو اس کے جوٹھے کا ہے۔ کیونکہ پسینہ اور لعاب دونوں گوشت سے پیدا ہوتے ہیں۔ اس لئے دونوں کا حکم ایک ہی ہوگا حکم کے اعتبار سے جوٹھے سے مراد جوٹھا نہیں بلکہ لعاب ہے البتہ لعاب کے مخفی ہونے کی وجہ سے حکم کا مدار جوٹھے پر رکھ دیا گیا ہے۔

وَسُؤْرُ الْآدَمِيِّ: مصنفؒ سؤر کی چار قسموں میں سے پہلی قسم کو بیان کر رہے ہیں۔ (۱) یعنی آدمی کا جوٹھا پاک ہے خواہ وہ کافر ہو یا مسلمان جنبی ہو یا حائضہ۔

وَالْفَرَسِ وَمَا يُؤْكَلُ لَحْمُهُ طَاهِرٌ: اسی طرح گھوڑے کا جوٹھا اگر چہ یہ ماکول اللحم جانوروں میں شامل ہے۔ لیکن اس کی

ﷺ کو بلی کے بچے ہوئے پانی سے وضوء کرتے ہوئے دیکھا۔ جبکہ امام صاحبؒ کا استدلال اس روایت سے ہے۔ جس میں فرمایا اذا ولغت الھرۃ غسل مرۃ۔" کہ بلی کا جھوٹا برتن میں گرے تو برتن کو ایک دفعہ دھویا جائے"۔ (ترمذی) معلوم ہوا کہ اس کا جھوٹا بالکل طاہر نہیں ہے۔ ورنہ دھونے کا حکم نہیں دیا جاتا اور بالکل نجس بھی نہیں۔ اگر بالکل نجس ہوتا تو برتن تین مرتبہ دھونا پڑتا لہٰذا اس کا درمیانی درجہ کراہت کا ہے۔ بلی کے جوٹھے کی متعلق اصل اختلاف اس میں ہے۔ کہ بلی کن حیوانات میں سے ہیں ائمہ ثلاثہ کے ہاں جنگلی حیوانات میں سے ہے۔ اور ان کے ہاں جنگلی حیوانات کا جوٹھا پاک ہے۔ جبکہ امام صاحبؒ کے ہاں بھی سواکن البیوت کے حکم میں ہے۔ احادیث سے احناف کی رائے راجح معلوم ہوتی ہے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے "انھا من الطوافین علیکم و الطوافات۔ لہٰذا جو ہے اور سواکن البیوت کا جوٹھا بھی مکروہ ہوگا۔ احناف نے کراہت کا قول اختیار کیا ہے۔ اور یہ دونوں روایتوں میں تطبیق کا ذریعہ بھی ہے۔ کیونکہ بعض روایت سے حلت اور بعض سے حرمت معلوم ہوتی ہے جبکہ کراہت تنزیہی درمیانی حالت ہے۔ (معرف الشذی ص ۹۸)

والدجاجۃ المخلاۃ: نجاستوں اور غلاظتوں پر پھرنے والی مرغی کا جوٹھا مکروہ ہے کیونکہ یہ نجاست سے نہیں بچتی۔ اور اس کی چونچ نجاست سے ملوث رہتی ہے اس لئے اس کا جوٹھا کراہت سے خالی نہیں ہوگا۔

وسباع الطیر: اور شکاری پرندوں کا جوٹھا بھی مکروہ ہے زیلعی فرماتے ہیں درندوں کے جوٹھے پر قیاس کا تقاضہ تو یہی تھا کہ شکاری پرندوں کا جوٹھا بھی ناپاک ہو مگر استحساناً اس کو ناپاک نہیں کہا اور وجہ استحسان یہ ہے کہ پرندے اپنی چونچ سے پیتے ہیں اور وہ خشک ہڈی ہے اس کے برخلاف درندے کہ وہ اپنی زبان سے پیتے ہیں۔ اور وہ لعاب کی وجہ سے تر ہوتی ہے لہٰذا درندے جب اپنا منہ پانی میں ڈالیں گے تو ان کے منہ کا ناپاک لعاب پانی کے ساتھ مخلوط ہوگا اور اس کی وجہ سے پانی ناپاک ہو جائیگا۔ (تبیین)

وسواکن البیوت مکروہ: گھر میں رہنے والے جانوروں مثلاً سانپ، چوہا وغیرہ کا جوٹھا پانی بھی مکروہ ہے۔ کیونکہ ان کا گوشت کا حرام ہونا تو اس بات کا مقتضی تھا کہ ان کا جوٹھا ناپاک ہو لیکن علت طواف کی وجہ سے نجاست ساقط ہوگی۔

والحمار والبغل مشکوک یتوضأ بہ ویتیمم ان فقد ماء وایا قدم صح: پالتو گدھے اور خچر کا جوٹھا مشکوک ہے اور صحیح یہ ہے کہ وہ پاک ہے اور یہی جمہور کا مذہب ہے اور شک اس میں ہے کہ وہ پاک کرنے والا ہے یا نہیں پس اگر مشکوک پانی کے علاوہ اور پاک یا کرنے والا پانی نہ ملے تو اس سے وضو کر لے اور تیمم بھی کرے ان دونوں کو جمع کرنا واجب ہے اس لئے ان میں سے کسی ایک پر اکتفاء کرنا جائز نہیں ہے۔ اور جائز و درست ہے کہ ان دونوں میں سے جس کو چاہے مقدم کرے لیکن ہمارے فقہاء کے نزدیک افضل یہ ہے کہ وضو اور غسل کو مقدم کرے پھر تیمم کرے۔

مشکوک جیسے گدھے و خچر کے جھوٹے پانی سے وضو کرنے میں نیت کے بارے میں اختلاف ہے بعض کے نزدیک نیت فرض ہے بعض کے نزدیک نیت فرض نہیں ہے اور زیادہ احتیاط اسی میں ہے کہ نیت کرے۔ جنگلی گدھے کا گوشت بالاتفاق حلال ہے۔ پس

أَوْ لِمَرَضٍ : یعنی پانی تو موجود ہو لیکن استعمال کرنے والا مریض ہو اور اسے اندیشہ ہو کہ پانی استعمال کرنے سے مرض شدت اختیار کر جائیگا خواہ بدن کو حرکت دینے سے بیماری میں اضافہ ہو یا پانی کے استعمال سے کوئی فرق نہیں ہے بلکہ دونوں صورتوں میں تیمم کرنا جائز ہے۔ اور امام شافعی کے نزدیک صرف ہلاکت نفس یا تلف عضو کا خوف ہو تو تیمم جائز ہے ورنہ جائز نہیں لیکن ان کا قول درست نہیں کیونکہ آیت میں ﴿وَإِنْ كُنْتُمْ مَرْضَى﴾ مطلق ہے جس کے ساتھ تلف وغیرہ کی کوئی شرط نہیں۔

أَوْ بَرْدٍ : اگر ٹھنڈے پانی سے غسل کرنے سے جان جانے یا مرض کا خوف ہو تو امام صاحب کے ہاں تیمم مطلقاً جائز ہے خواہ وہ شہر میں ہو یا جنگل میں صاحبین فرماتے ہیں شہر میں اس قسم کی کیفیت شاذ و نادر ہی واقع پذیر ہوتی ہے کیونکہ شہر میں غسل کی جگہیں اور حمام جا بجا موجود ہوتے ہیں لہذا تیمم جائز نہیں ہوگا۔ امام صاحب فرماتے ہیں کہ جب ضرر اور نقصان کا واقعی اندیشہ ہو تو اس کا لحاظ بھی ضروری کیا جائیگا۔ فتویٰ امام صاحب کے قول پر ہے اگر کسی حمام کی غسل پر قدرت حاصل ہو تو بالاجماع تیمم جائز نہیں ہے۔ اور حدث کیلئے سردی کی وجہ سے تیمم جائز نہیں ہے۔ (فتاوی شامی ص ۲۲۲ تبیین الحقائق ص ۱۱۹)

أَوْ خَوْفِ سَبُعٍ أَوْ عَدُوٍّ أَوْ عَطَشٍ : درندے یا دشمن یا پیاس سے خائف شخص بھی معذور ہے مثلاً جنگل میں تالاب ہو مگر جنگلی درندوں کا خوف ہو یا پانی تو قریب ہے مگر وہ علاقہ دشمن کے علاقہ میں ہو یا اس کے اپنے پاس پانی کا کولر وغیرہ ہو مگر خوف ہو کہ اگر اس سے وضو کر لیا تو کئی دن تک پینے کا پانی میسر نہ ہوگا۔ تو ایسا شخص پانی سے معذور شمار ہوگا۔

أَوْ فَقْدِ آلَةٍ : یا ڈول رسی وغیرہ نہیں ہے جس سے پانی کھینچ سکے تو بھی اس کے حق میں عجز ثابت ہو گیا اور کنویں کا ہونا نہ ہونا اس کے حق میں برابر ہے۔

فرائض تیمم

مُسْتَوْعِبًا وَجْهَهُ وَيَدَيْهِ مَعَ مِرْفَقَيْهِ : تیمم میں استیعاب یعنی پورے اعضاء پر ہاتھ پھیرنا ضروری ہے کیونکہ تیمم وضو کے قائم مقام ہے۔ جس طرح وضو میں اعضاء کا استیعاب ضروری ہوتا ہے اسی طرح تیمم میں بھی ضروری ہوگا حتیٰ کہ آدمی اپنی انگوٹھی کو اور عورت اپنے کنگنوں کو حرکت دے گی اگر ان دونوں کو اتارے بغیر استیعاب ممکن نہ ہو تو دونوں کو اتارا جائیگا۔

بِضَرْبَتَيْنِ : یعنی دو مرتبہ مٹی پر ہاتھ مارے گا مٹی پر ہاتھ مارنے کا طریقہ یہ ہے کہ دونوں ہاتھوں کو مٹی پر رکھے ان کو آگے کی طرف لے جائے پھر پیچھے کی طرف لے آئے پھر دونوں ہاتھوں کو اٹھانے کے بعد اس طرح جھاڑ دے کہ ہاتھوں پر مٹی باقی نہ رہے ایک بار مٹی پر ہاتھ مار کر منہ پر مل لے گا اور دوسری بار ہاتھوں کو کہنیوں تک پھیرے گا۔

وَلَوْ جُنُبًا أَوْ حَائِضًا : اگر جنبی اور حائضہ عورت ہو تو اس کیلئے تیمم جائز ہے کیونکہ ایک صحابی نے عرض کیا أَصَابَتْنِي جَنَابَةٌ وَلَا مَاءَ فَقَالَ عَلَيْكَ بِالصَّعِيدِ فَإِنَّهُ يَكْفِيكَ : مجھے جنابت لاحق ہوئی ہے اور پانی موجود نہیں ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ تجھ پر مٹی لازم ہے اس لئے کہ وہ تجھ کو کافی ہے۔ (بخاری باب التیمم) یہ حدیث اس کی دلیل ہے کہ جنبی کیلئے تیمم جائز ہے

نفاس اور نفاس والی عورت حیض کے حکم میں ہے۔

جن چیزوں سے تیمم جائز ہے

بطاهر من جنس الارض: یہاں سے مجوزات تیمم کا بیان ہے چنانچہ ہر وہ چیز جو زمین کی جنس سے ہو طرفینؒ کے نزدیک اس کے ساتھ تیمم کرنا جائز ہے اور زمین کی جنس ہونے کی شناخت یہ ہے کہ جو چیز جل کر راکھ ہو جائے جیسے درخت اور جو پگھل کر نرم ہو جائے جیسے لوہا۔ تو یہ زمین کی جنس سے نہیں ہے اس کے علاوہ دوسری چیزیں زمین کی جنس سے ہیں جیسے مٹی، ریت، پتھر، گچ (چونا) نورہ (قسمی کا چونا) سرمہ، ہڑتال (جو ایک قسم کی زہریلی دھات ہے) اور پہاڑی نمک، یاقوت، زمرد وغیرہ۔ اور امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ صرف مٹی اور ریت سے تیمم کرنا جائز ہے۔ اور امام شافعیؒ کے نزدیک فقط اگانے والی مٹی سے جائز ہے۔ کیونکہ باری تعالیٰ کا قول ﴿صعیدا طیبا﴾ ہے اس طرح کہ "صعید" کے معنی مٹی اور "طیب" کے معنی منبت (اگانے والی) کے ہیں۔ اور یہی تفسیر ابن عباسؓ سے منقول ہے لہذا یہ تفسیر اس بات کی مقتضی ہے کہ تیمم فقط مٹی سے جائز ہو۔ لیکن امام ابو یوسفؒ مٹی پر ریت کا اضافہ کرتے ہیں۔ طرفینؒ کی دلیل یہ ہے کہ صعید کے معنی روئے زمین کے ہیں یعنی زمین کا بالائی حصہ کیونکہ روئے زمین بلند ہوتا ہے طیب کے معنی جس طرح منبت کے ہیں اسی طرح طاہر کے بھی ہیں۔ کیونکہ یہ مقام مقام طہارت ہے اور یہ معنی مقام طہارت کے زیادہ مناسب ہیں۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ لفظ "طیب" طاہر اور منبت دونوں کے درمیان مشترک ہے اور طاہر بالاجماع مراد ہے اس وجہ سے منبت کے معنی مراد نہیں ہوں گے کیونکہ ہمارے نزدیک عموم مشترک جائز نہیں ہے۔

وان لم یکن علیه نقع: امام صاحبؒ کے نزدیک تیمم کرنے کیلئے زمین پر غبار کا ہونا شرط نہیں یعنی صاف چکنی اور دھلی ہوئی زمین پر ہاتھ مارنے سے بھی تیمم درست ہے کیونکہ آیت تیمم مطلق ہے اس میں غبار ہونے نہ ہونے کی کوئی تفصیل نہیں ہے لہذا مطلق مٹی سے تیمم کرنا جائز ہوگا خواہ اس پر غبار ہو یا نہ ہو۔

غبار سے تیمم کا حکم

وبه بلا عجز: طرفینؒ کے نزدیک مٹی پر قدرت ہوتے ہوئے بھی غبار سے تیمم کرنا جائز ہے۔ اس کی صورت یہ ہوگی کہ کسی شخص نے اپنے غبار آلود کپڑے جھاڑے اور گرد وغبار اس کے چہرے اور ہاتھوں کو لگ گیا پھر اس نے تیمم کی نیت سے ہاتھ پھیرا تو اس کا تیمم ہو گیا کیونکہ غبار بھی رقیق مٹی ہے تو جس طرح کثیف مٹی سے تیمم جائز ہے اسی طرح رقیق مٹی سے بھی جائز ہے۔ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک قدرت علی الصعید کی صورت میں تیمم جائز نہیں اور عدم قدرت علی الصعید کی صورت میں دو روایتیں ہیں۔ (تبیین الحقائق)

ونویٰ: تیمم میں نیت کے وجوب پر چاروں آئمہ کا اتفاق ہے وجوب نیت کی وجہ یہ ہے کہ نیت وقصد تیمم کی حقیقت لغویہ میں داخل ہے۔ لہذا معنی لغوی اور شرعی میں موافقت پیدا کرنے کیلئے جمہور نے تیمم میں نیت کو لازم قرار دیا۔ کیونکہ معانی شرعیہ میں عام طور پر حقیقت لغویہ کا لحاظ رکھا جاتا ہے۔ برخلاف وضو کے کہ قصد اس کے معنی لغوی ہیں نہ شرعی دوسری وجہ یہ ہے کہ اس میں تراب کا

استعمال ہوتا ہے جو فی نفسہ مطہر نہیں بلکہ ملوث ہے۔ تیسری دلیل یہ ہے کہ آیت تیمم میں صیغہ امر "فتیمموا" وارد ہے جس کے معنی قصد کرنے کے ہیں اس مناسبت سے بھی نیت ضروری ہے حضرات حنفیہ اس مسئلہ میں جمہور کے ساتھ ہیں مگر وضو میں جمہور کی مخالفت کرتے ہوئے نیت کو واجب قرار نہیں دیتے کیونکہ وہاں یہ تینوں وجوہات موجود نہیں ہیں۔

فلغا تیمم کافر لا وضوئه: اگر کسی کافر نے تیمم کیا پھر وہ مسلمان ہو تو اس کا تیمم لغو ہوگا کیونکہ تیمم میں نیت شرط ہے اور کافر نیت کا اہل نہیں ہے کیونکہ نیت کرنا عبادت ہے اور تیمم بغیر نیت صحیح نہیں ہوتا اس لئے کافر کا تیمم صحیح نہیں ہے۔ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اگر اسلام لانے کی نیت سے تیمم کیا تو صحیح ہے اور مسلمان ہونے کے بعد اس تیمم سے نماز بھی پڑھ سکتا ہے کیونکہ اسلام سب سے بڑی قربت ہے اور وہ قربت کا اہل ہے لہٰذا اس کا تیمم صحیح ہوگا البتہ جب اس نے نماز کی نیت کی تو اس کا تیمم صحیح نہیں ہوگا اس لئے کہ وہ نماز پڑھنے کا اہل نہیں ہے۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ تیمم کو اس وقت طہارت قرار دیا گیا ہے جب اس نے ایسی قربت مقصودہ کا ارادہ کیا ہو جو بغیر طہارت کے صحیح نہ ہوتی ہو اور اسلام ایسی عبادت ہے جو طہارت کے بغیر بھی صحیح ہے لہٰذا وہ اسلام لانے کی نیت سے متیمم شمار نہیں ہوگا۔ ہاں اگر اس نے کفر کی حالت میں وضو کیا پھر اسلام لایا تو یہ وضو صحیح ہوگا کیونکہ پانی بذات خود مطہر ہے اس میں نیت شرط نہیں امام شافعیؒ کا اختلاف ہے کیونکہ ان کے ہاں وضو میں نیت شرط ہے۔

نواقض تیمم

ولا ینقضه ردة: اگر کوئی مسلمان تیمم کرنے کے بعد نعوذ باللہ مرتد ہو جائے اور پھر مسلمان ہو جائے تو ارتداد کی وجہ سے اس کا تیمم ختم نہیں ہوگا امام زفرؒ کے نزدیک اس کا تیمم باطل ہو جائیگا کیونکہ کفر تیمم کے منافی ہے۔ خواہ وہ ابتداءً ہو یا انتہاءً جیسا کہ نکاح کی حرمت ہوتی ہے مثلاً جس طرح ابتدائی طور پر ماں اور بیٹی کو نکاح میں جمع کرنا حرام ہے اسی طرح انتہاءً بھی حرام ہے مثلاً ایک شخص کی دو بیویاں ہیں ایک بڑی اور ایک صغیرہ بڑی نے صغیرہ کو دودھ پلا دیا تو یہ نکاح باطل ہو گیا۔ ہماری دلیل تیمم کے بعد مرتد ہونے پر بھی اس میں طہارت کی صفت باقی ہے کیونکہ وہ ابھی تک نجاست حکمیہ سے پاک صاف ہو جاتا ہے۔ جب مسلمان تیمم کرنے سے پاک ہو گیا تو مرتد ہونے کے بعد بھی طہارت والی صفت اس میں موجود رہے گی کیونکہ کفر کا طاری ہونا جس طرح وضو کی طہارت کے منافی نہیں اسی طرح طہارت تیمم کی بھی منافی نہیں ہے البتہ ابتداءً کافر کا تیمم اس لئے صحیح نہیں ہے کہ کفر کی بناء پر اس کی نیت کا اعتبار نہیں ہوتا۔

بل ناقض الوضوء وقدرة ماء فضل عن حاجته: تیمم کو توڑنے والی چیزیں وہی ہیں جو وضو کو توڑنے والی ہیں کیونکہ تیمم وضو کا نائب ہے تو اس کا حکم بھی وہی ہوگا جو اصل کا ہے۔ اور اسے پانی پر قادر ہونا بھی تیمم کو توڑ دیتا ہے جو اس کی ضروریات اصلیہ سے فاضل ہو۔

فهي تمنع التيمم وترفعه: اور پانی پر ابتداً قدرت کا حاصل ہونا تیمم کرنے سے مانع ہے اور اسی طرح تیمم کرنے کے بعد پانی کے استعمال پر قادر ہونا تیمم کو توڑ دیتا ہے خلاصہ یہ ہے کہ مٹی کی طہوریت دو باتوں سے ختم ہوگی پانی کا پایا جانا اور استعمال پر

مطلق ہونے کی بنا پر وقت صلوۃ سے پہلے اسی طرح متعدد فرائض کیلئے تیمم کرنا جائز ہے۔ نیز خروج وقت سے تیمم نہیں ٹوٹے گا اور آئمہ ثلاثہ ان احکام کے قائل نہیں ہیں۔ اور وقت کے اندر اگر کوئی تیمم کے بعد سے متعدد قضاء یا ادا نمازیں پڑھنا چاہے تو امام احمدؒ کے نزدیک جائز ہے البتہ نوافل قبلیہ وبعدیہ شوافع کے ہاں اور صرف نوافل بعدیہ مالکیہ کے نزدیک فرائض کے تابع ہیں اس لئے فرض کے تیمم سے ان کا پڑھنا جائز ہے۔ (المجموع شرح المهذب ص۲۹۹) آئمہ ثلاثہ کی دلیل یہ ہے کہ حکم تیمم کو آیت قرآنیہ میں فقدان ماء کے ساتھ مقید کیا گیا ہے۔ تیمم کرنے کے بعد جیسے ہی ایک فرض ادا کیا پس ضرورت ختم ہو جائیگی اور حکم مرتفع ہو جائیگا کیونکہ اصول یہی ہے کہ (الضرورة تتقدر بقدرها) احناف کے دلائل میں سے ایک تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تیمم کو تطہیر کا مطلق سبب بتایا ہے دوسری دلیل حدیث مبارک ہے: التراب طهور المسلم ولو الی عشر سنین۔ (ترمذی) تیسری دلیل حدیث شریف: جعلت لی الارض مسجدا وطهورا (بخاری) اس حدیث میں بھی طہور مطلق ہے مقید نہیں۔

خوف فوت جنازہ کے وقت تیمم کا حکم

وَخَوْفَ فَوْتِ صَلاةِ جَنَازَةٍ أَوْ عِيدٍ وَلَوْ بِنَاءً لَا فَوْتِ جُمُعَةٍ وَوَقْتٍ. اگر نماز جنازہ فوت ہو جانے کا خوف ہو تو تیمم کر سکتا ہے کیونکہ نماز جنازہ کی قضاء نہیں ہوتی مگر یہ اس وقت ہے جب جنازہ کا ولی کوئی دوسرا شخص ہو۔ کیونکہ ولی جنازہ کیلئے اعادہ نماز کا حق ہے لہذا اس کے حق میں نماز فوت نہیں بھی جائیگی یہی متفق قول ہے۔ نیز وضو میں مشغول ہونے سے اگر نماز عید چھوٹ جانے کا اندیشہ ہو تب بھی تیمم کی اجازت ہے۔ اگر چہ بناء کے طور پر ہو یعنی نماز تو وضو سے شروع کی تھی مگر نماز میں حدث لاحق ہوگئی تو ایسی صورت میں امام صاحب کے نزدیک تیمم کرکے بناء کرے اور صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ تیمم نہیں کرے گا بلکہ وضو کرکے ہی نماز پوری کرے۔ صاحبینؒ کی دلیل یہ ہے کہ یہ شخص لاحق ہے اور لاحق اپنی نماز امام کے فارغ ہونے کے بعد بھی پوری کر سکتا ہے لہذا اس کے حق میں نماز فوت ہونے کا احتمال باقی نہیں رہا اور جس شخص کو نماز کا بلا بدل فوت ہونے کا خوف نہ ہو اس کو پانی کے موجود رہتے ہوئے تیمم کی اجازت نہیں ہے۔ امام صاحبؒ کی دلیل یہ ہے کہ فوت ہونے کا خوف اب بھی باقی ہے کیونکہ عید کا دن ازدحام کا دن ہے اس لئے ہو سکتا ہے کہ کوئی مفسد صلوٰۃ عارض پیش آ جائے۔ امام صاحبؒ اور صاحبینؒ کے درمیان یہ اختلاف اس وقت ہے جبکہ نماز وضو کے ساتھ شروع کی گئی ہو اور اگر تیمم کے ساتھ شروع کی تھی تو اب بالاتفاق تیمم کرکے بناء کرے کیونکہ اگر ہم اس پر وضو واجب کرتے ہیں تو اس نے نماز میں پانی پایا پس نماز ہی فاسد ہو جائیگی۔

لیکن نماز جمعہ اور وقتی نماز کے جاتے رہنے کے خوف سے تیمم درست نہیں کیونکہ ان دونوں نمازوں کا بدل موجود ہے یعنی نماز جمعہ کا بدل ظہر اور وقتی نماز کا بدل اس کی قضاء ہے۔

وَلَمْ يُعِدْ إِنْ صَلَّى بِهِ وَنَسِيَ الْمَاءَ فِي رَحْلِهِ: اگر مسافر نے تیمم کے ساتھ نماز پڑھی حالانکہ اس کے کجاوے میں پانی موجود تھا تو اس کی دو صورتیں ہیں یا تو اس کو پانی کا علم تھا یا دوسرے نے اس کے علم سے رکھا تھا اور یا اس کو پانی کا علم نہیں تھا یعنی

طور کر دوسرے نے بغیر اس کے حکم کے رکھ دیا تھا۔ پس اگر غالی ہے تو بالاتفاق اس پر نماز کا اعادہ واجب نہیں ہے کیونکہ انسان
دوسرے شخص کی وجہ سے کسی حکم کا مخاطب نہیں ہوتا۔ اور اگر پہلی صورت ہے اور یہ گمان کر کے کہ میرے کجاوے میں پانی نہیں
ہے تیمم کر کے نماز پڑھ لی حالانکہ اس کے کجاوے میں پانی تھا تو اس صورت میں بالاجماع تیمم جائز نہیں ہوا اور اس پر وضو کر کے نماز
کا اعادہ واجب ہوگا۔ کیونکہ اس صورت میں کوتاہی اس کی طرف سے آئی ہے۔ اور اگر یہ شخص پانی کجاوے میں رکھ کر بھول گیا اور
تیمم کے ساتھ نماز پڑھ لی پھر یاد آیا تو طرفینؒ کے نزدیک اس پر نماز کا اعادہ واجب نہیں ہے۔ اور امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ اس
پر اعادہ واجب ہے پانی خواہ وقت میں یاد آیا ہو یا وقت کے بعد، یہی قول امام شافعیؒ کا ہے۔ امام ابو یوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ یہ
مسافر شخص پانی کا پانے والا ہے اور تیمم مشروع کیا گیا ہے اس شخص کیلئے جس کے پاس پانی نہ ہو اس لئے اس کا تیمم جائز نہیں ہوگا
۔ اور طرفینؒ کی دلیل یہ ہے کہ پانی پر قادر ہونا بغیر علم کے نہیں ہو سکتا اور پانی کے حاصل ہونے سے یہی مراد ہے کہ پانی پر اس کو
قدرت ہو پس جب اس کو معلوم ہی نہیں تو قدرت نہ ہوئی اور جب قدرت نہ ہوئی تو اس کو پانی حاصل نہیں ہوا اور پانی حاصل نہ
ہونے کی صورت میں تیمم جائز اور نماز صحیح ہوگی۔

غلوہ کی تعریف اور اسکی مقدار

وَيَطْلُبُهُ غَلْوَةً إِنْ ظَنَّ قُرْبَهُ وَإِلَّا لَا ــــ اگر پانی کے قریب گمان یہ ہو کہ یہاں پانی ہوگا تو پھر ایک غلوہ کی مقدار تک پانی
تلاش کئے بغیر تیمم کرنا جائز نہ ہوگا۔ اور اگر قریب گمان نہ ہو تو طلب کرنا ضروری نہیں۔ غلوہ تین سو سے چار سو ہاتھ کی مقدار ہے۔
اور امام صاحب سے حسن بن زیادؒ نے بھی اسی قسم کی روایت نقل کی ہے اور اگر پانی ایک میل کے فاصلے پر ہو تب بھی اس کی تلاش
ضروری نہیں۔ اور اگر ایک میل سے کم فاصلے تک پانی تلاش کیا تو اس کیلئے تیمم کرنا جائز نہ ہوگا خواہ اس دوران میں نماز کا
وقت نکل جائے، یہی امام صاحبؒ سے بھی روایت ہے صحیح قول یہ ہے کہ وہ فقط اسی حد تک پانی تلاش کرے جس حد تک جانے
سے خود اسے اور اس کے رفقاء کو انتظار کی زحمت نہ اٹھانی پڑے اور یہی امام ابو یوسفؒ سے مروی ہے کہ جب پانی اس طور
پر ہو کہ اگر پانی کی طرف جائے اور وضو کرے تو قافلہ چلا جائیگا اور اس کی نظروں سے غائب ہو جائیگا تو پانی بعید شمار ہوگا اور اس
کیلئے تیمم جائز ہوگا صاحب محیط نے اسی کو بہتر قرار دیا ہے۔

وَيَطْلُبُهُ مِنْ رَفِيقِهِ فَإِنْ مَنَعَهُ تَيَمَّمَ وَإِنْ لَمْ يُعْطِهِ إِلَّا بِثَمَنِ مِثْلِهِ وَلَهُ ثَمَنُهُ لَا يَتَيَمَّمُ وَإِلَّا تَيَمَّمَ : ــــ اگر ساتھی
کے پاس پانی ہو تو صاحبینؒ کے نزدیک پانی مانگنا واجب ہے۔ اگر وہ نہ دے تو تیمم کرے۔ اور امام صاحبؒ کے نزدیک ساتھی
سے پانی مانگنا واجب نہیں ہے اور امام شافعیؒ کی رائے بھی یہی ہے۔ کیونکہ مانگنا اور غیرتمند شخص کو مانگنا بالخصوص معمولی چیز کا سوال
کرنا ناگوار ہوتا ہے۔ اور اگر ساتھی پانی کی اتنی قیمت طلب کرے جو قرب و جوار میں مناسب سمجھی جاتی ہے یا کچھ زیادہ بشرطیکہ
دوگنی سے کم ہو اور اس کے پاس حوائج ضروریہ سے زائد دام بھی ہوں تو خرید کر وضو کرنا ضروری ہے ورنہ بالاجماع تیمم جائز ہے

ولو اكثره مجروح تيمم وبعكسه يغسل ولا يجمع بينهما۔ اور اگر بدن کے اکثر اعضاء زخمی ہوں تو تیمم کرے اور اگر درست ہوں تو ان کو دھوئے لیکن یہ نہ کرے کہ صحیح اعضاء کو دھوئے اور زخموں پر تیمم کرے کیونکہ یہ تو بدل اور مبدل کے درمیان جمع کرنا ہے جس کی شریعت میں کوئی نظیر نہیں ہے۔

بَابُ الْمَسْحِ عَلَى الْخُفَّيْنِ

موزوں پر مسح کرنے کا بیان

مصنفؒ نے تیمم کے بعد مسح علی الخفین کے احکام چند وجوہ سے ذکر فرمائے ہیں۔(۱) ان دونوں میں سے ہر ایک طہارت مسح ہے۔(۲) ان دونوں میں سے ہر ایک بدل ہے۔ تیمم وضو کا بدل ہے اور مسح علی الخفین غسل رجلین کا بدل ہے۔ (۳) ان دونوں میں سے ہر ایک رخصت موقتہ ہیں۔ (۴) ان دونوں میں سے ہر ایک میں بعض اعضاء وضو پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ رہی یہ بات کہ تیمم کو مسح علی الخفین پر کیوں مقدم کیا سو اس کی چند وجوہ ہیں۔ (۱) یہ کہ تیمم کا ثبوت کتاب سے ہے اور مسح کا ثبوت سنت سے ہے اس لئے تیمم اقوی اور مستحق تقدیم ہے۔ (۲) یہ کہ تیمم طہارت میں کامل ہے کیونکہ تیمم تمام اعضاء وضو کا قائم مقام ہے اور مسح ایسا نہیں ہے بلکہ ایک عضو یعنی غسل رجلین کا قائم مقام ہے اس لئے بھی تیمم تقدیم کا زیادہ مستحق ہے۔ (۳) پانی پر قدرت نہ ہونے کی صورت میں تیمم وضو کی طرح فرض ہے اور مسح موزے پہننے کی حالت میں فرض نہیں اور ظاہر ہے کہ فرض غیر فرض پر مقدم ہوتی ہے اس لئے تیمم کو مقدم کیا اور مسح کو مؤخر کیا۔ مسح علی الخفین کی مشروعیت احادیث مشہورہ سے ثابت ہے اس سلسلہ میں قولی اور فعلی دونوں طرح کی حدیثیں مروی ہیں۔ فعلی حدیث یہ ہے کہ صحابہ کی ایک جماعت نے روایت کی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے اپنے دونوں موزوں پر مسح کیا۔ اور قولی حدیث یہ ہے کہ حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالی علیہم کی ایک جماعت نے روایت کیا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا قال يمسح المقيم يوما وليلة والمسافر ثلثة ايام ولياليها نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ مقیم ایک دن رات مسح کرے اور مسافر تین دن اور تین رات۔ امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں: ما قلت بالمسح حتى جاءني مثل ضوء النهار۔ میں مسح علی الخفین کا قائل اس وقت تک نہیں ہوا جب تک کہ اس بارے میں دن کے اجالے کی طرح مجھ تک دلائل نہیں پہنچ گئیں۔ اور امام صاحب سے روایت ہے کہ جو شخص مسح علی الخفین کے جواز کا معتقد نہیں وہ مبتدع ہے۔ اور امام کرخیؒ فرماتے ہیں کہ مجھے اس کے کافر ہونے کا اندیشہ ہے کیونکہ وہ احادیث جو مسح علی الخفین کے بارے میں وارد ہوئی ہیں حد تواتر کو پہنچی ہوئی ہیں۔ اور امام ابو حنیفہؒ سے اہل سنت والجماعت کے مذہب کے بارے میں دریافت کیا گیا۔ آپ نے فرمایا هو ان يفضل الشيخين يعني ابابكر وعمر ويحب الختنين يعني عثمان وعليا ويرى المسح على الخفين یعنی شیخین (یعنی ابو بکر و عمر) کو تمام صحابہ پر فضیلت دے اور حضور ﷺ کے دونوں دامادوں (یعنی حضرت عثمان و حضرت علیؓ) سے محبت رکھے اور مسح علی الخفین کو جائز سمجھے۔

ہے کہ یہ حدث وقتی طور پر زائل ہوتا ہے ہمیشہ کیلئے نہیں۔

وَمُضِيُّ الْمُدَّةِ: مدت مسح گزر جانے سے بھی مسح علی الخفین ٹوٹ جاتا ہے، کیونکہ روایت سابقہ ہے یعنی نبی کریم ﷺ کا ارشاد: مسح المقیم یوما ولیلۃ والمسافر ثلثۃ ایام ولیالیہا۔

بوقت عذر موزہ پر مسح کا حکم وطریقہ

إن لم يخف ذهاب رجله من البرد: مصنفؒ فرماتے ہیں اگر سردی کے سبب پاؤں کے ضائع ہونے کا خوف ہو تو مسح نہیں ٹوٹے گا مصنفؒ کی عبارت اسی بات پر دلالت کرتی ہے لیکن یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ سردی کے خوف کا سرایت حدث کے منع میں کچھ بھی اثر نہیں ہے مفتی بہ قول یہ ہے کہ مدت گزرنے سے مسح ٹوٹ جائیگا لہذا ان پر وہ مسح کرے گا لیکن یہ مسح علی الخفین خوف مذکور میں پٹی کے مانند ہے جو زخم پر بندھی ہوئی ہوتی ہے یعنی پورے موزے کا مسح کرنا ضروری ہے جب تک عذر زائل نہ ہو پٹی کی طرح مسح کی کوئی مدت مقرر نہیں ہوگی۔ (فتاوی شامی، مذہب اتفاق من ایضا ص ۲۹)

وَبَعْدَهُمَا غَسَلَ رِجْلَيْهِ فَقَطْ: اور جب مدت مسح پوری ہو گئی تو موزے نکال دے اور صرف پاؤں دھو کر نماز پڑھے باقی وضو کا اعادہ واجب نہیں ہے بشرطیکہ کوئی ناقض وضو پیش نہ آیا ہو۔

وَخُرُوجُ أَكْثَرِ الْقَدَمِ نَزْعٌ: اور اسی طرح اگر موزے کی ساق میں اکثر قدم آ گیا تو صحیح قول کے مطابق موزہ نکلنے کا حکم ثابت ہو جائیگا اور امام ابوحنیفہؒ سے روایت یہ ہے کہ جب پاؤں کا اکثر حصہ اپنی جگہ سے نکل کر موزے کی ساق میں داخل ہو گیا تو مسح باطل ہو جائیگا۔ اس روایت کی وجہ یہ ہے کہ جب تک محل مسح موزے میں باقی ہے تب تک مسح باقی رہے گا پس جب پوری ایڑی یا اکثر ایڑی موزے کی ساق میں داخل ہو گئی تو گویا محل موزے میں باقی نہیں رہا لہذا مسح بھی باقی نہیں رہا۔ امام محمدؒ سے مروی ہے کہ اگر پاؤں کا اتنا حصہ موزے میں باقی ہے جس پر مسح کرنا جائز ہے یعنی تین انگلیوں کی مقدار تو اس پر مسح کرنا جائز ہے اور اگر اتنی مقدار بھی موزے میں باقی نہیں رہا تو اس پر مسح کرنا ناجائز ہے۔ اس لئے کہ ما یجوز علیہ المسح کی مقدار کے علاوہ نکلنا ایسے ہے گویا نکلا ہی نہیں لہذا اس کا اعتبار نہیں ہوگا۔

وَلَوْ مَسَحَ مُقِيمٌ فَسَافَرَ قَبْلَ تَمَامِ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ مَسَحَ ثَلَاثًا وَلَوْ أَقَامَ مُسَافِرٌ بَعْدَ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ نَزَعَ وَإِلَّا يُتِمُّ يَوْمًا وَلَيْلَةً وَصَحَّ عَلَى الْجُرْمُوقِ وَالْجَوْرَبِ الْمُجَلَّدِ وَالْمُنَعَّلِ وَالثَّخِينِ لَا عَلَى عِمَامَةٍ وَقَلَنْسُوَةٍ وَبُرْقُعٍ وَقُفَّازَيْنِ وَالْمَسْحُ عَلَى الْجَبِيرَةِ وَخِرْقَةِ الْقُرْحَةِ وَنَحْوِ ذَلِكَ كَالْغَسْلِ لِمَا تَحْتَهَا فَلَا يَتَوَقَّتُ وَيُجْمَعُ مَعَ الْغَسْلِ وَيَجُوزُ وَإِنْ شَدَّهَا بِلَا وُضُوءٍ وَيَمْسَحُ عَلَى كُلِّ الْعِصَابَةِ كَانَ تَحْتَهَا جِرَاحَةٌ أَوْ لَا فَإِنْ سَقَطَتْ عَنْ بُرْءٍ بَطَلَ وَإِلَّا لَا وَلَا يَفْتَقِرُ إِلَى النِّيَّةِ فِي مَسْحِ الْخُفِّ وَالرَّأْسِ.

ترجمہ: اگر مقیم نے مسح کیا پھر ایک دن ایک رات پورا ہونے سے پہلے سفر کیا تو تین دن تک مسح کرے اور اگر مسافر ایک دن

سے تجاوز کر گیا اور مستمر ہو گیا تو اس کا حیض ہر ماہ دس دن ہوگا اور باقی استحاضہ ہے کیونکہ دس دن خون آ کر اگر منقطع ہو جاتا تو یہ عورت کا پورا یقیناً حیض ہوتا لیکن جب دس دن سے زائد ہو گیا تو اس بات میں شبہ ہو گیا کہ تین دن سے زائد حیض ہے یا نہیں پس یقینی چیز اس شک کی وجہ سے زائل نہیں ہوگی۔ (۲) معتادہ: علماء احناف کے نزدیک جو حکم متفق علیہ تھا صاحب کنز نے صرف اس کو بیان فرمایا اور حکم مختلف فیہ ذکر نہیں کیا لہذا پہلے مختلف فیہ حکم کا ذکر کیا جاتا ہے۔ کہ خون اگر عادت معروفہ سے زائد آیا لیکن دس دن سے کم رہا مثلاً عادت ہر ماہ پانچ دن خون آنے کی تھی اور ایک بار آٹھ دن خون آیا تو اب اس میں اختلاف ہے کہ حیض پانچ دن شمار ہوگا یا آٹھ دن۔ چنانچہ مشائخ بلخ کا مذہب یہ ہے کہ ایام عادت یعنی پانچ دن گذرنے کے بعد اس عورت کو حکم دیا جائیگا کہ وہ غسل کر کے نماز پڑھنا شروع کر دے کیونکہ پانچ دن سے زائد کا حال حیض اور استحاضہ کے درمیان متردد ہے۔ اس لئے کہ خون دس دن سے پہلے مثلاً آٹھ دن میں منقطع ہو گیا تو یہ کل کا کل حیض کا خون ہوگا کہ حیض کے سلسلے میں اس عورت کی عادت بدل گئی کہ پہلے پانچ روز تھی پھر آٹھ روز ہو گئی اور اگر یہ خون دس روز سے متجاوز ہو گیا تو ایام عادت کے علاوہ کا خون استحاضہ ہوگا۔ پس اس تردد کے ساتھ نماز نہیں چھوڑی جائیگی اور مشائخ بخارا کا مذہب یہ ہے کہ ایام عادت کے بعد اگر خون دیکھے تو اس کو غسل کر کے نماز پڑھنے کا حکم نہیں دیا جائیگا۔ ہاں اگر خون دس دن سے تجاوز کر گیا تو ایام عادت کے بعد کی نمازوں کی قضاء کا حکم دیا جائیگا۔

متفق علیہ مسئلہ: جس کو مصنفؒ نے ذکر کیا ہے وہ یہ ہے کہ اگر عورت کی عادت دس روز سے کم خون آنے کی تھی لیکن اس مرتبہ خون دس روز سے متجاوز ہو گیا تو اس صورت میں حکم یہ ہے کہ ایام عادت میں جو خون آیا وہ حیض شمار ہوگا اور جو خون ایام عادت سے زائد آیا وہ استحاضہ کا خون ہوگا کیونکہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: المستحاضۃ تدع الصلاۃ ایام اقرائہا اور ایام اقرائہا سے مراد ایام عادت ہیں پس حدیث کا مطلب یہ ہوگا مستحاضہ عورت اپنے ایام عادت میں نماز ترک کر دے اور ایام عادت کے بعد کے دنوں میں نماز ترک نہ کرے۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ ایام عادت سے زائد جو خون آتا ہے وہ ایسا ہے جیسا کہ دس دن سے زائد خون آیا ہو اور جو خون دس دن کے بعد آتا ہے وہ احناف کے نزدیک استحاضہ کا خون ہے لہذا ایام عادت سے زائد جو خون آئیگا وہ بھی استحاضہ کا خون ہوا۔ طرفینؒ کے نزدیک دو مرتبہ حیض آنے سے عادت ثابت ہوگی اور امام ابو یوسفؒ کے ہاں ایک مرتبہ حیض آنے سے بھی عادت ثابت ہو جائیگی۔ (تبیین الحقائق ۱/۶۰)

(۳) متحیرہ: اس کی تین قسمیں ہیں۔ (۱) اضلال بالعدد یعنی وہ متحیرہ جو ایام حیض کی تعداد بھول گئی ہو کہ ہر مہینہ اسے کتنے دن حیض آتا تھا۔ (۲) اضلال بالمکان یعنی ایام حیض کی تعداد تو اسے یاد ہے لیکن یہ بھول گئی کہ وہ ایام حیض (اول شہر یا اوسط شہر یا آخر شہر میں) کس حصہ میں آتے تھے۔ (۳) اضلال بالعدد والمکان جمیعاً یعنی نہ تو ایام حیض کی تعداد یاد ہے اور نہ یہ یاد ہے کہ حیض مہینے کے کس حصہ میں آتا تھا۔ متحیرہ کے بارے میں کہتے ہیں کہ وہ تحری کرے گی اگر اس کا ظن غالب یہ ہو کہ یہ ایام حیض کے ہیں تو وہ نہ تو نماز پڑھے گی اور نہ روزہ رکھے گی یعنی حیض کے تمام احکام اس پر جاری ہوں گے اور اگر اس کا ظن غالب یہ ہو کہ یہ

ایام حیض کے ہیں تو پھر وہ وضو لکل صلوٰۃ کے ساتھ نماز پڑھے گی اور اگر اس کا ظن غالب کسی طرف نہ ہو بلکہ تردد ہو کہ آیا یہ ایام حیض کے ہیں یا طہر کے تو اس کی پھر دو صورتیں ہو سکتی ہیں۔ ایک یہ کہ تردد حیض اور طہر کے درمیان دخول فی الحیض میں ہے تو اس صورت میں وضو لکل صلوٰۃ کے ساتھ نماز پڑھے گی اور دوسری صورت یہ ہے کہ حیض اور طہر کے درمیان دخول فی [illegible] ہے تو اس صورت میں غسل لکل صلوٰۃ کے ساتھ نماز پڑھے گی۔

وَتَتَوَضَّأُ الْمُسْتَحَاضَةُ وَمَنْ بِهٖ سَلَسُ الْبَوْلِ أَوِ اسْتِطْلَاقُ بَطْنٍ أَوِ انْفِلَاتُ رِيْحٍ أَوْ رُعَافٌ دَائِمٌ أَوْ جُرْحٌ لَا يَرْقَأُ لِوَقْتِ كُلِّ فَرْضٍ وَيُصَلُّوْنَ بِهٖ فَرْضًا وَنَفْلًا وَيَبْطُلُ بِخُرُوْجِهٖ فَقَطْ وَهٰذَا إِذَا لَمْ يَمْضِ عَلَيْهِ وَقْتُ فَرْضٍ إِلَّا وَذٰلِكَ الْحَدَثُ يُوْجَدُ فِيْهِ وَالنِّفَاسُ دَمٌ يَعْقُبُ الْوَلَدَ وَدَمُ الْحَامِلِ اسْتِحَاضَةٌ وَالسِّقْطُ إِنْ ظَهَرَ بَعْضُ خَلْقِهٖ وَلَدٌ وَلَا حَدَّ لِأَقَلِّهٖ وَأَكْثَرُهٗ أَرْبَعُوْنَ يَوْمًا وَالزَّائِدُ اسْتِحَاضَةٌ وَنِفَاسُ التَّوْأَمَيْنِ مِنَ الْأَوَّلِ۔

ترجمہ: مستحاضہ اور جس شخص کو سلسل بول کا مرض ہو یا پیٹ چلتا ہو یا ہوا خارج ہوتی ہو یا ناک کی نکسیر ہو یا ایسا زخم ہو جو بھرتا نہ ہو تو یہ لوگ ہر فرض نماز کے وقت وضو کریں اور اس وضو سے (جس قدر چاہیں) فرض اور نفل پڑھیں اور وضو صرف وقت نکلنے سے باطل ہوگا۔ (ان معذوروں کیلئے) یہ حکم اس وقت ہے جب کہ ان پر کسی فرض نماز کا وقت نہ گزرے مگر یہ حدث (یعنی عذر) اس میں موجود ہو۔ اور نفاس وہ خون ہے جو بچہ کی پیدائش کے بعد آتا ہے اور حاملہ کا خون استحاضہ ہے اور وہ ناتمام بچہ جس کے بعض اعضاء بن گئے ہوں پورے بچے کے حکم میں ہے اور قلیل مدت نفاس کی کوئی حد نہیں اور اس کی اکثر مدت چالیس دن ہیں اور جو زائد ہو وہ استحاضہ ہے اور جڑواں بچوں کے ہونے سے نفاس اول بچہ سے شروع ہوگا۔

لغات: سلس: بکسر اللام پیشاب کا نہ رکنا۔ استطلاق: پیٹ کا چلنا یعنی دستوں کا آنا۔ انفلات ریح: خروج ریح۔ جرح: زخم۔ لا یرقأ: (ف) خون کا بند کرنا۔ سقط: (سین کے کسرہ اور ضم اور قاف کے سکون کے ساتھ) ناتمام بچہ جو اپنی میعاد سے پہلے گر جائے۔ توأمین: جڑواں۔

مستحاضہ اور معذورین کے مخصوص احکام

وَتَتَوَضَّأُ الْمُسْتَحَاضَةُ وَمَنْ بِهٖ سَلَسُ الْبَوْلِ أَوِ اسْتِطْلَاقُ بَطْنٍ أَوِ انْفِلَاتُ رِيْحٍ أَوْ رُعَافٌ دَائِمٌ أَوْ جُرْحٌ لَا يَرْقَأُ لِوَقْتِ كُلِّ فَرْضٍ وَيُصَلُّوْنَ بِهٖ فَرْضًا وَنَفْلًا وَيَبْطُلُ بِخُرُوْجِهٖ فَقَطْ: حیض چونکہ استحاضہ اور نفاس کے مقابلہ میں کثیر الوقوع ہے اس لئے اس کو پہلے بیان کیا۔ حیض کے احکام کے بعد استحاضہ کا حکم بیان کیا ہے کیونکہ نفاس کی بہ نسبت کثرت اسباب کے اعتبار سے استحاضہ کثیر الوقوع ہے۔ اس کے برخلاف نفاس کہ اس کا صرف ایک سبب ہے یعنی بچہ کی ولادت۔ مسئلہ یہ ہے کہ مستحاضہ عورت اور جس کو پیشاب آتا رہتا ہو اور جس کو دائمی نکسیر ہو اور جس کے ایسا زخم ہو کہ اس سے خون نہیں رکتا۔ ان معذورین کے بارے میں ہمارے نزدیک یہ حکم ہے کہ اس وضوء سے وقت کے اندر جتنی چاہے نمازیں

پڑھے دو نمازیں خواہ فرض ہوں یا نفل، واجب ہوں یا نذر کی نمازیں اور امام شافعیؒ کے نزدیک ہر فرض نماز کیلئے وضو کرے یعنی معذور ایک وضو سے ایک فرض ادا کر سکتا ہے متعدد فرض ادا نہیں کر سکتا۔ کیونکہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے "المستحاضة تتوضأ لكل صلوة" مستحاضہ ہر نماز کیلئے وضو کرے۔ دوسری بات یہ ہے کہ معذور کی طہارت کا اعتبار ادائے فرض کی وجہ سے ہے اس لئے فرض سے فراغت کے بعد طہارت باقی نہ رہے گی۔ ہماری دلیل نبی کریم ﷺ کا ارشاد "المستحاضة تتوضأ لوقت كل صلوة" ہے اور امام شافعیؒ کی پیش کردہ روایت کا جواب یہ ہے کہ "لكل صلوة" میں لام وقت کے معنی میں ہے جیسے "أقم الصلوة لدلوك الشمس" میں لام وقت کیلئے ہے "آتيك لصلوة الظهر" میں تیرے پاس ظہر کے وقت آؤں گا۔ پھر جب وقت نکل جائیگا تو معذورین کا وضو ٹوٹ جائیگا۔ اور دوسری نماز کیلئے نیا وضو کرنا پڑے گا۔ یہ طرفینؒ کے نزدیک ہے۔ امام زفرؒ کے نزدیک صرف دخول وقت سے وضو ختم ہوگا اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ہر دو سے۔ امام زفرؒ کی دلیل یہ ہے کہ منافی طہارت چیز اس کے ہوتے ہوئے طہارت کا اعتبار محض ادائیگی فرض کی ضرورت سے ہے اور چونکہ وقت میں کوئی ممانعت اس عذر سے نہیں ہے۔ اس لئے اس [illegible] اور جو بھی ضرورت کی وجہ سے طہارت کا اعتبار کر لیا گیا اور وقت آنے سے پہلے کوئی ضرورت نہیں اس لئے طہارت کا اعتبار نہ ہوگا۔ امام ابو یوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ ضرورت وقت کے اندر ہی اندر محدود ہے لہٰذا وقت کے خارج ہونے اور داخل ہونے پر ہر دو سے وضو ٹوٹ جائیگا۔ طرفین کی دلیل یہ ہے کہ شریعت نے وقت کو ادا کے قائم مقام کیا ہے لہٰذا وقت سے پہلے طہارت ہونی چاہئے جیسا کہ ادا حقیقی پر طہارت کا مقدم ہونا ضروری ہے کہ معذور وقت آتے ہی فوراً نماز ادا کر سکے۔

وهذا إذا لم يمض عليه وقت فرض إلا وذلك الحدث يوجد فيه۔ شروع میں معذور بننے کی شرط تو یہ ہے کہ جس کو ایسا عذر لاحق ہو جس کا روکنا اس کے قابو سے باہر ہو اور اس کا وہ عذر ایک نماز کے پورے وقت تک برابر قائم رہے۔ اتنی فرصت بھی نہ ملے کہ جس میں وہ جلدی جلدی وضو کر کے جلدی جلدی اس وقت کی فرض نماز ادا کر سکے تو ایسا شخص معذور رہے گا اور اس عارضہ حدث کے پیش آنے سے وقت کے اندر اس کا وضو نہیں ٹوٹے گا۔ اور جب عذر ثابت ہو جائے تو معذور بنے رہنے کی دوام عذر کی شرط یہ ہے کہ اس کے بعد ہر نماز کے پورے وقت میں کم از کم ایک دفعہ اس عارضہ حدث کا اس کو پیش آنا ضروری ہے اگر پورا وقت نماز گذر جائے اور اس کو یہ عارضہ پیش نہ آئے تو وہ معذور نہ رہے گا۔ اور اس کا عذر ختم شمار ہوگا اور اس عارضہ سے اس کا وضو ٹوٹ جائیگا۔

نفاس کے لغوی اور اصطلاحی معنی

والنفاس دم يعقب الولد: نفاس نفست المرأة کا مصدر ہے (نون کے ضمہ و فتحہ کے ساتھ) اور کبھی نفاس نفساء کی جمع کیلئے استعمال ہوتا ہے۔ فقہاء کی اصطلاح میں نفاس اس خون کو کہتے ہیں جو ولادت کے بعد نکلتا ہے۔ اگر عورت نے بچہ جنا اور

زائل ہونے سے ہے مگر یہ کہ اس کا زائل ہونا مشکل ہو اور غیر مرتبہ (کی طہارت) تین بار خشک کرنے سے ہے اور استنجاء مسنون ہے پتھر جیسی صاف کرنے والی چیزوں کے ساتھ اور اس میں کوئی عدد مسنون نہیں اور پانی سے دھونا پسندیدہ ہے اور دھونا واجب ہے اگر نجاست مخرج سے بڑھ جائے اور مقدار مانع کا اعتبار کیا جائیگا موضع استنجاء کے علاوہ میں۔ ہڈی لید اور کھانے سے اور دائیں ہاتھ سے جائز نہیں ہے مگر عذر کی وجہ سے۔

لغات: سمک: مچھلی۔ التفسخ: پانی چیز کا گلنا یہاں مراد ہے چھینٹیں لگ جانا۔ الإبر: سوئی۔ مرئی: نظر آنیوالی، العصر: نچوڑنا۔ تثلیث: تین مرتبہ کرنا۔ جفاف: خشک ہونا۔ حجر: پتھر۔ منق: صاف کرنے والا۔ عظم: ہڈی۔ روث: لید۔ یمین: دایاں ہاتھ۔

وَمَادُوْنَ رُبْعِ الثَّوْبِ مِنْ مُخَفَّفٍ کَبَوْلِ مَا یُؤْکَلُ وَالْفَرَسِ وَخُرْءِ وَدَمِ السَّمَکِ وَلُعَابُ الْبَغْلِ وَالْحِمَارِ وَبَوْلٍ انْتَضَحَ کَرُؤُوْسِ الْإِبَرِ: اور اگر نجاست خفیفہ جیسے ماکول اللحم جانوروں کا پیشاب گھوڑے کا پیشاب غیر ماکول اللحم پرندوں کی بیٹ مچھلی کا خون خچر اور گدھے کا لعاب سوئی کے ناکے کے برابر آدمی کے پیشاب کی چھینٹیں لگ جائیں تو چوتھائی کپڑے کی مقدار سے کم معاف ہے اور چوتھائی کپڑے کی مقدار معاف نہیں ہے یعنی اگر چوتھائی کپڑے سے کم پر مخففہ نجاست لگی ہو تو اس کے ساتھ نماز جائز ہے اور اگر چوتھائی کپڑے کی مقدار پر یا اس سے زائد پر لگی تو نماز جائز نہیں ہوگی۔ حاصل یہ کہ چوتھائی کل کے قائم مقام ہے۔ اس لئے اگر چوتھائی کپڑے کو نجاست لگ گئی تو اس کے ساتھ نماز جائز نہیں ہوگی۔ رہی یہ بات کہ چوتھائی کس چیز کا مراد ہے سو اس بارے میں فقہاء کرام کا اختلاف ہے چنانچہ امام صاحبؒ سے ایک روایت تو یہی ہے کہ پورے بدن کا چوتھائی اور پورے کپڑے کا چوتھائی مراد ہے اگر چہ کپڑا بڑا ہو اور امام صاحبؒ سے یہ بھی روایت ہے کہ ما یجوز به الصلوۃ کا چوتھائی مراد ہے یعنی کم از کم اتنا کپڑا کہ جس میں نماز ہو جائے اس کا چوتھائی مراد ہے جیسے تہبند۔ اور بعض حضرات نے کہا کہ جس حصہ پر نجاست لگی ہو تو اس کے ساتھ نماز جائز نہ ہوگی۔ اور امام ابو یوسفؒ سے روایت ہے کہ اگر نجاست مخففہ ایک بالشت طولاً اور ایک بالشت عرضاً لگی ہو تو کثیر فاحش ہے اس کے ساتھ نماز جائز نہیں ہے اور اگر اس سے کم ہے تو وہ مقدار معاف ہے اس کے ساتھ نماز جائز ہے۔

فائدہ: نجاست غلیظہ اور خفیفہ کی تعریف

نجاست کی دو قسمیں ہیں غلیظہ اور خفیفہ۔ ان دونوں کی تعریف میں امام صاحبؒ اور صاحبینؒ کا اختلاف ہے۔ چنانچہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک نجاست مغلظہ وہ نجاست ہے جس کا ثبوت ایسی نص سے ہو جس کے معارض دوسری نص طہارت کو ثابت کرنے والی نہ ہو اور اگر دو نص باہم متعارض موجود ہوں کہ ایک نجاست ثابت کرتی ہے اور دوسری طہارت تو یہ نجاست مخففہ کہلائیگی۔ اور صاحبینؒ کے نزدیک مغلظہ وہ نجاست ہے جس کے نجس ہونے پر اجماع واقع ہو گیا ہو اور مخففہ وہ نجاست ہے جس کی نجاست اور

طہارت میں علماء کا اختلاف واقع ہو تو ہر اختلاف گوبر میں ظاہر ہوگا۔ اس لئے کہ گوبر امام صاحبؒ کے نزدیک نجاست مغلظہ ہے کیونکہ ابن مسعودؓ کی حدیث ہے انہوں نے فرمایا لیلۃ الجن میں میں استنجاء کیلئے دو پتھر اور ایک گوبر لایا تو نبی کریم ﷺ نے یہ کہہ کر پھینک کردیا یہ رجس یا رکس ہے یعنی پلید ہے اور دوسری کوئی نص اس کے معارض نہیں جو گوبر کی طہارت پر دلالت کرتی ہو اور صاحبینؒ کے نزدیک گوبر نجاست مخففہ ہے کیونکہ امام مالکؒ گوبر کے پاک ہونے کے قائل ہیں۔

نجاست مرئیہ اور غیر مرئیہ

وَالنَّجَسُ الْمَرْئِیُّ یَطْهُرُ بِزَوَالِ عَیْنِهٖ اِلَّا مَا یَشُقُّ: نجاست کی دو قسمیں ہیں (۱) مرئیہ یعنی نظر آنیوالی (۲) غیر مرئیہ یعنی نظر نہ آنے والی نجاست مرئی سے کپڑے کو پاک کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اس کی ذات دور کردی جائے اگرچہ اس کے بعض (اوصاف جیسے رنگ بو وغیرہ) رہ جائیں کیونکہ نجاست نے باعتبار اپنی ذات کے محل میں حلول کیا ہے لہٰذا ذات اور عین کے زائل ہونے سے نجاست زائل ہو جائیگی مگر نجاست کا وہ اثر جس کا دور کرنا دشوار ہے وہ باقی رہ جائیگا۔ اور اس کے دور کرنے میں حرج ہے اور شریعت میں حرج دور کردیا گیا ہے اس لئے اثر کے باقی رہنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ اور یہاں مشقت کی تفسیر یہ ہے کہ اثر دور کرنے میں پانی کے علاوہ دوسری چیز مثلاً صابون وغیرہ کی ضرورت ہو۔ اگر نجاست مرئی ایک بار دھونے سے دور ہوگئی تو یہ کافی ہے اور اگر تین مرتبہ دھونے سے بھی زائل نہ ہو تو اس کو دھوتا رہے۔ یہاں تک کہ عین نجاست دور ہو جائے اس میں عدد شرط نہیں ہے یہی مفتیٰ بہ قول ہے۔

وَغَیْرُهٗ بِالْغَسْلِ ثَلَاثًا وَالْعَصْرِ کُلَّ مَرَّةٍ وَتَثْلِیْثِ الْجَفَافِ فِیْمَا لَا یَنْعَصِرُ: نجاست غیر مرئی مثلاً پیشاب شراب وغیرہ اس کا حکم یہ ہے کہ کپڑے کو اس قدر دھویا جائے کہ دھونے والے کو غالب گمان ہو کہ وہ پاک ہو گیا۔ غالب گمان کا اندازہ تین مرتبہ دھونے کے ساتھ لگایا ہے، کیونکہ اس تعداد سے غالب گمان حاصل ہو جاتا ہے آسانی کیلئے ظاہری سبب یعنی تین کے عدد کو غالب گمان کے قائم مقام کردیا گیا یعنی تین مرتبہ دھونے پر پاکی کا حکم لگا دیا جائیگا۔ پھر ظاہر الروایۃ کے مطابق ہر مرتبہ کپڑے کا نچوڑنا ضروری ہے کیونکہ نچوڑنا ہی نجاست غیر مرئیہ کو نکالنے والا ہے۔ اور غیر ظاہر الروایۃ میں امام محمدؒ سے مروی ہے کہ تیسری مرتبہ نچوڑنا کافی ہے ہر مرتبہ نچوڑنا ضروری نہیں ہے۔

احکام استنجاء

وَسُنَّ الْاِسْتِنْجَاءُ بِنَحْوِ حَجَرٍ مُنْقٍ: ہمارے نزدیک استنجاء سنت مؤکدہ ہے اور اسی کے قائل امام مالکؒ ہیں اور امام شافعیؒ

کے نزدیک فرض ہے استنجاء مسنون ہونے پر دلیل نبی کریم ﷺ کا عمل فرمانا ہے حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں ما رأیت رسول اللہ ﷺ خرج من غائط قط الا مس ماءً۔ کہ میں نے کبھی رسول اللہ ﷺ کو نہیں دیکھا کہ آپ پاخانہ سے نکلے مگر یہ کہ پانی چھوتے تھے۔ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ نبی کریم ﷺ نے استنجاء کرنے پر ہمیشگی فرمائی ہے استنجاء میں پتھر اور جو اس کے قائم مقام ہو اس کو استعمال کرنا جائز ہے۔ اور اس کی کیفیت یہ ہے کہ استنجاء کی جگہ کو اس قدر مسح کرے کہ وہ پاک ہو جائے کیونکہ پاک کرنا ہی مقصود ہے لہٰذا جو مقصود ہے اسی کا اعتبار ہوگا۔

وَمَا سُنَّ فِيهِ عَدَدٌ: پتھروں میں کوئی عدد مسنون نہیں ہے بلکہ جس قدر سے پاکی حاصل ہو جائے اسی قدر استعمال کرے۔ تین ہوں یا تین سے کم یا تین سے زائد۔ اور امام شافعیؒ کے نزدیک تین پتھروں کا ہونا ضروری ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے ولیستنج بثلاثة احجار تین پتھروں سے استنجاء کرے۔ اس حدیث میں صیغہ امر واقع ہے اور امر وجوب کیلئے ہے پس اس حدیث سے استنجاء کا واجب ہونا اور پتھروں میں تین کا عدد ہونا ثابت ہو گیا۔ ہماری دلیل من استجمر فلیوتر من فعل فقد احسن ومن لا فلا حرج۔ "جس نے پتھر وغیرہ سے استنجاء کیا تو طاق کرے جس نے کیا اس نے بہت اچھا کیا اور جس نے نہیں کیا اس پر کوئی گناہ نہیں ہے"۔ ایتار (طاق) ایک پر بھی واقع ہوتا ہے اور حدیث میں فرمایا گیا کہ ترک ایتار میں کوئی گناہ نہیں ہے۔ اور جس چیز کے ترک پر کوئی گناہ نہ ہو وہ فرض یا واجب نہیں ہو سکتی پس معلوم ہوا کہ تین کا عدد ضروری نہیں امام شافعیؒ کی دلیل کا جواب یہ ہے کہ حدیث متروک الظاہر ہے اس لئے کہ اگر ایسے پتھر سے استنجاء کیا جس کے تین کونے ہوں تو بالاتفاق جائز ہے پس معلوم ہوا کہ تین کا عدد شرط نہیں۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ صیغہ امر کو استحباب پر محمول کر لیا جائے۔

وَغَسْلُهُ بِالْمَاءِ اَحَبُّ: پانی سے استنجاء کرنا مستحب ہے بہتر یہ ہے کہ دونوں کو جمع کرے کیونکہ باری تعالیٰ کا فرمان فیہ رجال یحبون ان یتطہروا۔ اہل قباء کے بارے میں نازل ہوا اور اہل قباء کی عادت یہ تھی کہ وہ پتھروں کے بعد پانی کا استعمال کیا کرتے تھے بعض حضرات کے نزدیک پانی کا استعمال ادب اور مستحب امر ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ کبھی پانی سے استنجاء کرتے اور کبھی اس کو چھوڑ دیتے اور ظاہر ہے کہ یہ استحباب کا درجہ ہے اور بعض حضرات فرماتے ہیں کہ ہمارے زمانے میں پانی سے استنجاء کرنا مسنون ہے۔ کیونکہ حضرت علیؓ فرماتے ہیں ان من کان قبلکم کانوا یبعرون بعراً وانتم تثلطون ثلطاً فاتبعوا الحجارۃ الماء۔ کہ تم سے پہلے لوگ مینگنیاں کرتے تھے اور تم پتلا پاخانہ کرتے ہو پس پتھروں کے بعد پانی کا استعمال کر لیا کرو۔ اور استنجاء میں پانی کا استعمال کرتا رہے حتی کہ پاک ہونے کا غالب گمان ہو جائے لیکن اگر کوئی شخص وساوس میں مبتلا ہو تو اس کے

کی تکرار تین مرتبہ دھونے کے ساتھ تحدید کی جائیگی۔

استنجاء واجب کب ہوگا اور اس میں مقدار عفو

ویجب إن جاوز النجس المخرج ویعتبر القدر المانع وراء موضع الاستنجاء: اگر نجاست استنجاء کی جگہ یعنی مخرج سے ادھر ادھر تجاوز کر گئی تو اس کو صرف پانی سے دور کیا جا سکتا ہے پتھر وغیرہ سے پونچھنا کافی نہیں ہوگا۔ پھر مقدار جو مانع صلوٰۃ ہے وہ شیخینؒ کے نزدیک موضع استنجاء کی نجاست کے علاوہ ایک درہم سے زائد ہو تو معتبر ہے کیونکہ موضع استنجاء کا اعتبار تو ساقط ہے۔ لہٰذا اس کے علاوہ ایک درہم سے زائد ہو تو اس کا دھونا فرض ہوگا۔ اور امام محمدؒ کے نزدیک مقام استنجاء کے ساتھ مل کر اگر درہم سے زائد ہو تو مانع ہے دوسرے مواضع پر قیاس کرتے ہوئے یعنی جس طرح دوسرے مواضع میں ایک درہم کی مقدار نجاست معاف ہے اور اس سے زائد معاف نہیں اسی طرح اگر موضع استنجاء میں ہو تو ایک درہم کی مقدار معاف ہے اور اس سے زائد معاف نہیں ہے۔

مکروہات استنجاء

لا بعظم وروث وطعام ویمین إلا بعذر: ہڈی اور گوبر سے استنجاء کرنا شرعاً ممنوع ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: لاتستنجوا بالروث ولا بالعظام فانه زاد اخوانکم من الجن۔ "تم لوگ گوبر اور ہڈی سے استنجاء نہ کرو اس لئے کہ وہ تمہارے بھائیوں جنات کا توشہ ہے"۔ اور اگر ان چیزوں سے استنجاء کر لیا تو استنجاء ہو جائیگا اس لئے کہ مقصود حاصل ہو گیا یعنی صفائی اور پاک کرنا لیکن اس سے سنت ادا نہ ہوگی۔ اور گوبر میں ممانعت کی وجہ اس کا نجس ہونا ہے اور ہڈی میں ممانعت کی وجہ اس کا جنات کی غذا ہونا ہے۔ اور کھانے کی چیز کے ساتھ بھی استنجاء نہ کرے کیونکہ یہ برباد کرنا اور اسراف ہے اور یہ دونوں باتیں حرام ہیں اور اپنے دائیں ہاتھ سے بھی استنجاء نہ کرے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اذا بال احدکم فلا یمس ذکرہ بیمینه ولا یستنجی بیمینه۔ "جب تم میں سے کوئی پیشاب کرے تو وہ اپنا عضو تناسل اپنے دائیں ہاتھ سے نہ چھوئے اور نہ دائیں ہاتھ سے استنجاء کرے"۔ اس حدیث میں استنجاء بالیمین کی صراحۃً ممانعت کی گئی ہے۔

کتاب الصلوٰۃ

نماز کا بیان

نماز چونکہ تمام عبادات اور سنن کی بنیاد ہے اسی لئے اس کو تمام مشروعات پر مقدم کیا گیا اور طہارت چونکہ نماز کی شرط ہے اور شرط اپنی شی پر مقدم ہوتی ہے اس لئے کتاب الطہارت کو کتاب الصلوٰۃ پر مقدم کیا گیا ہے۔ لغت میں صلوٰۃ دعا کے معنی میں آتا ہے جیسے وصل علیہم یعنی آپ ان کیلئے دعا کیجئے۔ اور نبی کریم ﷺ کا قول: اذا دعی احدکم الی الطعام فلیجب۔ "جب کسی کو دعوت دی جائے تو اس کو قبول کرنا چاہئے پس اگر روزہ دار نہ ہو تو کھالے اور اگر روزہ دار ہو تو اس کیلئے خیر و برکت کی دعا کردے"۔ اور شریعت کی اصطلاح میں افعال معلوم اور ارکان مخصوص کا نام صلوٰۃ ہے اور ان افعال معلوم اور ارکان مخصوصہ کو صلوٰۃ اس لئے کہتے ہیں کہ یہ دعا کے معنی کو مشتمل ہے۔

نماز کی فرضیت کتاب، سنت اور اجماع امت تینوں ہی سے ثابت ہے۔ کتاب مثلاً باری تعالیٰ کا قول ﴿واقیموا الصلوٰۃ﴾ اور سنت مثلاً رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ان اللہ تعالیٰ فرض علی کل مسلم و مسلمۃ فی کل یوم ولیلۃ خمس صلوات اور اجماع یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کے زمانے سے آج تک نماز کی فرضیت پر پوری امت کا اجماع ہے۔ نمازوں کا پانچ ہونا بھی کتاب اللہ سے ثابت ہے۔ سورۂ طہٰ میں وضاحت کے ساتھ پانچوں نمازیں مذکور ہیں چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے ﴿وسبح بحمد ربک قبل طلوع الشمس وقبل غروبها ومن آناء اللیل فسبح واطراف النهار﴾۔ علامہ جلال الدین محلی نے لکھا ہے کہ "سبح" بمعنی "صل" ہے اور قبل طلوع الشمس سے مراد فجر کی نماز ہے اور قبل غروبها سے عصر کی نماز کو ذکر کیا گیا ہے۔ اور "آناء اللیل" میں مغرب و عشاء کا بیان ہے اور "اطراف النهار" سے ظہر کی نماز کا ہونا ہے اس طور پر کہ جب ظہر کی نماز کا وقت شروع ہوتا ہے تو دن کے نصف اول کا طرف آخر ہے اور دن کے نصف ثانی کا طرف اول ہے۔ یعنی زوال آفتاب جو ظہر کے وقت کی ابتداء ہے اس پر دن کا نصف اول ختم ہو جاتا ہے۔ اور نصف ثانی شروع ہو جاتا ہے پس ظہر کے وقت پر دن کی دونوں طرفیں جمع ہو گئیں۔ اب مطلب یہ ہوا کہ دن کے دونوں اطراف کے جمع ہونے کے وقت بھی نماز پڑھو یعنی ظہر کی نماز پڑھو۔ اور نماز کب فرض ہوئی سو اس بات پر تمام اہل سیر و حدیث متفق ہیں کہ پانچوں نمازوں کی فرضیت شب معراج میں ہوئی۔

وَقْتُ الْفَجْرِ مِنَ الصُّبْحِ الصَّادِقِ إِلَى طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَالظُّهْرِ مِنَ الزَّوَالِ إِلَى بُلُوْغِ الظِّلِّ مِثْلَيْهِ سِوَى الْفَيْءِ وَالْعَصْرِ مِنْهُ إِلَى الْغُرُوْبِ وَالْمَغْرِبِ مِنْهُ إِلَى غُرُوْبِ الشَّفَقِ وَالْعِشَاءِ وَالْوِتْرِ مِنْهُ إِلَى الصُّبْحِ وَلَا يُقَدَّمُ عَلَى الْعِشَاءِ لِلتَّرْتِيْبِ وَمَنْ لَمْ يَجِدْ وَقْتَهُمَا لَمْ يَجِبَا

ترجمہ: فجر کا وقت صبح صادق کے طلوع سے آفتاب نکلنے تک ہے اور ظہر کا وقت آفتاب ڈھلنے سے ہر چیز کا سایہ دو مثل ہونے تک سایہ اصلی کے علاوہ اور عصر کا وقت دو مثل سے غروب آفتاب تک اور مغرب کا وقت غروب آفتاب سے غروب شفق تک اور وہ سفیدی ہے اور عشاء اور وتر کا وقت غروب شفق سے صبح تک اور وتر کو عشاء پر مقدم نہ کیا جائے ترتیب کے سبب سے اور جو شخص ان کا وقت نہ پائے اس پر عشاء اور وتر واجب نہیں۔

نماز فجر کا وقت

وَوَقْتُ الْفَجْرِ مِنَ الصُّبْحِ الصَّادِقِ إِلَى طُلُوعِ الشَّمْسِ نماز چوبیس گھنٹوں میں پانچ مرتبہ ادا کی جاتی ہے جس کے لئے ان پانچوں وقتوں کی تعیین ضروری ہے۔ اس لئے مصنفؒ یہاں ان اوقات کی ابتداء اور انتہاء کے بارے میں تفصیلات ذکر کر رہے ہیں۔ حدیث میں اگرچہ ظہر کا وقت مقدم ہے لیکن یہاں بعض وجوہات سے فجر کو مقدم رکھا گیا ایک وجہ تو یہ ہے کہ فجر کا اول وقت اور آخر وقت چونکہ متفق علیہ ہے اس لئے اس کو مقدم کیا گیا اس کے برخلاف دوسری نمازوں کے اوقات میں قدرے اختلاف ہے دوسری وجہ یہ ہے کہ سونے والا جو میت کی مانند ہے اس پر سب سے پہلے جو واجب ہوتا ہے وہ فجر کی نماز ہے اس لئے فجر کا وقت پہلے ذکر کیا گیا چنانچہ مصنفؒ فرماتے ہیں کہ فجر کا اول وقت صبح صادق طلوع ہونے کے بعد سے ہوتا ہے جو افق آسمان کی چوڑائی میں پھیلی ہوئی ہے اور فجر کا آخری وقت طلوع آفتاب تک رہتا ہے کیونکہ حضرت جبرئیل نے پہلے روز نبی کریم ﷺ کو نماز پڑھائی جس وقت کہ فجر طلوع ہوئی اور دوسرے دن جب خوب اچھی طرح روشنی ہو گئی تھی کہ آفتاب نکلنے کے قریب ہو گیا اور فرمایا کہ ان دونوں وقتوں کے درمیان جو وقت ہے وہی آپ کے اور آپ کی امت کے لئے وقت ہے۔

نماز ظہر کا وقت

وَالظُّهْرِ مِنَ الزَّوَالِ إِلَى بُلُوغِ الظِّلِّ مِثْلَيْهِ سِوَى الْفَيْءِ: ظہر کا اول وقت زوال کے بعد سے شروع ہو جاتا ہے اور کیونکہ جبرئیل علیہ السلام نے پہلے دن ظہر کی نماز اسی وقت میں پڑھائی ہے۔ ظہر کے آخری وقت کے بارے میں علمائے احناف باہم مختلف ہو گئے چنانچہ حضرت امام ابوحنیفہؒ سے اس بارے میں تین روایات ہیں ایک روایت جس کو امام محمدؒ نے روایت کیا ہے وہ یہ ہے کہ جب سایہ اصلی کے علاوہ ہر چیز کا سایہ اس کے دو چند ہو جائے گا تو ظہر کا وقت ختم ہو کر عصر کا وقت شروع ہو گیا ہے یہی روایت امام اعظمؒ کا مذہب ہے اور درمختار وغیرہ میں امام صاحبؒ کے اسی قول کو راجح قرار دیا گیا ہے۔ اس پر یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ حدیث میں تو یہ سایہ ایک مثل تک ہے۔ جواب یہ ہے کہ ایک مثل خانہ کعبہ کے لحاظ سے ہے جو خط استواء پر واقع ہے جہاں دوپہر کو اکثر سایہ ہی نہیں ہوتا لیکن شمالی ملکوں میں جیسے جیسے سایہ ہوتا ہے زوال پر بڑھتا جاتا ہے پس جب خانہ کعبہ میں جہاں بالکل سایہ اصلی نہیں ہوتا ایک مثل ہو جائے ان ملکوں میں سایہ اصلی ہی ایک مثل تک ہو تو اس پر جب ایک مثل کا اضافہ ہو گیا تو یقیناً دو مثل ہو جائیں گے صاحبینؒ امام زفر، امام مالک، امام شافعی اور امام احمدؒ کے نزدیک اور امام صاحب کی ایک روایت کے مطابق ظہر کا آخری وقت ایک مثل تک رہتا ہے۔

نمازِ عصر کا وقت

والعصر منه إلى الغروب: عصر کا اول وقت ظہر کا وقت ختم ہونے کے بعد شروع ہوتا ہے خواہ ظہر کا وقت دو مثل پر ختم ہو جیسا کہ امام صاحبؒ کا مذہب ہے خواہ ایک مثل پر ختم ہو جیسا کہ صاحبینؒ کا مذہب ہے اور عصر کا آخر وقت غروب آفتاب سے پہلے تک ہے دلیل حدیث ابو ہریرہؓ ہے۔ من أدرك ركعة من العصر قبل أن تغرب الشمس فقد أدرك العصر جس نے غروب آفتاب سے پہلے عصر کی ایک رکعت پائی اس نے عصر کو پالیا اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عصر کا وقت غروب آفتاب تک باقی رہتا ہے۔

نمازِ مغرب کا وقت

والمغرب منه إلى غروب الشفق: مغرب کا وقت سورج ڈوبنے کے بعد سے شروع ہوتا ہے اور غروب شفق تک باقی رہتا ہے امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ مغرب کا صرف اتنا وقت ہے کہ غروب کے بعد اگر وضو، اذان، اقامت اور پانچ رکعت کی مقدار وقت گذر گیا تو سمجھ لو کہ مغرب کا وقت ختم ہو گیا یعنی مغرب کا وقت صرف اتنا ہے جس میں وضو، اذان، اقامت کے بعد پانچ رکعت پڑھ سکے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ مغرب کی نماز جبرئیل علیہ السلام نے دونوں دن ایک ہی وقت میں پڑھائی تھی لہذا اگر مغرب کی نماز کا وقت دراز ہوتا جس میں اول و آخر ہوتا تو جبرئیل علیہ السلام دونوں دن ایک ہی وقت میں نماز نہ پڑھاتے۔ ہماری دلیل حدیث ابی ہریرہؓ "أول المغرب حين تغرب الشمس وآخره حين يغيب الشفق" ہے اور امام جبرئیل علیہ السلام کا دونوں دن ایک ہی وقت میں نماز پڑھانا تو وہ کراہت سے احتراز کی وجہ سے تھا کیونکہ مغرب کا آخر وقت تک مؤخر کرنا مکروہ ہے۔

پھر شفق کی تعیین میں علماء کا اختلاف ہے امام صاحبؒ فرماتے ہیں کہ شفق وہ سفیدی ہے جو سرخی کے بعد افق پر آتی ہے یہی قول صدیق اکبرؓ، معاذؓ، ابن الزبیرؓ کا ہے۔ اور صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ اس سرخی ہی کا نام شفق ہے یہی ایک روایت امام صاحبؒ سے ہے اور یہی امام شافعیؒ کا قول ہے۔ صاحبینؒ کی دلیل نبی کریم ﷺ کا ارشاد "الشفق هو الحمرة" ہے اور امام صاحبؒ کی دلیل حدیث ابو ہریرہؓ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا وآخر وقت المغرب إذا اسود الأفق "مغرب کا آخر وقت جب کہ افق سیاہ پڑ جائے" اور یہ بات ظاہر ہے کہ افق پر سفیدی کے بعد سیاہی آتی ہے پس ظاہر ہوا کہ سفیدی تک مغرب کا وقت رہتا ہے اور حدیث میں شفق سے مراد سفیدی ہے اور حدیث الشفق هو الحمرة: ابن عمرؓ پر موقوف ہے امام مالکؒ نے اپنی مؤطا میں اس کو ذکر کیا ہے اور حدیث موقوف ہمارے نزدیک حجت نہیں ہے اس لئے یہ حدیث قابل استدلال نہیں ہوئی اور اگر تسلیم کر لیا جائے کہ یہ حدیث مرفوع ہے تو ہم جواب دیں گے کہ اس حدیث کی مراد میں صحابہؓ کا اختلاف ہے چنانچہ بعض نے کہا کہ شفق سے مراد سفیدی ہے اور بعض نے کہا کہ سرخی مراد ہے اور حدیث مرفوع میں اگر اس میں صحابہ کا اختلاف ہو تو وہ بھی قابل استدلال نہیں ہوتی۔

نماز عشاء کا وقت

والعشاء والوتر منه الی الصبح ولا یقدم علی العشاء للترتیب : عشاء کا اول وقت شفق چھپنے کے بعد سے شروع ہو جاتا ہے اور آخر وقت جب تک کہ صبح صادق نہ ہو اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ تہائی رات گذرنے تک عشاء کا وقت باقی رہتا ہے۔ ہماری دلیل ابو ہریرہؓ کی حدیث انه ﷺ قال واٰخر وقت العشاء حین یطلع الفجر ہے اس حدیث سے ثابت ہوا کہ عشاء کا وقت صبح صادق تک باقی رہتا ہے امام شافعیؒ کا مستدل حدیث امامت جبرئیل ہے کیونکہ یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ عشاء کا آخر وقت تہائی رات تک ہے لیکن ہماری طرف سے اس کا جواب علامہ ابن الہمامؒ نے دیا ہے کہ اوقات نماز کے سلسلہ میں حدیث سب سے مقدم ہے اور جو حدیثیں اس کے مخالف ہیں وہ سب اس سے مؤخر ہیں اور مؤخر مقدم کیلئے ناسخ ہوتا ہے پس معلوم ہوا کہ امامت جبرئیل کی حدیث منسوخ ہے لہٰذا یہ قابل استدلال نہیں ہوگی۔ اور وتر کے اول وقت میں اختلاف ہے چنانچہ صاحبینؒ کے نزدیک عشاء کی نماز کے بعد سے وتر کا وقت شروع ہوتا ہے اور صبح صادق کے طلوع ہونے تک باقی رہتا ہے اور امام صاحبؒ کے نزدیک عشاء کا وقت وتر کا وقت ہے صاحبینؒ کی دلیل خارجہ بن حذافہؓ کی حدیث ہے۔ قال خرج علینا رسول الله ﷺ فقال ان الله امدکم بصلاۃ هی خیر لکم من حمر النعم وهی الوتر فصلوها لکم فیما بین العشاء الی طلوع الفجر. خارجہ بن حذافہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے ایک نماز کا اضافہ کیا ہے وہ تمہارے لئے سرخ رنگ کے اونٹوں سے بھی بہتر ہے اور وہ وتر کی نماز ہے اس کو عشاء اور صبح صادق کے درمیان رکھا ہے۔ امام صاحبؒ کی دلیل یہ ہے کہ وتر عملاً فرض ہے اور وقت اگر دو واجب نمازوں کو جمع کرے تو ان دونوں نمازوں کا ایک ہی وقت ہوتا ہے جیسے قضائے اور وقتیہ اور وتر کو عشاء پر مقدم کرنا یاد ہونے کی حالت میں جائز نہیں کیونکہ وتر اور عشاء میں ترتیب واجب ہے چنانچہ اگر وتر کی نماز عشاء سے پہلے عمداً پڑھی تو بالاتفاق وتر کا اعادہ ضروری ہوگا اور اگر عشاء کی نماز بھول گیا اور وتر کی نماز پڑھ لی پھر عشاء کی نماز یاد آگئی تو امام صاحبؒ کے نزدیک وتر کا اعادہ نہ کرے کیونکہ نسیان ترتیب کو ساقط کر دیتا ہے۔ اور صاحبینؒ کے نزدیک اعادہ کرے گا کیونکہ صاحبینؒ کے نزدیک وتر عشاء کی سنت ہے جیسے عشاء کے بعد دو رکعتیں سنت ہیں پس اگر وہ دو رکعتیں عشاء پر مقدم کردی گئیں تو جائز نہیں عمداً ہو یا نسیاناً ایسے ہی وتر کو عشاء پر مقدم کرنا جائز نہیں نہ عمداً اور نہ نسیاناً۔

ومن لم یجد وقتهما لم یجبا : جو شخص عشاء اور وتر کا وقت نہ پائے اس پر عشاء و وتر کی نماز واجب نہیں جیسے اہل بلغار وغیرہ۔ یہاں عموماً دو مسئلے ذکر کئے جاتے ہیں ایک یہی جو متن میں مذکور ہوا کہ جہاں رات بالکل مختصر ہوتی ہے اور وہاں عشاء کا وقت نہیں آتا۔ دوسرا مسئلہ یہ کہ جہاں دن اور رات تین تین ماہ کا ہوتا ہے وہاں نمازوں کا کیا حکم ہے بندہ ان دونوں مسئلوں کی تفصیل حضرت اقدس شیخ الاسلام مفتی تقی عثمانی مدظلہ العالی کے سفر نامہ سے نقل کر رہا ہے جو انہوں نے ان شہروں کے سفر کے دوران نمازوں کے احکام کو مکمل تفصیل اور تحقیق کے ساتھ تحریر فرمایا۔

جہاں عشاء کا وقت نہیں آتا وہاں نماز کا حکم

میری معلومات کی حد تک یہ مسئلہ سب سے پہلے عباسی خلافت کے دور میں شمال کے ایک شہر بلغار کے سلسلے میں پیش آیا۔ یہ شہر ۵۵ درجہ عرض البلد اور ۴۹ درجہ طول البلد پر واقع ہے۔ مقتدر باللہ کے زمانے میں ایک مسلمان بزرگ جن کا نام بلار تھا اس شہر میں پہنچے تو دیکھا کہ شہر کا بادشاہ اور ملکہ دونوں سخت بیمار ہیں اور زندگی سے مایوس ہو چکے ہیں، بلار نے ان سے کہا کہ اگر میں آپ کا علاج کروں تو کیا آپ میرے دین (اسلام) کو قبول کریں گے؟ انہوں نے اثبات میں جواب دیا۔ اللہ تعالیٰ کا کرنا ایسا ہوا کہ ان کے علاج سے بادشاہ اور ملکہ دونوں تندرست ہو گئے اور بلار کے ہاتھوں مسلمان ہو گئے ان کے مسلمان ہونے کے نتیجے میں شہر کے تمام لوگوں نے اسلام قبول کر لیا، اور مقتدر باللہ کے پاس پیغام بھیجا کہ وہ ہمارے پاس کوئی ایسا شخص بھیجے جو ہمیں دین اسلام کی تعلیم دے سکے۔ چونکہ یہ پورا شہر بلار کی دعوت پر مسلمان ہوا تھا، اس لئے اس شہر کا نام بھی بلار رکھ دیا گیا جو ہوتے ہوتے بلغار بن گیا۔

خلاصہ یہ ہے کہ بلغار میں اسلام پھیلنے کے نتیجے میں یہ سوال فقہاء امت کے سامنے آیا کہ جن علاقوں میں رات کو شفق غائب نہیں ہوتی، وہاں عشاء اور فجر کی نمازوں کا کیا حکم ہو گا؟ فقہاء کی ایک جماعت کا موقف یہ تھا کہ نمازوں کی فرضیت ان کے اوقات کے ساتھ مربوط ہے لہٰذا جس جگہ کسی خاص نماز کا وقت نہیں آتا، وہاں وہ نماز بھی فرض نہیں، چنانچہ ان حضرات کا کہنا یہ تھا کہ ان علاقوں میں جب شفق غائب نہ ہو، عشاء کی نماز فرض ہی نہیں ہوتی، لیکن فقہاء کرام کی بھاری جمعیت کا کہنا یہ ہے کہ شفق کے غائب نہ ہونے سے عشاء کی نماز ساقط نہیں ہوتی، بلکہ ان مقامات کے لوگوں کو اوقات کا حساب کر کے عشاء اور فجر کی نماز ادا کرنا چاہیے۔ علماء شافعیہ نے اور محقق حنفی علماء نے بھی اسی کو راجح قرار دیا ہے جن میں امام برہان الکبیر، محقق ابن ہمام، علامہ ابن امیر الحاج اور علامہ قاسم بن قطلوبغا وغیرہ داخل ہیں۔ علامہ ابن ہمام نے فتح القدیر میں اس قول کی تائید بڑی قوت کے ساتھ کی ہے علماء مالکیہ میں سے علامہ قرافی نے بھی اسی کو ترجیح دی ہے۔ متاخرین حنفیہ میں سے ایک بزرگ علامہ ہارون بن بہاء الدین مرجانی (متوفی ۱۳۰۶ھ) گزرے ہیں جن کی توضیح پر حاشیہ معروف ہے انہوں نے اس موضوع پر ایک مستقل رسالہ لکھا ہے جس کا نام ہے "ناظورة الحق فی فرضية العشاء وإن لم يغب الشفق"۔ اس رسالے میں انہوں نے پوری شدت سے ان لوگوں کی تردید کی ہے جو یہ کہتے ہیں کہ ایسے علاقوں میں عشاء کی نماز فرض ہی نہیں ہوتی اور قرآن وسنت کے بڑے مستحکم دلائل سے ثابت کیا ہے کہ ان پر نماز عشاء فرض ہے جو انہیں اوقات کا حساب لگا کر ادا کرنی چاہیے۔ اس کی تائید ایک حدیث سے بھی ہوتی ہے بہر صورت صحیح موقف یہی ہے کہ عشاء اور فجر کی نمازیں ان علاقوں میں بھی فرض ہیں البتہ ان کی ادائیگی کیلئے اوقات کا تعین حساب سے کیا جائے گا اب حساب لگانے کے مختلف طریقے فقہاء کرام نے بیان فرمائے ہیں، ایک طریقہ یہ ہے کہ ان علاقوں کے قریب جس شہر میں شفق غائب ہوتی ہو، جب وہاں عشاء کا وقت آ جائے، اس وقت ان علاقوں میں بھی عشاء پڑھی جائے اور جس وقت وہاں فجر کا وقت ہو، اس وقت یہاں بھی فجر کی نماز ادا کی جائے، دوسرا طریقہ یہ ہے کہ ان علاقوں میں جس دن آخری بار شفق غائب

ہوئی اس دن عشاء کا جو وقت تھا وہی وقت اس موسم میں بھی عشاء کا سمجھا جائے، جب شفق غائب نہیں ہوتی، نیز اس دن فجر کی نماز کا جو وقت تھا اسی وقت اس موسم میں بھی فجر کا وقت سمجھا جائے۔ تیسرا طریقہ یہ ہے کہ ان علاقوں میں شفق اگرچہ ساری رات موجود رہتی ہے لیکن اس کی سمت تبدیل ہوتی رہتی ہے یعنی رات کے آغاز میں شفق مغرب میں ہوتی ہے پھر دھیرے دھیرے وہ شمال کی طرف منتقل ہوتی چلی جاتی ہے یہاں تک کہ مشرق تک پہنچ جاتی ہے لہٰذا بعض علماء نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ جب تک شفق مغرب کی طرف مائل رہے اس وقت سے فجر کا آغاز سمجھا جائے اس کا آسان طریقہ یہ ہے کہ غروب آفتاب سے طلوع آفتاب تک کے وقت کو دو حصوں میں تقسیم کرلیا جائے، پہلا حصہ مغرب اور عشاء کا مشترک وقت ہوگا اور دوسرا حصہ فجر کا ہوگا۔

غیر معتدل ایام والے ممالک میں نمازوں کا حکم

یہ مسئلہ اگرچہ نفس کتاب سے متعلق نہیں ہے لیکن اہمیت کے پیش نظر اس کو یہاں ذکر کیا جارہا ہے (ابو عمار) ان جیسے مقامات پر جہاں مہینوں سورج غروب یا طلوع نہیں ہوتا، نمازوں کی ادائیگی کا کیا طریقہ ہے؟ صورتحال یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کے عہد مبارک میں یہ سوال تو سامنے نہیں آیا تھا کہ جن خطوں میں دن ہی دن یا رات ہی رات رہتی ہے وہاں نماز کیسے پڑھی جائیگی؟ لیکن آپ ﷺ نے ایک اور واقعے کے ضمن میں اس سلسلے کی ایک اصولی ہدایت عطا فرمادی تھی، صحیح مسلم میں حضرت نواس بن سمعان ؓ سے مروی ہے کہ ایک دن آنحضرت ﷺ نے دجال کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ دنیا میں چالیس دن رہے گا ان چالیس دنوں میں سے ایک دن ایک سال کے برابر ایک دن ایک مہینے کے برابر اور ایک دن ایک ہفتے کے برابر ہوگا اور باقی دن تمہارے عام دنوں جیسے ہوں گے؟ اس موقع پر صحابہ کرام ؓ نے پوچھا کہ جو دن ایک سال کے برابر ہوگا کیا ہمارے لئے اس دن میں صرف ایک ہی دن کی نمازیں کافی ہوں گے؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا " لا، اقدروا له قدره " یعنی نہیں، اس کے لئے اندازے سے وقت مقرر کرنا"۔ میں پیچھے لکھ چکا ہوں کہ بلغار جیسے علاقے جن میں عشاء کا وقت نہیں آتا ان میں راجح قول کی بنیاد پر عشاء کی نماز حساب لگا کر پڑھنے کا جو طریقہ اختیار کیا گیا ہے اس کی بنیاد یہی حدیث ہے۔

قدیم فقہاء کرام ؒ کے زمانے میں مسلمانوں کی آبادی ایسے علاقوں ہی تک پہنچی تھی جہاں شفق غائب نہیں ہوتی مگر ۲۴ گھنٹے میں دن اور رات دونوں آجاتے ہیں رہے قطبین کے قریب کے علاقے جہاں ۲۴ گھنٹے میں دن رات کا دورہ مکمل نہیں ہوتا ان میں مسلمانوں کی آبادی نہیں پہنچی تھی اس لئے ان علاقوں کے حکم سے قدیم فقہاء نے بحث نہیں فرمائی لیکن جب سے ان علاقوں میں بھی مسلمان پہنچ گئے ہیں اس وقت سے فقہاء عصر نے ان علاقوں کے احکام پر بھی بحث کی ہے اور بحث کا مرکزی نقطہ وہی ہے جو بلغار کے سلسلے میں پیش آیا یعنی نماز کے وقت کی معروف علامتوں کے نہ آنے کی صورت میں نماز فرض بھی ہوتی ہے یا نہیں جو لوگ بلغار جیسے شہر میں نماز عشاء کو فرض نہیں مانتے ان کا کہنا ہے کہ جن علاقوں میں کئی مہینے تک دن رہتا ہے ان میں اس پورے عرصے میں پانچ نمازیں ہی فرض ہوں گی لیکن میں پیچھے عرض کرچکا ہوں کہ دلائل کے نقطۂ نظر سے یہ قول کمزور اور مرجوح ہے اور دجال کے بارے

میں جو حدیث اوپر لکھی گئی ہے اس سے یہ اصول واضح طور پر برآمد ہوتا ہے کہ جب دن اتنا لمبا ہو جائے کہ ۲۴ گھنٹے میں شب و روز کا دورہ مکمل نہ ہو تو اوقات نماز کی معروف علامتوں کا اعتبار نہیں رہتا بلکہ ایسے موقع پر حساب لگا کر نمازیں ادا کرنی چاہئیں اب ان علاقوں میں حساب لگانے کا طریقہ کیا ہے؟ اس کے بارے میں مختلف تجویزیں پیش کی گئی ہیں لیکن ان میں سب سے واضح بہتر اور قابل عمل تجویز یہ ہے کہ ان علاقوں سے قریب ترین وہ علاقہ جہاں چوبیس گھنٹے میں دن رات پورے ہو جاتے ہوں اس میں جس نماز کا جو وقت ہو ان علاقوں میں بھی اس وقت وہ نماز پڑھی جائے مثلاً اگر قریب ترین معتدل علاقے میں نماز مغرب نو بجے ہوتی ہے اور عشاء ساڑھے دس (۱۰-۳۰) بجے تو یہاں بھی مغرب اور عشاء بالترتیب ۹ بجے اور ساڑھے دس بجے پڑھی جائے چاہے اس وقت سورج افق پر موجود ہو پھر اس تجویز پر عمل کرنے کے بھی دو طریقے ہیں ایک یہ کہ معیار کسی ایسے قریبی شہر کو بنایا جائے جس میں پانچوں نمازوں کے اوقات اپنی معروف علامتوں کے ساتھ آتے ہوں چنانچہ رابطہ عالم اسلامی کی ایک قرارداد میں یہ تجویز دی گئی ہے کہ جو علاقے ۴۵ درجے عرض البلد پر واقع ہیں ان کو معیار قرار دے کر غیر معتدل علاقوں میں تمام نمازوں کا وقت ۴۵ درجے کے اوقات کے مطابق متعین کیا جائے۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ کسی ایسے شہر کو معیار بنایا جائے جو ان غیر معتدل علاقوں کے قریب ہو اور اس میں نمازوں کے اکثر اوقات آتے ہوں، خواہ وہاں شفق غائب نہ ہوتی ہو اس طریقے کے مطابق ترمسو وغیرہ میں جب دن ہی دن رہتا ہے اس وقت نمازیں اوسلو کے اوقات نماز کے مطابق پڑھی جا سکتی ہیں ان دو طریقوں میں سے پہلا طریقہ احتیاط کے زیادہ مطابق ہے لیکن عملی آسانی دوسرے طریقے میں ہے خاص طور پر ایسے شہروں میں جہاں مسلمان اکا دکا آباد ہیں اور انہیں ۴۵ درجے عرض البلد کے اوقات کا پتہ لگانا آسان نہیں لہٰذا ترمسو اور اس سے اوپر کے شہروں میں اگر اوسلو کے اوقات نماز کی پیروی کی جائے تو یہ جائز و درست ہے حضور اقدس ﷺ نے حدیث دجال میں یہ اصول تو بیان فرمادیا کہ نمازیں اندازہ کر کے پڑھی جائیں لیکن اندازہ کرنے کا مفصل طریقہ بیان نہیں فرمایا تھا اس میں حکمت بھی ہو کہ اندازے کے طریقے مختلف ہو سکتے ہیں اور جس جگہ جو طریقہ زیادہ قابل عمل ہو کہ اس میں زیادہ تنگی لازم نہ آئے وہاں وہ طریقہ اختیار کر لیا جائے۔

ترمسو اور نارتھ کیپ میں سورج کی گردش کا حال دیکھنے کے بعد ایک بات کا مزید اندازہ یقین کے قریب ہو گیا اور وہ یہ کہ جن حضرات نے یہ فرمایا ہے کہ ان علاقوں میں جب تک سورج غروب نہیں ہوتا وہاں ان کی مدتوں میں مجموعی طور پر صرف پانچ نمازیں فرض ہیں ان کا یہ فرمانا ان علاقوں کا مشاہدہ کرنے پر مبنی ہے اسی لیے انہوں نے یہ سمجھا ہے کہ ان کی وہاں مغرب کی طرح ظہر کا وقت بھی صرف ایک مرتبہ اور عصر کا وقت صرف ایک مرتبہ آئیگا۔ حالانکہ صورت حال یہ ہے کہ یہاں سورج خط نصف النہار سے ہر روز گزرتا ہے لہٰذا ہر ۲۴ گھنٹے میں سورج کا سایہ (سایہ اصلی کو چھوڑ کر) ایک مثل اور دو مثل ہوتا ہے گویا ہر ۲۴ گھنٹے میں یہاں ایک ایک مرتبہ ظہر اور عصر کا وقت ضرور آتا ہے اور یہ بات درست نہیں کہ چھ مہینے تک وہاں ظہر اور عصر کا وقت صرف ایک بار آتا ہے لہٰذا ہمارا خیال یہ ہے کہ یہ بات ان حضرات کے قول پر بھی صادق آتی ہے جو نمازوں کی فرضیت کیلئے علامات وقت کو علت قرار دیتے ہیں اور یہ

کرتے ہیں۔ قالت ان کان رسول اللہ ﷺ یصلی الصبح فینصرف النساء متلففات بمروطھن مایعرفن من الغلس۔ "ام المؤمنین حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ صبح کی نماز پڑھ کر فارغ ہوتے تو عورتیں اپنی اوڑھنیوں میں لپٹی ہوئیں (اپنے گھروں کو) واپس ہوتیں تو غلس کی وجہ سے پہچانی نہیں جاتی تھیں"۔ یہ حدیث اس بات پر شاہد ہے کہ نبی کریم ﷺ غلس میں نماز پڑھ کر فارغ ہو جاتے تھے۔ احناف کی دلیل رافع بن خدیجؓ کی حدیث اسفروا بالفجر فانہ اعظم للاجر ہے اور حدیث میں اسفار کا امر فرمایا گیا ہے اور امر کا ادنیٰ مرتبہ ندب اور استحباب ہے اس لئے کہا گیا کہ فجر کی نماز کو اسفار میں ادا کرنا مستحب ہے اور حدیث عائشہؓ کا جواب یہ ہے کہ حدیث عائشہؓ فعلی حدیث ہے اور اسفروا بالفجر حدیث قولی ہے۔ اور قول و فعل میں تعارض کے وقت قول کو ترجیح ہوتی ہے نہ کہ فعل کو۔

وظهر الصيف: اور گرمی کے موسم میں ظہر کی نماز ٹھنڈک میں ادا کرنا اور سردی کے موسم میں ظہر کو جلد ادا کرنا مستحب ہے دلیل ابردوا بالظہر ہے۔

والعصر ما لم تتغير: اور عصر کی نماز ہر موسم میں مؤخر کرنا مستحب ہے بشرطیکہ آفتاب متغیر نہ ہو اس لئے کہ عصر کو مؤخر کرنے میں نوافل کی زیادتی کا موقع ہے کیونکہ عصر کے بعد نفل پڑھنا مکروہ ہے لہٰذا عصر کو تاخیر سے پڑھا جائے تاکہ عصر سے پہلے زیادہ سے زیادہ نوافل کی گنجائش باقی رہے۔ امام مالکؒ اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ عصر کو جلدی ادا کرنا افضل ہے دلیل حضرت انسؓ کا قول ہے ان رسول اللہ ﷺ کان یصلی العصر فیذھب الذاھب الی العوالی والشمس مرتفعۃ" رسول اللہ ﷺ عصر کی نماز پڑھتے تھے اور جانے والا عوالی مدینہ کی طرف چلا جاتا تھا حالانکہ سورج بلند ہوتا"۔ یہ اسی وقت ہو سکتا ہے جبکہ عصر کی نماز جلدی ادا کی جائے۔ مگر ہماری طرف سے جواب یہ ہوگا کہ عوالی مدینہ دو تین میل کی دوری پر کہلاتا ہے اور میل سے وہی میل مراد ہے جو باب التیمم میں مذکور ہوا اور یہ کوئی زیادہ مسافت نہیں ہے بلکہ عصر کی نماز تاخیر کے ساتھ پڑھ کر بھی اس قدر مسافت طے کی جا سکتی ہے لہٰذا یہ حدیث ہمارے خلاف حجت نہیں ہوگی۔

والعشاء الی الثلث: عشاء کی نماز کو تہائی رات تک مؤخر کرنا مستحب ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے۔ لولا ان اشق علی امتی لاخرت العشاء الی ثلث اللیل: "اگر مجھے اپنی امت پر مشقت کا خیال نہ ہوتا تو تہائی رات تک عشاء میں تاخیر کرتا"

والوتر الی آخر اللیل لمن یثق بالانتباہ: جس کو تہجد کی نماز کی عادت ہے اور اس کو جاگنے پر بھروسہ بھی ہے تو اس کے حق میں مستحب یہ ہے کہ وتر کو تہجد کے بعد آخر رات میں پڑھے اور اگر اس کو جاگنے پر بھروسہ نہیں ہے یا تہجد کی نماز کی عادت نہیں ہے تو یہ شخص سونے سے پہلے وتر پڑھے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے من خاف ان لا یقوم آخر اللیل فلیوتر اولہ ومن طمع ان یقوم آخر اللیل فلیوتر آخر اللیل۔ "جس کو اندیشہ ہے کہ رات کو اٹھ نہیں سکوں گا اس کو اول شب ہی میں وتر پڑھ لینے چاہئیں اور جس کو آخر شب میں اٹھنے کی توقع ہو تو رات کے آخر حصہ میں وتر پڑھنے چاہئیں"۔

وَتَعْجِیْلُ ظُهْرِ الشِّتَاءِ: اور سردی کے موسم میں ظہر کو جلدی پڑھنا مستحب ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ کے بارے میں منقول ہے: اذا کان فی الشتاء بکر بالظهر۔ "آپ ﷺ سردیوں کے موسم میں ظہر کی نماز کو جلدی پڑھا کرتے تھے"۔

وَالْمَغْرِبِ: مغرب کی نماز میں جلدی کرنا مستحب ہے یعنی اذان اور اقامت کے درمیان کچھ فصل نہ کرے سوائے خفیف سی بیٹھک کے کیونکہ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے: لایزال امتی بخیر ما عجلوا المغرب واخروا العشاء۔ "میری امت ہمیشہ خیر پر رہے گی جب تک کہ مغرب کو جلدی اور عشاء کو تاخیر سے پڑھتی رہے گی"۔

وَمَا فِیْهَا عَیْنٌ یَوْمَ غَیْمٍ وَیُؤَخَّرُ غَیْرُهُ فِیْهِ: اور جن نمازوں کے شروع میں عین ہے یعنی عصر اور عشاء ان کو ابر کے دن جلد پڑھنا مستحب ہے۔ اور ان دونوں کے علاوہ باقی نمازوں میں تاخیر مستحب ہے۔ ابر کے دن عشاء میں جلدی کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اگر ایسی حالت میں عشاء کی نماز کو مؤخر کیا گیا تو جماعت میں کمی واقع ہوگی اور بارش کی وجہ سے لوگ سستی کریں گے اور رخصت پر عمل کریں گے کیونکہ جب بارش کا دن ہوتا تو نبی کریم ﷺ اذان کے بعد اعلان کرادیتے تھے الا صلوا فی رحالکم۔ "خبردار ہو جاؤ کہ اپنے اپنے ٹھکانے پر نماز پڑھ لو"۔ عصر میں تعجیل کی وجہ یہ ہے کہ عصر کو مؤخر کرنے میں مکروہ وقت میں نماز واقع ہونے کا وہم ہے۔ کیونکہ عصر کا آخر وقت مکروہ ہے اس لئے عصر کی نماز میں تعجیل مستحب ہے۔ اس کے برخلاف فجر کی نماز کہ اس میں یہ وہم نہیں ہے کیونکہ فجر کی نماز کا وقت (صبح صادق سے طلوع آفتاب تک) دراز ہے لہٰذا فجر کی نماز کو مؤخر کرنے کے باوجود طلوع شمس سے وقت نماز واقع ہونے کا وہم نہیں ہوگا۔ اس وجہ سے ابر کے دن فجر کی نماز میں تاخیر مستحب ہے۔ اور ظہر اور مغرب میں تاخیر اس لئے مستحب ہے کہ ابر کے دن اگر ان کو جلدی ادا کیا گیا تو وقت سے پہلے ادائے نماز کا امکان ہے۔ اور چونکہ وقت سے پہلے نماز ادا نہیں ہوتی اس لئے ان میں تاخیر کو مستحب قرار دیا گیا۔ حسن بن زیاد کی امام صاحبؒ سے روایت ہے کہ ابر کے دن احتیاط اسی میں ہے کہ تمام نمازوں میں تاخیر کی جائے کیونکہ جلدی کرنے میں وقت سے پہلے نماز واقع ہونے کا احتمال ہے اور تاخیر میں وقت کے بعد واقع ہونے کا احتمال ہے۔ اور یہ بات مسلم ہے کہ وقت کے بعد نماز ادا کرنا جائز ہے گو قضا ہو۔ لیکن وقت سے پہلے ادا کرنا جائز نہیں نہ ادا اور نہ قضا۔ (تبیین الحقائق ص ۲۲۸)

اوقات مکروہہ کا بیان

وَمُنِعَ عَنِ الصَّلٰوۃِ: ہمارے نزدیک طلوع آفتاب نصف النہار اور غروب کے وقت نہ فرض نماز پڑھنا جائز ہے اور نہ نفل نماز ان اوقات میں امام شافعیؒ کے نزدیک فرض نماز پڑھنا جائز ہے۔ اور مکۃ المکرمہ میں نوافل پڑھنا بھی جائز ہے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ کا قول ہے: یا بنی عبد مناف لا تمنعوا احدا طاف بهذا البیت وصلی ای ساعة شاء من لیل او نهار۔ "کہ اے بنی عبد مناف کسی کو اس گھر کا طواف کرنے اور نماز پڑھنے سے منع مت کرو جس وقت وہ چاہے رات میں یا دن میں"۔ اس روایت سے معلوم ہوا کہ مکۃ المکرمہ میں ہر وقت نماز پڑھنے کی اجازت ہے۔ ہماری دلیل عقبہ بن عامرؓ کی حدیث ہے۔ قال:

ثلثة اوقات نهانا رسول الله ﷺ أن نصلی وان نقبر فیها موتانا عند طلوع الشمس حتی ترتفع وعند زوال الشمس حتی تزول وحین تضیف للغروب حتی تغرب: حدیث عقبہ ابن عامرؓ میں "صلاۃ" سے مراد ہے فرض ہو یا نفل اور "ان نقبر" سے مراد نماز جنازہ ہے کیونکہ ان اوقات میں میت کو دفن کرنا مکروہ نہیں ہے۔ اب مطلب یہ ہوگا کہ نبی کریم ﷺ نے ان اوقات میں مطلق نماز پڑھنے سے منع کیا ہے خواہ فرض ہو یا نفل اور نماز جنازہ سے منع کیا ہے۔ لہٰذا یہ حدیث مطلق ہونے کی وجہ سے امام شافعیؒ کے خلاف حجت ہے۔ اور امام شافعیؒ کی پیش کردہ حدیث کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث کو ابن عربی نے ضعیف قرار دیا ہے لہٰذا یہ حدیث ان صحیح اور مشہور احادیث کے مقابلہ میں حجت نہیں ہو سکتی جن سے حرمت ثابت ہوتی ہے۔

وَسَجْدَةُ التِّلَاوَةِ وَصَلَاةُ الْجِنَازَةِ عِنْدَ الطُّلُوْعِ وَالْاِسْتِوَاءِ وَالْغُرُوْبِ اگر غیر مکروہ وقت میں تلاوت کی ہو تو اوقات مکروہہ (طلوع، غروب، نصف النہار) میں سجدۂ تلاوت مکروہ تحریمی ہے۔ نماز جنازہ کا بھی یہی حکم ہے۔ اور اگر سجدۂ تلاوت انہی مکروہ اوقات میں کی ہو تو مکروہ تنزیہی ہے کیونکہ اس کو فی الفور ادا کرنا واجب نہیں ہے۔ لہٰذا مؤخر کرنا افضل ہے۔ البتہ اگر نماز جنازہ وقت مکروہ میں تیار ہوا ہو تو اسی وقت نماز پڑھ لی جائے مؤخر نہ کی جائے (فتاوی شامی) اور اسی طرح آج کی عصر غروب کے قریب پڑھی جا سکتی ہے۔ کیونکہ وجوب نماز کا سبب وہی جزء ہے جو وقت شروع سے متصل ہے لہٰذا غروب کے وقت جیسی نماز عصر واجب ہوئی ویسی ہی ادا کر لی جائیگی۔

وَالتَّنَفُّلُ بَعْدَ الصُّبْحِ وَالْعَصْرِ لَا عَنْ فَرْضٍ وَوَاجِبٍ: فجر کی نماز کے بعد سے طلوع آفتاب تک اور عصر کے بعد سے غروب آفتاب تک نوافل پڑھنا مکروہ ہے دلیل ابن عباسؓ کی حدیث ہے۔ شهد عندی رجال مرضیون وارضاهم عندی عمر ان النبی ﷺ نهی عن الصلوٰة بعد الصبح حتی تشرق الشمس وبعد العصر حتی تغرب۔ "ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ مجھے بندگان حق پسندیدہ نے شہادت دی جن میں میرے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ عمر ابن الخطابؓ ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے صبح کے بعد نماز سے منع کیا یہاں تک کہ سورج طلوع ہو جائے اور عصر کے بعد یہاں تک کہ سورج چھپ جائے"۔ اور ان دونوں وقتوں میں بھی فجر کے بعد اور عصر کے بعد قضا نمازیں پڑھنے اور سجدۂ تلاوت کرنے اور نماز جنازہ پڑھنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ کیونکہ فجر اور عصر بعد کراہت، فجر اور عصر کی نماز کی وجہ سے تھی تا کہ تمام وقت اسی وقت کے فرض میں مشغول ہو جائے۔ پس چونکہ کراہت حق فرض کی وجہ سے تھی لہٰذا حقیقتہ فرض کے حق میں کراہت ظاہر نہیں ہوگی کیونکہ حقیقت فرض کے ساتھ وقت کو مشغول کرنا اولیٰ ہے بہ نسبت حق فرض کے ساتھ مشغول کرنے کے۔ اس لئے فرائض کے حق میں اور جو اس کے ہم معنی ہے اس کے حق میں کراہت ظاہر نہیں ہوگی جیسے سجدۂ تلاوت اس لئے کہ سجدۂ تلاوت لذاتہ واجب ہے کیونکہ سجدۂ تلاوت کا وجوب بندے کے فعل پر موقوف نہیں ہے۔ کیونکہ سجدۂ تلاوت جس طرح آیت سجدہ تلاوت کرنے سے واجب ہوتا ہے اسی طرح آیت سجدہ سننے سے بھی واجب ہو جاتا ہے اگرچہ سننے کا ارادہ نہ کیا ہو لہٰذا سجدہ

بَابُ الْأَذَانِ

اذان کا بیان

چونکہ اذان دخول وقت کا اعلان ہے اس لئے پہلے اوقات بیان کیئے گئے اور اس کے بعد اذان کا ذکر کیا گیا۔ اذان لغت میں اعلام و اعلان کا نام ہے پھر غلبۃً نماز کے اعلان کیلئے استعمال کیا جانے لگا۔ چنانچہ جب بھی لفظ اذان بولا جاتا ہے تو اس سے نماز ہی کا اعلان مراد ہوتا ہے۔ اسی لغوی معنی میں باری تعالیٰ کے قول: ﴿وَأَذَانٌ مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ﴾ اور ﴿وَأَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ﴾ میں لفظ "اذان" اور "اَذِّن" مستعمل ہیں اور شریعت میں اذان کہتے ہیں مخصوص الفاظ کے ساتھ مخصوص طریقہ پر نماز کے وقت کے داخل ہونے کی خبر دینے کو۔ اذان کا ثبوت تو آیات و احادیث دونوں سے ہے لیکن اس کا تعین فقط احادیث سے ہے۔ آیت: ﴿وَإِذَا نَادَيْتُمْ إِلَى الصَّلٰوةِ اتَّخَذُوهَا هُزُوًا وَلَعِبًا﴾ "جب تم نماز کیلئے اعلان کرتے ہو تو وہ لوگ اس کے ساتھ ہنسی اور کھیل کرتے ہیں"۔ اس آیت میں نداء الی الصلوٰۃ سے مراد اذان ہی ہے (معارف القرآن)۔ اور وہ احادیث جن سے اذان کا ثبوت اور تعیین ہوتا ہے مختلف صحابہؓ سے مروی ہے۔ رہی یہ بات کہ اذان کب مشروع ہوئی سو اس کے بارے میں ملا علی قاری نے شرح نقایہ میں دو قول ذکر کئے ہیں۔ ایک یہ کہ اذان ۱ھ میں مشروع ہوئی۔ دوسرا یہ کہ ۲ھ میں مشروع ہوئی۔ اذان کی ابتداء مدینہ منورہ میں ۱ھ میں ہوئی اس سے پہلے نماز بے اذان کے پڑھی جاتی تھی چونکہ اس وقت تک مسلمانوں کی تعداد تھوڑی سی تھی اس لئے ان کو جماعت کیلئے جمع ہو جانا بغیر کسی اطلاع کے دشوار نہ تھا۔ جب مسلمانوں کی تعداد یوماً فیوماً ترقی کرنے لگی اور مختلف طبقات کے لوگ جوق در جوق اسلام میں داخل ہونے لگے تو اس امر کی ضرورت پیش آئی کہ نماز کا وقت آنے اور جماعت قائم ہونے کی اطلاع ان کو دی جائے جس سے وہ اپنے اپنے قریب و بعید مقامات سے جماعت کیلئے مسجد میں آ سکیں۔ لہٰذا اذان کا یہ طریقہ اس غرض کے پورا کرنے کیلئے مقرر کیا گیا۔ اور اذان اسی امت کیلئے خاص ہے پہلی امتوں میں نہ تھی۔ اذان کی مشروعیت کا مختصر قصہ یہ ہے کہ جب صحابہؓ کو نماز اور جماعت کے اوقات کی اطلاع کی ضرورت محسوس ہوئی تو انہوں نے آپس میں مشورہ کیا۔ بعض نے رائے دی کہ یہود کی طرح سنکھ بجایا جائے۔ بعض حضرات نے کہا کہ آگ جلا دی جایا کرے۔ مگر نبی کریم ﷺ نے اس کو پسند نہیں فرمایا۔ عمرؓ نے یہ رائے دی کہ نماز کے وقت "الصلوٰۃ جامعۃ" کہہ دیا جائے۔ اس کے بعد عبداللہ بن زیدؓ انصاری اور فاروق اعظمؓ نے خواب دیکھا کہ ایک فرشتے نے یہ طریقہ اذان کا جو آگے بیان کیا جائیگا۔ ان کو تعلیم کیا کہ اس سے نماز کے اوقات اور جماعت کی اطلاع مسلمانوں کو کی جایا کرے۔ (علم الفقہ ص ۱۵۱)

سُنَّ لِلْفَرَائِضِ بِلَا تَرْجِيعٍ وَلَحْنٍ وَيَزِيدُ بَعْدَ فَلَاحِ أَذَانِ الْفَجْرِ اَلصَّلَاةُ خَيْرٌ مِنَ النَّوْمِ مَرَّتَيْنِ وَالْإِقَامَةُ مِثْلُهُ وَيَزِيدُ بَعْدَ فَلَاحِهَا قَدْ قَامَتِ الصَّلَاةُ مَرَّتَيْنِ وَيَتَرَسَّلُ فِيهِ وَيَحْدُرُ فِيهَا وَيَسْتَقْبِلُ بِهِمَا

وَيَجْعَلُ إِصْبَعَيْهِ فِي أُذُنَيْهِ ۔ اذان دیتے وقت مؤذن کیلئے افضل یہ ہے کہ دونوں اپنی دونوں انگلیاں اپنے دونوں کانوں میں داخل کرے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے حضرت بلالؓ کو اس کا حکم دیا تھا طبرانی نے حدیث کو ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے اذا اذنت فاجعل اصبعيك في اذنيك فانه ارفع لصوتك ۔ یعنی جب تو اذان دے تو اپنی دونوں انگلیاں اپنے کانوں میں داخل کرلیا کر کیونکہ یہ تیری آواز کو زیادہ بلند کرنے والا ہے۔ عقلی دلیل یہ ہے کہ اعلام واعلان جو اذان کا مقصود اصلی ہے وہ اس سے خوب پورا ہوتا ہے اور اگر مؤذن نے ایسا نہیں کیا تو بھی اذان ٹھیک رہی کیونکہ یہ فعل سنن ہدیٰ میں سے نہیں ہے بلکہ سنن زوائد میں سے ہے۔

تثویب کی تعریف اور اس کا حکم

وَيُثَوِّبُ : تثویب کا لغوی معنی رجوع اور عود کرنے کے ہیں اور شریعت کی اصطلاح میں تثویب اعلام بعد الاعلام کو کہتے ہیں ملا علی قاری نے لکھا ہے کہ اذان اور اقامت کے درمیان نماز کے اعلان کا نام تثویب ہے تثویب کی دو قسمیں ہیں۔ اول تثویب قدیم اور وہ الصلوٰۃ خیر من النوم ہے۔ دوسری قسم تثویب محدث ہے یہ ہے کہ اذان اور اقامت کے درمیان دوبار حی علی الصلوٰۃ حی علی الفلاح یا اس کے ہم معنی اپنے یہاں کے عرف کے مطابق کہے تثویب میں نہ الفاظ مخصوص ہیں اور نہ ان کا عربی ہونا ضروری ہے "الصلوٰۃ" کہہ دیا یا "قامت قامت" کہا تو یہ بھی تثویب ہے اسی طرح اگر کوئی شخص یوں کہہ دے کہ نماز تیار ہے یا نماز ہوتی ہے یا اور کوئی لفظ تب بھی درست ہے اور اگر صرف کھنکھارنے سے لوگ سمجھ جائیں تو یہ بھی تثویب ہے۔ حاصل یہ کہ جیسا جہاں دستور ہو اسی کے مطابق وہاں تثویب کی جائے اس تثویب کو محدث اس لئے کہتے ہیں کہ یہ نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں تھی اور نہ عہد صحابہ میں بلکہ بعد میں ایجاد ہوئی ہے جمہور متقدمین کے نزدیک یہ نماز فجر کے علاوہ دوسری نمازوں میں مکروہ ہے لیکن متاخرین نے تمام نمازوں میں اس کو جائز بلکہ مستحسن قرار دیا ہے کیونکہ لوگوں کے دین میں سستی اور کمزوری پیدا ہوگئی ہے۔ اس لئے ان کو نماز کی دعوت دینا اچھی بات ہے البتہ مغرب میں تثویب نہیں ہے۔ (فتاویٰ شامی ص ۲۶۹)

وَيَجْلِسُ بَيْنَهُمَا إِلَّا فِي الْمَغْرِبِ: اذان اور اقامت کے درمیان وقت مستحب کا خیال رکھتے ہوئے اتنی دیر بیٹھے کہ جو لوگ ہمیشہ نماز کی پابندی کرتے ہیں وہ آجائیں البتہ مغرب میں صرف چھوٹی تین آیات کی مقدار فاصلہ کرنا چاہئے کیونکہ اذان اور اقامت کے درمیان وصل بالاجماع مکروہ ہے۔ (فتاویٰ شامی ص ۲۷۰)

وَيُؤَذِّنُ لِلْفَائِتَةِ وَيُقِيمُ وَخُيِّرَ فِيهِ وَلَا يُؤَذِّنُ قَبْلَ وَقْتٍ وَيُعَادُ فِيهِ وَكُرِهَ أَذَانُ الْجُنُبِ وَإِقَامَتُهُ وَإِقَامَةُ الْمُحْدِثِ وَأَذَانُ الْمَرْأَةِ وَالْفَاسِقِ وَالْقَاعِدِ وَالسَّكْرَانِ لَا أَذَانُ الْعَبْدِ وَوَلَدِ الزِّنَا وَالْأَعْمَى وَالْأَعْرَابِيِّ وَكُرِهَ تَرْكُهُمَا لِلْمُسَافِرِ لَا لِمُصَلٍّ فِي بَيْتِهِ فِي الْمِصْرِ .

ترجمہ۔ اور فوت شدہ نماز کیلئے اذان دے اور اقامت بھی کہے اسی طرح پہلی فوت شدہ نماز کیلئے اذان کہے دوسری نمازوں میں اختیار ہے اور قبل

کی اذان کا اعادہ کیا جائے اور اقامت کا اعادہ نہ کیا جائے۔ کیونکہ اذان کے اندر فی الجملہ تکرار مشروع ہے جیسے جمعہ میں اذان دو بار دی جاتی ہے لیکن اقامت کا تکرار مشروع نہیں۔

وَأَذَانُ الْمَرْأَةِ: اور عورت کی اذان بھی مکروہ ہے کیونکہ اگر عورت نے بآواز بلند اذان دی تو اس نے فعل حرام کا ارتکاب کیا اس لئے کہ عورت کی آواز بھی عورت ہوتی ہے یعنی جس طرح عورت واجب الستر ہے اسی طرح اس کی آواز بھی واجب الستر ہے اور اگر اس نے آواز بلند نہیں کی تو مقصود اذان فوت ہو گیا اس لئے مستحب یہ ہے کہ اس کی اذان کا اعادہ کیا جائے۔ دوسری بات یہ ہے کہ عورتوں پر نہ اذان ہے اور نہ اقامت کیونکہ یہ دونوں نماز با جماعت کے سنتیں ہیں اور عورتوں کی جماعت منسوخ ہو گئی ہاں اگر وہ جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا چاہیں تو بغیر اذان اور بغیر اقامت کے پڑھیں۔

وَالْفَاسِقِ وَالْقَاعِدِ وَالسَّكْرَانِ: اور فاسق کی اذان بھی مکروہ ہے کیونکہ اس کی کسی بات کا اعتبار نہیں کیا جاتا حتی کہ دنیاوی امور میں اس کی گواہی کو قبول کیا جاتا ہے۔ اور بیٹھے ہوئے شخص کی اذان خلاف سنت ہونے کی وجہ سے مکروہ ہے کیونکہ جو فرشتہ تعلیم اذان کیلئے بھیجا گیا تھا اس نے کھڑے ہو کر اذان دی تھی۔ اور نشہ میں مست شخص کی اذان اس کے فاسق ہونے کی وجہ سے مکروہ ہے یا اس وجہ سے مکروہ ہے کہ اس کو اوقات صلوٰۃ کی پہچان نہیں ہے۔

لَا أَذَانُ الْعَبْدِ وَوَلَدِ الزِّنَا وَالْأَعْمَى وَالْأَعْرَابِيِّ: غلام اور حرام زادہ اور نابینے اور دیہاتی کی اذان مکروہ نہیں ہے کیونکہ دنیاوی امور میں ان کی بات کو قبول کیا جاتا ہے۔

وَكُرِهَ تَرْكُهُمَا لِلْمُسَافِرِ: مسافر کو اذان اور اقامت دونوں کہنا چاہئے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے ابو ملیکہ کے دو صاحبزادوں کو فرمایا تھا: اذا سافرتما فاذّنا واقیما "جب تم دونوں سفر کرو تو اذان دو اور اقامت کہو" اگر مسافر نے اذان اور اقامت دونوں کو چھوڑ دیا تو یہ مکروہ ہے کیونکہ یہ حدیث کے مخالف ہے اور اگر اقامت کہی اور اذان کو چھوڑ دیا تو یہ جائز ہے کیونکہ اذان کا مقصد غائب لوگوں کو نماز کا وقت داخل ہونے کی خبر دینا ہے تاکہ وہ تیار ہو کر نماز کیلئے آ جائیں اور یہاں حال یہ ہے کہ رفقاء سفر سب موجود ہیں اس لئے اس صورت میں اذان کی چنداں ضرورت نہیں رہی اور اقامت کہی جاتی ہے نماز شروع ہونے کی اطلاع دینے کیلئے اور ظاہر ہے کہ وہ سب اس کے محتاج ہیں۔

لَا لِمُصَلٍّ فِي بَيْتِهِ فِي الْمِصْرِ: اور شہر کے اندر اپنے گھر میں نماز پڑھنے والے کیلئے اذان اقامت چھوڑنا مکروہ نہیں ہے بشرطیکہ اس محلے میں اذان واقامت ہو چکی ہو۔ کیونکہ ایک مرتبہ ابن مسعودؓ نے اور اسود کو بغیر اذان اور اقامت کے نماز پڑھائی۔ کسی نے ابن مسعودؓ سے کہا کہ آپ نے نہ اذان دی نہ اقامت کہی تو فرمایا: اذان الحی یکفینا "ہم کو محلے کی اذان کافی ہے"۔ البتہ اس کیلئے اذان اقامت دونوں مستحب ہیں خواہ تنہا پڑھے یا جماعت سے پڑھے اور اگر اس محلے میں اذان نہیں ہوئی تو اذان اقامت چھوڑنا مکروہ ہے اور صرف اذان چھوڑنا مکروہ نہیں اگر صرف اقامت چھوڑ دی تو مکروہ ہے۔

بَابُ شُرُوْطِ الصَّلٰوۃِ

نماز کی شرطوں کا بیان

شرط (بسکون العین) اصل میں مصدر ہے شرط (ن ض) شرطاً کسی چیز کو لازم کرنا اس کی جمع شروط ہے۔ اور شرط (بالتحریک) بمعنی علامت ہے اس کی جمع اشراط آتی ہے۔ (کما فی قولہ تعالیٰ: ﴿فقد جاء اشراطها﴾ ای علاماتها۔ دیا لفظ شرائط سو وہ شریطہ کی جمع ہے بمعنی پھٹے ہوئے کان والا اونٹ۔ اور اصطلاحی معنیٰ وہ چیز جس پر کسی چیز کا پایا جانا موقوف ہو اور یہ اس چیز میں داخل نہ ہو۔ شروط نماز تین قسم پر ہیں۔ اول شرط انعقاد: جیسے نیت، تحریمہ، وقت، جمعہ کا خطبہ۔ دوم شرط دوام: جیسے طہارت، ستر عورت، استقبال قبلہ۔ سوم شرط بقاء: جیسے قرات پھر یہ تینوں قسم کی شرطیں ایک دوسرے میں متداخل ہیں کیونکہ ان میں عموم خصوص مطلق ہے۔ شرط دوام خاص ہے اور شرط انعقاد و شرط بقاء عام مثلاً طہارت جو شرط دوام ہے اگر ابتداء نماز میں اس کے وجود کا لحاظ کریں تو شرط انعقاد ہے اور اگر حالت بقاء میں اس کے وجود کو شرط سمجھیں تو شرط بقاء ہے۔ مصنفؒ نے گذشتہ صفحات میں نماز کے اسباب یعنی اوقات کا ذکر کیا پھر علامت اوقات یعنی اذان کا ذکر کیا اب اس باب میں نماز کی شرطوں کو بیان کریں گے۔

هِيَ طَهَارَةُ بَدَنِهٖ مِنْ حَدَثٍ وَخَبَثٍ وَثَوْبِهٖ وَمَكَانِهٖ وَسَتْرُ عَوْرَتِهٖ وَهِيَ مَا تَحْتَ سُرَّتِهٖ إِلٰى تَحْتِ رُكْبَتِهٖ وَبَدَنُ الْحُرَّةِ عَوْرَةٌ إِلَّا وَجْهَهَا وَكَفَّيْهَا وَقَدَمَيْهَا وَكَشْفُ رُبْعِ سَاقِهَا يَمْنَعُ وَكَذَا الشَّعْرُ وَالْبَطْنُ وَالْفَخِذُ وَالْعَوْرَةُ الْغَلِيْظَةُ وَالْأَمَةُ كَالرَّجُلِ وَظَهْرُهَا وَبَطْنُهَا عَوْرَةٌ وَلَوْ وَجَدَ ثَوْبًا رُبْعُهُ طَاهِرٌ وَصَلّٰى عُرْيَانًا لَمْ يَجُزْ وَخُيِّرَ إِنْ طَهُرَ أَقَلُّ مِنْ رُبْعِهٖ وَلَوْ عَدِمَ ثَوْبًا صَلّٰى قَاعِدًا مُوْمِيًا بِرُكُوْعٍ وَسُجُوْدٍ وَهُوَ أَفْضَلُ مِنَ الْقِيَامِ بِرُكُوْعٍ وَسُجُوْدٍ.

ترجمہ: اور طہارت نمازی کے بدن کا حکمی وحقیقی نجاست سے اور اس کے کپڑے اور جگہ کا پاک ہونا ہے اور اپنے ستر کو چھپانا اور (مرد کا) ستر ناف کے نیچے سے گھٹنوں کے نیچے تک ہے۔ اور آزاد عورت کا کل بدن ستر ہے سوائے چہرے اور ہتھیلیوں اور قدموں کے اور اس کی چوتھائی پنڈلی کا کھلنا مانع ہے اسی طرح بال اور پیٹ اور ران اور شرمگاہ اور باندی مرد کے مثل ہے اور اس کی پیٹھ اور پیٹ بھی ستر ہے۔ اور اگر کسی نے ایسا کپڑا پایا جس کا چوتھائی پاک ہے اور اس نے برہنہ نماز پڑھ لی تو درست نہ ہوگی اور اس کو اختیار ہے اگر چوتھائی سے کم پاک ہو اور اگر کپڑا نہ ہو تو نماز بیٹھ کر پڑھے اور رکوع و سجدہ اشارہ سے کرے یہ کھڑے ہو کر رکوع اور سجدہ کرنے سے بہتر ہے۔

لغات: ثوب: کپڑا۔ ستر: چھپانا۔ عورۃ: انسان کے وہ مخصوص حصے جن کو شرم کی وجہ سے چھپایا جاتا ہے۔ سرۃ: ناف۔ رکبۃ: گھٹنے۔ حرۃ: آزاد عورت۔ ساق: پنڈلی۔ شعر: بال۔ بطن: پیٹ۔ فخذ: ران۔ العورۃ الغلیظۃ: فرج، پیشاب گاہ۔ امۃ: باندی۔ ظہر: پیٹھ۔ عاری: ننگا۔ مومی: اشارہ کرنے والا۔

هي طهارة بدنه من حدث: صحت نماز کیلئے نمازی کا بدن حدث اصغر اور حدث اکبر سے پاک ہونا اس کے کپڑے اور جگہ کا پاک ہونا ضروری ہے۔ کپڑے کا اعتبار اسی قدر ہے جو نمازی کے بدن سے متعلق ہو چنانچہ جو کپڑا نمازی کی جنبش سے ہلتا ہو وہ اس کے بدن پر ہی شمار ہوگا جگہ کی پاکی سے مراد یہ ہے کہ دونوں قدم کے نیچے اور مقام سجدہ پر قدر مانع نجاست نہ ہو۔ یعنی دونوں ہاتھوں اور دونوں گھٹنوں اور پیشانی کے رکھنے کی جگہ پر نجاست نہ ہو۔

وخبث وثوبه ومكانه وستر عورته وهي ما تحت سرته إلى تحت ركبته: اور نمازی کو اپنا ستر چھپانا ضروری ہے جو احناف، شوافع، امام احمد اور عام فقہاء کے نزدیک شرط ہے پھر ہمارے علماء ثلاثہ کے نزدیک مرد کا ستر ناف کے نیچے سے گھٹنے تک ہے یعنی ناف ستر نہیں البتہ گھٹنا ستر ہے۔ اور امام شافعیؒ کے نزدیک اس کا برعکس ہے یعنی ناف ستر ہے اور گھٹنا ستر نہیں ہے۔ ہماری دلیل نبی کریم ﷺ کا قول عورة الرجل ما بين سرته إلى ركبته "مرد کا ستر ناف اور اس کے گھٹنے کے مابین ہے" اور دوسری روایت میں ہے ما دون سرته حتى تجاوز ركبته کہ ناف کے نیچے سے ہے حتیٰ کہ گھٹنے سے تجاوز کر جائے۔ ان دونوں حدیثوں سے ظاہر ہو گیا کہ ناف ستر میں داخل نہیں ہے البتہ گھٹنا ستر میں داخل ہے لیکن اگر اشکال کیا جائے کہ روایت اولیٰ میں کلمہ الی غایت کیلئے ہے اور غایت مغیا میں داخل نہیں ہوتی لہٰذا گھٹنا مرد کے ستر میں داخل نہیں ہوگا تو اس کا جواب یہ ہے کہ کلمہ "الی" کو "مع" کے معنی پر محمول کریں گے جیسے ارشاد باری تعالیٰ ﴿ولا تأكلوا أموالهم إلى أموالكم﴾ میں الی، مع کے معنی میں ہے اور اس پر قرینہ ایک تو وہ حدیث ہے جس میں حتى تجاوز ركبته اور دوسرا نبی کریم ﷺ کا قول: الركبة من العورة. حاصل یہ کہ ان تینوں روایات میں تطبیق اسی وقت ہو سکتی ہے جبکہ کلمہ "الی" کو "مع" کے معنی پر محمول کیا جائے۔

وبدن الحرة عورة إلا وجهها وكفيها وقدميها: آزاد عورت کا پورا بدن عورت ہے سوائے اس کے چہرے کے اور اس کی ہتھیلیوں کے۔ دلیل ابن مسعودؓ کی روایت ہے، انہ عليه السلام قال المرأة عورة فإذا خرجت استشرفها الشيطان عورت، عورت ہے یعنی واجب الستر ہے پس جب وہ نکلی تو شیطان اس کو نظر اٹھا کر دیکھتا ہے۔ اور اس کے دونوں قدم بھی عورت میں نہیں ہیں اور یہی اصح ہے کیونکہ عورت کے قدم کو دیکھ کر اس درجہ اشتہاء حاصل نہیں ہوتا جیسا کہ اس کے چہرے کو دیکھ کر حاصل ہوتا ہے پس جب کثرت اشتہاء کے باوجود چہرہ عورت نہیں تو قدم بدرجہ اولیٰ عورت نہیں ہوں گے۔

نماز میں عورت کی چوتھائی پنڈلی کھلنے کا حکم

وكشف ربع ساقها يمنع وكذا الشعر والبطن والفخذ: اگر آزاد عورت نے نماز پڑھی اس حالت میں کہ اس کی چوتھائی پنڈلی کھلی ہے تو اس پر نماز کا اعادہ کرنا واجب ہے اور اگر چوتھائی سے کم کھلی ہو تو اعادہ واجب نہیں۔ یہ حکم طرفینؒ کے مذہب کے مطابق ہے۔ امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ اگر نصف سے کم کھلی ہو تو نماز کا اعادہ واجب نہیں ہے اور نصف پنڈلی کھلنے کی صورت میں اعادہ واجب ہے۔ ہمارے علماء کا اس بات پر تو اتفاق ہے کہ عضو کے قلیل حصہ کا کھلنا معاف ہے اور کثیر کا کھلنا معاف نہیں ہے

روایت قلیل و کثیر کی حد فاصل میں اختلاف ہے چنانچہ طرفینؒ کے نزدیک چوتھائی کی مقدار کثیر ہے اور اس سے کم قلیل ہے۔ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک نصف سے کم قلیل ہے۔ کیونکہ کسی چیز کی کثرت کے ساتھ اسی وقت متصف ہو سکتی ہے جبکہ اس کے مقابلے میں اس سے کم ہو۔ حاصل یہ کہ نصف سے کم کثیر نہیں بلکہ قلیل ہے اور مقدار قلیل کے کھلنے سے نماز کا اعادہ واجب نہیں ہوتا۔ اس لئے کہا گیا کہ اگر نصف پنڈلی سے کم کھلی ہے تو نماز کا اعادہ واجب نہیں ہوگا۔ طرفینؒ کی دلیل یہ ہے کہ بہت سے احکام اور کلام کے استعمال کے مواقع میں چوتھائی کل کے قائم مقام ہوتا ہے مثلاً سر کے مسح میں چوتھائی سر پورے سر کے قائم مقام ہے۔ اسی طرح اگر محرم نے احرام کی حالت میں سر منڈوایا تو قربانی واجب ہوتی ہے اور اگر چوتھائی سر منڈوایا تب بھی اس کے مثل قربانی واجب ہوگی۔ پس معلوم ہوا کہ چوتھائی سر پورے سر کے قائم مقام ہے۔ پس جب چوتھائی کو کل کا حکم حاصل ہے تو چوتھائی پنڈلی کھلنے سے کہا جائیگا کہ پوری پنڈلی کھل گئی ہے اور پوری پنڈلی کھلنے سے نماز کا اعادہ واجب ہے لہٰذا چوتھائی کھلنے سے نماز کا اعادہ واجب ہوگا۔ بال پیٹ اور ران کا یہی حکم ہے جو پنڈلی کا ہے یعنی طرفینؒ کے نزدیک ان میں سے کسی ایک کا چوتھائی کھل جانا جواز صلوٰۃ کیلئے مانع ہے۔ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک نصف کا کھلنا مانع صلوٰۃ ہے اور نصف سے زائد کا کھلنا تمام روایات میں مانع صلوٰۃ ہے۔ کیونکہ ان میں سے ہر ایک علیحدہ عضو ہے لہٰذا پنڈلی کی مانند ہر ایک میں اختلاف جاری ہوگا۔ اور یہاں بالوں سے مراد وہ ہیں جو سر سے نیچے لٹکے ہوتے ہیں۔ یہی صحیح ہے۔ وہ بال مراد نہیں جو سر سے متصل ہیں کیونکہ وہ بالاتفاق سر ہیں۔

وَالْعَوْرَةُ الْغَلِيظَةُ: اور عورت غلیظہ یعنی قبل اور دبر میں بھی اسی اختلاف پر ہے حتیٰ کہ چوتھائی کا کھلنا طرفینؒ کے نزدیک موجب اعادہ ہے۔ اور امام ابو یوسفؒ نزدیک موجب اعادہ نہیں ہے۔ اور ذکر (مرد کا عضو تناسل) تنہا ایک عضو ہے اور دونوں خصیے علیحدہ ایک عضو ہے ان میں سے کسی ایک کا اگر چوتھائی کھل گیا تو نماز کا اعادہ واجب ہوگا۔ دونوں ملا کر ایک عضو نہیں ہیں اور یہی صحیح قول ہے۔ (فتاویٰ شامی) اور امام شافعیؒ کے نزدیک منع جواز صلوٰۃ میں قلیل و کثیر سب برابر ہیں۔

وَالْأَمَةُ كَالرَّجُلِ وَظَهْرُهَا وَبَطْنُهَا عَوْرَةٌ: مرد کا جو جسم عورت ہے یعنی ناف سے گھٹنے تک وہی جسم باندی کا ستر عورت ہے۔ اس کے علاوہ باندی کا پیٹ اور اس کی پیٹھ بھی عورت ہے کیونکہ یہ دونوں محل شہوت ہیں لہٰذا ان کا چھپانا بھی فرض ہے البتہ اس حصے کے علاوہ اس کا بدن عورت نہیں ہے کیونکہ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے ایک باندی کو اوڑھنی اوڑھے ہوئے دیکھا تو فرمایا:

"اکشفي رأسك ولا تتشبهي بالحرائر" "اپنا سر کھول اور آزاد عورت کے مشابہ مت ہو"۔

وَلَوْ وَجَدَ ثَوْبًا رُبُعُهُ طَاهِرٌ وَصَلَّى عُرْيَانًا لَمْ يَجُزْ وَخُيِّرَ إِنْ طَهُرَ أَقَلُّ مِنْ رُبُعِهِ: اگر کسی شخص نے ایسا کپڑا پایا ہو جس کا چوتھائی یا اس سے زائد پاک ہو اور پھر بھی وہ ننگا ہو کر نماز پڑھے تو بالاتفاق نماز جائز نہ ہوگی۔ کیونکہ چوتھائی کل کے قائم مقام ہوتا ہے تو گویا کل کپڑا پاک ہے اور پاک کو چھوڑ کر ننگے نماز پڑھنا جائز نہیں۔ اور اگر چوتھائی سے کم پاک ہو تو شیخینؒ کے نزدیک اس کو اختیار ہے چاہے ننگا ہو کر نماز پڑھے اور چاہے تو اس نجس کپڑے میں پڑھے۔ اور یہی افضل ہے۔ اس

کرنے میں غلطی ہو جائے تو نماز دوبارہ پڑھے۔ اور اگر نماز میں غلطی معلوم ہو جائے تو نماز ہی میں گھوم جائے اگرچہ لوگوں نے چند مختلف سمتوں کو تحری کی ہو اپنے امام کے ساتھ سے بے خبر ہے تو ان کی نماز جائز ہے۔

نماز میں نیت کا طریقہ اور بلا فصل کا مطلب

والنیۃ بلا فصل: صحت نماز کیلئے نیت کا ہونا شرط ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: انما الاعمال بالنیات پھر جس نماز میں داخل ہوتا ہے اس کی نیت کرے۔ افضل تو یہ ہے کہ نیت تکبیر کے مقارن اور متصل ہو لیکن اگر تکبیر تحریمہ سے پہلے کرنے اور نیت اور تکبیر تحریمہ کے درمیان کوئی منافی نماز اور قاطع نماز عمل نہیں پایا گیا تو بھی درست ہے۔ مثلاً اگر وضو کے وقت نیت کی کہ ظہر کی نماز امام کے ساتھ پڑھوں گا اور وضو کے بعد کسی منافی صلوٰۃ کام میں مشغول نہیں ہوا اور مسجد چلا گیا اور جس وقت نماز شروع کی اس وقت اس کے دل میں نیت موجود نہیں تھی تو اسی نیت سے اس کی یہ نماز جائز ہو جائیگی۔ یہی شیخینؒ سے مروی ہے۔ اور اگر نیت اور تحریمہ کے درمیان منافی نماز اور قاطع نماز عمل پایا گیا تو یہ نیت کافی نہیں ہوگی مثلاً وضو کے وقت امام کے ساتھ ظہر کی نماز پڑھنے کی نیت کی پھر کھانے پینے میں لگ گیا تو اب اس کو از سر نو نماز کی نیت کرنی ضروری ہوگی پہلی نیت کافی نہ ہوگی۔

والشرط ان یعلم بقلبہ ای صلوٰۃ یصلی: اور نیت کی شرط یہ ہے کہ اس کا دل جانتا ہو کہ وہ کونسی نماز ادا کر رہا ہے۔ اور اس کی علامت یہ ہے کہ جب اس سے دریافت کیا جائے تو اس کیلئے فی البدیہہ جواب دینا ممکن ہو کہ فلاں نماز پڑھ رہا ہوں اور اگر اس نے جواب میں توقف کیا تو سمجھا جائیگا اس کو اس کا علم نہیں کہ کون سی نماز پڑھ رہا ہے اور صرف زبان سے ذکر کرنا تو جواز کے حق میں اس کا اعتبار نہیں ہے لیکن قلب کے ساتھ زبان سے نیت کرنے کو متاخرین نے مستحسن کہا ہے تاکہ اس کا عزم بھی مجتمع ہو جائے۔

نماز پڑھنے کی نیت کا مفصل طریقہ

ویکفیہ مطلق النیۃ للنفل والسنۃ والتراویح وللفرض شرط تعیینہ کالعصر مثلاً والمقتدی ینوی متابعتہ ایضاً: نمازی جس نماز کو شروع کرنا چاہتا ہے وہ فرض ہوگی یا غیر فرض اگر غیر فرض ہے تو اس میں مطلق نیت کافی ہے نفل ہو یا سنت یہی قول صحیح ہے۔ کیونکہ نیت سے عادت اور عبادت کے درمیان امتیاز کرنے کیلئے ہوتی ہے اور یہ مقصد مطلق نیت سے حاصل ہو جاتا ہے۔ اس لئے مطلق نیت کافی ہوگی۔ اور اگر وہ نماز فرض ہے تو اس کی بھی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ اس کو منفرداً ادا کرے۔ دوم یہ کہ امام کی اقتداء میں ادا کرے۔ پس اگر وہ منفرد ہے تو جس نماز میں داخل ہوتا ہے اس کو متعین کرنا ضروری ہے مثلاً ظہر پڑھنا چاہتا ہے تو ظہر کو متعین کرنا ضروری ہے صرف یہ کہنا کافی نہیں ہوگا کہ میں نے فرض کی نیت کی کیونکہ فرض مختلف ہیں اس لئے ان میں امتیاز کرنا ضروری ہوگا۔ اور اگر فرض نماز دوسرے کی اقتداء میں ادا کرے تو مذکورہ بالا نیت کے علاوہ اقتداء کی نیت بھی کرے کیونکہ مقتدی کو امام کی جانب سے فساد نماز لازم آتا ہے۔ یعنی اگر امام کی نماز فاسد ہوگی تو مقتدی کی نماز بھی فاسد ہو جائیگی۔ اس لئے متابعت کی نیت کرنا ضروری ہے۔

وللجنازة ينوي الصلاة لله تعالى والدعاء للميت: جنازہ کی نماز میں میت کیلئے دعا کی نیت بھی ملائے اور یوں نیت کرے کہ نماز اللہ تعالیٰ کے واسطے ہے اور دعا میت کے واسطے، اور اگر امام دل میں یہ نیت کرلے کہ "میں اس جنازہ کی نماز پڑھتا ہوں" تب بھی صحیح ہے اور مقتدی دل میں یوں نیت کرلے کہ میں اس امام کی اقتدا کرتا ہوں تو جائز ہے یعنی میت کا مذکر یا مؤنث متعین کرنا ضروری نہیں ہے اور میت کیلئے دعا کی نیت کا ملانا لازمی نہیں البتہ بہتر ہے۔ اگر نمازی پر میت مشتبہ ہو جائے اور یہ معلوم نہ ہو کہ مرد ہے یا عورت تو وہ یوں کہے کہ میں نیت کرتا ہوں کہ امام کے ساتھ نماز پڑھوں جس پر کہ امام نماز پڑھتا ہے یا یوں کہے "میرا امام جس کی نماز پڑھتا ہے میں اس کی نماز پڑھتا ہوں۔ اگر نماز جنازہ میں مرد کی نیت کی پھر معلوم ہوا کہ وہ عورت ہے یا اس کے برعکس کیا پھر معلوم ہوا کہ وہ مرد ہے تو اگر جنازہ حاضرہ کی طرف اشارہ نہ ہو تو نماز درست نہیں ہوگی کیونکہ اگرچہ نیت میں مذکر و مؤنث کا متعین کرنا لازمی نہیں ہے لیکن جب متعین کردیا تو اس تعیین کا صحیح ہونا لازمی ہے اور اس میں غلطی ہو جانا ایسا ہے جیسا کہ امام کے تعیین میں غلطی ہو جانا اگر جنازہ حاضرہ کی طرف اشارہ بھی کیا اور مذکر و مؤنث کے تعیین میں غلطی ہوئی مثلاً یوں نیت کی کہ اس جنازہ کی نماز پڑھتا ہوں جو کہ مرد ہے لیکن بعد میں معلوم ہوا کہ وہ عورت ہے یا اس کا بالعکس تو اشارہ سے متعین ہو جانے کی وجہ سے اس کی نماز ہو جائیگی۔

واستقبال القبلة فللمكي فرضه إصابة عينها ولغيره إصابة جهتها: استقبال قبلہ بھی شرط ہے کیونکہ باری تعالیٰ کا قول ہے ﴿فولوا وجوهكم شطره﴾ ای نحو المسجد الحرام۔ پھر نمازی کی دو صورتیں ہیں یا تو وہ مکۃ المکرمہ میں نماز ادا کرے گا یا مکۃ المکرمہ سے غائب ہو کر دوسری جگہ ادا کرے گا۔ پس پہلی صورت میں عین کعبہ کی طرف رخ کرنا فرض ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ جب مسجد حرام میں نماز پڑھتے تو کعبہ کی طرف متوجہ ہو کر پڑھتے۔ یہی صحابہ اور تابعین کا تھا گویا اس پر اجماع ہو گیا۔ اور دوسری صورت میں جہت کعبہ کو قبلہ بنانا فرض ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ اور مسلمان مدینہ منورہ میں تھے اور اللہ تعالیٰ نے ان کو مسجد حرام کی طرف توجہ کرنے کا حکم فرمایا نہ کہ عین کی طرف۔ اس سے واضح ہوا کہ جو شخص مکہ سے غائب ہو، اس کو عین کعبہ کو قبلہ گاہ بنانا لازم نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ بندوں کو بقدر طاقت ہی مکلف بناتے ہیں ارشاد ہے: ﴿لا يكلف الله نفسا إلا وسعها﴾۔

والخائف يصلي إلى أي جهة قدر: اگر کوئی شخص خوف کی وجہ سے استقبال قبلہ پر قدرت نہیں رکھتا تو جس طرف قادر ہو اس طرف رخ کرکے نماز پڑھ لے خواہ خوف جانی ہو یا مالی۔ دشمن کا ہو یا درندہ یا مرض کا۔ مثلاً اگر کسی کو اس کا خوف ہے کہ میں نے اگر حرکت کی اور استقبال قبلہ کیا تو دشمن محسوس کرلے گا تو اس کیلئے بیٹھ کر یا لیٹ کر اشارہ سے جس طرف ممکن ہو رخ کرکے نماز پڑھ لینا جائز ہے۔ اسی طرح اگر کشتی ٹوٹ گئی اور ایک شخص کشتی کے تختہ پر بیٹھا ہوا ہے اس کو اندیشہ ہے کہ اگر استقبال قبلہ کیا تو پانی میں گر پڑے گا تو جس طرف ممکن ہو متوجہ ہو کر نماز پڑھ لے۔ (تبیین الحقائق ۱۰۲)

ہے بعض نے اس کو رکن اور فرض شمار کیا ہے اور مصنفؒ نے بھی اس کو فرض قرار دیا ہے۔ لیکن قعدۂ اخیرہ امام صاحبؒ اور صاحبینؒ کے نزدیک بالاتفاق فرض ہے اور رکن نہیں ہے اسی پر محققین ہیں اور یہی صحیح ہے۔ (تبیین الحقائق ج ۱ ص [illegible] شرح وقایہ ج ۱ ص [illegible])

وواجبھا: واجب سے مراد وہ ہے جس کو عمداً ترک کرنے سے گناہ اور سہواً ترک کرنے سے سجدۂ سہو لازم آئے، لیکن فساد نہیں آتا۔ جاننا چاہیے کہ جو کہا کہ ترک واجب سے نماز فاسد ہو جاتی ہے باطل نہیں ہوتی غلط ہے اور وجہ یہ ہے کہ فقہ عبادات میں فاسد اور باطل کو ایک ہی معنی میں استعمال کرتے ہیں۔ بخلاف معاملات کے کہ معاملات میں فاسد اس کو کہتے ہیں جس کا کوئی وصف مرغوب نہ ہو اور باطل وہ جس کا کوئی رکن مفقود ہو جائے۔ مصنفؒ نے گیارہ واجبات ذکر کئے ہیں۔

قراءۃ الفاتحۃ وضم سورۃ: فاتحہ کا پڑھنا اور اس کے ساتھ سورت ملانا یہ دونوں ہمارے نزدیک واجبات میں سے ہیں۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ سورۃ فاتحہ کا پڑھنا رکن ہے اور امام مالکؒ فاتحہ اور سورت دونوں کو رکن کہتے ہیں۔ ان کی دلیل نبی کریم ﷺ کا قول ہے: لا صلاۃ الا بفاتحۃ الکتاب وسورۃ معہ "بغیر فاتحہ اور سورت کے نماز نہیں ہوگی"۔ اور ظاہر ہے کہ یہ شان فرض کی ہوتی ہے نہ کہ واجب کی۔ امام شافعیؒ کی دلیل حدیث رسول ﷺ لا صلوۃ الا بفاتحۃ الکتاب ہے۔ اور ہماری دلیل باری تعالیٰ کا قول فاقرءوا ما تیسر من القرآن ہے۔ اس آیت میں "من القرآن" مطلق ہے لہٰذا مطلق [illegible] جس ادنیٰ مقدار پر قرآن ہونا صادق آئے اس کا پڑھنا فرض ہوگا اس لئے کہ یہی مقدار مامور بہ ہے اور چونکہ خارج نماز قراءت قرآن فرض نہیں ہے اس لئے نماز کے اندر فرض ہونا متعین ہوگا۔ امام مالکؒ اور شافعیؒ کی دلیل کا جواب یہ ہے کہ ان دونوں حضرات کی پیش کردہ روایات اخبار احاد سے ہیں اور اخبار احاد ظنی ہوتی ہیں اور رکن دلیل قطعی سے ثابت ہوتا ہے نہ کہ دلیل ظنی سے البتہ دلیل ظنی سے وجوب ثابت ہو سکتا ہے اس لئے ہمارے نزدیک یہ دونوں واجب ہیں اور چونکہ خبر واحد کے ذریعہ کتاب اللہ پر زیادتی جائز نہیں ہے اس لئے ان احادیث سے کتاب اللہ فاقرءوا ما تیسر من القرآن پر زیادتی بھی نہیں ہو سکتی۔ پھر متاخرین کے نزدیک اگر سورۃ فاتحہ نصف سے زائد پڑھ لی تو واجب ادا ہو جائیگا اور سجدۂ سہو واجب نہ ہوگا۔ امام صاحبؒ کے مطابق مکمل سورۃ فاتحہ پڑھنا واجب ہے لہٰذا اگر سورۃ فاتحہ کی ایک آیت بھی چھوڑ دی تو سجدۂ سہو واجب ہوگا کیونکہ پوری سورۃ فاتحہ یعنی اس کی ہر آیت کا پڑھنا واجب ہے۔ سورۃ فاتحہ کو سورت پر مقدم کرنا بھی واجب ہے اگر اس سے کسی سورۃ کی ادنیٰ مقدار کو مقدم کردیا کہ ایک رکن ادا ہو جائے تو سجدۂ سہو واجب ہوگا۔ (فتاویٰ شامی ج ۱ ص [illegible])

وتعیین القراءۃ فی الاولیین: اور سورۃ فاتحہ کے ساتھ دوسری سورۃ کی قراءت کو فرض کی پہلی دو رکعتوں میں متعین کرنا واجب ہے۔ یہی اکثر علماء کا قول ہے۔ لہٰذا اگر پہلی دو میں سورت نہ ملائی ہو تو آخری دونوں رکعتوں میں سورت ملائے اور سجدۂ سہو کرے اور اگر پہلی دو رکعتوں میں سے ایک رکعت میں سورت چھوڑی ہو تو آخری ایک رکعت میں سورت ملائے اور سجدۂ سہو کرے اور اگر آخری رکعتوں میں بھی سورت ملانا بھول گیا پھر التحیات پڑھتے وقت یاد آیا کہ کسی رکعت میں

صورت نہیں لہٰذا تب بھی سجدہ سہو کرنے سے نماز ہو جائیگی

افعال نماز میں رعایت ترتیب کا حکم

وَرِعَایَةُ التَّرْتِیْبِ فِیْ فِعْلٍ مُکَرَّرٍ: اور جو افعال نماز میں مکرر ہیں ان میں ترتیب قائم رکھنا واجب ہے۔ ایسے افعال کی چار قسمیں ہیں۔ اول جو ہر رکعت میں متعدد ہیں جیسے سجدہ۔ دوم جو پوری نماز میں متعدد ہیں جیسے رکعات۔ پس ان دونوں طرح کے افعال میں ترتیب واجب ہے لہٰذا اگر کوئی پہلی رکعت کا ایک سجدہ بھول گیا اور دوسری رکعت میں اسے ادا کر لیا تو نماز ہو جائیگی اور سجدہ سہو واجب ہوگا۔ اور اسی طرح مسبوق امام کے سلام پھیرنے کے بعد ہمارے نزدیک شروع کی رکعات پڑھتا ہے۔ اگر ترتیب فرض ہوتی تو مسبوق آخری رکعات ادا کرتا۔ سوم جو ہر رکعت میں ایک ہیں جیسے قیام اور رکوع۔ چہارم جو کل نماز میں ایک ہے جیسے قعدہ اخیرہ پس ان دونوں طرح کے افعال میں ترتیب فرض ہے پس اگر سجدہ رکوع سے پہلے کر لیا تو یہ جائز نہیں بلکہ یاد آنے پر پہلے رکوع ادا کریگا پھر سجدہ کا بھی اعادہ کرے اور اسی طرح اگر قعدہ کے بعد اور سلام سے پہلے منافی نماز چیز کرنے سے قبل یاد آیا کہ سجدہ تلاوت چھوٹ گیا تو اس کو ادا کرے اور قعدہ کا بھی اعادہ کرے اور سجدہ سہو بھی کرے اور اگر رکوع یاد آیا تو اس کو قعدہ کے بعد سجدوں کے ساتھ ادا کرے اور اگر قیام یا قراءت یاد آئے تو پوری رکعت ادا کرے

تعدیل ارکان کا حکم

وَتَعْدِیْلُ الْاَرْکَانِ: طرفین کے نزدیک تعدیل ارکان (یعنی رکوع اور سجدہ کو اس طرح اطمینان کے ساتھ ادا کرنا کہ سبحان اللہ کہنے کے بقدر اعضاء میں سکون ہو جائے اور بدن کا ہر جوڑ ایک فعل سے دوسرے فعل کی طرف منتقل ہونے کے بعد اپنی جگہ قرار پکڑ لے) بھی واجب ہیں۔ جرجانی کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سنت ہے کیونکہ یہ لذاتہ مقصود نہیں۔ جواب یہ ہے کہ تعدیل ارکان کی مشروعیت تکمیل ارکان کی وجہ سے ہے لہٰذا تعدیل واجب ہوگی جیسے قراءت فاتحہ۔ امام ابو یوسفؒ، امام شافعیؒ واحمدؒ کے نزدیک تعدیل فرض ہے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے تعدیل ارکان کا لحاظ نہ رکھنے والے کے حق میں ارشاد فرمایا تھا صل فانک لم تصل "جا دوبارہ نماز پڑھ تو نے نماز پڑھی ہی نہیں"۔ ہماری دلیل قول باری: ﴿ارکعوا واسجدوا﴾ ہے جس میں رکوع اور سجدہ کا حکم ہے اور رکوع کے معنی انحناء (جھکنے) اور سجدہ کے معنی فروتنی کے ساتھ پست ہونے اور عبادت کیلئے زمین پر پیشانی رکھنے کے ہیں پس رکنیت کا تعلق اتنی ہی مقدار سے ہوگا جس پر رکوع اور سجدہ کا اطلاق ہو سکے۔ رہی حدیث مذکور سو اس میں نماز کے کامل نہ ہونے کی طرف اشارہ ہے۔ کیونکہ اسی حدیث کے آخر میں یہ جملہ بھی ہے کہ ان انتقصت منہا شیئا انتقصت من صلوتک۔ "اگر تو نے اس میں سے کچھ کم کر دیا تو تو نے اپنی نماز سے کم کر دیا" ان الفاظ کا مفہوم یہی ہے کہ نماز میں نقص آ جانے سے وہ بالکل ہی نہیں ہوئی۔ اور جس چیز کے بغیر فعل شرعی ناقص رہے وہ واجب یا سنت کا درجہ رکھتی ہے نہ کہ فرض کا۔

وَالْقُعُوْدُ الْاَوَّلُ وَالتَّشَهُّدُ: قعدہ اولیٰ امام طحاوی اور کرخیؒ کے نزدیک سنت ہے لیکن جمہور کے نزدیک واجب ہے محیط میں

اور تشہد کا طریقہ یہ ہے کہ ہتھیلیوں کو اور انگلیوں کو قبلہ رخ رکھے ان کو نہ ملائے اور نہ ان کو بہت کشادہ کرے اور نہ بہت ملائے بلکہ ان کو اپنی حالت پر چھوڑ دے۔ (فتاویٰ شامی ۱/۴۸۸)

وضع یدین کا حکم اور اس کی کیفیت

ووضع یمینه علی یساره تحت سرته: اس عبارت کے تحت تین مسئلے ذکر کرتے ہیں (۱) پہلا مسئلہ نماز میں ارسال کرے یا دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ کے اوپر رکھے (۲) مقام وضع کیا ہے (۳) کیفیت وضع کیا ہے یعنی ہاتھ باندھنے کی مسنون کیفیت کیا ہے۔

پہلا مسئلہ: اس کی تفصیل یہ ہے کہ ہمارے اور امام شافعیؒ کا قول یہ ہے کہ نماز میں دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھنا مسنون ہے اور امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ ارسال کرے یعنی نماز میں ہاتھ چھوڑ دے اور چاہے تو باندھ لے پس امام مالکؒ کے نزدیک ارسال عزیمت اور اعتماد (ہاتھ رکھنا) رخصت ہے، ہماری دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس پر مداومت فرمائی اور فرمایا: انا معشر الانبیاء امرنا بان ناخذ شمائلنا بایماننا فی الصلاۃ۔ "ہم انبیاء کی جماعت کو حکم دیا گیا کہ ہم نماز میں اپنے دائیں ہاتھ سے بائیں ہاتھ کو پکڑیں"۔ اور ابن مسعودؓ سے مروی ہے: انه کان یصلی فوضع یده الیسری علی الیمنی فرآه النبی ﷺ فوضع یده الیمنی علی الیسری۔ "وہ نماز پڑھ رہے تھے پس انہوں نے اپنا بایاں ہاتھ دائیں پر رکھا، نبی کریم ﷺ نے دیکھا تو ان کا دایاں ہاتھ بائیں پر رکھ دیا"۔ بہرحال ان روایات سے ثابت ہوا کہ مسنون دائیں ہاتھ کا بائیں پر رکھنا ہے اور یہ احادیث امام مالکؒ کے خلاف حجت ہوں گی۔ اور خود امام مالکؒ نے اپنی مؤطا میں بھی وضع الید علی الید کی روایت نقل کی ہے جبکہ ارسال کے متعلق ایک بھی صحیح حدیث نہیں ہے۔

دوسرا مسئلہ: ہمارے نزدیک افضل یہ ہے کہ زیر ناف ہاتھ باندھے اور امام شافعیؒ کے نزدیک سینہ پر ہاتھ رکھنا افضل ہے کیونکہ آپ ﷺ کے بارے میں مروی ہے: کان یضع علی الصدر هو فی الصلوٰۃ۔ "کہ آپ ﷺ نماز میں سینہ پر ہاتھ رکھتے تھے"۔ ہم کہتے ہیں ہاتھ رکھنے سے افضل اور اقرب الی التعظیم ہے۔ احناف تحت السرہ کو جو افضل کہتے ہیں اس کی ایک وجہ تو حضرت علیؓ کا اثر ہے کہ انہوں نے فرمایا: من السنة وضع الکف علی الکف تحت السرة، دوسری وجہ ابراہیم نخعیؒ کا اثر ہے اور تیسری وجہ ابو ہریرہؓ کا اثر ہے یہ سارے آثار حنفیہ کے ہیں بالخصوص علیؓ کا اثر مرفوع کے حکم میں ہے دوسری دلیل یہ ہے کہ زیر ناف ہاتھ باندھنا اقرب الی التعظیم ہے اور نماز کے اندر تعظیم مقصود ہوتی ہے۔ اور امام شافعیؒ نے جس روایت سے استدلال کیا وہ محدثین کے ہاں سند ضعیف ہے لہٰذا وہ قابل حجت نہیں۔

تیسرا مسئلہ: کیفیت وضع کا ہے یعنی دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھنے کی کیفیت کیا ہے، تو مردوں کو اس طرح ہاتھ باندھنا چاہئے کہ دائیں ہتھیلی بائیں ہتھیلی پر رکھیں اور انگوٹھے اور چھوٹی انگلی سے بائیں کلائی کو پکڑ لیں اور تین انگلیاں بائیں کلائی پر۔

ہاتھوں اور گھٹنوں اور دونوں پیروں اور ناک کا رکھنا احناف کے نزدیک واجب ہے۔ (مراقی الفلاح، ہدایہ ۱۱۰)

وَافْتِرَاشُ رِجْلِهِ الْيُسْرَى وَنَصْبُ الْيُمْنَى: قعدہ میں بیٹھنے کی کیفیت یہ ہے کہ جب سجدہ سے سر اٹھائے تو اپنا بایاں پاؤں بچھا کر اس پر بیٹھ جائے اور دایاں پاؤں کھڑا کرکے اس کی انگلیاں قبلہ کی طرف متوجہ کرے کیونکہ نبی کریم ﷺ اسی طرح کیا کرتے تھے۔

وَالْقَوْمَةُ وَالْجِلْسَةُ: مصنفؒ نے قومہ اور جلسہ کو سنت قرار دیا ہے لیکن راجح قول وجوب کا ہے کیونکہ ایک تو نبی کریم ﷺ نے ان پر مواظبت فرمائی ہے، دوسرا آپ نے ترک پر وعید بھی فرمائی۔ (ترمذی شریف ۱۴۳)

صلوۃ علی النبی ﷺ کا حکم

وَالصَّلَاةُ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالدُّعَاءُ: قعدہ اخیرہ میں درود شریف پڑھنا سنت ہے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک قعدہ اخیرہ میں درود شریف فرض ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿صَلُّوا عَلَيْهِ﴾ (الاحزاب) اور امر وجوب کیلئے ہے اور خارج صلوۃ درود شریف پڑھنا ضروری نہیں لہٰذا نماز میں اس کا وجوب متعین ہو گیا ورنہ ترک امر لازم آئیگا۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ جب نبی کریم ﷺ نے ایک اعرابی کو فرائض نماز کی تعلیم دی تو اس میں صلوۃ علی النبی کا ذکر نہیں کیا اگر صلوۃ علی النبی فرض ہوتا تو آپ ﷺ اس کی ضرور تعلیم دیتے۔ دوسری بات یہ ہے کہ صحابہ کرام سے بھی کسی سے یہ منقول نہیں ہے اور مذکورہ آیت میں امام شافعیؒ کیلئے کوئی دلالت نہیں ہے کیونکہ امر تکرار کا تقاضا نہیں کرتا بلکہ زندگی میں صرف ایک مرتبہ پڑھنا فرض ہے یہی امام کرخیؒ نے اختیار کیا ہے، اور امام طحاویؒ فرماتے ہیں کہ جب بھی کسی مجلس میں آپ ﷺ کا ذکر مبارک آئے تو اس مجلس میں ایک مرتبہ درود شریف پڑھنا ضروری ہے۔

درود شریف کے بعد اور سلام سے پہلے اپنے لئے اور اپنے والدین اور سب مسلمانوں کیلئے مغفرت کی دعا مانگے اور دعا میں صرف اپنی تخصیص نہ کرے یہی صحیح ہے۔ والدین اور اساتذہ کیلئے جبکہ وہ کافر ہوں اور مر گئے ہوں دعائے مغفرت حرام ہے اور بعض فقہاء نے کفر تک کہا ہے ہاں اگر زندہ ہوں تو ان کیلئے ہدایت و توفیق کی دعا کرے۔ گنہگار مسلمانوں کیلئے دعائے مغفرت مانگنا جائز ہے کیونکہ اس میں اپنے مسلمان بھائیوں پر فرط شفقت کا اظہار ہے اور اس میں نص کی مخالفت نہیں ہے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿إِنَّ اللهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ﴾۔

> **وَآدَابُهُ نَظَرُهُ إِلَى مَوْضِعِ سُجُودِهِ وَكَظْمُ فَمِهِ عِنْدَ التَّثَاؤُبِ وَإِخْرَاجُ كَفَّيْهِ مِنْ كُمَّيْهِ عِنْدَ التَّكْبِيرِ وَدَفْعُ السُّعَالِ مَا اسْتَطَاعَ وَالْقِيَامُ حِيْنَ قِيلَ حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ وَشُرُوعُ الْإِمَامِ مُذْ قِيلَ قَدْ قَامَتِ الصَّلَاةُ**

ترجمہ: آداب نماز (یہ ہیں) نمازی کا اپنی سجدہ کی جگہ پر نظر جمائے رکھنا، جمائی کے وقت منہ بند کرنا، بوقت تکبیر آستینوں

میں سے ہاتھوں کو نکال لینا، جس قدر ہوسکے کھانسی کو ٹالنا، جب حی علی الفلاح کہا جائے تو اٹھ جانا جب قدقامت الصلوٰۃ کہا جائے تو امام کا نماز شروع کردینا۔

مستحبات نماز: وَ اَدَاؤُهَا نَظَرَهُ اِلَى مَوْضِعِ سُجُوْدِهٖ: حالت قیام میں سجدہ کی جگہ پر اور حالت رکوع میں پاؤں کی جگہ پر اور حالت سجدہ میں ناک کے سرے کی طرف اور قعدہ میں گود کی طرف اور پہلے سلام کے وقت دائیں کندھے اور دوسرے سلام کے وقت بائیں کندھے کی طرف دیکھنا مستحب ہے۔

وَ كَظْمُ فَمِهٖ عِنْدَ التَّثَاؤُبِ: اور جہاں تک ممکن ہو جمائی کو روکنا کیونکہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: التثاؤب فی الصلوٰۃ من الشیطان فاذا تثاءب احدکم فلیکظم ما استطاع۔ "نماز میں جمائی شیطان کی طرف سے ہے جب تم میں سے کسی کو جمائی آئے تو اسے چاہیے کہ حتی الامکان اسے روکے"۔

وَ اِخْرَاجُ كَفَّيْهِ مِنْ كُمَّيْهِ عِنْدَ التَّكْبِيْرِ: اور تکبیر کے وقت آستینوں سے ہاتھوں کو نکالنے میں زیادہ تواضع ہے اور اس صورت میں متکبرین کے مشابہت سے بھی اجتناب ہے اور انگلیوں کو سیدھا رکھنا ممکن ہوگا۔

وَ دَفْعُ السُّعَالِ مَا اسْتَطَاعَ: اور ممکن حد تک کھانسی کو روکنا کیونکہ یہ افعال نماز سے نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بغیر عذر کھانسنے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے۔

اقامت کے وقت مقتدی کب کھڑے ہوں

وَ الْقِيَامُ حِيْنَ قِيْلَ حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ وَ شُرُوْعُ الْاِمَامِ مُذْ قِيْلَ قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوةُ: اگر امام مصلی پر یا محراب کے قریب ہو اور مقتدی پہلے سے صف بندی کر کے بیٹھے ہوں ادھر ادھر منتشر نہ ہوں تو حی علی الفلاح کے وقت امام اور مقتدیوں کا کھڑا ہونا مستحب اور آداب میں سے ہے واجب اور تاکیدی سنت نہیں ہے۔

اور اگر امام سامنے موجود ہو تو اقامت شروع ہوتے ہی کھڑا ہو جانا مکروہ نہیں ہے اور اگر امام سامنے موجود نہ ہو تو مقتدیوں کے کھڑے ہونے کا مدار امام پر ہے چنانچہ حدیث میں ہے: فلا تقوموا حتی ترونی قد خرجت الیکم۔ "جب تک مجھے نکل کر اپنی طرف آتا ہوا نہ دیکھو مت کھڑے ہوا کرو"۔ اور ایک حدیث میں ہے: کان بلال یؤذن اذا دحضت الشمس فلا یقیم حتی یخرج النبی ﷺ فاذا خرج الامام اقام الصلوٰۃ حین یراہ۔ "بلالؓ ظہر کی اذان اس وقت دیتے تھے جب زوال ہو جاتا۔ پھر اقامت اس وقت تک نہ کہتے تھے جب تک نبی کریم ﷺ مکان سے باہر نہ آجاتے"۔ جب باہر تشریف لاتے تو اقامت کہتے تھے۔

اسی بناء پر فقہائے کرام نے تصریح کی ہے کہ امام اور مقتدیوں کا کھڑا ہونا مستحب ہے۔ جبکہ حی علی الفلاح کہا جائے اگر امام محراب کے قریب ہو اور اگر امام محراب سے دور ہو اور صفوں کے پیچھے سے امام داخل ہو تو جس صف کے پاس سے امام

کھڑے ہو صف کھڑی ہو جائے اور اگر امام آگے سے مسجد میں داخل ہو تو اس کو دیکھتے ہی سب مقتدی کھڑے ہو جائیں اور جب قد قامت الصلوٰۃ کہا جائے تو مستحب ہے کہ امام نماز شروع کر دے اور اگر امام نماز شروع کرنے میں تاخیر کرے اور اقامت ختم ہونے پر نماز شروع کرے تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں بلکہ تاخیر کرنا ہی زیادہ صحیح ہے اس لئے کہ اس صورت میں اقامت کہنے والا بھی امام کے ساتھ نماز شروع کر سکے گا۔ (بدائع، بحر، منیۃ المصلی، در) لہٰذا اس عبارت سے معلوم ہوا کہ قد قامت الصلوٰۃ کے وقت امام اور مقتدیوں کا نماز شروع کر دینا مستحب اور آداب میں سے ہے لیکن اقامت کہنے والے کا امام کے ساتھ نماز شروع کرنا مستحب اور آداب میں سے ہے تو اس صورت میں اقامت کہنے والا امام کے ساتھ نماز شروع نہ کر سکے گا اس کی رعایت کرتے ہوئے اقامت ختم ہونے کے بعد ہی نماز شروع کرنے کو زیادہ صحیح کہا گیا ہے۔ اسی طرح صفوں کو درست کرنے کی تاکید اور سیدھی تہ رکھنے پر جو وعیدیں ہیں ان کے پیش نظر شروع اقامت ہی سے کھڑا ہو جانا افضل بلکہ ضروری ہوگا حی علی الفلاح کے بعد کھڑے ہونے میں صفیں درست اور سیدھی نہیں ہو سکتیں۔ نیز کچھ رہیں گی نمازی آگے پیچھے ہوں گے۔ درمیان میں جگہ خالی رہ جائیگی اور وعید شدید کے مستحق ہوں گے۔ کیونکہ احادیث میں بہت تاکید کے ساتھ صفوں کی درستگی کا کام کیا گیا ہے۔

فصلٌ

وَإِذَا أَرَادَ الدُّخُولَ فِي الصَّلَاةِ كَبَّرَ وَرَفَعَ يَدَيْهِ حِذَاءَ أُذُنَيْهِ وَلَوْ شَرَعَ بِالتَّسْبِيحِ أَوْ بِالتَّهْلِيلِ أَوْ بِالْفَارِسِيَّةِ صَحَّ كَمَا لَوْ قَرَأَ بِهَا عَاجِزًا أَوْ ذَبَحَ وَسَمَّى بِهَا لَا بِاللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي وَوَضَعَ يَمِينَهُ عَلَى يَسَارِهِ تَحْتَ سُرَّتِهِ مُسْتَفْتِحًا وَتَعَوَّذَ سِرًّا لِلْقِرَاءَةِ فَيَأْتِي بِهِ الْمَسْبُوقُ لَا الْمُقْتَدِي وَيُؤَخِّرُ عَنْ تَكْبِيرَاتِ الْعِيدِ وَسَمَّى سِرًّا فِي كُلِّ رَكْعَةٍ وَهِيَ آيَةٌ مِنَ الْقُرْآنِ أُنْزِلَتْ لِلْفَصْلِ بَيْنَ السُّوَرِ لَيْسَتْ مِنَ الْفَاتِحَةِ وَلَا مِنْ كُلِّ سُورَةٍ وَقَرَأَ الْفَاتِحَةَ وَسُورَةً أَوْ ثَلَاثَ آيَاتٍ.

ترجمہ: جب نماز میں آنا چاہے تو تکبیر کہے اور دونوں ہاتھ کانوں کے برابر اٹھائے اور اگر نماز سبحان اللہ یا لا الٰہ الا اللہ کے ساتھ شروع کی یا فارسی زبان میں شروع کی تب بھی صحیح ہے جیسے عربی سے عاجز ہونے کی صورت میں قرآن فارسی میں پڑھنا یا ذبح کیا اور بسم اللہ فارسی میں پڑھی اللھم اغفرلی کہنے سے درست نہ ہوگی اور اپنے داہنے ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر ناف کے نیچے رکھے ثناء پڑھتے ہوئے اور قرأت کیلئے اعوذ باللہ آہستہ پڑھے پس مسبوق پڑھے گا نہ کہ مقتدی اور تکبیرات عیدین سے تعوذ کو مؤخر کرے اور بسم اللہ ہر رکعت میں آہستہ پڑھے اور وہ قرآن کریم کی ایک آیت ہے جو سورتوں کے درمیان فصل کیلئے نازل کی گئی ہے اور نہ وہ سورۃ فاتحہ کا جز ہے اور نہ کسی اور سورت کا اور فاتحہ پڑھے اور (اس کے ساتھ) کوئی سورت یا تین آیتیں (پڑھے)

تکبیر تحریمہ کن الفاظ سے صحیح ہوتی ہے

وَإِذَا أَرَادَ الدُّخُولَ فِي الصَّلَاةِ كَبَّرَ وَرَفَعَ يَدَيْهِ حِذَاءَ أُذُنَيْهِ وَلَوْ شَرَعَ بِالتَّسْبِيحِ أَوْ بِالتَّهْلِيلِ أَوْ بِالْفَارِسِيَّةِ

صَحَّ كَمَا لَوْ قَرَأَ بِهَا عَاجِزًا أَوْ ذَبَحَ وَسَمَّى بِهَا لَا بِاللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي وَوَضَعَ يَمِينَهُ عَلَى يَسَارِهِ تَحْتَ سُرَّتِهِ

اجازت دی ہے۔ دوسرا قول امام صاحبؒ فقہائے کوفہ اور امام احمدؒ کا ہے کہ بسم اللہ نماز کی ہر رکعت میں فاتحہ کے ساتھ پڑھی جائیگی مگر اخفاء کے ساتھ جہری نماز ہو یا سری نماز ہو۔ تیسرا قول امام شافعیؒ کا ہے ان کے ہاں بسم اللہ جہری نمازوں میں جہر کے ساتھ پڑھی جائیگی اور سری میں اخفاء کے ساتھ پڑھی جائیگی۔ احناف کا قول ہمارا مستدل ہے چنانچہ وہ فرماتے ہیں: صلیت خلف رسول اللّٰہ وخلف ابی بکر وعمر وعثمان فلم اسمع احدا منھم یقرأ بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم، اور مسلم کی ایک روایت میں ہے: فلم اسمع احدا منھم یجھرون بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم۔ انسؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے پیچھے اور ابوبکرؓ، عمرؓ اور عثمانؓ کے پیچھے نماز پڑھی ہے لیکن میں نے ان میں سے کسی کو بسم اللہ جہر کے ساتھ پڑھتے ہوئے نہیں سنا۔ امام شافعیؒ کی پیش کردہ روایات بالجہر کا جواب یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کبھی کبھی لوگوں کی تعلیم کیلئے بسم اللہ جہر کے ساتھ پڑھتے تھے ورنہ آپ کی عام عادت بسم اللہ جہر کے ساتھ پڑھنے کی نہ تھی چنانچہ حضرت انسؓ فرماتے ہیں: آنحضرت ﷺ بسم اللہ نماز کے اندر بالجہر نہیں پڑھتے تھے دوسرا جواب یہ ہے کہ ابتداء اسلام میں آنحضرت ﷺ بسم اللہ کے ساتھ جہر کرتے تھے لیکن ﴿ادعوا ربکم تضرعا وخفیۃ﴾ کے ذریعہ جہر منسوخ ہو گیا۔

رہی یہ بات کہ بسم اللہ ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ سے پہلے پڑھے یا فقط پہلی رکعت میں اس بارے میں امام صاحبؒ سے دو روایتیں ہیں۔ حسن بن زیاد کی روایت تو یہ ہے کہ بسم اللہ کو ہر رکعت میں نہ پڑھے بلکہ نماز کے شروع میں فقط ایک مرتبہ پڑھ لینا کافی ہے جیسے کہ تعوذ صرف پہلی رکعت میں پڑھنا کافی ہے۔ کیونکہ بسم اللہ سورۃ فاتحہ کا جزء نہیں ہے بلکہ افتتاح صلوۃ کیلئے پڑھی جاتی ہے اور صلوۃ واحدہ فعل واحد کی مانند ہے اور فعل واحد کیلئے ایک مرتبہ بسم اللہ پڑھنا کافی ہے۔ امام صاحبؒ سے جو روایت ابو یوسفؒ نے کی ہے وہ یہ ہے کہ ہر رکعت میں بسم اللہ پڑھے یہی احتیاط اسی پڑھنے میں ہے کیونکہ بسم اللہ کے فاتحہ کا جزء ہونے میں علماء کا اختلاف ہے اور فاتحہ کا جس رکعت میں پڑھنا ضروری ہے تو بسم اللہ کا پڑھنا بھی اس رکعت میں ضروری ہوگا تاکہ اختلاف سے بچا جا سکے۔

(وھی آیۃ من القرآن انزلت للفصل بین السور لیست من الفاتحۃ ولا من کل سورۃ وقرأ الفاتحۃ وسورۃ او ثلاث آیات): دوسرا مسئلہ: یہاں سے مصنفؒ دوسرے مسئلہ کو بیان فرما رہے ہیں کہ بسم اللہ سورت یا قرآن کا جزء ہے یا نہیں اس مسئلے میں تفصیل ہے سورت نمل کی آیت وانہ من سلیمان وانہ میں جو بسم اللہ مذکور ہے وہ بالاتفاق اور بالاجماع قرآن کا جزء ہے۔ اختلاف اس بسم اللہ میں ہے جو سورت کی ابتداء میں لکھا جاتا ہے اس میں کل تین اقوال ہیں۔ پہلا قول امام مالکؒ کے ہاں بسم اللہ قرآن کا جزء بھی نہیں اور کسی سورت کا جزء بھی نہیں۔ دوسرا قول امام شافعیؒ اور ایک روایت میں امام احمدؒ سے منقول ہے کہ یہ سورت فاتحہ کا جزء ہے۔ باقی سورتوں کا جزء ہے یا نہیں اس میں شوافع کے روایات میں اختلاف ہے مگر بقول امام نوویؒ راجح یہ ہے کہ ہر سورت کا جزء ہے۔ تیسرا قول امام صاحبؒ، صاحبینؒ، جمہور فقہائے کوفہ اور ایک روایت میں امام احمدؒ کا قول بھی یہی ہے کہ بسم اللہ قرآن کی آیت ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے فصل بین السورتین کیلئے اتارا ہے۔ یہ نہ سورۃ فاتحہ کا جزء ہے اور نہ کسی اور سورت کا

رہے۔ گھٹنے جب تک زمین پر نہ آئیں کمر شانہ خم نہ کرے اگر جھکتے ہوئے سجدہ کیا تو یہ دونوں ہو جائیں گے جو بعض کے نزدیک مفسد صلوٰۃ اور بعض کے نزدیک مکروہ ہے اور کراہت کا قول صحیح ہے۔ (فتاویٰ شامی ص ۲۷۲) زمین پر پہلے گھٹنے پھر دونوں ہاتھ پھر چہرہ رکھے اور اٹھتے ہوئے پہلے چہرہ پھر ہاتھ پھر گھٹنے اٹھائے سجدہ میں بعض لوگ کہنیاں زمین پر بچھا دیتے ہیں یا رانوں سے لگا دیتے ہیں یا پیٹ رانوں پر چپکا دیتے ہیں یہ تمام باتیں خلاف سنت ہیں۔ مسنون طریقہ یہ ہے کہ کہنیاں زمین سے اونچی اور رانوں سے علیحدہ رکھی جائیں نیز دونوں بازو کشادہ کر کے زمین سے اوپر اور رانوں سے علیحدہ رکھی جائیں نیز دونوں بازو کشادہ کر کے رکھے جائیں آپ ﷺ کے سجدہ کی کیفیت ایسی ہوتی تھی کہ اگر بکری کا چھوٹا بچہ جانا چاہتا تو بازو مبارک کے درمیان سے بآسانی گزر سکتا (صحیح مسلم) مگر نماز باجماعت میں دوسرے نمازیوں کی رعایت ضروری ہے بازو اتنے نہ کھولے کہ پاس والے نمازی کو سجدہ میں دشواری ہو۔ سجدہ میں ناک اور پیشانی کا اکثر حصہ زمین پر رکھنا واجب ہے۔ کیونکہ آنحضرت ﷺ نے ہمیشہ اسی طرح سجدہ کیا ہے۔ اور اگر ایک پر اکتفا کیا تو اس کی دو صورتیں ہیں۔ (۱) فقط پیشانی پر سجدہ کرے۔ (۲) فقط ناک پر سجدہ کرے پہلی صورت مع الکراہت جائز ہے اور دوسری صورت امام صاحب کے نزدیک مع الکراہت جائز ہے اور صاحبینؒ کے نزدیک بلا عذر ناک پر اکتفا کرنا جائز نہیں ہے۔ اور امام صاحب کا صاحبینؒ کے قول کی طرف رجوع کر لینا ثابت ہے اور یہی صحیح ہے اور اسی پر فتویٰ ہے البتہ اگر کوئی عذر ہو تو جائز ہے۔ (فتاویٰ شامی ص ۲۷۲)

أو بكور عمامته وأبدى ضبعيه وجافى بطنه عن فخذيه ووجه أصابع رجليه نحو القبلة وسبح فيه ثلاثا: ہمارے نزدیک عمامہ کے پیچ یا فاضل کپڑے پر سجدہ کرنا مکروہ ہے اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ عمامے کے پیچ پر سجدہ کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ ان کے نزدیک سجدہ کے وقت پیشانی کو کھلا رکھنا واجب ہے۔ ہماری دلیل ابن عباس کی حدیث ہے۔ ان النبی ﷺ کان یسجد علی کور عمامتہ۔ "یعنی حضور ﷺ اپنے عمامے کے پیچ پر سجدہ کرتے تھے"۔

عورت کے سجدہ کی کیفیت

والمرأة تنخفض وتلزق بطنها بفخذيها: عورت سجدہ کرتے وقت پست ہو جائے یعنی زمین کے قریب ہو جائے اور پیٹ کو رانوں سے ملا لے کیونکہ اس ہیئت کے ساتھ سجدہ کرنے میں عورت کے حق میں زیادہ ستر ہے اور عورت کے حق میں ستر ہی مطلوب ہے۔

ثم رفع رأسه مكبرا وجلس مطمئنا وكبر وسجد مطمئنا: پھر تکبیر کہتے ہوئے پہلے سجدہ سے سر اٹھائے اور جلسہ میں اطمینان یعنی ایک بار سبحان اللہ کہنے کی مقدار آرام کرے اور یہ واجب ہے اور اس کے ترک سے سجدہ سہو لازم ہے اور جلسہ میں مسنون دعا پڑھنا مستحب ہے اور وہ یہ ہے: اللهم اغفر لي وارحمني وعافني واهدني وارزقني۔ (ابو داؤد، ترمذی)

وكبر للنهوض بلا اعتماد وقعود: پھر کھڑا ہونے کے لئے تکبیر کہے یعنی جب سجدہ ثانیہ سے فراغت کے بعد پنجوں کے بل سیدھا کھڑا ہو جائے نہ بیٹھے اور نہ اپنے ہاتھوں پر ٹیک لگائے بلکہ دونوں ہاتھوں سے دونوں گھٹنوں پر سہارا دے کر کھڑا ہو

رفع یدین کے مواضع ثمانیہ کا بیان

ولا یرفع یدیہ الا فی فقعس صمعج واذا فرغ من سجدتی الرکعۃ الثانیۃ : اور آٹھ مواقع کے علاوہ میں ہاتھ نہ اٹھائے یعنی ہمارے نزدیک ان مذکورہ آٹھ مواقع میں ہاتھ اٹھانا سنت موکدہ ہے ان کے علاوہ جیسے استسقاء اور دعاء وغیرہ میں ہاتھ اٹھانا مستحب ہے اور آداب میں سے ہے۔

مصنفؒ نے ان آٹھ مواقع کی طرف بغرض اختصار "فقعس صمعج" کے حروف سے اشارہ کیا ہے۔ فا سے افتتاح صلوۃ۔ قاف سے قنوت۔ عین سے عیدین۔ سین سے استلام حجر (حجر اسود کا بوسہ دیتے وقت)۔ صاد سے صفا۔ اور میم سے مروہ پہاڑی۔ عین سے عرفات۔ جیم سے جمرات کی رمی کی طرف اشارہ ہے۔ ان مواقع میں رفع یدین کا ثبوت ابن عباسؓ کی روایت سے ہے جس میں آپ ﷺ نے فرمایا: لا ترفع الایدی الا فی سبع مواطن۔ ہاتھ اٹھائے نہ جائیں مگر سات جگہوں میں۔ (۱) تکبیر تحریمہ میں (۲) تکبیر صفا و مروہ میں (۳) تکبیرات عیدین میں (۴) تکبیر عرفات میں (۵) تکبیرات جمرتین میں (۶) تکبیر قنوت میں (۷) تکبیر استلام میں۔ سوال: حدیث میں سات مواقع کا ذکر ہے اور یہاں آٹھ مذکور ہیں۔ جواب: حدیث مبارکہ میں صفا و مروہ کو کل کے لحاظ سے موضع واحد قرار دیا گیا ہے۔

افترش رجلہ الیسری وجلس علیہا ونصب یمناہ ووجہ اصابعہ نحو القبلۃ ووضع یدیہ علی فخذیہ وبسط اصابعہ وھی تتورک : جب دوسری رکعت کے دوسرے سجدے سے اپنا سر اٹھائے تو اپنا بایاں پاؤں بچھا کر اس پر بیٹھ جائے اور دایاں کھڑا کر لے۔ اور دونوں پاؤں کی انگلیاں قبلہ کی طرف متوجہ کرے کیونکہ ام المومنین حضرت عائشہؓ سے نبی کریم ﷺ کا نماز میں بیٹھنے کی کیفیت کے متعلق یہی منقول ہے لہذا اپنے دونوں ہاتھ رانوں پر رکھے اور انگلیاں بچھا دے۔ یعنی جس حالت پر ہیں چھوڑ دے اور بند نہ کرے۔ البتہ عورتیں تورک کریں گی یعنی بائیں سرین پر بیٹھ کر اپنے دونوں پاؤں دائیں طرف نکال دیں۔ تاکہ جسم اور ستر پوشیدہ رہے۔

تشہد ابن مسعودؓ

وقرأ تشہد ابن مسعود رضی اللہ عنہ : احادیث میں تشہد مختلف الفاظ کے ساتھ مروی ہے یعنی کئی تشہدوں کا تذکرہ کیا ہے جن میں سے امام شافعیؒ کے ہاں ابن عباسؓ کا تشہد اولیٰ ہے۔ اور ان کا تشہد یہ ہے: التحیات المبارکات الصلوات الطیبات للہ سلام علیک ایھا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ سلام علینا وعلی عباد اللہ الصالحین اشہد ان لا الہ الا اللہ واشہد ان محمدا رسول اللہ۔ اور احناف کے ہاں ابن مسعودؓ کا تشہد اولیٰ ہے اور ان کا تشہد یہ ہے: التحیات للہ والصلوات والطیبات السلام علیک ایھا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ السلام علینا وعلی عباد اللہ الصالحین اشہد ان لا الہ الا اللہ واشہد ان محمدا عبدہ ورسولہ۔ [illegible]

تشہد ابن مسعودؓ کو اولیٰ قرار دیتے ہیں۔ ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے میرا ہاتھ پکڑ کے مجھے تشہد کی تعلیم دی اور فرمایا "قُلِ التَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ" اس حدیث میں نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے "قل" امر کا صیغہ ہے اور امر کا کم از کم درجہ استحباب ہے۔ (۲) اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ الف لام کے ساتھ معرفہ مستغرق ہے۔ (۳) والصلوات واو کے ساتھ ہے جو تجدید کلام کیلئے ہے۔ (۴) نبی کریم ﷺ کا ہاتھ پکڑنا اور سورت قرآن کی طرح تعلیم دینا مفید تاکید ہے۔

وَفِيمَا بَعْدَ الْأُولَيَيْنِ اكْتَفَى بِالْفَاتِحَةِ: ظہر، عصر اور عشاء کی فرضوں کی آخری دو رکعتوں میں اور مغرب کی آخری رکعت میں صرف سورۂ فاتحہ پڑھی جائے کیونکہ نبی کریم ﷺ کے بارے منقول ہے: "انه ﷺ كان يقرأ في الركعتين الأوليين من الظهر والعصر بفاتحة الكتاب وسورتين وفي الأخريين بفاتحة الكتاب" "نبی کریم ﷺ ظہر اور عصر کی پہلی دو رکعتوں میں سورۂ فاتحہ اور سورت پڑھتے تھے اور آخری دو رکعتوں میں سورۂ فاتحہ پڑھا کرتے تھے"۔ اور اگر فرضوں کی ان رکعتوں میں قرأت نہ کرے یا تین بار تسبیح پڑھ لے تو بھی جائز ہے لیکن خاموش رہنا خلاف سنت ہونے کی وجہ سے مکروہ ہے۔

وَالْقُعُودُ الثَّانِي كَالْأَوَّلِ وَتَشَهَّدَ وَصَلَّى عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: احناف کے نزدیک قعدہ اولیٰ قعدہ ثانیہ کی طرح ہے یعنی دونوں قعدوں میں افتراش مسنون ہے یعنی دایاں پاؤں کھڑا کرنا اور بایاں پاؤں بچھا کر اس پر بیٹھنا اور امام شافعیؒ کے نزدیک قعدہ اولیٰ میں افتراش اور قعدہ ثانیہ میں تورک مسنون ہے۔ اور امام مالکؒ کے یہاں دونوں قعدوں میں تورک مسنون ہے۔ امام احمدؒ کے نزدیک دو رکعت والی نماز میں افتراش اور چار رکعت والی نماز کے پہلے قعدہ میں افتراش اور دوسرے میں تورک مسنون ہے۔ احناف نے افتراش کو اس لئے اختیار کیا کہ متعدد احادیث میں وارد ہے اور اس کو تشہد میں سنت کہا گیا ہے۔ دیگر نبی کریم ﷺ سے پہلے اور دوسرے قعدہ کی کیفیت میں کوئی فرق نہیں، جس حدیث میں آپ ﷺ سے تورک منقول ہے وہ آپ ﷺ کے ضعف و بڑھاپے کا زمانہ تھا۔ تشہد اور صلوۃ علی النبی کا مسئلہ اس سے پہلے باب صفۃ الصلوۃ میں گذر چکا ہے۔

دعا صرف وہ مانگی جائے جو قرآن و سنت کے مشابہ ہو

وَدَعَا بِمَا يُشْبِهُ أَلْفَاظَ الْقُرْآنِ وَالسُّنَّةِ لَا كَلَامَ النَّاسِ: قعدہ اخیرہ میں صلوۃ علی النبی کے بعد عربی زبان میں دعا کرے کیونکہ نماز میں سوائے عربی زبان کے دوسری زبان میں دعا کرنا مکروہ تحریمی ہے۔ پھر جو دعا کرے اس کے الفاظ قرآن پاک کے الفاظ کے مشابہ ہوں مثلاً "رَبِّ اغْفِرْ لِي وَلِوَالِدَيَّ" یا ان دعاؤں کے مشابہ ہوں جو نبی کریم ﷺ سے مروی ہیں مثلاً "اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ مِنَ الْخَيْرِ كُلِّهِ مَا عَلِمْتُ مِنْهُ وَمَا لَمْ أَعْلَمْ" اور ایسے الفاظ کے ساتھ دعا نہ کرے جو لوگوں کے کلام کے مشابہ ہوں تاکہ نماز فاسد ہونے سے محفوظ رہے اسی وجہ سے کہا گیا کہ نمازی کو چاہئے کہ دعا ماثورہ ہی پڑھے۔

فائدہ: وہ کون سی دعا کلام الناس سے مشابہت رکھتی ہے اور کون سی دعا کلام الناس سے مشابہت نہیں رکھتی تو اس کے بارے میں فقہاء کرام فرماتے ہیں کہ جس چیز کا بندوں سے مانگنا محال نہ ہو مثلاً کہے کہ "اَللّٰهُمَّ زَوِّجْنِي فُلَانَةً" تو یہ کلام الناس کے مشابہ

ہے۔ اور جس کا بندوں سے مانگنا محال ہو جیسے اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ تو یہ کلام الناس کے مشابہ نہیں ہے۔

سلام میں نیت کس کی کرے

وَسَلَّمَ مَعَ الْإِمَامِ كَالتَّحْرِيْمَةِ عَنْ يَمِيْنِهِ وَيَسَارِهِ نَاوِيًا الْقَوْمَ وَالْحَفَظَةَ وَالْإِمَامَ فِي الْجَانِبِ الْأَيْمَنِ أَوِ الْأَيْسَرِ أَوْ فِيْهِمَا لَوْ مُحَاذِيًا وَالْإِمَامُ يَنْوِي الْقَوْمَ بِالتَّسْلِيْمَتَيْنِ

تشہد، صلوٰۃ علی النبی اور دعاء کے بعد دونوں طرف سلام پھیرے پہلے دائیں طرف پھر بائیں طرف۔ جمہور علماء اور کبار صحابہ کا یہی مذہب ہے کیونکہ ابن مسعودؓ سے مروی ہے ان النبی ﷺ کان یسلم عن یمینہ حتی یری بیاض خدہ الایمن وعن یسارہ حتی یری بیاض خدہ الایسر۔ اور امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ صرف سامنے کی طرف ایک سلام ہے کیونکہ حضرت عائشہؓ اور سہل بن سعد سے مروی ہے ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم فعل کذلک "نبی کریم ﷺ نے ایسا ہی کیا ہے" یعنی نماز سے نکلنے کیلئے ایک سلام کیا اور ہم یہ کہتے ہیں کہ کبار صحابہ کے قول کو اختیار کرنا اولیٰ ہے اور اس روایت کا جواب یہ ہے کہ حضرت عائشہؓ عورتوں کی صف میں رہتی تھیں اور سہل بچوں کی صف میں۔ پس ممکن ہے کہ ان دونوں نے دوسرا سلام نہ سنا ہو کیونکہ نبی کریم ﷺ کا دوسرا سلام بنسبت اول کے پست آواز سے ہوتا تھا پس اس احتمال کے ہوتے ہوئے حدیث عائشہؓ اور حدیث سہلؓ قابل استدلال نہیں ہے۔ اور ہمارے نزدیک لفظ السلام کہنا واجب ہے فرض نہیں اور امام شافعیؒ کے نزدیک لفظ سلام کہنا فرض ہے ان کی دلیل نبی کریم ﷺ کا قول تحریمھا التکبیر وتحلیلھا التسلیم ہے کیونکہ جس طرح بغیر تکبیر کے نماز میں داخل ہونا صحیح نہیں اسی طرح بغیر سلام کے نماز سے نکلنا صحیح نہیں ہے اور تکبیر تحریمہ فرض ہے لہٰذا نماز سے نکلنے کیلئے لفظ سلام کہنا بھی فرض ہوگا۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے جب ابن مسعودؓ کو تشہد کی تعلیم دی تو آپ ﷺ نے ابن مسعودؓ سے فرمایا تھا اذا قلت ھذا او فعلت ھذا فقد تمت صلوتک۔ کیونکہ اس حدیث میں مقدار تشہد بیٹھنے کے بعد نماز کے پوری ہونے کا حکم دیا اس کے بعد کسی چیز کے فرض ہونے کے منافی ہے لہٰذا اس سے معلوم ہوا کہ مقدار تشہد کے بعد سلام فرض نہیں ہے۔ اور امام شافعیؒ کی روایت کردہ حدیث اگر صحیح ہو تو بھی اس سے فرضیت ثابت نہیں ہوتی کیونکہ یہ حدیث خبر واحد ہے اور خبر واحد سے زیادہ سے زیادہ وجوب ثابت ہوتا ہے اور ہم بھی وجوب کے قائل ہیں۔

مصنفؒ فرماتے ہیں کہ پہلا سلام پھیرتے وقت ان لوگوں کی نیت کرے جو اس کے دائیں جانب ہیں اور ملائکہ حفظہ کی نیت کرے اور اسی طرح بائیں طرف سلام پھیرتے وقت ان کی نیت کرے جو اس کی بائیں طرف ہیں کیونکہ اعمال کا مدار نیت پر ہے۔ اور جو مسلمان نماز میں شریک نہیں ان کی نیت نہ کرے یہی صحیح قول ہے۔

اور مقتدی سلام پھیرتے وقت اپنے امام کی نیت کرے۔ امام اگر دائیں طرف ہے تو دائیں طرف سلام میں نیت کرے اور بائیں طرف ہے تو اس طرف کے سلام میں امام کی نیت کرے۔ اور اگر مقتدی ٹھیک امام کے پیچھے یعنی محاذی ہو تو اس صورت میں امام ابو یوسفؒ کے نزدیک مقتدی دائیں طرف کے سلام میں امام کی نیت کرے اور امام محمدؒ کے نزدیک دونوں

طرف کے سلام میں امام کی نیت کرے یہ بھی ایک روایت امام ابو حنیفہؒ سے ہے امام ابو یوسفؒ اسی جانب کو ترجیح دیتے ہیں کیونکہ شریعت میں تیامن ہی معتبر ہے اور طرفین کی دلیل یہ ہے کہ محاذی (مقابل) دونوں طرف سے حصہ پانے والا ہوتا ہے اس لئے دونوں طرف کے سلام میں امام کی نیت کی جائے دوسری بات یہ ہے کہ تعارض کے وقت اگر جمع کرنا ممکن ہو تو ترجیح کی طرف رجوع نہیں کیا جاتا اس لیے دونوں طرف کے سلام میں امام کی نیت کرے۔ امام اپنے دونوں سلام میں ملائکہ حفظہ اور قوم دونوں کی نیت کرے۔ یہی صحیح قول ہے۔ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ امام نیت کا محتاج نہیں ہے اور بعض کے نزدیک ایک سلام میں نیت کرنا کافی ہے اور ملائکہ میں کسی عدد معین کی نیت نہ کرے بلکہ مطلقاً ملائکہ کی نیت کرے کیونکہ ملائکہ حفظہ کی تعداد احادیث میں مختلف وارد ہوئی ہے۔ چنانچہ ابن عباسؓ سے مروی ہے مع کل مومن خمسۃ من الحفظۃ کہ ہر مومن کے ساتھ پانچ ملائکہ حفظہ رہتے ہیں۔ ایک روایت میں مع کل مؤمن ستون ملکا اور ایک میں مائۃ وستون ہے پس جب ملائکہ حفظہ کی تعداد متعین نہیں تو بغیر تعیین کئے ان کی نیت کرے۔ اور یہ مسئلہ انبیاء علیہم السلام پر ایمان لانے کے مشابہ ہو گیا یعنی کوئی عدد معین کئے بغیر تمام انبیاء پر ایمان لانا ضروری ہے (فتاوی شامی [illegible]) اور منفرد صرف ملائکہ کی نیت کرے کیونکہ منفرد کے ساتھ سوائے ملائکہ کے اور کوئی نہیں ہے۔

وَجَهَرَ بِقِرَاءَةِ الْفَجْرِ وَأُولَيَيِ الْعِشَاءَيْنِ وَلَوْ قَضَاءً وَالْجُمُعَةِ وَالْعِيدَيْنِ وَيُسِرُّ فِي غَيْرِهَا كَمُتَنَفِّلٍ وَخُيِّرَ الْمُنْفَرِدُ فِيمَا يَجْهَرُ كَمُتَنَفِّلٍ بِاللَّيْلِ وَلَوْ تَرَكَ السُّورَةَ فِي أُولَيَيِ الْعِشَاءِ قَرَأَهَا فِي الْأُخْرَيَيْنِ مَعَ الْفَاتِحَةِ جَهْرًا وَلَوْ تَرَكَ الْفَاتِحَةَ لَا وَفَرْضُ الْقِرَاءَةِ آيَةٌ وَسُنَّتُهَا فِي السَّفَرِ الْفَاتِحَةُ وَأَيُّ سُورَةٍ شَاءَ وَفِي الْحَضَرِ طِوَالُ الْمُفَصَّلِ لَوْ فَجْرًا أَوْ ظُهْرًا وَأَوْسَاطُهُ لَوْ عَصْرًا أَوْ عِشَاءً وَقِصَارُهُ لَوْ مَغْرِبًا وَيُطَالُ أُولَى الْفَجْرِ فَقَطْ وَلَمْ يَتَعَيَّنْ شَيْءٌ مِنَ الْقُرْآنِ لِصَلَاةٍ وَلَا يَقْرَأُ الْمُؤْتَمُّ وَيُنْصِتُ وَإِنْ قَرَأَ آيَةَ التَّرْغِيبِ وَالتَّرْهِيبِ أَوْ خَطَبَ أَوْ صَلَّى عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالنَّائِي كَالْقَرِيبِ

ترجمہ: اور فجر میں اور عشاءین کی پہلی دو رکعتوں میں قراءت بالجہر کرے اگرچہ قضاء ہی ہو اور جمعہ اور عیدین میں بھی اور ان کے علاوہ میں آہستہ کرے دن میں نفل پڑھنے والے کی طرح اور جہری نمازوں میں منفرد کو اختیار ہے رات میں نفل پڑھنے والے کی طرح اور اگر عشاء کی پہلی دو میں سورت چھوڑ دی تو ان کو آخری دو میں فاتحہ کے ساتھ جہراً پڑھے اور اگر فاتحہ کو چھوڑ دیا تو اس کی قضا نہ کرے اور فرض قراءت ایک آیت ہے اور سفر میں مسنون قراءت فاتحہ ہے اور ایک سورت جو دل چاہے اور حالت حضر میں اگر فجر یا ظہر ہو تو طوال مفصل (کی سورتیں) ہیں اور اگر عصر یا عشاء ہو تو اوساط مفصل ہیں اور اگر مغرب ہو تو قصار مفصل ہیں اور فجر میں پہلی رکعت کو دراز کیا جائے اور نماز کیلئے قرآن کی کوئی سورت متعین نہیں اور مقتدی قراءت نہ کرے بلکہ متوجہ رہے اور خاموش رہے اگرچہ امام آیت رغبت یا آیت خوف پڑھے یا خطبہ دے یا آنحضرت ﷺ پر درود بھیجے اور دور بیٹھنے والا قریب والے کے حکم میں ہے۔

جہری اور سری قرأت کا بیان اور منفرد کیلئے جہر کا حکم

ويجهر بقراءة الفجر وأولي العشائين ولو قضاءً والجمعة والعيدين ويسر في غيرها كمتنفل بالنهار ويتخير المنفرد فيما يجهر كمتنفل بالليل: اگر امام ہو تو فجر کی دونوں رکعتوں اور مغرب اور عشاء کی پہلی دو رکعتوں میں اور جمعہ اور عیدین اور تراویح کی نماز اور رمضان کے وتر میں قرأت بالجہر کرنا واجب ہے اور باقی رکعتوں میں یعنی مغرب کی تیسری رکعت اور عشاء کی بعد والی دو رکعتوں میں اور ظہر اور عصر میں اخفاء کرنا واجب ہے یہی نبی کریم ﷺ صحابہ اور تابعین سے منقول ہے

پھر جہری نمازوں میں جہر کرنا اور سری نماز میں اخفاء کرنا واجب ہے اور وجوب احادیث سے ثابت ہے۔ اور اگر منفرد ہو تو اس کو اختیار ہے کہ چاہے جہر کرے اور اپنی ذات کو سنائے کیونکہ وہ اپنی ذات کے حق میں امام ہے۔ اور اگر چاہے تو اخفاء کرے کیونکہ اس کے ساتھ کوئی ایسا شخص نہیں ہے جس کو سنانے کی ضرورت ہو لیکن جہر کرنا افضل ہے تاکہ منفرد کی نماز جماعت کی ہیئت پر واقع ہو۔

اگر کسی شخص کی عشاء یا مغرب اور فجر کی نماز فوت ہوگئی پھر اس کو آفتاب طلوع ہونے کے بعد قضاء کیا تو اس کی دو صورتیں ہیں یا تو باجماعت قضاء کرے گا یا تنہا اگر جماعت کے ساتھ قضاء کی ہے تو جہر کرے کیونکہ لیلۃ التعریس کے موقع پر جب آپ نے فجر کی نماز باجماعت قضاء کی تو آپ نے جہر فرمایا تھا۔

اور اگر مذکورہ قضاء نماز تنہا پڑھے تو اخفاء واجب ہے اور اس کو جہر اور اخفاء کے درمیان اختیار نہیں ہے یہی قول صحیح ہے شمس الائمہ سرخسی فرماتے ہیں کہ جہر افضل ہے۔ قول صحیح کی دلیل یہ ہے کہ شریعت میں جہر دو طریقوں سے پایا جاتا ہے ایک تو جہر واجب ہے اس وقت جبکہ جماعت سے جہری نماز پڑھے خواہ ادا ہو یا قضاء ہو اور دوسرا جہر مخیر ہے اس وقت ہے جب کہ منفرد وقت کے اندر جہری نماز پڑھے اور یہاں جب کہ منفرد طلوع آفتاب کے بعد جہری نماز پڑھ رہا ہے تو دونوں باتوں میں سے کوئی بات نہیں پائی گئی یعنی نہ جماعت ہے اور نہ وقت اس لیے اس صورت میں نہ جہر واجب ہوگا اور نہ جہر مخیر بلکہ اخفاء واجب ہوگا۔

ولو ترك السورة في أولي العشاء قرأها في الأخريين مع الفاتحة جهراً ولو ترك الفاتحة لا: اگر ایک شخص نے عشاء کی پہلی دو رکعتوں میں سورۃ فاتحہ پڑھی مگر سورۃ فاتحہ کے بعد سورت نہیں پڑھی تو آخری دو رکعتوں میں سورۃ فاتحہ اور سورت دونوں پڑھے اور دونوں کے ساتھ جہر کرے۔ اور اگر پہلی دو رکعت میں سورت پڑھی مگر سورت فاتحہ نہیں پڑھی تو طرفینؒ کے نزدیک یہ شخص آخری دو رکعتوں میں سورۃ فاتحہ کی قضاء نہیں کرے گا۔ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک سورۃ فاتحہ اور سورت دونوں میں سے کسی کی قضاء نہ کرے۔ کیونکہ سورۃ فاتحہ اور سورت ان میں سے ہر ایک واجب ہے، یہی وجہ ہے کہ اگر دونوں میں سے کسی ایک کو سہواً ترک کر دیا تو سجدہ سہو واجب ہوگا خواہ شفع ثانی میں اس کی قضاء کرے یا قضاء نہ کرے اور واجب جب اپنے وقت سے فوت ہو جائے تو اس کی قضاء نہیں کی جاتی الا یہ کہ کوئی دلیل قضاء پائی جائے اور دلیل قضاء یہاں موجود نہیں اس

لیے ان دونوں کی قضا بھی نہیں ہوگی۔ طرفین کی دلیل یہ ہے کہ سورۃ فاتحہ کی مشروعیت اس طرح ہے کہ پہلے فاتحہ پڑھے پھر سورت پس جس صورت میں اس نے پہلی دو رکعتوں میں صرف سورت پڑھی ہے اگر اخیر کی رکعتوں میں سورۃ فاتحہ کی قضاء کرے گا تو ایسا ہو جائیگا گویا پہلے سورۃ پڑھی پھر فاتحہ اور یہ خلاف موضوع ہے اور پہلی صورت میں یہ بات لازم نہیں آتی لہذا اخیر کی رکعتوں میں قضاء ممکن ہے کہ مشروع کے مطابق سورۃ فاتحہ پڑھ کر سورت کی قضاء کرے گا۔

فرض قرأت کی مقدار

وَفَرْضُ الْقِرَاءَةِ آيَةٌ: امام صاحبؒ کے نزدیک قرأت کی ادنیٰ مقدار جس سے نماز جائز ہو جائیگی ایک چھوٹی آیت ہے مگر ﴿مدھامتان﴾ جیسا ایک کلمہ ہو تو بقول اصح اس سے فرض ادا نہیں ہوگا اور صاحبینؒ کے نزدیک ما تجوز بہ الصلوٰۃ کی مقدار چھوٹی تین آیتیں ہیں یا بڑی ایک آیت صاحبینؒ کی دلیل یہ ہے کہ چھوٹی تین آیات یا بڑی ایک آیت سے کم پڑھنے والے کو عرف عام میں قاریٔ قرآن نہیں کہا جاتا امام صاحبؒ کی دلیل باری تعالیٰ کا قول: ﴿فاقرؤا ما تیسر من القرآن﴾ ہے جو کہ مطلق ہے اس میں آیت اور مافوق الآیت کی کوئی تفصیل نہیں ہے لہذا جس طرح مافوق الآیت جواز صلوٰۃ کیلئے کافی ہے اسی طرح ایک آیت بھی کافی ہے کیونکہ آیت واحدہ حقیقۃً بھی قرآن ہے اور حکماً بھی حقیقۃً قرآن ہونا تو ظاہر ہے اور حکماً اس لیے ہے کہ ایک آیت کی قرأت حائضہ اور جنبی پر حرام ہے پس آیت واحدہ "من القرآن" کے اطلاق میں داخل ہوگی۔ اور مادون الآیت اگرچہ حقیقۃً قرآن ہے لیکن حکماً قرآن نہیں ہے اس لئے کہ مادون الآیت کی قرأت جنبی اور حائضہ کیلئے جائز ہے پس مادون الآیت بالاجماع ﴿فاقرؤا ما تیسر من القرآن﴾ کے تحت داخل نہیں ہوگا۔

سفر میں مسنون مقدار قرأت

وَسُنَّتُهَا فِي السَّفَرِ الْفَاتِحَةُ وَأَيُّ سُورَةٍ شَاءَ وَفِي الْحَضَرِ طِوَالُ الْمُفَصَّلِ لَوْ فَجْراً أَوْ ظُهْراً وَأَوْسَاطُهُ لَوْ عَصْراً أَوْ عِشَاءً وَقِصَارُهُ لَوْ مَغْرِباً وَيُطَالُ أُولَى الْفَجْرِ فَقَطْ: سفر کی حالت میں قرأت مسنونہ یہ ہے کہ سورہ فاتحہ اور جو سورۃ چاہے پڑھے اگر چھوٹی سورۃ پڑھی تب بھی سنت ادا ہو جائیگی کیونکہ روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے سفر کی حالت میں نماز فجر میں "صلی بھم صلاۃ الفجر لیلۃ ..." لوگوں کو انہیں دونوں سورتوں (یعنی معوذتین) کے ساتھ نماز پڑھائی (ابو داؤد، نسائی) اس قدر تخفیف اس وقت ہے جب یہ شخص عجلت میں ہو اور اگر امن اور قرار کی حالت میں ہے مثلاً کسی منزل پر ٹھہرا ہوا ہو اور یہ ہے کہ اطمینان سے ٹھہر کر روانہ ہوگا تو ایسی صورت میں فجر کی نماز میں اوساط مفصل پڑھے کیونکہ اس صورت میں تخفیف کے ساتھ سنت کی رعایت بھی ہو جائیگی۔ اور اقامت کی حالت میں فجر اور ظہر کی نماز میں طوال مفصل یعنی سورۂ حجرات سے سورۂ بروج تک مسنون ہے۔ اور عصر عشاء میں اوساط مفصل یعنی سورہ بروج سے لم یکن تک اور مغرب میں قصار مفصل یعنی لم یکن سے سورۂ ناس تک فقہاء کی اصطلاح میں "مفصل" سے مراد سورۂ حجرات سے سورۃ الناس تک کی سورتیں ہیں ان سورتوں

کو مفصل اس لئے کہا گیا ہے کہ فصل کے معنی جدا ہونے کے ہیں چنانچہ سورۂ حجرات سے ان چھوٹی چھوٹی سورتوں کا سلسلہ شروع ہوجاتا ہے جو ایک دوسرے سے درمیان میں بسم اللہ ہونے کی وجہ سے جدا ہوتی چلی جاتی ہیں۔ پھر مفصل یعنی سورۂ حجرات سے سورہ والناس تک کی سورتوں کو تین درجوں (یعنی (۱) طوال مفصل (۲) اوساط مفصل (۳) قصار مفصل میں تقسیم کیا گیا ہے۔ (مظاہر حق) اور تمام نمازوں کی مستحب قرأت کے بارے میں اصل امیر المؤمنین حضرت عمرؓ کا وہ فرمان ہے جو انہوں نے ابو موسیٰ اشعریؓ کے نام بھیجا تھا۔ ان اقرأ فی الفجر والظہر بطوال المفصل وفی العصر والعشاء باوساط المفصل وفی المغرب بقصار المفصل یعنی ظہر اور فجر میں طوال مفصل میں سے پڑھو اور عصر اور عشاء میں اوساط مفصل اور مغرب میں قصار مفصل پڑھو

قرأت کیلئے سورت معین کرنے کا حکم

ولم یتعین شیء من القرآن لصلاۃ: کسی نماز میں کسی متعین سورت کے پڑھنے کو واجب سمجھ لے اور دوسری سورۃ کو جائز نہ سمجھے تو اس طرح کی تعیین مکروہ ہے کیونکہ اس میں ایک تو باقی قرآن کا چھوڑنا لازم آئیگا۔ دوم یہ کہ تفضیل کا وہم پیدا ہوگا کہ یہ سورت قرآن کی دوسری سورتوں سے افضل ہے حالانکہ الفضلیت میں پورا قرآن برابر ہے۔ البتہ اگر اتباع سنت کی غرض سے کسی معین سورۃ کو پڑھے اور بعض اوقات دوسری سورتوں کو بھی پڑھے تو یہ مستحب ہے۔ جیسے جمعہ کی فجر میں پہلی رکعت میں "الم سجدہ" اور دوسری میں "سورۂ دھر" کبھی کبھی پڑھنا۔ سوا معین سورتوں کے دوسری اس کو یاد نہ ہوں یا ان کا پڑھنا اس کو سہل ہو تو مکروہ نہیں۔ (فتاویٰ شامی)

قرأت فاتحہ خلف الامام

ولا یقرأ المؤتم: قرأت فاتحہ خلف الامام کا حکم دو عنوان پر منقسم ہے۔ (۱) جہری نمازوں میں اس کا کیا حکم ہے؟ (۲) سری نمازوں میں اس کا حکم کیا ہے؟ (۱) جہری نمازوں میں اس کا حکم ہے۔ جہری نمازوں کے متعلق ائمہ کے اقوال یہ ہیں۔ امام اعظمؒ امام مالکؒ، امام احمدؒ قول قدیم میں اور جمہور فقہاء ومحدثین کے ہاں جہری نمازوں میں قرأت فاتحہ خلف الامام جائز نہیں ہے۔ امام شافعیؒ کے یہاں قرأت خلف الامام سری اور جہری دونوں نمازوں میں واجب ہے لیکن مزنی کی کتاب مختصر اور امام شافعی کی کتاب الام سے ثابت ہوتا ہے کہ سری نمازوں میں شافعیؒ کے ہاں فاتحہ خلف الامام واجب ہے مگر جہری نمازوں میں اختیار ہے۔ اور علماء کی تحقیق کے مطابق امام شافعی کا قول جدید بھی یہی ہے۔ اس تحقیق کو لیا جائے تو جہری نمازوں میں قرأت خلف الامام بالاتفاق نہیں ہے۔ احناف کے ہاں بالکل جائز نہیں۔ امام مالکؒ کے ہاں بھی عدم جواز کا قول ہے۔ امام احمدؒ کا ایک قول اباحت کا ہے مگر دوسرا قول ان کا بھی عدم جواز کا ہے اور امام شافعیؒ کے ہاں اختیار ہے۔ سری نمازوں میں قرأت فاتحہ خلف الامام کا کیا حکم ہے؟ امام صاحبؒ سے کئی اقوال منقول ہیں مشہور قول جہری کی طرح سری نمازوں میں بھی قرأت فاتحہ خلف الامام جائز نہیں۔ (۲) امام مالکؒ اور امام احمدؒ کے ہاں سری نمازوں میں قرأت فاتحہ خلف الامام مستحب ہے۔ (۳) امام شافعیؒ اور بعض اہل ظواہر کے ہاں سری نمازوں میں قرأت فاتحہ خلف الامام واجب ہے۔ قرأت خلف الامام کے قائلین عبادۃ بن الصامتؓ کی حدیث سے

استدلال کرتے ہیں۔ لا صلوٰۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب (متفق علیہ) اس شخص کی نماز نہیں جس نے فاتحۃ الکتاب نہیں پڑھی اور یہ حدیث صحت کے اعتبار سے ان کی سب سے زیادہ قوی دلیل ہے لیکن اس حدیث سے استدلال کرنا صحیح نہیں ہے کیونکہ مدعی خاص اور دلیل عام ہے کیونکہ دعویٰ یہ ہے کہ مقتدی پر قرأت فاتحہ واجب ہے یہ خاص دعویٰ ہے اور یہ حدیث مقتدی امام اور منفرد تینوں کیلئے عام ہے جو حضرات فاتحہ خلف الامام کے قائل نہیں ان کے نزدیک یہ حدیث مقتدی کے حق میں نہیں بلکہ امام اور منفرد کے حق میں ہے جیسا کہ امام ترمذی نے امام احمدؒ سے نقل کیا ہے۔ واما احمد بن حنبل فقال معنی قول النبی ﷺ " لا صلوٰۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب " اذا کان وحدہ۔ امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے اس شخص کی نماز نہیں جس نے فاتحۃ الکتاب نہیں پڑھی اس صورت پر محمول ہے جب اکیلا پڑھے ان حضرات کی دوسری دلیل عبادہ بن صامتؓ کی حدیث ہے جو محمد بن اسحاق سے مروی ہے۔ عن عبادۃ بن الصامتؓ قال کنا خلف النبی ﷺ فی صلوٰۃ الفجر فقرأ فثقلت علیہ القرأۃ۔ فلما فرغ قال لعلکم تقرؤن خلف امامکم قلنا نعم یا رسول اللہ! قال لا تفعلوا الا بفاتحۃ الکتاب۔ فانہ لا صلوٰۃ لمن لم یقرأ بہا۔ (ابوداؤد، ترمذی) "عبادہ بن صامتؓ سے روایت ہے کہ ہم آنحضرت ﷺ کی اقتداء میں فجر کی نماز پڑھ رہے تھے۔ آپ ﷺ نے قرأت کی تو آپ ﷺ پر قرأت دشوار ہوگئی۔ نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا شاید تم اپنے امام کے پیچھے قرأت کرتے ہو ہم نے کہا جی ہاں! یا رسول اللہ ﷺ! ایسا نہ کیا کرو سوائے فاتحۃ الکتاب کے کیونکہ اس شخص کی نماز نہیں جو اس کو نہ پڑھے۔ بیشک یہ حدیث ان حضرات کے مذہب پر صریح ہے لیکن صحیح نہیں ہے کیونکہ یہ حدیث سند اور متن دونوں کے اعتبار سے مضطرب ہے اور امام احمدؒ، علامہ ابن تیمیہؒ اور دیگر اکابر محدثین نے اس کو معلول اور غیر صحیح قرار دیا ہے۔ شیخ ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں: "وھذا الحدیث معلل عند ائمۃ الحدیث بامور کثیرۃ ضعفہ احمد وغیرہ من الائمۃ" "یہ حدیث بہت سی وجوہات سے ائمہ حدیث کے نزدیک معلول ہے امام احمدؒ اور دیگر ائمہ حدیث نے اس کی تضعیف کی ہے۔" (فتاویٰ ابن تیمیہ ۲۳/۲۸۶) احناف کی پہلی دلیل قرآن کریم کی آیت ﴿واذا قرئ القرآن فاستمعوا لہ وانصتوا﴾ ہے اور جب قرآن پڑھا جائے تو اس پر کان دھرو اور خاموش رہو اور یہ آیت نماز اور خطبہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ جیسا کہ علامہ ابن کثیرؒ نے تفسیر ابن کثیر میں اس آیت کے ذیل میں صحابہ کرامؓ میں سے ابن مسعودؓ، ابو ہریرہؓ، ابن عباسؓ اور عبداللہ بن مغفلؓ کے اور دوسرے تابعین کے ارشادات نقل کئے ہیں۔ احناف کی دوسری دلیل ابوموسیٰ اشعریؓ کی حدیث ہے کہ نبی کریم ﷺ نے خطبہ دیا وعظ کیا اس میں نماز کے مسائل بھی بتائے اور فرمایا: ﴿واذا قرأ فانصتوا﴾ (مسلم شریف باب التشہد، نسائی ۱/۴۲، ابن ماجہ ۱/۶۱، مسند احمد ۴/۳۱۵) اور جب وہ قرأت شروع کرے تو تم خاموش ہو جاؤ۔ تیسری دلیل ابو ہریرہؓ کی حدیث ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: انما جعل الامام لیؤتم بہ فاذا کبر فکبروا۔ واذا قرأ فانصتوا۔ (نسائی ۱/۱۴۶، ابن ماجہ، ابوداؤد، مسند احمد وغیرہ) "امام اسی لئے تو مقرر کیا جاتا ہے کہ اس کی اقتداء کی جائے پس جب وہ تکبیر کہے تو تم تکبیر کہو۔ اور جب وہ قرأت کرے تو تم

خاموش ہو جائے۔ ہماری دلیل حضرت جابرؓ کی حدیث "من کان له امام فقراءة الامام له قراءة" ہے۔ (مؤطا امام محمد ص ۹۸ [illegible]) کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس کا امام ہو تو امام کی قراءت اس کی قراءت ہے۔

وينصت وإن قرأ آية الترغيب والترهيب أو خطب أو صلى على النبي صلى الله عليه وسلم: اور امام کے پیچھے قراءت کرنا جنت کا سوال کرنا اور دوزخ سے پناہ مانگنا یہ سب چیزیں استماع اور انصات میں خلل پیدا کرتی ہیں اس لئے ان میں سے کوئی کام نہ کرے اور اسی طرح امام بھی یہ کام نہ کرے کیونکہ یہ کام نہ تو نبی کریم ﷺ سے منقول ہیں اور نہ آپ کے بعد ائمہ کرام سے دوسری بات یہ ہے کہ امام کا اس طرح دعا کرنا مقتدیوں پر تطویل صلوٰۃ کا باعث ہوگا اور یہ مکروہ ہے اسی طرح منفرد بھی جب فرض نماز پڑھ رہا ہو تو یہ دعائیں درمیان قراءت نہ مانگے اور اگر نفل نماز پڑھ رہا ہے تو سوال جنت اور تعوذ من النار کی دعا کرنا بہتر ہے۔ اسی طرح اگر خطیب خطبہ میں ہو تو قوم خطبہ کو کان لگا کر سنے اور خاموش رہے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے جس شخص نے دوران خطبہ اپنے ساتھی سے کہا کہ خاموش رہو تو اس نے لغو کیا اور جس نے لغو کیا اس کی نماز نہیں ہوئی۔ اسی طرح اگر امام نے خطبہ میں نبی کریم ﷺ پر درود پڑھا تب بھی قوم خاموش رہے اور کان لگا کر سنے کیونکہ صلوٰۃ علی النبی واجب نہیں اور خطبہ کا سننا واجب ہے لہٰذا غیر واجب کی وجہ سے واجب ترک نہیں کیا جائیگا۔

والنائي كالقريب: اور اگر کوئی شخص منبر سے اس قدر دور ہے کہ خطبہ نہیں سن رہا تو وہ بھی قریب والے شخص کی طرح خاموش رہنا ضروری ہے کیونکہ خطبہ کے وقت سننا اور خاموش رہنا دو واجب تھے پس اگر دوری کی وجہ سے [illegible] دوسرا واجب خاموش رہنا ممکن ہے لہٰذا اسی کو قائم رکھے۔

باب الإمامة والحدث في الصلاة

امامت اور حدث فی الصلوٰۃ کا بیان

امامت کی دو قسمیں ہیں صغریٰ، کبریٰ۔ امامت کبریٰ کی تعریف یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کی طرف سے نیابت کے طور پر لوگوں کی دینی و دنیاوی مصالح کی حفاظت کیلئے ریاست عامہ کو امامت کبریٰ کہتے ہیں۔ امامت صغریٰ امام کی نماز کے ساتھ مقتدی کی نماز کے وابستہ ہونے کو کہتے ہیں اور یہاں اسی امامت صغریٰ کے احکام بیان کرنا مقصود ہیں۔ مصنفؒ نے سابق میں امام کے افعال کا ذکر کیا ہے یعنی وجوب جہر، وجوب اخفاء اور تحدید قراءت اور مقتدی کے افعال کو ذکر کیا یعنی وجوب استماع اور انصات کو اب یہاں سے شرعیت امامت کی صفت کو بیان کر رہے ہیں۔

الجماعة سنة مؤكدة والأعلم أحق بالإمامة ثم الأقرأ ثم الأورع ثم الأسن وكره إمامة العبد والأعرابي والفاسق والمبتدع والأعمى وولد الزنا وتطويل الصلاة وجماعة النساء فإن فعلن

يَقِفُ الْإِمَامُ وَسْطَهُنَّ كَالْعُرَاةِ وَيَقِفُ الْوَاحِدُ عَنْ يَمِينِهِ وَالْاِثْنَانِ خَلْفَهُ

ترجمہ: جماعت سنت مؤکدہ ہے اور امامت کے زیادہ لائق وہ ہے جو سب سے زیادہ عالم ہو پھر سب سے زیادہ پرہیزگار پھر سب سے زیادہ عمر والا اور دیہاتی، بدکار، بدعتی، نابینا کی اور حرامزادے کی امامت مکروہ ہے اور نماز کو لمبا کرنا مکروہ اور عورتوں کی جماعت مکروہ ہے پس اگر جماعت کریں تو امام درمیان میں کھڑی ہو ننگوں کی جماعت کی طرح اور ایک مقتدی ہو تو امام کے دائیں اور دو ہوں تو اس کے پیچھے کھڑے ہوں۔

اَلْجَمَاعَةُ سُنَّةٌ مُؤَكَّدَةٌ: جماعت سنت مؤکدہ قریب بواجب ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ جماعت سنن ہدیٰ میں سے ہے اس سے منافق ہی پیچھے رہتا ہے۔ جماعت کے سنت مؤکدہ ہونے کی تائید ان احادیث سے بھی ہوتی ہے جو جماعت کی فضیلت میں وارد ہوئی ہیں۔

امامت کا زیادہ حقدار کون ہے

وَالْأَعْلَمُ أَحَقُّ بِالْإِمَامَةِ ثُمَّ الْأَقْرَأُ: فقہاء کرام نے وہ اوصاف جن کی بناء پر آدمی مستحق امامت بنتا ہے۔ بارہ تک لکھے ہیں مگر فقہاء کے درمیان ترتیب میں اختلاف ہے۔ حدیث میں چار اوصاف مذکور ہیں۔ امامت کا سب سے زیادہ مستحق وہ شخص ہے جو سنت کا زیادہ جاننے والا ہو یعنی ان احکام شرعیہ کا جاننے والا ہو جو نماز کے ساتھ متعلق ہیں مثلاً نماز کی شرطیں نماز کے ارکان نماز کی سنتیں اور اس کے آداب بشرطیکہ وہ بقدر جواز قرأت پر قدرت رکھتا ہو جمہور کا یہی قول ہے امام ابو یوسف کے نزدیک امامت کا زیادہ مستحق وہ ہے جو قرأت قرآن میں سب سے اچھا ہو بشرطیکہ بقدر ضرورت علم رکھتا ہو۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: يؤم القوم أقرؤهم لكتاب الله فإن كانوا سواء فأعلمهم بالسنة کہ قوم کی امامت وہ کرے جو کتاب اللہ کو بہتر پڑھنے والا ہو پھر اگر وہ سب برابر ہوں تو ان میں سے سنت کا زیادہ جاننے والا امامت کرے۔ جمہور کا استدلال مرض وفات میں آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد سے ہے: مروا أبا بكر فليصل بالناس ، اسطرح آنحضرت ﷺ نے مرض وفات میں ابوبکر صدیقؓ کے سپرد فرمائی حالانکہ ابی بن کعبؓ اقرأ تھے ظاہر ہے کہ یہاں ابوبکر صدیقؓ کی تقدیم اعلم ہونے کی بناء پر تھی۔ چنانچہ ابو سعید خدریؓ فرماتے تھے" وكان أبو بكر هو أعلمنا "اگر اقرأ کی تقدیم افضل ہوتی تو آپ ﷺ حضرت ابی بن کعبؓ کو امام بناتے۔ امام ابو یوسفؒ کی روایت کردہ حدیث کا جواب یہ ہے کہ ابتداء اسلام میں جب کہ قرآن حکیم کے حفاظ اور قراء کم تھے اور ہر شخص کو تھوڑی مقدار میں آیات قرآنیہ یاد ہوتی تھیں جن سے قرأت مسنونہ کا حق ادا ہو جائے تو حفظ قرأت کی ترغیب کیلئے امامت میں قراء کو مقدم رکھا گیا تھا۔ بعد میں جب قرآن کریم اچھی طرح رواج پا گیا تو اعلمیت کو انتخاب امامت کا اولین معیار قرار دیا گیا، کیونکہ اقرأ کی ضرورت نماز کے صرف ایک رکن یعنی قرأت میں ہوتی ہے جبکہ علم کی ضرورت نماز کے تمام ارکان میں ہوتی ہے۔ بہرحال آنحضرت ﷺ کا مرض وفات میں ابوبکر صدیقؓ کو امام مقرر کرنا ان کے اعلم ہونے کی بناء پر تھا۔ اور چونکہ یہ واقعہ بالکل آخری زمانہ کا ہے اس لیے ان تمام احادیث کیلئے ناسخ کی حیثیت رکھتا ہے۔ جن میں

اقرأ کی تقدیم کا بیان ہے۔ (درمختار)

ثُمَّ الْأَوْرَعُ ثُمَّ الْأَسَنُّ: اگر علم و قرأت میں برابر ہوں تو جو اورع ہے وہ اولیٰ ہے، ورع کہتے ہیں کہ جن چیزوں میں شرعی شبہ ہو ان سے بھی پرہیز کرنا اگر چہ ان کا ارتکاب جائز ہو اور تقویٰ کہتے ہیں حرام اور مکروہ تحریمی سے بچنے کو اور اگر امور مذکورہ میں سب برابر ہوں تو جو ان میں عمر رسیدہ ہو وہ اولیٰ ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے ابو ملیکہ کے صاحبزادوں سے فرمایا: ولیؤم کما اکبر کما منا تم دونوں میں سے بڑا امامت کرے، دوسری بات یہ ہے کہ بڑے کو مقدم کرنے میں جماعت کی زیادتی ہے اور سابق میں گزر چکا کہ جماعت کی زیادتی اللہ تعالیٰ کو زیادہ پسند ہے۔ اور حدیث میں ہے "من لم یوقر کبیرنا فلیس منا" اور جب اس کو اپنا امام بنایا تو یہ اس کی توقیر ہوئی۔

جن لوگوں کی امامت مکروہ ہے

وَكُرِهَ إِمَامَةُ الْعَبْدِ وَالْأَعْرَابِيِّ: غلام کی امامت مکروہ تنزیہی ہے اگر چہ وہ آزاد کر دیا گیا ہو۔ حتی کہ اگر آزاد کردہ غلام اور اصلی آزاد جمع ہو جائیں تو اصلی آزاد مستحق امامت ہوگا۔ دیہاتی کی امامت بھی مکروہ ہے کیونکہ ان میں جہالت کا غلبہ ہوتا ہے۔

وَالْفَاسِقِ وَالْمُبْتَدِعِ: فاسق اور مبتدع (دین میں نئی نئی باتیں پیدا کرنے والا) کی امامت مکروہ ہے کیونکہ یہ دین کے معاملے میں اہتمام نہیں کرتے اور اس لیے بھی کہ امامت کیلئے آگے بڑھانے میں ان کی تعظیم ہے فاسق اور بدعتی کی تکریم ممنوع ہے۔ امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ اس کے پیچھے نماز جائز نہیں ہے۔ کیونکہ جب اس کی طرف سے امور دینیہ میں خیانت ظاہر ہوگئی تو وہ نماز جیسے اہم امور میں بھی امین نہیں ہوگا لیکن ہماری طرف سے جواب یہ ہے کہ ابن عمرؓ انس بن مالکؓ اور ان کے علاوہ دوسرے صحابہؓ اور تابعینؒ نے حجاج بن یوسف رئیس الفساق کے پیچھے نماز پڑھی ہے۔ البتہ ہمارے نزدیک جائز تو ہے لیکن فاسق اور بدعتی کے پیچھے مکروہ تحریمی ہے۔ لہٰذا اگر قریب میں کوئی مسجد نہ ہو تو جماعت ترک کرنا صحیح نہیں ہے۔ (فتاویٰ شامی)

وَالْأَعْمٰى وَوَلَدِ الزِّنَا: نابینا کی امامت بھی مکروہ ہے۔ کیونکہ وہ نابینا ہونے کی وجہ سے پورے طور پر نجاست سے احتیاط نہیں کر سکتا۔ اور چونکہ نجاست صرف احتمال ہے اس لئے اس کی امامت مکروہ تنزیہی ہے۔ البتہ اگر کسی ذریعہ سے نجاست وغیرہ سے بچنے کا پورا اہتمام کرتا ہے اور سب سے افضل ہے اور مسائل سے زیادہ واقف ہے تو کوئی کراہت نہیں بلکہ اس کو امام بنانا افضل ہے۔ (شامی) کیونکہ آنحضرت ﷺ نے عبداللہ بن ام مکتومؓ اور عتبان بن مالکؓ کو جو نابینا تھے جہاد میں جاتے وقت مدینہ میں خلیفہ بنایا تھا اور یہ امامت وغیرہ کا کام بھی انجام دیتے تھے۔

ولد الزنا کی امامت اس لئے مکروہ ہے کہ اس کی تعلیم و تربیت کا معقول انتظام نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ نہ تو اس کا باپ ہوتا ہے اور نہ کوئی ایسا عزیز جو اس کا انتظام کرے بلکہ لوگ عادۃً شفقت کی بجائے اس سے نفرت کرتے ہیں اگر چہ خود اس کا کوئی قصور نہیں ہوتا۔ نابینا کی طرح غلام، دیہاتی، اور ولد الزنا کی امامت اس وقت مکروہ ہے جب ان پر جہل کا غلبہ اور قوم بھی ناپسند کرتی ہو اور

ان کے علاوہ کوئی اور ان سے اولیٰ موجود بھی ہو۔ اور اگر یہ لوگ صاحب علم ہوں اور قوم پسند کرتی ہو تو بلا کراہت جائز ہے۔ (ش ن)

وتطویل الصلاۃ: امام کا نماز کولمبا کرنا بھی مکروہ ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے اذا صلیٰ احدکم للناس فلیخفف فان فیھم السقیم والضعیف والکبیر واذا صلی احدکم لنفسہ فلیطول ماشاء (متفق علیہ) "جب تم میں سے کوئی شخص لوگوں کو نماز پڑھائے تو اسے چاہئے کہ نماز کو ہلکا کرے کیونکہ مقتدیوں میں بیمار کمزور اور بوڑھے بھی ہوتے ہیں (اور ان کی رعایت ضروری ہے) اور جب تم میں سے کوئی شخص تنہا اپنی نماز پڑھے تو اسے اختیار ہے کہ جس قدر چاہے نماز کو طویل کرے"۔ تخفیف صلوٰۃ کا تعلق صرف قرأت سے ہے دوسرے ارکان کی ادائیگی سے نہیں لہٰذا رکوع وسجود میں تین سے زائد تسبیحات پڑھنا بلا کراہت جائز ہے کیونکہ آنحضرت ﷺ سے دس تسبیحات کی مقدار رکوع اور سجود میں ثابت ہے نیز قرأت میں تخفیف کا مطلب یہ ہے کہ ہر نماز میں قدر مسنون سے آگے نہ پڑھے لہٰذا فجر میں طوال مفصل پڑھنا تخفیف کے خلاف نہیں لیکن قرأت میں تغنی کی خاطر زیادہ دیر لگانا تخفیف کے خلاف ہے۔

عورتوں کی جماعت مکروہ تحریمی ہے

وجماعۃ النساء فان فعلن یقف الامام وسطھن کالعراۃ: محض عورتوں کی جماعت مکروہ ہے۔ نفل ہو یا فرض کیونکہ جماعت کرنے میں ان کی امام آگے کھڑی نہیں ہو سکتی بلکہ درمیان میں کھڑی ہوگی جو کہ مکروہ تحریمی ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ کا فعل دائمی آگے کھڑا ہونا تھا۔ ننگوں کا بھی یہی حکم ہے کہ ان کی جماعت بھی مکروہ تحریمی ہے اور اگر عورتیں یا ننگے جماعت کریں بھی تو امام کو درمیان میں کھڑا ہونا چاہئے کیونکہ آگے ہونے کی صورت میں کشف عورت زیادہ ہوگا اور جہاں تک ممکن ہو اس کا [illegible] واجب ہے

ایک مقتدی ہو امام کے دائیں دو یا زیادہ ہوں تو امام کے پیچھے کھڑے ہوں

ویقف الواحد عن یمینہ والاثنان خلفہ: اگر کوئی مرد ایک مرد مقتدی کے ساتھ نماز پڑھے تو اس مقتدی کی اپنے دائیں کھڑا کرے۔ کیونکہ ابن عباس کہتے ہیں فتوضأ ثم قام یصلی فقمت فتوضأت ثم جئت فقمت عن یسارہ واخذ باذنی فادارنی خلفہ حتی اقامنی عن یمینہ (متفق علیہ) نبی کریم ﷺ نے وضو کیا اور نماز شروع کی پس میں نے بھی اٹھ کر وضو کیا اور میں آپ ﷺ کی بائیں طرف کھڑا ہو گیا پس آپ نے میرا کان پکڑ کر مجھے اپنے پیچھے سے گھمایا یہاں تک کہ مجھ کو اپنی دائیں طرف کھڑا کیا اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر امام کے ساتھ ایک مقتدی ہو تو اس کو دائیں طرف کھڑا کرنا سنت ہے اور امام محمدؒ سے مروی ہے کہ مقتدی اپنی پاؤں کی انگلیوں کو امام کی ایڑی کے برابر رکھے اور اگر ایک مقتدی نے امام کے پیچھے یا بائیں نماز پڑھی تب بھی نماز ہو جائے گی البتہ خلاف سنت ہونے کی وجہ سے گنہگار ہوگا۔ اور اگر امام کے علاوہ دو مقتدی ہوں تو امام ان دونوں سے آگے کھڑا ہو اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک امام ان دونوں کے درمیان میں کھڑا ہو کیونکہ ابن مسعودؓ نے علقمہ اور اسود کو نماز پڑھائی اور ان دونوں کے درمیان میں کھڑے ہوئے اور ہماری دلیل یہ ہے کہ جب نبی کریم ﷺ نے انسؓ اور یتیم کو نماز پڑھائی تو آپ ﷺ ان دونوں

سے آگے کھڑے ہوئے لہٰذا امام کا آگے کھڑا ہونا سنت ہے اور ابن مسعودؓ نے جگہ کے تنگ ہونے کی وجہ سے ایسا کیا۔

وَيَصُفُّ الرِّجَالُ ثُمَّ الصِّبْيَانُ ثُمَّ النِّسَاءُ وَإِنْ حَاذَتْهُ مُشْتَهَاةٌ فِي صَلَاةٍ مُطْلَقَةٍ مُشْتَرَكَةٍ تَحْرِيمَةً وَأَدَاءً فِي مَكَانٍ مُتَّحِدٍ بِلَا حَائِلٍ فَسَدَتْ صَلَاتُهُ إِنْ نَوَى إِمَامَتَهَا وَلَا يَحْضُرْنَ الْجَمَاعَاتِ وَفَسَدَ اقْتِدَاءُ رَجُلٍ بِامْرَأَةٍ أَوْ صَبِيٍّ وَطَاهِرٍ بِمَعْذُورٍ وَقَارِئٍ بِأُمِّيٍّ وَمُكْتَسٍ بِعَارٍ وَغَيْرِ مُومٍ بِمُومٍ وَمُفْتَرِضٍ بِمُتَنَفِّلٍ وَبِمُفْتَرِضٍ آخَرَ.

ترجمہ: اور صف باندھیں مرد پھر بچے پھر عورتیں اور اگر مطلق نماز میں کہ جو تحریمہ اور ادا کے اعتبار سے مشترک ہو ایک ہی جگہ بدون آڑ بالغ عورت مرد کے برابر کھڑی ہو جائے تو مرد کی نماز فاسد ہو جائے گی اگر امام نے اس کی امامت کی نیت کر لی اور عورتیں جماعت میں نہ آئیں اور مرد کی اقتدا عورت یا بچے کے پیچھے فاسد ہے اور طاہر کی معذور کے اور قاری کی ان پڑھ کے اور کپڑا پہنے ہوئے کی ننگے کے اور بااشارہ پڑھنے والے کی اشارہ سے پڑھنے والے کے فرض پڑھنے والے کی نفل یا دیگر فرض پڑھنے والے کے پیچھے (نماز فاسد ہے)

صفوں کی ترتیب کیسے ہوگی

وَيَصُفُّ الرِّجَالُ ثُمَّ الصِّبْيَانُ ثُمَّ النِّسَاءُ: امام کے پیچھے سب سے پہلے مرد کھڑے ہوں پھر ان کے پیچھے بچے کھڑے ہوں اور ان کے پیچھے عورتیں کھڑی ہوں دلیل ابو موسیٰ اشعریؓ کا اثر ہے کہ انہوں نے اپنے قبیلہ والوں سے کہا: ثم تقدم فصف الرجال في أدنى الصف وصف الولدان خلفهم وصف النساء خلف الصبيان۔ "پھر ابو مالک آگے بڑھے پھر مردوں کی صف باندھی۔ اور لڑکوں کی ان کے پیچھے اور عورتوں کی صف بچوں کے پیچھے بنائی"۔

مسئلہ محاذات

وَإِنْ حَاذَتْهُ مُشْتَهَاةٌ: اگر کوئی عورت نماز میں آ کر مرد کے محاذی (برابر) ہوگئی اور دونوں ایک نماز کی تحریمہ میں مشترک ہیں اور امام نے اس عورت کی امامت کی نیت بھی کی ہے تو ایسی صورت میں مرد کی نماز فاسد ہو جائے گی اور قیاس کا تقاضہ یہ ہے کہ مرد کی نماز بھی فاسد نہ ہو۔ اور یہی امام شافعیؒ کا قول ہے امام شافعیؒ نے مرد کی نماز کو عورت کی نماز پر قیاس کیا ہے یعنی محاذات کی وجہ سے عورت کی نماز بالاتفاق فاسد نہیں ہوئی لہٰذا مرد کی نماز بھی فاسد نہ ہوگی اور قیاس کی وجہ یہ ہے کہ محاذات ایسا فعل ہے کہ جانبین سے متحقق ہوتا ہے کہ پس جب محاذات عورت کی نماز کے لیے مفسد نہیں ہے تو مرد کی نماز کے لیے بھی مفسد نہیں ہوگا دلیل استحسان نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: أخروهن من حيث أخرهن الله۔ اس حدیث میں مردوں کو حکم دیا گیا کہ وہ عورتوں کو نماز میں پیچھے رکھیں پس جب عورت اس کے محاذی ہوگئی تو گویا مرد نے اپنا فرض مقام ترک کر دیا کیونکہ ایسی نماز میں جس کے اندر دونوں شریک ہوں عورت کو موخر کرنا مرد پر فرض ہے۔ اور جس نے فرض ترک کیا اس کی نماز فاسد ہوگی نہ کہ دوسرے کی۔ اس لیے ہم نے کہا کہ محاذات کی وجہ سے مرد کی نماز فاسد ہوگی نہ عورت کی۔ اور اگر امام نے محاذیہ عورت کے امام ہونے کی نیت نہ کی ہو تو اس

صورت میں عورت کی محاذات مرد کیلئے مفسد نہ ہوگی بلکہ اس عورت کی نماز جائز نہ ہوگی کیونکہ ہمارے نزدیک بغیر نیت کے اشتراک فی الصلوٰۃ ثابت نہیں ہوتا کیونکہ امام صاحب کے ہاں عورتوں کی امامت کی نیت شرط ہے۔ محاذات مفسدہ یہ ہے کہ عورت کی پنڈلی اور ٹخنہ مرد کی پنڈلی اور ٹخنہ کے برابر ہو جائے یا عورت کا پاؤں مرد کے پاؤں کے برابر ہو جائے تو مرد کی نماز فاسد ہو جائیگی علامہ زیلعیؒ نے قول اول کی تصحیح کی ہے اور علامہ شامیؒ نے دوسرے قول کو راجح قرار دیا ہے۔

مصنفؒ نے محاذات مفسدہ کی چند شرطیں بیان کی ہیں۔ مُشْتَهَاةٌ پہلی شرط یہ ہے کہ عورت مشتہات (قابل شہوت) ہو خواہ یہ عورت باندی ہو یا آزاد خواہ بیوی ہو یا (ماں یا بہن وغیرہ) محرم ہو۔

فِي صَلَاةٍ مُطْلَقَةٍ۔ دوسری شرط یہ ہے کہ نماز مطلقہ (رکوع سجدہ والی) ہو اگرچہ کسی عذر کے سبب اشارہ سے ادا کر رہے ہوں چنانچہ نماز جنازہ میں محاذات مفسد نہیں ہے۔

مُشْتَرَكَةٍ تَحْرِيمَةً وَأَدَاءً: تیسری شرط یہ کہ دونوں کی نماز تحریمہ اور اداء کے اندر مشترک ہو تحریمہ میں مشترک ہونے کا مطلب یہ ہے کہ دونوں کے تحریمہ کی بنا امام کے تحریمہ پر ہو یا ان دونوں میں ایک نے دوسرے کے تحریمہ پر بنا کی ہو بایں طور کہ عورت اور مرد میں سے ایک امام اور دوسرا مقتدی ہو۔ اور ادا میں اشتراک کا مطلب یہ ہے کہ جو نماز وہ دونوں ادا کر رہے ہیں اس میں ان دونوں کے لیے کوئی امام ہو حقیقتاً یا حکماً مثلاً ایک مرد اور عورت نے تیسری رکعت میں امام کی اقتداء کی پھر ان دونوں کو حدث ہوا تو وہ دونوں گئے پھر آ کر نماز پڑھنے لگے اور عورت مرد کی محاذی ہوگئی۔ پس اگر عورت امام کی تیسری اور چوتھی رکعات میں محاذی ہوئی جو ان دونوں کی پہلی اور دوسری ہے تو مرد کی نماز اس محاذات کی وجہ سے فاسد ہو جائے گی کیونکہ تیسری اور چوتھی رکعات میں تحریمہ اور ادا دونوں اعتبار سے اشتراک ہے۔ اشتراک فی تحریمہ تو اس لیے ہے کہ دونوں کے تحریمہ کی بنا امام کے تحریمہ پر ہے اور اشتراک فی الاداء اس لیے ہے کہ تیسری اور چوتھی رکعت میں دونوں کے لیے ایک امام ہے اگرچہ حکماً ہے، حکماً اس لئے ہے کہ جب یہ دونوں وضو کے لئے گئے تھے تو امام اپنی نماز پوری کر چکا تھا پس تیسری اور چوتھی رکعت میں یہ دونوں لاحق ہوں گے اور لاحق کیلئے اگرچہ حقیقۃً امام نہیں ہوتا مگر حکماً امام ہوتا ہے۔

فِي مَكَانٍ مُتَّحِدٍ بِلَا حَائِلٍ فَسَدَتْ صَلَاتُهُ إِنْ نَوَى إِمَامَتَهَا: چوتھی شرط یہ ہے کہ ایک ہی جگہ کھڑے ہوں کہ ان دونوں کے درمیان کوئی چیز حائل نہ ہو مثلاً ستون یا کوئی اور چیز اور اتنی جگہ خالی نہ ہو کہ اس میں ایک مرد کھڑا ہو جائے۔

عورتوں کا جماعت میں حاضر ہونے کا حکم

وَلَا يَحْضُرْنَ الْجَمَاعَاتِ: عورتوں کا جماعتوں میں حاضر ہونا مکروہ ہے۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ عورتوں کا مسجد کی طرف نکلنا مباح ہے ان کی دلیل نبی ﷺ کا ارشاد ہے "اذا استأذنت احدکم امرأته الی المسجد فلا یمنعها" "جب تم میں سے کسی سے اس کی بیوی مسجد میں جانے کی اجازت چاہنے لگے تو وہ اس کو منع نہ کرے"۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ جوان عورتوں کی حاضری

ضروریہ حاصل ہو پس اس بات میں کوئی شک نہیں کہ تیمم طہارت ضروریہ ہے اور طہارت بالماء طہارت اصلیہ ہے اور اس بات میں کوئی شک نہیں کہ جو شخص طہارت اصلیہ پر ہے اس کا حال اقوی ہے بہ نسبت اس کے حال کے جو طہارت ضروریہ پر ہو پس معلوم ہوا کہ مقتدی کا حال امام کے حال سے اقوی ہے اور اضعف حال والا شخص اقوی حال والے کی امامت نہیں کرسکتا اس لئے متیمم متوضئین کی امامت نہیں کرسکتا۔ شیخین کی دلیل یہ ہے کہ تیمم طہارت مطلقہ غیر موقتہ ہے یعنی تیمم مطلقاً طہارت ہے مستحاضہ کی طہارت کی طرح موقت نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ تیمم قدر حاجت کے ساتھ مقدر نہیں ہے بلکہ دس سال تک بھی اگر پانی دستیاب نہ ہو یا اس کے استعمال پر قدرت نہ ہو تو تیمم مشروع رہتا ہے کما مر پس جب تیمم طہارت مطلقہ ہوا تو تیمم اور متوضی دونوں کا حال یکساں ہوا اور جب دونوں کا حال یکساں ہے تو ایک دوسرے کی امامت کرسکتا ہے۔

وَغَاسِلٍ بِمَاسِحٍ وَقَائِمٍ بِقَاعِدٍ وَبِأَحْدَبَ. اور پاؤں دھونے والا موزوں پر مسح کرنے والے کی اقتداء کرسکتا ہے کیونکہ موزہ قدم تک حدث کو نہیں پہنچنے دیتا اس لئے حدث سے پاؤں کی طہارت زائل نہ ہوگی اور موزوں پر جو کچھ حدث کا اثر ہوا اس کو مسح نے زائل کر دیا اس لئے موزے والے کی طہارت پاؤں دھونے والے کی طرح باقی ہے۔ نیز کھڑے ہو کر نماز پڑھنے والا بیٹھ کر رکوع سجدہ کرنے والے کی اقتداء کرسکتا ہے امام محمدؒ کے نزدیک ان دونوں صورتوں میں مقتدی کی حالت امام کی حالت سے قوی ہے۔ لیکن ہم نے اس قیاس کو اس نص کی وجہ سے ترک کر دیا جو صحیحین میں مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اپنی آخری نماز بیٹھ کر پڑھی یعنی سب سے آخری ظہر کی نماز بیٹھ کر پڑھائی اور قوم نے آپ کے پیچھے کھڑے ہو کر اقتداء کی۔

وَمُومٍ بِمِثْلِهِ وَمُتَنَفِّلٍ بِمُفْتَرِضٍ: اشارہ سے نماز پڑھنے والا اپنے ہم مثل اشارے سے نماز پڑھنے والے کی اقتداء کرسکتا ہے اگرچہ امام بیٹھ کر اشارہ کرتا ہو اور مقتدی کھڑا ہو کر اشارہ کرے کیونکہ کھڑے ہو کر اشارے کے ساتھ نماز پڑھنے کی صورت میں قیام رکن نہیں رہتا بلکہ اس کا ترک کرنا اولیٰ ہوتا ہے پس یہ قیام عدم قیام کے حکم میں ہے البتہ اگر مقتدی بیٹھ کر اشارہ کرتا ہے اور امام لیٹ کر تو اس صورت میں اقتداء جائز نہیں ہے اور نفل پڑھنے والا فرض پڑھنے والے کی اقتداء کرسکتا ہے کیونکہ امام کی حالت مقتدی کی حالت سے قوی ہے۔

وَإِنْ ظَهَرَ أَنَّ إِمَامَهُ مُحْدِثٌ أَعَادَ: اگر نماز پڑھ لینے کے بعد امام کا حالت حدث میں نماز پڑھانا معلوم ہو تو نماز کا اعادہ ضروری ہے اور اگر اقتداء سے پہلے معلوم ہو جائے تو بالاجماع اقتداء کرنا جائز نہیں پہلی صورت میں امام شافعیؒ کا اختلاف ہے وہ فرماتے ہیں کہ مقتدی کی نماز صحیح ہے کیونکہ ان کے یہاں ہر ایک کی نماز علیحدہ ہے ہماری دلیل نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے "اذا فسدت صلوۃ الامام فسدت صلاۃ من خلفہ" جب امام کی نماز فاسد ہوگی تو جو اس کے پیچھے ہیں ان کی نماز فاسد ہوگی۔ ہماری دوسری دلیل نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے "الامام ضامن" یعنی امام ضامن ہے پس اس حدیث سے ثابت ہوا کہ امام قوم کی نمازوں کی صحت و فساد کے اعتبار سے ذمہ دار ہے اور جب آدمی محدث اور جنبی ہو تو اس کی نماز بالاجماع باطل ہے لہٰذا امام جن

کیونکہ یہ عذر نادر الوجود ہے اور شرط اختلاف یہ ہے کہ عذر نادر الوجود نہ ہو اور ان سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ وہ بلا قرأت اس نماز کو پورا کرے اگر مقدار فرض قرأت کرنے کے بعد رکا تو بالاجماع خلیفہ نہ بنائے بلکہ رکوع کر دے اور اسی طرح نماز پڑھتا رہے اگر وہ خلیفہ بنائیگا تو اس کی نماز فاسد ہو جائیگی اس لئے کہ اس کو خلیفہ کی ضرورت نہیں ہے۔ اور اگر قرأت کرنا بالکل بھول گیا (یعنی ایسا ہو گیا کہ پڑھ ہی نہیں سکتا) تو خلیفہ بنانا بالاجماع جائز نہیں ہے اس لئے کہ امام اس صورت میں امی ہو گیا پس قوم کی نماز فاسد ہو گئی اور امام کی نماز بھی اس صورت میں امام صاحبؒ کے نزدیک بوجہ امی ہو جانے کے فاسد ہو جائیگی اور نئے سرے سے پڑھیگا اور صاحبینؒ کے نزدیک اس کی نماز فاسد نہیں ہوئی اور اس کیلئے بنا جائز ہے۔

وَإِنْ خَرَجَ مِنَ الْمَسْجِدِ بِظَنِّ الْحَدَثِ أَوْ جُنَّ أَوِ احْتَلَمَ أَوْ أُغْمِيَ عَلَيْهِ اسْتَقْبَلَ: کسی کو نماز میں حدث کا گمان ہوا مثلاً اس کے بدن سے کوئی چیز نکلی اور اس پر خون کا گمان کیا یا قطرہ نکلنے کا گمان کیا اور مسجد سے باہر نکل گیا پھر معلوم ہوا کہ اس کو حدث نہیں ہوا تو وہ بالاتفاق نئے سرے سے نماز پڑھے کیونکہ بغیر دلیل کے صرف ظن سے عذر متحقق نہیں ہوتا اور بغیر عذر مسجد سے نماز کی اصلاح کیلئے نکلنا بھی مفسد نماز ہے اور اس میں عدم عذر کے علاوہ ایک وجہ اختلاف مکان بھی ہے جو مفسد نماز ہے اور اگر وہ مسجد سے نہیں نکلا ہے تو امام صاحبؒ کے نزدیک اس کی نماز باقی ہے اسی پر بنا کر کے پوری کر لے اس لئے کہ مسجد مکان واحد ہے اور میدان میں صفوں کی آخری حد تک یہی حکم ہے۔

اور قیاس کا تقاضا یہی ہے کہ دونوں صورتوں میں از سر نو نماز پڑھے بنا نہ کرے یہی امام محمدؒ سے مروی ہے ان کی دلیل یہ ہے کہ بغیر کسی عذر کے قبلہ سے منہ پھیرنا پایا گیا اور بلا عذر انحراف عن القبلہ کی وجہ سے نماز فاسد ہو جائیگی اس لئے ان دونوں صورتوں میں نماز کا اعادہ واجب ہوگا۔ وجہ استحسان یہ ہے کہ یہ شخص اصلاح نماز کے ارادے سے پھرا تھا اس لئے یہ پھرنا مفسد نماز نہیں ہوگا پس اصلاح کے ارادے کو حقیقت اصلاح کے ساتھ لاحق کر دیا گیا۔

وَإِنْ سَبَقَهُ حَدَثٌ بَعْدَ التَّشَهُّدِ تَوَضَّأَ وَسَلَّمَ وَإِنْ تَعَمَّدَهُ أَوْ تَكَلَّمَ تَمَّتْ صَلَاتُهُ: اگر مقدار تشہد بیٹھنے کے بعد حدث لاحق ہو تو وضو کر کے آکر سلام پھیرے کیونکہ اس کے فرائض پورے ہو گئے مگر ایک واجب یعنی سلام پھیرنا باقی ہے اس لئے کہ بلا طہارت نماز کی تحلیل نہیں ہوتی اور اگر مقدار تشہد بیٹھنے کے بعد قصداً حدث کیا یا کلام یا کوئی اور کام جو نماز کے منافی ہو کرے تو اگرچہ بے وضو ہونے کے بعد کرے تو اس کی نماز فرضوں کے پورا ہونے کی وجہ سے پوری ہو جائیگی لیکن سلام کے ترک سے جو کہ واجب ہے اس نماز کا اعادہ واجب ہے۔

مسائل اثنا عشرہ

وَبَطَلَتْ إِنْ رَأَى مُتَيَمِّمٌ مَاءً أَوْ تَمَّتْ مُدَّةُ مَسْحِهِ أَوْ نَزَعَ خُفَّهُ بِعَمَلٍ يَسِيرٍ أَوْ تَعَلَّمَ أُمِّيٌّ سُورَةً أَوْ

ترجمہ و مطلب: یہاں سے مسائل اثنا عشرہ کا بیان ہے جن میں بقدر تشہد بیٹھنے کے بعد حدث پیش آنے سے امام صاحبؒ کے

نزدیک نماز باطل ہو جاتی ہے صاحبینؒ کے نزدیک باطل نہیں ہوتی (۱) متیمم نے پانی دیکھ لیا یعنی اس کے استعمال پر قادر ہو گیا (۲) موزے پر مسح کی مدت پوری ہو گئی (۳) موزے بعمل قلیل نکال لئے مثلاً موزہ ڈھیلا تھا اور تھوڑی حرکت سے پاؤں سے نکل گیا عمل کثیر کی ضرورت نہیں پڑی اور اگر عمل کثیر سے موزہ نکالے گا تو بالاتفاق اس کی نماز پوری ہو جائیگی کیونکہ اس صورت میں خروج بصنعہ پایا گیا لیکن بوجہ ترک سلام اعادہ واجب ہوگا (۴) امی نے بقدر ما یجوز بہ الصلوٰۃ قرآن سیکھ لیا اور اس سے مراد یہ ہے کہ قرآن بھول گیا تھا لیکن مقدار تشہد کے بعد یاد آ گیا اور بعض نے کہا کہ تعلم سورت کا مطلب یہ ہے کہ اس نے بغیر اختیار کے سنا اور بغیر کوشش کے اس کو یاد ہو گیا۔ اور یہ مطلب نہیں کہ اس نے کسی سے سیکھا کیونکہ اگر کسی قاری سے سیکھے گا تو بوجہ عمل کثیر کے اپنی نماز سے خارج ہو جائیگا اور بالاتفاق اس کیلئے بنا جائز نہیں ہوگی (۵) ننگے نے ستر چھپانے والی کوئی چیز پالی (۶) اشارہ سے نماز پڑھنے والا رکوع سجدہ پر قادر ہو گیا کیونکہ اب اس کی نماز کا آخری حصہ اقوی ہے پس ضعیف پر قوی کی بنا جائز نہیں ہے

أَوْ تَذَكَّرَ فَائِتَةً أَوِ اسْتَخْلَفَ أُمِّيًّا أَوْ طَلَعَتِ الشَّمْسُ فِي الْفَجْرِ أَوْ دَخَلَ وَقْتُ الْعَصْرِ فِي الْجُمُعَةِ أَوْ سَقَطَتْ جَبِيرَتُهُ عَنْ بُرْءٍ أَوْ زَالَ عُذْرُ الْمَعْذُورِ :

(۷) صاحب ترتیب کو قضا نماز یاد آ گئی اور ابھی ترتیب ساقط نہیں ہوئی ہے اگر منفرد یا امام ہو تو اپنے ذمہ قضا نماز کا ہونا یاد آئے اور اگر مقتدی ہو تو امام کے ذمہ ہونا یاد آئے اور جس کے ذمہ قضا ہے وہ ابھی صاحب ترتیب ہے اور وقت میں اتنی گنجائش ہے کہ قضا اور وقتی دونوں پڑھ سکتا ہے تو امام صاحبؒ کے نزدیک نماز کا باطل ہونا موقوف رہے گا یہاں تک کہ اگر اس کے بعد پانچ وقتی نمازیں اور پڑھ لے گا اور اس قضا کو باوجود یاد آنے کے اس وقت تک ادا نہیں کرے گا تو اب وہ نماز بھی جائز ہو جائیگی اور اگر قضا شدہ کو ادا کر لے گا تو وہ نماز باطل ہو جائیگی اور اگر وقت تنگ ہو تو نماز بالاتفاق ہو جائیگی (۸) امام نے کسی امی کو خلیفہ بنا دیا (۹) فجر کی نماز میں آفتاب طلوع ہو گیا (۱۰) جمعہ کی نماز میں عصر کا وقت داخل ہو گیا (۱۱) زخم اچھا ہونے پر پٹی گر گئی (۱۲) معذور کا عذر جاتا رہا جیسے مستحاضہ عورت یا جو اس کے معنی میں ہو جیسے وہ آدمی جس کو پیشاب جاری ہونے یا نکسیر ہونے کا عذر ہو ان تمام صورتوں میں امام صاحبؒ کے نزدیک نماز فاسد ہو جائیگی اور اس پر بنا جائز نہیں ہوگی کیونکہ جس روایت میں امام صاحبؒ کے نزدیک اپنے فعل سے نمازی کا اپنی نماز سے باہر آنا فرض ہے اس کے مطابق ترک فرض ہوا اور جس روایت میں خروج بصنعہ فرض نہیں ہے تو اس وجہ سے فاسد ہوگی کیونکہ فرض میں تغیر ہو گیا مثلاً تیمم والے نے قعدہ اخیرہ کے بعد پانی پر قدرت پائی تو پہلے تیمم فرض تھا اب متغیر ہو کر وضو فرض ہو گیا اور صاحبینؒ کے نزدیک اس کی نماز درست ہے یعنی اس کو اس پر بنا کر کے پوری کرنا جائز ہے اور اگر بنا نہ کرے تب بھی اس کی نماز فرض کے اعتبار سے پوری ہو گئی لیکن بوجہ ترک سلام کے جو واجب ہے اعادہ واجب ہوگا صاحبینؒ کے قول کو ترجیح دی گئی ہے لیکن احتیاط امام صاحبؒ کے قول میں ہے کہ نماز فاسد ہو جائیگی۔ (الدر مع شامی)

وَصَحَّ اسْتِخْلَافُ الْمَسْبُوقِ فَلَوْ أَتَمَّ صَلَاةَ الْإِمَامِ تُفْسِدُهُ بِالْمُنَافِي صَلَاتَهُ دُونَ الْقَوْمِ كَمَا تُفْسِدُ

اور فاسد پر بناء کرنا فاسد ہوتا ہے اس لئے اس صورت میں مسبوقین کی نماز فاسد ہو جائیگی اور سلام اور خروج عن المسجد دونوں موجبات تحریمہ میں سے ہیں سلام تو اس لئے موجب تحریمہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا "تحلیلها التسلیم" اور خروج اس لئے کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے "فإذا قضيت الصلوة فانتشروا في الأرض" لیکن جب یہ دونوں موجب تحریمہ ہیں تو مفسد نماز نہیں ہوں گے بلکہ نماز کو پورا کرنے والے ہوں گے اور جب امام کی نماز پوری ہوگی تو کوئی جز فاسد نہیں ہوا تو مسبوق بھی اپنی نماز کی بناء کر سکتا ہے۔

وَلَوْ أَحْدَثَ فِي رُكُوْعِهِ أَوْ سُجُوْدِهِ تَوَضَّأَ وَبَنَى وَأَعَادَهُمَا اگر کسی کو رکوع یا سجدہ میں حدث لاحق ہو جائے تو وضو کر کے بنا کرے۔ اور جس رکوع یا سجدہ میں حدث لاحق ہوا ہے اس کا اعادہ کرے کیونکہ یہ رکن طہارت کے ساتھ مکمل ادا نہیں ہوا۔

وَلَوْ ذَكَرَ رَاكِعًا أَوْ سَاجِدًا سَجْدَةً فَسَجَدَهَا لَمْ يُعِدْهُمَا وَتَعَيَّنَ الْمَأْمُوْمُ الْوَاحِدُ لِلْاسْتِخْلَافِ بِلَا نِيَّةٍ اور اگر رکوع یا سجدہ میں یاد آیا کہ اس پر کوئی سجدہ ہے خواہ سجدہ تلاوت ہو یا سجدہ نماز اور اس نے رکوع یا سجدہ سے سر اٹھا کر چھوٹے ہوئے سجدہ کی قضا کی تو ان دونوں صورتوں میں اس رکوع یا سجدہ کو لوٹانا ضروری نہیں ہے لیکن بہتر یہی ہے کہ ان کو لوٹائے تاکہ جمیع الارکان تمام افعال ترتیب کے ساتھ ادا ہوں کیونکہ نماز کے افعال مکررہ میں ترتیب شرط نہیں بلکہ واجب ہے اور ترک واجب کی وجہ سے سجدہ سہو لازم ہوگا اور اگر چھوٹے ہوئے سجدہ کو آخر نماز تک مؤخر کرے تو یہ جائز ہے اور اس وقت صرف اسی چھوٹے ہوئے سجدہ کو قضا کرے لیکن ایسی صورت میں رکوع و سجدہ کا اعادہ نہ واجب ہے نہ مستحب البتہ سجدہ سہو اس صورت میں بھی واجب ہوگا دو سجدوں میں ترتیب ترک کرنے کی وجہ سے۔ اگر امام کو حدث لاحق ہوا اور مقتدی ایک ہی ہے تو وہ خود بخود ہی خلیفہ بن جائیگا امام اس خلیفہ بننے کی نیت کرے یا نہ کرے

بَابُ مَا يُفْسِدُ الصَّلَاةَ وَمَا يُكْرَهُ فِيْهَا

ان امور کے بیان میں جو نماز کو باطل کر دیتے ہیں اور جو نماز میں مکروہ ہیں

گذشتہ باب میں غیر اختیاری عوارض کا بیان تھا اور اس باب میں اختیاری عوارض کا بیان ہے۔

يُفْسِدُ الصَّلَاةَ التَّكَلُّمُ وَالدُّعَاءُ بِمَا يُشْبِهُ كَلَامَنَا وَالْأَنِيْنُ وَالتَّأَوُّهُ وَارْتِفَاعُ بُكَائِهِ مِنْ وَجَعٍ أَوْ مُصِيْبَةٍ لَا مِنْ ذِكْرِ جَنَّةٍ أَوْ نَارٍ وَالتَّنَحْنُحُ بِلَا عُذْرٍ وَجَوَابُ عَاطِسٍ بِيَرْحَمُكَ اللّٰهُ وَفَتْحُهُ عَلَى غَيْرِ إِمَامِهِ وَالْجَوَابُ بِلَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَالسَّلَامُ وَرَدُّهُ

ترجمہ: کلام کرنا نماز کو فاسد کر دیتا ہے اور ایسی دعا کرنا جو ہمارے کلام کے مشابہ ہو اور کراہنا اور دردمند کا اوہ کرنا اور درد یا مصیبت کی وجہ سے آواز سے رونا نہ کہ جنت یا دوزخ کو یاد کر کے رونا اور بلا عذر کھنکارنا اور چھینکنے والے کو یرحمک اللہ کے ساتھ جواب دینا اور اپنے امام

ان الفاظ کے ساتھ رویا آہ وغیرہ کی تو اس کی نماز فاسد ہو جائیگی لیکن اگر مریض اپنے نفس کو آہ کرنے سے نہیں روک سکتا تو بوجہ ضرورت کے نماز فاسد نہیں ہوگی وہ گویا چھینکنے کھانسنے ڈکار و جمائی لینے کی مانند ہوگیا اور اگر نماز میں ایسے رویا کہ صرف آنسو بہے اور آواز نہ نکلی تو نماز فاسد نہ ہوگی۔

والتنحنح بلا عذر: نمازی کا کھنکارنا کہ جس کی وجہ سے حروف بھی پیدا ہو گئے اب اگر بلا عذر یا بلا غرض صحیح ہو تو نماز فاسد ہو جائیگی اور اگر کھنکھارنا عذر کی وجہ سے ہو مثلاً کھانسی کا مرض ہے پس بے اختیار کھانسی آجائے تو اس سے نماز فاسد نہیں ہوتی کیونکہ اس سے بچنا مشکل ہے اور اگر خود اپنی طرف سے کسی صحیح غرض کیلئے کھنکارا تب بھی مفسد نہیں ہے مثلاً اپنی آواز کو درست کرنے کیلئے کھنکارا یا کسی کو اپنے نماز میں ہونے پر اطلاع دینے کیلئے تو ان سب صورتوں میں نماز فاسد نہیں ہوگی اور اگر کھنکارنے یا کھانسنے سے حروف ظاہر نہیں ہوئے یا سننے میں نہیں آتے تو بالاتفاق نماز فاسد نہ ہوگی لیکن بلا عذر ہو تو یہ بھی مکروہ ہے۔

وجواب عاطس بیرحمک اللہ: اگر کسی شخص کو چھینک آئی اور نمازی نے اس کو یرحمک اللہ کہا تو نماز فاسد ہو جائیگی کیونکہ خطاب بغیر ہونے کی سے کلام میں داخل ہوگیا اور اگر خود نمازی کو چھینک آئی اور اس نے خود اپنی طرف خطاب کر کے یرحمک اللہ کہا یعنی یوں کہا یرحمک اللہ یا نفسی تو نماز فاسد نہ ہوگی کیونکہ یہ خطاب بغیر نہیں ہے اس لئے کلام میں داخل نہیں اور مفسد نہیں ہے جیسا کہ اگر کوئی یرحمنی اللہ کہے تو نماز فاسد نہیں ہوتی۔

غیر امام کو لقمہ دینا مفسد صلوٰۃ ہے

وفتحہ علی غیر امامہ. اگر نمازی نے اپنے امام کے سوا کسی دوسرے کو لقمہ دیا تو لقمہ دینے والے اور لینے والے دونوں کی نماز فاسد ہو جائیگی اس لئے کہ یہ بغیر ضرورت کے نماز کے اندر سیکھنا اور سکھانا ہے اور یہ لقمہ دینا خواہ مقتدی کا مقتدی کو ہو یا منفرد کا نمازی کو ہو یا غیر نمازی کو ہو یا اپنے امام کے سوا کسی دوسرے امام کو ہو اور خواہ امام یا منفرد کا کسی دوسرے شخص کو لقمہ دینا ہو نماز فاسد ہونے کے حکم میں سب برابر ہیں جبکہ لقمہ دینے میں تعلیم یعنی بتانے کی نیت ہو تلاوت کی نیت نہ ہو لیکن اگر لقمہ دینے کی نیت سے نہیں پڑھا بلکہ تلاوت کی نیت سے پڑھا تو نماز فاسد نہیں ہوگی۔

فائدہ: اگر امام قرأت میں اٹکا یا غلط پڑھا تو نمازی کو اپنے امام کو لقمہ دینے سے نہ اس مقتدی کی نماز فاسد ہوتی ہے اور نہ لقمہ لینے سے امام کی نماز فاسد ہوتی ہے خواہ امام اس قدر پڑھ چکا ہے جس سے نماز درست ہو جاتی ہے یا اس قدر نہ پڑھ چکا ہو اور دوسری آیت شروع کردی ہو یا نہ کردی ہو اور خواہ لقمہ دینا پہلی بار ہو یا دوسری تیسری بار ہو ان صورتوں میں سے کسی صورت میں بھی صحیح قول کے بموجب امام یا مقتدی کی نماز فاسد نہیں ہوگی اسی پر فتوی ہے۔ اور لقمہ دینے والا مقتدی اپنے امام کو لقمہ دینے کی نیت کرے قرأت کی نیت نہ کرے کیونکہ امام کے پیچھے قرأت ممنوع ہے لقمہ دینا منع نہیں ہے اور مقتدی کو فوراً لقمہ دینا مکروہ ہے بلکہ کچھ ٹھہرے کہ امام دوبارہ پڑھ کر خود نکالے اس لئے کہ شاید امام کو اسی وقت یاد آجائے تو اس وقت مقتدی کی قرأت امام کے

سے نیت کرے تعلیم کی ہو اور اگر نیت کے الفاظ زبان سے بھی کہے گا تو پہلی نماز فاسد ہو جائے گی اور دوسری شروع ہو جائے گی مطلقاً یعنی خواہ وہ نماز دوسری ہو یا وہی اور وہ اس لئے کہ کلام ہر نماز کو فاسد کر دیتا ہے اور زبان سے نیت کرنا کلام میں داخل ہے۔

(وقراءته من مصحف) اگر امام یا منفرد نے قرآن میں دیکھ کر قرأت کی تھوڑی یا زیادہ تو امام صاحبؒ کے نزدیک اس کی نماز فاسد ہو جائے گی اور امام صاحبؒ کے ہاں تعلیم عمل کثیر مفسد صلوٰۃ ہے اور یہی صحیح ہے اور بعض نے کہا کہ اگر بمقدار سورۃ فاتحہ کے پڑھا تو فاسد ہوگی اور اس سے کم پڑھا تو فاسد نہیں ہوگی اور بعض مشائخ نے کہا کہ ایک آیت کی مقدار پڑھا تو نماز فاسد ہو جائے گی ورنہ فاسد نہ ہوگی یہی اظہر ہے اس لئے کہ یہ اتنی مقدار ہے جس سے امام صاحبؒ کے نزدیک نماز جائز ہو جاتی ہے۔ اور صاحبینؒ اور امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک بلا کراہت جائز ہے صاحبینؒ کی دلیل یہ ہے کہ قرأت ایک عبادت ہے اور مصحف میں نظر کرنا بھی عبادت ہے مگر یہاں ایک عبادت دوسری عبادت کے ساتھ مل گئی اور تنہا ایک عبادت مفسد نماز نہیں پس جب دو عبادتیں مل گئیں تو بدرجہ اولیٰ مفسد نماز نہیں ہوں گی دوسری دلیل یہ ہے کہ حضرت ذکوانؓ جو حضرت عائشہؓ کے آزاد کردہ غلام ہیں ان کے بارے میں مروی ہے۔ كان يؤم عائشة في رمضان وكان يقرأ من المصحف یعنی ذکوان رمضان میں حضرت عائشہؓ کی امامت کرتا اور وہ قرآن سے پڑھا کرتا تھا اور کراہت اس وقت ہے جب اہل کتاب کے ساتھ مشابہت کی نیت سے ایسا کرے کیونکہ اہل کتاب اذکار وغیرہ حفظ نہ ہونے کی وجہ سے اسی طرح ہاتھ میں لیکر پڑھتے ہیں۔ امام صاحبؒ کی دلیل یہ ہے کہ قرآن پاک اٹھانا رکھنا اور اس میں نظر کرنا اور ورقوں کو پلٹنا یہ مجموعہ عمل کثیر ہے اور عمل کثیر مفسد نماز ہے اس لئے یہ صورت مفسد نماز ہوگی دوسری دلیل یہ ہے کہ مصحف سے پڑھنا اس سے سیکھنا ہے تو یہ ایسا ہو گیا جیسے کسی دوسرے آدمی سے نماز سیکھتا ہو اور نماز میں کسی دوسرے سے تعلم مفسد نماز ہے لہذا اس صورت میں بھی نماز فاسد ہو جائے گی اور دوسری دلیل کی بناء پر کسی چیز پر رکھے ہوئے قرآن سے پڑھنے اور ہاتھوں میں اٹھائے ہوئے سے پڑھنے میں کوئی فرق نہیں ہے کیونکہ تعلم دونوں صورتوں میں پایا گیا اور وہی باعث فساد ہے اور پہلی دلیل کی بناء پر دونوں صورتوں میں فرق ہے اور اکثر مشائخ نے دوسری دلیل کو واضح اور صحیح قرار دیا ہے۔

(واكله وشربه) نماز کے اندر کھانا پینا مطلقاً مفسد نماز ہے خواہ جان کر ہو یا بھول کر تھوڑا ہو یا زیادہ یہاں تک اگر باہر سے ایک تل منہ میں لیا اور اس کو نگل گیا تو نماز فاسد ہو جائے گی یہی اصح ہے اسی طرح اگر کوئی پانی وغیرہ کا قطرہ یا اولا یا برف کا ٹکڑا اس کے منہ میں چلا گیا اور اس نے اس کو نگل لیا تو نماز فاسد ہو جائے گی۔

(ولو نظر الى مكتوب وفهمه) اگر نماز میں کسی کتاب پر نظر پڑی اور اس کو سمجھ لیا تو بالاجماع نماز فاسد نہ ہوگی اسی طرح محراب پر قرآن یا کچھ اور لکھا ہوا تھا اس کو نمازی نے دیکھا اور سمجھ لیا تو صحیح یہ ہے کہ اس کی نماز فاسد نہیں ہوگی۔

(او اكل ما بين اسنانه) لیکن اگر نمازی کے دانتوں میں کچھ کھانا لگا رہ گیا تھا اور وہ نماز کی حالت میں اس کو نگل گیا وہ اگر چنے سے کم تھا تو نماز فاسد نہیں ہوگی مگر مکروہ ہے اور اگر چنے کے برابر یا زیادہ ہوگا تو نماز فاسد ہو جائے گی۔

وَاَنْ یَّکُوْنَ فَوْقَ رَاْسِهٖ اَوْ بَیْنَ یَدَیْهِ اَوْ بِحِذَائِهٖ صُوْرَةٌ اِلَّا اَنْ تَکُوْنَ صَغِیْرَةً: نماز میں سامنے یا سر کے اوپر یعنی چھت وغیرہ میں یا دائیں یا بائیں اور صحیح قول کی بنا پر پیچھے بھی کسی جاندار کی تصویر کا ہونا مکروہ تحریمی ہے خواہ وہ تصویر معلق ہو یا دیوار یا پردہ وغیرہ میں منقوش ہو۔ اور سب سے زیادہ کراہت اس میں ہے کہ تصویر نمازی کے سامنے ہو پھر اس میں ہے کہ اس کے سر پر ہو پھر یہ کہ دائیں طرف ہو پھر یہ کہ بائیں طرف ہو پھر یہ کہ اس کے پیچھے ہو۔ لیکن یہ حکم اس وقت ہے جبکہ تصویریں بڑی ہوں کہ دیکھنے والے کو بے تکلف نظر آئیں اور اگر اتنی چھوٹی ہوں کہ دیکھنے والے کو بغیر تامل و غور کے نظر نہ آئیں تو مکروہ نہیں۔

اَوْ مَقْطُوْعَةَ الرَّاْسِ اَوْ لِغَیْرِ ذِیْ رُوْحٍ: اور اسی طرح ایسی تصویر سے نماز مکروہ نہیں جو بغیر سر کے ہو خواہ سر بنایا ہی نہ ہو یا بنا کر لکیروں سے کاٹ دیا ہو جس سے اس کا اثر باقی نہ رہا ہو۔ اسی طرح غیر جاندار کی تصویر سے بھی نماز مکروہ نہیں ہے کیونکہ ان سب تصویروں کی عبادت نہیں کی جاتی البتہ خاص ان درختوں و اشیاء وغیرہ کو سامنے کر کے نماز پڑھنا مکروہ ہے جن کی غیر مسلم عبادت کرتے ہیں۔

وَعَدُّ الْآیِ وَالتَّسْبِیْحِ: اور نماز کے اندر ہاتھ کے ذریعہ تسبیحات اور آیتوں کا شمار کرنا مکروہ ہے نماز خواہ فرض ہو خواہ نفل، اسی طرح سورتوں کا شمار کرنا بھی مکروہ ہے کیونکہ آیات یا تسبیحات یا سورتوں کو شمار کرنا نماز کے اعمال سے نہیں ہے یہی ظاہر الروایہ ہے اور انگلیوں کے پوروں کو دبا کر اس طرح گننا کہ تمام انگلیاں مسنون طریقہ پر رہیں یا دل سے یاد کرنا بالاتفاق مکروہ نہیں ہے۔

وہ امور جو نماز میں مکروہ نہیں

لَا قَتْلُ الْحَیَّةِ وَالْعَقْرَبِ: نماز کی حالت میں سانپ اور بچھو کو قتل کرنا بلا کراہت جائز ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے اقتلوا الاسودین ولو کنتم فی الصلوٰة، اور اسودین سے مراد سانپ اور بچھو ہیں۔

وَالصَّلَاةُ اِلٰی ظَهْرِ قَاعِدٍ یَتَحَدَّثُ: کسی ایسے شخص کی پیٹھ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنا جو باتیں کر رہا ہو مکروہ نہیں ہے۔ کیونکہ ابن عمر سفر وغیرہ میں سترہ کے لیے جب درخت وغیرہ نہ پاتے تو اپنے غلام نافع سے فرماتے کہ اپنی پیٹھ پھیر دے اور اگر اتنی بلند آواز سے باتیں کر رہا ہو کہ نماز میں غلطی واقع ہونے کا خوف ہو تو مکروہ ہے۔

وَاِلٰی مُصْحَفٍ اَوْ سَیْفٍ مُعَلَّقٍ اَوْ شَمْعٍ اَوْ سِرَاجٍ: اگر نمازی کے سامنے قرآن کریم ہو یا تلوار لٹکی ہو یا سامنے شمع یا چراغ جل رہا ہو تو اس میں کوئی کراہت نہیں ہے کیونکہ ان چیزوں کی عبادت نہیں کی جاتی تو ان کو سامنے رکھنے میں کوئی کراہت بھی نہیں ہوگی۔

وَعَلٰی بِسَاطٍ فِیْهِ تَصَاوِیْرُ اِنْ لَّمْ یَسْجُدْ عَلَیْهَا: ایسے بچھونا جس پر تصاویر بنی ہوں اس پر نماز پڑھنا بلا کراہت جائز ہے کیونکہ اس کو استعمال کرنے میں تصویروں کی تحقیر ہوتی ہے بشرطیکہ سجدہ تصویروں پر نہ کرے کیونکہ یہ تصویروں کی پرستش کے مشابہ ہے۔

فصلٌ

كُرِهَ اسْتِقْبَالُ الْقِبْلَةِ بِالْفَرْجِ فِي الْخَلَاءِ وَاسْتِدْبَارُهَا وَغَلْقُ بَابِ الْمَسْجِدِ وَالْوَطْءُ فَوْقَهُ لَا فَوْقَ بَيْتٍ فِيهِ مَسْجِدٌ وَلَا نَقْشُهُ بِالْجِصِّ وَمَاءِ الذَّهَبِ

ترجمہ: مکروہ ہے قبلہ کی طرف منہ کرنا بیت الخلاء میں اور اس کی طرف پشت کرنا اور مسجد کا دروازہ مقفل کرنا اور اس کی چھت پر صحبت کرنا اور پیشاب پاخانہ کرنا نہ کہ ایسے گھر پر جس کے اندر مسجد ہو اور مسجد کو چونے اور سونے کے پانی سے منقش کرنا مکروہ نہیں ہے۔

لغات: خلاء: پاخانہ۔ استدبار: پشت کرنا۔ غلق: بند کرنا۔ تخلی: پاخانہ کرنے کیلئے علیحدہ ہونا۔ جص: چونہ۔ ذھب: سونا

خارج نماز کے مکروہات

كُرِهَ اسْتِقْبَالُ الْقِبْلَةِ بِالْفَرْجِ فِي الْخَلَاءِ وَاسْتِدْبَارُهَا: داخل صلوٰۃ کراہت سے فراغت کے بعد خارج از صلوٰۃ مکروہات کا بیان ہے چنانچہ مصنفؒ فرماتے ہیں کہ بول و براز کے وقت قبلہ رخ ہو کر شرمگاہ برہنہ کر کے نجاست خارج کرنا مکروہ تحریمی ہے خواہ مرد ہو یا عورت آبادی میں ہو یا میدان میں اور امام صاحبؒ کے نزدیک قبلہ کی طرف پشت کرنا بھی مکروہ ہے کیونکہ اس میں ترک تعظیم ہے یہی روایت صحیح ہے دوسری روایت عدم کراہت کی ہے کیونکہ پشت کرنے والے کی شرمگاہ قبلہ کے مقابل نہیں ہوتی اور جو نجاست نکلتی ہے وہ یا تو زمین کی طرف جاتی ہے یا قبلہ کے دوسرے رخ پر گرتی ہے امام احمدؒ کے ہاں استقبال ہر جگہ منع ہے اور استدبار عمارات میں جائز ہے امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اگر استنجاء کرنے والے کے درمیان آڑ ہو تو دونوں جائز ہیں امام صاحبؒ کی دلیل یہ ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے استقبال اور استدبار ہر دو سے منع فرمایا ہے اور جن روایات میں استدبار کا جواز معلوم ہوتا ہے وہ حالت عذر پر محمول ہیں۔

وَغَلْقُ بَابِ الْمَسْجِدِ: مسجد کا دروازہ بند اور تالا لگانا مکروہ تحریمی ہے کیونکہ یہ نماز سے روکنے کے مشابہ ہے جو حرام ہے ہاں اگر مسجد کے مال اور اسباب کے ضائع ہونے کا خوف ہو تو اگر ہر وقت یہ خطرہ ہو تو سوائے نماز کے اوقات کے مسجد کا دروازہ بند کرنا اور تالا لگانا مکروہ نہیں ہے لیکن نماز کے اوقات میں اسوقت بھی مکروہ ہے اور اگر بعض اوقات میں خطرہ ہو تو ان اوقات میں تالا لگانا مکروہ نہیں اس کے علاوہ کے اوقات میں مکروہ ہے۔

وَالْوَطْءُ فَوْقَهُ لَا فَوْقَ بَيْتٍ فِيهِ مَسْجِدٌ: مسجد کی چھت پر جماع کرنا یا پیشاب، پاخانہ اور جنبی مرد و عورت و حیض و نفاس والی عورت کا اوپر جانا مکروہ تحریمی ہے جیسا کہ مسجد کے اندر جانا مکروہ تحریمی ہے اس لئے کہ مسجد کیلئے وقف جگہ تحت الثریٰ سے آسمان تک مسجد کے حکم میں ہے۔

وَلَا نَقْشُهُ بِالْجِصِّ وَمَاءِ الذَّهَبِ: چونے وغیرہ سے اور سونے کے پانی سے مسجد میں نقش و نگار بنانا جبکہ مسجد کی تعظیم کی نیت سے ہو اور محراب و قبلہ والی دیوار پر نہ ہو تو مکروہ نہیں یہ حکم اس وقت ہے جبکہ یہ سب کچھ اپنے مال سے کرے لیکن اس صورت میں

ہے۔ دوم یہ کہ وتر سنت مؤکدہ ہے اسی کو صاحبینؒ اور ائمہ ثلاثہؒ نے اختیار کیا ہے۔ سوم یہ کہ وتر واجب ہے یہ امام صاحبؒ کا آخری قول ہے اور یہی صحیح ہے اور اسی کو مبسوط میں ظاہر مذہب قرار دیا گیا ہے۔ پہلے قول والوں کی دلیل کوئی مرفوع حدیث نہیں ہے قول ثانی والے یعنی جمہور کی دلیل حضرت علیؓ کی حدیث ہے: الوتر ليس بحتم كصلاتكم المكتوبة ولكن سن رسول الله ﷺ۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ سے وتر سواری پر پڑھنا منقول ہے جبکہ فرائض سواری پر نہیں پڑھے جاتے اب اگر وتر واجب قطعی ہوتے تو سواری پر جائز نہ ہوتے۔ امام صاحبؒ کی دلیل یہ ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا الوتر حق واجب على كل مسلم تو حدیث میں لفظ "حق" بھی ہے "واجب" کا لفظ بھی ہے۔ دوسری دلیل صحیح ابن حبان میں ابو سعید سے منقول ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا من نسيه أو نام عنه فليصل إذا أصبح۔ یہاں نبی کریم ﷺ نے وتر کی قضاء کا حکم دیا جبکہ نوافل یا سنن کی قضاء کا حکم نبی کریم ﷺ نے نہیں دیا اس لئے قضاء کا حکم وجوب کا قرینہ ہے۔ تیسری دلیل یہ ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے وتر کے ترک پر وعید فرمائی ہے: من لم يوتر فليس منا وعید ترک واجب پر ہوتی ہے نوافل کے ترک پر نہیں ہوتی تو ان قرائن کی وجہ سے امام صاحبؒ وجوب کے قائل ہیں۔ جمہور کے اعتراضات: حدیث میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا خمس صلوات في اليوم والليلة اب یہ حضرات کہتے ہیں کہ اگر وتر واجب ہوں تو نمازیں پانچ نہیں رہیں گی۔ دوسری بات یہ ہے کہ سائل نے کہا هل علي غيرها آپ نے فرمایا: لا إلا أن تطوع۔ ان کے دلائل کے متعلق احناف کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ کی جو حدیث ہے "الوتر ليس بحتم" یہ حدیث ہمارے خلاف تب ہوگی جب ہم وتر کو فرض قطعی مانیں جبکہ ہم وتر کو واجب کہتے ہیں فرض نہیں کہتے: احناف کے ہاں واجب اور فرض میں فرق ہے فرض کا منکر کافر ہے جبکہ واجب کا منکر کافر نہیں اسی طرح "خمس صلوات في اليوم والليلة" بھی ہمارے خلاف تب ہوگی جب ہم وتر کو فرض مانیں جبکہ یہ واجب ہے اس لئے صحیح بات یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ سے جو الفاظ منقول ہیں وہ وجوب کی طرف اشارہ کرتے ہیں مثلاً الوتر حق واجب۔ اسی طرح نبی کریم ﷺ نے زندگی میں کبھی وتر ترک نہیں کیا اسی طرح آپ ﷺ نے اس کے قضاء کا حکم دیا ہے اس لئے یہ قرائن وجوب کو ترجیح دیتے ہیں۔

وهو ثلاث ركعات بتسليمة: جمہور کا اس بات پر اتفاق ہے کہ وتر کی تین رکعت ہیں لیکن اس بات میں اختلاف ہے کہ وتر ایک سلام کے ساتھ ہے یا دو سلاموں کے ساتھ علماء احناف کے نزدیک وتر کی تین رکعتیں ایک سلام کے ساتھ واجب ہے درمیان میں ایک دو سلام نہ کرے ان کے درمیان فصل نہ کرے امام شافعیؒ کے دو قول ہیں ایک قول تو احناف کے قول کے مطابق ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ وتر کی تین رکعتیں دو سلاموں کے ساتھ ادا کرے یہی قول امام مالکؒ کا ہے اور بعض کے نزدیک وتر کی ایک رکعت ہے۔ احناف کے دلائل یہ ہیں: (۱) حضرت عائشہؓ سے مروی ہے: أن النبي ﷺ كان يوتر بثلاث ركعات۔ کہ نبی کریم ﷺ وتر تین رکعات پڑھتے تھے۔ (۲) حسن بصریؒ فرماتے ہیں: أجمع المسلمون على أن الوتر ثلث لا يسلم إلا في آخرهن۔ "مسلمانوں کا اس بات پر اجماع ہے کہ وتر کی تین رکعتیں ہیں صرف ان کے آخر میں سلام پھیرے"۔ (۳)

حضرت عائشہؓ سے مروی ہے: کان رسول اللہ ﷺ لا یسلم فی الرکعتین الاولیین من الوتر "نبی کریم ﷺ وتر کی پہلی دو رکعتوں میں سلام نہیں پھیرتے تھے"۔ (۲) ابن مسعودؓ سے مروی ہے: وتر اللیل ثلث کوتر النھار: اور یہ نقلی روایت قطعی (یعنی صلوٰۃ المغرب) کے موافق ہے لہٰذا اس کو ترجیح دینا اولیٰ اور اقویٰ ہے۔ حضرت عائشہؓ سے مروی ہے۔ ان النبی ﷺ کان یوتر بثلاث یقرأ فی اول رکعۃ سبح اسم ربک وفی الثانیۃ قل یایھا الکافرون وفی الثالثۃ قل ھو اللہ احد والمعوذتین۔ "نبی کریم ﷺ تین رکعتیں وتر کی پڑھتے تھے پہلی میں سبح اسم ربک اور دوسری رکعت میں قل یایھا الکافرون اور تیسری رکعت میں "قل ھو اللہ احد" اور "معوذتین" پڑھتے تھے"۔ اس حدیث میں وتر کی تین رکعات کی صراحت ہے۔

قنوت وتر کب پڑھی جائے

وقنت فی ثالثۃ قبل الرکوع: ہمارے نزدیک دعائے قنوت کا محل رکوع سے پہلے ہے اور شوافع کے نزدیک رکوع کے بعد ہے یہ حضرات سوید بن غفلہ کی روایت سے استدلال کرتے ہیں۔ قنت رسول اللہ ﷺ فی آخر الوتر: یعنی نبی کریم ﷺ نے وتر کے آخر میں قنوت پڑھی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جب ایک نصف سے زائد ہو جائے تو وہ آخر شمار ہوتی ہے لہٰذا جب قنوت دوسری رکعت میں پڑھے گا اگرچہ رکوع سے پہلے تو تب بھی وہ آخر شمار ہوگی آخر کیلئے یہ ضروری نہیں کہ رکوع کے بعد ہو اور ہمارے استدلال چند احادیث سے ہے۔ (۱) ابی بن کعبؓ سے روایت ہے ان رسول اللہ ﷺ کان یوتر بثلاث رکعات ویقنت قبل الرکوع "کہ آنحضرت ﷺ تین رکعت وتر پڑھتے تھے اور رکوع سے قبل قنوت پڑھتے تھے"۔ (۲) ابن مسعودؓ سے روایت ہے ان النبی ﷺ قنت فی الوتر قبل الرکوع "کہ آنحضرت ﷺ وتر کی نماز میں رکوع سے قبل قنوت پڑھا کرتے تھے"۔ (۳) ابن عمرؓ سے روایت ہے ان النبی ﷺ کان یوتر بثلاث رکعات ویجعل القنوت قبل الرکوع "نبی کریم ﷺ تین وتر پڑھا کرتے تھے اور رکوع سے پہلے قنوت پڑھتے تھے"۔ (۴) عاصم احول کہتے ہیں میں نے انس بن مالکؓ سے قنوت کے بارے میں پوچھا؟ فقال قد کان القنوت، قلت قبل الرکوع او بعدہ قال قبلہ قلت فلانا اخبرنی عنک انک قلت بعد الرکوع فقال کذب انما قنت رسول اللہ ﷺ بعد الرکوع شھرا "انہوں نے فرمایا قنوت ہوتی تھی میں نے کہا رکوع سے پہلے یا بعد میں؟ فرمایا رکوع سے پہلے میں نے کہا کہ فلاں شخص نے مجھے بتایا کہ آپ فرماتے ہیں کہ رکوع کے بعد قنوت ہے فرمایا اس نے غلط کہا ہے رکوع کے بعد تو آنحضرت ﷺ نے صرف ایک مہینہ قنوت پڑھی تھی"۔

ابدا [illegible] وقرأ فی کل رکعۃ منہ فاتحۃ الکتاب وسورۃ: ہمارے نزدیک وتر میں پورے سال دعائے قنوت کا پڑھنا واجب ہے امام شافعیؒ کے نزدیک فقط رمضان المبارک کے نصف اخیر میں دعاء قنوت پڑھنا مستحب ہے اور ہمارا بلا کراہت پورے سال ہے۔ کیونکہ حضرت عمرؓ نے ابی بن کعبؓ کو رمضان کی راتوں میں امامت کا حکم فرمایا اور رمضان کے نصف اخیر میں دعاء قنوت کے پڑھنے کا حکم فرمایا اور ہماری دلیل یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حسن بن علیؓ کو دعاء قنوت کی تعلیم دی اور پھر

فرمایا: اجعل هذا في وترك "اس دعا کو اپنے وتر میں داخل کرلو" اس میں رمضان اور غیر رمضان کی کوئی تفصیل نہیں ہے۔ امام
شافعی کے پیش کردہ اثر کا جواب یہ ہے کہ یہ اثر ضعیف ہے۔

وتر کے علاوہ قنوت کا حکم

وَلا يَقْنُتُ لِغَيْرِهِ: احناف کے نزدیک سوائے وتر کے کسی نماز میں قنوت نہیں ہے۔ امام شافعی کے نزدیک فجر کی نماز میں
قنوت مسنون ہے ان کی دلیل حدیث انسؓ ہے، كان النبي ﷺ يقنت في صلوة الفجر الى ان فارق الدنيا یعنی نبی کریم
ﷺ فجر کی نماز میں قنوت پڑھتے تھے یہاں تک کہ آپ ﷺ دنیا سے تشریف لے گئے۔ احناف کی دلیل حدیث ابن مسعودؓ
ہے۔ ان النبي ﷺ قنت في صلوة الفجر شهرا يدعو على حي من احياء العرب: کہ نبی کریم ﷺ نے ایک ماہ فجر کی
نماز میں قنوت پڑھی عرب کے کسی قبیلہ کیلئے بددعا فرماتے تھے دوسری دلیل۔ قنت رسول الله ﷺ في صلوة الفجر شهر
او قال اربعين يوما على رعل و ذكوان و عصية حين قتلوا القراء وهم سبعون رجلا او ثمانون: کہ نبی کریم ﷺ نے ایک ماہ
یا چالیس یوم قنوت پڑھی مقصد ان لوگوں پر بددعا کرنا تھا جنہوں نے ستر یا اسی قراء کو شہید کردیا تھا۔ اس حدیث سے بھی معلوم ہوا
کہ نبی کریم ﷺ نے فجر کی نماز میں چند یوم کے علاوہ دعا قنوت نہیں پڑھی ابوعثمان نہدی فرماتے ہیں کہ میں نے ابوبکر اور عمرؓ کے
پیچھے دو سال نماز پڑھی مگر ان میں سے کسی کو نماز فجر میں دعا قنوت پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا۔

وَيَتْبَعُ الْمُؤْتَمُّ قَانِتَ الْوِتْرِ لَا الْفَجْرِ: اگر شافعی المسلک امام نے فجر کی نماز میں دعا قنوت پڑھی اور مقتدی حنفی ہے تو ایسی
صورت میں طرفینؒ کے نزدیک حنفی مقتدی سکوت کرے قنوت نہ پڑھے اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک حنفی مقتدی امام کی اتباع
کرے کیونکہ مقتدی بالیقین امام کے تابع ہے اور اصل یہ ہے کہ مقتدی امام کی متابعت کرے اور فجر کی نماز میں قنوت پڑھنا
مختلف فیہ ہے لہذا فجر کی نماز میں قنوت کا پڑھنا نہ پڑھنا مشکوک اور محتمل ہے اور اصل اور یقینی چیز کو شک کی وجہ سے ترک نہیں
کیا جاتا اس لئے حنفی مقتدی بھی امام کی متابعت کرتے ہوئے قنوت پڑھے طرفینؒ کی دلیل یہ ہے کہ فجر کی نماز میں قنوت پڑھنا
منسوخ ہو چکا ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فجر میں ایک ماہ قنوت پڑھی اور پھر اس کو چھوڑ دیا اور منسوخ میں متابعت نہیں کی جاتی
اس لئے حنفی مقتدی قنوت پڑھنے میں امام کی متابعت نہ کرے بلکہ خاموش کھڑا رہے مقتدی قیام میں اپنے امام کی متابعت کرے
اور قنوت میں متابعت نہ کرے یہی اظہر ہے۔

سنت اور نفل نمازوں کا بیان

وَالسُّنَّةُ قَبْلَ الْفَجْرِ وَبَعْدَ الظُّهْرِ وَالْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ رَكْعَتَانِ وَقَبْلَ الظُّهْرِ وَالْجُمُعَةِ وَبَعْدَهَا اَرْبَعٌ وَنُدِبَ
الْاَرْبَعُ قَبْلَ الْعَصْرِ وَالْعِشَاءِ وَبَعْدَهُ وَالسِّتُّ بَعْدَ الْمَغْرِبِ: سنن کی دو قسمیں ہیں مؤکدہ اور غیر مؤکدہ، مؤکدہ وہ
سنتیں کہلاتی ہیں جن پر کبھی کبھار ترک کے ساتھ آنحضرت ﷺ نے ہمیشگی فرمائی ہو اور غیر مؤکدہ وہ سنتیں ہیں جن پر اللہ کے نبی

کریم ﷺ نے ہمیشگی نہیں فرمائی سنن مؤکدہ کی ترتیب اس طرح ہے نماز فجر سے پہلے دو رکعت، ظہر سے پہلے چار رکعت اور ظہر کے بعد دو رکعت، مغرب کے بعد دو رکعت اور عشاء کے بعد دو رکعت جمعہ کے وقت فرض سے پہلے چار رکعتیں ایک سلام سے سنت مؤکدہ ہیں اور فرض کے بعد بھی چار رکعتیں ایک سلام سے سنت مؤکدہ ہیں یہ امام صاحبؒ کے نزدیک ہے اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک جمعہ کے بعد چھ رکعتیں سنت مؤکدہ ہیں پہلے چار ایک سلام سے پھر دو رکعت ایک سلام سے دونوں طرف صحیح حدیثیں موجود ہیں افضل یہ ہے کہ جمعہ کے بعد پہلے چار پڑھے پھر دو تاکہ دونوں حدیثوں پر عمل ہو جائے اس طرح روزانہ بارہ رکعتیں سنت مؤکدہ ہیں اور جمعہ کے روز سولہ رکعتیں اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک جمعہ کے روز اٹھارہ رکعتیں سنت مؤکدہ ہیں سب سے زیادہ تاکید فجر کی سنتوں کی ہے یہ سنتیں واجب کے قریب قریب ہیں۔ فجر کی سنتوں کے بعد باقی سنتوں کی تاکید کی ترتیب میں اختلاف ہے بعض کے نزدیک اس کے بعد مغرب کی سنتوں کی تاکید ہے پھر ان دو سنتوں کی جو ظہر کے بعد ہیں پھر ان کی جو عشاء کے بعد ہیں پھر ان کی جو ظہر سے پہلے ہیں اور بعض کے نزدیک فجر کے بعد ظہر کی پہلی چار سنتوں کا مرتبہ ہے اور پھر سب برابر ہیں یہی اصح ہے۔ سنن غیر مؤکدہ ان کو سنن زوائد اور مستحب و مندوب بھی کہتے ہیں ان کا تارک گنہگار نہیں ہوتا اور ادا کرنے والا ثواب کا مستحق ہوتا ہے اور وہ یہ ہیں۔ (۱) عصر سے پہلے چار رکعت۔ (۲) عشاء سے پہلے چار رکعت، اور دو رکعت بھی جائز ہیں۔ (۳) عشاء کے بعد چار رکعت، عصر سے پہلے اور عشاء کے بعد دو رکعت بھی جائز ہیں لیکن چار چار افضل ہیں۔ (۴) مغرب کے بعد چھ رکعتیں مستحب ہیں، ان کو صلوٰۃ الاوابین کہتے ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف توبہ و استغفار کے ساتھ رجوع کرنے والوں کی نماز۔ نماز اوابین کی زیادہ سے زیادہ بیس رکعتیں ہیں۔

وَكُرِهَ الزِّيَادَةُ عَلَى أَرْبَعٍ بِتَسْلِيمَةٍ فِي نَفْلِ النَّهَارِ وَعَلَى ثَمَانٍ لَيْلًا وَالْأَفْضَلُ فِيهِمَا رُبَاعٌ: دن کی نفلوں میں ایک سلام کے ساتھ چار رکعتوں سے زیادہ پڑھنا اور رات کی نفلوں میں آٹھ رکعتوں سے زیادہ ایک سلام سے پڑھنا مکروہ ہے اور امام صاحبؒ کے نزدیک افضل یہ ہے کہ دن ہو یا رات چار چار رکعت پر سلام پھیرے اس لئے کہ اس میں تحریمہ دیر تک باقی رہتا ہے پس اس میں مشقت زیادہ ہوگی اسی لیے فضیلت بھی زیادہ ہوگی اور صاحبینؒ کے نزدیک افضل یہ ہے کہ دن کے وقت چار رکعت ایک سلام سے پڑھے۔ اور رات کے وقت ہر دو گانہ پر سلام پھیرا جائے یعنی رات کے وقت دو دو رکعت ایک سلام سے پڑھنا افضل ہے بعض کے نزدیک امام صاحبؒ کے قول پر فتویٰ ہے اور بعض کے نزدیک صاحبینؒ کے قول پر فتویٰ ہے یہی روایات کے زیادہ مطابق ہے اور اکثر علماء نے اسی کو اختیار کیا ہے۔

کثرت رکعت ہے یا طول قیام افضل؟

وَطُولُ الْقِيَامِ أَحَبُّ مِنْ كَثْرَةِ السُّجُودِ: نوافل میں قیام کا طویل ہونا کثرت رکعات سے افضل ہے یعنی جبکہ کسی معین وقت تک نماز پڑھنا چاہے تو اس وقت میں قیام کو لمبا کر کے کم رکعتیں پڑھنا افضل ہے اس سے کہ قیام میں کمی کر کے تعداد رکعات

قرأت وعدم قرأت کے مسائل ستہ عشریہ

اَوْ لَمْ یَقْرَأْ فِیْهِنَّ شَیْئًا اَوْ قَرَأَ فِی الْاُوْلَیَیْنِ اَوِ الْاُخْرَیَیْنِ وَ اَرْبَعًا: اگر چار رکعت نماز نفل کی نیت کی اور سب میں یا بعض رکعتوں میں قرأت ترک کی تو چندرہ صورتیں ہو جاتی ہیں اور ایک صورت یہ ہے کہ ہر رکعت میں قرأت کی تو اس طرح سولہ صورتیں ہو جاتی ہیں لیکن اس سولہویں صورت میں قضا لازم نہیں آتی۔ باقی صورتوں میں قضا لازم آتی ہے جس میں ائمہ کا اختلاف ہے اور چونکہ بعض صورتیں بعض صورتوں میں عقلاً داخل ہیں تو اس طرح یہ صورتیں کم ہو کر آٹھ ہو جاتی ہیں اس لیے صورتوں کا نام مسائل ثمانیہ یا مسائل ستہ عشریہ ہے ان مسائل میں ہمارے ائمہ ثلاثہ کا اختلاف ہے۔ اور ان مسائل میں آئمہ ثلاثہ کے نزدیک اصل یہ ہے کہ پہلا دوگانہ تحریمہ کے ساتھ صحیح شروع ہوتا ہے اور دوسرے دوگانہ کا تیسری رکعت کے قیام کے ساتھ شروع ہونا صحیح ہے جبکہ تحریمہ باقی ہو اور امام صاحبؒ کے نزدیک پہلی دونوں رکعتوں میں قرأت ترک کرنے سے تحریمہ باطل ہو جاتا ہے اس لئے کہ قرأت کے واجب ہونے پر اجماع ہے پس اس کا دوسرا دوگانہ شروع کرنا صحیح نہیں ہوا اس لئے دوسرے دوگانہ کے فاسد ہونے پر اس کی قضا لازم نہیں ہوگی بلکہ صرف پہلے دوگانہ کی قضا کرے کیونکہ ترک قرأت کی وجہ سے پہلا دوگانہ فاسد ہو گیا اور اگر پہلے دوگانہ کی کسی ایک رکعت میں قرأت ترک کی تو امام صاحبؒ کے نزدیک ادا فاسد ہوتی ہے تحریمہ فاسد نہیں ہوتا اس لئے پہلے دوگانہ کی قضاء واجب ہوگی بوجہ ترک قرأت کے جیسا کہ دو رکعتوں میں ترک قرأت سے قضاء واجب ہوتی ہے اور دوسرا دوگانہ شروع کرنا صحیح ہوگا اور امام محمدؒ و امام زفرؒ کے نزدیک پہلی دونوں یا ایک رکعت میں ترک قرأت سے تحریمہ باطل ہو جاتا ہے اور جب بلا قرأت رکعت کا سجدہ کر لیا تو اس دوگانہ پر دوسرے دوگانہ کی بنا صحیح نہیں اس لئے اس دوسرے دوگانہ کے فاسد ہونے پر اس کی قضاء بھی لازم نہیں ہوگی. بلکہ صرف پہلے دوگانہ کی قضاء لازم ہوگی اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک پہلے دوگانہ کی دونوں رکعتوں یا کسی ایک رکعت میں قرأت چھوڑنے سے صرف ادا فاسد ہوتی لیکن تحریمہ باطل نہیں ہوتا پس دوسرا دوگانہ شروع کرنا مطلقاً صحیح ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک مطلق ترک قرأت سے تحریمہ فاسد نہیں ہوتا خواہ ایک رکعت میں ہو یا دونوں میں اور امام محمدؒ و زفرؒ کے نزدیک مطلق ترک قرأت سے تحریمہ فاسد ہو جاتا ہے خواہ ایک رکعت میں ہو یا دونوں میں پس ان کے نزدیک ہر حال میں ایک ہی دوگانہ لازم آتا ہے، تین صورتوں میں دوسرا دوگانہ باقی سب میں پہلا دوگانہ۔ اور امام صاحبؒ کے نزدیک دونوں رکعتوں میں ترک قرأت سے تحریمہ فاسد ہوتا ہے صرف ایک رکعت میں ترک ہونے سے فاسد نہیں ہوتا. اب ان سولہ صورتوں کا حکم ذیل کے نقشے میں درج ہے. چار رکعتوں کیلئے چار خانے مقرر کر کے قرأت کی جگہ "ق" اور ترک قرأت کی جگہ "ت" درج ہے. اور اس کے آگے تین خانوں میں آئمہ ثلاثہ کا مختصر حکم درج ہے کہ دو کی قضا کرے یا چار کی. فتوی کیلئے امام صاحبؒ کی روایت مختار ہے

	۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷	۸	۹	۱۰	۱۱	۱۲	۱۳	۱۴	۱۵	۱۶
رکعت اول	ق	ک	ق	ک	ک	ک	ق	ق	ک	ق	ک	ک	ق	ق	ق	ک
رکعت دوم	ق	ک	ک	ق	ک	ک	ق	ک	ق	ک	ق	ک	ق	ق	ک	ق
رکعت سوم	ق	ک	ک	ک	ق	ک	ک	ق	ق	ک	ک	ق	ک	ک	ق	ق
رکعت چہارم	ق	ک	ک	ک	ک	ق	ک	ک	ک	ق	ق	ق	ق	ق	ق	ق
حکم نزد امام ابو حنیفہ	ک	۲	۳	۴	۲	۲	آخری	۴	۴	۳	۲	پہلی	آخری	آخری	پہلی	پہلی
حکم نزد امام ابو یوسف	ک	۲	۲	۲	۴	۴	آخری	۴	۴	۲	۲	پہلی	آخری	آخری	پہلی	پہلی
حکم نزد امام محمد و زفر	ک	۲	۲	۲	۲	۲	آخری	۲	۲	۲	۲	پہلی	اول	آخری	پہلی	پہلی

وَلَا یُصَلِّی بَعْدَ صَلَاۃٍ مِثْلَهَا: یہ ایک حدیث کا مضمون ہے جس کے الفاظ یہ ہیں کہ کسی نماز کے بعد اسی جیسی نماز ادا نہ کی جائے امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ کسی نماز کے بعد قرأت میں اسی فرض نماز جیسی نماز نہ پڑھی جائے یعنی جس کی دو رکعتیں قرأت کے ساتھ ہوں اور دو بلا قرأت۔ گویا اس حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ چار فرضوں کے بعد ایسے چار نوافل نہ پڑھے جائیں جنکی دو رکعتوں میں قرأت ہو اور دو میں نہ ہو اور چونکہ کسی فعل سے ممانعت اس کی متضاد صورت کے حکم سے عبارت ہوتی ہے لہٰذا یہ حدیث نوافل کی چاروں رکعات میں قرأت کرنے کا حکم متصور ہوگی اور اس کو رکعات میں مماثلت پر محمول نہیں کیا جا سکتا اس لیے کہ بالاجماع ایسا کرنا منع نہیں ہے۔ جیسے نماز فجر میں دو رکعتوں کے بعد دو رکعتیں اور ظہر میں چار سنت رکعتوں کے بعد دو رکعات سنت ہیں۔ اسی طرح اس حدیث کو فرض نماز کے بعد اس وسوسے سے کہ شاید اس کی نماز میں کوئی گڑبڑ نہ ہوگئی ہو۔ اعادے کی ممانعت پر بھی محمول کرنا ممکن ہے۔ اس توجیہ کی بنا پر حدیث کا مقصد وسوسے کو دور کرنا اور اس کی تقلید سے منع کرنا ہوگا اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس حدیث سے ایک ہی مسجد میں اعادہ جماعت کی ممانعت مراد ہو اس صورت میں یہ حدیث اس مسئلہ میں ہمارے لیے امام شافعیؒ کے خلاف حجت ہوگی۔

ابتداءً و بناءً نفل نماز بیٹھ کر پڑھنا

وَیَتَنَفَّلُ قَاعِدًا مَعَ الْقُدْرَۃِ عَلَی الْقِیَامِ ابْتِدَاءً وَ بِنَاءً: جو شخص کھڑے ہونے پر قادر ہے اس کو صحیح قول کے بموجب بیٹھ کر نفل پڑھنا بلا کراہت جائز ہے مگر کھڑے ہو کر پڑھنا افضل ہے۔ اور بلا عذر بیٹھ کر پڑھنے والے کو کھڑے ہو کر پڑھنے والے کی نسبت آدھا ثواب ملتا ہے۔ اور اگر نفل نماز کھڑے ہو کر شروع کی پھر پہلی یا دوسری رکعت میں بلا عذر بیٹھ گیا تو امام صاحبؒ کے نزدیک بطور استحسان بلا کراہت جائز ہے۔ اور صاحبینؒ کے نزدیک بلا عذر ایسا کرنا جائز نہیں ہے۔

بجماعة: تراویح میں جماعت سنت کفایہ ہے اور یہی صحیح ہے پس اگر کسی مسجد کے سب لوگ تراویح کی نماز چھوڑ دیں تو انھوں نے برا کیا اور وہ سب ترک سنت کے گناہگار ہوں گے۔ اس میں اختلاف ہے کہ سارے شہر میں کسی ایک مسجد میں جماعت سنت کفایہ ہے یا شہر کی ہر مسجد میں یا محلہ کی مسجد میں اور یہی آخری قول زیادہ ظاہر ہے اگرچہ تینوں کی تصحیح کی گئی ہے اور مسجد کے بعض لوگوں کے جماعت کر لینے سے باقی لوگوں کے ذمہ سے جماعت ساقط ہو جائیگی پس ایک شخص نے جماعت چھوڑ دی اور اپنے گھر میں اکیلے نماز پڑھ لی تو اس نے جماعت کی فضیلت چھوڑ دی اور وہ اس میں ترک سنت کی برائی کا گناہگار نہیں ہوا اور اس صورت میں اگر کچھ لوگوں نے گھر میں جماعت سے نماز تراویح پڑھ لی تو ان لوگوں نے جماعت کی فضیلت پالی لیکن مسجد کی جماعت کی فضیلت نہیں پائی۔

والختم مرة: رمضان المبارک میں تراویح میں ایک بار قرآن مجید کا ترتیب وار ختم سنت ہے قوم کی سستی کی وجہ سے اس کو ترک نہ کریں اور امام اور مقتدی ہر دوگانہ میں ثنا یعنی سبحانک اللھم پڑھیں اور تشہد کے بعد درود اور دعا بھی پڑھیں۔ لیکن اگر دعا کا پڑھنا جماعت کے لوگوں کو دشوار معلوم ہو تو امام کو دعا کا چھوڑ دینا جائز ہے لیکن درود شریف نہ چھوڑے اگرچہ صرف اللھم صل علی محمد پڑھ لے اس لیے کہ امام شافعی کے نزدیک درود پڑھنا فرض ہے۔

وبجلسة بعد كل اربع بقدرها: ہر ترویحہ یعنی ہر چار رکعت کے بعد اتنی دیر تک بیٹھنا (جتنی دیر میں چار رکعتیں پڑھی گئی ہیں) مستحب ہے۔ بعض کے نزدیک مطلق چار رکعتوں کی مقدار بیٹھنا مستحب ہے اور اس میں آسانی ہے اگر اتنی دیر تک بیٹھنے میں لوگوں کو تکلیف ہو اور جماعت کے کم ہونے کا خوف ہو تو اس سے کم بیٹھے اور پانچویں ترویحہ اور وتر کے درمیان بھی اسی قدر بیٹھنا مستحب ہے لیکن اگر امام سمجھے کہ پانچویں ترویحہ اور وتر کے درمیان بیٹھنا جماعت کے لوگوں پر بھاری ہوگا تو نہ بیٹھے پھر اس بیٹھنے کے وقت میں لوگوں کو اختیار ہے چاہے تسبیح پڑھتے رہیں یا قرآن پڑھیں یا خاموش بیٹھے رہیں یا چار رکعت نوافل اکیلے اکیلے پڑھیں اس وقت میں جماعت سے نوافل پڑھنا مکروہ ہے۔

ويوتر بجماعة في رمضان فقط: وتر کی نماز جماعت کے ساتھ فقط رمضان المبارک میں پڑھے اسی پر مسلمانوں کا اجماع ہے رمضان المبارک کے علاوہ اور دنوں میں وتر جماعت سے پڑھنا نوافل کی طرح مکروہ ہے رمضان المبارک میں وتر گھر میں اکیلا پڑھنے سے مسجد میں جماعت کے ساتھ پڑھنا افضل ہے یہی صحیح ہے لیکن اس کی سنیت جماعت تراویح کی سنیت سے کم ہے اور بعضوں نے کہا ہے کہ افضل یہ ہے کہ وتر اکیلا اپنے گھر میں پڑھے اور اس کو مختار کہا ہے لیکن جماعت کے ساتھ افضل ہونا قول اصح ہے اور اسی پر آج تک عامۃ المسلمین کا عمل ہے۔

بَابُ إِدْرَاكِ الْفَرِيضَةِ

فرض نماز میں شمولیت کا بیان

صَلّٰى رَكْعَةً مِنَ الظُّهْرِ فَأُقِيمَ يُتِمُّ شَفْعًا وَيَقْتَدِي فَلَوْ صَلّٰى ثَلَاثًا يُتِمُّ وَيَقْتَدِي مُتَطَوِّعًا فَإِنْ صَلّٰى رَكْعَةً مِنَ الْفَجْرِ أَوِ الْمَغْرِبِ فَأُقِيمَ يَقْطَعُ وَيَقْتَدِي وَكُرِهَ خُرُوجُهُ مِنْ مَسْجِدٍ أُذِّنَ فِيهِ حَتّٰى يُصَلِّيَ وَإِنْ صَلّٰى لَا إِلَّا فِي الظُّهْرِ وَالْعِشَاءِ إِنْ شَرَعَ فِي الْإِقَامَةِ وَمَنْ خَافَ فَوْتَ الْفَجْرِ إِنْ أَدّٰى سُنَّتَهُ ائْتَمَّ وَتَرَكَهَا وَإِلَّا لَا وَلَمْ تُقْضَ إِلَّا تَبَعًا لِقَضَاءِ فَرْضِهِ وَقَضَى الَّتِي قَبْلَ الظُّهْرِ فِي وَقْتِهِ وَلَمْ يُصَلِّ الظُّهْرَ جَمَاعَةً بِإِدْرَاكِ رَكْعَةٍ بَلْ أَدْرَكَ فَضْلَهَا وَتَطَوَّعَ قَبْلَ الْفَرْضِ إِنْ أَمِنَ فَوْتَ الْوَقْتِ وَإِلَّا لَا وَإِنْ أَدْرَكَ إِمَامَهُ رَاكِعًا فَكَبَّرَ وَوَقَفَ حَتّٰى رَفَعَ رَأْسَهُ لَمْ يُدْرِكِ الرَّكْعَةَ وَلَوْ رَكَعَ مُقْتَدٍ فَأَدْرَكَهُ إِمَامُهُ فِيهِ صَحَّ

ترجمہ: ظہر کی ایک رکعت پڑھ چکا تھا کہ تکبیر ہو گئی تو دو پوری کرے گا پھر اقتدا کرے اور اگر تین پڑھ چکا تھا تو پوری کرے نفل کی نیت سے اقتدا کرے۔ پس اگر فجر یا مغرب کی ایک رکعت پڑھ چکا ہو تو توڑ کر اقتدا کرے اور اس مسجد سے نکلنا مکروہ ہے جس میں اذان ہو گئی ہو یہاں تک کہ نماز پڑھ لے اور اگر پہلے پڑھ چکا ہو تو مکروہ نہیں مگر ظہر و عشاء میں جبکہ تکبیر شروع ہو گئی ہو اور جس کو یہ اندیشہ ہو کہ اگر فجر کی سنت ادا کرے گا تو فرض فوت ہو جائیں گے تو سنتیں چھوڑ کر اقتدا کرے ورنہ نہیں۔ اور سنتوں کی قضا نہیں کی جائے گی مگر فرض کی قضا کے ساتھ اور ظہر سے قبل کی سنتیں اس کے وقت میں اس کے بعد قضا کی جائیں گی۔ ایک رکعت ملنے سے ظہر کو جماعت سے پڑھنے والا نہیں ہوگا لیکن جماعت کا ثواب پائے گا اور فرض سے پہلے نفل پڑھ سکتا ہے اگر وقت کے فوت ہونے کا اندیشہ نہ ہو ورنہ نہیں اور اگر امام کو رکوع میں پایا اور تکبیر کہہ کر کھڑا رہا یہاں تک کہ امام نے سر اٹھا لیا تو اس کو رکعت نہیں ملی اور مقتدی نے رکوع کیا اور امام نے اس کو رکوع میں پا لیا تو صحیح ہے

صَلّٰى رَكْعَةً مِنَ الظُّهْرِ فَأُقِيمَ يُتِمُّ شَفْعًا وَيَقْتَدِي: اگر کوئی شخص فرض نماز کی ایک رکعت پڑھ چکا ہے اور ابھی اس کا سجدہ نہیں کیا ہے کہ اسی جگہ اس فرض کی جماعت شروع ہو گئی تو وہ اپنی نماز توڑ کر جماعت میں شریک ہو جائے خواہ نماز دو رکعتی ہو جیسے فجر یا تین رکعتی مغرب یا چار رکعتی یعنی ظہر عصر عشاء سب کا یہی حکم ہے۔ اگر ایک رکعت پڑھ چکا ہے اور دوسری رکعت میں ہے اور ابھی دوسری رکعت کا سجدہ نہیں کیا تو اب بھی یہی حکم ہے۔ چار رکعتی نماز (ظہر عصر عشاء) ہے تو ایک رکعت اور پڑھ کر سلام پھیرے اور جماعت میں شریک ہو جائے تاکہ پڑھی ہوئی رکعتیں نفل ہو جائیں اور فضیلت جماعت بھی حاصل ہو جائے۔ امام شافعی بھی یہی فرماتے ہیں۔

فَلَوْ صَلّٰى ثَلَاثًا يُتِمُّ وَيَقْتَدِي مُتَطَوِّعًا: اور اگر تیسری رکعت کا سجدہ کر لیا ہے جبکہ جماعت کھڑی ہوئی تو اب سب سے پہلے چوتھی رکعت پڑھ کر سلام پھیرے اور پھر نفل کی نیت سے جماعت میں شریک ہو جائے

میں شامل ہو جائے اور یہ اس کیلئے افضل ہے کیونکہ یہ اس کے نفل ہو جائیں گے اور وہ جماعت سے نفل پڑھنے کا ثواب پائے گا البتہ اگر تیسری رکعت کو سجدہ کیساتھ مقید نہیں کیا تو توڑ سکتا ہے اب چاہے تو بیٹھ کر سلام پھیرے اور چاہے تو کھڑے کھڑے سلام پھیرے اور امام کیساتھ شامل ہونے کی نیت سے تکبیر کہہ کر شامل ہو جائے یہی مختار ہے۔

فَإِنْ صَلَّى رَكْعَةً مِنَ الْفَجْرِ أَوِ الْمَغْرِبِ فَأُقِيمَ يَقْطَعُ وَيَقْتَدِي: اور اگر فجر کی نماز ہے اور ایک رکعت پڑھ چکا ہے تو توڑ کر جماعت میں شامل ہو جائے کیونکہ اگر وہ ایک رکعت اور پڑھتا ہے تو اس کا فرض پورا ہو جائیگا اور جماعت میں شریک نہ ہو سکے گا کیونکہ فجر کے بعد نفل مشروع نہیں ہے اور ظاہر الروایہ میں مغرب کا بھی یہی حکم ہے کیونکہ مغرب کے بعد اگرچہ نفلوں کا وقت ہے لیکن تین رکعت نفل جائز نہیں اور اگر وہ امام کے سلام کے بعد ایک رکعت ملا کر چار رکعت نفل پوری کرے گا تو امام کی مخالفت ہوگی یہ سب بدعت ہے اور منع ہے۔

فائدہ: جماعت قائم ہو جانے پر نماز توڑ دینے کا جن صورتوں میں حکم ہے یہ اس وقت ہے جبکہ اس مقام پر جہاں (یعنی جس مسجد وغیرہ میں) یہ نماز پڑھ رہا ہو وہاں جماعت قائم ہو جائے اور اگر دوسری جگہ جماعت قائم ہوئی مثلاً کوئی شخص گھر میں نماز پڑھ رہا تھا اور مسجد میں جماعت قائم ہوئی یا کسی مسجد میں نماز پڑھ رہا تھا اور دوسری مسجد میں جماعت قائم ہوئی تو نماز کسی حالت میں نہ توڑے اگرچہ پہلی رکعت کا سجدہ بھی نہ کیا ہو۔

اذان کے بعد مسجد سے نکلنے کا حکم

وَكُرِهَ خُرُوجُهُ مِنْ مَسْجِدٍ أُذِّنَ فِيهِ حَتَّى يُصَلِّيَ: کسی مسجد میں ہو اور اذان ہو جائے یا اذان ہونے کے بعد مسجد میں آئے تو بغیر نماز پڑھے مسجد سے نکلنا مکروہ ہے کیونکہ حدیث میں اس کی ممانعت ہے۔

فائدہ: البتہ چند صورتیں اس سے مستثنیٰ ہیں۔ (۱) وہ شخص جو اپنی نماز پڑھ چکا ہو۔ (۲) اگر وہ کسی اور مسجد کا امام یا مؤذن ہو کہ اس کے نہ ہونے سے وہاں کی جماعت کے لوگ متفرق ہو جائیں گے تو ایسے شخص کو اجازت ہے کہ یہاں سے اپنی مسجد میں چلا جائے اگرچہ یہاں اقامت بھی شروع ہو گئی ہو اور اگر اس کی مسجد میں جماعت ہو چکی ہو تو اب یہاں سے جانے کی اجازت نہیں۔ (۳) جو شخص کسی دوسرے محلہ کا رہنے والا ہو اس کو بھی اپنے محلہ کی مسجد کی جماعت میں شامل ہونے کیلئے اس مسجد سے نکلنا جائز ہے جبکہ ابھی وہاں جماعت نہ ہوئی ہو۔ (۴) اپنے استاد کی مسجد میں سبق کیلئے یا وعظ و مسائل سننے کیلئے جانا بالاتفاق جائز ہے تاکہ وہ پورا ثواب حاصل کرے اور یہ حکم اس وقت ہے جبکہ اس کو کل یا بعض سبق کے فوت ہونے کا خوف ہو اگرچہ اس سبق کا پڑھنا فرض یا واجب نہ ہو اور اگر ایسا نہیں ہے تو پھر نہ نکلے ان صورتوں میں نکلنا بلا کراہت جائز ہے مگر یہاں تکمیل ہے۔

وَإِنْ صَلَّى لَا إِلَّا فِي الظُّهْرِ وَالْعِشَاءِ إِنْ شَرَعَ فِي الْإِقَامَةِ: اگر نماز پڑھ چکا ہے اور وقت ظہر یا عشاء کا ہے تو نکلنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہاں اگر اقامت شروع ہو جائے تو اس وقت نکلنا مکروہ ہے کیونکہ ان دو نمازوں کے بعد نفل نماز مکروہ نہیں ہے۔

جماعت فجر میں سنت فجر پڑھنے کا حکم

وَمَنْ خَافَ فَوْتَ الْفَجْرِ إِنْ أَدَّى سُنَّتَهُ ائْتَمَّ وَتَرَكَهَا وَإِلَّا لَا: نماز فجر کیلئے مسجد میں آیا دیکھا جماعت فجر ہو رہی ہے اور اس نے ابھی سنت فجر نہیں پڑھی تو اگر سنت پڑھ کر شامل ہونے میں کم از کم ایک رکعت ملنے کی توقع ہو تو سنتیں پڑھ کر جماعت میں شامل ہو جائے کیونکہ سنت فجر کی بڑی فضیلت ہے اس لئے سنت اور جماعت ہر دو فضیلتوں کو جمع کرلے اور ایک رکعت پالینے سے جماعت کی فضیلت حاصل ہو جاتی ہے۔ ارشاد نبوی ﷺ ہے کہ جس نے فجر کی ایک رکعت پالی اس نے فجر پالی اور اگر دونوں رکعتیں فوت ہو جانے کا خوف ہو تو جماعت میں شامل ہو جائے۔ اور اسی طرح اگر امام کو رکوع میں پایا اور یہ معلوم نہیں کہ پہلے رکوع میں ہے یا دوسرے میں تو سنتیں چھوڑ دے اور امام کے ساتھ شامل ہو جائے۔

فائدہ- سنت فجر کو مسجد کے دروازے کے پاس پڑھے یعنی اگر مسجد سے باہر جگہ ہو تو وہاں پڑھے اگر جگہ نہ ہو تو مسجد کے اندر کسی ستون کی آڑ میں پڑھے اور اگر ایسا ممکن نہ ہو تو چھوڑ دے سب سے زیادہ مکروہ یہ ہے کہ فرضوں کی صف کے پیچھے کھڑا ہو کے پڑھے۔

وَلَمْ تُقْضَ إِلَّا تَبَعًا لِفَرْضِهِ: اگر کسی شخص کی فجر کی سنتیں فوت ہو جائیں تو شیخین کے نزدیک ان کو طلوع آفتاب سے پہلے قضاء نہ کرے کیونکہ یہ دوگانہ سب محض نفل ہے اور محض نفل فجر کے بعد مکروہ ہے اور طلوع آفتاب کے بعد بھی قضاء نہ کرے کیونکہ شیخین کے نزدیک بلا تبعیت فرض نوافل کی قضا نہیں ہے امام محمدؒ کے نزدیک پسندیدہ یہ ہے کہ زوال کے وقت تک قضا کرے کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ مرغینانی کے نزدیک یہی مختار ہے امام محمدؒ کی دلیل یہ ہے آنحضرت ﷺ نے دوگانہ سنت کو لیلۃ التعریس کے شروع دن میں آفتاب بلند ہونے کے بعد قضا کیا تھا شیخین کی دلیل یہ ہے کہ سنت میں اصل یہ ہے کہ قضا نہ کی جائے کیونکہ قضا مخصوص بواجب ہے رہا قضاء دوگانہ جو حدیث میں مذکور ہے سو وہ فرض کے تابع ہو کر وارد ہوا ہے۔ دوگانہ فجر کے علاوہ باقی سنتیں وقت کے بعد تنہا قضا نہیں کی جائیں گی اور فرض کے تابع ہو کر ان کے قضا کرنے میں مشائخ کا اختلاف ہے۔

وَقَضَى الَّتِي قَبْلَ الظُّهْرِ فِي وَقْتِهِ: اگر کسی شخص کی ظہر سے پہلے والی چار سنتیں فوت ہو گئیں تو ان کو ظہر کی بعد والی دو سنتوں پر مقدم کرے یا مؤخر امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ چار رکعت کو مقدم کرے یہی امام صاحب کا قول ہے۔ امام محمدؒ کے نزدیک دو رکعت سنت کو مقدم کرے کیونکہ ان کا حق یہی ہے کہ وہ فرض سے متصل رہیں اور یہی زیادہ افضل ہے۔

وَلَمْ يُصَلِّ الظُّهْرَ جَمَاعَةً بِإِدْرَاكِ رَكْعَةٍ بَلْ أَدْرَكَ فَضْلَهَا: جس شخص کو فرض نماز میں ایک رکعت امام کے ساتھ ملی تو یہ شخص بالاتفاق جماعت سے نماز پڑھنے والا نہیں ہوا خواہ وہ نماز دو رکعت والی ہو یا تین رکعت والی ہو لیکن اس نے جماعت کا ثواب پالیا اگرچہ وہ قعدہ اخیرہ ہی میں شامل ہوا ہو اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے قسم کھائی کہ میں جماعت کے ساتھ نماز نہیں پڑھوں گا اور اس نے ایک رکعت امام کے ساتھ اور باقی میں مسبوق ہو خواہ دو رکعت والی نماز ہو یا تین رکعت والی یا چار

واجب تو بالاتفاق اس کی قسم نہیں ٹوٹے گی۔

وَيَتَطَوَّعُ قَبْلَ الْفَرْضِ إِنْ أَمِنَ فَوْتَ الْوَقْتِ وَإِلَّا لَا: اگر کسی شخص کی جماعت فوت ہوگئی ہو اور وہ ایسی مسجد میں آیا جس میں جماعت ہو چکی ہے یا گھر میں فرض نماز پڑھنے کا ارادہ کیا تو اس بارے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے اور وہ فرض ادا کرنے سے پہلے جس قدر چاہے سنن اور نوافل ادا کرے بشرطیکہ وقت میں گنجائش ہو۔ اور اگر وقت تنگ ہو تو پہلے فرض نماز پڑھے تاکہ فرض اپنے وقت سے فوت نہ ہو جائے۔

وَإِنْ أَدْرَكَ إِمَامَهُ رَاكِعًا فَكَبَّرَ وَوَقَفَ حَتَّى رَفَعَ رَأْسَهُ لَمْ يُدْرِكِ الرَّكْعَةَ: اگر کسی نے امام کو رکوع میں پایا اور تکبیر تحریمہ کہہ کر توقف کیا۔ اتنے میں امام نے رکوع سے سر اٹھا لیا تو اس کو وہ رکعت نہیں ملی۔ امام شافعیؒ بھی یہی فرماتے ہیں، امام زفرؒ کا اس میں اختلاف ہے وہ فرماتے ہیں کہ رکوع کو قیام سے مشابہت ہے۔ اس لیے اس نے جب رکوع سے قیام پایا تو گویا رکوع کو پا لیا۔ لہٰذا رکعت مل گئی۔ یہی قول سفیان ثوریؒ ابن مبارکؒ اور ابن ابی لیلیٰ کا ہے ہماری دلیل یہ ہے کہ افعال نماز میں امام کے ساتھ مشارکت شرط ہے اور یہ شرط نہ رکوع میں پائی گئی نہ قیام میں لہٰذا اس کو مدرک رکعت نہیں کہہ سکتے۔

وَلَوْ رَكَعَ مُقْتَدٍ فَأَدْرَكَهُ إِمَامُهُ فِيهِ صَحَّ: اگر مقتدی اپنے امام سے پہلے رکوع میں چلا گیا اور امام نے بعد میں رکوع کیا تو مقتدی کی نماز جائز ہو جائے گی۔ امام زفرؒ فرماتے ہیں کہ مقتدی کی نماز فاسد ہوگی کیونکہ اس نے جو رکوع امام سے پہلے کیا وہ قابل اعتبار نہیں اور جو کچھ اس پر مبنی ہوگا اس کا اعتبار بھی ساقط ہوگا ہماری دلیل یہ ہے کہ جزء واحد میں مشارکت شرط ہے جیسا کہ طرف اول میں یعنی رکوع تو امام کے ساتھ کرے مگر فراغ اس سے پہلے ہو جائے تو نماز ہو جاتی ہے۔ اسی طرح مذکورہ صورت میں بھی جائز ہوگی۔

بَابُ قَضَاءِ الْفَوَائِتِ

فوت شدہ نمازوں کی قضاء کا بیان

گذشتہ باب میں ادا اور اس کے احکام کا بیان تھا اب مصنفؒ اس باب میں قضاء کے احکام ذکر کریں گے چونکہ ادا اصل اور قضاء اس کا خلیفہ ہے اس لیے ادا کو پہلے اور قضاء کو بعد میں ذکر کیا۔

اَلتَّرْتِيبُ بَيْنَ الْفَائِتَةِ وَالْوَقْتِيَّةِ وَبَيْنَ الْفَوَائِتِ مُسْتَحَقٌّ وَيَسْقُطُ بِضِيقِ الْوَقْتِ وَالنِّسْيَانِ وَصَيْرُورَتِهَا سِتًّا وَلَمْ يَعُدْ بِعَوْدِهَا إِلَى الْقِلَّةِ فَلَوْ صَلَّى فَرْضًا ذَاكِرًا فَائِتَةً وَلَوْ وِتْرًا فَسَدَ فَرْضُهُ مَوْقُوفًا

ترجمہ: قضاء اور وقتی نمازوں میں اور چند قضاء نمازوں میں ترتیب ضروری ہے اور تنگی وقت اور نسیان اور قضاء نمازوں کے پانچ سے زائد ہونے سے ساقط ہو جاتی ہے اور بہت سی قضاء نمازوں کے کم ہونے سے ترتیب نہیں لوٹتی پس اگر کوئی فرض نماز پڑھے قضاء یاد ہوتے ہوئے اگرچہ وہ وتر ہی ہوں تو فرض فاسد ہو جائے گا فساد موقوف۔

میں آدمی کے پیچھے کے آدھے دھڑ کا اعتبار ہے پس اگر پیچھے کا آدھا دھڑ سیدھا ہوگیا (خواہ پیٹ ابھی تک جھکی ہوئی ہے) تو قیام سے قریب ہے اور اگر پیچھے کا آدھا دھڑ سیدھا نہیں ہوا تو بیٹھنے کے زیادہ قریب ہے۔ یہی معتبر ہے۔

وَإِنْ سَهَا عَنِ الْأَخِيْرِ عَادَ مَا لَمْ يَسْجُدْ وَسَجَدَ لِلسَّهْوِ فَإِنْ سَجَدَ بَطَلَ فَرْضُهُ بِرَفْعِهِ وَصَارَتْ نَفْلًا فَيَضُمُّ إِلَيْهَا سَادِسَةً: اور اگر کوئی قعدہ آخیرہ بھول کر پانچویں رکعت کیلئے کھڑا ہوگیا تو پانچویں رکعت کے سجدہ سے پہلے پہلے لوٹ آئے اور قعدہ کیساتھ سجدہ سہو کرکے نماز پوری کرے لوٹنا تو اس لئے ہے کہ یہ برائے اصلاح نماز ہے۔ اور سجدہ سہو اس لئے ہے کہ قعدہ اخیرہ جو فرض ہے اس میں تاخیر کی ہے اور اگر پانچویں رکعت کا سجدہ کرلیا تو ہمارے نزدیک فرضیت باطل ہوگی امام محمدؒ امام شافعیؒ امام مالکؒ اس کے خلاف ہیں دلیل بطلان یہ ہے کہ اس نے اتمام فرض سے قبل نفل شروع کرکے سجدہ سے مستحکم کردیا اور تکمیل فرض سے نکل جانا اس کے بطلان کیلئے لازم ہے پس فرضیت کے ختم ہوجانے اور اصل نماز کے پائے جانے کی وجہ سے شیخینؒ کے نزدیک وہ نماز نفل ہوگی لہٰذا اس زائد رکعت کیساتھ ایک رکعت اور ملالے تاکہ نفل جفت ہوجائے اور نہ ملائے تو بھی کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ اس نے اس کو قصداً شروع نہیں کیا نیز اس پر سجدہ سہو بھی نہیں۔ یہی اصح ہے۔

وَإِنْ قَعَدَ فِي الرَّابِعَةِ ثُمَّ قَامَ يَظُنُّهَا الْقَعْدَةَ الْأُوْلٰى عَادَ وَسَلَّمَ وَإِنْ سَجَدَ لِلْخَامِسَةِ تَمَّ فَرْضُهُ وَضَمَّ إِلَيْهَا سَادِسَةً وَسَجَدَ لِلسَّهْوِ: اور اگر چوتھی رکعت پر قعدہ کرنے کے بعد بھول کر کھڑا ہوگیا تو پانچویں رکعت کے سجدہ سے پہلے یاد آنے پر لوٹ آئے اور سجدہ سہو کرکے سلام پھیر دے اور اگر پانچویں رکعت کا سجدہ کرلیا تو ایک رکعت اور ملالے اگرچہ فجر و عصر و مغرب ہی ہو اس صورت میں اس کی فرض نماز بھی پوری ہوجائیگی اور دو رکعتیں نفل بن جائیں گی فرض اس لئے پورا ہوگیا کہ کوئی رکن یا فرض نہیں چھوٹا صرف لفظ سلام باقی تھا جو واجب ہے جس کی تکمیل سجدہ سہو سے ہوگی اور ایک رکعت اور ملانے کا حکم اس لئے ہے تاکہ دو رکعت نفل ہوجائیں کیونکہ نبی کریم ﷺ کے صلاۃ بتیرا سے منع کردینے کی وجہ سے ایک رکعت پڑھنا جائز نہیں ہے۔

وَلَوْ سَجَدَ لِلسَّهْوِ فِي شَفْعِ التَّطَوُّعِ لَمْ يَبْنِ شَفْعًا آخَرَ عَلَيْهِ: کسی شخص نے دو رکعت نفل پڑھیں اور ان میں سہو ہوا اور سجدہ سہو کرلیا تو اب اس کو اس دوگانہ پر اور نماز کی بنا کرنا مکروہ تحریمی ہے کیونکہ اس طرح اس کا سجدہ سہو بلا ضرورت بیکار ہوجائیگا کیونکہ سجدہ سہو واجب ہے اور واجب کا بلا ضرورت بیکار کردینا مکروہ تحریمی ہے بخلاف مسافر کے کہ اگر اس نے سجدہ سہو کے بعد اقامت کی نیت کی تو اب اس پر چار رکعتیں لازم ہوجائیں گی پس وہ چار رکعتیں پوری کرکے آخر میں سجدہ سہو کا اعادہ کرے اس لئے کہ اس مسافر کو اس صورت میں دو رکعت پر مزید دوگانہ کا بنا کرنا بلا کراہت جائز ہے کیونکہ اب اس کو چار رکعتیں پوری کرنا اقامت کی نیت کی وجہ سے لازم ہوگیا ہے پس وہ اس دوگانہ پر بنا نہ کرے تو اس کی دو رکعتیں فرض باطل ہوجائیں گی اور اگر بنا کریگا تو صرف سجدہ سہو جو واجب ہے باطل ہوگا اور واجب کا بطلان فرض کے بطلان سے خفیف ہے اس لئے واجب کے بطلان کو اختیار کیا گیا۔

ولو سلّم الساهي فاقتدى به غيره فإن سجد صح وإلا لا: ایک شخص نے سلام پھیر دیا حالانکہ اس پر سجدہ سہو واجب تھا پھر سلام کے بعد ایک آدمی اس کی نماز میں داخل ہوا اگر امام نے سجدہ سہو کیا تو وہ شخص نماز میں داخل ہوگا ورنہ نہیں یہ شیخین کا قول ہے امام محمد فرماتے ہیں امام سجدہ کرے یا نہ کرے وہ شخص نماز میں داخل شمار ہوگا کیونکہ ان کے نزدیک وہ اس وقت تک داخل نماز رہتا ہے جب تک کوئی ایسی بات نہ کرے جس سے نماز ٹوٹ جاتی ہے خواہ وہ سجدہ سہو کرے یا نہ کرے اور ترک سجدہ سہو کی نیت کرے امام صاحب اور امام ابو یوسف کے نزدیک سلام کے بعد اس کا نماز سے نکلنا یا نہ نکلنا سجدہ سہو پر موقوف ہے یعنی اگر اس نے سلام کے بعد سجدہ سہو کر لیا تو وہ نماز میں داخل ہے اور اگر سجدہ سہو نہ کرے تو نماز سے خارج ہو گیا۔

دونوں سلام پھیرنے کے بعد سجدہ سہو کا حکم

ويسجد للسهو وإن سلّم للقطع: اگر کسی شخص پر سجدہ سہو واجب ہے اور وہ بھولے سے نماز قطع کرنے کے واسطے دونوں طرف سلام پھیر دے تو وہ سلام کے بعد بھی داخل نماز رہتا ہے لیکن یہ اس وقت ہے جبکہ وہ اسی جگہ بیٹھا رہا اور کوئی ایسا کام نہیں کیا جس سے نماز ٹوٹ جاتی ہے بلکہ اگر اسی طرح بیٹھے بیٹھے کلمہ اور درود شریف وغیرہ کوئی وظیفہ بھی پڑھنے لگا تب بھی کچھ حرج نہیں پس یاد آنے پر اب وہ سجدہ سہو کرے تو نماز ہو جائے گی اور اگر سجدہ سہو یاد ہوتے ہوئے قصداً دونوں طرف سلام پھیر دیا اور یہ نیت کی کہ میں سجدہ سہو نہیں کروں گا تب بھی جب تک ایسا کام نہ کرے جس سے نماز جاتی رہتی ہے مثلاً کلام کرنا قہقہہ یا حدث عمد وغیرہ اس وقت تک سجدہ سہو کر لینے سے نماز ہو جائے گی کیونکہ اس کی یہ نیت لغو ہے۔

شک فی الصلوٰۃ کی صورتوں کا حکم

وإن شك أنه كم صلى أول مرة استأنف وإن كثر تحرى وإلا أخذ بالأقل ولو توهم مصلي الظهر أنه أتمها فسلم ثم علم أنه صلى ركعتين أتمها وسجد للسهو: جس شخص کو نماز میں شک ہوا کہ کتنی رکعتیں پڑھی ہیں مثلاً یہ شک ہوا کہ تین رکعتیں پڑھی ہیں یا چار اور ایسا اتفاق پہلی ہی دفعہ ہوا تو نئے سرے سے نماز پڑھے پہلی بار شک ہونے کے معنی میں فقہاء کا اختلاف ہے صحیح یہ ہے کہ بھولنا اس کی عادت نہ ہو یہ معنی نہیں کہ کبھی اپنی عمر میں سہو نہ ہوا ہو بعض فقہاء نے کہا ہے کہ بالغ ہونے کے بعد یہ شک اول مرتبہ ہوا ہو اور اس سے زیادہ کو اکثر یعنی شک کرنے کی عادت کہا ہے اسی بنا پر اگر اس کو اپنی عمر میں دو دفعہ شک ہوا تو شک کرنے کی عادت میں داخل ہو گیا اکثر نے اسی کو اختیار کیا ہے اور بعض نے اس کو لیا ہے کہ اس نماز میں دو دفعہ شک ہوا ہو اور بعض نے سال میں دو دفعہ شک ہونے کو لیا ہے پس اگر اکثر شک ہو جاتا ہے اور شک کرنے کی عادت ہے تو دل میں سوچ کر گمان غالب پر عمل کرے اور اگر سوچنے کے بعد بھی دونوں طرف برابر خیال ہے کسی کی طرف گمان نہیں جاتا ہے تو کم والی طرف کو لے کیونکہ وہ یقینی ہے۔

بَابُ صَلَاةِ الْمَرِيضِ

مریض کی نماز کا بیان

مصنفؒ نے بیمار کی نماز کا ذکر سجدہ سہو کے بعد اس لئے کیا ہے کہ مرض اور سہو دونوں عوارض سماویہ میں سے ہیں اور سہو چونکہ عام ہے مریض اور تندرست سب کو عارض ہوتا ہے اس لئے سہو کے سجدہ کا ذکر اولاً کیا گیا اور بیمار کی نماز کا ذکر بعد میں کیا گیا۔

مَنْ تَعَذَّرَ عَلَيْهِ الْقِيَامُ أَوْ خَافَ زِيَادَةَ الْمَرَضِ صَلَّى قَاعِدًا يَرْكَعُ وَيَسْجُدُ أَوْ مُومِيًا إِنْ تَعَذَّرَ وَجَعَلَ سُجُودَهُ أَخْفَضَ وَلَا يَرْفَعُ إِلَى وَجْهِهِ شَيْئًا يَسْجُدُ عَلَيْهِ وَهُوَ يَخْفِضُ رَأْسَهُ صَحَّ فَإِنْ فَعَلَ وَإِلَّا لَا وَإِنْ تَعَذَّرَ الْقُعُودُ أَوْمَأَ مُسْتَلْقِيًا أَوْ عَلَى جَنْبِهِ وَإِلَّا أُخِّرَتْ وَلَمْ يُومِئْ بِعَيْنِهِ وَقَلْبِهِ وَحَاجِبَيْهِ وَإِنْ تَعَذَّرَ الرُّكُوعُ وَالسُّجُودُ لَا الْقِيَامُ أَوْمَأَ قَاعِدًا وَلَوْ مَرِضَ فِي صَلَاتِهِ يُتِمُّ بِمَا قَدَرَ وَلَوْ صَلَّى قَاعِدًا يَرْكَعُ وَيَسْجُدُ فَصَحَّ بَنَى وَلَوْ كَانَ مُومِيًا لَا وَلِلْمُتَطَوِّعِ أَنْ يَتَّكِئَ عَلَى شَيْءٍ إِنْ أَعْيَا وَلَوْ صَلَّى فِي فُلْكٍ قَاعِدًا بِلَا عُذْرٍ صَحَّ وَمَنْ أُغْمِيَ عَلَيْهِ أَوْ جُنَّ خَمْسَ صَلَوَاتٍ قَضَى وَلَوْ أَكْثَرَ لَا

ترجمہ: جس پر کھڑا ہونا دشوار ہو یا مرض کی زیادتی کا خوف ہو تو بیٹھکر رکوع و سجدہ کیساتھ پڑھے اور اگر رکوع سجدہ بھی مشکل ہو تو اشارہ سے پڑھے اور سجدہ کو رکوع کی بہ نسبت زیادہ پست کرے اور کوئی چیز اس کے منہ کے سامنے اونچی نہ کی جائے کہ وہ اس پر سجدہ کرے اور اگر ایسا کیا اور اس نے سجدہ میں سر زیادہ جھکا لیا تب بھی صحیح ہے ورنہ نہیں اور اگر بیٹھا بھی نہ جائے تو چت یا کروٹ پر لیٹ کر اشارہ کرے اور یہ بھی نہ ہو سکے تو نماز ملتوی کی جائے اور آنکھوں سے اور دل اور بھوؤں سے اشارہ نہ کرے اور اگر رکوع سجدہ دشوار ہوں نہ کہ قیام تو بیٹھ کر اشارہ سے پڑھے اور اگر نماز میں بیمار ہو جائے تو جس طرح ہو سکے پوری کرے اگر بیٹھ کر رکوع سجدے سے پڑھ رہا تھا پھر صحیح ہو گیا تو بنا کرے اور اگر اشارہ کرنے والا تھا تو نہیں نفل پڑھنے والے کیلئے سہارے کی اجازت ہے اگر تھک گیا ہو اگر کشتی میں بلا عذر بیٹھ کر نماز پڑھے تو درست ہے جو شخص بیہوش ہو جائے یا پانچ نماز وں تک دیوانہ ہو جائے تو قضا کرے اور اگر زائد ہو تو نہیں۔

مَنْ تَعَذَّرَ عَلَيْهِ الْقِيَامُ أَوْ خَافَ زِيَادَةَ الْمَرَضِ صَلَّى قَاعِدًا يَرْكَعُ وَيَسْجُدُ۔ بیمار آدمی اگر کھڑا ہونے پر قادر نہ ہو یا یہ طور کہ کھڑا ہونے میں صحت والی تاخیر کا ڈر ہے یا کھڑا ہو کر نماز پڑھنے میں شدید ضعف لاحق ہوتا ہے یا درد وغیرہ ہوتا ہے تو اس کیلئے قیام ترک کرنا جائز ہے اور یہ شخص بیٹھ کر رکوع سجدے کے ساتھ نماز ادا کرے کیونکہ عمران بن حصینؓ فرماتے ہیں کہ مجھ کو بواسیر کا مرض تھا میں نے نبی کریم ﷺ سے اس حالت میں نماز کے بارے میں دریافت کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ کھڑے ہو کر نماز ادا کرو اور اگر اس کی طاقت نہ ہو بیٹھ کر ادا کرو اور اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو کروٹ پر اور اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو چت لیٹ کر ادا کرو۔

فائدہ: اگر مریض تھوڑے سے قیام پر قادر ہے مثلاً ایک آیت پڑھنے کی مقدار یا تکبیر کہنے کی مقدار پورے قیام پر قادر نہیں ہے تو اتنی ہی مقدار قیام کا حکم دیا جائیگا۔

أومأ برأسه وجعل سجوده أخفض ولا يرفع إلى وجهه شيئا يسجد عليه فإن فعل وهو يخفض رأسه صح وإلا لا: اگر رکوع اور سجدہ کرنے کی قدرت نہ ہو تو بیٹھ کر رکوع اور سجدہ اشارہ کیساتھ ادا کرے کیونکہ اس وقت اس کی طاقت یہی قدر ہے البتہ سجدہ کا اشارہ بہ نسبت رکوع کے اشارے کو پست کرے یعنی سجدہ کا اشارہ کرتے وقت سر زیادہ جھکا ہوا رہے اور سجدہ کرنے کیلئے کوئی چیز اپنے چہرے کی طرف نہ اٹھائے کیونکہ حضرت جابرؓ سے روایت ہے آپ ﷺ سے اس فرمان کی وجہ سے سجدہ کیلئے تکیہ یا اینٹ یا تختی وغیرہ کوئی چیز پیشانی کے قریب اٹھا کر اس پر سجدہ کرنا مکروہ تحریمی ہے خواہ وہ چیز اس نے خود اٹھائی ہو یا کسی دوسرے نے اس کیلئے اٹھائی ہو پس اگر ایسا کیا جائے یعنی تکیہ یا تختی وغیرہ کوئی چیز پیشانی کے قریب اٹھائی جائے تو اگر اس کا سر سجدہ کیلئے رکوع کی نسبت زیادہ جھکا ہے تو جائز ہے اور یہ اشارہ سے نماز پڑھنے والا سمجھا جائیگا لیکن یہ فعل برا ہے اور اگر رکوع اور سجدہ میں اس کا سر نہیں جھکا اور تکیہ یا تختی وغیرہ رکوع و سجدہ کیلئے اس کی پیشانی پر لگا دیجائے یا وہ خود لگائے یا سر کو جھکایا لیکن رکوع و سجدہ کیلئے برابر جھکایا اور ان میں کوئی فرق نہیں کیا تو رکوع و سجدہ کیلئے یا صرف سجود کیلئے اشارہ نہ پائے جانے کی وجہ سے اس کی نماز درست نہیں ہوگی یہی اصح ہے اور اگر تکیہ یا اینٹ وغیرہ اونچی چیز زمین پر رکھی ہوئی ہو اور اس پر سجدہ کرے تو نماز جائز ہے۔

وإن تعذر القعود أومأ مستلقيا أو على جنبه: اگر مریض کو بیٹھنے کی قدرت نہ ہو تو اپنی پشت کے بل چت لیٹ جائے اور اپنے سر کے نیچے اونچا سا تکیہ رکھے تاکہ بیٹھے ہوئے کے مشابہ ہو جائے تاکہ رکوع اور سجدہ کا اشارہ کرنا ممکن ہو کیونکہ اس کے بغیر تندرست آدمی اشارہ نہیں کر سکتا چاہئے کہ بیمار اپنے پاؤں قبلہ کی طرف کرے اور رکوع اور سجدہ کا اشارہ کرے اور بیمار اگر کروٹ پر لیٹ کر اشارہ سے نماز پڑھے در حالیکہ اس کا منہ قبلہ کی جانب ہے تو یہ بھی جائز ہے دلیل حدیث عمران بن حصینؓ ہے جو ابھی گذشتہ صفحہ پر گذری ہے۔

اشارہ سے عاجز شخص کی نماز کا حکم

وإن تعذر الإيماء برأسه أخرت ولم يوم بعينيه وقلبه وحاجبيه: اور اگر مریض کو سر سے اشارہ کرکے بھی نماز پڑھنے کی طاقت نہ ہو تو نماز کو مؤخر کر دے تو آنکھ یا ابروؤں یا دل سے اشارہ کر کے نماز پڑھنا صحیح نہیں یہی صحیح ہے امام مالکؒ امام شافعیؒ امام احمدؒ سے مروی ہے کہ آنکھوں سے پھر ابروؤں سے پھر دل سے اشارہ جائز ہے پھر جب اس کو صحت ہو جائے تو اس پر ایسی نمازوں کی قضاء لازم ہونے یا نہ ہونے میں چار صورتیں ہیں اول یہ مرض ایک دن رات یعنی پانچ نمازوں سے زائد ہو اور اس کی عقل قائم نہ رہی تو اس صورت میں بالاتفاق حالت مرض کی نمازوں کی قضا نہیں ہے۔ دوم مرض بیہوشی کے ساتھ ایک دن رات یا اس سے کم رہا اور

﴿يَخِرُّوْنَ لِلْأَذْقَانِ﴾ ختم آیت پر، (۵) مریم ﴿سُجَّدًا وَّبُكِيًّا﴾ پر۔ (۶) حج کا پہلا سجدہ ﴿أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللّٰهَ يَسْجُدُ لَهُ﴾ ختم آیت پر۔ (۷) فرقان میں ﴿وَإِذَا قِيْلَ لَهُمُ اسْجُدُوْا لِلرَّحْمٰنِ﴾۔ (۸) نمل میں ﴿رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ﴾ پر۔ (۹) السجدہ میں ﴿خَرُّوْا سُجَّدًا﴾ ختم آیت پر۔ (۱۰) ص میں ﴿وَخَرَّ رَاكِعًا وَّأَنَابَ﴾ پر۔ (۱۱) حم السجدہ میں ﴿لَا يَسْأَمُوْنَ﴾ پر۔ (۱۲) نجم میں ﴿فَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ وَاعْبُدُوْا﴾ پر۔ (۱۳) انشقاق میں ﴿وَإِذَا قُرِئَ عَلَيْهِمُ﴾ ختم آیت پر۔ (۱۴) اقرأ میں ﴿وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ﴾ پر اسی طرح حضرت عثمانؓ کے مصحف میں لکھا ہوا ہے۔ اور وہی معتمد ہے اور سورۂ حج میں دوسرا سجدہ ہمارے نزدیک نماز کیلئے ہے۔

منها أولى الحج وص: اس عبارت سے ایک اختلاف کی طرف اشارہ ہے وہ یہ کہ امام شافعیؒ کے نزدیک بھی سجدہ چودہ ہیں لیکن ان کے نزدیک سورۂ حج میں دونوں سجدے سجدۂ تلاوت ہیں اور سورت ص میں سجدۂ تلاوت نہیں ہے۔ بلکہ سجدۂ شکر ہے اور ہمارے نزدیک سورۂ حج کا پہلا سجدہ سجدۂ تلاوت ہے۔ دوسرے سجدہ سے نماز کا سجدہ مراد ہے نہ کہ سجدۂ تلاوت اور سورۂ ص میں ہمارے نزدیک سجدۂ تلاوت ہے سورۂ حج میں دو سجدے ہونے پر امام شافعیؒ کا مستدل۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ سورۂ حج کو دو سجدوں کے ساتھ فضیلت دی گئی ہے۔ جس نے ان دونوں کو نہیں کیا گویا ان کو نہیں پڑھا ہماری دلیل یہ ہے کہ ابن عباسؓ اور ابن عمرؓ سے منقول ہے "قالا سجدة التلاوة في الحج هي الاولى والثانية سجدة الصلوة" فرماتے کہ سورۂ حج کے اندر تلاوت کا سجدہ پہلا ہے اور دوسرا نماز کا سجدہ ہے"۔ اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ دوسرے سجدے کو رکوع کے ساتھ ملا کر ذکر کیا چنانچہ فرمایا: وَارْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا امام شافعیؒ کی پیش کردہ حدیث کا جواب یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد: فُضِّلَتْ بِسَجْدَتَيْنِ کی تاویل یہ ہے کہ پہلا سجدہ تلاوت کا ہے اور دوسرا سجدہ نماز کا ہے اور سورۂ ص کے اندر سجدۂ شکر ہونے پر امام شافعیؒ کی دلیل یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اپنے خطبہ میں سورۂ ص کی تلاوت فرمائی آیت سجدہ کی تلاوت کے وقت لوگوں نے سجدہ کرنے کی تیاری کی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم لوگ سجدہ کیلئے کیوں تیار ہو گئے یہ تو نبی کی توبہ ہے اور فرمایا کہ اس جگہ حضرت داؤد علیہ السلام نے سجدہ توبہ کے طور پر کیا ہے اور ہم سجدہ کرتے ہیں شکر کے طور پر ہماری طرف سے اس حدیث کا جواب یہ ہے کہ سجدۂ شکر سجدہ تلاوت کے منافی نہیں ہے کیونکہ کوئی عبادت ایسی نہیں ہے جس میں شکر کے معنی نہ ہوں اور اگر یہ بات مان لی جائے کہ آپ ﷺ نے اس موقع پر سجدہ نہیں کیا ہے تو یہ جواز تاخیر کی تعلیم کیلئے تھا نہ اس لئے کہ اس جگہ سجدۂ تلاوت واجب نہیں ہے ہمارے مذہب کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ ایک صحابی نے عرض کیا کہ اللہ کے رسول ﷺ اس بارے میں آپ کی کیا رائے ہے کہ سویا ہوا آدمی خواب میں دیکھتا ہے اور قلم نے سجدہ کیا یہ سن کر نبی کریم ﷺ نے صحابہؓ کے ساتھ سجدہ کیا۔

على من تلا ولو بالفارسية أو سمع ولو غير قاصد أو مؤتما: تلاوت کرنے والے اور سننے والے دونوں پر سجدہ تلاوت واجب ہوگا امام ہو یا مقتدی ہو خواہ سامع قرآن کریم کے سماع کا قصد کرے یا نہ کرے کیونکہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد

ہے کہ سجدہ تلاوت ہر اس شخص پر واجب ہے جو سنے اور جو تلاوت کرے حدیث میں لفظ علی سے وجوب کا پتہ چلتا ہے نیز حدیث میں قصد سماع کی کوئی قید بھی نہیں۔

لا بتلاوته: اگر کسی مقتدی نے آیت سجدہ پڑھی تو نہ خود اس پر سجدہ واجب ہوگا اور نہ اس کے امام اور دوسرے مقتدیوں پر نہ نماز میں نہ نماز کے بعد اور اگر سننے والا اس کے امام اور اس کے ساتھی مقتدیوں کے علاوہ کوئی شخص ہے تو اس پر سجدہ واجب ہوگا۔

ولو سمعها المصلي من غيره سجد بعد الصلاة ولو سجد فيها أعادها: اگر نماز پڑھنے والے نے کسی ایسے شخص سے سجدہ تلاوت سنی جو اس کے ساتھ نماز میں شریک نہیں ہے خواہ وہ سننے والا منفرد ہو یا امام ہو یا کسی اور کا مقتدی ہو تو سننے والے پر بعد نماز سجدہ تلاوت کرنا واجب ہے پس اس کو چاہئے کہ نماز سے فارغ ہونے کے بعد سجدہ کرے اور اگر نماز کے اندر سجدہ کر لیے سے اس کی نماز فاسد نہیں ہوگی یہی صحیح ہے کیونکہ ایک رکعت سے کم کی زیادتی سے نماز فاسد نہیں ہوتی اور سجدہ کی زیادتی رکعت سے کم ہے لیکن بوجہ کراہت تحریمی اس نماز کا اعادہ کرنا واجب ہے کیونکہ یہ واجب کی ادائیگی سے مانع ہوا ہے جو ممنوع ہے۔

ولو سمع من إمام فأتم به قبل أن يسجد سجد معه وبعده لا وإن لم يقتد به سجدها: اگر امام نے سجدہ کی آیت پڑھی اور اس کو کسی ایسے شخص نے سنا جو اس کے ساتھ نماز میں نہیں ہے پھر اس نے امام کے سجدہ کرنے سے پہلے امام کی اقتداء کی تو امام کے ساتھ وہ بھی سجدہ کرے کیونکہ اگر وہ نہ سنتا تو بھی سجدہ کرنا واجب تھا لہذا اب تو بدرجہ اولیٰ واجب ہے اور اگر وہ امام کے ساتھ سجدہ کرنے کے بعد شامل ہوا تو واجب نہیں کیونکہ وہ رکعت پانے کی وجہ سے سجدہ پانے والا ہو گیا لیکن یہ حکم اس وقت ہے جبکہ اسی رکعت کے آخر تک شامل ہو جائے جس میں امام نے آیت سجدہ پڑھی ہے اور اگر اس کے بعد کسی رکعت میں شامل ہو تو اس میں اختلاف ہے لیکن حق قول یہ ہے کہ نماز سے فارغ ہونے کے بعد یہ سجدہ کرے اور اگر امام کے ساتھ نماز میں شامل نہیں ہوا تو بھی سجدہ کرے کیونکہ اس کا سبب متحقق ہو چکا ہے۔

صلاۃ یا خارج صلوۃ تلاوت نہ کرنے کا حکم

ولم تقض الصلاتية خارجها: اور جو سجدہ نماز میں واجب ہوا ہے وہ نماز سے باہر ادا نہ ہوگا بلکہ دوسری نماز میں بھی ادا نہ ہوگا اور اس کے چھوڑنے میں گنہگار رہتا ہے اور اب اس کے سوا اس کی اور کوئی تدبیر نہیں ہے کہ توبہ و استغفار کرے۔

ولو تلا خارج الصلاة فسجد وأعادها فيها سجد أخرى وإن لم يسجد أولا كفته واحدة كمن كررها في مجلس لا في مجلسين: خارج نماز آیت سجدہ پڑھی اور اسی وقت سے سجدہ نہیں کیا پھر اسی مجلس میں نماز شروع کی اور یہی آیت سجدہ دوبارہ نماز میں پڑھ کر سجدہ کیا تو پہلا سجدہ بھی ادا ہو گیا اگرچہ پہلے سجدہ کی نیت بھی نہ کی ہو کیونکہ نماز والا سجدہ بہ نسبت کے پہلے سجدہ سے قوی ہے لہذا وہ پہلے سجدہ کو اپنے تابع کر لیگا اور اگر نماز میں پڑھنے سے پہلے سجدہ کر لیا تو نماز میں دوبارہ سجدہ کرے کیونکہ مجلس بدل گئی اور نماز والا سجدہ قوی ہے اور پہلا ضعیف لہذا یہ سجدہ پہلے سجدہ کے تابع نہ ہوگا۔

کیفیت سجدۂ تلاوت

وَكَيْفِيَّتُهُ أَنْ يَسْجُدَ بِشَرَائِطِ الصَّلَاةِ بَيْنَ تَكْبِيْرَتَيْنِ بِلَا رَفْعِ يَدٍ وَتَشَهُّدٍ وَتَسْلِيْمٍ وَكُرِهَ أَنْ يَقْرَأَ سُوْرَةً وَيَدَعَ آيَةَ السَّجْدَةِ لَا عَكْسُهُ: سجدہ تلاوت کا طریقہ یہ ہے کہ جب سجدہ تلاوت کرنے کا ارادہ کرے تو دونوں ہاتھ اٹھائے بغیر تکبیر کہہ کر سجدہ کرے اور کم سے کم تین بار سبحان ربی الاعلیٰ کہے پھر تکبیر کہہ کر اپنا سر اٹھائے اور یہ دونوں تکبیریں مسنون ہیں واجب نہیں ہیں اور اس کو تشہد پڑھنے اور سلام پھیرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ نماز میں یا نماز سے باہر کسی سورت کا پڑھنا اور آیت سجدہ کا چھوڑنا مکروہ ہے کیونکہ اس سے اعراض واستنکاف کا پہلو نکلتا ہے اگر آیت سجدہ پڑھ کر باقی آیت چھوڑ دے تو کوئی حرج نہیں کیونکہ اس ترک میں سجدے کی طرف عجلت اور مبادرت ثابت ہوتی ہے کہ جو کہ تلاوت کا سجدے کا فریضہ ادا کر لیا امام محمد فرماتے ہیں پسندیدہ صورت یہ ہے کہ آیات سجدہ سے پہلے بھی ایک دو آیتیں پڑھے تا کہ تفضیل کا وہم دور ہو جائے؟

بَابُ صَلَاةِ الْمُسَافِرِ

مسافر کی نماز کا بیان

چونکہ تلاوت کی طرح سفر بھی ان عوارض میں سے ہے جن کا انسان کسب کرتا ہے اس لئے سجدہ تلاوت کے احکام بیان کرنے کے بعد سفر کے احکام بیان کئے گئے اور چونکہ تلاوت اور سجدۂ تلاوت عبادت ہے اور سفر عبادت نہیں ہے اس لئے سجدۂ تلاوت کو مقدم اور سفر کے احکام کو مؤخر کیا گیا اور سفر کا معنی ظہور کے ہیں بقال سفر (ن) سفورا واسفر الصبح صبح روشن ہوگی چونکہ سفر میں آدمی کے اخلاق ظاہر ہوتے ہیں یا یہ کہ اس سے زمین کا حال ظاہر ہوتا ہے اس لئے اس کو سفر کہتے ہیں اور شریعت کی اصطلاح میں سفر وہ ہے جس سے احکام متغیر ہو جاتے ہیں مثلاً نماز قصر رمضان کے اندر افطار کی اجازت، مدت مسح کا تین دن تک بڑھ جانا، جمعہ وعیدین اور قربانی کے وجوب کا ساقط ہو جانا بغیر محرم کے آزاد عورت کے نکلنے کا حرام ہونا۔

مسافت سفر کلومیٹر کے حساب سے اور دریا وسمندر میں مقدار مسافت

پھر مطلق سفر سے احکام نہیں بدلتے بلکہ جس سفر سے احکام بدلتے ہیں وہ یہ ہے کہ مسافر اتنی دور جانے کا ارادہ کر کے گھر سے نکلے جہاں تین دن میں پہنچ سکے اس سے کم سفر میں مسافر نہیں ہوتا اور جب وہ مسافر بستی سے باہر ہو جائے اس وقت سے ہی مسافر شمار ہوتا ہے تین دن میں پہنچنے سے یہ غرض نہیں کہ سارا دن چل کر تین دن میں پہنچے کیونکہ کھانے پینے اور قضاء حاجت وغیرہ ضروریات کیلئے ٹھہرنا تو ضروری ہے بلکہ صحیح یہ ہے کہ ہر روز صبح سے زوال تک چلنا معتبر ہے اس طرح کہ درمیان میں اس قدر ٹھہرتا بھی جائے جتنا عادۃً آرام لینا چاہئے چال سے مراد درمیانی چال ہے اور وہ خشکی میں اونٹوں اور پیدل چلنے والوں کی چال ہے اور دن سے سال کا چھوٹے سے چھوٹا دن مراد ہے اور وہ دن اس جگہ کا مراد ہے جہاں دن رات معتدل ہوں لہٰذا جن شہروں میں بہت ہی

چھوٹا دن ہوتا ہے جیسے بلغار وہاں کے دن کا اعتبار نہیں صحیح بات یہی ہے کہ فرسخوں اور میلوں کے حساب کا اعتبار نہیں کیونکہ کبھی کبھی بڑے ہوتے ہیں کبھی چھوٹے بلکہ یہ کہ تین منزل کی مسافت ہی معتبر ہے لیکن عوام کی آسانی کیلئے خشکی میں اڑتالیس میل (انگریزی کلومیٹر کے حساب سے سوا ستتر کلومیٹر) یہ مسافت تین منزل کے برابر سمجھی گئی ہے اور ہمارے زمانے کے علمائے کرام کا اسی پر فتویٰ ہے، گرچہ بعض نے اس سے کم و بیش میل بھی متعین کئے ہیں دریا و سمندر کے راستہ میں تین دن کشتی کی چال سے ایسی حالت میں معتبر ہیں کہ ہوا معتدل کے ساتھ ہو نہ بہت تیز ہو نہ ساکن ہو، اور بادبانی کشتی کسی عارض کے بغیر سمندر میں کہیں نہیں رکتی شب و روز مسلسل چلتی ہے لہٰذا بحری سفر میں مسافت قصر ۳ دن: ۲۹۱ بحری میل ہے۔ (احسن الفتاوی ص۹۱ ج۴)

اسی طرح پہاڑی راستہ میں بھی وہیں کی چال کے تین دن اعتبار کئے جائیں گے اگرچہ ہموار زمین میں راستہ تین دن سے کم میں طے ہو ہر مقام میں اسی چال کا اعتبار ہوتا ہے جو اس کے حال کے لائق ہو زمین کی چال کا دریا کی چال میں اور دریا کی چال کا زمین کی چال میں اعتبار نہیں ہوتا۔

مَنْ جَاوَزَ بُيُوْتَ مِصْرِهٖ مُرِيْدًا سَيْرًا وَسَطًا ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ فِيْ بَرٍّ أَوْ بَحْرٍ أَوْ جَبَلٍ قَصَرَ الْفَرْضَ الرُّبَاعِيَّ فَلَوْ أَتَمَّ وَقَعَدَ فِي الثَّانِيَةِ صَحَّ وَإِلَّا لَا حَتّٰى يَدْخُلَ مِصْرَهٗ أَوْ يَنْوِيَ إِقَامَةَ نِصْفِ شَهْرٍ بِبَلَدٍ أَوْ قَرْيَةٍ لَا بِمَكَّةَ وَمِنًى وَقَصَرَ إِنْ نَوٰى أَقَلَّ مِنْهُ أَوْ لَمْ يَنْوِ وَبَقِيَ سِنِيْنَ أَوْ نَوٰى عَسْكَرٌ ذٰلِكَ بِأَرْضِ الْحَرْبِ وَإِنْ حَاصَرُوْا مِصْرًا أَوْ حَاصَرُوْا أَهْلَ الْبَغْيِ فِيْ دَارِنَا فِيْ غَيْرِهٖ بِخِلَافِ أَهْلِ الْأَخْبِيَةِ وَإِنِ اقْتَدٰى مُسَافِرٌ بِمُقِيْمٍ فِي الْوَقْتِ صَحَّ وَأَتَمَّ وَبَعْدَهٗ لَا وَبِعَكْسِهٖ صَحَّ فِيْهِمَا وَيَبْطُلُ الْوَطَنُ الْأَصْلِيُّ بِمِثْلِهٖ لَا السَّفَرِ وَوَطَنُ الْإِقَامَةِ بِمِثْلِهٖ وَالسَّفَرِ وَالْأَصْلِيِّ وَفَائِتَةُ السَّفَرِ وَالْحَضَرِ تُقْضٰى رَكْعَتَيْنِ وَأَرْبَعًا وَالْمُعْتَبَرُ فِيْهِ آخِرُ الْوَقْتِ وَالْعَاصِيْ كَغَيْرِهٖ وَتُعْتَبَرُ نِيَّةُ الْإِقَامَةِ وَالسَّفَرِ مِنَ الْأَصْلِ دُوْنَ التَّبَعِ كَالْمَرْأَةِ وَالْعَبْدِ وَالْجُنْدِيِّ

ترجمہ: جو شخص درمیانی چال سے تین روز کا سفر کرنے کے ارادے سے روانہ ہو کر اپنے شہر کی آبادی کے باہر نکل جائے خواہ سفر خشکی کا ہو یا دریا کا ہو یا پہاڑ کا ہو وہ چار فرضوں کو دو پڑھے اور اگر پوری پڑھی اور دو رکعت میں بیٹھ گیا تو صحیح ہے ورنہ نہیں یہاں تک کہ اپنے شہر میں داخل ہو یا کسی شہر یا گاؤں میں پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت کرے نہ کہ مکہ اور منیٰ میں اور قصر کرے اگر اس سے کم کی نیت کی یا نیت بالکل نہیں کی اور برسوں تک رہتا رہا یا لشکر نے دار الحرب میں اس کی نیت کی اگرچہ کسی شہر کا محاصرہ کر لیا ہو یا دار الاسلام میں شہر سے باہر باغیوں کا محاصرہ کر لیا ہو بخلاف خانہ بدوشوں کے اگر مسافر نماز کے وقت میں کسی مقیم کی اقتداء کرے تو یہ درست ہے اب مسافر پوری پڑھے اور وقت کے بعد درست نہیں اور بصورت عکس دونوں میں صحیح ہے اور وطن اصلی اپنے مثل سے باطل ہو جاتا ہے نہ کہ سفر سے اور وطن اقامت اپنے مثل سے اور سفر سے اور وطن اصلی سے۔ سفر و حضر کی قضا نمازیں دو اور چار رکعتیں پڑھی جائیں اور معتبر اس میں نماز کا آخر وقت ہے۔

اور تنہا رہ دوسرا ن جیسا ہے اور اقامت سفری نیت کا اعتبار اصل سے ہے نہ کہ تابع سے جیسے عورت اور غلام اور سپاہی۔

قصر نماز کہاں سے شروع کیجائے

من جاوز بیوت مصرہ جب اپنے شہر یا بستی یعنی آبادی سے باہر نکل جائے اور مکانات کو پیچھے چھوڑ دے اس وقت سے قصر کرے اور جب تک آبادی کے اندر چلتا رہے تب تک مسافر نہیں ہوا اس لئے قصر نہ کرے گی اور آبادی کا اعتبار نہیں لیکن فنائے شہر یعنی شہر سے باہر جو جگہ شہر کے کاموں کیلئے ہو مثلاً قبرستان، گھوڑ دوڑ کا میدان، مٹی کا کوڑا ڈالنے کی جگہ اگر یہ شہر سے متصل ہو تو اس سے باہر ہو جانا ضروری ہے اور اگر شہر اور فناء کے درمیان دو سو گز یا زیادہ فاصلہ ہو یا درمیان میں کھیت ہوں تو فنا سے باہر ہونا ضروری نہیں اور اگر اس سے کم فاصلہ ہو تو وہ شہر سے متصل کے حکم میں ہے۔

مریداً سیراً وسطاً ثلاثة ايام وفي بر او بحر او جبل : سفری رخصت حاصل ہونے کیلئے یہ شرط ہے کہ اتنی مسافت کے قصد پر نکلے جو وسط چال کے ساتھ تین روز میں طے ہو اگر اس کا ارادہ نہیں کیا تو اس کو کوئی سفری رخصت حاصل نہ ہوگی چنانچہ اگر کسی نے تین دن کی مسافت کی نیت کے بغیر پوری دنیا کا چکر لگایا تو یہ شخص شریعت کی نظر میں مسافر نہیں کہا جائیگا۔

فيقصر الفرض الرباعي : چار رکعتی نمازوں میں قصر کرنا رخصت ہے یا عزیمت یعنی قصر ضروری ہے یا قصر اور اتمام دونوں کر سکتا ہے۔ (۱) امام صاحبؒ اور فقہائے کوفہ کا مسلک یہ ہے کہ قصر کرنا ضروری ہے اتمام کرنا جائز نہیں ہے۔ اور اگر کسی نے اتمام کر دیا اور دو رکعت کے بعد قعدہ نہ کیا تو اس کی نماز بالکل نہ ہوگی۔ (۲) امام شافعیؒ اور ایک قول میں امام مالکؒ اور ایک روایت میں امام احمدؒ کا مسلک یہ ہے کہ قصر اور اتمام دونوں کر سکتے ہے۔ ان حضرات کی دلیل وہ حدیث ہے۔ جس میں نبی ﷺ سے قصر کے متعلق پوچھا گیا۔ آپ نے فرمایا صدقة تصدق الله بها عليكم فاقبلوا صدقته "اس کو صدقہ کہا گیا۔ اس لئے اس کے کرنے یا نہ کرنے میں اختیار رہے۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ عائشہ نبی ﷺ کی وفات کے بعد جب سفر کرتی تو اتمام کرتی تھی۔ امام صاحب اور فقہائے کوفہ کی پہلی دلیل ابن عمرؓ کی حدیث ہے۔ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کیساتھ سفر کیا پھر ابوبکرؓ، عمرؓ اور عثمانؓ کے ساتھ سفر کیا۔ یہ حضرات ظہر اور عصر کی نماز دو دو رکعت پڑھا کرتے تھے۔ معلوم ہوا نبی ﷺ نے اپنی مدت عمر میں کبھی اتمام نہیں کیا۔ اسی طرح ابوبکرؓ و عمرؓ نے بھی اتمام نہیں کیا۔ ان حضرات کا اتمام نہ کرنا دلیل ہے اتمام کے عدم جواز پر کیونکہ اتمام جائز ہوتا تو یہ حضرات ایک وقعہ بیان جواز کیلئے اتمام کرتے۔ احناف کی دوسری دلیل وہ حدیث ہے جو حضرت عائشہؓ اور بعض صحابہ سے منقول ہے کہ نماز ابتداء دو دو رکعت فرض ہوئی۔ پھر حضر کی نماز کو چار رکعت کر دیا اور سفری نماز اسی طرح دو دو رکعت باقی رہی۔ معلوم ہوا سفری نماز فرض دو رکعت ہوئی ہے اب حضر میں مثلاً عصر کی نماز چار رکعت تھی۔ اس پر اضافہ جائز نہیں اسی طرح سفر کی نماز دو رکعت ہے اس پر اضافہ جائز نہیں۔ تیسری دلیل یہ ہے کہ اللہ نے قصر کا حکم دیا ہے کہ قصر کریں اگر اتمام جائز ہوتا تو اتمام کا ذکر ہوتا اب مقام بیان میں عدم ذکر اس چیز کے عدم کی دلیل ہے امام شافعیؒ کی دلیل اول کا

جواب یہ ہے کہ "فاقبلوا صدقتہ" میں امر کا صیغہ لایا ہے۔ اس لئے قصر لازم ہے دوسرا یہ اللہ کی طرف سے صدقہ ہے۔ عام آدمیوں کا صدقہ نہیں اللہ کے صدقے میں رد کا احتمال نہیں اور جس میں رد کا احتمال نہ ہو تو اس کا قبول کرنا لازم ہوتا ہے۔ باقی عائشہؓ کی حدیث کا جواب یہ ہے کہ وہ تاویل کرتی تھیں۔ بعض روایات میں ہے کہ وہ یہ تاویل کرتی تھی کہ میں ام المؤمنین ہوں اس لئے جہاں جاؤں میرا اپنا گھر ہوگا۔ احناف کے فقہاء نے اس سے استدلال کو رد کیا ہے ابن قیمؒ نے لکھا ہے کہ اس تاویل کی بنا اس پر ہے کہ عائشہؓ ام المؤمنین ہیں۔ اور نبی ﷺ تو ابو المؤمنین تھے جب انہوں نے قصر کیا تو ام المؤمنین پر بھی قصر ہوگا نبی ﷺ نے ابو المؤمنین ہونے کی وجہ سے اتمام نہیں کیا تو عائشہؓ کس طرح کر سکتی ہے۔

فلو اتم وقعد فی الثانیۃ صح والا لا: اگر مسافر نے قصر کی نماز میں چار رکعتیں پڑھ لیں اور دوسری رکعت میں بقدر تشہد قعدہ کیا تو اخیر میں سجدہ سہو کر لینے سے نماز جائز ہو جائیگی اور پہلی دو رکعتیں اور اخیر کی دو رکعتیں نفل ہوں گی لیکن قصدا ایسا کرنے سے مکروہ تحریمی کا مرتکب ہونے کی وجہ سے گنہگار ہوگا کیونکہ اس سے چار واجب ترک ہوں گے ایک قصر جو کہ واجب ہے اور دوسرا قعدہ اخیر کے بعد پورا سلام پھیرنا کیونکہ مسافر کے حق میں پہلا قعدہ، قعدہ اخیرہ ہے اسے اس کے بعد فورا سلام پھیر دینا چاہئے تھا جو اس نے نہیں پھیرا بلکہ کھڑا ہو گیا تیسرا نفل کی تکبیر تحریمہ واجب کا ترک، چوتھا نفل کو فرض میں ملا دینا۔ اور اگر بھولے سے ایسا ہو گیا تو گناہ بھی نہیں اور اگر دوسری رکعت میں بقدر تشہد نہ بیٹھا تو قعدہ اخیرہ کے ترک سے جو کہ فرض ہے اس کی فرض نماز باطل ہوگی اور یہ چار رکعتیں نفل ہو گئیں اس لئے فرض نماز نئے سرے سے پڑھے۔

حتی یدخل مصرہ او ینوی اقامۃ نصف شہر ببلد او قریۃ: اس عبارت میں دو احتمال ہیں (۱) اس کا تعلق مصنف کے قول "والا لا" سے ہو (۲) اس کا تعلق "من جاوز بیوت مصرہ" سے ہو پہلی صورت میں معنی یہ ہوگا کہ اگر دوسری رکعت میں تشہد میں نہیں بیٹھا تو اس کی فرض نماز صحیح نہیں ہوگی یہاں تک کہ وہ (تیسری رکعت کا سجدہ کرنے سے پہلے) اپنے شہر میں داخل ہو جائے یا اقامت کی نیت کر لے تو اب مقیم ہونے کی وجہ سے فرض نماز صحیح ہو جائیگی دوسری صورت میں معنی یہ ہوگا کہ جب تین دن کے سفر کے ارادے سے اپنے شہر کی آبادی سے باہر نکل جائے تو قصر نماز پڑھے یہاں تک کہ واپس اپنے شہر کی آبادی میں داخل ہو یا کسی دوسرے شہر یا بستی میں اقامت کی نیت کرے تو یہ مقیم ہو گیا اب پوری نماز پڑھے گا۔

لا بمکۃ ومنی: اگر کسی نے مکہ اور منیٰ میں اقامت کی نیت کر لی تو اس صورت میں وہ مقیم نہ ہوگا کیونکہ یہ دونوں جگہیں حقیقت اور حکم دونوں لحاظ سے دو مختلف جگہیں ہیں لہذا اگر کوئی حاجی مکہ مکرمہ میں ذوالحج کے ابتدائی عشرے میں آئے اور پھر پندرہ دن قیام کرنے کی نیت کرے کیونکہ اسے بہرحال یوم الترویہ ۸ ذو الحج کو عرفات کیلئے روانہ ہونا پڑے گا لہذا اس کی پندرہ دنوں تک قیام کرنے کی نیت پوری نہیں ہوگی لہذا یہ اقامت کی نیت درست نہ ہوگی۔

وقصر ان نوی اقل منہ او لم ینو وبقی سنین: اور اگر پندرہ دن سے کم ٹھہرنے کی نیت کی تو ہمارے نزدیک یہ شخص

مقیم نہیں ہوگا بلکہ قصر نماز پڑھے گا اگر کسی شہر میں برسوں اسی ارادہ سے رہے کہ جب میرا کام ہو جائیگا چلا جاؤں گا اور ایک ساتھ پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت مثلاً یہ نیت ہو کہ دو چار دن میں کام ہو جائیگا تو چلا جاؤنگا جب وہ دن گذر گئے پھر بھی قصد ہے کہ دو چار دن میں اور لگ جائیں گے اسی طرح خواہ پندرہ دن یا اس سے کتنا ہی زیادہ رہے قصر نماز ہی پڑھتا رہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ اگر نیت میں تردد رہا اور یہی خیال رہا کہ پندرہ دن سے پہلے چلا جاؤں گا تو ایسی نیت سے اقامت نہیں ہوگی جب تک پختہ ارادہ پندرہ دن کی اقامت کا نہ کرلے۔

أَوْ نَوَى عَسْكَرٌ ذٰلِكَ بِأَرْضِ الْحَرْبِ: اگر اسلامی لشکر نے دار الحرب میں کسی شہر یا اس کے قلعہ کا محاصرہ کیا یا دار الاسلام میں باغیوں کا محاصرہ شہر یا اس کے قلعہ میں ایسی جگہ کیا جہاں شہر نہ ہوا اور وہاں وہ پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت کریں تب بھی نماز قصر کریں اس لئے کہ ایسے موقعوں میں قرار بھی ہوتا ہے اور فرار بھی اور اس کی نیت اس کے ارادہ کے منافی ہوتی ہے یعنی وہاں اقامت کی نیت صحیح نہیں ہے۔

بِخِلَافِ أَهْلِ الْأَخْبِيَةِ: خانہ بدوش قبائل اس سے مراد عرب کے بدو اور قوم کرد و ترکمان اور ریوڑ والے ہیں جو بالوں کے خیموں اور سرکیوں میں رہا کرتے ہیں اور جا بجا ڈیرے لئے پھرتے ہیں گاؤں کی طرح کہیں جم کر آباد نہیں ہوتے اگر ان لوگوں نے کسی جگہ پندرہ روز اقامت کی نیت کرلی تو بقول اصح ان کی تصحیح ہے امام ابو یوسفؒ سے یہی روایت ہے اور محیط میں ہے کہ اسی پر فتویٰ ہے۔

وَإِنِ اقْتَدَى مُسَافِرٌ بِمُقِيمٍ فِي الْوَقْتِ صَحَّ وَأَتَمَّ وَبَعْدَهُ لَا: اگر مسافر نے وقت کے اندر کسی مقیم کی اقتداء کی تو اقتداء صحیح ہے اور اب وہ چار رکعت پوری پڑھے کیونکہ اتباع امام کی وجہ سے مسافر کا فرض متغیر ہو جاتا ہے لیکن صحت اقتداء کیلئے ابتداء میں وقت ادا کا ہونا ضروری ہے اگر خروج وقت کے بعد اقتداء کی نیت کی تو صحیح نہ ہوگی کیونکہ وقت کے بعد مسافر کا فرض متغیر نہیں ہوتا لیکن یہ حکم چار رکعتی نمازوں کا ہے یعنی جن میں نماز قصر ہوتی ہے اور جن نمازوں میں قصر نہیں یعنی مغرب و فجر ان میں وقت کے اندر اور وقت نکلنے کے بعد دونوں صورتوں میں مسافر مقیم کی اقتداء کر سکتا ہے۔

وَبِعَكْسِهِ صَحَّ فِيهِمَا: مقیم کی اقتداء مسافر کے پیچھے وقت کے اندر اور وقت کے بعد یعنی ادا و قضاء دونوں میں درست ہے جبکہ دونوں ایک ہی نماز قضا کریں پس اگر امام مسافر ہے اور مقیم مقتدی ہو تو امام دو رکعت پڑھ کر سلام پھیر دے اور جو مقتدی مقیم ہوں وہ اپنی نماز پوری کرنے کیلئے کھڑے ہو جائیں اور اصح قول کے بموجب باقی کی دو رکعتوں میں وہ قرأت نہ کریں کیونکہ وہ صرف عدم قرأت کے حق میں لاحق کی مثل ہیں بلکہ سورۂ فاتحہ کی مقدار اندازاً خاموش کھڑے ہو کر رکوع و سجود کریں اور قعدۂ اخیرہ کرکے نماز پوری کریں۔ (آثاری نقایہ)

وَيَبْطُلُ الْوَطَنُ الْأَصْلِيُّ بِمِثْلِهِ لَا السَّفَرِ وَوَطَنُ الْإِقَامَةِ بِمِثْلِهِ وَالسَّفَرِ وَالْأَصْلِيِّ: وطن دو قسم پر ہے (اول) وطن اصلی اور وہ اس کے پیدا ہونے کی جگہ ہے جبکہ وہ وہاں رہتا ہو یا وہ جگہ ہے جہاں اس کے اہل وعیال رہتے ہوں اور اس

نے اس کو گھر بنا لیا ہو یہ وہ جگہ ہے جہاں اس نے سکونت اختیار کر لی اور یہ مراد ہے کہ یہاں سے نہیں جائیگا وطن اصلی کو وطن اہلی اور وطن الفطرۃ اور وطن القرار بھی کہتے ہیں۔ (دوم) وطن اقامت اور اس کو وطن سفر اور وطن مستعار اور وطن حادث بھی کہتے ہیں اور یہ وہ شہر یا بستی ہے جہاں مسافر پندرہ دن یا زیادہ ٹھہرنے کی نیت کرے وطن اصلی وطن اصلی سے باطل ہو جاتا ہے خواہ ان کے درمیان مسافت سفر ہو یا نہ ہو اور یہ حکم اس وقت ہے جبکہ وطن میں اس کے گھر والے نہ رہتے ہوں اور اس اول وطن کو ترک کر دیا ہو ورنہ وہ باطل نہیں ہوگا پس اگر کسی شخص نے اپنا شہر بالکل چھوڑ دیا اور کسی دوسری جگہ اپنا گھر بنا لیا ہو اور اپنے بیوی بچوں سمیت وہاں رہنے لگا اب پہلے شہر اور پہلے گھر سے کچھ مطلب نہیں رہا تو اب دوسرا شہر اس کا وطن اصلی بن گیا اور پہلا شہر اور پردیس دونوں برابر ہیں اس لئے اب اگر پہلے شہر میں سفر کرتے وقت جانا پڑے تو نماز قصر کرے لیکن اگر اپنی زوجہ کے ساتھ منتقل نہ ہوا اور دوسرے شہر میں دوسرا نکاح کر لے تو پہلا وطن باطل نہ ہوگا اور دوسرا شہر بھی وطن اصلی بن جائیگا کیونکہ تعدد وطن اصلی مشروع ہے پس دونوں میں سے جس میں بھی جائے پوری نماز پڑھنی چاہئے۔ وطن اصلی سفر کرنے اور وطن اقامت سے باطل نہیں ہوتا اس میں قاعدہ یہ ہے کہ چیز اپنے مثل یا اپنے سے اوپر کی چیز سے باطل ہوتی ہے اپنے سے کمتر سے نہیں پس مسافر جب بھی اپنے وطن اصلی میں آئے اور جتنا بھی اس میں ٹھہرے اگرچہ ایک ہی نماز کا وقت ہو پوری نماز پڑھے ایک وطن اقامت دوسرے وطن اقامت سے اور شرعی سفر کرنے سے اور وطن اصلی سے باطل ہو جاتا ہے پس اگر ایک وطن اقامت کو چھوڑ کر کسی اور جگہ وطن اقامت بنا لیا اور وہاں پندرہ دن یا زیادہ ٹھہرنے کی نیت کر لی تو پہلا وطن اقامت ختم ہو گیا خواہ ان جگہوں کے درمیان مسافت سفر ہو یا نہ ہو اب جب دوبارہ اس میں شرعی مسافر ہو کر آئیگا تو دوگانہ قصر پڑھے گا۔

وَفَائِتَةُ السَّفَرِ وَالْحَضَرِ تُقْضٰى رَكْعَتَيْنِ وَأَرْبَعًا وَالْمُعْتَبَرُ فِيهِ آخِرُ الْوَقْتِ : اگر کسی شخص کی سفر کی حالت میں رباعی نماز فوت ہو گئی اور حضر میں اس کو قضاء کرنا چاہے تو دو رکعت قضاء کرے اور حضر کے زمانے میں کوئی رباعی نماز فوت ہو گئی پھر سفر کی حالت میں اس کو قضاء کرنا چاہے تو چار رکعت قضاء کرے کیونکہ قضاء ادا کے موافق واجب ہوتی ہے یعنی جس شخص پر ادا چار رکعت واجب ہوئی تو وہ قضاء بھی چار رکعت کرے گا اور جس پر دو رکعت ادا کرنا واجب ہوا اس پر قضاء بھی دو رکعت کی واجب ہوگی اور ادا کے بارے وقت کا آخر معتبر ہے آخر وقت سے مراد مقدار تحریمہ ہے مثلاً اگر ظہر کے اول وقت میں مقیم تھا پھر وقت ختم ہونے سے پہلے سفر کیلئے نکلا اور آبادی سے باہر اس وقت ہوا جب کہ وقت صرف ایک رکعت کا یا کم باقی ہے تو اس پر دو ہی رکعت کی قضاء واجب ہوگی کیونکہ آخر وقت میں وہ مسافر ہو چکا اور یہی معتبر ہے۔

وَالْعَاصِيْ كَغَيْرِهٖ : سفر کے احکام ہر مسافر کے واسطے ہیں خواہ اس کا سفر طاعت کیلئے یعنی مشروع کام کیلئے ہو مثلاً خرید و فروخت یا حج و عمرہ وغیرہ کیلئے جانا یا معصیت یعنی غیر مشروع کام کیلئے ہو جیسے رہزنی وغیرہ کیلئے جانا بہر حال مسافر کے احکام اس کے واسطے ثابت ہوں گے دونوں کی طرح ہوا اور بیوی کا چھپنے والے کا حکم بھی برابر ہے امام شافعیؒ کے یہاں نافرمان کیلئے سفر کی

رخصت نہیں کیونکہ رخصت رحمت وانعام ہے اور نافرمان مستحق عذاب ہے یہی قول امام مالکؒ اور امام احمدؒ کا ہے ہماری دلیل نصوص کا اطلاق ہے کہ آیت ﴿فمن کان من کم مریضا او علی سفر﴾ اور حدیث "فرض المسافر رکعتان" میں مطیع کی کوئی تخصیص نہیں لہٰذا ہر مسافر کا یہی حکم ہوگا عاصی ہو یا مطیع نیز عاصی کیلئے اپنے سفر میں بالا جماع عمدہ عمدہ کھانے کھانا مباح ہے حالانکہ وہ اس سے معصیت کی قوت حاصل کر رہا ہے۔

وَتُعْتَبَرُ نِيَّةُ الْإِقَامَةِ وَالسَّفَرِ مِنَ الْأَصْلِ لَا مِنَ التَّبَعِ كَالْمَرْأَةِ وَالْعَبْدِ وَالْجُنْدِيِّ : ترجمہ جو شخص کسی کا تابع ہو اور اس کی فرمانبرداری اس پر لازم ہو تو وہ اسی کی نیت اقامت سے مقیم ہوگا اور اسی کے سفر کی نیت پر نکلنے سے مسافر ہوگا اس لئے کہ متبوع کی نیت معتبر ہے اور تابع کی نیت معتبر نہیں اصل اس میں یہ ہے کہ جو شخص اپنے اختیار سے اقامت کر سکتا ہے وہ اپنی نیت سے مقیم ہو جاتا ہے کیونکہ وہ اپنے ارادہ میں مستقل ہے اور وہ اصل ہے پس وہ اقامت وسفر پر قادر ہے اور جو شخص اقامت اپنے اختیار سے نہیں کر سکتا ہے وہ اپنی نیت سے مقیم نہیں ہوتا پس عورت اپنے شوہر کے ساتھ اور غلام اپنے مالک کے ساتھ اور شاگرد اپنے استاد کے ساتھ اور نوکر اپنے آقا کے ساتھ اور سپاہی اپنے امیر کے ساتھ یا امیر خلیفہ کے ساتھ سفر کریں تو ظاہر الروایہ کے بموجب وہ اپنی نیت سے مقیم نہ ہوں گے۔

بَابُ صَلَاةِ الْجُمُعَةِ

نماز جمعہ کا بیان

اس باب کی صلوٰۃ المسافر سے مناسبت تنصیف ہے البتہ قصر کے اندر سفر کی وجہ سے تنصیف کی گئی ہے اور جمعہ کے اندر خطبہ کی وجہ سے مگر چونکہ سفر ہر رباعی نماز کیلئے تنصیف کر دیتا ہے اور خطبہ جمعہ فقط ظہر کی نماز کی تنصیف کرتا ہے اس لئے سفر ہر رباعی نماز کی تنصیف کو عام ہوا اور خطبہ فقط ظہر کی نماز کی تنصیف کو خاص ہے اور خاص کا ذکر چونکہ عام کے بعد ہوتا ہے اس لئے صلوٰۃ سفر کے بعد صلوٰۃ جمعہ کا بیان ہوا نماز جمعہ تمام فقہاء امت کے نزدیک فرض ہے جس کی فرضیت کتاب اللہ سنت رسول اللہ ﷺ اور اجماع امت سے ثابت ہے یہی وجہ ہے کہ اس کا منکر کافر ہے اور جمعہ کی فرضیت ظہر سے بھی زیادہ مؤکد ہے کیونکہ جمعہ کیلئے ظہر کے فرض چھوڑنے کا حکم ہے چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿یاایھا الذین امنوا اذا نودی للصلوٰۃ من یوم الجمعۃ فاسعوا الی ذکر اللہ وذروا البیع﴾ "اے ایمان والو جب نماز جمعہ کیلئے آذان کہی جائے تو تم لوگ اللہ تعالیٰ کے ذکر کی طرف دوڑو اور خرید وفروخت کو چھوڑ دو" اس آیت میں اللہ تعالیٰ کے ذکر سے مراد نماز جمعہ اور اس کا خطبہ ہے دوڑنے سے مراد اس نماز کیلئے نہایت اہتمام کے ساتھ جانا نماز جمعہ کی فرضیت آنحضرت ﷺ کو مکہ ہی میں معلوم ہو گئی تھی مگر غلبہ کفر کے سبب اس کے ادا کرنے کا موقع نہیں ملا تھا ہجرت کے بعد مدینہ منورہ تشریف لاتے ہی آپ ﷺ نے نماز جمعہ شروع کر دی آپ ﷺ کا ارشاد ہے: الجمعۃ حق واجب

على كل مسلم في جماعة الا اربعة مملوك او امرأة او صبي او مريض. (ابوداؤد) جمعہ کی نماز ہر مسلمان پر جماعت کے ساتھ پڑھنا حق واجب یعنی فرض ہے مگر چار آدمیوں پر غلام، عورت، نابالغ بچہ اور بیمار پر دوسری حدیث شریف میں ہے من ترك ثلاث جمعات من غير عذر كتب من المنافقين رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص نے تین جمعہ بغیر عذر کے چھوڑے اس کا شمار منافقین میں ہوگا چوتھی حدیث "من ترك الجمعة ثلاث جمع متواليات فقد نبذ الاسلام وراء ظهره" جس نے مسلسل تین جمعوں کو ترک کر دیا اس نے اسلام کو پس پشت ڈال دیا ان دونوں حدیثوں میں ترک جمعہ پر سخت وعید بیان کی گئی ہے اور ظاہر ہے کہ وعید فرض چھوڑنے پر آتی ہے پس ان دونوں حدیثوں سے بھی جمعہ کا فرض ہونا ثابت ہوا چونکہ پوری امت مسلمہ جمعہ کے فرض ہونے پر متفق ہو گئی اس لئے اجماع سے بھی جمعہ کی نماز کا فرض ہونا ثابت ہوا۔

جمعہ کے معنی اور اس کی وجہ تسمیہ

اللغة: لفظ جمعہ جو ہفتہ کے ایک دن کا نام ہے فصیح زبان ولغت کے اعتبار سے جیم اور میم دونوں کے پیش کے ساتھ ہے لیکن جیم کی پیش اور میم کے سکون کے ساتھ بھی مستعمل ہوا ہے اس دن کو جمعہ اس لئے کہا جاتا ہے کہ اسی دن حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق جمع کر پوری کی گئی تھی بعض حضرات کہتے ہیں کہ اس دن کو جمعہ کا نام دینے کی وجہ یہ ہے حضرت آدم علیہ السلام جب بہشت سے دنیا میں اتارے گئے تو اسی دن زمین پر حضرت حوا کے ساتھ جمع ہوئے تھے اس کے علاوہ علماء اور بھی وجہ تسمیہ بیان کئے ہیں چنانچہ بعض حضرات کا قول ہے کہ اس دن چونکہ تمام لوگ اللہ تعالیٰ کی عبادت اور نماز کیلئے جمع ہوتے ہیں اس لئے اسے یوم الجمعہ کہا جاتا ہے جمعہ اسلامی نام ہے زمانہ جاہلیت میں اس دن کو عروبہ کہا جاتا تھا لیکن بعض علماء کی تحقیق یہ ہے کہ عروبہ بہت قدیم نام تھا مگر زمانہ جاہلیت ہی میں یہ نام بدل دیا گیا تھا اور اس دن کو جمعہ کہا جانے لگا تھا نماز جمعہ کیلئے بارہ شرطیں ہیں چھ وجوب کی اور چھ صحت کی جنکی تفصیل کتاب میں آرہی ہے۔

شَرْطُ اَدَائِهَا الْمِصْرُ وَهُوَ كُلُّ مَوْضِعٍ لَهُ اَمِيْرٌ وَقَاضٍ يُنَفِّذُ الْاَحْكَامَ وَيُقِيْمُ الْحُدُوْدَ اَوْ مُصَلَّاهُ وَمِنًى مِصْرٌ لَا عَرَفَاتٌ وَتُؤَدّٰى فِيْ مِصْرٍ فِيْ مَوَاضِعَ وَالسُّلْطَانُ اَوْ نَائِبُهُ وَوَقْتُ الظُّهْرِ فَتَبْطُلُ بِخُرُوْجِهِ وَالْخُطْبَةُ قَبْلَهَا وَسُنَّ خُطْبَتَانِ بِجَلْسَةٍ بَيْنَهُمَا وَبِطَهَارَةٍ قَائِمًا وَكَفَتْ تَحْمِيْدَةٌ اَوْ تَهْلِيْلَةٌ اَوْ تَسْبِيْحَةٌ وَالْجَمَاعَةُ وَهُمْ ثَلَاثَةٌ سِوَى الْاِمَامِ فَاِنْ نَفَرُوْا قَبْلَ سُجُوْدِهٖ بَطَلَتْ وَالْاِذْنُ الْعَامُّ وَشَرْطُ وُجُوْبِهَا الْاِقَامَةُ وَالذُّكُوْرَةُ وَالصِّحَّةُ وَالْحُرِّيَّةُ وَسَلَامَةُ الْعَيْنَيْنِ وَالرِّجْلَيْنِ وَمَنْ لَا جُمُعَةَ عَلَيْهِ اِنْ اَدَّاهَا جَازَ عَنْ فَرْضِ الْوَقْتِ

ترجمہ: ادائیگی جمعہ کی شرط شہر ہے اور شہر وہ جگہ ہے جہاں حاکم یا قاضی ہو جو شرعی احکام اور حدود جاری کرتا ہو یا شہر کی عیدگاہ ہو اور منیٰ شہر ہے نہ کہ عرفات اور شہر میں چند جگہ جمعہ ادا کیا جا سکتا ہے اور بادشاہ یا اس کے نائب کا ہونا اور وقت ظہر کا ہونا پس اس کے نکل جانے سے

جمعہ باطل ہو جائیگا اور جمعہ سے پہلے خطبہ کا ہونا اور دو خطبے مسنون ہیں ان کے درمیان ایک بیٹھک کے ساتھ طہارت کیساتھ، کھڑے ہو کر، اور الحمد للہ یا ذکر اللہ یا سبحان اللہ کہنا کافی ہے اور جماعت کا ہونا اور وہ امام کے علاوہ تین آدمی ہیں پس اگر سجدہ سے پہلے سب بھاگ جائیں تو جمعہ باطل ہو جائیگا اور اذن امام کا ہونا اور وجوب جمعہ کی شرط مقیم ہونا، مرد ہونا، تندرست ہونا، آزاد ہونا، آنکھوں اور پاؤں کا سلامت ہونا ہے، اور جس پر جمعہ نہیں اگر وہ ادا کرے تو وقتی فرض کے بدلے میں ادا ہو جائیگا۔

شرائط صحت ادا

شرط ادائیھا المصر: ادا جمعہ کی پہلی شرط یہ ہے کہ شہر ہو گاؤں یا جنگل میں نماز جمعہ درست نہیں یہ مذہب حنیفہ کا ہے امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک ایسا مقام شرط ہے جہاں چالیس مرد آزاد مکلف رہتے ہوں امام مالکؒ کے نزدیک وہ جگہ شرط ہے جہاں ملی ہوئی بستی اور مسجد اور بازار ہو خلاصہ یہ کہ بالاتفاق آئمہ اربعہ کے نزدیک آیت فرضیت جمعہ مکان کے بارے میں مطلق نہیں بلکہ ضرور کوئی نہ کوئی خاص مکان مراد ہے اور چونکہ حضرت علیؓ سے مصنف عبدالرزاق وغیرہ میں بسند صحیح مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا جمعہ اور تشریق نہیں مگر مصر جامع میں اس لئے حنفیہ نے مصر کی شرط لگائی اور صحابہ کرام سے منقول نہیں کہ انہوں نے کسی گاؤں یا جنگل میں نماز جمعہ پڑھی ہو (فتح القدیر) بعض لوگوں نے اس آیت کو مطلق قرار دیا ہے کہ ان کے نزدیک ہر جگہ نماز جمعہ درست ہے گاؤں ہو یا شہر اور ان کا استدلال بخاری کی اس حدیث سے ہے کہ ابن عباسؓ نے فرمایا کہ سب سے پہلے جمعہ جو مسجد نبوی کے بعد قائم ہوا "جواثی" میں تھا جو بحرین کا ایک قریہ ہے اس سے استدلال اس وجہ سے صحیح نہیں ہو سکتا کہ قریہ کا اطلاق شہر پر بھی آیا ہے خود قرآن کریم میں جابجا استعمال واقع ہے سورۂ یوسف میں مصر جیسے شہر کو اور سورۂ قصص میں مکہ جیسے شہر کو قریہ کہا ہے۔

وھو کل موضع لہ امیر وقاض ینفذ الاحکام ویقیم الحدود: مصر جامع کی تعریف میں فقہاء کے اقوال مختلف ہیں بعض نے یہ تعریف کی ہے کہ جہاں مسلمان اس قدر ہوں کہ اگر سب کے سب وہاں کی بڑی مسجد میں جمع ہونا چاہیں تو اس مسجد میں اس سب کی گنجائش نہ ہو اس مسجد سے مراد جامع مسجد نہیں ہے بلکہ پانچ وقتی نماز کی مسجد مراد ہے بعض نے یہ کہا ہے کہ جہاں حاکم اور قاضی رہتا ہو جو حدود و شرعیہ جاری کرے بعض نے یہ تعریف کی ہے کہ جہاں دس ہزار آدمی رہتے ہوں بعض نے یہ کہ جہاں ہر پیشے والا اپنے پیشے کو چلا سکے بعض نے یہ کہا کہ جہاں اس قدر لوگ رہتے ہوں کہ اگر کوئی دشمن ان سے مقابلہ کرے تو وہ اس کے دفع پر قادر ہوں بعض نے کہا کہ ہر روز کوئی نہ کوئی فوت و پیدا ہوتا ہو۔

او مصلاہ: مصلیٰ عید گاہ کو کہتے ہیں لیکن یہاں معنیٰ سے فنائے شہر مراد ہے فنائے شہر وہ جگہ جو شہر کی مصلحتوں اور ضرورتوں کیلئے شہر سے ملی ہوئی ہو مثلاً قبرستان یعنی جہاں شہر کے مردے دفن ہوتے ہوں یا چھاؤنی فوج کے رہنے کی جگہ ہو یا گھوڑوں کے دوڑانے کی جگہ ہو یا کچہریاں و اسٹیشن وغیرہ ہوں تو یہ سب فنائے مصر میں داخل ہیں اور یہ سب شہر کے حکم میں ہیں اور ان میں جمعہ ادا کرنا صحیح ہے۔ فنائے مصر کیلئے حد و مقرر کرنا مناسب نہیں ہے کیونکہ یہ ہر شہر کے ساتھ اس کی ضرورت کے مناسب ہوتی ہے البتہ اس کی تعریف یعنی شہر کی ضرورتوں کیلئے ہونا صادق آنا ہی کافی ہے خواہ اس کو شہری آبادی سے کھیت وغیرہ جدا کرتے ہوں یا

طرح شہر کی آبادی میں بھی کھیت یا میدان وغیرہ کا فاصلہ ہونا اتصال کو منع نہیں ہے جبکہ اس ساری آبادی پر عرفاً اس شہر کا اطلاق ہوتا ہو۔ (تبیین، فتاوی شامی، احسن الفتاوی)

ومنی مصر لا عرفات: شیخین کے نزدیک ایام حج میں منیٰ کے اندر جمعہ کی نماز ادا کرنا جائز ہے مگر اس شرط کے ساتھ کہ امیر حج وہ شخص ہو جو صوبہ حجاز کا حاکم ہے صرف حج کرانے کیلئے امیر نہ بنایا گیا ہو یا خلیفۃ المسلمین بذات خود یہاں موجود ہو عرفات میں بالاتفاق جمعہ جائز نہیں کیونکہ وہ جنگل ہے اور وہاں عمارتیں نہیں ہیں بخلاف منیٰ کے کہ وہاں عمارتیں اور آبادی ہے اور امام محمدؒ کے نزدیک منیٰ میں جمعہ قطعاً جائز نہیں ہے کیونکہ منیٰ ایک گاؤں ہے اس لئے اس میں بقر عید کی نماز نہیں پڑھی جاتی حالانکہ وہاں حاجیوں کا مجمع ہوتا ہے شیخین کی دلیل یہ ہے کہ منیٰ بلاشبہ شہر نہیں ہے لیکن حج کے موسم میں شہر بن جاتا ہے۔ کیونکہ وہاں موسم حج میں بازار لگ جاتے ہیں اور بادشاہ یا اسکا نائب اور قاضی اس موسم میں وہاں موجود ہوتے ہیں اسی لئے موسم حج کے علاوہ وہاں جمعہ جائز نہیں ہے۔ رہی یہ بات کہ منیٰ کے اندر بقر عید کی نماز نہیں پڑھی جاتی تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اس روز حاجی لوگ مناسک حج رمی، ذبح، حلق وغیرہ میں مشغول ہوتے ہیں اور وقت تنگ ہوتا ہے اس لئے آسانی کے پیش نظر حجاج کو عید الاضحیٰ کی نماز نہ پڑھنے کی اجازت دیدی گئی۔

وتؤدی فی مصر فی مواضع: طرفینؒ کے نزدیک ایک شہر میں کئی جگہ جمعہ ادا ہو سکتا ہے۔ اور یہی اصح و مختار ہے۔ خواہ شہر چھوٹا ہو یا بڑا ہو اور خواہ بڑی نہر یا پل کے ذریعہ سے اسکے دو حصے ہوتے ہوں یا نہ ہوتے ہوں، خواہ جمعہ دو مسجدوں میں ہوتا ہو یا زیادہ میں یعنی کئی مسجدوں میں جائز ہے مگر ایک صاحب جمعہ شرعاً ٹھیک نہیں ہے خواہ بہت سے لوگوں ہی کا جمعہ کیوں نہ فوت ہو جائے۔

والسلطان او نائبہ: جمعہ کیلئے دوسری شرط ! جمعہ کی امامت کا حق یا تو سلطان کو حاصل ہے یا جسے سلطان مامور کرے کیونکہ جمعہ میں بے شمار لوگ ہوتے ہیں اگر سلطان نہ ہو تو کسی کے امام بننے یا بنانے کے بارے میں تنازعہ پیدا ہونے کا امکان ہے اور بعض اوقات دیگر امور میں اختلاف رونما ہو جاتا ہے پس جمعہ کے امور کیلئے امیر یا خلیفہ کا ہونا ضروری ہے۔

ووقت الظہر فتبطل بخروجہ: تیسری شرط ! وقت ظہر کا ہونا لیکن ظہر کے برعکس جمعہ کیلئے ہر موسم میں تعجیل یعنی اول وقت میں پڑھنا افضل ہے یہ جمہور کا مذہب ہے اور یہی معتبر ہے اگر جمعہ کی نماز یا خطبہ زوال سے پہلے پڑھا تو جائز نہیں ہے اگر جمعہ کی نماز کے دوران ظہر کا وقت جاتا رہے تو جمعہ فاسد ہو جائیگا یعنی جمعہ کی صحت نماز باقی رہے گی نہ قضاء بلکہ یہ نماز نفل ہو جائیگی اور ظہر کی نماز قضاء پڑھنی ہوگی اگر تشہد کی مقدار قعدہ کرنے کے بعد وقت خارج ہوا تب بھی امام صاحبؒ کے نزدیک یہی حکم ہے یعنی نماز نفل ہو جائیگی اور جمعہ کی قضا نہیں پڑھی جائیگی بلکہ ظہر کی دونوں نمازیں مختلف ہیں اس لئے بنا جائز نہیں بلکہ نئے سرے سے ظہر کی قضا کا تحریمہ باندھے۔

والخطبۃ قبلہا وسن خطبتان بجلسۃ بینہما وبطہارۃ قائما وکفت تحمیدۃ او تہلیلۃ او تسبیحۃ: چوتھی شرط خطبہ کا پڑھنا خطبہ میں چند چیزیں فرض ہیں (۱) خطبہ کا زوال کے بعد اور نماز سے پہلے پڑھنا پس اگر زوال سے پہلے یا نماز کے بعد خطبہ پڑھا تو جائز نہیں ہے (۲) لوگوں کے سامنے خطبہ کی نیت سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا اگر صرف الحمد للہ یا سبحان اللہ یا لا الہ

الا اللہ کہہ دے تو خطبہ کا فرض ادا ہونے کیلئے کافی ہے البتہ صرف اتنے پر ہی اکتفاء کرنا مکروہ ہے۔ یہ امام صاحب کا قول ہے یہ کراہت بعض کے نزدیک تحریمی ہے اور بعض کے نزدیک تنزیہی۔ اور یہ کافی ہونا اس وقت ہے جبکہ خطبہ کی نیت سے پڑھیں صاحبین کے نزدیک ذکر کا طویل ہونا ضروری ہے یعنی کم از کم تشہد کی مقدار (التحیات للہ سے عبدہ ورسولہ تک) خطبہ ضرور پڑھا جائے اس سے کم جائز نہیں۔ (۳) خطبہ ایسے لوگوں کے سامنے پڑھنا ان کے موجود ہونے سے جمعہ درست ہوجاتا ہے (یعنی مرد، عاقل، بالغ کا ہونا) خطبہ میں بھی کم از کم تین آدمیوں کا ہونا شرط ہے ورنہ خطبہ صحیح نہیں ہوگا اکثر فقہاء اسی طرف گئے ہیں اور اس میں احتیاط زیادہ ہے۔ خطبہ کا جہر کے ساتھ ہونا بھی شرط ہے یعنی خطیب اتنی آواز سے بولے اگر کوئی امر مانع نہ ہو تو پاس والے سن سکیں۔

خطبہ میں تیس کے قریب سنتیں آداب ہیں لیکن مصنف نے ان میں سے صرف تین ذکر کئے ہیں (۱) طہارت یعنی خطیب کا پاک ہونا پس محدث کا خطبہ پڑھنا مکروہ ہے۔ (۲) کھڑے ہو کر خطبہ پڑھنا اگر بیٹھ کر یا لیٹ کر خطبہ پڑھے خواہ دونوں خطبوں میں یا ایک میں ہو اگر عذر کی وجہ سے ہے بلا کراہت جائز ہے ورنہ کراہت کے ساتھ جائز ہے۔

وَالْجَمَاعَةُ وَهُمْ ثَلَاثَةٌ سِوَى الْإِمَامِ: پانچویں شرط: جماعت کا ہونا ہے جماعت بالاتفاق جمعہ کی شرط ہے البتہ افراد کی تعداد میں اختلاف ہے۔ طرفین کے نزدیک جمعہ کیلئے امام کے علاوہ تین آدمیوں کا ہونا شرط ہے۔ امام ابو یوسف کے نزدیک امام کے علاوہ دو آدمی بھی کافی ہیں امام ابو یوسف کی دلیل یہ ہے کہ تثنیہ میں معنی اجتماع موجود ہیں پس جب امام کے ساتھ دو آدمی ہوئے تو جماعت پائی گئی طرفین فرماتے ہیں کہ جماعت کا ہونا مستقل شرط ہے اور امام کا ہونا علیحدہ شرط ہے لہذا امام شمار جماعت میں نہ ہوگا بلکہ امام کے علاوہ کم از کم تین آدمیوں کا ہونا ضروری ہوگا کیونکہ باری تعالیٰ کے قول ﴿فاسعوا الی ذکر اللہ﴾ میں "فاسعوا" کے ذریعہ خطاب جمع سے ہے یعنی خطاب کیلئے جمع کا صیغہ ذکر کیا گیا ہے اور جمع صحیح کا اطلاق کم از کم تین پر ہوتا ہے کیونکہ تین کا عدد نام اور معنی دونوں اعتبار سے جمع ہے اس لئے امام کے علاوہ کم از کم تین آدمیوں کا ہونا ضروری ہے۔

فَإِنْ نَفَرُوا قَبْلَ سُجُودِهِ بَطَلَتْ: اور اگر نماز جمعہ شروع کرنے کے بعد امام کے سجدہ کرنے سے پہلے لوگ امام کو چھوڑ کر چلے گئے تو امام صاحب کے نزدیک امام از سر نو ظہر پڑھے۔ اور صاحبین کے نزدیک امام جمعہ پر بناء کرے یعنی جمعہ ہی کی نماز پڑھے ظہر پڑھنے کی قطعاً ضرورت نہیں اور اگر امام کے رکوع اور ایک سجدہ کرنے کے بعد لوگ امام کو چھوڑ کر بھاگ گئے تو ہمارے ائمہ ثلاثہ (ابوحنیفہ صاحبین) کے نزدیک جمعہ پر بناء کرے یعنی جمعہ کی نماز پوری کرے اور امام زفر کے نزدیک اس صورت میں بھی ظہر پڑھے صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ جماعت کا ہونا انعقاد جمعہ کی شرط نہیں ہے بلکہ جمعہ ہونے کی شرط ہے پس جب تحریمہ کے وقت جماعت پائی گئی تو جمعہ منعقد ہو گیا اس کے بعد جماعت کا باقی رہنا شرط نہیں ہے لہذا انعقاد جمعہ کے بعد جماعت کے فوت ہونے سے جمعہ فوت نہیں ہوگا اور جب جمعہ فوت نہیں ہوا تو امام اسی کو پورا کرے ظہر کی نماز نہ پڑھے امام صاحب کی دلیل یہ ہے کہ بلاشبہ جماعت انعقاد جمعہ کی شرط ہے لیکن نماز کا انعقاد نماز شروع کرنے سے ہوتا ہے اور نماز کا اطلاق ایک رکعت مکمل ہونے سے ہوگا

کیونکہ ایک رکعت سے کم کو نماز نہیں کہا جاتا اور رکعت پوری ہوتی ہے سجدہ سے تو پہلی رکعت کے سجدہ تک اگر جماعت پائی گئی تو جمعہ منعقد ہو گیا اب اگر امام کے سجدہ کرنے کے بعد لوگ بھاگ گئے اور جماعت فوت ہوگئی تو جمعہ فوت نہیں ہوگا اور اگر اس سے پہلے بھاگ گئے تو جماعت فوت ہو جائے گی چونکہ نماز جمعہ منعقد ہونے سے پہلے شرط انعقاد یعنی جماعت فوت ہوگئی اس لئے جمعہ فاسد ہو جائیگا اور امام پر ظہر پڑھنا واجب ہوگا

والاذن العام: یعنی شرط اذن عام کا ہونا اور وہ یہ ہے کہ مسجد کے دروازے کھول دیئے جائیں اور ایسے سب لوگوں کو آنے کی اجازت ہو جن پر جمعہ ادا کرنا فرض ہے اور اگر کچھ لوگ مسجد میں جمع ہو کر مسجد کے دروازے بند کرلیں اور جمعہ پڑھیں تو جائز نہیں ہے اور یہ حکم اس وقت ہے جبکہ ایک ہی جمعہ ہوتا ہو اور اگر متعدد جگہ جمعہ ہوتا ہو تو حکمرانی وغیرہ کے سبب دروازہ بند کرنا اذن عام کے خلاف نہیں ہے۔

شرائط وجوب

وشرط وجوبها الاقامة والذكورة والصحة والحرية وسلامة العينين والرجلين: (١) مقیم ہونا مسافر پر نماز جمعہ واجب نہیں۔ (٢) مرد ہونا عورت پر نماز جمعہ واجب نہیں۔ (٣) تندرست ہونا مریض پر نماز جمعہ واجب نہیں جو مرض جامع مسجد تک پیادہ جانے سے مانع ہو اسی مرض کا اعتبار ہے۔ (٤) آزاد ہونا غلام پر نماز جمعہ واجب نہیں۔ (٥) آنکھوں والا ہونا لیکن نابینا پر جو خود بخود مسجد تک بلا تکلف نہ جا سکتا ہو جمعہ فرض نہیں۔ (٦) چلنے پر قادر ہونا اپاہج پر یعنی جس کے دونوں پیر کٹے ہوئے ہوں یا فالج وغیرہ سے بیکار ہوں بالاتفاق اس پر جمعہ فرض نہیں لیکن صاحبین کے نزدیک اگر مسجد تک پہنچانے والا اجرت مثل پر یا بلا اجرت مل جائے تو اس پر جمعہ واجب ہے جو نابینا اذان کے وقت مسجد میں موجود ہو اور باوضو ہو تو اس پر جمعہ فرض ہے کیونکہ حرج کی علت اس سے دور ہو گئی ہے اور اگر ایک شخص ایسے معذور ہے لیکن مسجد تک بلا مشقت جا سکتا ہے تو اس پر جمعہ فرض ہے ورنہ نہیں۔

ومن لا جمعة عليه ان اداها جاز عن فرض الوقت: اگر کسی شخص پر جمعہ فرض نہیں ہے لیکن اس کے باوجود اگر وہ شخص مشقت کو برداشت کرے اور نماز جمعہ پڑھ لے تو اس کی نماز جمعہ ادا ہو جائیگی اور ظہر کا فرض اسکے ذمہ سے اتر جائیگا کیونکہ ان معذورین کے حق میں جمعہ پڑھنا عزیمت اور ظہر پڑھنا رخصت ہے۔

وللمسافر والعبد والمريض ان يؤم فيها وتنعقد بهم ومن لا عذر له لو صلى الظهر قبلها كره فان سعى اليها بطل وكره للمعذور والمسجون اداء الظهر بجماعة في المصر ومن ادركها في التشهد او في سجود السهو اتم جمعة واذا خرج الامام فلا صلاة ولا كلام ويجب السعي وترك البيع بالاذان الاول فان جلس على المنبر اذن بين يديه واقيم بعد تمام الخطبة

ترجمہ: مسافر، غلام اور بیمار کیلئے جمعہ میں امامت کرنا جائز ہے اور ان سے جمعہ منعقد بھی ہو جاتا ہے اگر غیر معذور جمعہ سے پہلے ظہر پڑھ لے تو مکروہ ہے پھر اگر جمعہ کیلئے جائے تو ظہر کی نماز باطل ہو جائیگی اور معذور اور قیدی کیلئے شہر میں ظہر جماعت سے پڑھنا مکروہ ہے جو شخص

جمعہ شہر میں یا عیدگاہ میں پائے تو جمعہ ادا کرے جب امام خطبہ کیلئے نکلے تو اس وقت نہ نماز ہے نہ بات چیت اور جمعہ کیلئے چلنا اور خرید و فروخت ترک کرنا پہلی اذان پر ضروری ہے پھر جب امام منبر پر بیٹھے تو اس کے سامنے اذان دی جائے اور خطبہ تمام ہونے پر تکبیر کہی جائے۔

مسافر غلام اور مریض کا جمعہ میں امام بننا

وَلِلْمُسَافِرِ وَالْعَبْدِ وَالْمَرِيضِ أَنْ يَؤُمَّ فِيهَا وَتَنْعَقِدُ بِهِمْ: مسافر مریض اور غلام جمعہ میں امامت کے فرائض سر انجام دے سکتے ہیں امام زفر فرماتے ہیں کہ ان کی امامت جائز نہیں کیونکہ جمعہ ان پر فرض نہیں اس لئے یہ بچے اور عورت کے حکم میں ہیں۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ ان لوگوں کو رخصت حاصل تھی مگر جب انہوں نے اس رعایت سے فائدہ نہ اٹھایا اور حاضر ہو گئے تو ان سے بھی جمعہ بطور فرض واقع ہوگا رہا بچے کا معاملہ تو وہ مسلوب الاہلیت ہے اور عورت میں مردوں کی امامت کی صلاحیت مفقود ہے اور ان اشخاص سے جمعہ منعقد ہو جاتا ہے کیونکہ جب ان میں امامت کی صلاحیت موجود ہے تو اقتدا کی صلاحیت بدرجہ اولیٰ موجود ہوگی۔

وَمَنْ لَا عُذْرَ لَهُ لَوْ صَلَّى الظُّهْرَ قَبْلَهَا كُرِهَ فَإِنْ سَعَى إِلَيْهَا بَطَلَ: جس شخص پر جمعہ فرض ہے اور اس کو کوئی عذر نہیں ہے تو شہر میں جمعہ سے پہلے نماز ظہر پڑھنا مکروہ تحریمی ہے اور بعض کے نزدیک حرام ہے اور ظہر پڑھ لینے کے باوجود اس پر جمعہ کیلئے جانا فرض ہے اگر کسی نے جمعہ ہونے سے پہلے ظہر کی نماز پڑھ لی خواہ وہ معذور ہو یا غیر معذور پھر وہ جمعہ کی طلب میں جامع مسجد کی طرف چل دیا تو اگر اس کو امام کے ساتھ جمعہ مل گیا تو وہ جمعہ پڑھ لے اور اس کی ظہر کی نماز باطل ہوگی یعنی اب نفل ہو گئی فرض نہیں رہی اور اگر جمعہ نہیں ملا یعنی امام فارغ ہو گیا تھا تو دیکھا جائیگا کہ جس وقت یہ گھر سے نکلا تھا اگر اس وقت امام فارغ ہو گیا تھا تو بالاجماع ظہر باطل نہیں ہوئی اور اگر اس کے گھر سے نکلتے وقت امام نماز میں تھا اور اس کے پہنچنے سے پہلے فارغ ہو گیا تو امام اعظم صاحبؒ کے نزدیک اس کی ظہر باطل ہو گئی اس لئے دوبارہ ظہر پڑھے اور صاحبینؒ کے نزدیک باطل نہ ہوگی، جمعہ کے واسطے چلنے میں معتبر یہ ہے کہ اپنے گھر سے جدا ہو جائے اور دوسرے قول کے مطابق اس کی ظہر باطل نہیں ہوئی کیونکہ سعی فضیلت اور درجے میں ظہر سے کمتر ہے لہذا ظہر مکمل ہونے کے بعد کمتر چیز سے باطل نہیں ہوگی مگر جمعہ کو فوقیت حاصل ہے اس لئے شرکت جمعہ سے باطل ہو جائیگی اور جب تک وہ اس میں شریک نہ ہو وہ اس شخص کی طرح ہوگا جو امام کے فارغ ہونے کے بعد جمعہ کی طرف متوجہ ہوا امام اعظمؒ فرماتے ہیں جمعہ کی طرف سعی کرنا جمعہ کی خصوصیت میں سے ہے لہذا احتیاط کے طور پر ظہر کو ساقط کرنے کے حق میں سعی کو جمعہ کے قائم مقام ہے یعنی سعی الی الجمعہ سے ہی ظہر باطل ہو جائیگی۔

وَكُرِهَ لِلْمَعْذُورِ وَالْمَسْجُونِ أَدَاءُ الظُّهْرِ بِجَمَاعَةٍ فِي الْمِصْرِ: معذوروں اور قیدیوں کیلئے جمعہ کے دن شہر میں ظہر کی نماز جماعت سے ادا کرنا مکروہ ہے اور یہ لوگ اس دن کی ظہر کی نماز الگ الگ پڑھیں ان لوگوں کا اس دن ظہر کی نماز جماعت سے پڑھنا خواہ جمعہ کی نماز سے پہلے ہو یا جمعہ کے بعد مکروہ تحریمی ہے اس لئے کہ جمعہ کی جماعت کم ہو جائیگی کیونکہ معذوروں کو پڑھتے دیکھ کر غیر معذور بھی شریک ہو جائیگا اور یہ بات جمعہ سے قبل اور بعد دونوں صورتوں میں ہو سکتی ہے اور دوسری وجہ

معارضہ بھی ہے یعنی حکم جمعہ کو کم کرنا ہے تو دوسری جماعت کا ہونا اس سے مقابلہ اور حکم عدولی ہے۔

ومن ادرکہا فی التشہد او فی سجود السہو اتم جمعۃ: اگر کسی نے امام کو نماز جمعہ کے تشہد میں پایا یا سجدہ سہو میں پایا تو شیخینؒ کے نزدیک یہ شخص جمعہ کی نماز پوری کرے اور امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ اگر اس نے اکثر رکعت ثانیہ کو پالیا مثلاً دوسری رکعت کے رکوع میں امام کے ساتھ شریک ہو گیا تو جمعہ کی نماز پوری کرے اور اگر دوسری رکعت کا اکثر حصہ نہیں پایا مثلاً رکوع کے بعد امام کے ساتھ شریک ہوا تو ظہر کی نماز پوری کرے یہی قول امام مالکؒ شافعیؒ کا ہے کیونکہ یہ نماز من وجہ جمعہ ہے اور من وجہ ظہر ہے۔ جمعہ تو اس لئے ہے کہ جمعہ کی نیت کرنا ضروری ہے اور ظہر اس لئے کہ اس کے حق میں جمعہ کی بعض شرطیں فوت ہو چکی ہیں پس اس شخص کی نماز جب ایک اعتبار سے جمعہ ہے اور ایک اعتبار سے ظہر تو ظہر کا اعتبار کرتے ہوئے چار رکعت پڑھے اور جمعہ کا اعتبار کرتے ہوئے قعدۂ اولیٰ فرض ہے اور چونکہ آخری دو رکعتوں میں نفل ہونے کا احتمال ہے اس لئے ان میں سورۂ فاتحہ کے ساتھ سورت کی قرأت بھی کرے شیخینؒ کی دلیل حدیث ابو الدرداءؓ ہے "من ادرک الامام فی التشہد یوم الجمعۃ فقد ادرک الجمعۃ" جو شخص نماز جمعہ میں امام کے ساتھ تشہد میں مل گیا تو اس نے نماز جمعہ کو پالیا علاوہ ازیں لزوم نماز کا سبب تکبیر تحریمہ ہی ہے اور وہ امام کی تکبیر تحریمہ میں اس کے ساتھ شریک ہو کر اپنی نماز کو اس کی نماز پر بنا کر چکا ہے لہٰذا دوسری نمازوں کی طرح اسے بھی وہی کچھ لازم ہوگا جو امام کو لازم تھا اور امام محمدؒ وغیرہ نے جس احتیاطی مسلک کا ذکر کیا ہے وہ بالکل درست نہیں کیونکہ اگر وہ چاروں رکعتیں نماز ظہر کی ہوں تو نماز جمعہ کیلئے کی گئی تکبیر تحریمہ پر انہیں محمول نہیں کیا جا سکتا جیسے کہ اگر وہ نماز جمعہ میں امام کو تشہد میں پائے اور ظہر کی نماز کی نیت کر کے اس کی اقتداء میں شامل ہو جائے تو اس کی اقتداء درست نہ ہوگی اور اگر وہ نماز جمعہ ہے تو وہ نماز چار رکعات پر مشتمل کیونکر ہو سکتی ہے۔

واذا خرج الامام فلا صلاۃ ولا کلام: جب امام خطبہ کیلئے نکلے تو اس وقت سے کوئی نماز پڑھنا یا آپس میں بات چیت کرنا مکروہ تحریمی ہے ہاں قضا نماز کا پڑھنا اس وقت بھی جائز ہے بلکہ واجب ہے اگر وہ صاحب ترتیب ہو ورنہ قضا نماز پڑھنا بھی مکروہ تحریمی ہے یہ امام صاحبؒ کے نزدیک ہے صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ خطبہ شروع ہونے سے پہلے اور خطبہ کے بعد تکبیر سے پہلے گفتگو اور کلام کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے البتہ ان اوقات میں نماز پڑھنے کی اجازت نہیں ہے کیونکہ نماز کبھی دراز ہو جاتی ہے جو خطبہ سننے میں مخل ہوگی امام صاحبؒ کی دلیل حدیث ابن عمرؓ ہے اذا خرج الامام فلا صلوٰۃ ولا کلام اس لئے امام خطبہ کے بعد کوئی تفصیل نہیں ہے اس لئے امام کے خطبہ کے واسطے حجرہ سے نکلنے کے بعد صلوٰۃ و کلام کو ممنوع قرار دیا گیا ہے

ویجب السعی وترک البیع بالاذان الاول: جمعہ کی پہلی اذان ہوتے ہی خطبہ اور جمعہ کیلئے سعی واجب ہے یعنی خرید و فروخت اور جو کام سعی کے منافی ہیں ان کو چھوڑ دینا اور جمعہ کے واسطے چلنا واجب ہے پس اگر خرید و فروخت یا کسی اور کام میں مشغول ہوگا اور سعی کو ترک کر دیا تو یہ مکروہ تحریمی ہے اور اذان سے اذان اول مراد ہے بشرطیکہ زوال کے بعد دی گئی ہو نہ کہ وہ اذان جو منبر کے سامنے دی جاتی ہے یہی اصح ہے اور سعی سے مراد یہاں جمعہ کی تیاری کرنا اور ان امور کو ترک کرنا ہے جو خطبہ اور نماز میں

حاضر ہونے کے منافی ہیں۔ (احسن الفتاوی)

فَإِذَا جَلَسَ عَلَى الْمِنْبَرِ أُذِّنَ بَيْنَ يَدَيْهِ وَأُقِيْمَ بَعْدَ تَمَامِ الْخُطْبَةِ: جب خطیب خطبہ پڑھنے کیلئے منبر پر بیٹھے تو اس کے سامنے دوبارہ اذان دی جائے خطیب کے سامنے اذان کا ہونا سنت ہے اور سامنے ہونے سے مراد یہ ہے کہ منبر یا امام کے بالکل سامنے ہو یا دائیں طرف یا بائیں طرف اس کے قریب ہو یعنی یا تو زاویہ قائمہ میں واقع ہوگا یا حادہ یا منفرجہ میں تینوں طرح صحیح ہے سامنے سے مراد یہ نہیں کہ منبر سے متصل ہو یعنی صف اول میں ہو بلکہ ایک دو یا کچھ صفوں کے بعد ہو تب بھی مضائقہ نہیں جیسا کہ مدینہ منورہ اور مکہ مکرمہ میں بھی ہوتا ہے۔ اور اکثر جگہ دیکھا گیا ہے کہ اذان ثانی پست آواز سے کہتے ہیں یہ مناسب نہیں بلکہ اسے بھی بلند آواز سے کہنا چاہئے تاکہ جنہوں نے پہلی اذان نہ سنی ہو تو وہ بھی سن کر حاضر ہو سکیں

بَابُ صَلَاةِ الْعِيْدَيْنِ

نمازِ عیدین کا بیان

نمازِ جمعہ اور نمازِ عیدین میں مناسبت یہ ہے کہ دونوں کو کثیر جماعت کے ساتھ ادا کیا جاتا ہے دونوں کے اندر جہری قرأت ہے نیز جو شرطیں جمعہ کی ہیں وہی شرطیں عیدین کی ہیں سوائے خطبہ کے کہ خطبہ نماز جمعہ کیلئے شرط ہے مگر عیدین کیلئے شرط نہیں ہے بلکہ سنت ہے البتہ جمعہ کی طرح عیدین کے خطبہ کا بھی سننا واجب ہے۔ جس پر جمعہ واجب ہے اس پر عیدین بھی واجب ہے لیکن چونکہ جمعہ کا ثبوت کتاب اللہ سے ہے اور کثیر الوقوع ہے اس لئے احکام جمعہ کو پہلے اور احکام عیدین کو بعد میں ذکر کیا ہے عید عود سے ہے جس کے معنی ہیں لوٹنا اور بار بار آنا چونکہ یہ مقدس دن بھی ہر سال عود کرتا ہے اس لئے اس کا نام عید رکھا گیا دوسری وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر احسان کا اعادہ فرماتے ہیں۔ انسؓ سے روایت ہے عید الفطر کی نماز ۲ھ میں شروع ہوئی انسؓ سے مروی ہے کہ اہل مدینہ نے دو دن سال بھر میں مقرر کیے تھے کہ جن میں خوشی کیا کرتے تھے جب آنحضرت ﷺ ہجرت فرما کر یہاں تشریف لائے تو پوچھا یہ دن کیسے ہیں لوگوں نے جواب دیا کہ ہم اسلام سے پہلے ان دنوں میں خوشی کیا کرتے تھے تب آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو ان کے عوض میں ان سے بہتر دوسرے دو دن دے دیئے ہیں عید الفطر کا دن اور عید الاضحیٰ کا دن

تَجِبُ صَلَاةُ الْعِيْدَيْنِ عَلَى مَنْ تَجِبُ عَلَيْهِ الْجُمُعَةُ بِشَرَائِطِهَا وَنُدِبَ فِي الْفِطْرِ أَنْ يَطْعَمَ وَيَغْتَسِلَ وَيَسْتَاكَ وَيَتَطَيَّبَ وَيَلْبَسَ أَحْسَنَ ثِيَابِهِ وَيُؤَدِّيَ صَدَقَةَ الْفِطْرِ ثُمَّ يَتَوَجَّهُ إِلَى الْمُصَلَّى غَيْرَ مُكَبِّرٍ وَمُتَنَفِّلٍ قَبْلَهَا وَوَقْتُهَا مِنَ ارْتِفَاعِ الشَّمْسِ إِلَى زَوَالِهَا وَيُصَلِّي رَكْعَتَيْنِ مُثْنِيًا قَبْلَ الزَّوَائِدِ وَهِيَ ثَلَاثٌ فِي كُلِّ رَكْعَةٍ وَيُوَالِي بَيْنَ الْقِرَاءَتَيْنِ وَيَرْفَعُ يَدَيْهِ فِي الزَّوَائِدِ وَيَخْطُبُ بَعْدَهَا خُطْبَتَيْنِ يُعَلِّمُ فِيْهَا أَحْكَامَ صَدَقَةِ الْفِطْرِ

ترجمہ: عید کی نماز اس پر واجب ہے جس پر جمعہ واجب ہے انہی شرطوں کے ساتھ سوائے خطبہ کے اور عید الفطر میں مستحب ہے کہ کچھ کھائے اور غسل کرے مسواک کرے خوشبو لگائے اچھے کپڑے پہنے اور صدقہ فطر ادا کرے اور عیدگاہ کی طرف جائے آواز سے تکبیر کہے بغیر اور اس سے قبل نفل نہ پڑھے عید اور اس کا وقت آفتاب بلند ہونے سے زوال تک ہے عید کی دو رکعتیں پڑھے اس طرح کہ تکبیرات زوائد سے پہلے ثناء پڑھے اور ہر رکعت میں تین تین تکبیریں ہیں اور دونوں رکعتوں کی قراءتوں میں اتصال کرے اور تکبیرات زوائد میں دونوں ہاتھ اٹھائے اس کے بعد دو خطبے پڑھے جس میں صدقہ فطر کے احکام بیان کرے۔

لغات۔ یستاک: استیاک سے مسواک کرنا۔ یتطیب: تطیب سے خوشبو لگانا۔ ثیاب: ج ثوب کپڑے۔ المصلی: عیدگاہ۔ مثنیا: ثناء یعنی سبحانک اللھم پڑھنے والا۔ یوالی: موالاۃ سے ہے پے در پے کرنا۔

تجب صلاۃ العید علی من تجب علیہ الجمعۃ بشرائطھا: جس شخص پر جمعہ واجب ہے امام صاحبؒ کے نزدیک اس پر نماز عید بھی واجب ہے جبکہ امام شافعی اور امام مالک، امام محمدؒ کے نزدیک سنت مؤکدہ ہے امام شافعی فرماتے ہیں وہ سنت ہے واجب نہیں ہے ان کی دلیل یہ ہے کہ وہ نماز چاشت کی طرح زائد نماز ہے لہٰذا یہ بھی سنت ہی ہوگی اس لئے کہ کوئی متبادل شی اپنے اصل سے مختلف نہیں ہوتی کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿فصل لربک وانحر﴾ "پس تو اپنے رب کیلئے نماز پڑھ اور قربانی کر" جس کی تفسیر میں ایک قول یہ ہے کہ نماز عید پڑھئے اور قربانی کیجئے اور چونکہ مطلق امر وجوب کیلئے ہوتا ہے لہٰذا ایسا کرنا واجب ہوگا اسی طرح فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿ولتکبروا اللہ علی ما ھداکم﴾ "تاکہ اس بات کے بدلے کہ اس نے تم کو ہدایت بخشی ہے تم اس کو بزرگی سے یاد کرو" ایک قول کے مطابق اس سے مراد نماز عید ہے علاوہ ازیں اس لئے بھی کہ نماز عید شعائر اسلام میں سے ہے اور آنحضرت ﷺ نے بغیر ترک کے مواظبت اور ہمیشگی فرمائی ہے اور نبی کریم ﷺ کا مواظبت فرمانا دلیل وجوب ہے۔

عید الفطر سے پہلے کے مسنون اعمال

وندب فی الفطر ان یطعم ویغتسل ویستاک ویتطیب ویلبس احسن ثیابہ ویؤدی صدقۃ الفطر: عید الفطر کے دن عیدگاہ جانے سے پہلے کچھ کھا پی لینا مستحب ہے نیز غسل کرے مسواک استعمال کرے اور خوشبو لگائے انسؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ فطر کے دن عیدگاہ جانے سے قبل کچھ تناول فرمایا کرتے تھے اور دونوں عیدوں کیلئے غسل فرماتے تھے نیز عیدین کا دن اجتماع کا دن ہوتا ہے اس لیے جمعہ کے دن کی طرح غسل کرنا اور خوشبو لگانا مسنون ہے۔ اور اپنے موجودہ کپڑوں میں سے جو کپڑے عمدہ اور اچھے ہوں ان کو زیب تن کرے کیونکہ نبی کریم ﷺ کے پاس فنک یا صوف کا جبہ تھا عید وغیرہ کے موقعہ پر آپ ﷺ اسکو پہنا کرتے تھے۔ مستحب تو یہ ہے کہ عیدگاہ جانے سے پہلے صدقہ فطر ادا کردیا جائے تاہم کسی نے تاخیر کی تو اس سے صدقہ فطر ساقط نہ ہوگا بلکہ بدستور واجب اسکے ذمہ رہے گا اور جب بھی ادا کرے گا یہ ادا ہی ہوگا نہ کہ قضاء۔

ثم یتوجہ الی المصلی غیر مکبر: امام صاحبؒ کے نزدیک عید الفطر کے دن عیدگاہ جاتے وقت راستہ میں تکبیر آہستہ پڑھے اور صاحبین فرماتے ہیں کہ بآواز بلند پڑھے صاحبینؒ اس کو عید الاضحیٰ پر قیاس کرتے ہیں یعنی جس طرح عید الاضحیٰ میں تکبیر

آواز بلند مشروع ہے اسی طرح عید الفطر میں بھی با آواز بلند مشروع ہے امام صاحب کی دلیل یہ ہے کہ ذکر کے اندر اصل تو اخفاء ہے مگر عید الاضحیٰ کے ایام میں جہر تکبیر پر نص قرآنی دال ہے لہٰذا صرف عید الاضحیٰ میں جہر ہوگا۔

ولا یتنفل قبلها: عیدین کی نماز سے قبل نفل نماز مطلقاً مکروہ ہے خواہ عیدگاہ میں پڑھے یا گھر میں اور خواہ اس پر عید کی نماز واجب ہو یا نہ ہو اور نماز عیدین کے بعد عیدگاہ میں نفل پڑھنا مکروہ ہے گھر میں پڑھ سکتا ہے بلکہ مستحب ہے۔

ووقتها من ارتفاع الشمس الی زوالها: سورج کے ایک نیزہ بلند ہونے سے زوال تک عیدین کی نماز کا وقت ہے اور نیزہ کی مقدار بروایت بعض تین گز ہے پس اگر سورج کے ایک نیزہ بلند ہونے سے پہلے یا عین استواء کے وقت عیدین کی نماز پڑھیں گے تو وہ عید کی نماز نہیں ہوگی بلکہ مکروہ تحریمہ کے ساتھ نفل ہوں گے۔

ویصلی رکعتین مثنیا قبل الزوائد وهی ثلاث فی کل رکعة: عید کی نماز میں زائد تکبیرات کتنی ہیں اس میں اختلاف ہے (۱) امام مالکؒ امام شافعیؒ امام احمدؒ کے نزدیک عیدین میں زائد تکبیرات بارہ ہیں۔ (۲) امام اعظمؒ اور فقہاء احناف کا مذہب جو ابن مسعودؓ سے منقول ہے وہ یہ ہے کہ تکبیرات عیدین چھ ہیں تین پہلی رکعت میں قراءت سے پہلے تین دوسری رکعت میں قراءت کے بعد رکوع سے پہلے جب کہ قول اول والوں کے ہاں دونوں رکعتوں میں قبل القراءت ہیں اور یہاں اختلاف جواز اور عدم جواز کا نہیں بلکہ افضل اور غیر افضل کا ہے حنفیہ کے ہاں بارہ بھی جائز ہیں البتہ چونکہ چھ عدد اقل اور متیقن ہے اس لئے احناف نے اس کو ترجیح دی ہے۔

ویوالی بین القراءتین: اور دونوں رکعتوں کی قراءتوں کو ملائے جس کی صورت یہ ہے کہ اول اللہ اکبر کہہ کر نیت باندھے اور سبحانک اللھم پڑھے پھر تین دفعہ زائد تکبیریں کہے ان کے بعد قراءت شروع کرے اور جب دوسری رکعت میں کھڑا ہو تو پہلے قراءت کرے اس صورت میں دونوں قراءتیں مل جائیں گی اور اس کے بعد تین دفعہ زائد تکبیریں کہہ کر پھر رکوع کی تکبیر کہے۔

ویرفع یدیه فی الزوائد: اور ہر مرتبہ مثل تکبیر تحریمہ کے دونوں کانوں تک ہاتھ اٹھائے اور بعد تکبیر کے ہاتھ لٹکا دے اور ہر تکبیر کے بعد تین تسبیح کی دیر تک توقف کرے کہ تین مرتبہ سبحان اللہ کہہ سکیں تیسری تکبیر کے بعد ہاتھ نہ لٹکائے بلکہ باندھ لے اور دوسری رکعت میں پہلے سورۃ فاتحہ اور دوسری سورت پڑھے اس کے بعد تین تکبیریں اسی طرح کہے لیکن یہاں تیسری تکبیر کے بعد ہاتھ نہ باندھے بلکہ لٹکائے رکھے اور پھر تکبیر کہہ کر رکوع میں چلا جائے

ویخطب بعدها خطبتین یعلم فیهما احکام صدقة الفطر: نماز پوری کرنے کے بعد امام دو خطبے پڑھے اور دونوں خطبوں میں خفیف جلسہ کرے یعنی تین آیتوں کی دیر بیٹھے جتنی دیر جمعہ کے خطبے میں بیٹھتے ہیں اور یہ دونوں خطبے اور ان کے درمیان بیٹھنا سنت ہے

وَلَا يُقْضَى إِنْ فَاتَتْ مَعَ الْإِمَامِ وَتُؤَخَّرُ بِعُذْرٍ إِلَى الْغَدِ فَقَطْ وَهِيَ أَحْكَامُ الْأَضْحَى لَكِنْ هُنَا يُؤَخِّرُ الْأَكْلَ عَنْهَا وَيُكَبِّرُ فِي الطَّرِيقِ جَهْرًا وَيُعَلِّمُ الْأُضْحِيَّةَ وَتَكْبِيرَ التَّشْرِيقِ وَتُؤَخَّرُ بِعُذْرٍ إِلَى ثَلَاثَةٍ

أَيَّامٍ وَالتَّعْرِيفُ لَيْسَ بِشَيْءٍ وَسُنَّ بَعْدَ فَجْرِ عَرَفَةَ إِلَى ثَمَانٍ مَرَّةً اللَّهُ أَكْبَرُ إِلَى آخِرِهِ بِشَرْطِ إِقَامَةٍ وَمِصْرٍ وَمَكْتُوبَةٍ وَجَمَاعَةٍ مُسْتَحَبَّةٍ وَبِالِاقْتِدَاءِ يَجِبُ عَلَى الْمَرْأَةِ وَالْمُسَافِرِ

ترجمہ: اور قضا نہ کی جائے اگر (کسی کو) امام کے ساتھ (نماز عید) نہ ملے اور عذر کے باعث صرف کل تک موخر کی جا سکتی ہے یہی احکام عید الاضحیٰ کے ہیں لیکن اس میں کھانے کو نماز سے موخر کرے اور راستہ میں تکبیر آواز سے کہے اور قربانی اور تکبیر تشریق کے احکام بیان کرے اور عذر کی وجہ سے تین دن تک موخر کی جائے اور تعریف کوئی چیز نہیں اور فجر عرفہ کے بعد سے آٹھ نمازوں تک ایک بار اللہ اکبر کہنا مسنون ہے بشرطیکہ مقیم ہو شہر ہو فرض نماز ہو جماعت مستحب کے ساتھ ہو اور عورت اور مسافر پر اقتداء کی وجہ سے تکبیر واجب ہو جاتی ہے۔

لغات:۔ الطریق: راستہ۔ اضحیۃ: قربانی۔ التعریف: مقام عرفات میں قیام کرنے والوں کی مشابہت کرنا۔ عرفۃ: ذی الحجہ کی نویں تاریخ۔ ثمان: آٹھ۔

وَلَمْ تُقْضَ إِنْ فَاتَتْ مَعَ الْإِمَامِ: اگر کسی کو عید کی نماز نہ ملی ہو اور سب لوگ پڑھ چکے ہوں تو وہ شخص تنہا نماز عید نہیں پڑھ سکتا اس لئے کہ اس میں جماعت شرط ہے اسی طرح اگر کوئی شخص نماز کی جماعت میں شامل ہوا اور کسی وجہ سے صرف اس کی نماز فاسد ہو گئی تو وہ بھی اس کی قضا نہیں پڑھ سکتا اور اس پر اس کی قضا واجب نہیں ہے البتہ اگر اس کے ساتھ کچھ اور لوگ بھی ایسے شریک ہو جائیں کہ جن کو عید کی نماز نہ ملی ہو تو وہ سب جمع ہو کر کسی دوسری مسجد میں جہاں عید کی نماز نہ پڑھی گئی ہو عید کی جماعت کرا لیں۔

وَتُؤَخَّرُ بِعُذْرٍ إِلَى الْغَدِ فَقَطْ: اگر کسی عذر سے پہلے دن نماز نہ پڑھی جا سکے تو عید الفطر کی نماز صرف دوسرے دن تک پڑھی جا سکتی ہے اور یہ نماز قضا بھی جاتی ہے۔

عید الاضحیٰ کے مسنون اعمال

وَهِيَ أَحْكَامُ الْأَضْحَى لَكِنْ هُنَا يُؤَخِّرُ الْأَكْلَ عَنْهَا وَيُكَبِّرُ فِي الطَّرِيقِ جَهْرًا وَيُعَلِّمُ الْأُضْحِيَةَ وَتَكْبِيرَ التَّشْرِيقِ وَتُؤَخَّرُ بِعُذْرٍ إِلَى ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ: عید الاضحیٰ کی نماز کا بھی یہی طریقہ ہے اور اس میں بھی وہ سب چیزیں مسنون ہیں جو عید الفطر میں ہیں فرق اس قدر ہے کہ یہاں عید گاہ جانے سے پہلے کوئی چیز کھانا مسنون نہیں ہے اور راستہ چلتے وقت بلند آواز سے تکبیر کہنا مسنون ہے اور عید الاضحیٰ کے خطبے میں قربانی کے مسائل اور تکبیر تشریق کے احکام بیان کرنا مسنون ہے اور عید الاضحیٰ کی نماز تیرھویں تاریخ تک موخر کرنا جائز ہے لیکن بغیر عذر کے ایسا کرنا مکروہ ہے۔

مشابہت اہل عرفہ کا حکم

وَالتَّعْرِيفُ لَيْسَ بِشَيْءٍ: تعریف کہتے ہیں اہل عرفہ کے ساتھ مشابہت اختیار کرنا یعنی عرفہ کے دن لوگ کسی میدان میں جمع ہو کر حاجیوں کی طرح دعا اور تضرع کریں یہ کوئی عبادت نہیں ہے بلکہ مکروہ تحریمی ہے کیونکہ وقوف عرفہ عرفات کے ساتھ مخصوص عبادت ہے جس طرح باقی مناسک حج کا دوسرے مقامات پر ادا کرنا عبادت نہیں ہے اسی طرح میدان عرفات کے علاوہ کسی دوسری جگہ

رکعت میں ایک رکوع ہے اور امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ نماز کسوف کی ایک رکعت میں دو رکوع ہیں ان کی دلیل حضرت عائشہؓ کی حدیث ہے کہ آپ ﷺ نے دو رکعتوں میں چار رکوع کئے ہماری دلیل عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ وغیرہ کی احادیث ہیں جن میں ایک رکوع اور ایک سجدہ کی صراحت ہے آئمہ ثلاثہؒ کے مستدلات کا جواب یہ کہ صلوۃ الکسوف میں آنحضرت ﷺ سے بلاشبہ دو رکوع ثابت ہیں بلکہ پانچ رکوع تک کا بھی روایات میں ثبوت ملتا ہے لیکن آنحضرت ﷺ کی خصوصیت تھی اور واقعہ یہ تھا کہ اس نماز میں بہت سے غیر معمولی واقعات پیش آئے اور آپ کو جنت اور جہنم کا نظارہ کرایا گیا لہٰذا اس نماز میں آپ نے غیر معمولی طور پر کئی رکوع فرمائے لیکن یہ رکوع جزو صلاۃ نہیں تھے نماز کے بعد آپ نے جو خطبہ دیا اس میں آپ نے صراحۃً امت کو یہ حکم دیا فاذا رایتم من ذلک شیئاً فصلوا کاحدث صلاۃ مکتوبۃ صلیتموھا. جبکہ تم ان نشانیوں میں سے کوئی چیز دیکھو تو اس طرح نماز پڑھو جیسی فرض نماز تم نے ابھی تھوڑی دیر پہلے پڑھی تھی (نسائی) اس حدیث میں آپ ﷺ نے نہ صرف امت کو ایک سے زائد رکوع کی تعلیم نہیں دی بلکہ اس کے خلاف تصریح فرمائی کہ یہ نماز فجر کی نماز کی طرح ادا کرو اگر ایک سے زائد رکوع جزو صلاۃ ہوتے تو آپ یہ حکم نہ دیتے.

بلا جہر: دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ امام صاحبؒ، امام مالکؒ امام شافعیؒ اور جمہور فقہاء کے نزدیک نماز کسوف میں اخفاء قرأت مسنون ہے جبکہ امام احمدؒ اور صاحبینؒ کے نزدیک جہر قرأت مسنون ہے امام صاحبؒ کی ایک روایت بھی اسی کے مطابق ہے اخفاء کے بارے میں جمہور کی دلیل ابن عباسؓ کی حدیث ہے وہ فرماتے ہیں فقام قیاماً طویلاً نحواً من قراءۃ سورۃ البقرۃ اس میں لفظ "نحواً" اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ قرأت سری تھی کیونکہ اگر جہری ہوتی تو صیغہ جزم استعمال کیا جاتا.

ولا خطبۃ: تیسرا مسئلہ یہ ہے کہ نماز کسوف میں احناف کے نزدیک خطبہ نہیں اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اس میں خطبہ ہے کیونکہ آپ ﷺ نے نماز کسوف کے بعد خطبہ پڑھا تھا ہماری دلیل یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے نماز کا حکم دیا اور خطبہ کا حکم نہیں دیا اگر خطبہ مشروع ہوتا تو آپ اس کا حکم دیتے.

ثم یدعو حتی تنجلی الشمس: نماز کے بعد امام کو چاہئے کہ دعا میں مصروف ہو جائے اور سب مقتدی آمین کہیں جب تک گرہن موقوف نہ ہو جائے، البتہ اگر کسی نماز کا وقت آجائے تو دعا کو موقوف کر کے نماز میں مشغول ہو جانا چاہئے.

والا صلوا فرادیٰ کالخسوف والظلمۃ والریح والفزع: اگر جمعہ یا عیدین کا امام موجود نہ ہو تو جماعت نہ کریں بلکہ لوگ جدا جدا اپنی اپنی مسجدوں یا گھروں میں نماز پڑھ لیں لیکن اگر امام جمعہ نے اجازت دے دی ہو تو اس وقت جائز ہے کہ جماعت سے نماز پڑھیں اور محلہ کا امام امامت کرے جہاں جمعہ و عیدین کی نماز جائز نہیں وہ بھی اکیلا اکیلے پڑھیں.

بَابُ الْاِسْتِسْقَاءِ

نماز استسقاء کا بیان

شریعت میں استسقاء کے معنی اللہ تعالیٰ سے خشک سالی کے وقت بارش طلب کرنے کیلئے کیفیت مخصوصہ کے ساتھ استغفار و دعا کرنا اور اس کی مشروعیت کتاب اللہ، سنت رسول اور اجماع تینوں سے ثابت ہے چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ واستغفروا ربکم انہ کان غفارا یرسل السماء علیکم مدرارا ﴾ "اپنے رب سے استغفار کرو بیشک وہ بڑا بخشنے والا ہے موسلا دھار بارش تم پر برسائیگا"۔ اور اسی طرح متعدد احادیث سے اسکا ثبوت ہے اور خلفائے راشدین اور امت نے اسے بلا نکیر لیا ہے۔

لَهُ صَلَاةٌ لَا بِجَمَاعَةٍ وَدُعَاءٌ وَاسْتِغْفَارٌ لَا قَلْبُ رِدَاءٍ وَحُضُورُ ذِمِّيٍّ وَإِنَّمَا يَخْرُجُونَ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ

ترجمہ: استسقاء کی نماز تو ہے مگر بلا جماعت ہے، دعا اور استغفار ہے جبکہ اس میں چادر لوٹنا ہے نہ اہل ذمہ کا موجود ہونا اور صرف تین روز تک کیلئے نکلیں۔

لَهُ صَلَاةٌ لَا بِجَمَاعَةٍ وَدُعَاءٌ وَاسْتِغْفَارٌ: امام صاحب کے نزدیک استسقاء میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا سنت (موکدہ) نہیں ہے البتہ جائز بلکہ مستحب ہے یہی صحیح ہے کیونکہ احادیث و آثار سے اس کا کبھی پڑھنا اور کبھی نہ پڑھنا (اور صرف دعا واستغفار کرنا ثابت ہے) نماز کے مستحب ہونے کی دلیل ہے اور اس میں خطبہ بھی نہیں لیکن دعا واستغفار ہے اور اگر جدا جدا نفل پڑھ لیں تب بھی مضائقہ نہیں یعنی امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک نماز استسقاء کی سنت ادا ہونے کا دار و مدار باجماعت نماز ہی پر نہیں ہے بلکہ صاحب شریعت علیہ الصلوۃ والسلام سے مرویہ طریقوں میں سے کوئی بھی طریقہ اختیار کر لیا جائے تو سنت ادا ہو جائیگی بعض نے جو امام صاحبؒ کی طرف نماز باجماعت کا بدعت ہونا منسوب کیا ہے یہ غلط ہے۔

لَا قَلْبُ رِدَاءٍ: امام صاحبؒ کے ہاں قلب رداء نہیں ہے کیونکہ یہ تو ایک دعا ہے تو جس طرح دیگر ادعیہ میں قلب رداء نہیں اسی طرح اس میں بھی نہیں ہے اور امام محمدؒ، امام شافعیؒ، امام مالکؒ، امام احمدؒ کے نزدیک قلب رداء مسنون ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے ایسا کیا ہے اسی پر فتویٰ ہے اور امام ابو یوسفؒ سے دو روایتیں ہیں۔ چادر پلٹنے کا طریقہ یہ ہے کہ اوپر کی جانب نیچے اور نیچے کی جانب اوپر کر لے اس طرح کہ دونوں ہاتھ پیٹھ کے پیچھے لے جا کر اپنے دائیں ہاتھ کے ساتھ بائیں جانب کے نیچے کا کونہ پکڑے اور بائیں ہاتھ کے ساتھ دائیں جانب کے نیچے کا کونہ پکڑ لے اور اپنے دونوں ہاتھ اپنی پیٹھ کے پیچھے اس طرح پھیرے کہ دائیں ہاتھ سے پکڑا ہوا کونہ دائیں کندھے پر ہو اور بائیں ہاتھ سے پکڑا ہوا کونہ بائیں کندھے پر ہو یوں اس طرح دایاں کونا بائیں طرف آ جائیگا اور بایاں دائیں طرف اور اوپر کا رخ نیچے اور نیچے کا اوپر ہو جائے جس میں خشک سالی کو خوشحالی سے بدلنے کا نیک فال ہے لیکن احناف کے ہاں قلب رداء فقط امام کیلئے ہے۔

فَإِنِ اشْتَدَّ الْخَوْفُ صَلَّوْا رُكْبَانًا فُرَادَى بِالْإِيمَاءِ إِلَى أَيِّ جِهَةٍ قَدَرُوْا: اگر خوف اور زیادہ سخت ہو اور ایسی حالت ہو کہ سب مسلمان یا بعض لوگ بھی مل کر جماعت سے نماز نہ پڑھ سکیں اور دشمن سواریوں سے اترنے کی بھی مہلت نہ دے تو سواری پر بیٹھے ہوئے اکیلے اکیلے نماز پڑھ لیں اور رکوع و سجود اشارہ سے کریں اور اگر قبلہ کی طرف رخ نہیں کر سکتے تو جس طرف ممکن ہو سکے نماز پڑھ لیں۔

صلوۃ الخوف میں دشمن کا قریب موجود ہونا شرط ہے

وَلَمْ تَجُزْ بِلَا حُضُوْرِ عَدُوٍّ: دشمن کا موجود ہونا شرط ہے اس کی صورت یہ ہے کہ ایسا قریب اور سامنے ہو کہ ان کو دیکھ رہے ہوں اور یقین کے ساتھ یہ خوف ہو کہ اگر سب جماعت کے ساتھ مشغول ہوں گے تو دشمن حملہ کر دے گا۔ اگر دشمن دور ہو تو نماز خوف جائز نہیں

بَابُ الْجَنَائِزِ

جنازے کا بیان

نماز جنازہ کا بیان سب سے آخر میں اس لئے ہے کہ یہ نماز بلا اذان و تکبیر و رکوع و سجود کے ہوتی ہے پس یہ ہر لحاظ سے نماز نہیں ہے اور اس لئے بھی کہ یہ آدمی کے آخری حال یعنی موت سے متعلق ہے اور اس کی خوف سے مناسبت یہ ہے کہ خوف و قتال کبھی موت تک پہنچا دیتے ہیں اس لئے اس کو سب سے آخر میں بیان کیا لیکن مصنف نے صلوۃ فی الکعبہ کو کتاب الصلوۃ کے آخر میں اس لئے ذکر کیا تا کہ کتاب الصلوۃ کا خاتمہ ایسی چیز سے ہو جس کے ساتھ حالاً و مکاناً تبرک حاصل کیا جاتا ہے۔ جنائز جنازہ کی جمع ہے جیم کے فتحہ کے ساتھ میت کو کہتے ہیں اور کسرہ کے ساتھ اس تخت کو کہتے ہیں جس پر میت کو رکھا جاتا ہے۔

وَلِّيَ الْمُحْتَضَرُ الْقِبْلَةَ عَلَى يَمِيْنِهِ وَلُقِّنَ الشَّهَادَةَ فَإِنْ مَاتَ شُدَّ لَحْيَاهُ وَغُمِّضَ عَيْنَاهُ وَوُضِعَ عَلَى سَرِيْرٍ مُجَمَّرٍ وِتْرًا وَسُتِرَ عَوْرَتُهُ وَجُرِّدَ وَوُضِّئَ بِلَا مَضْمَضَةٍ وَاسْتِنْشَاقٍ وَصُبَّ عَلَيْهِ مَاءٌ مَغْلِيٌّ بِسِدْرٍ أَوْ حُرُضٍ وَإِلَّا فَالْقَرَاحُ وَغُسِلَ رَأْسُهُ وَلِحْيَتُهُ بِالْخِطْمِيِّ وَأُضْجِعَ عَلَى يَسَارِهِ فَيُغْسَلُ حَتَّى يَصِلَ الْمَاءُ إِلَى مَا يَلِي التَّخْتَ مِنْهُ ثُمَّ عَلَى يَمِيْنِهِ كَذٰلِكَ ثُمَّ أُجْلِسَ مُسْنَدًا إِلَيْهِ وَمُسِحَ بَطْنُهُ رَفِيْقًا وَمَا خَرَجَ مِنْهُ غَسَلَهُ وَلَمْ يُعِدْ غُسْلَهُ وَنُشِّفَ بِثَوْبٍ وَجُعِلَ عَلَى رَأْسِهِ وَلِحْيَتِهِ الْحَنُوْطُ وَالْكَافُوْرُ عَلَى مَسَاجِدِهِ وَلَا يُسَرَّحُ شَعْرُهُ وَلِحْيَتُهُ وَلَا يُقَصُّ ظُفْرُهُ وَشَعْرُهُ

ترجمہ: قریب المرگ کو دائیں کروٹ پر قبلہ رخ کر کے کلمہ شہادت کی تلقین کی جائے، جب مر جائے تو اس کے جبڑے باندھ دئے جائیں آنکھیں بند کر دی جائیں اور طاق مرتبہ دھونی دئے ہوئے تختہ پر رکھا جائے، ستر چھپا دیا جائے کپڑے اتار دئے جائیں اور بلا مضمضہ اور استنشاق وضو کرایا جائے اور اس پر وہ پانی بہایا جائے جو بیری کے پتے یا اشنان سے جوش دیا گیا ہو ورنہ خالص پانی اور اس کا سر اور ڈاڑھی

گل خیرو سے دھوئی جائے اور بائیں کروٹ پر لٹا کر اتنا دھویا جائے کہ پانی اس حصہ تک پہنچ جائے جو تختہ سے ملا ہوا ہے پھر اسی طرح دائیں کروٹ کو نہلایا جائے پھر اس کو سہارا دے کر بٹھایا جائے اور اس کے پیٹ کو آہستہ دبایا جائے اور جو کچھ نکلے اسے دھو دیا جائے دوبارہ غسل کی ضرورت نہیں اور کپڑے سے خشک کر دیا جائے اور اس کے سر اور ڈاڑھی پر خوشبو اور اعضاء سجدہ پر کافور لگا دیا جائے اس کے بالوں اور ڈاڑھی میں کنگھی نہ کی جائے اور اس کے ناخن اور بال نہ کاٹے جائیں۔

لغات:۔ جنائز: جمع جنازہ۔ میت جو تختہ پر رکھی ہوئی ہو۔ **وُلِّيَ:** متوجہ کر دیا جائے۔ **المحتضر:** قریب المرگ۔ **لُقِّنَ تلقینا:** میت کے پاس کلمات خیر پڑھنا۔ **شُدَّ:** باندھ دیا جائے۔ **لحیا:** جبڑے۔ **غُمِّضَ:** بند کر دیا جائے۔ **سریر:** تخت **مجمر:** دھونی دیا ہوا۔ **وِتر:** طاق عدد۔ **ستر:** چھپا دیا جائے۔ **عورت:** انسان کے عضو جن کو شرم کی وجہ سے چھپایا جاتا ہے۔ **جُرِّدَ:** کپڑوں سے الگ کر دیا جائے۔ **صُبَّ:** بہایا۔ **مغلی:** جوش دیا ہوا۔ **سدر:** بیری۔ **حُرُض:** اشنان۔ **القراح:** خالص پانی۔ **خطمی:** ایک بوٹی ہے جو دوا کے طور پر استعمال ہوتی ہے اس کے خشک پتوں کو کوٹ کر ان کے پانی سے سر دھویا جاتا ہے۔ **اضجع:** کروٹ پر لٹایا جائے۔ **بطن:** شکم، پیٹ۔ **رفیقا:** آہستہ آہستہ نرمی کے ساتھ۔ **نُشِّفَ:** خشک کر دیا جائے۔ **حنوط:** ایک قسم کی خوشبو ہے۔ **مساجد:** جمع مسجد وہ اعضاء جن پر سجدہ کیا جاتا ہے جیسے پیشانی گھٹنے وغیرہ۔ **لا تُسرح:** کنگھا نہ کیا جائے۔ **لا یُقَصُّ:** نہ کاٹے جائیں۔ **ظفر:** ناخن۔ **شعر:** بال۔

وُلِّيَ المُحْتَضِرُ القبلة على يمينه: محتضر اسم مفعول کا صیغہ ہے مرنے والے شخص کو محتضر اس لئے کہتے ہیں کہ موت اس کے پاس حاضر ہوتی ہے یا موت کے فرشتے حاضر ہوتے ہیں جب موت آتی ہے تو عموماً سانس اکھڑ جاتی ہے اور جلدی جلدی چلنے لگتی ہے دونوں قدم ڈھیلے ہو جاتے ہیں کھڑے نہیں ہو پاتے ناک ٹیڑھی ہو جاتی ہے کنپٹی کی کھال تن جاتی ہے اور اس میں نرمی معلوم نہ ہو جب کسی آدمی پر یہ علامت ظاہر ہونے لگیں مسنون یہ ہے کہ دائیں کروٹ پر لٹا کر منہ قبلہ رخ کر دیا جائے لیکن یہ اس وقت ہے کہ جبکہ اس کو تکلیف نہ ہو ورنہ جس طرح اس کو آرام حاصل ہوتا ہو اسی حال پر چھوڑ دیا جائے۔

ولُقِّنَ الشهادة: تلقین اس وقت مستحب ہے کہ کوئی شخص اس کے اعزاء وغیرہ میں سے اس کو تلقین کرے یعنی اس کے سامنے بلند آواز سے کلمہ طیبہ یا کلمہ شہادت پڑھا جائے تاکہ وہ مریض سن کر خود بھی پڑھے اور اس بشارت کا مستحق ہو جائے جو صحیح احادیث میں وارد ہوئی ہے کہ جس کا آخری کلام لا الٰہ الا اللہ ہوگا وہ جنت میں داخل ہوگا مگر مریض سے یہ نہ کہا جائے کہ تم بھی پڑھو ممکن ہے کہ شدت مرض یا بدحواسی کے سبب سے اس کے منہ سے انکار نکل جائے

فإن مات شُدَّ لَحْيَاهُ وغُمِّضَ عيناه: جب روح بدن سے نکل جائے تو اس کے سب اعضاء درست کر دیں اور منہ کے جبڑے باندھ دیں اور اس طرح کہ کپڑے کی ایک چوڑی پٹی لے کر ٹھوڑی کے نیچے سے نکال کر اس کے دونوں سرے سر پر لے جائے اور گرہ لگا دے تاکہ اس کا منہ نہ کھلا رہے اور آنکھیں نہایت نرمی اور آہستگی سے بند کر دی جائیں تاکہ اچھا معلوم ہو کیونکہ اگر منہ اور آنکھیں کھلی رہ جائیں تو صورت ڈراؤنی معلوم ہوگی اور یہ واسطے بھی ہے تاکہ غسل کے وقت اس کے منہ میں پانی وغیرہ داخل نہ ہو

اور اس کے باندھنے کی جگہ اور باندھنے کے وقت میں اختلاف ہے اور جس پر عمل کرلیا جائے جائز ہے۔

وَتُجَمَّرُ الأَكْفَانُ أَوَّلاً وِتْرًا: میت کو کفن پہنانے سے پہلے کفن کو طاق بار دھونی دی جائے کیونکہ آنحضرت ﷺ نے اپنی بیٹی کے کفن کو طاق مرتبہ دھونی دینے کا فرمایا تھا۔

فائدہ: لفافہ یعنی لپیٹنے کی چادر کی مقدار یہ ہے کہ میت کے قد سے سر اور پاؤں دونوں کی طرف اس قدر زیادہ ہو کہ دونوں طرف باندھ سکیں اور ازار (تہبند) سر سے پاؤں تک کی ہو اور کفنی قمیص یا کرتہ گردن سے لیکر پاؤں تک ہو اور پر آگے اور پیچھے دونوں طرف برابر ہو کفنی (کرتہ) میں گریبان اور کلی، چاک اور آستین نہ لگائیں کیونکہ زندہ آدمی کیلئے یہ چیزیں اس لئے ہوتی ہیں کہ چلنے میں آسانی ہو اور مردہ اس سے بے نیاز ہے ان تینوں کپڑوں کی مرد و عورت کیلئے ایک ہی حد ہے البتہ مرد و عورت کی کفنی (کرتہ) میں اس قدر فرق ہے کہ مرد کی کفنی کندھے پر سے چیریں اور عورت کیلئے سینہ کی طرف سے عورت کیلئے اوڑھنی (سربند) ڈیڑھ گز ہونی چاہئے سینہ بند چھاتیوں سے لیکر رانوں یعنی گھٹنوں تک چوڑا ہو اور اتنا لمبا ہو کہ بندھ جائے سینہ بند اگر چھاتیوں سے لیکر ناف تک ہو جب بھی درست ہے لیکن رانوں (گھٹنوں) تک ہونا زیادہ بہتر اور اولیٰ ہے تاکہ چلتے وقت کفن رانوں سے نہ اترے۔

فَصْلٌ

> السُّلْطَانُ أَحَقُّ بِصَلَاتِهِ وَهِيَ فَرْضُ كِفَايَةٍ وَشَرْطُهَا إِسْلَامُ الْمَيِّتِ وَطَهَارَتُهُ ثُمَّ الْقَاضِي إِنْ حَضَرَ ثُمَّ إِمَامُ الْحَيِّ ثُمَّ الْوَلِيُّ وَلَهُ أَنْ يَأْذَنَ لِغَيْرِهِ فَإِنْ صَلَّى غَيْرُ الْوَلِيِّ وَالسُّلْطَانِ أَعَادَ الْوَلِيُّ وَلَمْ يُصَلِّ غَيْرُهُ بَعْدَهُ فَإِنْ دُفِنَ بِلَا صَلَاةٍ صُلِّيَ عَلَى قَبْرِهِ مَا لَمْ يَتَفَسَّخْ

ترجمہ: اس کی نماز کیلئے سب سے بہتر بادشاہ ہے اور وہ فرض کفایہ ہے اور اس کی شرط مردہ کا مسلمان پاک ہونا ہے پھر قاضی اگر موجود ہو پھر محلہ کا امام پھر اس کا ولی اور اس کو دوسرے کیلئے اجازت دینے کا حق ہے اگر ولی اور بادشاہ کے علاوہ کسی نے نماز پڑھ لی تو ولی لوٹا سکتا ہے ولی کے بعد کوئی اور نہ پڑھے اگر بلا نماز دفن کر دیا تو اس کی قبر پر نماز پڑھی جائے جب تک کہ وہ پھٹا نہ ہو۔

صلوۃ الجنازہ میں احق بالامامت میں ترتیب کا بیان

السُّلْطَانُ أَحَقُّ بِصَلَاتِهِ: نماز جنازہ پڑھانے کا سب سے زیادہ حقدار حاکم وقت ہے اور اگر وہ موجود نہ ہو تو حاکم شہر اس کے بعد قاضی اس کے بعد صاحب شرط (حاکم سیاست) حاکم شہر کا خلیفہ پھر قاضی کا پھر حاکم سیاست کا خلیفہ اولیٰ ہے حاکم وقت اور اس کے نائبین کی ترتیب مذکور سے تقدیم واجب ہے۔

وَهِيَ فَرْضُ كِفَايَةٍ: نماز جنازہ فرض کفایہ ہے جیسا کہ مردہ کا نہلانا و تجہیز و تکفین اور دفن کرنا فرض کفایہ ہے اگر بعض مسلمان اس کو ادا کرلیں خواہ ایک شخص ہو یا جماعت اور خواہ مرد ہو یا عورت حتیٰ کہ ایک لونڈی کے نماز جنازہ پڑھ لینے سے بھی سب لوگ بری الذمہ ہو جائیں گے اور اگر کسی نے نہ پڑھی تو جس جس کو اس کے مرنے کی خبر تھی وہ سب لوگ گناہگار رہوں گے اور جو شخص نماز جنازے

کی فرضیت کا منکر ہو وہ کافر ہے کیونکہ وہ منکر اجماع ہے البتہ فرض عین نہیں ہے بلکہ فرض کفایہ ہے کیونکہ آنحضرت ﷺ نے ایک مقروض کے جنازے پر نماز نہیں پڑھی تھی بلکہ یہ فرمایا تھا: صلوا علی صاحبکم۔ اگر فرض عین ہوتی تو آپ انکار نہ فرماتے۔

فائدہ: پھر ہر مرنے والے مسلمان کی نماز جنازہ فرض ہے سوائے چار آدمیوں کے اول۔ باغی یعنی وہ مسلمان جو بغیر حق کے اپنے حاکم کی اطاعت سے نکل گئے ہوں ناحق اس کے خلاف بغاوت کر دی ہو دوم۔ رہزن ڈاکو پس اگر کوئی شخص باغی یا رہزن ہونے کی وجہ سے قتل کیا جائے تو نہ اس کو غسل دیں اور نہ اس پر نماز جنازہ پڑھیں یہ ان کی اہانت کی وجہ سے ہے سوم۔ مکابرہ یعنی وہ لوگ جو کہ شہر کے اندر غارت گری کریں گے یہ ہے کہ رات کے وقت ہتھیار ہوں یا نہ ہوں اور دن میں ہتھیار کے ساتھ ہو کر کرے تو یہ رہزن کے حکم میں ہے۔ چہارم۔ خناق یعنی لوگوں کو گلا گھونٹ کر مارنے والا جبکہ اس نے ایک سے زیادہ مرتبہ ایسا کیا ہو تو اس کا حکم بھی باغی کی طرح ہے کہ اگر اس کو پکڑ کر مار دیں یا مقابلہ میں مر جائے تو نہ اس کو غسل دیا جائے اور نہ نماز پڑھی جائے۔

وشرطها اسلام الميت وطهارته ثم القاضي ان حضر: مصنف نماز جنازہ کی شرطیں بیان فرما رہے ہیں (۱) میت کا مسلمان ہونا کافر کی نماز جنازہ نہیں ہوتی کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے ﴿ولا تصل علی احد منہم﴾ (۲) طہارت یعنی میت کے بدن اور کفن اور جگہ کا نجاست حقیقیہ سے پاک ہونا اور میت کے بدن کا نجاست حکمیہ سے پاک ہونا غسل دیئے بغیر نماز درست نہیں ہاں اگر بلا غسل دفن کر دیا گیا ہو اور قبر کھودے بغیر نکالنا ممکن نہ ہو تو ضرورۃً اس کی قبر پر نماز جائز ہے۔

صحت نماز کیلئے شرائط ستہ

فائدہ: مصنف نے چھ شرطوں میں سے دو ذکر کی ہیں اور باقی چار یہ ہیں (۳) ستر عورت یعنی میت کے بدن کا وہ حصہ جس کا چھپانا فرض ہے چھپا ہوا ہو اگر میت بالکل برہنہ ہو تو اس پر نماز جنازہ درست نہیں۔ (۴) میت کا کل جسم یا اکثر حصہ جسم نماز پڑھانے والے امام کے آگے قبلہ کی جانب ہو۔ اگر میت نماز پڑھانے والے کے پیچھے ہو تو نماز درست نہیں۔ (۵) میت کا وہاں موجود ہونا یعنی کل جسم یا اکثر حصہ جسم اگرچہ بلا سر کے ہو یا نصف حصہ جسم بغیر سر کے ہو تو اس پر نماز جنازہ درست نہیں آنحضرت ﷺ نے نجاشی بادشاہ حبشہ کی نماز جنازہ غائبانہ پڑھائی تھی یہ نبی اکرم ﷺ کی خصوصیات میں سے ہے کہ آپ کے سامنے جنازہ کے درمیان کے پردے اللہ تعالیٰ نے ہٹا دیئے تھے اور اس کا جنازہ آپ ﷺ کے سامنے کر دیا دوسرے لوگ اس کو نہیں دیکھ رہے تھے اگر غیر موجود میت پر نماز جنازہ جائز ہوتی تو نبی اکرم ﷺ ان صحابہ کرام کی نماز جنازہ غائبانہ ضرور پڑھاتے جو کثیر تعداد میں آپ ﷺ سے دور فوت ہوئے اور دفن ہوئے حالانکہ باوجود آپ کے نماز جنازہ پر بہت حرص فرمانے کے اور باوجود حکم الٰہی کے: ﴿ان صلوتک سکن لہم﴾ اور آپ ﷺ نے فرمایا: لا یموتن احد منکم الا اذنتمونی بہ فان صلوتی علیہ رحمۃ لہ کسی کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھنا آپ سے ثابت نہیں ہوا پس کسی کی نماز جنازہ غائبانہ پڑھنا درست نہیں ہے۔ (۶) میت یا جس چیز پر میت ہو اس کا زمین پر رکھا ہوا ہونا ضروری ہے اگر لوگ میت کو اپنے ہاتھوں پر اٹھائے ہوئے ہوں یا کسی گاڑی یا جانور پر ہو تو نماز نہ ہوگی

لیکن اگر کوئی عذر ہو مثلاً زمین پر کیچڑ ہو جس کی وجہ سے میت کو زمین پر نہ رکھ سکیں تو گاڑی پر اٹھائے ہوئے نماز جنازہ جائز ہے۔

ثم بامام الحی ثم الولی: اگر بادشاہ وہاں نہ ہو تو محلہ کا امام مقدم ہے تو اگر محلہ کی مسجد کا امام ولی میت سے بہتر ہو تو مستحب یہی ہے کہ امام محلہ ہی وہ حقدار ہے اور اگر کوئی ولی اس سے بہتر ہو تو پھر ولی اولیٰ ہے امام محلہ اس لئے مقدم ہے کہ میت اپنی زندگی میں بھی اس کے پیچھے نماز پڑھنے پر راضی تھا لیکن اگر یہ معلوم ہو جائے کہ وہ زندگی میں اس کے پیچھے نماز پڑھنے پر راضی نہیں تھا اور اس کی ناراضگی کی وجہ صحیح ہو تو اب امام محلہ کو مقدم کرنا مستحب نہیں ہے اور اگر اس کی ناراضگی کسی صحیح وجہ سے نہیں تھی تب بھی امام محلہ ہی اولیٰ ہے اور بعض فقہاء فرماتے ہیں کہ امام جامع امام محلہ سے مقدم ہے البتہ بیٹا عالم ہو تو اس صورت میں بیٹا اولیٰ ہے!

ولہ ان یاذن لغیرہ: ولی کو اختیار ہے کہ کسی شخص کو اجازت دیدے کیونکہ وہ یہ حق بالراست دوسرے کی طرف منتقل کرنے کا حق دار ہے البتہ اگر دونوں ایک ہی درجے کے ولی ہوں مثلاً دونوں بھائی ہوں تو دوسرے کو روکنے کا اختیار ہے۔

فان صلی غیر الولی والسلطان اعاد الولی وان لم یصل غیرہ بعدہ: اگر ولی اور سلطان کے علاوہ نے نماز جنازہ پڑھی تو ولی نماز جنازہ کا اعادہ کر سکتا ہے اور اگر سلطان نے نماز پڑھی یا اس شخص نے پڑھی جو نماز جنازہ کی ترتیب امامت میں ولی پر مقدم ہے تو ولی کو اعادہ کرنے کا حق نہ ہوگا اور اگر ولی نے نماز جنازہ پڑھی تو اس کے بعد کسی کو میت پر نماز پڑھنے کی اجازت نہ ہوگی امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ میت پر کئی مرتبہ نماز کا اعادہ کیا جا سکتا ہے ان کی دلیل یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ایک ایسے آدمی کی قبر پر نماز جنازہ پڑھی جس پر اس کے گھر والے نماز جنازہ پڑھ چکے تھے ہماری دلیل یہ ہے کہ سلطان یا ولی کے نماز پڑھنے سے حق فرضیت ادا ہو چکا ہے اور اس کے بعد جو نماز پڑھی جائیگی وہ نفل ہوگی اور جنازہ کی نماز بطور نفل مشروع نہیں ہے یہی وجہ ہے نبی کریم ﷺ کی قبر مبارک پر تمام لوگوں نے نماز پڑھنا ترک کر دیا ہے اور اگر نماز جنازہ میں نفل مشروع ہوتا تو اجتماعی طور پر اس کو ترک نہ کیا جاتا حالانکہ نبی کریم ﷺ آج بھی اپنی قبر میں اسی طرح آرام فرما رہے ہیں جس طرح آپ کو لٹایا گیا تھا کیونکہ انبیاء کرام کا گوشت زمین پر حرام ہے انبیاء کرام کے جسم کو زمین کی مٹی متغیر نہیں کر سکتی رہا نبی کریم ﷺ کا اس عورت کی قبر پر نماز پڑھنا تو یہ اس لئے تھا کہ یہ آپ کا حق ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿النبی اولیٰ بالمومنین من انفسہم﴾ آنحضرت کے اس حق کو ساقط کرنے کی کسی کو ولایت حاصل نہیں ہے۔

فان دفن بلا صلاۃ صلی علی قبرہ ما لم یتفسخ: اگر میت کو نماز پڑھے بغیر ہی دفن کر دیا جائے تو اس کی قبر پر نماز پڑھی جائے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے ایک انصاری عورت کی قبر پر نماز پڑھی تھی نعش کے قبر میں گل سڑ جانے سے پہلے ہی اس پر نماز پڑھی جائے اس میں اعتبار غالب رائے کا ہوگا کیونکہ حال اور زمان و مکان کے اختلاف کی وجہ سے یہ الگ ہے گرمیوں میں نعش جلد خراب ہو جاتی ہے اور سردیوں میں دیر سے اسی طرح لاغر جسم کی بہ نسبت فربہ اور موٹا جسم دیر سے خراب ہوتا ہے اور زمین زمین میں بھی فرق ہوتا ہے کسی زمین میں جسم دیر تک محفوظ رہتا ہے اور کسی میں نہیں لہذا اس علاقے کے عاقل لوگوں کی رائے کا اعتبار ہوگا۔

وَهِيَ أَرْبَعُ تَكْبِيرَاتٍ بِثَنَاءٍ بَعْدَ الْأُولَى وَصَلَاةٍ عَلَى النَّبِيِّ وَدُعَاءٍ بَعْدَ الثَّالِثَةِ وَتَسْلِيمَتَيْنِ بَعْدَ الرَّابِعَةِ فَلَوْ كَبَّرَ خَمْسًا لَمْ يُتْبَعْ وَلَا يَسْتَغْفِرُ لِصَبِيٍّ وَلَا لِمَجْنُونٍ وَيَنْتَظِرُ الْمَسْبُوقُ لِيُكَبِّرَ مَعَهُ لَا مَنْ كَانَ حَاضِرًا فِي حَالَةِ التَّحْرِيمَةِ وَيَقُومُ مِنَ الرَّجُلِ وَالْمَرْأَةِ بِحِذَاءِ الصَّدْرِ وَلَمْ يُصَلُّوا رُكْبَانًا وَلَا فِي مَسْجِدٍ

ترجمہ: "اور نماز جنازہ کی چار تکبیریں ہیں پہلی تکبیر کے بعد ثناء ہے، اور دوسری کے بعد نبی کریم ﷺ پر درود اور تیسری تکبیر کے بعد دعا اور چوتھی کے بعد دو سلام ہیں پس اگر امام پانچ بار تکبیر کہے تو پیروی نہ کی جائے اور بچے اور مجنون کیلئے استغفار نہ کرے لگ یوں کہے الٰہی اس کو ہمارے لئے آگے بڑھنے والا اور اجر و ذخیرہ اور شفاعت کرنے والا اور شفاعت قبول کیا ہوا بنادے، اور مسبوق انتظار کرے تاکہ امام کے ساتھ تکبیر کہے نہ وہ شخص جو تحریمہ کی حالت میں موجود ہو اور امام مرد و عورت کے میت کے مقابل کھڑا ہو اور سوار ہو کر نماز پڑھیں اور نہ مسجد میں"

لغات: فرط: پہلے پہنچا ہوا اجر۔ ذخر: وہ شی جس کا ذخیرہ کیا جائے۔ مشفع: مقبول الشفاعۃ۔ حذاء: مقابل۔

وَهِيَ أَرْبَعُ تَكْبِيرَاتٍ: نماز جنازہ میں چار تکبیریں ہیں یہی جمہور اور آئمہ اربعہ کا مذہب ہے اور ہر تکبیر یہاں ایک رکعت کے قائم مقام بھی ہوتی ہے دراصل نبی کریم ﷺ کا تکبیر علی الجنازہ کے متعلق عمل مختلف رہا ہے چار تکبیرات سے لیکر نو تکبیرات تک منقول ہیں اس کے بعد صحابہ کرامؓ میں بھی اختلاف تھا حضرت عمرؓ کے دور میں چار تکبیرات پر اتفاق ہوا تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ آپ کے آخری عمل کو دیکھو چنانچہ دیکھنے سے معلوم ہوا کہ آپ کا آخری عمل چار تکبیرات پر تھا تو انہوں نے چار تکبیرات کا حکم دیا تو اس پر تمام صحابہ کرام کا اجماع ہو گیا کہ آپ ﷺ کا آخری عمل چار سے زائد تکبیرات کیلئے ناسخ ہے۔

نماز جنازہ پڑھنے کا طریقہ

بِثَنَاءٍ بَعْدَ الْأُولَى وَصَلَاةٍ عَلَى النَّبِيِّ وَدُعَاءٍ بَعْدَ الثَّالِثَةِ وَتَسْلِيمَتَيْنِ بَعْدَ الرَّابِعَةِ: نماز جنازہ کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ نیت کرنے کے بعد دونوں ہاتھ کانوں کی لو تک اٹھا کر تکبیر تحریمہ کہہ کر ہاتھ ناف کے نیچے باندھ لے اور ثناء پڑھے جیسا کہ دوسری نمازوں میں ہے البتہ اس میں "وتعالیٰ جدک" کے بعد "وجل ثناءک" زیادہ کرنا بہتر ہے ہمارے نزدیک پہلی تکبیر کے بعد سورۃ فاتحہ کی قرأت مشروع نہیں ہے امام شافعیؒ قرأت فاتحہ کے قائل ہیں وہ نماز جنازہ کو دوسری نمازوں پر قیاس کیا ہے پس جس طرح دوسری نمازوں میں قرأت قرآن ضروری ہے اسی طرح نماز جنازہ میں بھی قرأت قرآن ضروری ہے ہماری دلیل یہ ہے کہ حضرت نافعؒ سے مروی ہے کہ ابن عمرؓ نماز جنازہ میں قرأت نہیں کرتے تھے پھر ہاتھ اٹھائے بغیر دوسری تکبیر کہے اور درود شریف پڑھے بہتر یہ ہے کہ وہی درود پڑھے جو نماز کے اخیر قعدہ میں پڑھے جاتے ہیں پھر اسی طرح تیسری تکبیر کہے اور اپنے اور میت اور تمام مومنین و مومنات کیلئے دعا کرے اور دعا میں سنت یہ ہے کہ اپنے نفس سے شروع کرے اس کیلئے کوئی دعا مقرر نہیں ہے بہتر یہ ہے کہ ان دعاؤں میں سے پڑھے جو احادیث میں وارد ہیں پھر چوتھی تکبیر کہہ کر سلام پھیر دے چوتھی تکبیر کے

بعد اور سلام سے پہلے کوئی دعا نہیں ہے یہی ظاہر المذہب ہے اور صحیح ہے اگرچہ بعض نے کہا کہ سلام سے پہلے ﴿ربنا آتنا فی الدنیا حسنة﴾ پڑھے اور بعض نے کہا ہے کہ ﴿ربنا لا تزغ قلوبنا﴾ الخ پڑھے اور ظاہر الروایت کے مطابق صرف پہلی تکبیر میں ہاتھ اٹھائے اور اکثر مشائخ بلخ کے نزدیک ہر تکبیر میں ہاتھ اٹھائے کیونکہ حضرت ابن عمرؓ ہر تکبیر کے وقت ہاتھ اٹھاتے تھے ہماری دلیل حدیث ابو ہریرہؓ ہے کہ نبی کریم ﷺ نماز جنازہ پڑھتے تو پہلی تکبیر میں رفع یدین کیا کرتے تھے اور دوبارہ نہیں کرتے تھے

(ترمذی البیہقی).

فلو کبر خمسا لم یتبع: اگر امام پانچویں تکبیر کہے تو مقتدی پانچویں تکبیر میں امام کی پیروی نہ کرے کیونکہ چار سے زائد تکبیر منسوخ ہو چکی ہیں اصح یہ ہے کہ مقتدی امام کے سلام پھیرنے کا انتظار کرے تا کہ سلام کے اندر متابعت ہو جائے امام صاحبؒ سے دوسری روایت یہ ہے کہ مقتدی فوراً سلام پھیر دے تا کہ پانچویں تکبیر میں امام کی مخالفت ثابت ہو۔

ولا یستغفر لصبی ولا لمجنون: نماز جنازہ میں بچے اور مجنون کیلئے مغفرت کی دعا نہ کی جائے یعنی وہ دعا جو بڑوں کیلئے پڑھی جاتی ہے وہ نہ پڑھی جائے بلکہ صرف یہ دعا پڑھی جائے "اللھم اجعلہ لنا فرطا" الخ کیونکہ وہ مکلف نہیں ہے اس لیے ان کے لیے گناہوں کی مغفرت کی درخواست بے فائدہ ہے اور یہاں مجنون اور بے عقل سے مراد وہ مجنون ہے جو کہ بالغ ہونے سے پہلے مجنون ہوا کیونکہ وہ کبھی مکلف ہی نہیں ہوا اور اگر جنون عارضی ہے یعنی بلوغ کے بعد طاری ہوا تو اس کیلئے مغفرت کی دعا کی جائے جیسے اوروں کیلئے کی جاتی ہے کیونکہ جنون سے پہلے وہ مکلف تھا اور جنون سے پہلے کے بلوغ کے زمانے کے گناہ جنون سے ساقط نہیں ہوتے۔

وینتظر المسبوق لیکبر معہ لا من کان حاضرا فی حالة التحریمة: اگر کوئی شخص نماز جنازہ میں اس وقت آیا جب امام ایک یا دو تکبیریں کہہ چکا تھا تو آنے والا شخص کوئی تکبیر نہ کہے بلکہ امام کی تکبیر کہنے تک انتظار کرے اور اس کی تکبیر کے ساتھ تکبیر کہہ کر شامل ہو جائے اگر درمیان میں شامل ہو گا تو اس کا اعتبار نہیں ہو گا یہ طرفینؒ کے نزدیک ہے امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ حاضر ہوتے ہی فوراً تکبیر کہہ کر شامل ہو جائے کیونکہ یہ اس کی تکبیر تحریمہ ہے اور مسبوق تکبیر تحریمہ ضرور کہتا ہے تو یہ اس شخص کی طرح ہے جو تحریمہ کے وقت موجود ہو کیونکہ وہ شخص جو موجود ہو بالاتفاق دوسری تکبیر کا انتظار نہیں کرتا طرفینؒ فرماتے ہیں کہ نماز جنازہ میں ہر تکبیر ایک رکعت کے قائم مقام ہے اور یہ آنے والا مسبوق ہے مسبوق فائتہ نماز امام کے پیچھے شروع نہیں ہو سکتی بلکہ امام کے سلام پھیرنے کے بعد ادا کی جاتی ہے بخلاف اس شخص کے جو ابتداء سے موجود تھا یہ امام کی دوسری تکبیر کا انتظار نہیں کرے گا کیونکہ یہ مدرک کے مرتبہ میں ہے

ویقوم من الرجل والمرأة بحذاء الصدر: جنازہ مرد کا ہو یا عورت کا امام میت کے سینے کے مقابل کھڑا ہو کیونکہ سینہ موضع قلب ہے اور قلب کے اندر نور ایمان ہوتا ہے اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ مرد کے جنازہ میں سر کے مقابل اور عورت کے جنازہ میں وسط میں کھڑا ہو اور ایک قول امام صاحبؒ کا بھی یہی ہے اور ایک روایت امام ابو یوسفؒ سے بھی ہے امام شافعیؒ کی دلیل یہ ہے کہ انسؓ نے ایک عورت کی نماز جنازہ پڑھی اور وسط میں کھڑے ہوئے لیکن امام صاحبؒ کی مشہور روایت کی یہ دلیل ہے کہ علامہ ابن ہمامؒ

نے پہلی روایت کو ترجیح دی ہے اور امام طحاوی، علامہ انور شاہ کشمیری نے امام صاحب کی دوسری روایت کو راجح قرار دیا ہے۔

ولم یصلوا رکباناً: نماز جنازہ سوار ہو کر یا بیٹھ کر پڑھنا ناجائز ہے کیونکہ یہ من وجہ نماز ہے اور نماز کی طرح اس میں بھی قیام فرض ہے الا یہ کہ کوئی عذر ہو۔

مسجد میں نماز جنازہ پڑھنے کا حکم

ولا فی مسجد: بلا عذر مسجد میں نماز جنازہ پڑھنا مکروہ ہے خواہ جنازہ مسجد کے اندر ہو یا باہر البتہ اگر نماز کیلئے کوئی دوسری جگہ نہ ہو تو عذر کی وجہ سے بلا کراہت جائز ہے پھر کراہت تحریمی اور تنزیہی میں اختلاف ہے لیکن کراہت تنزیہیہ راجح ہے اور امام شافعی کے نزدیک بلا کراہت جائز ہے اگر مسجد کی تلویث کا خوف نہ ہو کیونکہ نبی کریم ﷺ نے حضرت سہیل بن بیضاء کی نماز جنازہ مسجد میں پڑھائی تھی ہم اس کو حالت عذر پر محمول کرتے ہیں کیونکہ آپ ﷺ معتکف تھے۔

وَمَنِ اسْتَهَلَّ صُلِّيَ عَلَيْهِ وَإِلَّا لَا كَصَبِيٍّ سُبِيَ مَعَ أَحَدِ أَبَوَيْهِ إِلَّا أَنْ يُسْلِمَ أَحَدُهُمَا أَوْ لَمْ يُسْبَ أَحَدُهُمَا مَعَهُ وَيُغَسِّلُ وَلِيٌّ مُسْلِمٌ الْكَافِرَ وَيُكَفِّنُهُ وَيَدْفِنُهُ وَيُؤْخَذُ سَرِيرُهُ بِقَوَائِمِهِ الْأَرْبَعِ وَيُعَجَّلُ بِهِ بِلَا خَبَبٍ وَجُلُوسٍ قَبْلَ وَضْعِهَا وَمَشْيٍ قُدَّامَهَا وَضَعْ مُقَدَّمَهَا عَلَى يَمِينِكَ ثُمَّ مُؤَخَّرَهَا ثُمَّ مُقَدَّمَهَا عَلَى يَسَارِكَ ثُمَّ مُؤَخَّرَهَا.

ترجمہ: اور جس بچے نے آواز نکالی اس پر نماز پڑھی جائے ورنہ نہیں جیسے وہ بچہ جو ماں یا باپ کے ساتھ قید کیا گیا ہو الا یہ کہ ماں یا باپ یا خود بچہ مسلمان ہو جائے یا ماں یا باپ کو اس کے ساتھ قید نہ کیا گیا ہو مسلمان ولی کافر کو غسل دے سکتا ہے اور کفنا دفنا سکتا ہے اور چارپائی کو اس کے چاروں پائے پکڑ کر اٹھا کر جلدی لیجائیں مگر دوڑ کر نہیں اور جنازہ رکھنے سے پہلے نہ بیٹھیں اور نہ اس کے آگے چلیں اور اس کے سرہانے کو اپنے دائیں کندھے پر رکھے پھر اس کی پچھلی جانب کو پھر پائنتی کی اگلی جانب کو اپنے بائیں کندھے پر پھر اس کی پچھلی جانب کو

لغات: استهل الصبی: پیدائش کے وقت چلانا۔ سُبِیَ: قید کیا گیا۔ قوائم جمع قائمہ: پایہ۔ خَبَب: دوڑنا۔ قدام: آگے

جس بچہ میں آثار حیات پائے جائیں اس کی نماز کا حکم

ومن استهل صلی علیه: استہلال سے یہاں مراد ہے کہ بچہ کی پیدائش کے وقت اس کا اکثر حصہ پیدا ہونے کے بعد کوئی ایسی علامت پائی جائے جو اس کی حیات پر دلالت کرے مثلاً آواز یا سانس یا کسی عضو یا آنکھ جھپکنے کی حرکت وغیرہ اگر ایسا بچہ پیدا ہوتے ہی مر گیا تو اس کا نام رکھا جائے اس کو غسل دیا جائے اور اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے اور وہ وارث اور مورث ہوگا کیونکہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: اذا استهل السقط صلی علیه وورث "جب نومولود بچہ آواز نکالے تو اس پر نماز پڑھی جائیگی اور وہ وارث ہوگا" (ابن ماجہ)

والا لا: ورنہ نہیں یعنی بچہ کا ایک عضو پیدا ہوا اور اس میں حرکت تھی لیکن نصف سے زیادہ بدن نکلنے سے پہلے وہ مردہ پایا گیا تو اس

پھر مردہ پیدا ہونے کا حکم لگے گا اور اس کو غسل مسنون نہیں دیا جائیگا بلکہ صرف اس کو معروف طریق پر غسل دے کر ایک کپڑے میں لپیٹ کر دفن کر دیا جائیگا اور اس پر نماز جنازہ نہیں پڑھی جائیگی اور امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ غسل کے ساتھ ایسے بچہ کا نام بھی رکھ جائے کیونکہ اس میں بنی آدم کی تعظیم ہے اور اسی پر فتوی ہے۔

كصبي سبي مع أحد أبويه إلا أن يسلم أحدهما أو لم يسب أحدهما معه ويغسل: اسی طرح وہ بچہ جو والدین میں سے کسی ایک کے ساتھ قید ہو اور حربی گیا تو اس پر نماز جنازہ نہیں پڑھی جائیگی کیونکہ بچہ دین میں اپنے والدین کے تابع ہوتا ہے اور چونکہ یہاں والدین کافر ہیں لہذا بچہ بھی کافر ہوگا اور کافر پر نماز جنازہ نہیں پڑھی جاتی اس لیے اس پر نماز جنازہ نہ پڑھی جائے ہاں اگر وہ بچہ سمجھدار ہو اور اسلام کا اقرار کرے یا اس کے والدین میں سے کوئی ایک مسلمان ہو گیا تو اس بچہ کی نماز جنازہ پڑھی جائے۔

ولي مسلم الكافر ويكفنه ويدفنه: کافر مرا اور کوئی اس کا رشتہ دار ہو اور اس کا کوئی ہم مذہب نہ ہو یا وہ نہ لے جائے اور یہ مسلمان بوجہ قرابت غسل کفن دفن دے تو جائز ہے مگر غسل کفن دفن میں کسی امر میں سنت کا طریقہ نہ برتے یعنی نہ اس کو وضو کرائے اور نہ سر کو خطمی یا صابن وغیرہ سے صاف کرے نہ دائیں طرف سے شروع کرے بلکہ نجس کپڑے کو دھونے کی طرح غسل دے اور اس پر پانی بہا دے یہ غسل تن کی طہارت کیلئے نہیں ہوگا اور ایک کپڑے میں لپیٹ کر تنگ گڑھے میں دبا دے۔

ويأخذ سريره بقوائمه الأربع: ہمارے نزدیک سنت یہ ہے کہ جنازہ کو اس کی چاروں اطراف سے چار آدمی اٹھائیں کیونکہ ابن مسعودؓ سے روایت ہے من السنة ان تحمل الجنازة من جوانبها الاربعة کہ سنت یہ ہے کہ جنازہ کو اس کے چاروں جانب سے اٹھایا جائے امام شافعی فرماتے ہیں کہ دو آدمی اٹھائیں اگلا اپنی گردن پر اور پچھلا اپنے سینہ پر کیونکہ حضرت سعد بن معاذؓ کا جنازہ اسی طرح اٹھایا گیا تھا ہماری طرف سے جواب یہ ہے کہ بسبب ازدحام ملائکہ کی وجہ سے تھا۔

ويعجل به بلا خبب وجلوس قبل وضعه ومشي قدامها: جنازہ اٹھانے میں کمال سنت یہ ہے کہ جنازہ کو لیکر تیز رفتاری کے ساتھ چلیں مگر دوڑیں نہیں اور مسنون طریقہ پر جلدی چلنے کی حد یہ ہے کہ میت کو چارپائی پر اضطراب نہ ہو یعنی ادھر ادھر حرکت نہ کرے اور بھاگنا نہ چاہئے اور تیز چلنا جس میں میت مضطرب ہو مکروہ ہے کیونکہ اس میں میت کو اور ساتھ چلنے والوں کو تکلیف ہوگی موت کے بعد سے میت کے دفن تک تجہیز و تکفین وغیرہ ہر کام میں جلدی کرنا افضل ہے کیونکہ حدیث شریف میں ہے کہ جنازہ کو جلدی لے جاؤ اگر وہ صالح ہے تو جلدی اس کو اچھی جگہ پہنچاؤ گے اور اگر برا ہے تو جلدی اپنی گردن سے برائی دور کرو گے جنازہ کے ہمراہ چلنے والے شخص کیلئے جنازہ نیچے اتارنے سے قبل بیٹھنا مکروہ ہے کیونکہ وہ جنازہ کے تابع ہے اور متبوع کو چھوڑ کے بیٹھنے سے پہلے نہیں بیٹھنا چاہئے علاوہ ازیں اس لئے بھی کہ یہ لوگ میت کی تعظیم کیلئے آئے ہیں اور جنازہ نیچے اتارنے سے قبل اس کی تعظیم کے منافی ہے ہاں جنازہ نیچے اتارنے کے بعد اگر بیٹھ جائیں تو اس میں کوئی حرج نہیں بلکہ بلا ضرورت کھڑے رہنا مکروہ تحریمی ہے جو لوگ میت کے ساتھ ہیں ان کے لیے افضل مستحب یہ ہے کہ جنازہ کے پیچھے چلیں کیونکہ جنازہ متبوع ہے

اور متبوع تابع کے آگے ہوا کرتا ہے اور حدیث شریف میں ہے عن البراء بن عازب امرنا رسول اللہ ﷺ باتباع الجنائز نبی کریم ﷺ نے ہم کو جنازوں کے پیچھے چلنے کا حکم دیا۔ (بخاری)

جنازہ اٹھانے کا طریقہ

وَضعُ مُقَدَّمِهَا عَلَى يَمِينِكَ ثُمَّ مُؤَخَّرِهَا ثُمَّ مُقَدَّمِهَا عَلَى يَسَارِكَ ثُمَّ مُؤَخَّرِهَا: جنازہ کو اگلی جانب سے پہلے دائیں کندھے پر رکھے اور پھر اسی کی پچھلی جانب کو اپنے اسی کندھے پر اٹھائے بعد ازاں دوسری جانب سے جنازے کی اگلی جانب کو اور پھر پچھلی جانب کو بایاں کندھا دے جنازہ اٹھانے والے شخص کو چاہیے کہ وہ ہر جانب دس دس قدم چلے اس لیے کہ مروی ہے نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: من حمل جنازة اربعين خطوة كفرت اربعين كبيرة: جو شخص جنازہ اٹھا کر چالیس قدم چلے اس کے چالیس کبیرہ گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔

وَيُحْفَرُ الْقَبْرُ وَيُلْحَدُ وَيُدْخَلُ مِنْ قِبَلِ الْقِبْلَةِ وَيَقُوْلُ وَاضِعُهُ بِسْمِ اللّٰهِ وَعَلٰى مِلَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَيُوَجَّهُ لِلْقِبْلَةِ وَتُحَلُّ الْعُقْدَةُ وَيُسَوَّى اللَّبِنُ عَلَيْهِ وَالْقَصَبُ لَا الْآجُرُّ وَالْخَشَبُ وَيُسَجّٰى قَبْرُهَا لَا قَبْرُهُ وَيُهَالُ التُّرَابُ وَيُسَنَّمُ الْقَبْرُ وَلَا يُرَبَّعُ وَلَا يُجَصَّصُ وَلَا يُخْرَجُ مِنَ الْقَبْرِ إِلَّا أَنْ تَكُوْنَ الْأَرْضُ مَغْصُوْبَةً.

ترجمہ: اور قبر کھودی جائے، لحد بنائی جائے اور قبلہ کی طرف سے اتارا جائے اور رکھنے والا بسم اللہ وعلی ملۃ رسول اللہ کہے اور قبلہ رخ کر دیا جائے اور بند کھول دیا جائے اور اس پر کچی اینٹیں یا نرکل رکھ دیے جائیں نہ کہ پکی اینٹیں اور لکڑی اور عورت کی قبر کو چھپایا جائے نہ کہ مرد کی قبر کو اور مٹی ڈالی جائے اور قبر کوہان نما بنائی جائے چوکور اور چونے کی نہ بنائی جائے اور مردہ کو قبر سے نہ نکالا جائے تاوقتیکہ غصب کی ہوئی زمین نہ ہو۔

لغات: **يُحْفَرُ** حفر: کھودنا۔ **يُلْحَدُ**: بغلی قبر بنائی جائے۔ **تُحَلُّ**: کھول دیا جائے۔ **عقدة**: گرہ۔ **يُسَوّٰى**: برابر کر دیا جائے۔ **قصب**: نرکل وہ گھاس جس میں پورے اور گرہیں ہوں جیسے بانس نرکل وغیرہ۔ **آجر**: پکی اینٹ۔ **خشب**: لکڑی۔ **يُسَجّٰى**: ڈھانک لیا جائے۔ **يُهَالُ**: مٹی ڈال دی جائے۔ **يُسَنَّمُ**: کوہان جیسی بنائی جائے۔ **لا يُرَبَّعُ**: چوکور نہ بنائی جائے۔ **لا يُجَصَّصُ**: گچ اور چونا نہ لگایا جائے۔ **خصص**: اینٹ اور گچ کرنا۔

وَيُحْفَرُ الْقَبْرُ وَيُلْحَدُ: قبر دو طرح کی ہوتی ہے ایک لحد اور وہ یہ ہے کہ قبر پوری کھودی جائے پھر اس کے اندر قبلہ کی طرف ایک گڑھا قبر کی لمبائی کے برابر کھودا جائے جو کہ میت کے رکھنے کی جگہ ہے اور اس کو ایک چھت والے کمرے کی طرح بنایا جائے اور اس میں میت کو رکھ دیں اور یہ قبر لحد سنت ہے اور اسی کو اردو میں بغلی قبر بھی کہتے ہیں دوسری قسم کی قبر شق کہلاتی ہے صندوقی قبر کہتے ہیں اور یہ اس طرح ہے کہ پوری قبر کھودنے کے بعد اس کے درمیان میں نہر نما ایک گڑھا میت کے رکھنے کیلئے کھودا جائے اور اس کے دونوں طرف پکی اینٹیں یا اور کچھ لگا دیں اور اس میں میت رکھی جائے اور اس پر کچی اینٹوں وغیرہ کی چھت بنا دی جائے جہاں

زمین سخت ہو وہاں بھی قبر شق بنانے میں کوئی مضائقہ نہیں لیکن قبر لحد بنانا سنت ہے اور جب زمین نرم ہو اور قبر لحد بنانا ممکن نہ ہو تو پھر وہاں قبر شق ہی بنائی جائیگی اور امام شافعیؒ کے نزدیک شق مسنون ہے ان کی دلیل یہ ہے کہ اس پر اہل مدینہ کا توارث ہے کہ وہ شق ہی بناتے ہیں نہ کہ لحد ہماری نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے اللحد لنا والشق لغیرنا کہ ہمارے لیے لحد ہے اور دوسروں کیلئے شق ہے امام شافعیؒ کی دلیل کا جواب یہ کہ مدینہ منورہ کے قبرستان کی زمین نرم اور ریتلی ہے اور اس میں لحد بنانا ممکن نہیں ہے۔

وَيُدْخَلُ مِنْ قِبَلِ الْقِبْلَةِ وَيَقُولُ وَاضِعُهُ بِسْمِ اللّٰهِ وَعَلٰى مِلَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ: مستحب یہ ہے کہ میت کو قبلہ کی طرف سے قبر میں اتارا جائے اور یہ اس طرح ہوگا کہ جنازہ قبر سے قبلہ کی طرف رکھا جائے اور پھر اس میت کو اٹھا کر لحد میں رکھ دیں تو اس کو اتارنے کیلئے لینے والے قبلہ رخ ہوں اور امام شافعیؒ کے نزدیک مستحب یہ ہے کہ جنازہ قبر کے آخر قبلہ کے بائیں طرف یعنی پائنتی کے نزدیک قبر کے طول میں رکھے پس میت کو چارپائی کا سرہانہ قبر کی پائنتی کی طرف ہوگا پھر چند آدمی مل کر میت کو اٹھائیں اور سر اپنی جگہ پر پہنچ جائے اور پاؤں اپنی جگہ آجائیں قبر میں میت کو داخل کرنے کے بارے میں روایتیں مختلف ہیں احناف کے نزدیک ترجیح قبلہ رخ رکھنے کو ہے کیونکہ آپ ﷺ کا عمل اسی طرح ثابت ہوا ہے اور دوسری صورتیں عذر کی وجہ سے ہیں اور مستحب ہے کہ میت کو قبر میں رکھنے والا یوں کہے بسم اللہ وعلی ملۃ رسول اللہ ﷺ

میت کا صرف قبلہ رو منہ کرنیکا حکم

وَيُوَجَّهُ لِلْقِبْلَةِ: میت کو قبر میں داہنی کروٹ پر قبلہ رو لٹایا جائے اور اس میت کی پیٹھ کی طرف مٹی یا اس ڈھیلے سے تکیہ لگا دیں تاکہ داہنی کروٹ پر قائم رہے پشت کی جانب نہ لوٹ جائے چت لٹانے اور صرف منہ قبلہ کی طرف کرنے کا جو عام رواج ہے وہ سنت متوارثہ کے خلاف ہے اور اسی طرح صرف منہ قبلہ کی طرف کرنے سے تھوڑی دیر کے بعد منہ قبلہ سے پھر کر سیدھا ہو جاتا ہے پس اس سے پرہیز کرنا اور سنت طریقہ کو رائج کرنا ضروری ہے کیونکہ حدیثوں میں میت کو چت لٹانے کی ممانعت وارد ہے اور اگر میت کا منہ قبلہ کی طرف کرنا بھول گئے اور اینٹیں لگانے کے بعد مٹی ڈالنے سے پہلے یاد آیا تو ان کو ہٹا کر قبلہ رو کر دیں اور اگر مٹی دینے کے بعد یاد آیا تو اس کے لیے قبر نہ ادھیڑی جائے کیونکہ قبلہ کی طرف منہ کرنا سنت ہے اور قبر ادھیڑنا حرام ہے اور سنت کی ادائیگی کیلئے حرام کا مرتکب ہونا جائز نہیں۔

وَتُحَلُّ الْعُقْدَةُ: قبر میں رکھنے کے بعد کفن کی گرہیں کھول دی جائیں کیونکہ اب کفن کے کھلنے کا خوف جس کی وجہ سے گرہیں لگائی گئی تھیں جاتا رہا اور اگر گرہیں نہ کھولی جائیں تو حرج نہیں۔

وَيُسَوَّى اللَّبِنُ عَلَيْهِ وَالْقَصَبُ لَا الْآجُرُّ وَالْخَشَبُ: میت کو قبر میں رکھنے کے بعد لحد کو کچی اینٹوں سے بند کیا جائے اور لحد کو بند کرنے میں نرکل کا استعمال بھی کچی اینٹ کی طرح مستحب ہے پکی اینٹیں اور لکڑی کے تختے نہ بچھائے جائیں کیونکہ اینٹیں آگ میں پکی ہیں پس ان کا میت کے اوپر رکھنا تفاؤلاً مکروہ تحریمی ہے جیسا کہ اس کی قبر کے پاس آگ جلانا اور لیجانا تفاؤلاً

مکروہ تحریمی ہے کیونکہ پکی اینٹیں اور لکڑی زینت کیلئے استعمال ہوتی ہیں اور میت کو اس کی ضرورت نہیں ہے اور اگر زمین نرم اور کمزور ہو تو پکی اینٹوں یا لکڑی کے تختوں سے اس کی مدد کرنا مکروہ نہیں ہے۔

وَيُسَجّٰى قَبْرُهَا لَا قَبْرُهُ: عورت کا جنازہ ہو تو قبر میں اتارنے سے لیکر لحد کے بند کرنے تک کسی کپڑے وغیرہ سے قبر پر پردہ کئے رہیں اور یہی حکم خنثیٰ کیلئے بھی ہے یہ حکم بعض کے نزدیک استحباب کیلئے ہے اور بعض کے نزدیک وجوب کیلئے ہے اس میں تطبیق اس طرح ہے کہ اس میت مؤنث یا خنثیٰ کے بدن سے کوئی حصہ ظاہر ہونے کا ظن غالب ہو تو پردہ کرنا واجب ہے ورنہ مستحب ہے عورت کا جنازہ بھی ڈھکا رہے مرد کی قبر کو دفن کرتے وقت کپڑے وغیرہ سے نہ چھپائیں البتہ بارش اور گرمی وسردی وغیرہ عذر کی وجہ سے چھپانا جائز ہے

وَيُهَالُ التُّرَابُ: اور اس کے بعد قبر پر مٹی ڈالی جائے اس میں مضائقہ نہیں کہ مٹی ہاتھوں سے ڈالیں یا اور کسی طرح مسنون دو ڈالیں جو قبر سے نکلی ہے اس سے زیادہ کرنا مکروہ ہے پس اگر معمولی زیادتی کی ہے کہ جس سے قبر ایک بالشت یا معمولی زیادہ اونچی ہوئی ہو تو مکروہ تنزیہی ہے اور بہت زیادہ مکروہ تحریمی ہے اور اس کو اکھاڑ کر سنت کے مطابق کرنا ضروری ہے

وَيُسَنَّمُ الْقَبْرُ وَلَا يُرَبَّعُ وَلَا يُجَصَّصُ: مستحب ہے کہ قبر کو اونٹ کی کوہان کی صورت پر ڈھلوان ایک بالشت یا اس سے معمولی اونچی بنائی جائے اور پھر اس پر چوکونی نہ بنائی جائے یعنی مٹی کو پھیلا کر چوکور کی شکل نہ بنائی جائے کیونکہ حدیث میں اس کی ممانعت آئی ہے اس لیے بعض کے نزدیک یہ حکم وجوب کے طور پر ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ استحباب کیلئے ہے امام شافعی کے نزدیک مسطح (چوکور) افضل ہے لیکن احناف کے نزدیک یہ خلاف اولیٰ ہے۔ قبر کو گچ نہ کیا جائے یعنی چونے سے نہ بنایا جائے کیونکہ اس میں ایک طرح کی زینت اور تکلف ہے اور بلا ضرورت ہے اور مٹی سے قبر کو لیپنا بعض کے نزدیک مکروہ ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ مکروہ نہیں ہے پس جب قبر خراب ہو جائے تو اس کو مٹی سے لیپ دینے میں مضائقہ نہیں یہی اصح ہے۔

وَلَا يُخْرَجُ مِنَ الْقَبْرِ إِلَّا أَنْ تَكُوْنَ الْأَرْضُ مَغْصُوْبَةً: دفن کر دینے اور مٹی ڈالنے کے بعد مردہ کو قبر سے نکالنا بالاجماع جائز نہیں ہے مگر یہ کہ زمین غصب کی ہوئی ہو یعنی کسی کی زمین میں بغیر اجازت مالک میت کو دفن کر دیا اور اس زمین کا مالک اس مردہ کا اس میں دفن رہنا پسند نہ کرے یا وہ زمین جس میں میت دفن کی گئی ہے کسی نے شفعہ کے باعث دوسرے سے لے لی ہو اور یہ اس طرح ہے کہ کسی نے کوئی زمین خریدی اور اس میں اپنا کوئی مردہ دفن کیا پھر شفیع کو اس کے خریدنے کا علم ہوا اور وہ اس پر شفعہ کا دعویٰ کرے اور جیت کر اس کا مالک ہو اور وہ نہیں چاہتا کہ اس میں یہ مردہ رہے تو اس مالک کو اختیار ہے کہ چاہے تو میت کو نکالنے کا حکم دے اور چاہے تو زمین کو برابر کر کے اس پر کھیتی کرے کیونکہ زمین کا مالک زمین کے ظاہر اور باطن دونوں پر حق رکھتا ہے چاہے مردہ کو اندر رہنے دے اور صرف اوپر سے ہموار کر دے اور چاہے اندر بھی نہ رہنے دے اور اولیائے میت کو کہے کہ اپنا مردہ نکال لو اور اب ان اولیائے میت کو قبر کا کھولنا اور مردہ کا نکالنا بالاتفاق جائز ہے۔

بَابُ الشَّهِيْدِ

شہید کا بیان

<u>شہید کی تعریف واقسام:</u> مصنفؒ نے شہید کے احکام علیحدہ باب میں اس لئے ذکر کئے گئے ہیں کہ شہید کی موت دوسری اموات سے ہزار بار اچھا افضل ہے حتی کہ شہید فی سبیل اللہ کو مردہ کہنے سے منع کیا گیا ہے جنائز کے بعد شہید کا ذکر خاص بعد العام کے قبیل سے ہے جیسے قرآن پاک میں ملائکہ کے بعد جبرائیل اور میکائیل کا ذکر خاص طور پر کیا جاتا ہے۔ شہید بروزن فعیل بمعنی مفعول یعنی مشہود ہے اس لئے کہ جنت اس کے سامنے کی گئی ہے یعنی اس کیلئے جنت کی شہادت دی گئی ہے یا اس کی موت کے وقت اس کی بزرگی کی وجہ سے ملائکہ حاضر ہوتے ہیں یا بمعنی فاعل یعنی شاہد ہے کیونکہ وہ زندہ ہے اور اللہ کے پاس حاضر ہے۔ شہید کی تین قسمیں ہیں شہید کامل اس کو شہید دنیا و آخرت بھی کہتے ہیں اس لئے کہ دنیا میں بھی دفن وغیرہ میں عام موتی سے الگ بعض احکام جاری ہوتے ہیں اور آخرت میں بھی عام موتی سے ثواب وغیرہ کا امتیازی درجہ رکھتا ہے۔ (۲) شہید ناقص اس کو شہید آخرت بھی کہتے ہیں دنیا میں اس کے کفن دفن کے احکام عام موتیٰ کی طرح ہوتے ہیں اس لئے یہ شہید فقہی نہیں کہلاتا البتہ وہ آخرت میں شہید کا ثواب پائیگا۔ (۳) شہید دنیا یعنی صرف جو کسی دنیاوی غرض کیلئے قتال کرے اور اس کا مقصد اعلائے کلمۃ اللہ بالکل نہ ہو بلکہ حصول مال یا حصول جاہ وغیرہ ہو اور اس میں قتل ہو جائے دنیا میں اس پر شہید کے احکام جاری ہوں گے لیکن آخرت میں وہ عنداللہ شہید نہیں ہوگا یہاں شہید کامل کے احکام مذکور ہیں۔

هُوَ مَنْ قَتَلَهُ أَهْلُ الْحَرْبِ وَالْبَغْيِ وَقُطَّاعُ الطَّرِيْقِ أَوْ وُجِدَ فِي الْمَعْرَكَةِ وَبِهِ أَثَرٌ أَوْ قَتَلَهُ مُسْلِمٌ ظُلْمًا وَلَمْ تَجِبْ بِقَتْلِهِ دِيَةٌ فَيُكَفَّنُ وَيُصَلَّى عَلَيْهِ بِلَا غُسْلٍ إِلَّا مَا لَيْسَ مِنَ الْكَفَنِ وَيُزَادُ وَيُنْقَصُ وَيُغَسَّلُ إِنْ قُتِلَ جُنُبًا أَوْ صَبِيًّا أَوْ ارْتُثَّ بِأَنْ أَكَلَ أَوْ شَرِبَ أَوْ نَامَ أَوْ تَدَاوَى أَوْ مَضَى عَلَيْهِ وَقْتُ صَلَاةٍ وَهُوَ يَعْقِلُ أَوْ نُقِلَ مِنَ الْمَعْرَكَةِ أَوْ أَوْصَى أَوْ قُتِلَ فِي الْمِصْرِ وَلَمْ يُعْلَمْ أَنَّهُ قُتِلَ بِحَدِيْدَةٍ ظُلْمًا أَوْ قُتِلَ بِحَدٍّ أَوْ قَوَدٍ لَا لِبَغْيٍ وَقَطْعِ طَرِيْقٍ

ترجمہ: شہید وہ ہے جس کو کافروں باغیوں یا ڈاکوؤں نے قتل کر دیا ہو یا میدان جنگ میں پایا گیا ہو اور زخم کا نشان ہو یا مسلمان نے ظلماً مار ڈالا ہو اور دیت واجب نہ ہوئی ہو پس اس کو کفن دیا جائے اور بلا غسل نماز پڑھی جائے اور اس کے خون اور کپڑوں کے ساتھ دفن کر دیا جائے مگر جو کپڑے کفن سے نہ ہوں اور کمی بیشی کی جائے اور غسل دیا جائے اگر مارا گیا ہو ناپاکی کی حالت میں یا لڑکپن میں یا نفع اٹھایا ہو اس طور کہ کھایا پیا سویا ہو یا دوا کی ہو یا نماز کا وقت گزر گیا ہو اور وہ ہوش میں ہو یا میدان جنگ سے زندہ لایا گیا ہو یا اس نے وصیت کی ہو یا شہر میں مارا گیا ہو اور یہ معلوم نہ ہو کہ وہ ہتھیار سے ظلماً مارا گیا ہے یا حد یا قصاص کے قتل میں نہ کہ بغاوت اور راہزنی کے سبب سے۔

لغات: بغی: فساد، نافرمانی۔ قطاع الطریق: ڈاکو۔ معرکۃ: میدان جنگ۔ ارتث: ارتثاث لغۃً پرانا ہونا، شرعاً مجروح کا منافع زندگی حاصل کرنا۔ حدید: لوہا۔ قود: قصاص

هو من قتله أهل الحرب والبغي وقطاع الطريق أو وجد في المعركة وبه أثر أو قتله مسلم ظلما ولم تجب بقتله دية: فقہاء کی اصطلاح میں شہید اس کو کہتے ہیں جس کو کسی حربی کافر یا باغی یا راہزن نے کسی جارحہ کے ساتھ یا بغیر کسی جارحہ کے قتل کر دیا ہو یا میدان جنگ میں زخمی مردہ پایا گیا ہو یا کسی مسلمان نے ناحق کسی جارحہ سے قتل کر دیا ہو اور قتل سے دیت واجب نہ ہوئی ہو اور اس نے راحت دنیا سے نفع نہ اٹھایا ہو ایسے شہید کو شہید کامل کہتے ہیں اس کو غسل دیے بغیر خون کے ساتھ ہی دفن کر دیا جائے

فيكفن ويصلى عليه بلا غسل إلا ما ليس من الكفن ويزاد وينقص: شہید کو کفن بالاتفاق دیا جائیگا البتہ جو کپڑے پہنے ہوئے ہوں ان کپڑوں کو اس کے جسم سے نہ اتارے ان ہی خون آلود کپڑوں کے ساتھ دفن کر دے لیکن اگر شہید کے کپڑوں پر خون شہادت کے علاوہ کوئی اور نجاست لگی ہو تو اس کو دھو ڈالے اگر اس کے کپڑے عدد مسنون سے کم ہوں تو عدد مسنون پورا کرنے کیلئے اور کپڑے بڑھا کر کفن پورا کر دیا جائے اور اگر کفن عدد سنت سے زیادہ ہو تو زائد کو اتار کر عدد مسنون کے مطابق کر دیا جائے اور جو چیزیں جنس کفن سے نہیں ہیں وہ اس کے بدن سے نکال لی جائیں جیسے ہتھیار اور پوستین اور زرہ وغیرہ شہید کے سب کپڑے اتار کر نئے کپڑے دینا مکروہ ہے باقی احکام میں شہید کا بھی وہی حکم ہے جو عام موتی کا ہے یعنی اس پر نماز جنازہ پڑھی جائیگی اور مردوں کی طرح شہید کو بھی خوشبو لگائی جائیگی لیکن غسل نہیں دیا جائیگا اور امام شافعی فرماتے ہیں کہ شہید کی نماز جنازہ نہیں پڑھی جائیگی کیونکہ نماز جنازہ در حقیقت میت کیلئے سفارش اور دعا ہے اور تلوار جو شہید پر چلائی گئی ہے وہ اس کے گناہوں کو مٹا دیتی ہے پس جب تلوار نے شہید کے گناہوں کو مٹا دیا تو اس کیلئے سفارش اور دعا کی کوئی ضرورت نہیں رہی اس لئے کہا گیا کہ شہید پر نماز جنازہ نہ پڑھی جائے امام شافعی کی دلیل کا جواب یہ ہے کہ میت پر نماز جنازہ فقط دعا کے طور پر نہیں ہے بلکہ دعا کے علاوہ میت کی تکریم و تعظیم کا اظہار کرنا بھی ہوتا ہے اور شہید تکریم کا زیادہ مستحق ہوتا ہے اس لئے دیگر موتی کی طرح شہید کی بھی نماز پڑھی جائیگی۔

جنبی شہید کو غسل دینا

ويغسل إن قتل جنبا أو صبيا: جنبی مسلمان اگر شہید ہو جائے تو امام صاحبؒ کے نزدیک اس کو غسل دیا جائیگا اور صاحبینؒ کے نزدیک غسل جنابت کی وجہ سے واجب تھا وہ موت سے ساقط ہو گیا کیونکہ موت کی وجہ سے وہ غسل جنابت کا مکلف ہونے سے نکل گیا ہے اور دوسرا غسل میت شہادت کی وجہ سے واجب نہیں ہوا کیونکہ شہادت وجوب غسل سے مانع ہے اس پر نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اس پر فرشتوں نے انہیں غسل دیا ہے تو نبی کریم ﷺ نے اس حدیث میں اشارہ کیا ہے کہ غسل دینے کی وجہ جنابت ہے اور اس کی حکمت یہ ہے کہ شہادت موت کی ناپاکی کو جسم میں داخل ہونے سے روکتی ہے مگر پہلے سے موجود ناپاکی کو ختم

لئے حد یا قصاص میں قتل ہونے والے کو شہداء احد کے ساتھ دفن کیا جائیگا۔

لا یصلی علی باغ وقاطع طریق : اور اگر کوئی باغی یا ڈاکو قتل کر دیا گیا تو ہمارے نزدیک اس کی نماز پڑھی جائے اور امام شافعی کے ہاں اس کی نماز نہ پڑھی جائیگی کیونکہ باغی اور ڈاکو مومن ہے۔ حق واجب کی وجہ سے قتل کیا گیا ہے پس یہ اس شخص کی مانند ہو گیا جو رجم یا قصاص میں قتل کیا گیا ہے لہذا باغی اور ڈاکو مقتول ہو تو اس کی نماز بھی پڑھی جائیگی ہماری دلیل یہ ہے کہ حضرت علیؓ نے خوارج کو نہ غسل دیا تھا نہ ان کی نماز پڑھی تھی دراصل جبکہ خوارج باغی ہیں حضرت علیؓ سے کہا گیا کیا خوارج کافر ہیں حضرت علیؓ نے فرمایا نہیں لیکن ہمارے بھائی ہیں ہم پر بغاوت کی ہے اس سے معلوم ہوا کہ باغیوں اور ڈاکوؤں کو غسل نہ دینا اور نہ نماز پڑھنا ان کو سزا دینے کیلئے اور دوسروں کو تنبیہ کرنے کیلئے

بَابُ : الصَّلاۃُ فِی الْکَعْبَۃِ

خانہ کعبہ میں نماز پڑھنے کا بیان

صَحَّ فَرْضٌ وَنَفْلٌ فِیْهَا وَفَوْقَهَا وَمَنْ جَعَلَ ظَهْرَهٗ اِلٰی ظَهْرِ اِمَامِهٖ فِیْهَا صَحَّ وَاِلٰی وَجْهِهٖ لَا وَاِنْ تَحَلَّقُوْا حَوْلَهَا صَحَّ لِمَنْ هُوَ اَقْرَبُ اِلَیْهَا مِنَ الْاِمَامِ اِنْ لَمْ یَکُنْ فِیْ جَانِبِهٖ

ترجمہ: کعبہ میں اور اس کے اوپر فرض اور نفل دونوں درست ہیں اور جو شخص کعبہ میں اپنی پیٹھ امام کی پیٹھ کی طرف کرے تو صحیح ہے اور چہرہ کی طرف کرے تو صحیح نہیں اور اگر مقتدی کعبہ کے گرد حلقہ بنائیں تو اس شخص کی نماز صحیح ہے جو اپنے امام کی نسبت کعبہ کے زیادہ قریب ہو بشرطیکہ امام کی طرف نہ ہو

صح فرض ونفل فیها وفوقها: جمہور علماء کرام کے نزدیک کعبہ کے اندر نماز جائز ہے خواہ نفل ہو یا فرض دراصل کعبہ میں نماز پڑھنے کے بارے میں روایات متعارض ہیں حضرت بلالؓ کی روایت کردہ حدیث میں ہے کہ آپ نے داخل ہونے کے بعد وہاں نماز بھی پڑھی جبکہ ابن عباسؓ اور فضل بن عباسؓ کی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے وہاں نماز نہیں پڑھی بلکہ صرف تکبیر کہی ہے۔ جمہور نے حضرت بلالؓ کی روایت کو ترجیح دی ہے اول تو اس لئے کہ حضرت بلالؓ کی روایت مثبت ہے اور ابن عباسؓ کی روایت نافی دوسری بات یہ ہے کہ بلالؓ کعبہ میں داخل ہوتے وقت آنحضرت ﷺ کے ساتھ تھے جبکہ ابن عباسؓ ساتھ نہیں تھے البتہ امام مالکؒ کے نزدیک نوافل جائز ہیں اور فرائض مکروہ کیونکہ نمازی لازماً کعبہ کے اندر ایک ہی جانب منہ کر کے کھڑا ہوگا جس سے لامحالہ طور پر کعبہ کی دوسری دیوار کی جانب اس کی پشت ہوگی اور ایسی حالت میں جب کہ کعبہ کی طرف پیٹھ ہو رہی ہو نماز درست نہیں ہوتی لہذا احتیاطاً فرائض یہاں ادا نہ کئے جائیں رہے نوافل تو ان میں چونکہ بہت وسعت ہے لہذا ان کا پڑھنا جائز ہے دوسری بات یہ ہے کہ نوافل میں اثر وارد ہے اس لئے تو نفل میں قیاس کو ترک کر دیا گیا اسی طرح بیت اللہ کی چھت پر بھی نماز

پڑھنا ہمارے نزدیک جائز ہے اگرچہ سترہ نہ ہو اور امام شافعیؒ کے نزدیک سترہ کے بغیر نماز درست نہ ہوگی کیونکہ نماز میں کعبہ کی طرف منہ کرنا فرض ہے اور چونکہ کعبہ زمین کے قطعے اور عمارت دونوں کا نام ہے لہٰذا یہاں اس شرط کا فقدان پایا گیا ہے البتہ اگر اس کے سامنے سترہ ہو تو نماز درست ہو جائے گی اس لئے کہ سترہ بیت اللہ کے توابع میں سے ہے اور وہ اس صورت میں معنوی طور پر بیت اللہ شریف کے کسی جزء کی جانب منہ کرنے والا شمار ہوگا ہماری دلیل یہ ہے کہ کعبہ اس قطعۂ زمین کا ہی نام ہے جہاں کعبہ واقع ہے خواہ وہاں کوئی عمارت ہو یا نہ ہو علاوہ ازیں اس لئے بھی کہ بیت اللہ شریف کی عمارت فی نفسہٖ تو کسی قسم کی حرمت و تعظیم نہیں رکھتی جس کی دلیل یہ ہے کہ اگر اس عمارت کو کسی اور جگہ منتقل کر کے کھڑا کر دیا جائے تو ادھر منہ کر کے نماز پڑھنا درست نہ ہوگا کیونکہ اس کی عزت و حرمت تو فقط اس وقت تک ہے جب تک وہ خانہ کعبہ کے قابل احترام قطعۂ زمین کے ساتھ متصل ہے یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی شخص جبل ابوقبیس پر کھڑے ہو کر نماز ادا کرے تو اس کی نماز بالاجماع جائز ہوگی حالانکہ یہاں یہ بات مسلّم ہے کہ اس نے بیت اللہ کی دیواروں کی جانب رخ نہیں کیا بلکہ اس نے اوپر فضاء کی جانب منہ کیا ہے تو اس سے پتہ چلا کہ اصل اعتبار بیت اللہ کی جگہ اور اس کے اوپر کی فضاء کا ہے نہ کہ خاص عمارت کا البتہ کعبہ کی چھت پر نماز پڑھنا مکروہ ہے کیونکہ اس میں ترک تعظیم ہے دوسری وجہ یہ ہے کہ آپ نے کعبۃ اللہ کی چھت پر نماز پڑھنے سے منع فرمایا۔ (ترمذی)

کعبہ میں جماعت کے ساتھ نماز کا حکم

وَمَنْ جَعَلَ ظَهْرَهُ إِلَى ظَهْرِ إِمَامِهِ فِيهَا صَحَّ وَإِلَى وَجْهِهِ لا : جو شخص خانہ کعبہ میں نماز پڑھتے وقت اپنی پیٹھ امام کی طرف کرے تو اس کی نماز صحیح ہے کیونکہ وہ خود قبلہ کی طرف متوجہ ہے اور اس کو اپنے امام کے بارے میں غلطی کا اعتقاد نہیں لیکن اگر وہ اپنی پیٹھ امام کے چہرے کی طرف کرے تو نماز نہیں ہوگی کیونکہ اس صورت میں وہ امام سے آگے بڑھ گیا۔

وَإِن تَحَلَّقُوا حَوْلَهَا صَحَّ لِمَنْ هُوَ أَقْرَبُ إِلَيْهَا مِنَ الْإِمَامِ إِن لَّمْ يَكُنْ فِي جَانِبِهِ : اور اگر خانہ کعبہ کے اردگرد مقتدی حلقہ بنا کر نماز پڑھیں تو یہ بھی صحیح ہے اور جو شخص امام کی بہ نسبت خانہ کعبہ سے زیادہ قریب ہو اس کی نماز صحیح ہو جائے گی بشرطیکہ امام کی جانب میں نہ ہو کیونکہ اس صورت میں وہ حکماً امام سے پیچھے ہے اور اگر وہ شخص اسی طرف ہے جس طرف امام ہے تو اس کی نماز نہ ہوگی کیونکہ اس صورت میں وہ امام سے آگے بڑھ گیا۔

منقطع ہو جائے اور یہ مالک بنانا خالصۃً اللہ تعالیٰ کی رضا کیلئے ہو پہلی قید تملیک ہے یعنی مالک بنانا ضروری ہے لہٰذا اباحت سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی کیونکہ اللہ تعالیٰ کے قول ﴿وَآتُوا الزَّكَاةَ﴾ میں لفظ ایتاء ہے اور ایتاء تملیک کو ہی کہتے ہیں علامہ عینی اور علامہ زیلعیؒ نے اعتراض کیا ہے کہ مصنف کو "تملیک المال" کے بعد "لا بدلہ" کی قید ضرور ذکر کرنی چاہئے تھی یعنی اس کو ایسے طریقہ پر مالک بنایا جائے جو از روئے شرع ضروری ہے جواب: علامہ ابن نجیمؒ فرماتے ہیں کہ مصنفؒ نے فقیر کے ساتھ مسلم کی قید بطور شرط کے ذکر کی ہے اور مسلمان ہونا کفارہ میں شرط نہیں ہے لہٰذا قید زائد کی ضرورت نہیں اور "المال" میں الف لام عہد کا ہے اس سے مراد جزو مال جس کو شریعت نے مقرر کیا ہے۔

اباحت اور تملیک میں فرق

فائدہ: اباحت اور تملیک میں فرق: ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ اباحت سے اس چیز کا صرف کام میں لانا مباح ہو جاتا ہے یہ نہیں کہ اس میں جو تصرف چاہے کر سکے اور تملیک سے سب طرح کے تصرف کا اختیار ہوتا ہے مثلاً اگر کسی یتیم کو کھانا مباح کیا تو اس کو صرف اس کے کھا لینے کا اختیار ہے اور کسی تصرف کا نہیں اور اگر مالک کر دیا تو اب چاہے وہ خود کھائے یا دوسروں کو دے یا بیچ ڈالے اس کو ہر طرح اختیار ہے پس زکوٰۃ دینے میں کھانا دینا اگر مالک بنا دینے کے طور پر ہو تو درست و کافی ہے اور اگر زکوٰۃ کی نیت سے اپنے پاس اس کو کھلایا تو کافی نہیں ہے، دوسری قید فقیر ہے اس سے غنی خارج ہو گیا، تیسری قید مسلم ہے اس سے کافر خارج ہو گیا کہ ان دونوں کو زکوٰۃ دینے سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی، چوتھی قید غیر ہاشمی ہے اس سے بنی ہاشم خارج ہو گئے کہ ان کو مالک بنانے سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔

فائدہ: بنی ہاشم سے مراد حضرت علیؓ حضرت عباسؓ حضرت جعفرؓ و حضرت عقیلؓ اور حضرت حارثؓ بن عبد المطلب کی اولاد ہے اور ان کے علاوہ جو دیگر بنی ہاشم ہیں ان کو زکوٰۃ کا مال دینا جائز ہے جیسے ابو لہب کی اولاد اس لئے کہ انہوں نے نبی ﷺ کی مدد نہیں کی۔

وَلَا مَوْلَاهُ: پانچویں قید، بنو ہاشم کا آزاد غلام بھی نہ ہو کیونکہ اس کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے۔

بِشَرْطِ قَطْعِ الْمَنْفَعَةِ عَنِ الْمُمَلِّكِ مِنْ كُلِّ وَجْهٍ لِلّٰهِ تَعَالٰى: چھٹی قید اس قید سے اس طرف اشارہ کیا گیا کہ زکوٰۃ دینے والا اپنی زکوٰۃ اپنے اصول والد دادا والدہ وغیرہم اور اپنے فروع بیٹا پوتا اور نواسا وغیرہم کو نہیں دے سکتا اسی طرح کوئی اور شخص اپنے ملازم کو تنخواہ میں زکوٰۃ نہیں دے سکتا کیونکہ اس میں زکوٰۃ دہندہ کی ذاتی غرض پائی جاتی ہے۔

شرائط وجوب زکوٰۃ

وَشَرْطُ وُجُوبِهَا الْعَقْلُ وَالْبُلُوْغُ وَالْإِسْلَامُ وَالْحُرِّيَّةُ وَمِلْكُ نِصَابٍ حَوْلِيٍّ فَارِغٍ عَنِ الدَّيْنِ وَحَاجَتِهِ الْأَصْلِيَّةِ نَامٍ وَلَوْ تَقْدِيْرًا: یہاں واجب سے مراد فرض ہے کیونکہ زکوٰۃ کا ثبوت دلیل قطعی سے ہے اور اس کے ثبوت میں ذرا برابر شبہ نہیں ہے اور جس چیز کا ثبوت دلیل قطعی سے ہو اور اس میں کوئی شبہ نہ ہو تو وہ فرض ہوتی ہے نہ کہ واجب اور زکوٰۃ کے فرض ہونے کی مصنفؒ نے نو شرطیں ذکر کی ہیں جن میں سے پہلی پانچ کا تعلق صاحب مال سے ہے اور باقی چار کا تعلق مال سے ہے

(۱) عاقل ہونا (۲) بالغ ہونا پس مجنون اور بچہ پر زکوٰۃ نہیں جیسا کہ ان پر نماز فرض نہیں نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: رفع القلم عن ثلاثة النائم حتى يستيقظ وعن الصبي حتى يحتلم وعن المجنون حتى يعقل (ابوداؤد) امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ ان پر بھی زکوٰۃ فرض ہے کیونکہ زکوٰۃ مالی حق ہے پس جس طرح دیگر نفقات وغرامات عشر وخراج اور صدقہ فطرہ وغیرہ کی ادائیگی ان کیلئے ضروری ہے اسی طرح زکوٰۃ بھی ضروری ہوگی ہماری طرف سے اس کا جواب یہ ہے کہ زکوٰۃ عبادت ہے پس اس کی ادائیگی ان کیلئے ضروری ہے اسی طرح زکوٰۃ بھی ضروری ہوگی ہماری طرف سے اس کا جواب یہ ہے کہ زکوٰۃ عبادت ہے پس اس کی ادائیگی بلا اختیار نہیں ہو سکتی اور بچے اور مجنون کو عقل کے فقدان کی وجہ سے اختیار نہیں ہے لہذا ان پر زکوٰۃ فرض نہیں بخلاف نفقات غرامات کے کہ وہ حقوق العباد میں سے ہیں اور بخلاف عشر وخراج کے کہ وہ مؤنت ارضی ہے اور بخلاف صدقۂ فطر کے کہ وہ عبادت محضہ نہیں ہے (۳) مسلمان ہونا پس کافر پر زکوٰۃ فرض نہیں ہے کیونکہ وہ فروع اسلام کا مخاطب نہیں ہے خواہ وہ کافر اصلی ہو یا مرتد ہو پس اگر کوئی مرتد اسلام لایا تو وہ اپنے مرتد ہونے کے زمانے کی عبادات میں سے کسی چیز کا مخاطب نہیں ہے اور اسلام جیسے کہ واجب ہونے کی شرط ہے ایسے ہی ہمارے نزدیک زکوٰۃ کے باقی رہنے کی بھی شرط ہے پس اگر زکوٰۃ کے واجب ہونے کے بعد مرتد ہو گیا تو زکوٰۃ ساقط ہو جائیگی (۴) آزاد ہونا پس غلام پر زکوٰۃ واجب نہیں اگرچہ ماذون ہو اور یہی حکم مدبر اور ام ولد اور مکاتب کا ہے پس غلام پر اس لئے زکوٰۃ فرض نہیں کہ وہ مال اس کی ملکیت نہیں ہے اور مکاتب وغیرہ پر اس لئے فرض نہیں کہ اگرچہ وہ اس مال کے مالک ہیں لیکن ان کی ملکیت کامل نہیں ہوتی (۵) مال بقدر نصاب کا مالک ہونا پس اگر نصاب سے کم مالک ہوگا تو اس پر زکوٰۃ فرض نہیں ہوگی اور نصاب کی مقدار شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خود مقرر فرمائی جس کی تفصیل آگے آرہی ہے مذکورہ بالا پانچ شرطوں کا تعلق صاحب مال سے ہے (۶) اور نصاب حولی ہو حولی میں یا نسبت کی ہے یعنی جس پر سال گذر چکا ہو اس کو حولی کہتے ہیں اور زکوٰۃ میں قمری سال کا اعتبار ہے یعنی وہ سال جو چاند کے مہینوں سے پورا ہو (۷) مال نصاب کا دین سے فارغ ہونا اس لئے کہ وہ مال دین کے ذمہ دین ہونے کی وجہ سے تقدیراً اس کی حاجت اصلیہ میں مشغول ہے پس وہ نہ ہونے کے حکم میں ہے (۸) مال حاجت اصلیہ سے فارغ یعنی زائد ہو اس لئے کہ جو مال اس کی حاجت اصلیہ میں مشغول ہوگا وہ نہ ہونے کی مانند ہے۔ حاجت اصلیہ اس کو کہتے ہیں کہ جس سے انسانی ہلاکت اور تکلیف دور ہو خواہ حقیقۃً خواہ تقدیراً حاجات اصلیہ مثلاً روزمرہ کا خرچ اور رہنے کے گھر سامان جنگ سردی و گرمی کے کپڑے پیشہ وروں کے اوزار سامان خانہ داری سواری کے جانور اہل علم کیلئے علمی کتب وغیرہ (۹) مال کا نامی یعنی بڑھنے والا ہونا خواہ حقیقۃً بڑھنے والا ہو یعنی توالد و تناسل اور تجارت سے بڑھنے والا ہو یا تقدیراً یعنی حکماً بڑھنے والا ہو یعنی حقیقت میں تو بڑھنے والا نہ ہو لیکن وہ بڑھنے والے کے حکم میں ہو اس طرح کہ اگر مالک اس کو بڑھانا چاہے تو وہ ایسا کر سکتا ہے کیونکہ مال اس کے پاس یا اس کے نائب کے قبضے میں ہے۔

فائدہ: زکوٰۃ فرض ہونے کیلئے ایک اور شرط بھی ہے جس کو مصنف نے ذکر نہیں کیا وہ یہ ہے کہ بقدر نصاب مال کا پورے طور پر

مالک ہو اور پوری ملکیت یہ ہے کہ اس مال پر ملکیت اور قبضہ دونوں پائے جائیں اور اگر ملکیت ہو اور قبضہ نہ ہو تو جیسا کہ عورت کا مہر قبضہ سے پہلے یا قبضہ ہو اور ملکیت نہ ہو جیسا کہ مکاتب اور مقروض کی ملکیت تو ان پر زکوٰۃ واجب نہ ہوگی (حاشیہ)

کل مال صدقہ کرنے سے زکوٰۃ ساقط ہونے کا بیان

وَشَرْطُ اَدَائِهَا نِيَّةٌ مُقَارِنَةٌ لِلْاَدَاءِ اَوْ لِعَزْلِ مَا وَجَبَ اَوْ تَصَدُّقٌ بِكُلِّهٖ : ادائیگی زکوٰۃ کیلئے نیت شرط ہے اگر بلا نیت زکوٰۃ کوئی شخص سارا مال خیرات کرتا، ہا تو زکوٰۃ ادا نہ ہوگی اور یہ بھی شرط ہے زکوٰۃ ادا کرتے وقت نیت کی جائے یا مال زکوٰۃ علیحدہ کرتے وقت اگر ان دو موقعوں میں سے کسی میں نیت نہ کی اور یونہی مال دے دیا تو جب تک وہ مسکین کی ملک میں ہے زکوٰۃ کی نیت کر سکتا ہے اس کی ملک سے نکل گیا تو اب نیت کا کچھ اعتبار نہیں اور اگر سال پورا ہونے پر کل نصاب بلا نیت زکوٰۃ صدقہ کر دیا تو زکوٰۃ ساقط ہو جائیگی۔

بَابُ صَدَقَةِ السَّوَائِمِ

سوائم کی زکوٰۃ کا بیان

آپ ﷺ کے خطوط کی اقتداء کرتے ہوئے مصنف ؒ نے اموال زکوٰۃ کی تفصیل کا آغاز سوائم سے فرمایا اور پھر سوائم میں بھی اونٹ کی زکوٰۃ کو مقدم فرمایا کیونکہ آپ ﷺ کے خطوط میں بھی سب سے پہلے اونٹ کی زکوٰۃ کا بیان ہے دوسری وجہ یہ ہے کہ عرب کے نزدیک سب سے زیادہ قیمتی مال اونٹ شمار کئے جاتے تھے

هِيَ الَّتِيْ تَكْتَفِيْ بِالرَّعْيِ فِيْ اَكْثَرِ السَّنَةِ وَيَجِبُ فِيْ خَمْسٍ وَعِشْرِيْنَ اِبِلًا بِنْتُ مَخَاضٍ وَفِيْمَا دُوْنَهٗ فِيْ كُلِّ خَمْسٍ شَاةٌ وَفِيْ سِتٍّ وَثَلَاثِيْنَ بِنْتُ لَبُوْنٍ وَفِيْ سِتٍّ وَاَرْبَعِيْنَ حِقَّةٌ وَفِيْ اِحْدٰى وَسِتِّيْنَ جَذَعَةٌ وَفِيْ سِتٍّ وَسَبْعِيْنَ بِنْتَا لَبُوْنٍ وَفِيْ اِحْدٰى وَتِسْعِيْنَ حِقَّتَانِ اِلٰى مِائَةٍ وَعِشْرِيْنَ ثُمَّ فِيْ كُلِّ خَمْسٍ شَاةٌ اِلٰى مِائَةٍ وَخَمْسٍ وَاَرْبَعِيْنَ فَفِيْهَا حِقَّتَانِ وَبِنْتُ مَخَاضٍ وَفِيْ مِائَةٍ وَخَمْسِيْنَ ثَلَاثُ حِقَاقٍ ثُمَّ فِيْ كُلِّ خَمْسٍ شَاةٌ وَفِيْ مِائَةٍ وَخَمْسٍ وَسَبْعِيْنَ ثَلَاثُ حِقَاقٍ وَبِنْتُ مَخَاضٍ وَفِيْ مِائَةٍ وَسِتٍّ وَثَمَانِيْنَ ثَلَاثُ حِقَاقٍ وَبِنْتُ لَبُوْنٍ وَفِيْ مِائَةٍ وَسِتٍّ وَتِسْعِيْنَ اَرْبَعُ حِقَاقٍ اِلٰى مِائَتَيْنِ ثُمَّ تُسْتَاْنَفُ الْفَرِيْضَةُ اَبَدًا كَمَا بَعْدَ مِائَةٍ وَخَمْسِيْنَ وَالْبُخْتُ كَالْعِرَابِ

ترجمہ: سوائم وہ ہیں جو اکثر سال چرنے پر گزارہ کریں اور پچیس اونٹوں میں ایک بنت مخاض واجب ہے اور اس سے کم کے اندر ہر پانچ میں ایک بکری ہے چھتیس میں بنت لبون اور چھیالیس میں ایک حقہ اور اکسٹھ میں ایک جذعہ اور چھہتر میں دو بنت لبون اور اکیانوے میں دو حقے ایک سو بیس تک پھر پانچ میں ایک بکری ہے ایک سو پینتالیس تک پس اس میں دو حقے اور ایک بنت مخاض ہے اور ایک سو پچاس میں تین حقے ہیں

پھر ہر پانچ میں ایک بکری ہے اور ایک سو پچھتر میں تین حقے اور ایک بنت مخاض ہے اور ایک سو چھیاسی میں تین حقے اور ایک بنت لبون ہے اور ایک سو چھیانوے میں چار حقے ہیں دو سو تک پھر نیا حساب کیا جائیگا جیسے ایک سو پچاس کے بعد کیا جاتا ہے بختی اونٹ عربی کی طرح ہے۔

لغات: سوائم: جمع سائمہ، چرنے والا جانور۔ الرعی: گھاس چرنا۔ بنت مخاض: وہ اونٹنی جو ایک سال پورا کرنے کے بعد دوسرے میں قدم رکھ چکی ہو۔ شاۃ: بکری۔ بنت لبون: دو سال پورا کرنے کے بعد تیسرے میں قدم رکھ چکی ہو۔ حقۃ: وہ اونٹنی جو تین سال پورا کرکے چوتھے سال میں قدم رکھ چکی ہو۔ جذعۃ: وہ اونٹنی جو چار سال پورے کرکے پانچویں سال میں قدم رکھ چکی ہو۔ تستانف: از سر نو کرنا۔ بخت: یہ بختی کی جمع ہے بخت نصر کی طرف منسوب ہے اونٹ جو عربی اور عجمی دونوں کی نسل سے پیدا ہو۔ عراب: جمع عربی خالص عربی النسل اونٹ۔

سائمہ کا لغوی و شرعی معنی

هِيَ الَّتِي تَكْتَفِي بِالرَّعْيِ فِي أَكْثَرِ السَّنَةِ : سائمہ کا لغوی معنی ہے چرنے والا جانور اور اس کا شرعی معنی ہے وہ جانور جو سال کا اکثر حصہ مباح چرائی پر یعنی جس چرائی میں مالک کو کچھ دینا نہ پڑے اکتفا کرے پس اس گھاس کا جس کو وہ چرے مباح ہونا ضروری ہے اس لئے کہ گھاس غیر مباح یعنی کسی کی ملکیت بھی ہوتی ہے اور اس کے چرنے سے وہ جانور سائمہ نہیں ہوتا پس سائمہ وہ جانور ہیں جو کہ دودھ حاصل کرنے و افزائش نسل کیلئے جنگلوں میں چرائے جائیں ایسے چرنے والے جانوروں میں خواہ نر ہوں یا مادہ یا ملے ہوئے ہوں سب میں زکوۃ واجب ہے اور اگر ان کو باربرداری یا سواری کیلئے چرائیں دودھ و نسل بڑھانے کیلئے نہ ہوں تو ان میں زکوۃ نہیں ہے اس لئے کہ وہ پہننے کے کپڑے اور خدمت کے غلام کی مانند ہیں اور اسی طرح اگر ان کو گوشت کیلئے چرائیں تو ان میں بھی زکوۃ نہیں ہے اور گوشت سے مراد یہ ہے کہ ان کو اس لئے چرائے کہ وہ اور اس کے مہمان ان کا گوشت کھائیں گے وہ ایسا ہے گویا کہ اس نے ان کو باربرداری یا سواری کیلئے چرایا ہے اور اگر ان جانوروں کو تجارت کیلئے چرائے تو پھر یہ اموال تجارت کے حکم میں ہوں گے ان کی قیمت لگا کر ہر دو سو درہم میں پانچ درہم واجب ہوں گے:

وَيَجِبُ فِي خَمْسٍ وَعِشْرِينَ إِبِلًا بِنْتُ مَخَاضٍ .... ثُمَّ تُسْتَأْنَفُ الْفَرِيضَةُ أَبَدًا كَمَا بَعْدَ مِائَةٍ وَخَمْسِينَ : سائمہ اونٹوں کا نصاب پانچ ہے پس چوبیس تک ہر پانچ میں ایک بکری ہے اور ۲۵ میں بنت مخاض اور ۳۶ میں بنت لبون اور ۴۶ میں ایک حقہ اور ۶۱ میں ایک جذعہ اور ۷۶ میں دو بنت لبون اور ۹۱ میں ۱۲۰ تک دو حقے اس کے بعد از سر نو حساب کیا جائیگا پس ہر ۵ میں ایک بکری ہوگی ۱۴۵ تک اور ۱۴۵ میں دو حقے ایک بنت مخاض اور ۱۵۰ میں تین حقے اس کے بعد پھر استیناف ہوگا اور ہر پانچ میں ایک بکری ہو کر ۱۷۵ میں تین حقے ایک بنت مخاض ہوگی اور ۱۸۶ میں تین حقے اور بنت لبون اور ۱۹۶ میں چار حقے ۲۰۰ تک اس کے بعد پھر اسی طرح حساب ہوگا جس طرح ڈیڑھ سو کے بعد پچاس میں ہوا تھا پس ۲۰۵ میں چار حقے ایک بکری اور ۲۱۰ میں چار حقے دو بکری اور ۲۱۵ میں چار حقے ایک بنت مخاض اور ۲۲۶ میں چار حقے ایک بنت لبون اور ۲۳۶ میں پانچ

پھر اسی طرح ساٹھ میں دو تبیع اور ستر میں ایک مسنہ اور تبیع اور اسی میں دو مسنے ہیں یعنی فریضہ بدلتا رہیگا ہر دہائی پر تبیع سے مسنہ کی طرف اور
بھینس کا حکم زکوۃ میں گائے کی طرح ہے۔

لغات: بقرة: بقر سے مشتق ہے جس کے معنی پھاڑنے کے ہیں اور چونکہ بقر کا نام بقر اس لئے رکھا گیا کہ وہ زمین کو پھاڑ دیتا ہے، "بقرة" میں "تا" وحدت کیلئے ہے نہ کہ تانیث کیلئے لہذا "بقرة" نر و مادہ دونوں پر واقع ہوگا۔ تبیع: گائے کا ایک سالہ بچہ اور "تبیعة" ایک سالہ مادہ بچہ اس کو تبیع و تبیعہ اس لئے کہتے ہیں کہ یہ اپنی ماں کے تابع ہوتا ہے اسی کے پیچھے پیچھے پھرتا رہتا ہے۔
مسن: نر دو سالہ بچہ اور مسنة مادہ دو سالہ بچہ

فی ثلاثین بقرة تبیع ذو سنة او تبیعة وفی اربعین مسن ذو سنتین او مسنة : مصنف نے بقر کی زکوۃ کو غنم کی زکوۃ پر مقدم کیا ہے اس لئے کہ ضخامت میں اونٹ کے قریب ہے حتی کہ یہ بدنہ میں شامل ہے تیس سے کم گائے میں زکوۃ نہیں ہے پس جب تیس گائے بھینس چرنے والی ہوں تو اس میں ایک سالہ بچھڑا یا بچھڑی ہے اور چالیس گائے چرنے والی ہوں تو اس میں دو سالہ بچھڑا یا بچھڑی ہے۔

وفیما زاد بحسابه الی ستین : پھر جب چالیس سے زائد ہوں تو اس میں امام صاحبؒ سے تین روایات ہیں پہلی روایت جو مبسوط کی روایت ہے اور یہی متن میں مذکور ہے یہ ہے کہ چالیس سے ساٹھ تک جو زائد ہو اس میں اسی حساب سے زکوۃ ہوگی یعنی ایک زائد ہو تو مسن کا چالیسواں حصہ اور دو زائد ہوں تو مسن کا بیسواں حصہ دوسری روایت امام صاحبؒ سے حسن بن زیادؒ کی ہے کہ چالیس سے زائد میں کچھ نہیں جب تک کہ پچاس کو نہ پہنچ جائیں، پچاس میں ایک مسن اور اس کا چوتھائی حصہ واجب ہے تیسری روایت یہ ہے کہ چالیس سے زائد میں ساٹھ تک کوئی زکوۃ نہیں ہے اسی کے قائل صاحبینؒ اور ائمہ ثلاثہؒ ہیں صاحب بحر اور صاحب درمختار نے اسی کو مفتی بہ قول قرار دیا ہے۔

ففیها تبیعان وفی سبعین مسنة وتبیع وفی ثمانین مسنتان فالفرض یتغیر فی کل عشر من تبیع الی مسنة والجاموس کالبقر: مصنفؒ فرماتے ہیں کہ ساٹھ میں دو تبیعے ہیں اور ستر میں ایک مسنہ اور تبیعہ ہے اور اسی میں دو مسنے ہیں اور اس کے بعد ہر دس میں تبیع سے مسنہ اور مسنہ سے تبیع کی طرف فریضہ بدلتا رہے گا۔

فصل

بھیڑ بکری کی زکوۃ کا بیان

فی اربعین شاة شاة وفی مائة واحدی وعشرین شاتان وفی مائتین وواحدة ثلاث شیاه وفی اربع مائة اربع شیاه ثم فی کل مائة شاة والمعز کالضأن ویؤخذ الثنی فی زکاتها لا الجذع۔

ترجمہ: چالیس بکریوں میں ایک بکری اور ایک سو اکیس میں دو بکریاں اور دو سو ایک میں تین بکریاں اور چار سو میں چار بکریاں پھر ہر سو میں ایک بکری ہے اور بھیڑ حکم زکوٰۃ میں بکری کی طرح ہے اور زکوٰۃ میں ثنی لیا جائیگا نہ جذع

لغات: الغنم: بکریاں۔ شیاہ: ج شاۃ: بکری۔ معز: بکری اسم جنس ہے۔ ضان: بھیڑ، دنبہ

فِي أَرْبَعِينَ شَاةً شَاةٌ وَفِي مِائَةٍ وَإِحْدَى وَعِشْرِينَ شَاتَانِ وَفِي مِائَتَيْنِ وَوَاحِدَةٍ ثَلَاثُ شِيَاهٍ وَفِي أَرْبَعِ مِائَةٍ أَرْبَعُ شِيَاهٍ ثُمَّ فِي كُلِّ مِائَةٍ شَاةٌ وَالْمَعْزُ كَالضَّأْنِ : بھیڑیں اور بکریاں جو چرنے والی ہوں تو ان میں چالیس سے کم میں زکوٰۃ نہیں ہے اور جب چالیس چرنے والی ہوں اور ان پر ایک سال گزر جائے تو ایک بھیڑ یا بکری واجب ہوگی ایک سو بیس تک یہی حکم رہے گا جب اس تعداد پر ایک بکری کا اضافہ ہو جائے تو دو بکریاں بطور زکوٰۃ واجب ہوں گی دو سو بھیڑ بکری تک یہی حکم رہے گا اور جب دو سو ایک ہو جائیں تو تین بکریاں بطور زکوٰۃ واجب ہوں گی جب تعداد چار سو تک پہنچ جائے تو چار بکریاں بطور زکوٰۃ واجب ہوں گی پھر ہر سو پر ایک بکری زکوٰۃ کے طور پر دی جائیگی نبی کریم ﷺ اور ابوبکر صدیقؓ کے مکتوب گرامی میں اسی طرح مندرج ہے اور اسی پر اجماع امت ہے۔

وَيُؤْخَذُ الثَّنِيُّ فِي زَكَاتِهَا لَا الْجَذَعُ : ثنی وہ بھیڑ بکری ہے جو اپنی عمر کا ایک سال پورا کر چکی ہو اور جذع وہ بھیڑ بکری کا وہ بچہ ہے جس کی عمر نصف سال متجاوز ہو چکی ہو بھیڑ بکری کا ثنی زکوٰۃ میں لیا جائیگا بکری کا جذع زکوٰۃ میں دینا بالاتفاق جائز نہیں ہے اور بھیڑ کے جذع میں اختلاف ہے ظاہر الروایہ میں امام صاحبؒ کا قول عدم جواز کا ہے کہ زکوٰۃ میں بھیڑ کا جذع دینا بھی جائز نہیں ہے اور غیر ظاہر الروایہ میں امام صاحبؒ کا قول جواز کا ہے اور یہی صاحبینؒ کا مذہب ہے صاحبینؒ زکوٰۃ کو قربانی پر قیاس کرتے ہیں کہ جس طرح قربانی میں بھیڑ کا جذعہ جائز ہے اسی طرح زکوٰۃ میں بھی جائز ہے لیکن اس کو قربانی پر قیاس کرنا صحیح نہیں ہے کیونکہ قربانی کیلئے اس کا جواز نص کی بناء پر ہے۔

وَلَا شَيْءَ فِي الْخَيْلِ وَالْبِغَالِ وَالْحَمِيرِ وَالْحُمْلَانِ وَالْفُصْلَانِ وَالْعَجَاجِيلِ وَالْعَوَامِلِ وَالْعَلُوفَةِ وَالْعَفْوِ وَالْهَالِكِ بَعْدَ الْوُجُوبِ وَلَوْ وَجَبَ سِنٌّ وَلَمْ يُوجَدْ دَفَعَ أَعْلَى مِنْهَا وَأَخَذَ الْفَضْلَ أَوْ دُونَهَا وَرَدَّ الْفَضْلَ أَوْ دَفَعَ الْقِيمَةَ وَيُؤْخَذُ الْوَسَطُ وَيُضَمُّ الْمُسْتَفَادُ مِنْ جِنْسِ نِصَابٍ إِلَيْهِ وَلَوْ أَخَذَ الْخَرَاجَ وَالْعُشْرَ وَالزَّكَاةَ بُغَاةٌ لَمْ تُؤْخَذْ أُخْرَى وَلَوْ عَجَّلَ ذُو نِصَابٍ لِسِنِينَ أَوْ لِنُصُبٍ صَحَّ.

ترجمہ: اور گھوڑوں میں خچروں میں اور گدھوں میں بھیڑ بکری اور اونٹ کے بچوں میں بچھڑوں میں کام کاج کے مویشیوں اور گھر پر کھانے والوں میں کوئی چیز واجب نہیں اور نہ مقدار عفو میں اور نہ وجوب کے بعد ہلاک ہو جانے والوں میں اگر واجب ہو کوئی عمر والا اور وہ گلے میں موجود نہ ہو تو زائد عمر کا دیدے اور زیادتی کرلے یا کم عمر والے کو مع زیادتی کے دیدے یا قیمت دیدے اور اوسط درجہ کا جانور لیا جائے اور جنس نصاب سے حاصل ہونے والے کو نصاب کے ساتھ ملا جائے اور اگر خراج یا عشر یا زکوٰۃ باغی لے لیں تو

دوبارہ ولی چُنے اور اگر صاحب نصاب چند سالوں کی یا چند نصابوں کی زکوٰۃ پیشگی دیدے تو درست ہے۔

لغات: خیل: گھوڑوں کا گروہ اس لفظ سے واحد نہیں ہے۔ بغال: واحد بغل خچر۔ حمیر: واحد حمار۔ پالتو گدھا۔ حملان: واحد حمل، بکری کا بچہ۔ فصلان: واحد فصیل۔ اونٹنی کا جو ایک سال سے کم کا ہو۔ عجاجیل: واحد عجول بمعنی بیل بچھڑا۔ عوامل واحد عاملۃ کام کاج میں آنیوالی اونٹنی۔ علوفۃ: گھر پر چارہ کھانیوالے جانور۔ عفو: دونصابوں کے درمیان کا عدد۔ مسنّ: عمر یہاں ذات سن (عمر والا) مراد ہے۔ دُون: کمتر گھٹیا۔ وسط: درمیانی۔ مستفاد: جو مال درمیان سال میں حاصل ہو۔ بغاۃ واحد باغی: حاکم وقت کا نافرمان۔ سنین: چند سالی۔ نُصُب جمع نصاب۔

گھوڑے میں وجوب وعدم وجوب زکوٰۃ کی تفصیل وتحقیق

وَلَا شَیْءَ فِی الْخَیْلِ: صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر گھوڑے تجارت کے لیے ہوں خواہ وہ سائمہ ہوں یا علوفہ بالاتفاق ان میں زکوٰۃ واجب ہے اور ان کی زکوٰۃ قیمت لگا کر دی جائیگی اگر تجارت کیلئے نہ ہوں تو سواری اور بار برداری کیلئے ہوں گے یا افزائش نسل وغیرہ کیلئے۔ اگر سواری وغیرہ کیلئے ہیں تو بھی بالاتفاق زکوٰۃ نہیں ہے خواہ سائمہ ہی کیوں نہ ہوں اور اگر افزائش نسل وغیرہ کیلئے ہوں تو علوفہ میں زکوٰۃ نہیں ہے اور سائمہ ہوں اور نر اور مادہ دونوں ہوں تو صاحبینؒ کے ہاں زکوٰۃ نہیں ہے اور امام صاحبؒ کے ہاں زکوٰۃ واجب ہے البتہ مالک کو اختیار ہے چاہے تو ہر گھوڑے کے بدلے میں ایک دینار یعنی دس درہم دیدے چاہے تو سب گھوڑوں کی قیمت لگا کر ہر دو سو درہم سے پانچ درہم دے کیونکہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: فی کل فرس سائمۃ دینار او عشرۃ دراھم۔ "ہر سائمہ گھوڑے میں ایک دینار یا دس درہم ہیں" صاحبینؒ کی دلیل حدیث ابی ہریرۃؓ ہے، لیس علی المسلم فی عبدہ ولا فی فرسہ صدقۃ۔ کہ مسلمان پر اس کے غلام میں اور گھوڑے میں زکوٰۃ نہیں ہے فتویٰ صاحبینؒ کے قول پر ہے۔

وَالْبِغَالِ وَالْحَمِیْرِ: خچر اور گدھوں میں زکوٰۃ اس وقت واجب ہوگی جب تجارت کے واسطے ہونگے اس لیے کہ یہ دونوں سامان تجارت سے ہیں اور اس وقت زکوٰۃ قیمت کے اعتبار سے دی جائیگی جیسا کہ تجارتی مالوں کا حکم ہے اور اگر یہ جانور تجارت کیلئے نہ ہوں تو ان میں بالاجماع زکوٰۃ واجب نہیں ہے خواہ سائمہ ہوں۔

وَالْحُمْلَانِ وَالْفُصْلَانِ وَالْعَجَاجِیْلِ: سائمہ کے بچوں میں زکوٰۃ واجب نہیں ہے خواہ وہ بچے بکری کے ہوں یا اونٹ یا گائے کے ہوں اور یہ امام صاحبؒ کا آخری قول ہے اور یہی قول امام محمدؒ کا ہے اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ان ہی میں کا ایک بچہ واجب ہوگا۔ اور اس مسئلہ کی صورت یہ ہو سکتی ہے کہ کسی شخص کے پاس بڑے سائمہ جانور بقدر نصاب ہوں پھر جب مثلاً چھ مہینے گذر جائیں اور جانور بچے دیں پھر وہ ماں سب مرجائیں اور ان کی اولاد بقدر نصاب باقی رہے پھر وہ سال پورا ہو جائے اور وہ ابھی بچے ہوں تو طرفینؒ کے نزدیک ان میں زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک انہی میں سے ایک بچہ دینا واجب ہوگا اور طرفینؒ کا قول صحیح ہے اور نصاب سے مراد پچیس اونٹ اور تیس گائے اور چالیس بکریاں ہیں

وَالعَوامِلِ وَالعَلُوفَۃِ: جو جانور کام کے واسطے ہوں یا جن کو گھر پر چارہ کھلایا جاتا ہو ان جانوروں میں ہمارے اور امام شافعی کے نزدیک زکوٰۃ نہیں ہے اور امام مالکؒ کے نزدیک زکوٰۃ ہے ان کی دلیل ظاہری نصوص ہیں مثلاً آپ ﷺ کا ارشاد ہے: فی خمس ذود من الابل شاۃ ۔ فی ثلاثین من البقر تبیع اس طرح کی اور احادیث جو مطلق ہیں اور ان کے اطلاق کا تقاضا ہے کہ ہر طرح کے اونٹ گائے اور بکری کے اندر زکوٰۃ فرض ہے خواہ وہ عوامل ہوں یا غیر عوامل علوفہ ہوں یا سائمہ ہماری دلیل حدیث علیؓ ہے: لیس فی العوامل صدقۃ کہ کام کرنے والے جانوروں میں زکوٰۃ نہیں ہے دوسری بات یہ ہے کہ زکوٰۃ واجب ہونے کا سبب مال کا نامی ہونا ہے اور یہ اموال نامی نہیں ہیں کیونکہ نماء کی دلیل جانور کو مباح جنگل میں چرانا ہے یا ان کو تجارت کیلئے مہیا کرنا ہے اور عوامل حوامل اور علوفہ میں چونکہ دونوں باتوں میں سے کوئی بات نہیں پائی گئی ہے اس لیے زکوٰۃ واجب نہ ہوگی۔

مقدار عفو کی تعریف

وَالعَفوِ: اور اس تعداد میں جو عفو ہے زکوٰۃ نہیں ہے اور عفو وہ تعداد ہے جو تمام قسم کے مالوں میں دو نصابوں کے درمیان ہو پس امام ابو حنیفہؒ و امام ابو یوسفؒ کے نزدیک زکوٰۃ نصاب میں ہوتی ہے اور اس زیادتی میں نہیں ہوتی جو دو نصابوں کے درمیان ہو پس وہ معاف ہے پس اگر عفو ہلاک ہو جائے اور نصاب باقی رہ جائے تو زکوٰۃ کی کل مقدار واجب باقی رہے گی اس لئے کہ عفو نصاب کے تابع ہے مثلاً ایک شخص کے پاس نو اونٹ ہیں ان میں سے چار ہلاک ہو گئے تو شیخین کے نزدیک ایک بکری پوری لازم ہوگی اور امام محمدؒ کے نزدیک ایک بکری کا ۵/۹ حصہ لازم آئیگا اور ۴/۹ حصہ ساقط ہو جائیگا۔

بعد الوجوب مال ہلاک ہونے سے حکم زکوٰۃ

وَالهَالِکِ بَعدَ الوُجُوبِ : اور زکوٰۃ واجب ہو جانے یعنی سال پورا گذرنے کے بعد اگر نصاب ہلاک ہو جائے تو زکوٰۃ واجب ہونے کے بعد تمام مال ہلاک ہو گیا تو تمام مال کی زکوٰۃ ساقط ہو جائیگی اور کچھ مال ہلاک ہو گیا تو اسی قدر مال کی زکوٰۃ ساقط ہوگی یعنی اگر نصاب کا کچھ حصہ ہلاک ہو گیا تو جس قدر حصہ ہلاک ہوا ہے اسی قدر حصہ کی زکوٰۃ ساقط ہوگی اگر زکوٰۃ کی ادائیگی میں بہت تاخیر کر دی یہاں تک کہ مال ہلاک ہو گیا یا امام یا ساعی نے اس سے زکوٰۃ طلب کی اور مال والے نے انکار کیا یہاں تک کہ مال ہلاک ہو گیا تو صحیح یہ ہے کہ اس کی زکوٰۃ ساقط ہو گئی یعنی اب اس پر کوئی ضمان نہیں ہے اور یہی صحیح ہے یہ تفصیل تو ہمارے نزدیک ہے اما شافعی فرماتے ہیں اگر ادائیگی پر قدرت حاصل ہونے کے بعد ہلاک ہو جائے تو مالک ضامن ہوگا کیونکہ زکوٰۃ ذمہ میں واجب ہوتی ہے اور جس کے ذمہ میں کوئی چیز واجب ہوتی ہے وہ مجرد ہلاک مال کی وجہ سے بری نہیں ہوتا جیسے صدقۃ الفطر حج اور دیون اور ہمارے نزدیک زکوٰۃ کا تعلق عین شی سے ہوتا ہے اس کا تعلق ذمہ سے نہیں ہے لہٰذا عین شی کے ہلاک ہو جانے سے وجوب ساقط ہو جائیگا۔

وَلَو وَجَبَ سِنٌّ وَلَم یُوجَد دَفَعَ اَعلٰی مِنهَا وَاَخَذَ الفَضلَ اَو دُونَهَا وَرَدَّ الفَضلَ اَو دَفَعَ القِیمَۃَ: رب المال پر جو جانور واجب ہوا ہے اگر وہ موجود نہ ہو مثلاً بنت لبون واجب ہوا اور بنت لبون اس کے پاس نہیں ہے بلکہ حقہ موجود ہے یا حقہ

مازاد حتیٰ یبلغ اربعین درھماً کہ جب دوسو درہم چاندی (۵۲-۱/۲ تولہ) ہو جائے تو اس پر ۵ درہم زکوٰۃ ہے اور اس کے بعد پھر کوئی زکوٰۃ نہیں ہے جب تک اس میں پھر ۴۰ درہم کا اضافہ ہو جائے اور صاحبینؒ کے نزدیک جتنا نصاب سے زیادہ ہو سب کی اسی حساب سے زکوٰۃ دی جائیگی یعنی پانچویں حصہ تک جو کسور امام صاحبؒ کے نزدیک معاف تھی وہ ان کے نزدیک معاف نہیں بلکہ صاحبینؒ کے نزدیک نصاب سے اوپر جس قدر بھی رقم ہے نصاب سمیت کل رقم کا چالیسواں حصہ کر کے زکوٰۃ ادا کرے ان کی دلیل حدیث علیؓ کے آخر میں ہے کہ رسول اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مازاد علی المائتین فحسابہ کہ فرمایا دوسو درہم پر جو بھی زائد ہو اس کی زکوٰۃ اسی حساب سے ادا کی جائیگی۔

ادا اور وجوب میں وزن کا اعتبار ہے نہ کہ قیمت کا

وَالْمُعْتَبَرُ وَزْنُهُمَا اَدَاءً وَوُجُوْباً: اور سونے اور چاندی کے نصاب میں ادا اور وجوب دونوں کے لحاظ سے وزن کا اعتبار ہونے کا مطلب یہ ہے کہ جو کچھ زکوٰۃ میں دیا جائے اگر اسی جنس سے دیا جائے تو وہ وزن میں قدر واجب کے برابر ہو قیمت کا اعتبار نہیں کیا جائیگا یہ شیخینؒ کے نزدیک ہے امام زفرؒ کے نزدیک قیمت کا اعتبار ہے پس اگر کسی شخص نے زکوٰۃ میں پانچ کھرے درہموں کی جگہ پانچ کھوٹے درہم دیدیے جن کی قیمت چار کھرے درہموں کے برابر بھی تو شیخینؒ کے نزدیک کراہت کے ساتھ زکوٰۃ ادا ہو جائیگی اور امام محمدؒ اور امام زفرؒ کے نزدیک اس وقت تک مکمل زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی جب تک کہ کھوٹے درہم اتنے نہ دے کہ ان کی قیمت پانچ کھرے درہموں کے برابر ہو اور اگر پانچ کھوٹے درہموں کی زکوٰۃ میں چار کھرے درہم دے جن کی قیمت پانچ کھوٹے درہموں کی قیمت کے برابر ہو تو امام زفرؒ کے نزدیک زکوٰۃ ادا ہو جائیگی شیخینؒ کے نزدیک اور امام محمدؒ کے نزدیک ادا نہ ہوگی مگر کسی کے پاس ابریق (جگ لوٹا) ہو جس کا وزن دوسو درہم کے برابر ہو لیکن بناوٹ اور صنعت کی وجہ سے اس کی قیمت تین سو درہم ہے تو اگر اس کی زکوٰۃ میں چاندی دیگا تو شیخینؒ کے نزدیک اس کا چالیسواں حصہ یعنی پانچ درہم چاندی دینا کافی ہوگا اور امام زفرؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک مزید ڈھائی درہم دینا لازمی ہوں گے اور اگر زکوٰۃ دوسری جنس سے دے گا تو بالاجماع قیمت کا اعتبار ہوگا مثلاً زکوٰۃ میں سونا دیا تو اتنا دینا ضروری ہوگا کہ جس کی قیمت ساڑھے سات تولے چاندی کے برابر ہو اور اسی طرح زکوٰۃ کے وجوب کے حق میں بھی یہی اعتبار کیا جائیگا کہ وہ وزن کے اعتبار سے نصاب کی مقدار کو پہنچ جائے تو زکوٰۃ واجب ہوگی ورنہ نہیں اور اس میں بالاتفاق قیمت اور تعداد کا اعتبار نہیں ہوگا مثلاً اگر کسی شخص کے پاس سونے یا چاندی کا ابریق ہو جس کا وزن دس مثقال یا سو درہم کے برابر ہو اور اس کی قیمت ساخت کی خوبی کی وجہ سے بیس مثقال یا دوسو درہم ہے تو اس میں کچھ بھی زکوٰۃ واجب نہیں ہے اور اگر گنتی میں دوسو درہم پورے ہوں اور وزن میں کم ہوں تو ان میں بھی زکوٰۃ واجب نہیں اگرچہ وہ کمی تھوڑی سی ہی ہو۔

وزن سبعہ کی تحقیق

وَفِي الدَّرَاهِمِ وَزْنُ سَبْعَةٍ وَهُوَ اَنْ تَكُوْنَ الْعَشَرَةُ مِنْهَا وَزْنَ سَبْعَةِ مَثَاقِيْلَ: اور درہموں میں وزن سبعہ کا اعتبار

ہے اور وزن سبعہ اس کو کہتے ہیں کہ دس درہم سات مثقال کے برابر ہوں اور مثقال دینار کے برابر ہوتا ہے جس کے بیس قیراط ہوتے ہیں اور دینار سونے کے ایک مضروب سکہ کا نام ہے جس کے وزن کو مثقال کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں پس دینار اور مثقال وزن کے اعتبار سے ایک ہی چیز ہیں اور درہم کا وزن چودہ قیراط ہوتا ہے اور قیراط پانچ جو کا پس دو سو درہم کے دو ہزار آٹھ سو قیراط ہوئے اور شرعی درہم یہی ہے اور نبی کریم ﷺ حضرت ابوبکر صدیقؓ و حضرت عمرؓ کے زمانے میں درہم مختلف وزن کے تھے یعنی تین وزنوں کے تھے بعض دس مثقال کے دس درہم بعض چھ مثقال کے دس درہم اور بعض پانچ مثقال کے دس درہم تھے پس حضرت عمرؓ نے ہر قسم کا ایک ایک درہم لیا اور ان کو جمع کر کے مساوی وزن نکال لیا یعنی اس طرح تینوں درہموں کا مجموعہ وزن اکیس درہم ہوا اس کو تین پر تقسیم کر کے سات حاصل ہوا تو سات مثقال کے دس درہم ہوئے اور ہر درہم چودہ قیراط کا ہوا پس ہر چیز میں یعنی زکوٰۃ کے نصاب و سرقہ کے نصاب و مہر و دیات کے مقدر کرنے میں ہمارے زمانے تک اسی پر عمل چلا آرہا ہے اور متقدمین و متاخرین کی کتابوں میں اسی کے مطابق ہے۔

سونا چاندی اور کھوٹ میں جس کا غلبہ ہے زکوٰۃ میں اسی کا اعتبار ہوگا

وَغَالِبُ الْوَرِقِ وَرِقٌ لَا عَكْسُهُ: ورق ڈھلے ہوئے سکہ کو کہتے ہیں جیسے درہم اور اسی طرح زیورات وغیرہ اب صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر سونے چاندی میں کھوٹے کی ملاوٹ ہو مگر غالب حصہ سونا چاندی ہو تو کل کو سونا چاندی قرار دیا جائیگا کیونکہ سکہ اور زیورات وغیرہ تھوڑی کھوٹ سے خالی نہیں ہوتے اس لئے کہ بغیر کھوٹ کے ان چیزوں کو ڈھالنا مشکل ہوتا ہے اور اس میں سونے چاندی کی زکوٰۃ واجب ہوگی اور اگر دونوں چیز برابر مقدار ہوں تب بھی کل کو سونا چاندی ہی سمجھیں گے لیکن ملاوٹ کی صورت میں اسی مخصوص ملاوٹی سونے چاندی کی قیمت لگا کر ہی زکوٰۃ نکالی جائیگی اس وقت وزن کا اعتبار نہیں ہوگا اور اگر کھوٹے کی مقدار سونے چاندی سے زیادہ ہو تو مجموعہ ہی کو کھوٹا سمجھا جائیگا اور اس میں سونے چاندی کے احکام جاری نہیں ہوں گے بلکہ یہ دیگر اسباب کی مانند ہونگے اب ان میں زکوٰۃ اس وقت واجب ہوگی جب ان میں تجارت کی نیت ہو اور ان کی قیمت سونے یا چاندی کے نصاب کو پہنچ جائے یہ تفصیل اس صورت میں ہے جبکہ دونوں کو پگھلا کر ایک کر دیا گیا ہو اور اگر دونوں کو پگھلائے بغیر جوڑ دیا گیا ہو اور ایک کو دوسرے سے جدا کیا جا سکتا ہو تو ہر ایک کا حکم الگ الگ ہوگا یعنی بشرط نصاب زکوٰۃ صرف سونے چاندی کی مقدار پر آئیگی خواہ زیور میں اس کی مقدار زیادہ ہو یا کم۔

وَفِي عُرُوضِ تِجَارَةٍ بَلَغَتْ نِصَابَ وَرِقٍ أَوْ ذَهَبٍ: اگر کسی کے پاس مال تجارت ہے تو اس کو اختیار ہے کہ چاہے اس کی قیمت سونے سے لگائے یا چاندی سے لیکن اگر ان میں سے ایک سے نصاب پورا نہ ہوتا ہو تو اب اس سے حساب کرنا متعین ہو جائیگا جس سے نصاب پورا ہو جاتا ہے مثلاً کسی کے پاس مال تجارت تھوڑا ہے اور اس کی قیمت صرف چاندی کے نصاب کو پہنچتی ہے تو اب چاندی کے نصاب کا ہی اعتبار ہوگا کیونکہ اس دور میں سونے کی قیمت بہت گراں ہے۔

وَنُقْصَانُ النِّصَابِ فِي الْحَوْلِ لَا يَضُرُّ إِنْ كَمُلَ فِي طَرَفَيْهِ: اگر زکوٰۃ واجب ہونے کیلئے سال کے اول اور آخر میں کامل نصاب کا ہونا شرط ہے درمیان سال میں نصاب کا کم ہو جانا زکوٰۃ کو ساقط نہیں کریگا یعنی سال کے اول میں بھی پورا نصاب موجود ہے اور آخر میں بھی نصاب پورا ہو گیا مگر درمیان میں کچھ کم ہو گیا تھا تو اس صورت میں زکوٰۃ واجب رہے گی ساقط نہ ہوگی کیونکہ درمیان سال میں نصاب پورا رہنے کا اعتبار کرنے میں مشقت ہے کیونکہ مال گھٹتا بڑھتا رہتا ہے اس لئے درمیان سال میں چونکہ پورا نصاب رہنے کی شرط نہیں لگائی گئی ہے بلکہ ابتداء اور انتہاء میں کامل نصاب کا ہونا شرط ہے ابتداء میں تو اس لئے تا کہ زکوٰۃ کا سبب منعقد ہو جائے اور غنیٰ متحقق ہو جائے اور انتہاء میں اس لئے تا کہ زکوٰۃ کا وجوب متحقق ہو جائے اور درمیان سال میں چونکہ دونوں باتیں نہیں ہیں اس لئے درمیان سال میں نصاب کامل رہنے کی شرط نہیں لگائی گئی البتہ اگر پورا نصاب ہلاک ہو گیا تو زکوٰۃ واجب نہ ہوگی بلکہ اب سال اس وقت سے شروع ہوگا جس وقت سے یہ دوبارہ صاحب نصاب ہوگا:

وَتُضَمُّ قِيمَةُ الْعُرُوضِ إِلَى النَّقْدَيْنِ: اگر کسی کی ملک میں سامان تجارت بقدر نصاب نہ ہو لیکن اس کے پاس کچھ سونا یا چاندی ہے تو نصاب پورا کرنے کیلئے سامان تجارت کی قیمت کو سونے اور چاندی کے ساتھ ملایا جائیگا کیونکہ ہر چیز کے اندر زکوٰۃ واجب ہونے کا سبب نصاب نامی کا مالک ہونا اور نما سامان تجارت میں بھی موجود ہے اور سونے اور چاندی میں بھی اگر چہ نما کی جہت مختلف ہے یعنی سامان تجارت میں بندوں کی جانب سے نما متحقق ہوتا ہے اور سونے اور چاندی میں نما من جانب اللہ پایا جاتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو پیدا ہی تجارت کیلئے کیا ہے جب اصل یعنی نما دونوں جگہ موجود ہے تو سامان تجارت کی قیمت کو سونے اور چاندی کے ساتھ ملا کر زکوٰۃ دینا واجب ہوگی:

وَالذَّهَبُ إِلَى الْفِضَّةِ قِيمَةً: اگر کسی کے پاس تھوڑا سا سونا ہو اور تھوڑی سی چاندی ہو اور اسی طرح تھوڑی سی نقدی ہو تو ان سب کی قیمت لگائی جائیگی اور اگر وہ قیمت چاندی کے نصاب کو پہنچ جائے تو امام صاحبؒ کے نزدیک زکوٰۃ واجب ہوگی آج کل چاندی کی قیمت انتہائی ارزاں ہے لہذا ان اشیاء کے مجموعے کے وقت چاندی کے نصاب کا اعتبار ہوگا کیونکہ یہی انفع للفقراء ہے اور صاحبینؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک اجزاء کے اعتبار سے ملایا جائیگا نہ کہ قیمت کے اعتبار سے اجزاء کے اعتبار سے ملانے کا مطلب یہ ہے کہ مثلاً کسی کے پاس چاندی کے نصاب کی تین چوتھائی یعنی مقدار ڈیڑھ سو درہم ہو تو سونے کے نصاب کی کم سے کم ایک چوتھائی مقدار یعنی پانچ دینار موجود ہو اور اسی طرح اگر کسی کے پاس چاندی کا نصف نصاب ہو تو سونے کا بھی کم سے کم نصف نصاب ہو تو زکوٰۃ واجب ہوگی ورنہ نہیں اور اگر کسی کے پاس سونے کے نصاب کی ایک چوتھائی مقدار یعنی پانچ دینار ہوں اور چاندی کے نصاب کی ایک چوتھائی مقدار یعنی پچاس درہم ہوں اور اس کی قیمت چاندی کے نصاب کو پہنچ جائے جس طرح کہ اس دور میں سونے کی قیمت بہت گراں ہے تو امام صاحبؒ کے نزدیک زکوٰۃ واجب ہوگی صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ ان دونوں میں مقدار وزن کا اعتبار ہے قیمت کا نہیں کیونکہ زیور یا برتن وغیرہ بنے ہوئے ہیں اگر اس کا وزن دو سو درہم سے کم ہو اور اگر اس کی قیمت دو سو درہم

مقرر کیا ہو کہ جو تاجر مال لیکر گزریں ان سے صدقات وصول کرے۔

فوائد:۔ عاشر کیلئے چند شرائط ہیں آزاد، مسلمان، غیر ہاشمی ہو لہٰذا غلام کا عاشر ہونا درست نہیں ہے۔ کیونکہ اس کو ولایت حاصل نہیں ہے اور اسی طرح کافر ہونا بھی درست نہیں ہے کیونکہ نصوص قرآنی کی وجہ سے وہ مسلمانوں پر والی نہیں ہوسکتا۔

فمن قال لم يتم الحول أو علي دين أو أديت أنا أو إلى عاشر آخر وحلف صدق: اگر کوئی شخص یہ کہے کہ اس پر سال نہیں گزرا ہے اور اس کے پاس اس جنس کا اور مال ایسا نہیں تھا جس پر سال گذرا ہو یعنی جو مال اسوقت اس کے پاس ہے اور جو گھر میں ہے سب پر سال پورا ہونے کا انکار کرے یا یوں کہے کہ مجھ پر قرض ہے جس کا بندوں کی طرف سے مطالبہ ہے یا لوگوں کا مجھ پر دین ہے تو خواہ وہ دین اس کے تمام مال کی برابر ہو یا اتنا ہو کہ اگر اسے نکالیں تو بقدر نصاب باقی نہ رہے یا یوں کہے کہ میں نے اس مال کی زکوٰۃ سفر کی طرف نکلنے سے پہلے اپنے شہر میں فقیروں کو دیدی ہے یا یوں کہے کہ میں دوسرے عاشر کو دے آیا ہوں اگر اس سال میں دوسرا عاشر ہے تو اس کی تصدیق کی جائیگی اور اگر اس سال میں دوسرا عاشر نہیں تھا تو اس کی تصدیق نہیں کی جائیگی اس لئے کہ اس کا جھوٹ ہونا یقیناً ظاہر ہوگیا ہے پس ان تمام صورتوں میں اگر وہ قسم اٹھالے تو اس کی تصدیق کی جائیگی اور اس میں دوسرے عاشر کی رسید دکھانا شرط نہیں ہے یہی صحیح ہے اور اگر وہ یہ کہے کہ میں نے شہر سے باہر نکل کر فقیروں کو زکوٰۃ دیدی ہے تو اس کی بات کی تصدیق نہیں کی جائیگی اس لئے کہ شہر سے باہر نکلنے سے وہ مال اموال ظاہرہ کے ساتھ ملحق ہو گیا تو اس کی زکوٰۃ لینے کا حق بادشاہ اسلام کیلئے ہے۔

إلا في السوائم في دفعه بنفسه: اور اگر سائمہ جانوروں کی زکوٰۃ کے متعلق کہے کہ میں نے اپنے شہر میں فقیروں کو دیدی ہے اس کی قول کی تصدیق نہیں کی جائیگی بلکہ اس سے دوبارہ وصول کی جائیگی خواہ امام کو اس کی ادائیگی کا علم بھی ہو اس لئے کہ اس کے لینے کا حق بادشاہ کو ہے تو وہ اس حق کو باطل کرنے کا مالک نہیں ہے بخلاف اموال باطنہ کے اور یہ دوسری ادائیگی زکوٰۃ ہوگی اور پہلی ادائیگی نفلی صدقہ ہو جائیگی

وكل شيء صدق فيه المسلم صدق فيه الذمي: اور جن امور میں مسلمان کے قول کی تصدیق کی جاتی ہے ان میں ذمی کے قول کی بھی تصدیق کی جائیگی اس لئے کہ جو کچھ ان سے لیا جاتا ہے وہ اس کا دوچند ہے جو کہ مسلمانوں سے لیا جاتا ہے پس اس میں زکوٰۃ کی تمام شرطوں کی رعایت کی جائیگی تا کہ وہ چند ہونا متحقق ہو جائے یعنی ان کے حق میں بھی مال پر سال کا گذرنا، بقدر نصاب ہونا، دین سے فارغ ہونا اور تجارت کیلئے ہونا وغیرہ ان تمام شرطوں کی رعایت کی جائیگی لیکن اس حکم کا بالعموم جاری کرنا ممکن نہیں ہے اس لئے کہ ذمی کافر سے جو کچھ لیا جاتا ہے وہ جزیہ کے مصارف میں خرچ کیا جاتا ہے نیز اس لئے کہ اس کے ذمہ سے جزیہ ساقط ہو جائیگا اور جزیہ میں اگر وہ یہ کہے کہ میں نے خود فقراء کو دیدیا ہے تو اس کا قول نہیں مانا جائیگا اس لئے کہ ذمی کے فقراء اس کا مصرف نہیں ہیں اور مستحقین یعنی مسلمانوں کی مستحقوں میں صرف کرنے کا اس کو اختیار نہیں ہے۔

لا انہ حربی الا فی امّ ولدہ: کہ حربی کا قول کسی بات میں بھی نہیں مانا جائیگا لیکن اگر کسی باندی کو جو اس کے قبضہ میں ہے کہے کہ یہ اس کی ام ولد ہے تو اس کا قول مانا جائیگا اس لئے کہ اس شخص کے نسب کا اقرار کرنا صحیح ہے جو اس کے قبضہ میں ہے۔

واخذ منا ربع العشر ومن الذمی ضعفہ ومن الحربی العشر بشرط نصاب واخذھم منا: مسلمانوں سے مال کا چالیسواں حصہ لیا جائے اور ذمی کافروں سے اس کا دوگنا یعنی مال کا بیسواں حصہ لیا جائے اور حربی کافر سے دسواں حصہ لیا جائے بشرطیکہ ہر ایک کا مال بقدر نصاب ہو اور وہ حربی بھی مسلمانوں سے خرچ لیتے ہوں اور حضرت عمرؓ نے بھی ان تینوں باتوں کا حکم اپنے ساعیوں کو صادر فرمایا تھا اور یہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ مسلمانوں سے جو لیا جاتا ہے وہ زکوٰۃ ہے اور ذمی سے دوگنا صدقہ لیا جاتا ہے جو جزیہ کے مصارف میں صرف کیا جائیگا اور وہ حقیقۃً جزیہ نہیں ہے اور حربی سے بھی حفاظت دسواں حصہ لیا جاتا ہے اور یہ مصارف جزیہ میں صرف کیا جائیگا اور ان تینوں کے مال کا بقدر نصاب ہونا شرط ہے اس لئے کہ نصاب سے جو کم ہے وہ معاف ہے یہ حکم مسلمان اور ذمی کافر کے بارے میں متفق علیہ ہے اور حربی سے بھی جبکہ وہ مقدار نصاب سے کم مال لیکر نکلا ہو تو یہ نہیں لیا جائیگا اس لئے کہ قلیل مال کیلئے اس کو حفاظت کی ضرورت نہیں ہے اور جامع الصغیر میں ہے کہ اگر وہ ہمارے تاجروں سے اس قدر میں لیتے ہوں تو ہم بھی مدارات کے طور پر لیں گے اور کتاب الزکوٰۃ میں ہے کہ ہم ان کے قلیل مال سے عشر نہیں لیں گے کیونکہ ان کا ہم سے اس کے مثل پر لینا ظلم و خیانت ہے اور ہمیں اس پر ان کی متابعت نہیں کرنی چاہیے

ولم یثن فی حول بلا عود: اگر کوئی حربی عاشر کے پاس گذرے اور وہ اس سے عشر لے لے پھر وہ دوبارہ گذرے تو اس سال دوبارہ عشر نہ لے اور اس سے عشر لے لیا اور اسکے بعد وہ دار الحرب میں چلا گیا اور اسی دن وہ پھر دار الاسلام میں آ گیا تو اس سے دوبارہ عشر لیا جائیگا یعنی حربی سے دوبارہ عشر نہ لیا جائے لیکن جبکہ وہ دار الحرب کی طرف لوٹ گیا ہو تو دوبارہ دار الاسلام میں آنے پر عشر بھی دوبارہ لیا جائیگا اس لئے کہ جو کچھ اس سے لیا جاتا ہے وہ امان کے عوض ہے اور اس نے ہر دفعہ امان کا فائدہ اٹھایا ہے۔

وعشر الخمر لا الخنزیر: اگر کوئی ذمی شراب اور خنزیر (ایک ساتھ یا الگ الگ) لے کر عاشر کے پاس سے گذرے تو عاشر اس سے شراب کا عشر وصول کرے گا لیکن خنزیر کا عشر وصول نہیں کرے گا یہ طرفینؒ کے نزدیک ہے اور ظاہر الروایہ ہے امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ ان دونوں کا عشر نہیں لیا جائیگا کیونکہ شریعت اسلامیہ میں ان دونوں کی کوئی قیمت نہیں امام زفرؒ فرماتے ہیں کہ دونوں کا عشر لیا جائیگا کیونکہ مالیت ہونے میں ذمیوں کے نزدیک یہ دونوں مساوی ہیں امام ابو یوسفؒ کا قول ہے کہ جب ذمی ان دونوں کو ساتھ لے کر گذرے تو عاشر دونوں کا عشر وصول کرے گا کیونکہ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک خنزیر شراب کے تابع شمار ہوگا ظاہر الروایہ کے مطابق فرق کی وجہ یہ ہے کہ خنزیر ذوات القیم میں سے ہے لہٰذا اس کی قیمت لینا عین خنزیر لینا ہوگا اسی طرح اس کا عشر لینا بھی لیکن شراب ذوات الامثال سے ہے لہٰذا شراب کا عشر بصورت قیمت لینا عین شراب لینا نہ ہوگا۔

وما فی بیتہ والبضاعۃ ومال المضاربۃ وکسب الماذون: اور جو مال عاشر کے پاس گذرنے والے کے گھر میں

ترجمہ: خراجی یا عشری زمین میں سونے چاندی اور لوہے جیسی چیزوں کی کان کا پانچواں حصہ لیا جائیگا نہ کہ اس کان میں جو اس کے گھر اور اس کی زمین میں ہو (جس سے نکلے) اور خزانہ کا پانچواں حصہ لیا جائیگا اور باقی حصہ تمام زمیندار کا ہے اور پارہ کا پانچواں حصہ لیا جائیگا نہ کہ دار الحرب کی کان کا اور فیروزہ اور موتی اور عنبر کا۔

لغات: خُمس: پانچواں حصہ۔ رِکاز: زمین کے اندر گڑی ہوئی دھاتیں۔ مَعدِن: سونا، لوہا وغیرہ کی کان۔ مُختَطّ له: الاولی) وہ شخص ہے جس کو فتح کے بعد امام نے مالک بنا دیا ہو۔ زِیبَق: پارہ۔ فَیرُوزَج: فیروزہ، نیلے رنگ کا قیمتی پتھر، اس سے ہے لؤلؤ۔ فیروزی فیروزی رنگ۔ لؤلؤ: موتی واحد لؤلؤۃ۔

سونے، چاندی، لوہا، قیمتی پتھر، پیٹرول وغیرہ کی کانوں میں وجوب خمس کی تحقیق

خُمِسَ مَعدِنُ نَقدٍ وَنَحوِ حَدِیدٍ فِی اَرضِ خَرَاجٍ اَو عُشرٍ: یہاں نقد سے مراد سونا چاندی ہے اور نحو حدید سے مراد وہ دھاتیں ہیں جو پگھلانے سے پگھل جائیں دراصل بنیادی طور پر زمین سے نکلنے والی اشیاء دو طرح کی ہیں (۱) ٹھوس (۲) مائع پھر ٹھوس اشیاء کی بھی دو قسمیں ہیں (۱) وہ دھاتیں جو پگھلانے سے پگھل جاتی ہیں اور ان سے زیور ڈھالے جاتے ہیں جیسے سونا، چاندی، لوہا، شیشہ، تانبا وغیرہ۔ (۲) وہ اشیاء جو پگھلانے سے پگھلتی نہیں ہیں، جیسے یاقوت، بلور، عقیق، زمرد، فیروزہ، سرمہ، گیرو، ہڑتال، نمک، چونے کا پتھر وغیرہ اور مائع اشیاء جیسے پیٹرول، تارکول، وغیرہ جیسی دوسری چیزیں تفصیل یہ ہے کہ کان ان میں سے ہر ایک دو صورتوں سے خالی نہیں یا وہ کان دار الاسلام سے ملے گی یا دار الحرب سے پھر جس زمین سے وہ دریافت ہوئی ہے مملوک ہوگی یا غیر مملوک پس اگر کان دار الاسلام میں غیر مملوکہ زمین میں دریافت ہوئی ہے اور وہ کان ہے بھی کسی دھات کی کہ اس میں پگھلنے اور زیور میں ڈھلنے کی صلاحیت ہے تو اس میں خمس ۵/۱ واجب ہوگا خواہ وہ سونا چاندی ہو یا کوئی اور پگھلنے والی دھات ہو اور خواہ وہ قلیل مقدار میں ہو یا کثیر مقدار میں بہر صورت اس میں خمس واجب ہے اور اس کے چار خمس ۵/۴ دریافت کرنے والے کے ہیں خواہ وہ کوئی بھی ہو (یعنی خواہ وہ آزاد ہو یا غلام، مسلم ہو یا ذمی، چھوٹا ہو یا بڑا، مرد ہو یا عورت) ہاں اگر دریافت کرنے والا ان سے لڑتا یا ہوا حربی ہے تو اس سے تمام کان واپس لے لی جائیگی مگر یہ کہ جب امام نے اس سے معاہدہ کیا ہو تو پھر اس کیلئے اپنا عہد پورا کرنا ضروری ہے یہ ہمارے نزدیک ہے، امام شافعیؒ فرماتے ہیں اگر دریافت ہونے والی کان سونا، چاندی کی ہے تو اس میں ۴۰ واں حصہ واجب ہے جیسا کہ زکوٰۃ میں واجب ہوتا ہے حتیٰ کہ ان کے ہاں اس میں نصاب بھی شرط ہے پس دو سو درہم سے کم مقدار میں چاندی اور بیس مثقال سے کم مقدار سونے کی کان میں ۴۰ واں حصہ واجب نہیں البتہ امام شافعیؒ کے ہاں حولان حول شرط نہیں ہے اور سونا، چاندی کے علاوہ دوسری دھاتوں میں ان کے نزدیک خمس واجب نہیں ہے۔ اور ہمارے نزدیک تمام دھاتوں میں غنیمت کا خمس واجب ہے اور کسی دھات میں زکوٰۃ کی شرائط میں سے کوئی شرط ضروری نہیں ان کی دلیل یہ روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بلال بن حارث مزنی کو قبلیہ (جگہ کا نام) کے معادن بطور جاگیر کے عطا فرمائے، اور آپ ﷺ ان سے ۴۰ واں حصہ لیا کرتے تھے ہماری دلیل یہ ہے کہ

واجب ہے اور اس کے چار خمس (۴/۵) بلا اختلاف دفینہ پانے والے کو ملیں گے اور دفینہ پانے والا خواہ آزاد ہو یا غلام مسلمان ہو یا ذمی بڑا ہو یا چھوٹا اسے ۴/۵ ہر صورت ملیں گے کیونکہ حدیث میں پانے والوں کے درمیان کوئی فرق بیان نہیں ہوا اور اگر کنز کسی کی مملوکہ زمین میں پایا گیا تو اس میں خمس تو بلا اختلاف واجب ہے لیکن اس صورت میں باقی چار خمسوں (۴/۵) کا مستحق کون ہے اس میں اختلاف ہے ابوحنیفہ و محمد فرماتے ہیں کہ آبادکاری کیلئے سب سے پہلے جس شخص کو یہ زمین الاٹ کی گئی تھی اگر وہ زندہ ہے تو (۴/۵) کنز اسی کا حق ہے اور اگر وہ مر چکا ہے تو اس کے ورثاء کا حق ہے بشرطیکہ وہ معلوم ہوں اور اگر اولین آبادکار معلوم نہیں اور نہ ہی اس کے ورثاء معلوم ہیں تو کنز کا ۴/۵ اس زمین کے (زمانہ اسلام میں معلوم) آخری مالک یا اس کے ورثاء کا حق ہے اور ابو یوسف فرماتے ہیں کہ ۴/۵ کنز پانے والے کا حق ہے طرفین کی دلیل یہ ہے کہ سب سے پہلے جسے زمین عطاء کی گئی وہ اولین الاٹی اس زمین کا تمام خزائن سمیت مالک بنا کیونکہ وہ اس زمین کا مالک امام کی تملیک سے بنا چنانچہ الاٹی تمام مشمولات کا بھی مالک ہوگا اور بیع سے زمین کے اندر موجود چیزیں ملکیت سے زائل نہیں ہوتیں کیونکہ بیع سے صرف وہ چیزیں ملکیت سے خارج ہوتی ہیں جن پر بیع واقع ہو اور بیع زمین کے ظاہر پر واقع ہوئی ہے نہ کہ زمین کے اندر موجود چیزوں پر اور جب زمین کے اندر والی زمین کے تابع نہیں ہیں تو بیع و انتقال کے باوجود وہ الاٹی کی ملکیت میں باقی ہیں پس ۴/۵ کنز الاٹی کو ملے گا اگر کنز دار الحرب میں پائے تو اس کی تفصیل آگے آ رہی ہے۔

وزیبق: ابوحنیفہ کا آخری قول یہ ہے کہ پارے میں خمس واجب ہے اور پہلے ان کی رائے یہ تھی کہ پارے میں خمس نہیں ہوتا اور ابو یوسف کا پہلا قول یہ تھا کہ اس میں خمس ہے پھر انہوں نے اس رائے سے رجوع کیا اور کہا کہ پارے میں خمس نہیں ہے۔

لا رکاز دار حرب: کان اور دفینہ اگر دار الحرب میں ملے تو اس میں خمس نہیں لیا جائیگا بلکہ وہ سب پانے والے کا ہے اس لئے کہ وہ غنیمت نہیں ہے۔ کیونکہ وہ غلبہ اور قوت سے حاصل نہیں ہوا ہے اس وجہ سے کہ اس پر مسلمانوں کا غلبہ مفقود ہے پس اگر کسی مسلمان نے دفینہ یا کان دار الحرب کی کسی ایسی زمین میں پایا جو کسی کی ملکیت نہیں ہے تو وہ سب پانے والے کا حق ہے اس میں خمس واجب نہیں ہے پس اگر اس کو حربیوں کی غیر مملوکہ زمین میں پایا تو وہ سب پانے والے کا ہے خواہ وہ امان لیکر داخل ہوا یا بغیر امان کے داخل ہوا ہو اس لئے کہ امان کا حکم مملوکہ میں ظاہر ہوتا ہے مباح میں نہیں لیکن اگر کسی ایسی زمین میں ملا جو کسی کی ملکیت تھی تو اگر امان لیکر گیا تھا تو اس کے مالک کو واپس کردے اس لئے کہ بغیر ان کی رضامندی کے ان کا مال اس پر حرام ہے پس اگر وہ مال اس کے مالک کو واپس نہ کرے اور دار الاسلام میں لے آئے تو وہ اس کا ملک خبیث کے ساتھ مالک ہو جائیگا وہ اس کیلئے حلال نہیں ہوگا پس اس کو صدقہ کردے اور اگر بغیر امان کے دار الحرب میں داخل ہوا تو یہ دفینہ یا کان اس کیلئے حلال ہے وہ سب اس کا حق ہے اس میں خمس بھی واجب نہیں پس نہ وہ کفار کو واپس کیا جائیگا نہ اس میں سے خمس لیا جائیگا۔

وفیروزج ولؤلؤ وعنبر: اور اگر کسی ایسی چیز کی کان دریافت ہوئی جسمیں پگھلنے کی صلاحیت نہیں تو اس میں خمس واجب نہیں ہوتا اور وہ پوری کی پوری کان دریافت کرنے والے کی ہے کیونکہ ہڑتال، گچ، چونا اور ان جیسی دوسری چیزیں زمین کے اجزاء سے

گیا لہذا یہ مٹی کی طرح ہیں اور مٹی میں خمس نہیں اور یاقوت اور دوسرے قیمتی پتھروں کے قبیل سے ہیں ہاں صرف اتنی بات ہے کہ یہ چمکدار پتھر ہیں اور پتھر میں خمس نہیں ہوتا۔

ولؤلؤ وعنبر: سمندر سے جو اشیا نکالی جائیں مثلاً موتی مرجان عنبر اور اسی طرح جو بھی زیور سمندر سے نکالا جائے طرفینؒ کے قول کے مطابق اس میں کچھ واجب نہیں اور وہ پورے کا پورا پانے والے کا حق ہے اور ابو یوسفؒ کے نزدیک اس میں خمس واجب ہے ان کی دلیل یہ روایت ہے کہ حضرت عمرؓ کے عامل نے انہیں لکھا کہ ایک موتی ملا ہے اس میں کیا واجب ہے تو عمرؓ جواب دیا کہ اس میں خمس واجب ہے طرفینؒ کی دلیل یہ ہے کہ ابن عباسؓ سے عنبر کے بارے میں پوچھا گیا تو آپؓ نے فرمایا: هو شيء دسره البحر لا خمس فيه یہ سمندر کی نکالی ہوئی ایک چیز ہے اس میں خمس نہیں اور عنبر یہ چشمے سے پھوٹنے والا ایک مائع ہے پس یہ تارکول کے مشابہ ہے اور بعض کا کہنا ہے کہ عنبر کسی جانور کی بیٹ ہے پس یہ باقی لیدوں کے مشابہ ہے۔

بَابُ الْعُشْرِ

عشر کا بیان

عشر کا بیان عشر دسواں حصہ زکوٰۃ چونکہ خالص عبادت ہے اور عشر زمین کی مؤنت ہے البتہ اس میں عبادت کے معنی ہیں اس لئے مصنفؒ نے زکوٰۃ کو پہلے اور عشر کے احکام کو بعد میں ذکر فرمایا ہے۔

يَجِبُ فِيْ عَسَلِ أَرْضِ الْعُشْرِ وَمَسْقِيِّ سَمَاءٍ وَسَيْحٍ بِلَا شَرْطِ نِصَابٍ وَبَقَاءٍ إِلَّا الْحَطَبَ وَالْقَصَبَ وَالْحَشِيْشَ وَنِصْفُهُ فِيْ مَسْقِيِّ غَرْبٍ وَدَالِيَةٍ وَلَا تُرْفَعُ الْمُؤَنُ وَضِعْفُهُ فِيْ أَرْضٍ عُشْرِيَّةٍ لِتَغْلِبِيٍّ وَإِنْ أَسْلَمَ أَوِ ابْتَاعَهَا مِنْهُ مُسْلِمٌ أَوْ ذِمِّيٌّ وَخَرَاجٌ إِنِ اشْتَرَى ذِمِّيٌّ أَرْضًا عُشْرِيَّةً مِنْ مُسْلِمٍ وَعُشْرٌ إِنْ أَخَذَهَا مِنْهُ مُسْلِمٌ بِشُفْعَةٍ أَوْ رُدَّتْ عَلَى الْبَائِعِ لِلْفَسَادِ وَإِنْ جَعَلَ مُسْلِمٌ دَارَهُ بُسْتَانًا فَمُؤْنَتُهُ تَدُوْرُ مَعَ مَائِهِ بِخِلَافِ الذِّمِّيِّ وَدَارُهُ حُرٌّ كَعَيْنِ قِيْرٍ وَنِفْطٍ فِيْ أَرْضِ عُشْرٍ وَلَوْ فِيْ أَرْضِ خَرَاجٍ يَجِبُ الْخَرَاجُ۔

ترجمہ: عشری زمین کے شہد میں اور بارش اور جاری پانی سے سیراب کردہ زمین کی پیداوار میں عشر واجب ہے بلا شرط نصاب و بقا مگر لکڑی اور نرکل اور گھاس میں اور ڈول اور رہٹ سے سیراب کردہ زمین کی پیداوار میں نصف عشر ہے اور خرچ منہا نہ کیا جائے اور تغلبی کی عشری زمین کی پیداوار میں دوچند ہے اگرچہ وہ اسلام لے آئے یا اس سے کوئی مسلمان یا ذمی خرید لے اور اگر کوئی ذمی عشری زمین مسلمان سے خرید لے تو خراج واجب ہوگا اور اگر اس سے کوئی مسلمان بطور حق شفعہ لے لے یا بائع کو واپس کر دے فساد بیع کی وجہ سے تو عشر واجب ہوگا اور اگر کسی مسلمان نے اپنے گھر کو باغ بنا لیا تو اس کی مقدار واجب کا مدار پانی پر ہے بخلاف ذمی کے اور ذمی کا گھر آزاد ہے

جیسے مقدار دہ مقدار کا عشر اعشری زمین میں ہو اگر خراجی زمین میں ہو تو خراج واجب ہوگا

لغات: عشر: دسواں حصہ۔ ثمر: پھل۔ مسقی: سیراب کی ہوئی۔ سماء: مراد بارش۔ سیح: بہتا پانی۔ حطب: لکڑی۔ قصب: بانس، نرکل۔ حشیش: گھاس۔ عرق: پسینہ۔ دالیۃ: رہٹ۔ تغلب: روم کے قریب نصاری عرب کی ایک قوم تھی جنہوں نے دو گنا مال دینے پر حضرت عمرؓ سے مصالحت کر لی تھی۔ بستان: باغ۔ قیر و النفط: تارکول اور کالا تیل جیسا کالا روغن جسے کشتی پر ملتے ہیں۔ نفط: پٹرول، غیر صاف شدہ پٹرول کا تیل۔

کن کن پیداوار میں عشر واجب ہے

يجب فيه عسل أرض العشر: شہد اگر عشری زمین سے حاصل کیا گیا تو اس میں عشر واجب ہے۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ شہد میں عشر واجب نہیں ہے یہی قول امام مالکؒ کا ہے ان کی دلیل یہ ہے کہ شہد مکھیوں سے پیدا ہوتا ہے لہذا یہ ریشم کے مشابہ ہو گیا کیونکہ ریشم کیڑوں سے پیدا ہوتا ہے اور ریشم میں بالاتفاق عشر نہیں ہے لہذا شہد میں بھی عشر نہ ہوگا ہماری دلیل حدیث ابو ہریرہ ہے: ان رسول اللہ ﷺ کتب الی اهل الیمن ان فی العسل العشر۔ کہ نبی کریم ﷺ نے اہل یمن کو لکھا کہ شہد میں عشر واجب ہے دوسری دلیل یہ ہے کہ شہد کی مکھیاں پھول اور پھل کھاتی ہیں اور پھول پھلوں میں عشر واجب ہوتا ہے لہذا جو چیز ان سے پیدا ہوگی یعنی شہد اس میں بھی عشر واجب ہوگا بخلاف ریشم کے کیڑے کے کہ وہ شہتوت کی پتیاں کھاتے ہیں اور پتیوں میں عشر واجب نہیں ہوتا لہذا جو چیز اس سے پیدا ہوتی ہے یعنی ریشم اس میں بھی عشر واجب نہ ہوگا پھر امام صاحبؒ کے نزدیک کم و بیش کا کوئی اعتبار نہیں امام ابو یوسفؒ سے مروی ہے کہ پانچ وسق کی قیمت کا اعتبار ہوگا دوسری روایت کے لحاظ سے دس رطل کا اندازہ لگایا ہے اور ان سے یہی روایت ہے کہ وہ شہد کے پانچ مشکیزوں کا اعتبار کرتے ہیں جن میں سے ہر مشکیزہ پچاس من شرعی کا ہو تو کل شہد ڈھائی سو من شرعی بن جاتا ہے امام محمدؒ شہد کے پانچ فرق (پیمانہ کا نام) کا اعتبار کرتے ہیں جن میں سے ہر فرق ۳۶ چھتیس رطل کا ہو یعنی ایک فرق اٹھارہ من (شرعی) کا ہوا اور کل شہد نوے من (شرعی) ہو گیا ان کا یہ قول اپنی اصل کی بنا پر ہے کہ (غیر کیلی اشیاء میں) ہر شئی کی اعلیٰ انداز سے پانچ گنا وجوب عشر میں معتبر ہے۔

وما سقی سماء و سیح بلا شرط نصاب و بقاء الا الحطب و القصب و الحشیش: امام صاحبؒ کے نزدیک جو زمین بارش کے پانی سے یا نہر وغیرہ کے پانی سے سیراب کی جاتی ہو اس میں بھی بلا شرط نصاب عشر واجب ہے یعنی یہ ضروری نہیں کہ پیداوار بقدر نصاب ہو بلکہ بہت تھوڑی مقدار ہو تب بھی عشر واجب ہوگا بشرطیکہ کم از کم ایک صاع ہو اور بعض کے کہا کہ نصف صاع ہو اور اس میں یہ بھی شرط نہیں کہ وہ چیز تمام سال تک باقی رہے بلکہ سبزیات میں بھی جو کہ باقی رہنے والی نہیں عشر واجب ہے اور ان میں عشر واجب ہونے کیلئے پورا سال گذرنا بھی شرط نہیں ہے پس اگر پیداوار سال بھر میں کئی بار حاصل ہو تو ہر بار عشر واجب ہوگا کیونکہ عشر میں زمین کی اجرت کے معنی پائے جاتے ہیں تو کسی خصوصیت نہ ہوگی اور صاحبینؒ کے نزدیک

پیداوار کا بقدر نصاب ہونا اور سال بھر تک باقی رہنا شرط ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: لیس فیما دون خمسة اوسق صدقة "کہ پانچ وسق سے کم میں صدقہ نہیں ہے" اور یہاں صدقہ سے مراد عشر ہے امام صاحبؒ فرماتے ہیں باری تعالی کے قول: انفقوا من طیبات ما کسبتم ومما اخرجنا لکم من الارض۔ میں عموم ہے کہ زمین کی پیداوار میں مطلقاً انفاق کا حکم دیا گیا ہے قلیل وکثیر کی کوئی تفصیل نہیں ہے اور صاحبینؒ کی پیش کردہ حدیث کی تاویل یہ ہے کہ اس میں زکوٰۃ تجارت مراد ہے یعنی مال تجارت میں زکوٰۃ واجب ہونے کیلئے پانچ وسق ہونا ضروری ہے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ صحابہؓ کے زمانے میں لوگ وسق کے حساب سے خرید وفروخت کرتے تھے اور ایک وسق کھجور کی قیمت چالیس درہم ہوتی تھی تو پانچ کی قیمت دو سو درہم ہوتے تھے اور دو سو درہم زکوٰۃ کا نصاب ہے۔

وینصف فی مسقی غرب ودالیة : اگر کھیتی کو بڑے ڈول یا رہٹ وغیرہ آلات کے ذریعہ سیراب کیا ہو تو اس میں نصف عشر واجب ہوگا مگر اسی اختلاف کے ساتھ کہ امام صاحبؒ کے نزدیک نہ نصاب کی شرط ہے اور نہ بقاء کی اور صاحبینؒ کے نزدیک دونوں شرطیں ملحوظ ہوں گی کیونکہ ان صورتوں میں مشقت زیادہ اٹھانا پڑتی ہے بہ نسبت بارش یا دریا سے سیراب کرنے کے پس بارش یا دریا سے سیراب کرنے میں مشقت کم ہے اس لئے اس میں عشر واجب کیا گیا ہے اور رہٹ وغیرہ میں مشقت زیادہ ہے اس لئے ان صورتوں میں عشر کا آدھا یعنی بیسواں حصہ واجب کیا گیا ہے اور اگر کھیت کو دریا کے پانی سے سیراب کیا گیا اور ڈول سے پانی نکال کر بھی سیراب کیا گیا تو سال کے اکثر کا اعتبار ہوگا اور اگر اس کا برعکس ہے تو نصف واجب ہوگا جیسا کہ سائمہ جانوروں میں سال کے اکثر کا اعتبار کیا جاتا ہے۔

ولا ترفع المؤن: اور کھیتی کے اخراجات اس میں سے وضع (کم) نہیں کئے جائیں گے یعنی جس قسم جس کو بارش یا ندی نالوں اور نہر کے پانی سے (بغیر آلات کے) سیراب کیا ہو اس کی پیداوار میں دسواں حصہ اس طرح لیا جائیگا کہ کام کرنے والوں کی مزدوری اور بیلوں وغیرہ کا خرچہ اور نہروں کی کھدائی اور محافظوں کی اجرت نکالے بغیر کل آمدنی میں سے عشر و نصف عشر واجب ہوگا

وضعف فی ارض عشریة لتغلبی وان اسلم او ابتاعها منه مسلم او ذمی: اور اس عشری زمین میں جو تغلبی کی ہو دو چند عشر یعنی پانچواں حصہ واجب ہے مطلقاً یعنی خواہ وہ تغلبی لڑکا ہو یا عورت ہو اور خواہ مسلمان ہو گیا ہو یا اس زمین کو کسی مسلمان یا ذمی نے کسی تغلبی سے خرید لیا ہو اس لئے کہ تضعیف (دو چند ہونا) خراج کی مانند ہے پس وہ منتقل نہیں ہوگی خواہ وہ زمین تغلبی کیلئے اصالۃً ہو یا وراثت میں ملی ہو یا وہ ایک تغلبی سے دوسرے تغلبی کی طرف منتقل ہو کر اس کے قبضہ میں آئی ہو پس اگر تغلبی کے پاس عشری زمین ہو تو اس سے دو چند عشر لیا جائیگا اور وہ پانچواں حصہ ہے اور اگر تغلبی سے کوئی ذمی خرید لے تو بالاتفاق اب بھی وہی پانچواں حصہ واجب ہوگا اور اسی طرح اگر تغلبی سے کوئی مسلمان خرید لے یا تغلبی مسلمان ہو جائے تب بھی طرفینؒ کے نزدیک اسی زمین کا وہی حکم رہے گا خواہ اصل میں اس زمین کا دو چند عشر مقرر ہوا ہو یا بعد میں دو چند ہو گیا ہو اس لئے کہ دو چند عشر اسی زمین کو

وظیفہ مقرر ہو گیا ہے پس طرفینؒ کے نزدیک وہ اسلام کے بعد بھی خراج کی مانند باقی رہے گا اور یہی حکم اس وقت بھی ہے جبکہ اس زمین کو اس تغلبی سے کسی مسلمان نے خرید لیا ہو اس لئے کہ وہ اس کی صرف خراج کی طرح اپنے وظیفے کے ساتھ منتقل ہوئی ہے اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ان دونوں صورتوں میں (یعنی تغلبی کے مسلمان ہو جانے یا تغلبی سے کوئی مسلمان خرید لینے سے) صرف ایک ہی عشر واجب ہوتا ہے اس لئے کہ دو چند عشر ہونے کا سبب زائل ہو گیا اور اگر تغلبی سے کسی ذمی نے اس زمین کو خریدا تو بالاتفاق اس پر بدستور دو چند عشر باقی رہے گا۔

وَخَرَاجٌ إِنِ اشْتَرَى ذِمِّيٌّ أَرْضَ عُشْرٍ مِنْ مُسْلِمٍ وَعُشْرٌ إِذَا أَخَذَهَا مِنْهُ مُسْلِمٌ بِشُفْعَةٍ أَوْ رُدَّ عَلَى الْبَائِعِ لِلْفَسَادِ : اور اگر کسی تغلبی کے سوا کسی اور ذمی نے کسی مسلمان سے کوئی عشری زمین خریدی اور اس پر قبضہ کر لیا تو امام صاحبؒ کے نزدیک اس پر خراج واجب ہوگا پھر اگر اس سے کوئی مسلمان شفعہ کر کے لے لے یا بیع کے فاسد ہو جانے کی وجہ سے بیچنے والے کو واپس کر دی جائے تو وہ عشری ہو جائیگی جیسی پہلے تھی پہلی صورت میں (یعنی مسلمان کے شفعہ میں لے لینے سے) ایسا ہے گویا کہ مسلمان نے مسلمان سے خریدی ہے (ذمی کا واسطہ بیچ میں نہیں رہا) اور اس لئے بھی کہ مسلمان کا حق اس سے منقطع نہیں ہوا تھا اور دوسری صورت میں (بیع فاسد ہونے کی وجہ سے زمین واپس ہونے میں) اس وجہ سے اور فسخ کی وجہ سے بیع نہ ہونے کی مانند ہو گئی اس لئے کہ مسلمان بائع کا حق اس طرح کی بیع سے منقطع نہیں ہوا تھا کیونکہ اس کو واپس کر لینے کا حق اس کو ثابت ہے۔

گھر کو باغ بنانے پر وجوب عشر کا حکم

وَإِنْ جَعَلَ مُسْلِمٌ دَارَهُ بُسْتَانًا فَمُؤْنَتُهُ تَدُورُ مَعَ مَائِهِ بِخِلَافِ الذِّمِّيِّ وَدَارُهُ حُرٌّ : اگر کوئی مسلمان اپنے گھر کو باغ بنا لے تو اس کی اجرت کا حکم اس کے پانی کے ساتھ ہوگا پس اگر اس کو عشر کا پانی دے گا تو زمین عشری ہوگی اور اگر خراج کا پانی دے گا تو خراجی ہوگی اور اگر اس کو ایک دفعہ عشر کے پانی سے سیراب کرے اور ایک دفعہ خراج کے پانی سے تو اس پر عشر واجب ہوگا اس لئے کہ مسلمان خراج کے مقابلہ میں عشر کا زیادہ حقدار ہے کیونکہ اس میں عبادت کے معنی پائے جاتے ہیں اور باغ اس زمین کو کہتے ہیں جس کے چاروں طرف دیوار وغیرہ سے احاطہ کیا ہوا ہو لیکن اگر کوئی ذمی اپنے گھر کو باغ بنا لے تو خواہ وہ کسی طرح کا پانی دے اس پر خراج ہی واجب ہوگا مطلقاً خواہ اس کو عشر کے پانی سے سیراب کرے یا خراج کے پانی سے اس لئے کہ ذمی خراج کا اہل ہے نہ کہ عشر کا اور انسان کا گھر آزاد ہے یعنی گھر پر کچھ واجب نہیں خواہ وہ ذمی کا ہو یا مسلمان کا اس حکم میں یہ بدیہ اولی شامل ہے اس لئے کہ حضرت عمرؓ نے مساکن کو معاف کر دیا تھا اور اسی پر صحابہؓ کا اجماع ہے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ سکونت میں نمو نہیں ہے اور خراج کا واجب ہونا نمو اور زیادہ ہونے کے اعتبار سے ہے۔

قیر اور نفط کے چشمہ میں عشر اور خراج کا حکم

كَعَيْنِ قِيرٍ وَنِفْطٍ فِي أَرْضِ عُشْرٍ وَلَوْ فِي أَرْضِ خَرَاجٍ يَجِبُ الْخَرَاجُ. : اور قیر (رال) کے چشمہ میں اور نفط

اور اپنے غلام، مکاتب، مدبر، ام ولد کو اور اس کو جس کا کچھ حصہ آزاد ہو گیا ہو اور مالک نصاب تونگر کو اور غلام اور بچہ کو اور بنی ہاشم اور ان کے آزاد کردہ غلاموں کو۔

فقیر اور مسکین کی تعریف اور ان کا حکم

هو الفقير والمسكين وهو اسوأ حالا من الفقير: فقیر وہ شخص ہے جس کے پاس تھوڑا سا مال ہو یا وہ مال بقدر نصاب تو ہو لیکن بڑھنے والا نہ ہو اور اس کی ضروریات میں کام آتا ہو۔ مثلاً رہنے کا گھر اور خدمت کے غلام اور استعمال کے کپڑے اور اپنے پیشے کے آلات اور علمی شغل رکھنے والے کیلئے کتابیں جبکہ اس کو پڑھنے پڑھانے یا تصحیح کرنے میں ان کی ضرورت ہو یعنی وہ مال بڑھنے والا اور قرضے سے بچا ہوا ہونے کے باوجود مقدار نصاب سے کم ہو۔

اور مسکین وہ شخص جس کے پاس کچھ نہ ہو اور وہ اپنے کھانے کیلئے یا بدن ڈھاپنے کیلئے مانگنے کا محتاج ہو اور اس کیلئے سوال کرنا حلال ہو بخلاف فقیر کے اس لئے کہ فقیر کو سوال کرنا حلال نہیں ہے کیونکہ سوال کرنا اس شخص کیلئے حلال نہیں ہے جو اپنا بدن ڈھاپنے اور ایک دن کی خوراک کا مالک ہو۔ اور ایسے شخص کو زکوۃ دینا جائز ہے جس کو سوال کرنا حلال نہیں ہے لیکن وہ فقیر ہو پس مسکین فقیر سے زیادہ تنگ حال ہوتا ہے۔

والعامل: عامل وہ شخص ہے جس کو امام نے صدقات اور عشر کے وصول کرنے کیلئے مقرر کیا ہو اور عامل کا لفظ ساعی اور عاشر دونوں کیلئے استعمال ہوتا ہے۔

والمكاتب: زکوۃ کا چوتھا مصرف مکاتب غلام ہیں اور ان کو آزاد کرانے میں ان کی مدد کی جائے اللہ تعالیٰ کے فرمان "وفی الرقاب" کا اکثر اہل علم کے نزدیک یہی مطلب ہے اور یہی حسن بصریؒ سے مروی ہے اور مکاتب خواہ چھوٹا ہو یا بڑا اس حکم میں سب برابر ہیں۔

والمديون: زکوۃ کا پانچواں مصرف مدیون (قرضدار) ہے آیت مبارکہ میں غارم سے مراد مدیون ہے اور یہ وہ شخص ہے جس پر قرض لازم ہو اور وہ ان سے وصول کرنے پر قادر نہ ہو۔

ومنقطع الغزاة: چھٹا مصرف اللہ کے راستے میں خرچ کرنا ہے یعنی اس شخص کو دینا جو اللہ کے راستے میں جہاد کر رہا ہے اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک "فی سبیل اللہ" سے مراد وہ غازی لوگ ہیں جو فقیری کی وجہ سے لشکر اسلام کے غازیوں سے جدا ہوں یعنی جو نفقہ جاتے رہنے یا سواری وغیرہ کے نہ ہونے باعث اپنے فقر کی وجہ سے لشکر اسلام کے ساتھ ملنے سے عاجز رہ گئے ہیں تو ان کو صدقہ (زکوۃ) لینا حلال ہے اگر چہ وہ کسب کر سکتے ہوں اس لئے کہ اگر وہ کسب میں مشغول ہوں گے تو جہاد سے رہ جائیں گے اور امام محمدؒ کے "فی سبیل اللہ" سے مراد وہ لوگ ہیں جو فقیری کی وجہ سے حاجیوں کے قافلے سے جدا ہوں یعنی جو لوگ کسی وجہ سے قافلہ میں نہیں مل سکے اور صحیح و ظاہر امام ابو یوسفؒ کا قول ہے

وابن السبيل: ساتواں مصرف مسافر ہے یعنی وہ مسافر جو دور ہونے کی وجہ سے اپنے مال سے جدا ہیں ابن السبیل مسافر کو کہتے

ہیں کیونکہ سبیل کے معنی راستہ ہیں اور راستہ اس کو لازم ہو گیا ہے اس لئے اسم سے موسوم ہو گیا۔ پس ہر وہ شخص جو مسافر ہوگا ابن السبیل کہلائیگا اور اس کی اضافت اس کے ساتھ تعلق کی وجہ سے ہے جس کو اضافت بادنیٰ ملابست یا بادنیٰ تعلق کہتے ہیں اور مسافر اگرچہ اپنے وطن میں مالدار ہو لیکن سفر میں اس کے ساتھ مال نہیں ہے یا اپنے وطن میں اس طرح ہو کہ اس کا قرضہ لوگوں کے ذمہ ہو اور وہ اس کے لینے پر قادر نہ ہو تو اس وقت وہ فقیر ہے اور اس کو زکوٰۃ دینا جائز ہے اگرچہ اس کے گھر والے مال میں اس پر زکوٰۃ واجب ہے

فیدفع الی کلهم او الی صنف: اوپر جن سات مصارف زکوٰۃ کا بیان ہوا یہ سب زکوٰۃ ادا کرنے کیلئے مصرف ہیں اور مالک کو اختیار ہے ان میں سے ہر قسم کے آدمی کو تھوڑا تھوڑا دے یا ایک ہی قسم کے آدمیوں کو سب زکوٰۃ دے اور اس کو یہ بھی اختیار ہے کہ ایک ہی شخص کو دیدے اگرچہ دوسرے اقسام کے لوگ بھی موجود ہوں اس لئے کہ آیت مبارکہ میں ان قسموں کا بیان ہے جن کو زکوٰۃ دینا جائز ہے ان سب کو دینے کا تعین نہیں ہے اور اکثر صحابہؓ سے سب کا عدم تعین ہی مروی ہے۔

لا الی ذمی وصح غیرها: ذمی کو زکوٰۃ نہ دی جائے یعنی زکوٰۃ کا مال ذمی کو دینا بالاتفاق جائز نہیں ہے اور اسی طرح عشر اور خراج بھی ان کو دینا جائز نہیں ہے اس لئے کہ عشر زکوٰۃ کے ساتھ ملحق ہے اس لئے اس کو زراعت کی زکوٰۃ کہتے ہیں اور ان تینوں یعنی زکوٰۃ اور عشر خراج کے علاوہ اور صدقات میں سے ان کو دینا جائز ہے۔ جیسے نفلی صدقہ کہ اس سے ان کو دینا بالاتفاق جائز ہے صدقۂ فطر، نذر، کفارہ میں اختلاف ہے طرفینؒ کے نزدیک جائز ہے لیکن مسلمانوں کے فقراء کو دینا مسلمانوں کیلئے بہتر ہے اور امام ابو یوسفؒ کا اس میں اختلاف ہے۔

بنائے مسجد، تکفین میت سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی

وبناء مسجد وتکفین میت وقضاء دینه وشراء قن یعتق: زکوٰۃ کے مال میں سے مسجد بنانا، پل بنانا، سقایہ بنانا اور وہ سب صورتیں جن میں اس کو مالک نہیں بنایا جاتا جائز نہیں ہے اور اسی طرح میت کو کفن دینا بھی جائز نہیں ہے کیونکہ میت میں تملیک کی صحت نہیں پائی جاتی اس لئے کہ کفن تبرع کرنے والے کی ملکیت رہتا ہے حتی کہ اگر میت کو کوئی درندہ کھا جائے تو اس کا کفن اس کفن دینے والے کا ہوگا نہ کہ میت کے وارثوں کا اور زکوٰۃ کے مال سے میت کا قرض ادا کرنا بھی جائز نہیں ہے اور میت کا قرضہ ادا کرنے کی قید اس لئے ہے کہ اگر زندہ محتاج کی طرف سے ادا کیا تو اگر اس کی اجازت سے ادا کیا ہو تو زکوٰۃ جائز ہو جائیگی اور زکوٰۃ کے مال سے آزاد کرنے کیلئے غلام خرید کرنا بھی جائز نہیں ہے یعنی کسی نے غلام کو اپنے زکوٰۃ کے مال سے خرید کر آزاد کرے تو زکوٰۃ ادا نہ ہوگی کیونکہ اس میں تملیک نہیں پائی گئی اس لئے کہ آزاد کرنا اسقاط ہے تملیک نہیں ہے اور ان چاروں مسئلوں (یعنی بنائے مسجد وغیرہ و تکفین میت وادائے دین میت اور غلام خرید کر آزاد کرنے) میں عدم جواز کی علت تملیک کا نہ پایا جانا ہے۔

واصله وان علا وفرعه وان سفل: اور اپنی اصل یعنی ماں باپ اور ماں سے اوپر کے لوگ دادا دادی، نانا نانی وغیرہ ہیں اور اپنی فروع یعنی بیٹا بیٹی اور اس سے نیچے کے لوگ پوتا پوتی، نواسا نواسی وغیرہ کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے اس لئے۔

اس سے اس زکوٰۃ دینے والے کی منفعت ہر لحاظ سے منقطع نہیں ہوتی بلکہ ایک لحاظ سے اس کی منفعت باقی ہے اور یہ حکم زکوٰۃ کیلئے ہی خاص نہیں ہے بلکہ ہر واجب صدقہ مثلاً کفارات یا فطرہ یا نذر سب کا یہی حکم ہے کہ ان کو دینا جائز نہیں ہے

وَزَوْجَتُهُ وَزَوْجُهَا: خاوند کا اپنی بیوی کو اور بیوی کا اپنے خاوند کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے اس لئے کہ عادت کے بموجب وہ منافع میں ایک دوسرے کے شریک ہوتے ہیں اور عورت کا اپنے خاوند کو دینے میں اختلاف ہے یعنی امام صاحبؒ کے نزدیک عورت اپنے خاوند کو زکوٰۃ نہ دے اور صاحبینؒ کے نزدیک عورت اپنے خاوند کو زکوٰۃ دے سکتی ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے عورت تیرے لئے دو اجر ہیں ایک صدقہ دینے کا اجر دوسرا صلہ رحمی کا اجر یہ ارشاد نبی کریم ﷺ نے ابن مسعودؓ کی بیوی سے فرمایا تھا جبکہ اس نے ابن مسعودؓ کو صدقہ دینے کے متعلق دریافت کیا تھا ہمارے نزدیک یہ حکم نفلی صدقہ کے متعلق ہے۔

وَعَبْدَهُ وَمُكَاتَبَهُ وَمُدَبَّرَهُ وَأُمَّ وَلَدِهِ وَمُعْتَقَ الْبَعْضِ: اور اپنے غلام و مکاتب و مدبر و اپنی ام ولد اور اپنے معتق البعض کو بھی زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے اور معتق البعض کا حکم امام صاحبؒ کے نزدیک ہے اور اس کی صورت یہ ہے کہ وہ ایک پورے غلام کا مالک تھا پھر اس میں سے ایک جزو شائع (تہائی، چوتھائی وغیرہ) آزاد کر دیا یعنی یہ صورت اس وقت ہے جبکہ غلام کے بعض حصہ کو آزاد کرنے والا ہی کل غلام کا مالک ہو اور جس قدر حصہ اس نے آزاد کر دیا وہ حصہ آزاد ہو گیا اور باقی حصہ کی قیمت کیلئے سعی کرنا اس کی تحریر (مکاتبت) اس کے ذمہ ہے اور اگر وہ غلام دو اجنبی آدمیوں میں مشترک ہے اور ان میں سے ایک نے اپنا حصہ آزاد کر دیا اور وہ مفلس ہے اور دوسرے حصہ دار (مالک) نے غلام سے سعی کرانا اختیار کیا تو معتق (آزاد کرنے والا) اس کو زکوٰۃ دے سکتا ہے کیونکہ یہ اس کے شریک کا مکاتب ہے نہ کہ اس کا لہٰذا اس کیلئے جائز ہے کہ اس کو زکوٰۃ دے۔

وَغَنِيٍّ يَمْلِكُ نِصَابًا وَعَبْدَهُ وَطِفْلَهُ: مالدار کو جو نصاب کا مالک ہو زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے خواہ وہ نصاب کسی قسم کے مال کا ہو مثلاً دینار ہوں یا درہم ہوں یا چرنے والے جانوروں کا یا تجارت کا مال یا بغیر تجارت کا مال جو تمام سال میں اس کی حاجت سے زائد ہو غنی کا غلام اگر مکاتب نہ ہو تو اس کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں اس لئے کہ جو چیز غلام کی ملکیت ہوگی وہ اس کے مولیٰ کی ملکیت ہو جائیگی حالانکہ وہ غنی ہونے کی وجہ سے زکوٰۃ کا مصرف نہیں ہے۔ غنی کے چھوٹے لڑکے کو بھی زکوٰۃ دینا جائز نہیں اس لئے کہ وہ اپنے باپ کے غنی ہونے سے غنی شمار ہوگا اور چھوٹے لڑکے سے مراد نابالغ ہے خواہ مذکر ہو یا مؤنث اور صحیح قول کی بنا پر خواہ وہ اپنے باپ کی عیال میں ہو یا نہ ہو کیونکہ سبب موجود ہے وہ یہ کہ اپنے باپ کے غنی ہونے سے غنی شمار کیا جائیگا اور غنی کے بڑے یعنی بالغ فقیر لڑکے کو زکوٰۃ دینا مطلقاً جائز ہے۔

سادات اور ان کے غلاموں کو زکوٰۃ دینے کا حکم

وَهَاشِمِيٍّ وَمَوْلَاهُمْ: زکوٰۃ کا مال بنی ہاشم کو دینا جائز نہیں ہے بنی ہاشم سے مراد حضرت عباسؓ، علیؓ، جعفرؓ، عقیلؓ اور حارثؓ بن عبد المطلب کی اولاد ہے اور ان کے علاوہ جو دیگر بنی ہاشم ہیں ان کو زکوٰۃ کا مال دینا جائز ہے جیسے ابولہب کی اولاد اس لئے کہ

انہوں نے نبی کریم ﷺ کی مدد نہیں کی بنی ہاشم کے غلاموں کو بھی زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے: مولی القوم من انفسهم وانما لا تحل لنا الصدقة. کہ کسی قوم کا آزاد کیا ہوا غلام انہی میں سے ہوتا ہے اور بیشک ہم کو صدقہ حلال نہیں ہے۔ آزاد کئے ہوئے غلام کی قید سے معلوم ہو گیا کہ رقیق غلام کو دینا بدرجہ اولی منع ہے۔

وَلَوْ دَفَعَ بِتَحَرٍّ فَبَانَ أَنَّهُ غَنِيٌّ أَوْ هَاشِمِيٌّ أَوْ مَوْلَاهُ أَوْ كَافِرٌ أَوْ أَبُوْهُ أَوْ اِبْنُهُ صَحَّ وَلَوْ عَبْدُهُ أَوْ مُكَاتَبُهُ لَا وَكُرِهَ الْإِغْنَاءُ وَنُدِبَ عَنِ السُّؤَالِ وَكُرِهَ نَقْلُهَا إِلَى بَلَدٍ آخَرَ لِغَيْرِ قَرِيْبٍ وَأَحْوَجَ وَلَا يَسْأَلُ مَنْ لَهُ قُوْتُ يَوْمِهِ

ترجمہ: اور اگر اٹکل سے زکوٰۃ دی پھر ظاہر ہوا کہ وہ تو غنی یا ہاشمی یا کافر یا اس کا باپ یا اس کا بیٹا تھا تو صحیح ہے اور اگر ظاہر ہوا کہ اس کا غلام یا مکاتب تھا تو صحیح نہیں اور غنی کر دینا مکروہ ہے اور سوال سے بے نیاز کر دینا مستحب ہے۔ اور مال زکوٰۃ کو دوسرے شہر میں لیجانا بجز اس کا رشتہ دار اور زیادہ محتاج نہ ہو مکروہ ہے اور جس کے پاس ایک دن کے غذا ہو تو وہ سوال نہ کرے۔

وَلَوْ دَفَعَ بِتَحَرٍّ فَبَانَ أَنَّهُ غَنِيٌّ أَوْ هَاشِمِيٌّ أَوْ مَوْلَاهُ أَوْ كَافِرٌ أَوْ أَبُوْهُ أَوْ اِبْنُهُ صَحَّ وَلَوْ عَبْدُهُ أَوْ مُكَاتَبُهُ: اور اگر تحری (اٹکل) کر کے ایسے شخص کو زکوٰۃ دی جس کو وہ اپنے گمان میں زکوٰۃ کا مصرف جانتا ہے پھر اس کے خلاف ظاہر ہوا تو اس کی زکوٰۃ جائز ہو گی لیکن اگر وہ اس کا غلام یا مکاتب ہو تو جائز نہیں ہوگی اور تحری عرف میں اس کو کہتے ہیں کہ جب کسی چیز کی حقیقت پر واقفیت حاصل نہ ہو تو اٹکل سے اس چیز کے متعلق غالب گمان حاصل کرنا اور تحری سے محض اجتہاد (کوشش کرنا اور رائے قائم کر لینا) مراد نہیں ہے بلکہ جب اس میں شک واقع ہو جائے کہ وہ شخص زکوٰۃ کا مصرف ہے یا نہیں تو بذریعہ اجتہاد و اٹکل اس بارے میں غالب گمان حاصل کرنا ہے پس اگر بغیر ظن غالب حاصل کئے صرف اجتہاد سے یا اجتہاد و تحری کے بغیر زکوٰۃ دیدی یا شک کے بعد اس گمان سے کہ زکوٰۃ کا مصرف نہیں ہے کسی کو زکوٰۃ دیدی پھر ظاہر ہوا کہ وہ زکوٰۃ کا مصرف نہیں تو یہ زکوٰۃ ادا نہیں ہوئی۔

وَكُرِهَ الْإِغْنَاءُ: اور زکوٰۃ لینے والے فقیر کو غنی کر دینا مکروہ ہے یعنی ایک فقیر کو نصاب کی مقدار یا زیادہ دینا مکروہ ہے پس ایک شخص کو دو سو درہم یا اس سے زیادہ دینا مکروہ ہے اور اگر دیدے تو جائز ہے اور یہ حکم اس وقت ہے جبکہ فقیر قرضدار نہ ہو اور اگر قرضدار ہو اور اس کو اس قدر دیدے کہ اس کا قرض ادا ہونے کے بعد اس کے پاس کچھ باقی نہ رہے یا دو سو درہم سے کم باقی رہے تو یہ (بلا کراہت) جائز ہے اور اسی طرح اگر اس کے اہل و عیال بہت ہوں تو اس کو اس قدر دینا (بلا کراہت) جائز ہے کہ اگر وہ سب اہل و عیال پر تقسیم کرے تو ہر ایک کو دو سو درہم سے کم پہنچے اس لئے کہ اس شخص کو زکوٰۃ دینا حقیقت میں اس کی عیال کو دینا ہے جن پر وہ خرچ کرے گا اور جس مقدار کے دینے سے فقیر کے پاس کی رقم بقدر نصاب پوری ہو جائے وہ بقدر نصاب دینے کے حکم میں ہے۔

اتنی زکوٰۃ دینا کہ سوال سے مستغنی ہو جائے مستحب ہے

وَنُدِبَ عَنِ السُّؤَالِ: اور ایک فقیر کو اس قدر دینا مستحب ہے کہ اس روز اس کو سوال کی حاجت نہ ہو اور اس روز کی قدر کفایت کیلئے اس کی اور اس کے اہل و عیال کی حاجت کا اعتبار کیا جائیگا اس روز اس کو سوال کی ضرورت نہ ہونے سے مراد صرف خوراک کا

سوال نہیں ہے بلکہ ان تمام چیزوں میں جن کو اپنی ذات اور اپنے اہل و عیال کیلئے اس روز محتاج ہے اس کو سوال سے بے نیاز کردے۔

وَكُرِهَ نَقْلُهَا إِلَى بَلَدٍ آخَرَ لِغَيْرِ قَرِيبٍ وَأَحْوَجَ: سال پورا ہونے کے بعد زکوٰۃ کے مال کو ایک شہر سے دوسرے شہر میں منتقل کرنا مکروہ ہے لیکن اگر دوسرے شہر میں زکوٰۃ دینے والے کے رشتہ دار (قرابت والے لوگ) ہوں یا دوسرے شہر کے لوگ اس شہر والوں سے زیادہ محتاج ہیں تو مکروہ نہیں اس لئے کہ اس میں پڑوس کے حق کی رعایت ہے پس یہ اولیٰ ہے پس اگر یہ دونوں صورتیں نہ ہوں اور پھر دوسرے شہر کی طرف منتقل کرے تو زکوٰۃ ادا ہو جائیگی اگرچہ یہ مکروہ ہوگا اس لئے کہ مکان کی قید کے بغیر فقراء مطلقاً مصرف ہیں یعنی خواہ کہیں بھی ہوں کیونکہ قرآن و حدیث میں فقراء کا ذکر مطلقاً ہے۔

سوال کرنا کس کیلئے جائز اور کس کیلئے ناجائز ہے

وَلَا يَسْأَلُ مَنْ لَهُ قُوتُ يَوْمِهِ: جس شخص کے پاس ایک روز کی خوراک موجود ہو اس روز کی خوراک کیلئے سوال کرنا حلال نہیں ہے خواہ وہ خوراک بالفعل موجود ہو یا بالقوہ ہو۔ مثلاً تندرست ہو کہ کمائی پر قادر ہو خوراک کیلئے سوال کی قید اس لئے لگائی ہے کہ اگر کسی اور ضرورت کی چیز (مثلاً کپڑا وغیرہ) کا سوال کرے تو جائز ہے مکروہ نہیں ہے اور سوال کرنے کی قید اس لئے لگائی ہے کہ اس شخص کو جو نصاب سے کم کا مالک ہو بغیر سوال کئے لے لینا جائز ہے اور اس دن کی خوراک کی قید اس لئے ہے کہ اگر کسی شخص کے پاس اس ایک دن کی خوراک بھی نہیں ہے تو اس کو سوال کرنا جائز ہے اور صحیح و تندرست کمانے والے شخص کو جبکہ اس کے پاس اس دن کی خوراک بھی موجود نہ ہو تب بھی سوال کرنا جائز نہیں ہے اس لئے کہ اپنی تندرستی اور کما سکنے کی وجہ سے اس دن کی خوراک پر قادر ہے پس گویا کہ وہ اس خوراک کا مالک ہے اور اس کو دینے والا اگر اس کے حال کو جانتا ہے تو گنہگار ہوگا کیونکہ وہ حرام چیز پر اس کی اعانت کرتا ہے۔

بَابُ صَدَقَةِ الْفِطْرِ

صدقۂ فطر کا بیان

صدقۂ فطر کی زکوٰۃ اور صوم دونوں کے ساتھ مناسبت ہے زکوٰۃ کے ساتھ تو ظاہر ہے کہ دونوں عبادت مالیہ ہیں اور صوم کے ساتھ اس طرح کہ صدقۂ فطر کے وجوب کی شرط فطر صوم ہے اس لئے مصنفؒ نے اس کو دونوں کے درمیان ذکر کیا صدقہ کا معنی عطیہ ہے لیکن مراد وہ عطیہ ہے جو تقرب الٰہی کی امید پر دیا جائے اور صدقہ نام رکھنے کی وجہ یہ ہے کہ اس سے ثواب کو حاصل کرنے میں رغبت کا صادق ہونا ظاہر ہوتا ہے جیسا صداق (مہر) سے عورتوں کے سلسلہ میں مرد کی رغبت کا صادق ہونا ظاہر ہو جاتا ہے اور فطر فطرت سے ماخوذ ہے بمعنی نفس اور خلقت، کیونکہ یہ صدقہ ہر نفس کی طرف سے دیا جاتا ہے حتیٰ کہ عید کی چاند رات میں صبح صادق سے پہلے پہلے پیدا ہونے والے بچہ کی طرف سے بھی دیا جاتا ہے۔ عید الفطر کے دن خاص کر اس صدقہ کے

تقرر میں مصلحت یہ ہے کہ یہ خوشی کا دن ہے اور اس دن اسلام کی شان و شوکت کثرت و جمعیت کے ساتھ دکھائی جاتی ہے اور صدقہ دینے سے یہ مقصود خوب کامل ہو جاتا ہے علاوہ اس کے اس میں روزے کی بھی تکمیل ہے۔ (عینی علامہ ابوالبرکات)

تجب علی کل حر مسلم ذی نصاب فضل عن مسکنه وثیابه واثاثه وفرسه وسلاحه وعبیده عن نفسه وطفله الفقیر وعبده للخدمة ومدبره وام ولده لا عن زوجته وولده الکبیر ومکاتبه وعبد او عبید لهما ویتوقف لو مبیعا بخیار نصف صاع من بر او دقیقه او سویقه او زبیب او صاع من تمر او شعیر وهو ثمانیة ارطال صبح یوم الفطر فمن مات قبله او اسلم او ولد بعده لا تجب وصح لو قدم او اخر

صدقہ فطر آزاد مسلمان پر واجب ہے جو ایسے نصاب کا مالک ہو جو اس کے گھر سے، کپڑوں سے، اسباب سے، گھوڑے سے، ہتھیار سے، غلاموں سے بچا ہوا اپنی اور اپنے نادار بچے اور خدام اور مدبر اور ام ولد کی طرف سے اور اگر خیار کے ساتھ بیچا ہو تو موقوف رہیگا نصف صاع گندم یا اس کا آٹا یا ستو یا کشمش اور یا ایک صاع کھجور یا جو اور صاع آٹھ رطل کا ہوتا ہے عید کے دن صبح کو پس جو شخص اس سے پہلے مر جائے یا مسلمان ہو جائے یا اس کے بعد پیدا ہو تو اس پر واجب نہیں اور اگر عید کی صبح سے پہلے یا بعد میں دے تب بھی ٹھیک ہے۔

تجب علی کل حر مسلم ذی نصاب فضل عن مسکنه وثیابه واثاثه وفرسه وسلاحه وعبیده:

صدقہ فطر ہر آزاد مسلمان پر واجب ہے جو صاحب نصاب ہو خواہ نامی ہو یا نامی نہ ہو سال گذرا ہو یا نہ گذرا ہو البتہ وہ نصاب اس کی اور اس کے اہل و عیال کی اصل حاجتوں سے زائد ہو مثلاً رہنے کا مکان، پہننے کے کپڑے، گھریلو استعمال کا سامان، سواری کے گھوڑے، استعمال کے ہتھیار وغیرہ اس لئے کہ اہل و عیال کی حوائج بھی اس کی حوائج کی مانند ہیں اور وجوب کی دلیل نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے "ادوا عن کل حر وعبد صغیر او کبیر نصف صاع من بر او صاعا من شعیر" کہ ہر آزاد اور غلام کی طرف سے خواہ صغیر ہو یا کبیر نصف صاع گندم کا یا ایک صاع جو کا ادا کرو یہ حدیث اخبار احاد میں سے ہے جس سے وجوب ہی ثابت ہوگا فرضیت ثابت نہیں ہوگی کیونکہ یہ دلیل قطعی نہیں ہے اور یہ حدیث کہ فرض رسول اللّٰہ زکاۃ الفطر علی الذکر والانثی، رسول اللہ ﷺ نے زکوٰۃ فطر کو مرد و عورت پر فرض فرمایا اس کے معنی یہ ہیں کہ مقرر فرمایا۔

(۱) **علی کل حر:** آزاد ہو لہٰذا غلام پر صدقہ فطر واجب نہیں ہے کیونکہ اس کی ملکیت متحقق نہیں ہے۔

(۲) **مسلم:** مسلمان ہو لہٰذا کافر پر صدقہ فطر واجب نہیں ہے کیونکہ یہ عبادت ہے اور کافر عبادت کا اہل نہیں ہے۔

(۳) **ذی نصاب:** صاحب نصاب ہو کیا یہ اس لئے شرط ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے: لا صدقة الا عن ظهر غنی کہ صدقہ الفطر مالدار پر ہی واجب ہے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک ہر اس شخص پر صدقۃ الفطر واجب ہے جو اپنی اور اپنے اہل و عیال کی ایک دن سے زائد خوراک کا مالک ہو مگر حدیث مذکور ان پر حجت ہے۔

عَنْ نَفْسِهٖ وَطِفْلِهِ الْفَقِیْرِ: صدقۂ فطر اپنی طرف سے ادا کرنا واجب ہے اگرچہ اس نے کسی عذر کی وجہ سے روزہ نہ رکھا ہو یا بلا عذر روزہ ترک کر دے اور اس کے چھوٹے (نابالغ محتاج) بچے کی طرف سے بھی اس پر واجب ہوتا ہے وہ بچہ خواہ مذکر ہو یا مؤنث کیونکہ اس کا نفقہ اس پر واجب ہے لیکن اس کے نابالغ غنی لڑکے کا صدقۂ فطر اس کے مال میں سے واجب ہوگا بیوی کا صدقۂ فطر خاوند پر واجب نہیں ہے اور اس کا بڑا لڑکا بھی اس حکم میں شامل نہیں ہے کیونکہ اس پر بھی ولایت حاصل نہیں ہے اور یہی حکم مجنون اولاد کا ہے۔

وَعَبْدِهٖ لِلْخِدْمَةِ وَمُدَبَّرِهٖ وَاُمِّ وَلَدِهٖ: اور اپنے غلام کی طرف سے خدمت کیلئے ہو صدقۂ فطر دینا واجب ہے خواہ وہ مسلمان ہو یا کافر اور احناف کے نزدیک اپنے مدبر غلاموں اور امہات اولاد کی طرف سے بھی صدقہ واجب ہے اور غلام کے خدمت کیلئے ہونے کی قید سے معلوم ہو گیا کہ اگر وہ تجارت کیلئے ہو تو اس کا صدقۂ فطر واجب نہیں ہے کیونکہ اس طرح وجوب مکرر، چاہیگا اور ایک مال میں دو مالی وجوب (زکوۃ و صدقۂ فطر) جمع ہو جائیں گے۔

بیوی بالغ لڑکے کا صدقۂ فطر واجب نہیں

لَا عَنْ زَوْجَتِهٖ وَوَلَدِهِ الْكَبِيْرِ وَمُكَاتَبِهٖ: بیوی کا صدقہ خاوند پر واجب نہیں ہے اور اسی طرح بالغ لڑکے کا صدقہ بھی واجب نہیں ہے کیونکہ اس کو ان پر ولایت مطلقہ حاصل نہیں ہے اور مکاتب کی طرف سے صدقہ نہ دے کیونکہ اس کی ملکیت ناقص ہے اور مکاتب خود بھی اپنی طرف سے صدقہ نہ دے کیونکہ وہ فقیر ہے اس لئے کہ جو کچھ اس کے قبضہ میں ہے وہ مالک کا ہے حقیقت میں اس کی ملکیت نہیں ہے اس لئے کہ مکاتب پر جب تک ایک درہم بھی باقی ہے وہ غلام ہے اور غلام خود مملوک ہے تو وہ مالک نہیں ہو سکتا۔

وَعَبْدٍ اَوْ عَبِيْدٍ لَهُمَا: اگر ایک غلام یا لونڈی دو آدمیوں میں مشترک ہو تو بالاتفاق اس کا صدقۂ فطر واجب نہیں ہے اور ایک سے زیادہ غلام دو آدمیوں میں مشترک ہوں تو اس میں اختلاف ہے امام صاحبؒ کے نزدیک ان کا صدقہ واجب نہیں ہے۔ کیونکہ ہر شریک کی ولایت و مؤنت ناقص ہے اور صاحبینؒ کے نزدیک ہر ایک کے ذمہ ان پورے غلاموں کا فطرہ واجب ہوگا پس اگر ایک غلام ہو تو دونوں پر کچھ واجب نہیں ہوگا اور اگر دو غلام ہوں تو ہر ایک پر ایک ایک غلام کا صدقہ واجب ہوگا اور اگر تین ہوں تب بھی یہی حکم ہے ہر کسی ایک پر ایک ایک غلام کا صدقہ واجب ہوگا یعنی صرف دو غلاموں کا واجب ہوگا۔

وَيَتَوَقَّفُ لَوْ مَبِيْعًا بِخِيَارٍ: اور صدقہ کا وجوب موقوف رہے گا جبکہ غلام کو خیار شرط پر بیچا ہو اگر کسی نے بائع یا مشتری کیلئے خیار کی شرط پر کوئی غلام خریدا پھر فطرہ کا دن مدت خیار میں گذر گیا تو اس کا صدقۂ فطر موقوف رہے گا اگر بیع پوری ہو گئی تو مشتری پر واجب ہوگا اور اگر بیع فسخ ہو گئی تو بائع پر واجب ہوگا اور خیار سے مراد خیار شرط ہے پس اگر مشتری نے اس کو بائع پر خیار رؤیت یا خیار عیب کی وجہ سے واپس کر دیا تو اگر اس کو قبضہ کرنے سے پہلے واپس کر دیا ہو تو بالاتفاق اس کا صدقہ بائع پر واجب ہوا اور اگر قبضہ کے بعد واپس کیا ہو تو مشتری پر واجب ہوگا اور اگر خیار نہ ہو اور یوم فطر کے بعد اس پر قبضہ کیا ہو تو مشتری پر واجب ہوگا۔

بِنِصْفِ صَاعٍ مِنْ بُرٍّ اَوْ دَقِيْقِهٖ اَوْ سَوِيْقِهٖ: ائمہ ثلاثہؒ کے نزدیک صدقۃ الفطر میں خواہ گندم دیا جائے یا جو یا کھجور یا کشمش

کِتَابُ الصَّوْم

روزہ کا بیان

روزہ کا وجوب کب ہوا اور اسکی آٹھ قسموں کا بیان

امام محمدؒ نے جامع صغیر میں صوم کو صلوٰۃ کے بعد ذکر کیا ہے اس لئے کہ دونوں عبادت بدنیہ ہیں برخلاف زکوٰۃ کے کہ وہ عبادت مالیہ ہے اور مصنفؒ نے صلوٰۃ کے بعد زکوٰۃ کو ذکر کیا تاکہ قرآن کریم ﴿اقیموا الصلوٰۃ واٰتوا الزکوٰۃ﴾ کی اقتداء ہو جائے لغت میں صوم کے معنی مطلقاً امساک (رکنے) کے ہیں خواہ کسی چیز سے رکنا ہو چنانچہ صام عن الکلام کلام اور بات چیت سے رکنے کا نام صوم ہے روزہ کلمہ توحید کے بعد اسلام کا تیسرا رکن ہے اور صوم رمضان ہجرت کے اٹھارہ ماہ بعد شعبان کے مہینہ میں تحویل قبلہ کے بعد فرض کئے گئے اور اس سے پہلے رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرامؓ عاشوراء اور ایام بیض (قمری مہینہ کی تیرھویں، چودھویں پندرھویں تاریخ) کے روزے رکھا کرتے تھے روزہ کی آٹھ قسمیں ہیں (۱) فرض معین (یعنی وہ روزے جن کا وقت معین ہو) جیسے رمضان المبارک کے ادا روزے (۲) فرض غیر معین (کہ جس کو کسی خاص وقت میں رکھنا ضروری نہ ہو) جیسے رمضان المبارک کے قضاء روزے (۳) واجب معین (کہ جس روزہ کا دن یا تاریخ یا مہینہ متعین ہو) جیسے نذر معین قسم معین کے روزے (۴) واجب غیر معین (جس روزہ میں کسی خاص دن کی تعیین نہ ہو) جیسے نذر مطلق، قسم مطلق، کفارات وغیرہ کے روزے (۵) مسنون (روزوں میں کوئی روزہ سنت مؤکدہ نہیں ہے اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کی عادت مبارکہ کسی نفلی روزے میں ہمیشگی کی نہیں تھی لیکن ہر وہ روزہ جس میں شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف سے رغبت پائی گئی ہو، آپ ﷺ نے رکھا ہو تو اگر اس کے بارے میں بہت کی روایات وارد ہوئی ہوں اور اس پر نبی ﷺ کا اکثر عمل ثابت ہو تو یہاں مسنون روزہ سے ایسے روزے مراد ہیں) جیسے عرفہ، یعنی نویں ذی الحجہ اور ایام بیض (یعنی تیرہ، چودہ، پندرہ) کے روزے (۶) مستحب وہ ہے جس پر آنحضرت ﷺ کا اکثر عمل نہیں پایا گیا، آپ ﷺ نے کسی روزہ کے متعلق رغبت دلائی لیکن خود نہیں وہ روزہ نہیں رکھا یا آپ ﷺ سے کسی روزہ کے متعلق رغبت دلانا ثابت نہیں ہے لیکن آپ ﷺ سے اس کی کراہت بھی ثابت نہیں ہے تو وہ مستحب اور مندوب ہے۔ پس ہر نفل روزہ مندوب ہے جب تک اس کے متعلق نبی کریم ﷺ سے کراہت ثابت نہ ہوا ہو بعض روزوں کی فضیلت احادیث مبارکہ میں وارد ہے تو ان کے رکھنے میں زیادہ ثواب ہے جیسے پیر، جمعرات، جمعہ، شوال کے چھ روزے، ماہ محرم اور ذی الحجہ کے عشرۂ اول کے نو، اور رجب، اور شعبان (سوائے ۲۸، ۲۹، ۳۰) کے روزے مستحب ہیں (۷) مکروہ تحریمی۔ عید الفطر کے دن اور عید الاضحیٰ کے دن اور عید الاضحیٰ کے بعد کے تین دن یعنی گیارہ، بارہ اور تیرہ تاریخ کے روزے جو ایام تشریق کہلاتے ہیں ان پانچ دنوں کے روزے مکروہ ہیں نیز یہ مکروہ تحریمی ہیں اور مکروہ تحریمی حرام کے قریب ہوتا ہے عوام کیلئے شک کے دن کا روزہ بھی مکروہ

تحریمی ہے (۸) مکروہ تنزیہی صرف ہفتہ یا صرف اتوار کا اکیلا روزہ یا نوروز و مہرگان کا روزہ یا کسی اور ایسے دن کا روزہ جس میں غیر مسلم روزہ رکھتے ہوں اور اس کو معظم جانتے ہوں جبکہ یہ روزہ ان کے ساتھ تشبہ کے ارادے یا ان دنوں کی تعظیم کیلئے نہ رکھا جائے تو مکروہ تنزیہی ہے اور اگر تشبہ کے ارادہ یا ان دنوں کی تعظیم کیلئے ہو تو مکروہ تحریمی ہے۔

هُوَ تَرْكُ الْأَكْلِ وَالشُّرْبِ وَالْجِمَاعِ مِنَ الصُّبْحِ إِلَى الْغُرُوْبِ بِنِيَّةٍ مِنْ أَهْلِهِ وَصَحَّ صَوْمُ رَمَضَانَ وَهُوَ فَرْضٌ وَالنَّذْرُ الْمُعَيَّنُ وَهُوَ وَاجِبٌ وَالنَّفْلُ بِنِيَّةٍ مِنَ اللَّيْلِ إِلَى مَا قَبْلَ نِصْفِ النَّهَارِ وَبِمُطْلَقِ النِّيَّةِ وَبِنِيَّةِ النَّفْلِ وَمَا بَقِيَ لَمْ يَجُزْ إِلَّا بِنِيَّةٍ مُعَيَّنَةٍ مُبَيَّتَةٍ وَيَثْبُتُ رَمَضَانُ بِرُؤْيَةِ هِلَالِهِ أَوْ بَعْدَ شَعْبَانَ ثَلَاثِيْنَ.

ترجمہ: وہ (روزہ) کھانے پینے اور جماع کو چھوڑ دینا ہے صبح سے غروب تک نیت کے ساتھ اس شخص کا جو نیت کا اہل ہو اور رمضان کا روزہ جو فرض ہے اور نذر معین کا روزہ جو واجب ہے اور نفل روزہ رات سے لیکر نصف النہار (شرعی) سے پہلے تک نیت کرنے سے اور مطلق نیت کے ساتھ اور نفل روزہ کی نیت کے ساتھ درست ہو جاتے ہیں اور ان کے علاوہ باقی روزے درست نہیں مگر رات ہی سے معین نیت کے ساتھ اور ثابت ہو جاتا ہے رمضان چاند دیکھنے سے یا شعبان کے تیس دن ہو جانے سے۔

هُوَ تَرْكُ الْأَكْلِ وَالشُّرْبِ وَالْجِمَاعِ مِنَ الصُّبْحِ إِلَى الْغُرُوْبِ بِنِيَّةٍ مِنْ أَهْلِهِ: صوم کے لغوی معنی مطلقاً کسی چیز (مثلاً کھانے سے پینے یا کلام کرنے) سے باز رہنا اور اس کے شرعی معنی ہیں کہ جو شخص روزہ کی اہلیت رکھتا ہو وہ عبادت کی نیت سے صبح صادق کے طلوع ہونے سے سورج کے غروب ہونے تک قصداً روزہ کی نیت سے کھانے پینے سے اور اس چیز سے جو کھانے پینے کے حکم میں ہے اور جماع سے اپنے آپ کو باز رکھے ان چیزوں سے اپنے آپ کو باز رکھنا خواہ حقیقۃً ہو یا حکماً ہو مثلاً بھول کر کھا: چونکہ شرعاً بھول کھانے پینے کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔

نیت میں ابتداء وقت اور انتہاء وقت کے اعتبار سے روزہ کی قسمیں

وَصَحَّ صَوْمُ رَمَضَانَ وَهُوَ فَرْضٌ وَالنَّذْرُ الْمُعَيَّنُ وَهُوَ وَاجِبٌ وَالنَّفْلُ بِنِيَّةٍ مِنَ اللَّيْلِ إِلَى مَا قَبْلَ نِصْفِ النَّهَارِ: روزہ کی نیت کا اول وقت بالاتفاق غروب آفتاب کے بعد ہے انتہاء وقت میں اختلاف ہے احناف کے نزدیک نیت کے آخری وقت کے اعتبار سے روزہ کی دو قسمیں ہیں (۱) وہ روزے جن میں رات سے نیت کرنا شرط نہیں ہے (۲) وہ روزے جن میں رات سے نیت کرنا شرط ہے (رات سے مراد غروب آفتاب کے بعد سے لیکر صبح صادق سے پہلے تک کا وقت ہے) قسم اول کے روزے یہ ہیں ماہ رمضان اور نذر معین کے ادا روزے ہے اور نفل کے ادا روزے نفل سے مراد فرض و واجب کے علاوہ باقی سب روزے ہیں یعنی اس بارے میں نفل کا حکم عام ہے سنت و مستحب و مکروہ سب کو شامل ہے پس ان تین قسم کے روزوں میں نیت کا وقت غروب آفتاب کے بعد سے نصف النہار شرعی تک ہے اور نصف النہار شرعی طلوع صبح صادق سے ضحوۂ کبریٰ کے وقت تک ہے نہ کہ زوال کے وقت تک اس لئے کہ زوال کا وقت طلوع آفتاب سے غروب آفتاب تک کے وقت کا نصف النہار ہے امام شافعی

اور امام احمدؒ کے ہاں رمضان اور نذر معین کے روزوں میں بھی رات نیت کرنا ضروری ہے البتہ نفل روزہ کی نیت صبح صادق کے بعد کرنا بھی صحیح ہے اور امام مالکؒ کے نزدیک فرض و نفل روزہ کی نیت صبح صادق کے بعد کرنا شرط ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے.
لا صیام لمن لم ینو الصیام من اللیل کہ اس شخص کا روزہ نہیں ہے جس نے رات سے روزہ کی نیت نہیں کی۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ جب ایک اعرابی نے رمضان کا چاند دیکھنے کی شہادت دی تو رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص نے کچھ کھا لیا وہ باقی دن نہ کھائی اور جس نے نہیں کھایا وہ روزہ رکھ لے یعنی روزہ کی نیت کر لے اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صبح کے بعد روزہ کی نیت کرنا جائز ہے اور امام شافعیؒ کی پیش کردہ حدیث کا جواب یہ ہے اس حدیث میں اصل صوم کی نفی نہیں کی گئی ہے بلکہ فضیلت صوم اور کمال صوم کی نفی کی گئی یعنی اگر رات میں روزہ کی نیت نہ کی ہو تو وہ روزہ افضل اور اکمل نہ ہوگا البتہ نفس صوم ادا ہو جائیگا۔

وہ روزے جو مطلق نیت سے صحیح ہو جاتے ہیں اور جو صحیح نہیں ہوتے

وَبِمُطْلَقِ النِّيَّةِ وَبِنِيَّةِ النَّفْلِ وَمَا بَقِيَ لَمْ يَجُزْ إِلَّا بِنِيَّةٍ مُعَيَّنَةٍ مُبَيَّتَةٍ: نیت میں تعین کرنے کے اعتبار سے بھی روزہ کی دو قسمیں ہیں اول وہ روزے جن میں نیت کا تعین شرط نہیں ہے اور دوم وہ جن میں تعین شرط ہے سوائے رمضان و نذر معین اور نفل روزے قسم اول سے ہیں کہ ان میں نیت کا تعین شرط نہیں ہے البتہ افضل یہ ہے کہ متعین کرلے کیونکہ ماہ رمضان میں کوئی دوسرا روزہ مشروع نہیں پس رمضان شارع کی تعیین سے متعین ہے لہٰذا مطلق نیت کافی ہے نیز نفل کی نیت سے بھی صحیح ہے کیونکہ ان کا کوئی مزاحم نہیں امام شافعیؒ کے نزدیک نفلی روزہ کی نیت سے روزہ داری نہ ہوگی اور مطلق نیت میں ان کے دو قول ہیں ایک یہ کہ فرض ادا ہو جائیگا دوم یہ کہ ادا نہ ہوگا یہی قول امام مالکؒ واحمدؒ کا ہے مصنفؒ نے روزہ دار کی کوئی تخصیص نہیں کی کیونکہ تندرست، بیمار، مقیم، مسافر سب کا یہی حکم ہے البتہ مسافر اگر رمضان میں کسی دوسرے واجب روزہ کی نیت کرلے تو وہی واجب ادا ہوگا اور نفل کی نیت کرنے یا متعین کئے بغیر مطلق روزہ کی نیت کرے تو رمضان کا روزہ ہوگا۔ مذکورہ بالا روزوں کے علاوہ باقی روزے یعنی رمضان اور نذر معین کی قضاء، نذر مطلق، کفارہ ظہار، کفارہ قتل، کفارہ یمین، جزائے صید، حلق، تمتع، مطلق نیت سے درست نہ ہوں گے کیونکہ ان میں وقت معین نہیں۔

وَيَثْبُتُ رَمَضَانُ بِرُؤْيَةِ هِلَالِهِ أَوْ بِعَدِّ شَعْبَانَ ثَلَاثِينَ: رمضان کا ثبوت چاند دیکھنے یا شعبان کے رمضان المبارک کا چاند تلاش کرنا واجب علی الکفایہ ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ رمضان کا چاند دیکھ کر روزہ رکھو اور شوال کا چاند دیکھ کر افطار کرو۔ اگر مطلع ابر آلود ہو اور چاند نظر نہ آئے تو شعبان کے تیس دن پورے کرو نیز مہینے کی بقاء اصل چیز ہے اس لئے دلیل کے بغیر اس ماہ کا اختتام اور دوسرے ماہ کا آغاز جائز نہ ہوگا اور مذکورہ صورت میں دلیل موجود نہیں یعنی مہینہ اصل میں تو تیس دن کا ہوتا ہے لہٰذا اگر انتیس شعبان کی شام کو چاند نظر نہ آئے تو دوسرے دن روزہ نہ رکھا جائے کیونکہ اصل کے لحاظ سے ابھی شعبان باقی ہے اس لئے بلا دلیل یعنی چاند دیکھے بغیر اختتام شعبان کا فیصلہ نہیں ہو سکتا ہاں اگر مذکورہ شام کو چاند دکھائی دے تو دوسرے دن روزہ

ضروری ہوگا کیونکہ کبھی قمری مہینہ انتیس دن کا ہوتا ہے۔

وَلَا يُصَامُ يَوْمُ الشَّكِّ إِلَّا تَطَوُّعًا وَمَنْ رَأَى هِلَالَ رَمَضَانَ أَوِ الْفِطْرِ وَرُدَّ قَوْلُهُ صَامَ فَإِنْ أَفْطَرَ قَضَى فَقَطْ وَقُبِلَ بِعِلَّةٍ خَبَرُ عَدْلٍ وَلَوْ قِنًّا أَوْ أُنْثَى لِرَمَضَانَ وَحُرَّيْنِ أَوْ حُرٍّ وَحُرَّتَيْنِ لِلْفِطْرِ وَإِلَّا فَجَمْعٌ عَظِيمٌ لَهُمَا وَالْأَضْحٰى كَالْفِطْرِ وَلَا عِبْرَةَ بِاخْتِلَافِ الْمَطَالِعِ.

ترجمہ: اور شک کے دن روزہ نہ رکھا جائے مگر نفلی اور جو شخص رمضان کا یا عید کا چاند دیکھے اور اس کا قول رد کر دیا جائے تو وہ روزہ رکھے پس اگر اس نے افطار کر لیا تو صرف قضا کرے رمضان کیلئے ابر وغیرہ کی وجہ سے ایک عادل کی خبر قبول کی جائیگی اگرچہ غلام ہو یا عورت ہی ہو اور عید کیلئے دو آزاد یا ایک مرد دو عورتوں کی خبر قبول کی جائیگی اور اگر ابر وغیرہ نہ ہو تو دونوں کیلئے بڑی جماعت کا دیکھنا معتبر ہوگا اور بقر عید عید الفطر کے مثل ہے اور اختلاف مطالع کا کوئی اعتبار نہیں۔

یوم الشک میں روزہ کا حکم

وَلَا يُصَامُ يَوْمُ الشَّكِّ إِلَّا تَطَوُّعًا: یوم الشک سے مراد ۳۰ شعبان ہے (جب کہ ۲۹ کو ابر یا غبار کی وجہ سے چاند نظر نہ آیا ہو) اس دن میں اگر کوئی شخص اس خیال سے روزہ رکھے کہ ہو سکتا ہے کہ یہ دن رمضان کا ہو اور ہمیں چاند نظر نہ آیا ہو تو اس نیت سے روزہ رکھنا باتفاق ائمہ مکروہ تحریمی ہے پھر اگر کوئی شخص کسی خاص دن مثلاً جمعرات یا پیر کے نفلی روزہ رکھنے کا عادی ہو اور وہی دن اتفاق سے یوم الشک ہو تو اس کیلئے بنیت نفلی روزہ رکھنا بالاتفاق جائز ہے اور اگر عادت کے بغیر کوئی شخص یوم الشک میں بنیت نفلی روزہ رکھنا چاہے تو ائمہ ثلاثہ کے نزدیک یہ مطلقاً جائز ہے حنفیہ کے نزدیک عوام کیلئے ناجائز اور خواص کیلئے جائز ہے جو شخص قطعی نیت کرنے پر قادر ہو جائے وہ عوام میں نہ سمجھا جائیگا اور اگر رویت ہو گئی ہو تو وہ روزہ رمضان کا ہو جائیگا نیت کرنے کی کچھ ضرورت نہیں۔

وَمَنْ رَأَى هِلَالَ رَمَضَانَ أَوِ الْفِطْرِ وَرُدَّ قَوْلُهُ صَامَ فَإِنْ أَفْطَرَ قَضَى فَقَطْ: جو شخص اکیلا ہی رمضان المبارک یا عید الفطر کا چاند دیکھے اور امام اس کی شہادت قبول نہ کرے تو وہ خود (رمضان کا) روزہ رکھے کیونکہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ چاند نظر آنے پر روزہ رکھو اور چاند دیکھنے پر (ہی) افطار کرو اور مذکورہ شخص نے انفرادی طور پر تو چاند دیکھ لیا ہے اگر وہ افطار کر دے تو اس پر قضاء واجب ہوگی کفارہ لازم نہ ہوگا امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اگر وہ بیوی سے مباشرت کر کے روزہ توڑ دے تو اس پر کفارہ بھی واجب ہوگا (اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ رمضان کے روزے کو حقیقۃً وحکماً دونوں طرح توڑنے کا مرتکب ہوا ہے) کیونکہ اسے رمضان شریف کے شروع ہونے کا تعین ہو چکا تھا اس نے اس کا روزہ توڑا اور حقیقت رمضان میں وقوع پذیر ہوا ہے بلکہ حکماً بھی ایسا ہی ہے کیونکہ (چاند دیکھنے کی بناء پر) اس پر روزہ واجب تھا امام مالکؒ اور امام احمدؒ کا بھی یہی مسلک ہے۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ جب قاضی نے شرعی دلیل کی بناء پر اس کی شہادت رد کر دی دلیل شرعی سے مراد شہادت کے غلط ہونے کا الزام ہے (یعنی قاضی نے کہا کہ تم غلط شہادت دے رہے ہو) تو شبہ پیدا ہو گیا اور کفارات شبہ کی بناء پر ساقط ہو جایا کرتے ہیں۔

وَقُبِلَ بِعِلَّةٍ خَبَرُ عَدْلٍ وَلَوْ قِنًّا أَوْ أُنْثَى لِرَمَضَانَ : رمضان کا چاند ابر و غبار وغیرہ کے دن ایک آدمی کی گواہی سے ثابت ہو جاتا ہے پس اگر چاند کے مطلع کی جگہ پر ابر وغیرہ کوئی علت ہو جو رؤیت سے مانع ہو تو رمضان کا چاند دیکھنے میں ایک شخص کی گواہی قبول کر لی جائیگی بشرطیکہ وہ عادل، مسلمان، عاقل اور بالغ ہو خواہ آزاد ہو یا غلام اور خواہ مرد ہو یا عورت اور علت سے مراد ابر یا غبار یا اور کوئی اس قسم کا سبب ہوتا ہے مثلاً ایسا اندھیرا یا دھوئیں یا دھواں دھند وغیرہ جو چاند کے نظر آنے میں مانع ہے۔

وَحُرَّيْنِ أَوْ حُرٍّ وَحُرَّتَيْنِ لِلْفِطْرِ : عید کے چاند میں جب مطلع صاف نہ ہو یعنی ابر یا غبار یا دھواں وغیرہ ہو تو مسلمان مکلف مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں سے کم کی گواہی مقبول نہیں ہوگی اور ان کا آزاد ہونا اور شہادت کے لفظ سے گواہی ادا کرنا اور ان کا عادل ہونا بھی شرط ہے کیونکہ فطر سے بندوں کی منفعت کا تعلق ہے لہذا اس کی حیثیت دوسرے حقوق العباد کے جیسی ہوگی یعنی جس طرح باقی حقوق العباد میں دو گواہوں کا اعتبار ہوتا ہے اسی طرح یہاں بھی ہوگا۔

وَبِلَا عِلَّةٍ جَمْعٌ عَظِيمٌ لَهُمَا : اور اگر آسمان پر کوئی علت نہ ہو یعنی مطلع صاف ہو تو ایسی بڑی جماعت کی گواہی قبول ہوگی جن کے خبر دینے سے یقین حاصل ہو جائے یعنی ایسی خبر سے غلبہ ظن حاصل ہو جائے اور بڑی جماعت کیلئے کوئی تعداد مقرر نہیں ہے بلکہ یہ امام کی رائے پر موقوف ہے اور یہی صحیح ہے۔

وَالْأَضْحٰى كَالْفِطْرِ : عید الاضحیٰ عید الفطر کی طرح ہے یعنی ذی الحجہ کا چاند شوال کے چاند کی مانند ہے پس ابر و غبار وغیرہ کی حالت میں دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی سے ثابت ہوتا ہے اس سے کم کی گواہی سے نہیں اور باقی نو مہینے بھی شوال کی مانند ہیں پس ان مہینوں میں بھی ابر وغیرہ کی حالت میں دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی قبول ہوگی اس سے کم نہیں اور ان کا عادل اور آزاد ہونا اور محدود فی القذف نہ ہونا شرط ہے۔

اختلاف مطالع کا حکم

وَلَا عِبْرَةَ بِاخْتِلَافِ الْمَطَالِعِ : یہ بات تو ظاہر ہے کہ کبھی دو شہروں میں اتنا فاصلہ ہوتا ہے کہ ایک شہر میں چاند ایک تاریخ کو نظر آتا ہے اور دوسرے شہر میں نظر نہیں آتا اور اسی طرح سورج کے مطالع میں بھی فرق ہوتا ہے اب اگر ایک جگہ لوگوں نے کسی مہینے کا چاند دیکھا ان کی شہادت ایسے ملکوں میں جہاں ابھی چاند نہیں دیکھا گیا شرعی قواعد و ضوابط کے ساتھ پہنچ جائے تو کیا اس کا اعتبار ان ملکوں کیلئے بھی کیا جائیگا یا نہیں اس میں فقہاء کے مختلف اقوال ہیں اور اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ اختلاف مطالع کا اعتبار کرنے والوں نے دیکھا کہ دنیا میں ایسا اختلاف موجود ہے [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

بلکہ ہر شہر کے لوگ اپنی رؤیت کا اعتبار کریں گے البتہ متأخرین حنفیہ میں سے علامہ زیلعیؒ نے لکھا ہے کہ بلاد بعیدہ میں اختلاف مطالع ہمارے نزدیک بھی معتبر ہے لہٰذا بلاد بعیدہ کی رؤیت کافی نہیں متأخرین نے اسی قول پر فتویٰ دیا ہے اور علامہ انور شاہ کشمیریؒ نے اسی قول کو ترجیح دی ہے۔ تفصیل کیلئے دیکھئے (معارف السنن، درس ترمذی، تحفۃ الاحوذی)۔

بَابُ مَا يُفْسِدُ الصَّوْمَ وَمَا لَا يُفْسِدُهُ

ان چیزوں کا بیان جن سے روزہ فاسد ہو جاتا ہے اور جن سے روزہ فاسد نہیں ہوتا

مفسدات وغیرہ مفسدات چونکہ عوارض میں سے ہیں اس لئے مصنفؒ نے ان کو انواع صوم کے بعد ذکر کیا مفسدات کی دو قسمیں ہیں ایک وہ جن سے صرف قضا لازم ہوتی ہے دوم وہ جس سے قضا اور کفارہ دونوں لازم ہوتے ہیں غیر مفسدات کی بھی دو قسمیں ہیں ایک وہ جس کا کرنا مکروہ ہے اور یہ وہ چیزیں ہیں جو روزہ توڑنے کی طرف لے جانے والی ہوتی ہیں کیونکہ انسان کی قوت جاذبہ قوی ہوتی ہے اس لئے ان چیزوں میں سے کچھ نہ کچھ باطن (پیٹ و دماغ) کی طرف جذب ہونے سے بچنا مشکل ہوتا ہے اور دوسری وہ چیزیں ہیں جن کا کرنا روزہ دار کیلئے مکروہ نہیں ہے یعنی ان کا کرنا بلا کراہت مباح و جائز ہے اور یہ وہ چیزیں ہیں جن میں روزہ توڑنے کی طرف لیجانے کی کوئی وجہ نہیں پائی جاتی۔

فَإِنْ أَكَلَ الصَّائِمُ أَوْ شَرِبَ أَوْ جَامَعَ نَاسِيًا أَوِ احْتَلَمَ أَوْ أَنْزَلَ بِنَظَرٍ أَوِ ادَّهَنَ أَوِ احْتَجَمَ أَوِ اكْتَحَلَ أَوْ قَبَّلَ أَوْ دَخَلَ حَلْقَهُ غُبَارٌ أَوْ ذُبَابٌ وَهُوَ ذَاكِرٌ لِصَوْمِهِ أَوْ أَكَلَ مَا بَيْنَ أَسْنَانِهِ أَوْ قَاءَ وَعَادَ لَمْ يُفْطِرْ وَإِنْ أَعَادَهُ أَوِ اسْتَقَاءَ أَوِ ابْتَلَعَ حَصَاةً أَوْ حَدِيدًا قَضَى فَقَطْ وَمَنْ جَامَعَ أَوْ جُومِعَ أَوْ أَكَلَ أَوْ شَرِبَ عَمْدًا غِذَاءً أَوْ دَوَاءً قَضَى وَكَفَّرَ كَكَفَّارَةِ الظِّهَارِ۔

ترجمہ: روزہ دار نے اگر کھایا پیا یا صحبت کر لی بھول کر یا احتلام ہو گیا یا دیکھنے سے انزال ہو گیا یا اس کے حلق میں غبار یا مکھی داخل ہو گئی درانحالیکہ روزہ اس کو یاد ہے یا اس چیز کو کھایا جو اس کے دانتوں میں لگی ہوئی تھی یا قے آئی اور لوٹ گئی تو روزہ افطار نہ کرے اور اگر اس نے خود لوٹائی یا جان بوجھ کر قے کی یا کنکر یا لوہا وغیرہ نگل گیا تو صرف قضا کرے اور جس نے صحبت کی یا صحبت کر لی گئی یا عمداً یا دوا جان کر کھائی یا پی لی تو قضا کرے اور کفارہ ظہار کی طرح کفارہ دے۔

فَإِنْ أَكَلَ الصَّائِمُ أَوْ شَرِبَ أَوْ جَامَعَ نَاسِيًا أَوِ احْتَلَمَ أَوْ أَنْزَلَ بِنَظَرٍ أَوِ ادَّهَنَ: روزہ دار اگر بھول کر کچھ کھائے پیئے یا مباشرت کرے تو استحساناً روزہ فاسد نہ ہوگا، قیاس کا تقاضہ تو یہ ہے کہ روزہ ٹوٹ جائے کیونکہ روزے کا منافی امر پایا گیا اسی بنا پر امام مالکؒ روزہ ٹوٹنے کے قائل ہیں وہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص حالت نماز میں بھول کر بات چیت کرے تو نماز باطل ہو جاتی ہے اسی طرح بھول کر کھانے پینے سے روزہ بھی فاسد ہو جاتا ہے استحسان کی وجہ آنحضرت ﷺ کا وہ ارشاد ہے جو آپ

نے بھول کر کھانے پینے والوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: "تم علی صومك فانما اطعمك الله و سقاك"۔ "اپنے روزے کی تکمیل کرو تمہیں تو اللہ تعالیٰ ہی نے کھلایا پلایا ہے" جب بھول کر کھانے اور پینے کے بارے میں رعایت ثابت ہوئی تو مباشرت کے بارے میں بھی یہ رعایت ثابت ہوگی کیونکہ اکل و شرب اور مباشرت رکنیت کے لحاظ سے برابر ہے بخلاف نماز کے کیونکہ ہیئت نماز بحضہ یاد دلانے والی ہے اس لئے نسیان غالب نہیں ہوتا مگر روزے میں یاد دلانے والی کوئی چیز نہیں ہوتی اس لئے عموماً نسیان کا عارضہ پیش آجاتا ہے۔

او احتلم او انزل بنظر: روزہ دار کو سوتے میں اگر احتلام ہو جائے تو روزہ فاسد نہ ہوگا آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے تین چیزیں روزے کو نہیں توڑتیں قے کرنا، سینگی لگوانا اور احتلام ہونا نیز احتلام کو صوری اور معنوی دونوں لحاظ سے جماع نہیں کہا جاسکتا کیونکہ مباشرت کی وجہ سے شہوت کے ساتھ انزال ہونے کا نام جماع ہے اور یہ چیز احتلام کی صورت میں مفقود ہے اسی طرح اگر کسی عورت کی طرف نظر کرنے سے انزال ہو جائے تو روزہ فاسد نہ ہوگا۔

او ادهن او احتجم او اکتحل: سر یا بدن پر تیل لگانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا کیونکہ تیل لگانا روزے کے منافی نہیں ہے اور سینگی لگوانا بھی مفسد صوم نہیں ہے اور اسی طرح سرمہ لگانا مفسد صوم نہیں ہے۔

او قبل: عورت کا بوسہ لینے سے روزہ نہیں ٹوٹتا بشرطیکہ بوس و کنار کی صورت میں انزال نہ ہو بخلاف انزال کے کہ اگر بوسہ لینے یا لمس سے انزال ہو جائے تو روزے کی قضاء ضروری ہوگی کفارہ لازم نہ ہوگا قضا اس لئے کہ معنوی طور پر جماع پایا گیا اور صوری یا معنوی طور پر منافی امر کا پایا جانا احتیاطاً کے پیش نظر وجوب قضا دیکھنے کافی ہے لیکن کفارے کا مدار کامل جنایت پر ہوتا ہے اور مذکورہ صورت میں منافع کامل نہیں پایا جاتا کیونکہ کفارات بھی حدود کی طرح شبہ کی بنا پر ساقط ہو جاتے ہیں۔

او دخل حلقه غبار او ذباب وهو ذاكر لصومه: روزہ یاد ہونے کی صورت میں اگر گرد و غبار یا مکھی حلق سے نیچے چلی جائے تو روزہ فاسد نہ ہوگا قیاس کا تقاضہ تو یہ تھا کہ روزہ فاسد ہو جائے کیونکہ مفطر چیز معدے تک پہنچ گئی ہے استحسان کی وجہ یہ ہے کہ مکھی سے بچاؤ عموماً ممکن نہیں ہوتا۔

او اكل ما بين اسنانه: سحری کھانے کے بعد جو کچھ دانتوں کے درمیان رہ گیا ہے اگر وہ چنے کی مقدار سے کم ہے تو اس کے کھا لینے سے اس کا روزہ فاسد نہیں ہوگا خواہ اس نے اس کو چبا کر نگلا ہو یا ویسے ہی نگل گیا ہو اور خواہ قصداً ایسا کیا ہو یا بلا قصد کیا ہو اس لئے کہ یہ تھوڑا سا دانتوں کے تابع ہے اور عادۃً اس سے بچنا ممکن نہیں ہے لیکن اگر اس کو منہ سے باہر نکالنے کے بعد پھر کھا جائے تو روزہ فاسد ہو جائیگا اور اگر چنے کی مقدار یا اس سے زیادہ ہو تو مطلقاً روزہ فاسد ہو جائیگا یعنی خواہ اس کو باہر نکال کر کھائے یا بغیر نکالے کھا جائے۔

او قاء وعاد لم يفطر: اگر کسی شخص کو قے آجائے خواہ منہ بھر کر ہو یا کم اور خود حلق میں لوٹ جائے تو روزہ فاسد نہیں ہوتا۔

تا ہے جبکہ مفعول بہ بھی رضامند ہو خواہ وہ مرد ہو یا عورت ہو اور اگر اس سے زبردستی کی گئی پھر دوران جماع اس کی رضامندی حاصل ہوگئی تب بھی اس پر صرف قضا لازم ہوگی اس لئے کہ یہ رضامندی انکار کے بعد حاصل ہوئی ہے۔

أَوْ أَكَلَ أَوْ شَرِبَ عَمْدًا غِذَاءً أَوْ دَوَاءً قَضَى وَكَفَّرَ: جو چیزیں عادۃً غذا یا دوا کے ارادے سے کھائی جاتی ہیں ان چیزوں سے عمداً کوئی چیز کھا پی لی تو اس پر قضا اور کفارہ دونوں لازم ہوں گے امام شافعی فرماتے ہیں کہ کفارہ واجب نہ ہوگا کیونکہ جماع کے بارے میں بھی کفارے کا مشروع ہونا خلاف قیاس ہے قیاس کا تقاضا تو یہ تھا کہ گناہ توبہ سے معاف ہو جاتا اور کفارے کی ضرورت نہ ہوتی لہٰذا خلاف قیاس امر پر دوسری چیز کو قیاس نہیں کیا جائیگا۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ جماع کی صورت میں کفارہ کے واجب ہونے کا سبب وہ جنایت کاملہ ہے جس سے رمضان کا روزہ فاسد ہوا اور جنایت مذکورہ صورت میں بھی متحقق ہے لہٰذا کفارہ ہی سے تلافی ممکن ہوگی اور جب شریعت نے غلام آزاد کرنے کو بطور کفارہ مقرر کر دیا تو معلوم ہوا کہ توبہ سے یہ جنایت معاف نہیں ہوسکتی لہٰذا جماع پر اکل وشرب کا قیاس کرنا درست ہوگا

كَكَفَّارَةِ الظِّهَارِ: روزہ افطار کرنے پر جو کفارہ لازم ہوتا ہے وہ کفارہ ظہار کے مثل ہے (یعنی ترتیب میں) پس پہلے غلام آزاد کرنا واجب ہے اگر غلام نہ ہو تو دو مہینے کے پے در پے روزے رکھے اور اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے کیونکہ حدیث اعرابی میں اسی طرح وارد ہے جو صحاح ستہ میں مذکور ہے اور روزہ کے کفارہ کا ظہار کے کفارہ کا مثل ہونا ہر پہلو سے لازمی نہیں ہے کیونکہ اس جگہ وطی کا رات کو قصداً اور دن میں بھول کر پے در پے ہونے کو قطع نہیں کرتا بخلاف کفارہ ظہار کے کہ اس کے روزوں کے درمیان میں وطی کرنا پے در پے ہونے کو مطلقاً قطع کر دیتا ہے خواہ جماع عمداً ہو یا بھول کر ہو اور رات میں ہو یا دن میں کیونکہ کفارہ ظہار میں یہ حکم اس عورت کیلئے ہے جس سے ظہار کیا ہے۔

وَلَا كَفَّارَةَ بِالْإِنْزَالِ فِيمَا دُونَ الْفَرْجِ وَبِإِفْسَادِ صَوْمِ غَيْرِ رَمَضَانَ وَإِنِ احْتَقَنَ أَوِ اسْتَعَطَ أَوْ أَقْطَرَ فِي أُذُنِهِ أَوْ دَاوَى جَائِفَةً أَوْ آمَّةً بِدَوَاءٍ وَوَصَلَ إِلَى جَوْفِهِ أَوْ دِمَاغِهِ أَفْطَرَ وَإِنْ أَقْطَرَ فِي إِحْلِيلِهِ لَا وَكُرِهَ ذَوْقُ شَيْءٍ وَمَضْغُهُ بِلَا عُذْرٍ وَمَضْغُ الْعِلْكِ لَا كُحْلٌ وَدَهْنُ شَارِبٍ وَسِوَاكٌ وَالْقُبْلَةُ إِنْ أَمِنَ

ترجمہ: اور شرمگاہ کے سوا میں انزال کرنے میں اور رمضان کے سوا روزہ توڑنے میں کفارہ نہیں ہے اور اگر حقنہ کرائے یا ناک میں دوا چڑھائے یا کان میں دوا ٹپکائے یا پیٹ کے زخم یا دماغ کے زخم کا علاج کرے اور دوا پیٹ میں یا دماغ میں پہنچ جائے تو افطار کرے اور اگر پیشاب گاہ کے سوراخ میں دوا ڈالی تو نہیں اور بلا عذر کسی چیز کا چکھنا اور چبانا اور گوند کا چبانا مکروہ ہے

وَلَا كَفَّارَةَ بِالْإِنْزَالِ فِيمَا دُونَ الْفَرْجِ: فرج سے مراد قبل اور دبر ہے اگر کسی نے قبل اور دبر کے علاوہ کسی اور جگہ مثلاً ران یا بغل یا پیٹ یا ناف وغیرہ میں جماع کیا اگر اس کو انزال ہوگیا تو اس کا روزہ فاسد ہو جائیگا اور اس پر صرف قضا لازم ہوگی اور کفارہ واجب نہ ہوگا کیونکہ صرف معناً جماع پایا گیا اور اگر اس کو انزال نہیں ہوا تو اس کا روزہ بھی فاسد نہیں ہوگا۔

وَبِإفْسَادِ صَوْمِ غَيْرِ رَمَضَانَ : رمضان کے علاوہ کسی دوسرے روزے کے توڑنے سے کفارہ لازم نہیں آتا کیونکہ رمضان شریف میں روزے کا توڑنا کامل درجے کی جنایت ہے لہٰذا دوسرے روزوں کو رمضان شریف کے روزوں کا مقام درجہ نہیں دیا جائیگا نیز رمضان کا روزہ توڑنے سے کفارہ خلاف قیاس نص سے ثابت ہے لہٰذا اس پر دوسرے روزوں کے توڑنے کو قیاس نہیں کیا جائیگا۔

وَإِنِ احْتَقَنَ أَوِ اسْتَعَطَ أَوْ أَقْطَرَ فِي أُذُنِهِ: اگر کسی شخص نے حقنہ کرایا (یعنی ناک کے ذریعے سے کھینچ کر پیٹ یا دماغ میں پہنچایا) یا کان میں تیل ٹپکایا تو اس کا روزہ ٹوٹ جائیگا اور اس پر کفارہ لازم نہیں ہوگا کیونکہ اس میں روزہ توڑنا صرف معنًی پایا گیا ہے اور پیٹ میں ایسی چیز کا پہنچنا ہے جس میں بدن کی اصلاح پائی جائے اور صورۃً یعنی منہ کے ذریعے سے کھانا پینا نہیں پایا گیا۔

أَوْ دَاوَى جَائِفَةً أَوْ آمَّةً بِدَوَاءٍ وَوَصَلَ إِلَى جَوْفِهِ أَوْ دِمَاغِهِ أَفْطَرَ : اگر کسی کے پیٹ میں ایسا زخم ہو جو پیٹ کے جوف تک پہنچ گیا ہو یا سر میں ایسا زخم ہو جو ام الدماغ (مغز) تک پہنچ گیا ہو اور روزہ دار ہوتے ہوئے اس میں دوائی ڈالے تو خواہ وہ دوائی خشک ہو یا تر اگر وہ دوائی حقیقت میں زخم کے ذریعے پیٹ کے جوف یا ام الدماغ تک پہنچ گئی تو روزہ فاسد ہو جائیگا اور صرف قضا لازم ہوگی۔

آلۂ تناسل میں دوائی ڈالنا

وَإِنْ أَقْطَرَ فِي إِحْلِيلِهِ لَا: اگر کسی مرد نے اپنے آلۂ تناسل کے سوراخ میں دوا یا پانی یا تیل وغیرہ کچھ ٹپکایا اگر وہ مثانہ تک پہنچ گیا تو امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اس کا روزہ فاسد ہو جائیگا اور طرفینؒ کے نزدیک روزہ فاسد نہیں ہوگا اور اسی پر فتویٰ ہے اور یہ اختلاف اسی پر مبنی ہے کہ مثانہ اور جوف شکم کے درمیان منفذ (آر پار راستہ) ہے یا نہیں اور ظاہر یہی ہے کہ اس میں منفذ نہیں ہے اور اس میں پیشاب ٹپک ٹپک کر جمع ہوتا ہے اور جو چیز ٹپک ٹپک کر خارج ہوتی ہے وہ ٹپک ٹپک کر واپس نہیں جاتی ایسا ہی اطبا کہتے ہیں۔

وَكُرِهَ ذَوْقُ شَيْءٍ وَمَضْغُهُ بِلَا عُذْرٍ: بلا عذر کسی چیز کا چکھنا اور چبانا مکروہ ہے اور عذر کی وجہ سے ہو تو مکروہ نہیں ہے مثلاً کسی عورت کا خاوند بد مزاج ہو نمک کے کم و بیش ہو جانے پر بہت ناراض ہو جاتا ہو اور سختی کرتا ہو یا روزہ دار عورت کے پاس کوئی حیض یا نفاس والی عورت یا اور کوئی بے روزہ مثلاً نابالغ یا مریض وغیرہ ایسا نہ ہو جو اسکے بچے کو کھانا چبا کر کھلا دے اور پکا ہوا کھانا بھی نہیں ملتا اور نہ ہی دودھ ملتا ہے اور بچہ بھوکا ہو تو عورت کو بچے کی حفاظت کیلئے ضرورت کی وجہ سے چبانے میں کچھ مضائقہ نہیں ہے۔

وَمَضْغُ الْعِلْكِ لَا كُحْلٌ وَدَهْنُ شَارِبٍ : روزہ دار کیلئے گوند چبانا مکروہ ہے کیونکہ یہ چیز فساد صوم کی طرف لے جانے والی ہے اور اس لیے بھی مکروہ ہے ایسے شخص کو افطار کے ساتھ متہم کیا جائیگا۔ اور مونچھوں کو تیل لگانا مکروہ نہیں ہے خواہ اس میں خوشبو وغیرہ ملی ہوئی ہو اور تیل کسی خاص قسم کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ تیل لگانا مستحسن ہے جبکہ زینت کے قصد سے نہ ہو۔

وَسِوَاكٌ : روزہ کی حالت میں مسواک کرنا مکروہ نہیں ہے خواہ روزہ فرض ہو یا نفل، خواہ مسواک تر یعنی تازہ جڑ یا شاخ کی ہو یا

خشک ہو، خواہ وہ پانی میں بھیگی ہوئی ہو خواہ زوال سے پہلے کی جائے یا زوال کے بعد کیونکہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ روزہ دار کی عمدہ عادت مسواک کرنا ہے اس حدیث میں مسواک کی تفصیل نہیں کہ تازہ ہو یا خشک۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ دن کے آخر میں مسواک کرنا مکروہ ہے کیونکہ اسے اثر محمود یعنی منہ کی بو زائل ہو جاتی ہے گویہ شہید کے خون کے مشابہ ہوگی جس طرح شہید کا خون دھونا اور زائل کرنا جائز نہیں اسی طرح منہ کی بو زائل کرنا بھی مناسب نہیں ہے ہم کہتے ہیں کہ منہ کی بو عبادت کا اثر ہے لہٰذا اسے پوشیدہ رکھنا ہی مناسب ہوگا بخلاف خون شہید کے کہ وہ ظلم کا نتیجہ ہے اس لئے اس کا اظہار مناسب ہے۔

بوس وکنار کا جواز کس کیلئے ہے

وَالْقُبْلَةُ اِنْ اَمِنَ اگر روزہ دار کو اپنے نفس پر اطمینان ہو یعنی جماع کے اندر واقع ہونے اور خروج منی سے اطمینان ہو تو روزے کی حالت میں بوسہ لینے میں کوئی مضائقہ نہیں اور اگر اطمینان نہ ہو بلکہ جماع یا خروج منی کا اندیشہ ہو ایسی صورت میں روزہ دار کیلئے بوسہ لینا مکروہ ہے۔ کیونکہ بوسہ لینا بذات خود تو روزہ فاسد نہیں کرتا لیکن بسا اوقات انجام کے اعتبار سے فساد صوم کا سبب بن جاتا ہے پس اگر روزہ دار اس بات پر مطمئن ہو کہ انجام بد کی نوبت نہیں آئیگی تو ہمیں بوسہ کا اعتبار کرکے بوسے کی اجازت دے دیں گے اور اگر یہ اطمینان نہ ہو تو انجام کا اعتبار کرکے مکروہ قرار دیا جائیگا۔

فَصْلٌ فِي الْعَوَارِضِ
عوارض کا بیان

وہ اعذار جن کی وجہ سے روزہ نہ رکھنا یا توڑ دینا مباح ہے نو ہیں (۱) مرض (۲) سفر (۳) جبر واکراہ (۴) حمل (۵) ارضاع (دودھ پلانا) (۶) بھوک (۷) پیاس (۸) بڑھاپا (شیخ فانی ہونا) بعض نے چار عذر اور زیادہ کئے ہیں۔ (۱) حیض (۲) نفاس (۳) بیہوشی (۴) جنون اس طرح کل اعذار ۱۳ ہوگئے اور نفلی روزے میں ضیافت بھی روزہ توڑنے کیلئے عذر ہے اور مذکورہ بالا اعذار دو قسم کے ہیں۔ اول دائمی یعنی وہ عذر جو مرتے وقت تک زائل نہ ہو جیسے کہ شیخ فانی اور ایسا مریض جس کی صحت سے مایوسی متحقق ہوگئی ہو اس پر اپنی زندگی میں فدیہ دینا واجب ہے اس لئے کہ اس کا عذر زائل ہونے والا نہیں ہے پس وہ قضاء پر قادر نہیں ہوگا اور اس پر فدیہ واجب ہوگا۔ اور دوم عارضی اعذار یعنی جو زائل ہونے والے ہیں جیسا کہ مریض اور مسافر وغیرہ ہیں ان کے عذر جانے کے بعد ان روزوں کی قضاء واجب ہے اور زندگی میں فدیہ دینا جائز نہیں اور اگر وہ قضاء روزے ادا نہیں کئے حتی کہ موت کا وقت آپہنچا تو اب اس پر فدیہ کی وصیت کرنا واجب ہے۔

لِمَنْ خَافَ زِيَادَةَ الْمَرَضِ الْفِطْرُ وَلِلْمُسَافِرِ وَصَوْمُهُ اَحَبُّ اِنْ لَمْ يَضُرَّهُ وَلَا قَضَاءَ اِنْ مَاتَا عَلَيْهِمَا وَيُطْعِمُ وَلِيُّهُمَا لِكُلِّ يَوْمٍ كَالْفِطْرَةِ بِوَصِيَّةٍ وَقَضَيَا مَا قَدَرَا بِلَا شَرْطِ وَلَاءٍ فَاِنْ جَاءَ رَمَضَانُ

وَقُدِّمَ الْأَدَاءُ عَلَى الْقَضَاءِ وَلِلْحَامِلِ وَالْمُرْضِعِ إِنْ خَافَتَا عَلَى الْوَلَدِ أَوِ النَّفْسِ وَلِلشَّيْخِ الْفَانِي وَهُوَ يَفْدِي فَقَطْ وَلِلْمُتَطَوِّعِ بِغَيْرِ عُذْرٍ فِي رِوَايَةٍ وَيَقْضِي

ترجمہ: جس شخص کو زیادتی مرض کا خوف ہے اس کیلئے اور مسافر کیلئے افطار کرنا جائز ہے اور مسافر کا روزہ رکھنا زیادہ پسندیدہ ہے اگر زیادہ تکلیف نہ ہو اگر یہ دونوں (یعنی) سفر یا بیماری میں مر جائیں تو قضا نہیں ہے اور (ان کے) وصیت کرنے (کی وجہ) سے ان کا ولی ہر دن کے عوض فطرہ کی مثل کھلائے اور قضا کریں جتنے دن (روزوں پر) قادر ہو جائیں لگاتار رکھنے کی شرط کے بغیر بھی اگر دوسرا رمضان آ جائے تو ادا کو قضا پر مقدم کرے اور حاملہ اور دودھ پلانے والی کیلئے اگر ان کو بچہ کا یا (اپنی) جان کا خوف ہو (تو روزہ نہ رکھنا جائز ہے) اور بہت بوڑھے کیلئے بھی اور وہ صرف فدیہ دے اور ایک روایت میں نفل روزے والے کیلئے بلا عذر (روزہ توڑنا جائز ہے اور (بعد میں) قضا کرے۔

لِمَنْ خَافَ زِيَادَةَ الْمَرَضِ الْفِطْرُ: اگر مریض کو اپنی جان کے یا کسی عضو کے ضائع ہونے یا مرض بڑھنے یا دیر سے صحت یاب ہونے کا خوف ہو یا آنکھ کے درد کا یا اسی قسم کا کوئی اور خوف ہو تو اس کو روزہ نہ رکھنا یا توڑ دینا جائز ہے امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ مریض کیلئے اس وقت تک افطار جائز نہیں جب تک روزے سے جان کے جانے یا کسی عضو کے تلف ہونے کا اندیشہ نہ ہو امام شافعیؒ مرض کے بڑھنے کا اعتبار نہیں کرتے تیمم میں بھی ان کا یہی مسلک ہے ہم یہ کہتے ہیں کہ کبھی مرض کی شدت اور طوالت بھی ہلاکت کا سبب بن جایا کرتی ہے اسلئے مرض کا بڑھنا اور اس کا طول پکڑنا بھی ایسے امر ہیں جن سے بچاؤ ضروری ہے۔

وَلِلْمُسَافِرِ وَصَوْمُهُ أَحَبُّ إِنْ لَمْ يَضُرَّهُ: جس سفر میں نماز قصر کرنا مباح ہے اس میں روزہ افطار کرنا مباح ہے خواہ وہ سفر معصیت ہی ہو اس کو اختیار ہے کہ سفر والے دنوں میں روزہ رکھے یا نہ رکھے لیکن روزہ نہ رکھنا رخصت ہے اور روزہ رکھنا عزیمت ہے پس مسافر کیلئے روزہ رکھنا مستحب وافضل ہے جبکہ روزہ سے اس کو ضرر ونقصان نہ ہو۔

وَلَا قَضَاءَ إِنْ مَاتَا عَلَيْهِمَا وَيُطْعِمُ وَلِيُّهُمَا لِكُلِّ يَوْمٍ كَالْفِطْرَةِ بِوَصِيَّةٍ: اگر مریض یا مسافر حالت مرض وسفر میں وفات پا جائیں تو ان پر قضا واجب نہ ہوگی کیونکہ نہ مریض کو ایام صحت میسر آئے اور نہ مسافر کو ایام اقامت کہ جن میں وہ روزے قضاء کر سکتے اگر مریض کو افاقہ ہو جائے یا مسافر اقامت اختیار کر لے اور پھر ان کی وفات واقع ہو تو بقدر صحت واقامت ان پر قضاء واجب ہوگی کیونکہ انہوں نے دوسرے دنوں میں اس قدر میعاد کو پالیا تھا کہ جس میں اپنے فوت شدہ روزے قضاء کر سکتے تھے لہٰذا روزوں کے واجب ہونے کا سبب ایام تندرستی کا پایا جانا ہے تو جتنا عرصہ وہ تندرست یا مقیم رہا اسی کے مطابق قضاء ضروری ہے مثلاً مرض یا سفر کی وجہ سے بیس روزے فوت ہو گئے پھر تندرس ہونے کی بعد یا مقیم ہونے کے بعد دس دن زندہ رہ کر کسی اور سبب سے مر گیا تو اس پر دس دن کے روزوں کی قضاء کرنا واجب ہوگی کیونکہ مریض اور مسافر کے بارے میں قرآن پاک کا ارشاد ہے فَعِدَّةٌ مِنْ أَيَّامٍ أُخَرَ یعنی جتنے دن بیمار رہا یا سفر کی وجہ سے رمضان کے روزے نہیں رکھ سکا اتنے ہی دن کی قضاء واجب ہوگی اور جتنے دنوں کی قضاء واجب ہے اتنے دن زندہ رہنا بھی ضروری ہے لیکن جب یہ شخص جس کے بیس روزے مرض یا سفر کی وجہ سے فوت ہو گئے ہیں صحت اور اقامت کے بعد زندہ ہی دس دن رہا تو دس دن ہی کے روزوں کی قضاء واجب ہوگی اب جب اس نے ان دس دن کے روزے

قضا نہیں کئے تو اس وقت اس پر یہ وصیت کرنا لازم ہوگا کہ میرے تہائی مال میں سے مقدار واجب روزوں کا فدیہ ادا کر دیا جائے پھر اگر یہ وصیت کی اور وارث نے وصیت کے مطابق فدیہ دے دیا تو انشاء اللہ یہ عند اللہ ماخوذ نہ ہوگا اور اگر یہ وصیت نہ کی تو گنہگار ہوگا اور قیامت میں ماخوذ ہوگا اور فدیہ صوم کی مقدار وہی ہے جو صدقہ فطر کی ہے یعنی نصف صاع گندم یا ایک صاع کھجور یا جو یا کشمش ۔

وليقض ما قدر بلا شرط ولاء : رمضان کے روزوں کی قضا میں اختیار ہے کہ لگاتار روزے رکھے یا متفرق طور پر کیونکہ ارشاد باری فعدة من ايام اخر مطلق ہے (جس میں اتصال یا افتراق کی کوئی شرط نہیں) لیکن اتصال یعنی متواتر روزے رکھنا مستحب اور مستحسن ہے تاکہ امر واجب کی ادائیگی کی ذمہ داری سے جلدی سبکدوش ہو سکے

فإن جاء رمضان قدم الأداء على القضاء. اگر روزوں کی قضا میں اس قدر تاخیر کردے کہ دوسرا ماہ رمضان شروع ہو جائے تو اب موجودہ رمضان کے روزے رکھے کیونکہ یہ موجودہ رمضان ہی کا وقت ہے قضا روزے بعد میں رکھے کیونکہ رمضان کے بعد سارا وقت قضا کیلئے ہے۔

وللحامل والمرضع إن خافتا على الولد أو النفس : اگر کسی حاملہ عورت یا دودھ پلانے والی عورت کو اپنی جان یا بچے کی ہلاکت کا خوف ہو تو اس قدر کی وجہ سے وہ افطار کر سکتی ہے (یعنی روزہ توڑ سکتی ہے) اس پر صرف قضا لازم ہوگی کفارہ نہیں ہے کیونکہ یہ افطار عذر کی وجہ سے ہے۔

وللشيخ الفاني وهو يفدي فقط : شیخ فانی کہن رسیدہ خواہ مرد ہو یا عورت اگر وہ روزہ پر قادر نہ ہو تو اس کو اجازت ہے کہ وہ روزہ نہ رکھے شیخ فانی وہ شخص ہے جو ہر روز زیادہ ضعیف ہوتا جائے یہاں تک کہ وہ مر جائے اور اس کو فانی اس لئے کہتے ہیں کہ وہ فنا کے قریب تر ہے یا یوں کہئے کہ گویا اس کی قوت فنا ہو گئی اور وہ روزہ کی ادائیگی سے عاجز ہو گیا اور جو ایسی حالت کو نہ پہنچے فانی نہیں ہے اور ان دونوں پر روزہ کے بدلے فدیہ دینا فرض ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وعلى الذين يطيقونه فدية طعام مسكين ابتداء اسلام میں روزہ اور فدیہ کے متعلق اختیار دیا گیا اور اس کا حکم تمام مسلمان کیلئے عام تھا بعد میں اس کا عموم منسوخ ہو گیا اور اب یہ آیت صرف بوڑھوں کے حق میں باقی رہ گئی جو روزہ کی استطاعت نہ رکھتے ہوں۔

وللمتطوع بغير عذر في رواية ويقضي : امام ابو یوسفؒ سے ایک روایت ہے کہ نفل روزہ کو بلا عذر توڑ دینا جائز ہے کیونکہ قضا اس کا قائم مقام موجود ہے دوسری روایت یہ ہے کہ نفل کو توڑنا جائز نہیں یعنی اس کو بلا عذر توڑنا مکروہ تحریمی ہے اور یہی ظاہر الروایہ اور صحیح ہے اور اگر توڑ دیا تو اس پر قضا واجب ہوگی امام شافعیؒ اور امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ قضا ضروری نہیں امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ قضا واجب ہوگی البتہ اگر عذر کی بنا پر توڑے تو قضا ضروری نہیں ہے کیونکہ جو چیز فرض نہ ہو بلکہ اپنی خوشی سے ادا کی جائے وہ جس قدر ادا ہو جائے نیکی میں شمار ہوگی اور جو ادا نہیں کی گئی وہ لازم نہ ہوگی اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ما على المحسنين من سبيل ۔ احناف کی دلیل یہ ہے کہ ادا کردہ حصہ عبادت ہے اس لئے اس عبادت اور عمل صالح کی تکمیل کرے تاکہ باطل ہونے

سے بچانا واجب ہے یعنی ادھوری عبادت اور عمل کو لغو ہونے سے بچانے کے لیے ضروری ہے کہ اسے پورا کیا جائے جب اسے پورا کرنا ضروری ہے تو اس کو نامکمل چھوڑنے پر قضاء بھی واجب ہوگی۔

وَلَوْ بَلَغَ صَبِيٌّ أَوْ أَسْلَمَ كَافِرٌ أَمْسَكَ وَلَمْ يَقْضِ شَيْئًا وَلَوْ نَوَى الْمُسَافِرُ الْإِفْطَارَ ثُمَّ قَدِمَ وَنَوَى الصَّوْمَ فِي وَقْتِهِ صَحَّ وَيَقْضِي بِإِغْمَاءٍ سِوَى يَوْمٍ حَدَثَ فِي لَيْلَتِهِ وَبِجُنُونٍ غَيْرِ مُمْتَدٍّ وَبِإِمْسَاكٍ بِلَا نِيَّةِ صَوْمٍ وَفِطْرٍ وَلَوْ قَدِمَ مُسَافِرٌ أَوْ طَهُرَتْ حَائِضٌ أَوْ تَسَحَّرَ ظَنَّهُ لَيْلًا وَالْفَجْرُ طَالِعٌ أَوْ أَفْطَرَ كَذَلِكَ وَالشَّمْسُ حَيَّةٌ أَمْسَكَ يَوْمَهُ وَقَضَى وَلَمْ يُكَفِّرْ كَأَكْلِهِ عَمْدًا بَعْدَ أَكْلِهِ نَاسِيًا وَنَائِمَةٌ وَمَجْنُونَةٌ وُطِئَتَا

ترجمہ: اگر بچہ بالغ ہو یا کافر مسلمان ہو جائے تو باقی دن رکے رہیں اور قضاء نہ کریں۔ اگر کسی مسافر نے افطار کی نیت کی پھر وہ اپنے یہاں آ گیا اور وقت کے اندر روزہ کی نیت کر لی تو یہ صحیح ہے اور بیہوشی کی وجہ سے قضاء کرے سوائے اس دن کے جس رات میں بیہوشی ہوئی ہے اور غیر ممتد جنون کی وجہ سے اور روزہ اور افطار کی نیت کئے بغیر رکے رہنے کی وجہ سے قضاء کرے اور اگر مسافر وطن آ گیا یا حائضہ پاک ہو گئی یا رات سمجھتے ہوئے سحری کھالی حالانکہ صبح ہو چکی تھی یا اسی طرح افطار کر لیا حالانکہ آفتاب موجود تھا تو باقی دن رکا رہے اور قضاء کرے اور کفارہ نہ دے جیسے اس کا بھول کر کھانے کے بعد عمداً کھالینا اور سوئی ہوئی اور دیوانی عورت جس سے صحبت کی گئی ہو تو ان پر کفارہ نہیں

وَلَوْ بَلَغَ صَبِيٌّ أَوْ أَسْلَمَ كَافِرٌ أَمْسَكَ وَلَمْ يَقْضِ شَيْئًا: اگر بچہ رمضان کے دنوں میں بالغ ہو جائے یا کافر اسلام لے آئے تو دن کے باقی حصے میں کچھ کھائیں پئیں نہیں کیونکہ ماہ رمضان کی فضیلت وعظمت کی وجہ سے اس وقت کی حرمت کا حق ادا کرنے کیلئے اس شخص پر روزہ رکھنا فرض ہے جو روزہ ادا کرنے کا اہل ہو اور جو شخص روزہ رکھنے سے عاجز ہو گیا ہو اس پر دن کے باقی حصہ روزہ داروں سے مشابہت کیلئے مفطرات سے رکنا واجب ہے اگر وہ بقیہ دن کھائیں پئیں تو ان پر قضاء نہیں ہوگی کیونکہ بقیہ دن میں ان پر روزہ واجب نہیں بلکہ صرف امساک ضروری تھا نیز اس دن کے بعد روزے رکھیں کیونکہ اب ان میں سبب و اہلیت دونوں موجود ہیں اس دن اور گذشتہ دنوں کے روزوں کی قضاء نہ ہوگی کیونکہ ان ایام میں وہ حکم صوم کے مکلف ومخاطب ہی نہ تھے امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ اگر زوال سے پہلے پہلے کافر اسلام لے آئے یا بچہ بالغ ہو جائے تو ان پر اس دن کے روزے کی قضاء ہوگی کیونکہ انہوں نے نیت کا وقت پا لیا ہے یعنی زوال سے پہلے پہلے روزے کی نیت جائز ہے ظاہر الروایہ کی وجہ یہ ہے کہ وجوب کے لحاظ سے روزے میں انقسام نہیں ہوتا اور پہلی جزء کے وقت اہلیت وجوب موجود نہ تھی۔

وَلَوْ نَوَى الْمُسَافِرُ الْإِفْطَارَ ثُمَّ قَدِمَ وَنَوَى الصَّوْمَ فِي وَقْتِهِ صَحَّ: اگر کوئی مسافر ماہ رمضان میں کسی دن سفر کی بنا پر افطار کی نیت کر لے تو یہ نیت صحیح ہے اب اگر یہ نصف النہار شرعی سے پہلے اور کچھ کھانے پینے وغیرہ سے پہلے کسی جگہ اقامت کی نیت کر لے یا وطن اصلی میں سفر سے واپس لوٹ آیا اور اپنے شہر میں داخل ہو گیا اور ابھی تک اس سے کوئی مفطر صوم فعل صادر نہیں ہوا اور اس نے نصف النہار شرعی سے قبل نیت کر لی تو اس کا یہ صحیح ہو جائیگا بلکہ ایسی صورت میں اس کیلئے روزہ کی

نیت کرنا ضروری ہو گی کیونکہ فرضیت و نفلیت وصف کے منافی ہے اور حضرت شوافع کے نزدیک سفر میں فرض روزے کی نیت بھی کی جاسکتی ہے ورنہ روزہ شروع بھی کیا باطل ہے

ویقضی باغماء سوی یوم حدث فی لیلتہ: اگر کوئی شخص رمضان شریف کی رات کو بے ہوش ہو جائے تو اس دن کے روزے کے علاوہ باقی روزوں کی قضا کرے کیونکہ اس نے بے ہوش ہونے سے پہلے پہلے صبح کے روزے کی نیت ضروری ہوگی اس لئے یہ روزہ تو صحیح ہو گا مگر باقی روزوں کے حق میں نیت مفقود ہے اگر اس رات صبح کے روزے کی نیت بھی نہ کی تو اس دن کے روزے کی قضا بھی لازم ہوگی امام زفر فرماتے ہیں کہ مابعد کے روزوں کی قضا بھی نہ کرے کیونکہ ان کے نزدیک رمضان کے روزے ایک بار کی نیت ہی سے ادا ہو سکتے ہیں امام کہتے ہیں کہ ہر روزے کی نیت ضروری ہے کیونکہ ہر روزہ ایک الگ اور مستقل عبادت ہے۔

جنون کے اقسام و احکام

وبجنون غیر ممتد: جنون غیر ممتد یہ ہے کہ جنون پورا مہینہ نہ رہے بلکہ مہینے کے بعض حصہ میں افاقہ ہو جائے تو افاقہ سے پہلے گزرے ہوئے دنوں کی قضا لازم ہوگی جنون کی دو قسمیں ہیں (۱) اصلی اور وہ یہ ہے کہ جنون بالغ ہونے سے پہلے کا ہو یعنی وہ جنون کی حالت میں ہی بالغ ہو تو اس کو متصل بھی کہتے ہیں (۲) دوسرا عارضی اور وہ یہ ہے کہ جنون بلوغ کے بعد عارض ہوا ہو یعنی بالغ ہونے کے وقت عاقل ہو پھر مجنون ہو گیا اس کو طاری یا لاحق بھی کہتے ہیں پھر وہ جنون یا ممتد ہوگا یعنی روزے کے بارے میں اگر رمضان کا پورا مہینہ جنون رہے تو ممتد کہا جائیگا ایسے جنون کو مستغرق بھی کہتے ہیں یا وہ غیر ممتد ہوگا اور وہ یہ ہے کہ جنون پورا مہینہ نہ رہے بلکہ مہینے کے بعض حصہ میں افاقہ ہو جائے اس کو غیر مستغرق بھی کہتے ہیں اول جنون اگر پورا مہینہ طاری رہا ہو تو بالاتفاق متعلقہ روزوں کی قضا لازم نہیں ہے خواہ جنون اصلی ہو یا عارضی ہو اور اگر پورا مہینہ جنون نہیں رہا تو اس میں اختلاف ہے بعض حضرات فرماتے ہیں کہ اس پر افاقہ سے پہلے گزرے ہوئے دنوں کے روزوں کی مطلقا قضا لازم ہے خواہ جنون اصلی ہو یا عارضی ہو اور یہ ظاہر الروایہ ہے کیونکہ ظاہر الروایہ میں اس جنون میں جو بلوغ کے بعد طاری ہوا ہو اور اس جنون میں جو اصلی ہو یعنی بلوغ سے پہلے طاری ہوا ہو کوئی فرق نہیں کیا ہے اور امام محمد فرماتے ہیں کہ ان دونوں میں فرق ہے اس لئے کہ جب حالت جنون میں بالغ ہوا تو وہ نابالغ کے ساتھ ملحق ہو گیا پس وہ روزہ کی فرضیت وغیرہ شرعی احکام کا مخاطب نہ ہوا لہذا اس کو اگر رمضان کے بعض حصہ میں افاقہ ہو گیا تو اس پر گزرے ہوئے دنوں کی قضا واجب نہیں ہے یہی اصح و مختار ہے یعنی وہ ایسا ہے گویا کہ وہ رمضان کے بعض حصہ میں بالغ ہوا ہے بخلاف اس صورت کے جبکہ وہ عقل کی حالت میں بالغ ہوا پھر مجنون ہو گیا تو اس پر افاقہ سے پہلے گزرے ہوئے دنوں کی قضا لازم ہے۔

وبصوم کل رمضان بلانیة صوم وفطر: جو شخص پورے رمضان میں نہ تو روزے کی نیت کرے اور نہ افطار کی تو اس پر روزوں کی قضا واجب ہوگی امام زفر فرماتے ہیں کہ تندرست و مقیم شخص کا رمضان کا روزہ بغیر نیت کے بھی ادا ہو جاتا ہے کیونکہ اس پر

امساک واجب ہوتا ہے تو امساک جس طرح بھی ہو (یعنی نیت ہو یا نہ ہو) اس سے روزہ ادا ہو جائیگا ہماری دلیل یہ ہے کہ رمضان کے دنوں میں امساک یعنی کھانے پینے اور جماع سے باز رہنا بطور واجب ہے اور عبادت نیت کے بغیر متصور نہیں ہو سکتی۔

وَلَوْ قَدِمَ مُسَافِرٌ أَوْ طَهُرَتْ حَائِضٌ: اگر دن کے کسی حصے میں مسافر گھر آ جائے یا عورت حیض سے پاک ہو جائے تو دن کے باقی حصے میں وہ کچھ نہ کھائیں پئیں اور امام شافعی کے نزدیک کھانے پینے سے رکنا ضروری نہیں ہم کہتے ہیں کہ عذر زائل ہونے کے بعد احترام رمضان کی وجہ سے ان پر کھانے پینے سے رکنا واجب ہے۔

أَوْ تَسَحَّرَ ظَنَّهُ لَيْلًا وَالْفَجْرُ طَالِعٌ أَوْ أَفْطَرَ كَذٰلِكَ وَالشَّمْسُ حَيَّةٌ أَمْسَكَ يَوْمَهُ وَقَضٰى وَلَمْ يُكَفِّرْ كَمَا لَوْ أَكَلَهُ عَمْدًا بَعْدَ أَكْلِهِ نَاسِيًا: اور اگر کوئی شخص سحری کھانے میں مصروف ہو اور اس کے خیال میں ابھی صبح صادق کا وقت نہ ہوا ہو حالانکہ درحقیقت فجر طلوع ہو چکی ہو یا کوئی یہ خیال کرتے ہوئے کہ سورج غروب ہو چکا ہے افطار کر دے لیکن دراصل سورج غروب نہ ہوا ہو تو دن کے باقی حصے میں کھانے پینے سے رکے رہیں تاکہ حتی الامکان وقت کا احترام کیا جا سکے اور تہمت سے بچ جائیں اور ان پر قضاء واجب ہوگی اور کفارہ واجب نہیں ہوگا کیونکہ عدم قصد کی بناء پر جنایت تو صرف ہے کامل نہیں کیونکہ اس نے اپنے خیال کے مطابق صحیح وقت پر روزہ رکھا یا افطار کیا تھا ایسا ہی ہے کہ اگر کسی نے رمضان میں بھول کر کچھ کھا لیا اور اس نے یہ خیال کیا کہ میرا روزہ تو ٹوٹ چکا اس کے بعد عمداً کھا پی لیا تو صرف قضاء واجب ہوگی کفارہ نہ ہوگا۔

وَنَائِمَةٍ وَمَجْنُونَةٍ وُطِئَتَا: اگر سوتی ہوئی یا دیوانی روزہ دار عورت سے صحبت کی جائے تو ان کا روزہ جاتا رہے گا اور ان پر قضاء ہوگی کفارہ نہ ہوگا یہ اس طرح ممکن ہے کہ دیوانی عورت سحری کے وقت ہوش میں ہو اور روزہ رکھنے کے بعد اسے جنون کا دورہ پڑ جائے امام زفر اور امام شافعی فرماتے ہیں کہ بھول کر کھانے والے کی طرح نائمہ اور مجنونہ پر بھی قضاء نہ ہوگی نائمہ اور مجنونہ کا عذر بھول جانے والے سے زیادہ واضح ہے کیونکہ بھول کر کھانے والا تو کھانے کا قصد کرتا ہے مگر نائمہ اور مجنونہ کا قطعاً کوئی ارادہ نہیں ہوتا ہم کہتے ہیں کہ نسیان ایک کثیر الوقوع امر ہے مگر نائمہ یا مجنونہ کے ساتھ مباشرت کرنا شاذ و نادر ہی ہوتا ہے اس لئے عدم ارادہ کا عذر قابل قبول نہ ہوگا البتہ کفارہ اس لئے واجب نہ ہوگا کہ قصد نہ ہونے کی بناء پر جنایت کامل نہ پائی گئی۔

فَصْلٌ

اب تک ان عبادات کا بیان تھا جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر واجب کیا ہے مثلاً فرض نماز، زکوٰۃ، صوم رمضان وغیرہ اس فصل میں ان کا بیان ہے جس کو بندہ بذات خود اپنے اوپر واجب کرتا ہے انسان کا کسی ایسی چیز کو اللہ تعالیٰ کیلئے اپنے اوپر واجب کر لینا جو اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے واجب نہ ہو نذر کہلاتا ہے

مَنْ نَذَرَ صَوْمَ يَوْمِ النَّحْرِ أَفْطَرَ وَقَضٰى وَإِنْ كَانَ نَوٰى يَمِينًا كَفَّرَ أَيْضًا وَلَوْ نَذَرَ صَوْمَ هٰذِهِ السَّنَةِ أَفْطَرَ أَيَّامًا مَنْهِيَّةً وَهِيَ يَوْمَا الْعِيدِ وَأَيَّامُ التَّشْرِيقِ وَقَضَاهَا وَلَا قَضَاءَ إِنْ شَرَعَ فِيهَا ثُمَّ أَفْطَرَ.

ترجمہ: جو شخص قربانی کے دن روزہ رکھنے کی نذر مانے تو افطار کرے اور قضاء کرے اور اگر قسم کی نیت کی تو کفارہ بھی دے اور اگر نذر مانی کہ اس سال روزے رکھوں گا تو ایام منہیہ میں افطار کرے اور ایام منہیہ عید الفطر و عید الاضحیٰ اور ایام تشریق ہیں اور پھر ان کی قضاء کرے اور اگر ان ایام میں روزہ شروع کر کے افطار کر لیا تو قضاء نہیں ہے۔

مَنْ نَذَرَ صَوْمَ يَوْمِ النَّحْرِ اَفْطَرَ وَقَضٰى: صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص یوم النحر میں روزہ رکھنے کی نذر مانے تو یہ نذر صحیح ہے اس لئے کہ کسی دوسرے دن اس کی قضاء ضروری ہوگی امام زفرؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک نذر ہی صحیح نہیں وہ فرماتے ہیں کہ یہ ایک ایسا امر کی نذر ہے جو معصیت ہے۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ یہ مشروع روزے کی نذر ہے اور نہی لغیرہ ہے کیونکہ اس سے اللہ تعالیٰ کی دعوت کے قبول کرنے سے انکار و اعراض لازم آتا ہے لہٰذا اس کی نذر صحیح ہوگی لیکن وہ اس دن روزہ نہ رکھے بلکہ افطار کرے تاکہ اس معصیت سے بچ سکے جو اس دن کے روزے سے لاحق ہے بعد میں وہ قضاء ضرور کر لے تاکہ اس کے ذمہ سے واجب ساقط ہو جائے اگر یوم نحر کا روزہ رکھ لے تو وہ اس نذر سے کافی ہو جائیگا لیکن گنہگار ہوگا کیونکہ ایام منہیہ میں روزہ رکھنا مکروہ تحریمی ہے۔

وَاِنْ كَانَ نَوٰى يَمِيْنًا كَفَّرَ اَيْضًا: اگر نذر کی بجائے مذکورہ صورت میں قسم کی نیت کر لے تو افطار کی صورت میں اس پر قضاء کے علاوہ کفارہ قسم بھی واجب ہوگا۔

وَلَوْ نَذَرَ صَوْمَ هٰذِهِ السَّنَةِ اَفْطَرَ اَيَّامًا مَنْهِيَّةً وَهِيَ يَوْمَا الْعِيْدِ وَاَيَّامُ التَّشْرِيْقِ وَقَضَاهَا وَلَوْ نَذَرَ صَوْمَ هٰذِهِ

السَّنَةِ اَفْطَرَ اَيَّامًا مَنْهِيَّةً وَهِيَ يَوْمَا الْعِيْدِ وَاَيَّامُ التَّشْرِيْقِ وَقَضَاهَا: کسی نے نذر مانی کہ وہ اس سال روزے رکھے گا تو اس پر اس سال کے روزے واجب ہو جائیں گے پس وہ اس سال روزے رکھے لیکن ایام ممنوعہ کے روزے نہ رکھے اور وہ پانچ دن ہیں عید الفطر، عید الاضحیٰ اور ایام تشریق کے تین دن، اور بعد میں ان پانچ روزوں کو قضاء کرے اس لئے کہ کسی معین سال کے روزوں کی نذر ماننا ان ایام ممنوعہ کی نذر کو بھی شامل ہے کیونکہ سال ان ایام سے خالی نہیں ہوتا اور ایام منہیہ کی نذر ماننا صحیح ہے مگر ان دنوں میں روزہ رکھنا حرام یا مکروہ تحریمی ہے پس اس کو ان دنوں میں روزہ نہ رکھنا اور بعد میں ان کو قضاء کرنا واجب ہے تاکہ امر و نہی دونوں کی ذمہ داری سے بری ہو سکے اور اگر انہی دنوں میں روزے رکھے گا تو وہ اس نذر سے کافی ہو جائیں گے لیکن گنہگار ہوگا۔

وَلَا قَضَاءَ اِنْ شَرَعَ فِيْهَا ثُمَّ اَفْطَرَ: اگر کسی نے ان پانچ دنوں میں کسی دن کا روزہ شروع کیا پھر اس کو فاسد کر دیا تو امام صاحبؒ کے نزدیک اس پر روزے کی قضاء واجب نہ ہوگی اور صاحبینؒ کے نزدیک اس پر قضاء واجب ہوگی کیونکہ صاحبینؒ کے نزدیک ان ایام میں بھی نفلی روزہ شروع کرنے سے لازم ہو جاتا ہے پس جب شروع کرنے سے لازم ہو گیا تو فاسد کرنے کی صورت میں اس کی قضاء لازم ہوگی جیسے کسی نے ایام منہیہ کے کسی روزہ کی نذر مانی تو یہ روزہ اس دن کے علاوہ میں واجب ہوگا امام صاحبؒ کی دلیل یہ ہے کہ روزہ شروع کرتے ہی وہ روزہ دار ہو جاتا ہے لہٰذا وہ نہی کا مرتکب ہوا پس اس کو روزہ فاسد کر دینا واجب ہے اور اس کی حفاظت واجب نہیں اور قضاء کا واجب ہونا اس کی حفاظت کے واجب ہونے پر مبنی ہے لہٰذا جب اس کا اتمام پورا کرنا واجب نہ ہوا تو اس کی قضاء بھی واجب نہ ہوگی بخلاف اس کے کہ اگر ان ایام منہیہ کے روزوں کی نذر مانے تو وہ نذر اس پر

لازم ہو جاتی ہے اور ان پر واجب ہے کہ وہ ان روزوں کو ان دنوں میں نہ رکھے بلکہ ایام غیر منہیہ میں ان کی قضاء کرے کیونکہ نفس نذر میں معصیت کا ارتکاب نہیں ہے اس لئے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طاعت کو بجالانے کا ارادہ کرتا ہے بلکہ ان دنوں میں شروع کرنے میں معصیت ہے پس نذر منعقد ہو جائیگی اور ان دنوں کی بجائے دوسرے دنوں میں ان کی قضاء واجب ہوگی۔

بَابُ الْاِعْتِكَافِ

اعتکاف کا بیان

مصنف نے اعتکاف کو روزے کے بعد ذکر کیا کیونکہ روزہ اعتکاف کیلئے شرط ہے اور شرط مشروط پر مقدم ہوتی ہے اس لئے روزہ کو اعتکاف سے مقدم کیا اعتکاف باب افتعال کے مصدر عکف سے ماخوذ ہے اور عکف متعدی ہے اور عکوف لازمی ہے اصطلاح شرع میں اعتکاف نیت کے ساتھ مسجد میں ٹھہرنے کا نام ہے پس مسجد میں ٹھہرنا رکن اور نیت کرنا مسلمان و عاقل ہونا وغیرہ شرط ہے۔

سُنَّ لُبْثٌ فِي مَسْجِدٍ بِصَوْمٍ وَنِيَّةٍ وَأَقَلُّهُ نَفْلًا سَاعَةٌ وَالْمَرْأَةُ تَعْتَكِفُ فِي مَسْجِدِ بَيْتِهَا وَلَا يَخْرُجُ مِنْهُ إِلَّا لِحَاجَةٍ شَرْعِيَّةٍ كَالْجُمُعَةِ أَوْ طَبِيعِيَّةٍ كَالْبَوْلِ وَالْغَائِطِ فَإِنْ خَرَجَ سَاعَةً بِلَا عُذْرٍ فَسَدَ وَأَكْلُهُ وَشُرْبُهُ وَنَوْمُهُ وَمُبَايَعَتُهُ فِيهِ وَكُرِهَ إِحْضَارُ الْمَبِيعِ وَالصَّمْتُ وَالتَّكَلُّمُ إِلَّا بِخَيْرٍ وَيَحْرُمُ الْوَطْءُ وَدَوَاعِيهِ وَبَطَلَ بِوَطْئِهِ وَلَزِمَهُ اللَّيَالِي أَيْضًا بِنَذْرِ اعْتِكَافِ أَيَّامٍ وَلَيْلَتَانِ بِنَذْرِ يَوْمَيْنِ.

ترجمہ: روزہ و نیت کے ساتھ مسجد میں ٹھہرنا مسنون ہے اور نفلی اعتکاف کی مدت ایک ساعت ہے اور عورت گھر کی مسجد میں اعتکاف کرے اور اس سے نہ نکلے مگر حاجت شرعیہ کیلئے جیسے جمعہ یا حاجت طبعیہ کیلئے جیسے پیشاب و پاخانہ پس اگر بلا عذر ایک ساعت کیلئے نکلا تو اعتکاف فاسد ہو گیا اور اس کا کھانا، پینا، سونا، خرید و فروخت مسجد میں ہوگی اور مبیع کو مسجد میں لانا اور خاموش رہنا اور بات کرنا مگر بھلائی کی (مخصوص) باتیں مکروہ ہے اور وطی اور لوازم وطی حرام ہیں اور وطی کرنے سے اعتکاف باطل ہو جاتا ہے اور دنوں کے اعتکاف کی نذر ماننے سے راتوں کا اعتکاف بھی لازم ہو جاتا ہے اور دو دنوں کی نذر ماننے سے دو راتوں کا اعتکاف لازم ہو جاتا ہے۔

سُنَّ لُبْثٌ: اعتکاف کی تین قسمیں ہیں (۱) واجب جو بطریق نذر لازم کیا جائے (۲) سنت مؤکدہ علی الکفایہ رمضان کے اخیر عشرہ کا اعتکاف (۳) نفلی جو اس کے علاوہ ہو۔

فِي مَسْجِدٍ: مسجد میں اعتکاف کرنا یعنی ایسی مسجد میں اعتکاف کیلئے بیٹھنا جس میں اذان و اقامت کے ساتھ پانچوں وقت کی نماز با جماعت ہوتی ہو یہ امام صاحب کا قول ہے علامہ ابن الہمام نے اسی کی تصحیح کی ہے اور صاحبین کے ہاں ہر مسجد میں اعتکاف صحیح ہے اور علامہ شامی نے اسی کو راجح قرار دیا ہے اور باری تعالیٰ کے قول ﴿وانتم عاکفون فی المساجد﴾ میں اطلاق مساجد سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔

بِصَوْمٍ: جمہور فقہاء کے ہاں سنت اور واجب اعتکاف کیلئے روزہ شرط ہے اور امام شافعی کا جدید قول یہ ہے کہ روزہ شرط نہیں ہے

کیونکہ روزہ بذات خود ایک مستقل عبادت ہے لہذا یہ دوسری عبادت کیلئے شرط نہیں بن سکتا کیونکہ شرط مشروط کے تابع ہوتی ہے مگر روزہ بذاتہ مستقل عبادت ہے تو یہ دوسری عبادت کے تابع کیسے ہوگا ہماری دلیل نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ روزے کے بغیر اعتکاف نہیں ہوتا اسی صریح نص کے مقابلے میں قیاس قابل قبول نہیں ہوتا لہذا امام شافعی کا یہ قیاس کہ روزہ مستقل عبادت ہے اور یہ دوسری عبادت کی شرط نہیں بن سکتا صریح حدیث کے مقابلے میں قابل قبول نہ ہوگا۔

وَنِیَّۃٌ: اعتکاف واجب ہو یا سنت یا نفل ہو اس کی صحت کیلئے نیت کا ہونا شرط ہے اور اعتکاف سنت میں ۲۰ رمضان المبارک کے غروب سے پہلے مسجد میں داخل ہو کر غروب سے پہلے نیت کرنا شرط ہے اگر غروب کے بعد مسجد میں داخل ہوا یا مسجد میں پہلے سے موجود تھا مگر نیت غروب کے بعد کی تو یہ اعتکاف مسنون نہ ہوگا مستحب ہو جائیگا اس لئے کہ پورے عشرہ اخیرہ کا اعتکاف نہ ہوا

وَاَقَلُّہُ نَفْلًا سَاعَۃٌ: نفلی اعتکاف کی کم از کم مقدار حسن بن زیاد کی روایت کے مطابق نذر والے کی مانند ایک دن ہے یہ قول غیر ظاہر الروایہ ہے لیکن معتمد قول یہ ہے کہ نفلی اعتکاف کی ادنی مقدار ایک ساعت یعنی وقت کی کم سے کم مقدار ہے خواہ وہ رات کے وقت ہو یا دن کے وقت میں کیونکہ وہ ثواب کی نیت سے کوئی کام کرنے والا ہے۔

وَالْمَرْأَۃُ تَعْتَکِفُ فِیْ مَسْجِدِ بَیْتِھَا: عورت گھر کی مسجد میں اعتکاف کرے گھر کی مسجد سے مراد وہ جگہ ہے جو اس نے نماز کیلئے (گھر بھی ہو) کیونکہ وہی اس کی جائے نماز ہے عورت کا وہیں بیٹھنا انتظار نماز میں شامل ہوگا اگر گھر میں پہلے سے نماز کی مخصوص جگہ موجود ہے تو اسی میں اعتکاف کرے اس سے ہٹ کر گھر میں دوسری جگہ اعتکاف کرنا جائز نہیں اور پہلے سے کوئی جگہ نماز کیلئے مخصوص نہیں ہے اب مخصوص کرلے اور اسی میں اعتکاف کرے گھر کی بجائے مسجد میں اعتکاف کرنا عورت کیلئے مکروہ ہے (اس پر کچھ ثواب نہ ہوگا)۔

وَلَا یَخْرُجُ مِنْہُ اِلَّا لِحَاجَۃٍ شَرْعِیَّۃٍ کَالْجُمُعَۃِ: حاجت شرعیہ کیلئے نکلنا بھی جائز ہے مثلاً کسی ایسی مسجد میں اعتکاف بیٹھا ہے جس میں جمعہ نہیں ہوتا تو جمعہ کیلئے نکلنا جائز ہے اور اندازہ کرکے اذان ثانی سے اتنی دیر پہلے نکلے کہ جامع مسجد میں پہنچ کر دو رکعت تحیۃ الوضوء اور چار رکعت سنت اطمینان سے پڑھ کر اذان خطبہ سن سکے اگر اندازہ کرنے میں غلطی لگ گئی اور اس سے پہلے پہنچ گیا تو بھی مضائقہ نہیں اور جمعہ کے فرضوں سے سلام پھیر کر اطمینان سے چھ رکعت سنت پڑھ کر اپنی مسجد میں واپس آجائے اگر اس سے زیادہ وقت جامع مسجد میں ٹھہر گیا یا جمعہ کے بعد لوٹا ہی نہیں اور اعتکاف کے بقیہ ایام جامع مسجد ہی میں بیٹھ کر پورے کرلئے تب بھی جائز ہے مگر ایسا کرنا مکروہ ہے۔

اَوْ طَبْعِیَّۃٍ کَالْبَوْلِ وَالْغَائِطِ: حاجت طبعیہ کیلئے نکلنا بھی جائز ہے جیسے پیشاب، پاخانہ اور غسل جنابت کسی کو ریح کا تقاضا ہو تو مسجد کے اندر بھی خارج کرنے کی گنجائش ہے مگر صحیح قول یہ ہے کہ مسجد سے باہر نکل جانا چاہئے۔

فَاِنْ خَرَجَ سَاعَۃً بِلَا عُذْرٍ فَسَدَ: اگر بلا عذر یعنی شرعی اور طبعی حاجات کے سوا کسی سبب سے مسجد سے باہر نکلا تو اعتکاف

ٹوٹ جائیگا چاہے نماز جمعہ وغیرہ کیلئے ہی ہو اور جان کر ہو یا بھول کر خوشی سے ہو یا مجبوری سے البتہ مجبوری سے اعتکاف توڑنے سے گنہگار نہ ہوگا۔

وَأَكْلُهُ وَشُرْبُهُ وَنَوْمُهُ: کھانے، پینے اور سونے کا انتظام مسجد ہی میں کرے نبی اکرم ﷺ اعتکاف کے دوران مسجد کے علاوہ اور کہیں نہیں رہتے تھے۔ نیز ان ضروریات کا مسجد ہی میں انتظام کیا جا سکتا ہے اسلئے وہاں سے باہر جانے کی کوئی ضرورت نہیں رہتی

وَمُبَايَعَتُهُ فِيهِ وَكُرِهَ إِحْضَارُ الْمَبِيعِ: اپنی یا بیوی بچوں کی ضرورت سے مسجد میں کسی چیز کی خرید و فروخت کرنا جائز ہے مگر سودا سلف مسجد میں رکھنا جائز نہیں ہاں اگر ایسی ہلکی پھلکی چیز ہو جو مسجد میں جگہ نہ گھیرے تو اسے لانے کی گنجائش ہے اور جو چیز اپنی یا اہل و عیال کی ضرورت کی نہ ہو بلکہ بہ نیت تجارت کسی کی خرید و فروخت کی جائے تو یہ خرید و فروخت ناجائز ہے گو کہ صرف زبانی ہی ہو۔

وَالصَّمْتُ وَالتَّكَلُّمُ إِلَّا بِخَيْرٍ: خاموش رہنا جبکہ اس کو عبادت سمجھے تو مکروہ تحریمی ہے اور استراحت کیلئے خاموش رہنا مکروہ نہیں جبکہ خاموشی کو عبادت نہ سمجھتا ہو اور نیک باتوں کے سوا اور کوئی بات نہ کرے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے وقل لعبادی یقولوا التی ھی احسن۔ اور میرے بندوں سے کہہ دیجئے کہ وہ اچھی بات کہیں اور یہ حکم عام ہے جس کا مقتضی یہ ہے کہ مسجد کے باہر بھی نیک باتوں کے سوا اور کلام نہ کرے پس مسجد میں یہ حکم بدرجہ اولیٰ ہے اور نیک باتوں کے سوا اور کلام کرنا اعتکاف نہ کرنے والے کیلئے بھی مکروہ ہے پس معتکف کیلئے بدرجہ اولیٰ مکروہ ہے اور نیک باتوں سے مراد یہاں وہ باتیں ہیں جن میں گناہ نہ ہو لہٰذا مباح کلام بھی اس میں شامل ہے۔

وَيَحْرُمُ الْوَطْءُ وَدَوَاعِيهِ وَيَبْطُلُ بِوَطْئِهِ: معتکف پر جماع اور لوازم جماع حرام ہیں اگر بیوی سے جماع کیا تو اعتکاف ٹوٹ جائیگا خواہ انزال ہو یا نہ ہو صحبت مسجد میں کرے یا مسجد سے باہر دن میں کرے یا رات میں جان کر کرے یا بھول کر اور اسی طرح بوسہ دینے معانقہ کرنے سے اگر انزال ہو گیا تو اعتکاف فاسد ہو جائیگا ورنہ فاسد نہیں ہوگا لیکن اعتکاف میں ایسا کرنا حرام ہے۔

اعتکاف منذور کا بیان

وَلَزِمَتْهُ اللَّيَالِي أَيْضًا بِنَذْرِ اعْتِكَافِ أَيَّامٍ: اگر کسی شخص نے چند دنوں کے اعتکاف کی نذر مانی مثلاً یوں کہا للّٰہ علی ان اعتکف ثلاثۃ ایام تو اس پر ان راتوں کا اعتکاف بھی واجب ہوگا کیونکہ ایام کو جب جمع ذکر کیا جائے تو ان میں وہ راتیں بھی شامل ہوتی ہیں جو ان کے مقابل ہوں مثلاً کہا جاتا ہے ما رأیتک منذ ایام: "میں نے آپ کو کئی دنوں سے نہیں دیکھا" تو اس کلام سے ان دنوں کی راتیں بھی مراد ہوں گی مذکورہ صورت میں اعتکاف میں تسلسل بھی ضروری ہے خواہ تسلسل کا ذکر نہ کرے کیونکہ اعتکاف کی بنا تسلسل پر ہے اگر صرف دنوں کے اعتکاف کی نیت کرے تو اس کی نیت درست ہوگی کیونکہ اس نے حقیقی معنوں کی نیت کی ہے اس لئے کہ لفظ یوم حقیقۃ بیاض النہار کیلئے استعمال ہوتا ہے۔

وَلَيْلَتَانِ بِنَذْرِ يَوْمَيْنِ: اگر کسی شخص نے دو دن کے اعتکاف کی نذر مانی تو اس دو دنوں راتیں بھی شامل ہوں گی امام ابو یوسف

فرماتے ہیں کہ پہلی رات شامل نہ ہوگی کیونکہ تثنیہ اور جمع ایک جیسے نہیں بلکہ تعداد کے لحاظ سے الگ الگ ہیں اور درمیانی رات تو ضرورت اتصال کی وجہ سے شامل ہے تاکہ اعتکاف میں انقطاع واقع نہ ہو ظاہر الروایۃ کی وجہ یہ ہے کہ تثنیہ میں اجتماع کا معنی بھی موجود ہے لہٰذا احتیاطاً امور عبادات میں اسے جمع سے لاحق کیا جائے گا۔ شاید عنداللہ دونوں راتیں شامل ہوں اور پہلی رات کے شامل نہ کرنے سے اعتکاف کمیں ناقص نہ رہے۔

كِتَابُ الْحَجِّ

حج کا بیان

مصنف صوم کے بعد حج کے احکام کو بیان کر رہے ہیں کیونکہ روزہ ہر سال ہوتا ہے اور حج ہر سال نہیں ہوتا بلکہ عمر میں فقط ایک بار فرض ہے اس لئے روزہ کے احکام کی طرف احتیاج زیادہ ہوتی ہے بہ نسبت حج کے اور جس چیز کی طرف احتیاج زیادہ ہوتی ہے وہ تقدیم کے زیادہ لائق ہے اس لئے روزہ کو حج پر مقدم کر کے حج کو بعد میں بیان کیا۔

هُوَ زِيَارَةُ مَكَانٍ مَخْصُوْصٍ فِيْ زَمَانٍ مَخْصُوْصٍ بِفِعْلٍ مَخْصُوْصٍ فُرِضَ مَرَّةً عَلَى الْفَوْرِ بِشَرْطِ حُرِّيَّةٍ وَبُلُوْغٍ وَعَقْلٍ وَصِحَّةٍ وَقُدْرَةِ زَادٍ وَرَاحِلَةٍ فَضُلَتْ عَنْ مَسْكَنِهِ وَعَمَّا لَا بُدَّ مِنْهُ وَنَفَقَةِ ذَهَابِهِ وَإِيَابِهِ وَعِيَالِهِ وَأَمْنِ طَرِيْقٍ وَمَحْرَمٍ أَوْ زَوْجٍ لِامْرَأَةٍ فِيْ سَفَرٍ فَلَوْ أَحْرَمَ الصَّبِيُّ أَوْ عَبْدٌ فَبَلَغَ أَوْ عَتَقَ فَمَضَى لَمْ يَجُزْ عَنْ فَرْضِهِ.

ترجمہ: حج ایک مخصوص مکان کی مخصوص زمانہ میں مخصوص افعال کے ساتھ زیارت کرنا ہے ایک بار فوری طور پر ادا کرنا فرض کیا گیا ہے آزادی، بلوغ، عقل، تندرستی اور زاد و راحلہ پر قدرت کی شرط کے ساتھ جو اس کے گھر اور ضروری چیزوں سے زائد ہو اور آنے جانے اور اہل و عیال کے اخراجات پر قدرت اور راستہ کے پر امن ہونے کے ساتھ اور عورت کیلئے سفر میں محرم یا شوہر ہونے (کی شرط) کے ساتھ پس اگر بچے نے یا غلام نے احرام باندھا پھر بالغ ہو گیا یا آزاد کر دیا گیا اور حج کو پورا کیا تو فرض حج ادا نہ ہوگا۔

حج کے شرعی معنی

هُوَ زِيَارَةُ مَكَانٍ مَخْصُوْصٍ فِيْ زَمَانٍ مَخْصُوْصٍ بِفِعْلٍ مَخْصُوْصٍ: حج کے لغوی معنی مطلق قصد اور ارادہ کے ہیں اور شریعت کی اصطلاح میں مخصوص مکان، مخصوص فعل کے ساتھ مخصوص زمانہ میں ارادہ کرنا۔ مکان مخصوص سے مراد بیت اللہ شریف ہے اور زمانہ مخصوص سے مراد اشہر حج یعنی شوال، ذوالقعدہ، ذی الحجہ ہیں پس اگر کسی نے طواف قدوم شوال سے پہلے کر لیا تو ادا نہ ہوگا اور فعل مخصوص سے مراد طواف، سعی، وقوف وغیرہ کرنا ہے۔

فائدہ: حج کی کل شرطیں ایک نظر میں

حج کی شرطیں تین قسم کی ہیں پہلی قسم شرائط وجوب حج ہے اور یہ وہ شرطیں ہیں کہ جب کسی شخص میں وہ سب شرطیں پائی جائیں تو اس پر حج فرض ہو جاتا ہے اور اگر وہ تمام شرطیں یا ان میں سے کوئی ایک شرط بھی نہ پائی جائے تو اس پر حج بالکل فرض نہیں ہوتا اس پر خود ادا کرنا بھی فرض نہیں ہوتا اور زندگی میں کسی دوسرے سے حج کرانا یا مرتے وقت وصیت کرنا بھی اس پر واجب نہیں ہوتا اس قسم کی آٹھ شرطیں ہیں (۱) اسلام (۲) جو شخص دار الحرب میں ہے اس کو حج کی فرضیت کا علم ہونا (۳) بلوغ (۴) عقل (۵) آزاد ہونا (۶) توشہ پر اور سواری پر قدرت (۷) حج کا وقت ہونا (۸) صحت۔ مصنفؒ نے ان آٹھ شرطوں میں سے پہلی دو شرطوں کو ذکر نہیں کیا۔ دوسری قسم وجوب ادا کی شرائط ہیں یہ وہ شرائط ہیں کہ حج کا واجب ہونا ان کے پائے جانے پر موقوف نہیں ہے لیکن حج کا ادا کرنا اس وقت واجب ہوتا ہے جبکہ یہ شرطیں سب کی سب پائی جائیں تو اس شخص کو خود حج کرنا فرض ہے اور اگر کسی شخص میں تمام شرائط وجوب حج موجود ہوں لیکن شرائط وجوب ادا میں سے کوئی ایک شرط نہ پائی جاتی ہو تو پھر خود حج کرنا واجب نہیں ہوتا بلکہ ایسی صورت میں اپنی طرف سے کسی دوسرے شخص کو بھیج کر فی الحال حج کرانا یا مرنے کے وقت اپنے مال میں سے حج کرانے کی وصیت کرنا واجب ہوتا ہے یہ دوسری قسم کی تمام شرائط ایسی ہیں جن میں ہمارے فقہاء کا اختلاف ہے کہ یہ وجوب حج کی شرائط ہیں یا وجوب ادا کی بخلاف پہلی قسم یعنی شرائط وجوب حج کے کہ وہ سوائے وقت کے سب متفق علیہا ہیں اور وقت میں بھی معمولی سا اختلاف ہے۔ اس دوسری قسم کی پانچ شرطیں ہیں اور وہ یہ ہیں (۱) تندرست ہونا اور بدن کی سلامتی (۲) راستے کا پرامن ہونا (۳) قید نہ ہونا یا بادشاہ کے طرف سے ممانعت نہ ہونا (۴) عورت کیلئے محرم کا ہونا (۵) عورت کا عدت سے خالی ہونا۔ پہلی تین شرطیں مرد اور عورتوں سب کیلئے عام ہیں اور اخیر کی دو شرطیں عورتوں کیلئے خاص ہیں۔ تیسری قسم وہ شرطیں ہیں جن کے بغیر حج کی ادائیگی صحیح نہیں ہوتی اور وہ نو ہیں (۱) اسلام (۲) احرام (۳) حج کا زمانہ ہونا (۴) حج کی جگہ ہونا (۵) تمیز ہونا (۶) عقل (۷) اگر عذر نہ ہو تو حج کے افعال خود ادا کرنا (۸) احرام کے بعد سے وقوف سے پہلے تک جماع کا واقع نہ ہونا (۹) جس سال حج کا احرام باندھے اسی سال حج کرے۔

فرض مرّۃ: حج عمر میں ایک ہی دفعہ فرض ہے کیونکہ اس کا سبب بیت اللہ ہے اور وہ ایک ہی ہے اور جیسا کہ مسند احمد میں مرفوع روایت ہے کہ اقرع بن حابسؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ کیا حج ہر سال فرض ہے یا عمر میں صرف ایک مرتبہ فرض ہے پس جو ایک سے زیادہ مرتبہ حج کرے تو وہ نفل حج ہے پس حج ساری عمر میں ایک دفعہ کرنا اس شخص پر فرض ہے جس میں حج فرض ہونے کے تمام شرائط پائے جائیں خواہ وہ مرد ہو یا عورت اور ایک دفعہ سے زیادہ حج کرنا مستحب ہے فرض نہیں ہے البتہ حج بھی کسی عارض کی وجہ سے دوسری دفعہ بھی فرض ہو جاتا ہے جیسا کہ حج کی نذر ماننے سے پس اس نذر کا پورا کرنا فرض ہے

فرضیت حج علی الفور ہے یا علی التراخی

علی الفور: حج فرض ہونے کے بعد فوراً ادا کرنا فرض ہے یعنی ممکن ہونے کے بعد پہلے سال میں ادا کرنا فرض ہے اور یہی اصح

ہے پس اس شخص کیلئے جائز نہیں ہے کہ امکان کے بعد دوسرے سال تک تاخیر کرے لیکن اگر اس کو مؤخر کردیا اور اس سال کے بعد ادا کیا تو وہ ادا ہی واقع ہوگا اور تاخیر کرنے میں ترک واجب کی وجہ سے گنہگار ہوگا اور فوراً ادا کرنے سے مراد یہ ہے کہ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اس کی ادائیگی کیلئے سال کے حج کے مہینوں میں ادا کرنا متعین ہو جائیگا یعنی فوراً ادائیگی واجب ہونے کا قول ہمارے فقہا کے نزدیک اصح ہے اور اس کو امام ابو یوسفؒ نے اختیار کیا ہے اور امام صاحبؒ و امام مالکؒ و امام احمدؒ سے دو روایتیں ہیں ان میں سے اصح روایت بھی یہی ہے اور امام محمدؒ کے نزدیک حج کی فرضیت ادائیگی میں تاخیر کے ساتھ ہے یعنی اس فرض کا تاخیر کے ساتھ ادا کرنا بلا کراہت جائز ہے اور جلدی کرنا افضل ہے اور امام شافعیؒ کے نزدیک بھی یہی حکم ہے اور امام صاحبؒ و امام مالک و امام محمدؒ سے بھی ایک روایت یہی ہے اور امام محمدؒ کی دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ۱۰ھ میں حج ادا فرمایا ہے اور حج ۹ھ میں فرض ہو چکا تھا پس آنحضرت ﷺ نے ابو بکر صدیقؓ کو والی مقرر فرمایا اور ابو بکر صدیقؓ نے اس سال لوگوں کے ساتھ حج ادا کیا اور رسول اللہ ﷺ نے بنفس نفیس اس سال حج ادا نہیں فرمایا بلکہ اس کے بعد آنے والے سال میں ادا فرمایا لیکن شیخینؒ کی دلیل یہ ہے کہ احتیاط اسی میں ہے کہ ممکن ہونے کے بعد اول سال میں حج ادا ہو کیونکہ سال بھر میں حج کا ایک وقت مقرر ہے اور موت کا کوئی وقت مقرر نہیں اور سال میں موت کا واقع ہونا نادر نہیں ہے تو قدرت کے باوجود تاخیر کرنا گویا حج کو فوت ہونے کا موقع دینا ہے پس یہ جائز نہیں ہے امام محمدؒ کی دلیل کا جواب یہ ہے کہ آپ ﷺ جانتے تھے کہ آپ زندہ تشریف فرما رہیں گے یہاں تک کہ حج کو ادا فرمائیں گے اور لوگوں کو حج کے مناسک پوری طرح سکھا دیں گے اور ان کی تبلیغ فرمادیں گے اور ائمہ کا یہ اختلاف اس صورت میں ہے جبکہ اس کو اپنی سلامتی کا گمان غالب ہو اور اگر بڑھاپے یا مرض کی وجہ سے موت کا گمان غالب ہو تو بالاجماع وجوب کا وقت تنگ ہو جاتا ہے (یعنی بالاجماع فوراً ادا کرنا واجب ہے) اور اختلاف کا ثمرہ گنہگار ہونے کی صورت میں ظاہر ہوگا کہ جب حج فرض ہو جائے اور وہ فوراً ادا نہ کرے تو جو فقہا فوراً حج ادا کرنے کو واجب کہتے ہیں ان کے نزدیک وہ فاسق ہوگا اور اس کی گواہی قبول نہیں ہوگی اور قنیہ میں ہے کہ یہی مختار ہے۔

بشرط حریة وبلوغ وعقل وصحة : یہاں سے شرائط حج کا بیان ہے (۱) آزاد ہونا یہ حج کے وجوب کی شرط ہے حج کی ادائیگی کے صحیح و جائز ہونے کی شرط بالاتفاق نہیں ہے پس غلام (اور باندی) پر حج فرض نہیں ہے خواہ مدبر ہو یا ام ولد ہو یا مکاتب ہو یا اس کا کچھ حصہ آزاد ہو گیا ہو یا اس کو حج کی اجازت مل گئی ہو اور خواہ وہ غلام مکہ میں ہے کیونکہ کوئی چیز اس کی ملکیت نہیں ہے یعنی غلام شرعی پر حج فرض نہیں ہے خواہ اس کا آقا اس کو اجازت دیدے۔ (۲) بالغ ہونا یہ حج کے وجوب کی شرط ہے حج کے جواز اور صحت کی شرط نہیں ہے پس نابالغ پر حج فرض نہیں ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے۔ ایما عبد حج ثم اعتق فعلیه حجة الاسلام وایما صبی حج ثم بلغ فعلیه حجة الاسلام کہ جس غلام نے حج ادا کیا پھر وہ آزاد کردیا گیا تو اس پر دوبارہ حج کرنا ضروری ہے اور جس بچے نے حج کیا پھر وہ بالغ ہو گیا تو اس پر (دوبارہ) حج کرنا ضروری ہے۔ (۳) عاقل ہونا کیونکہ

صحت تکلیف کیلئے عقل شرط ہے پس مجنون پر حج نہیں (۴) تندرست ہونا بیمار، اپاہج، مفلوج اندھے پر حج نہیں ہے پھر اس میں اختلاف ہے کہ یہ وجوب حج کی شرط یا وجوب ادا کی بحر العمیق میں ہے کہ وجوب حج کی شرط ہے اور یہی صحیح مذہب ہے اور بعض نے کہا کہ یہ وجوب ادا کی شرط ہے قاضی خان نے اس کی تصحیح کی ہے اور بہت سے مشائخ نے اسی کو اختیار کیا ہے

وَقُدْرَةُ زَادٍ وَرَاحِلَةٍ فَضَلَتْ عَنْ مَسْكَنِهِ وَعَمَّا لَا بُدَّ مِنْهُ وَنَفَقَةِ ذَهَابِهِ وَإِيَابِهِ وَعِيَالِهِ : (۵) توشہ اور سواری پر قادر ہونا اس سے مراد یہ ہے اس کے پاس اپنی حاجت سے زیادہ مال ہو یعنی اس کے رہنے کے مکان، لباس، خادم اور گھر کے اسباب کے سوا اس قدر سرمایہ ہو کہ سواری پر مکہ مکرمہ کو جائے اور واپس گھر آئے، پیدل چلنے کا اعتبار نہیں اور وہ سرمایہ اس کے قرض کو منہا کر دینے کے بعد ہو اور اپنے واپس آنے کے وقت تک اس سرمایہ کے علاوہ اپنے عیال کا خرچ اور مرمت مکان وغیرہ کیلئے بھی دے سکے اور اپنے نفقہ اور اس کے عیال سے مراد وہ لوگ ہیں جن کا نفقہ اس کے ذمہ لازم ہے ظاہر الروایہ کے مطابق حاجی کے واپس آنے کے بعد کے نفقہ کا اعتبار نہیں کیا جائیگا یعنی اپنے شہر میں لوٹ کر آنے کے بعد کے دنوں کا نفقہ چھوڑ کر جانا ظاہر الروایہ میں شرط نہیں ہے۔

وَأَمْنُ طَرِيْقٍ : (۶) اور راستہ کا پرامن ہونا اصح قول کی بنا پر وجوب ادا کی شرط ہے۔

وَمَحْرَمٌ أَوْ زَوْجٌ لِامْرَأَةٍ فِيْ سَفَرٍ : (۷) عورت کے حق میں شوہر کا یا محرم کا ہونا یعنی اگر عورت کے گھر سے مکہ تک کی مسافت تین دن یا اس سے زیادہ کی ہو تو وہ بلا محرم سفر حج نہ کرے محرم ہر وہ عاقل، بالغ شخص ہے جس کا نکاح اس عورت کے ساتھ تا ابد حرام ہو بطریق قرابت ہو یا بطریق رضاعت یا بطریق صہریت نکاح ہو امام شافعیؒ کے نزدیک محرم کا ہونا شرط نہیں ان کے یہاں اگر عورت کے ساتھ سفر میں ثقہ عورتیں ہوں تو ان کے ساتھ اس کا حج ادا ہو جائیگا ان کی دلیل وہ عمومات ہیں جن پر نصوص وارد ہیں مثلاً آیت ﴿ولله على الناس﴾ اور حدیث "قد فرض عليكم الحج" ہم یہ کہتے ہیں کہ ان عمومات کی تخصیص تو بالاتفاق لازمی ہے چنانچہ امام شافعیؒ بھی امن طریق کو شرط مانتے ہیں پس محرم کا ہونا بھی شرط ہوگا کیونکہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کوئی عورت محرم کے بغیر حج نہ کرے۔ پھر اس میں بھی اختلاف ہے کہ محرم یا خاوند کا ساتھ ہونا وجوب حج کی شرط ہے یا وجوب ادا کی جیسا کہ راستہ کے امن کے بارے میں اختلاف ہے قاضی خان وغیرہ نے تصحیح کی ہے کہ یہ وجوب ادا کی شرط ہے اور صاحب بدائع وسروجی وغیرہ نے تصحیح کی ہے کہ یہ وجوب حج کی شرط ہے اور اختلاف کا نتیجہ حج کی وصیت واجب ہونے کے بارے میں ظاہر ہوگا

فَلَوْ أَحْرَمَ الصَّبِيُّ أَوْ عَبْدٌ فَبَلَغَ أَوْ عَتَقَ فَمَضَى لَمْ يَجُزْ عَنْ فَرْضِهِ : اور اگر نابالغ نے احرام باندھا پھر وہ بالغ ہو گیا اب اگر اس نے نئے سرے سے احرام باندھ لیا تو اس کا حج فرض واقع ہو جائیگا ورنہ نہیں یعنی اگر نابالغ احرام باندھنے کے بعد وقوف عرفہ سے پہلے بالغ ہو گیا اور اسی احرام میں رہ کر حج پورا کر لیا تو اس کا حج نفل ہوگا اور اگر بالغ ہونے کے بعد نئے سرے سے تلبیہ کہا یا نئے سرے سے حج فرض یا مطلق حج کی نیت سے احرام باندھا پھر وقوف عرفہ کیا تو بالاجماع اس کا حج فرض ادا ہو جائیگا اگر کسی غلام نے حج کا احرام باندھا پھر آزاد ہونے کے بعد نئے سرے سے احرام باندھا تو یہ حج فرض کی جگہ ادا نہیں ہوگا کیونکہ

اب اس کیلئے حج فرض کیلئے نئے سرے سے احرام باندھنا جائز نہیں ہے کیونکہ پہلا احرام شروع کر دینے کی وجہ سے اس کے حق میں لازم ہو گیا اب اس کو اس احرام سے حج ادا کئے بغیر باہر آنا جائز نہیں ہے اور اس احرام کو فاسد کر دینے سے اس کی قضا اس پر لازم آئیگی بخلاف نابالغ کے کہ اس کے حق میں بالغ ہونے پر نئے سرے سے فرض حج کا احرام باندھنا جائز ہے کیونکہ اس کا پہلا احرام یعنی نابالغ ہونے کی حالت میں باندھا ہوا احرام اس کو اپنے اوپر لازم کرنے کیلئے نہیں ہے۔

وَمَوَاقِيتُ الْإِحْرَامِ ذُو الْحُلَيْفَةِ وَذَاتُ عِرْقٍ وَالْجُحْفَةُ وَقَرْنٌ وَيَلَمْلَمُ لِأَهْلِهَا وَلِمَنْ مَرَّ بِهَا وَصَحَّ تَقْدِيمُهُ عَلَيْهَا لَا عَكْسُهُ وَلِدَاخِلِهَا الْحِلُّ وَلِلْمَكِّيِّ الْحَرَمُ لِلْحَجِّ وَالْحِلُّ لِلْعُمْرَةِ۔

ترجمہ: اور مواقیت احرام ذوالحلیفہ، ذات عرق، جحفہ، قرن اور یلملم ہے ان کے باشندوں کیلئے اور ان کیلئے اور ان کیلئے جو ان پر ہو کر گذریں اور ان کا میقاتوں سے پہلے احرام باندھنا جائز ہے نہ کہ اس کا عکس اور ان کے اندر رہنے والوں کیلئے حل ہے اور مکی کیلئے حج کے واسطے (میقات) حرم ہے اور عمرہ کیلئے (میقات) حل ہے

مواقیت احرام کا بیان

وَمَوَاقِيتُ الْإِحْرَامِ ذُو الْحُلَيْفَةِ: مواقیت، میقات کی جمع ہے اور میقات اصل میں وقت معین و مکان معین کو کہتے ہیں اور یہاں مواقیت مکانی مراد ہیں۔ (۱) ذوالحلیفہ یہ مدینہ طیبہ کی طرف سے آنے والوں کیلئے میقات ہے یعنی مدینہ طیبہ کے رہنے والوں کیلئے اور ان لوگوں کیلئے جو اس میقات سے ہو کر گزریں ان کیلئے یہی میقات ہے (اہل مصر و شام و دیار مغرب کے جو لوگ مدینہ منورہ کے رستہ سے آتے ہیں ان کا میقات بھی یہی ہے) ذوالحلیفہ اس تصغیر کے صیغہ سے ہے اور یہ مکہ معظمہ سے تمام مواقیت سے زیادہ فاصلہ والا میقات ہے اور اس جگہ کچھ کنوئیں ہیں جن کو آبار علی یا بیر علی کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ جہاں یہ مقام واقع ہے اس کو وادی عقیق کہتے ہیں۔

وَذَاتُ عِرْقٍ: (۲) ذات عرق عین کے زیر اور جزم کیساتھ ہے یہ ایک (گاؤں) کا نام ہے جو مکہ مکرمہ سے مشرق و مغرب کی درمیانی سمت میں ہے امام نووی نے ایضاح میں اور ابن حجر نے تحفہ میں کہا ہے کہ مکہ مکرمہ سے ذات عرق کا فاصلہ دو منزل ہے یہ اہل عراق یعنی بصرہ و کوفہ والوں کا میقات ہے۔

وَالْجُحْفَةُ: (۳) جحفہ حرف جیم کے پیش کے ساتھ اور حاء کے جزم کے ساتھ ہے یہ اہل مصر و شام اور دیار مغرب کے میقات ہے جو تبوک کے راستہ سے آئیں اور یہ ایک گاؤں تھا جو مکہ معظمہ سے شمالی مغرب کی جانب تبوک کے راستہ پر واقع تھا یہ پہلے اہل شام اور اس کے ارد گرد والوں کا راستہ تھا پہلے اس کو مہیعہ کہا جاتا تھا ایک دفعہ یہاں سیلاب آیا جس نے اس گاؤں کو اکھیڑ پھینکا اس لئے اس کا نام جحفہ (سیلاب کا تباہ کیا ہوا) ہو گیا۔

وَقَرْنٌ: (۴) قرن قاف کے زبر اور ری جزم کے ساتھ اس کو قرن المنازل، قرن الثعالب اور وادی محرم بھی کہتے ہیں قرن ایک

پہاڑ کا نام ہے جو عرفات کے اوپر آیا ہوا ہے اور شرح ملتقی الابحر میں ہے کہ مکہ معظمہ سے قرن تک بیالیس میل ہے یہ نجد کے راستے سے آنے والوں کیلئے میقات ہے۔

وَيَلَمْلَمُ لِأَهْلِهَا وَلِمَنْ مَرَّ بِهَا: (۵) یلملم ہمزہ کے ساتھ الململم بھی کہتے ہیں یہی اصل ہے اور یاء تسہیل کیلئے ہے یہ تہامہ کے پہاڑوں میں سے ایک پہاڑ ہے جو مکہ مکرمہ سے دو منزل کے فاصلہ پر ہے علامہ عینیؒ اور حافظ ابن حجرؒ نے کہا ہے کہ یلملم سے مکہ معظمہ تک تیس میل ہے اور بعض نے ساٹھ میل کہا ہے یہ مکہ معظمہ کے جنوب میں واقع ہے یہ یمن اہل یمن و تہامہ کیلئے میقات ہے پاکستان، ہندوستان، چین، جاوا اور یمن کے باشندوں اور ان تمام لوگوں کیلئے جو یلملم کی شرعی حد (محاذات) سے گذر کر مکہ معظمہ جانا چاہیں احرام باندھنے کی میقات یہی یلملم ہے آج کل بعض اہل فن نے یہ فاصلہ بانوے میل بتایا ہے ذات عرق کے علاوہ باقی چاروں میقات صحیحین کی حدیثوں سے ثابت ہیں اور ذات عرق کا ثبوت صحیح مسلم ابوداؤد وغیرہ سے ہے۔

وَصَحَّ تَقْدِيْمُهُ عَلَيْهَا لَا عَكْسُهُ: میقاتوں کے مقرر کرنے کا فائدہ یہ ہے کہ ان سے آگے احرام باندھنے میں تاخیر کرنا یعنی بغیر احرام باندھے ان سے آگے بڑھنا منع ہے اور تقدیم بالاتفاق جائز ہے پس اگر کوئی شخص ان مواقیت سے پہلے احرام باندھ لے تو جائز ہے اور اگر محظورات احرام میں پڑنے سے محفوظ ہو تو افضل طریقہ یہ ہے کہ اپنے گھر سے احرام باندھے یا میقات سے بہت ہی پہلے احرام باندھ لے اور اگر محظورات صادر ہونے کا خوف ہو تو میقات سے پہلے احرام باندھنا مکروہ ہے۔

وَلِدَاخِلِهَا الْحِلُّ: داخل میقات سے مراد وہ لوگ ہیں جو میقات سے باہر نہیں ہیں خواہ یہ حکم عین میقات پر رہنے والوں اور میقات سے اندر حرم کی طرف رہنے والوں سب کو شامل ہے کیونکہ منصوص روایت میں ان دونوں کے بارے میں کوئی فرق نہیں ہے ان سب کیلئے مواقیت اور حدود حرم کے درمیانی علاقہ کی تمام زمین میقات ہے جس کو حل کہتے ہیں پس سرزمین حل کا رہنے والا شخص جب حج یا عمرہ کے ارادہ سے حدود حرم میں داخل ہو تو احرام باندھے بغیر داخل نہ ہو لیکن اگر اس کا ارادہ حج یا عمرہ کا نہ ہو تو اس کو ان دونوں مقاصد کے علاوہ کسی اور ضرورت کیلئے حدود حرم میں احرام باندھے بغیر داخل ہونا جائز ہے جیسا کہ مکہ کا رہنے والا شخص اپنی کسی ضرورت کیلئے حدود حرم سے باہر چلا جائے لیکن حل ہی میں رہے حل سے باہر آفاق میں نہ جائے تو اس کو احرام کے بغیر مکہ مکرمہ میں داخل ہونا جائز ہے۔

وَلِلْمَكِّيِّ الْحَرَمُ لِلْحَجِّ وَالْحِلُّ لِلْعُمْرَةِ: اہل حرم سے مراد وہ لوگ ہیں جو حدود حرم کے اندر رہتے ہیں خواہ وہ وہاں کے مستقل باشندے ہوں یا دوسری جگہ سے آئے ہوں اور خواہ وہ مقیم ہوں یا مسافر پس جو لوگ مکہ معظمہ میں یا حدود حرم میں کسی اور جگہ مثلاً منیٰ وغیرہ میں رہتے ہوں حج کیلئے ان کا میقات حدود حرم کے اندر کی تمام سرزمین ہے اس میں جہاں سے چاہیں احرام باندھیں لیکن مسجد الحرام (بیت اللہ کی مسجد) سے احرام باندھنا افضل ہے اس کے بعد ان کو اپنے گھروں سے احرام باندھنا افضل ہے اور حد حرم تک اس کو مؤخر کرنا جائز ہے اور مکہ مکرمہ اور حدود حرم والوں کیلئے عمرہ کا میقات تمام سرزمین حل ہے تاکہ ان کی عمرہ کرنے

میں ایک قسم کا سفر حاصل ہو جاتا ہے جو مشقت و تکلیف کا سبب ہے تو گویا یہ اجر حاصل کرنے میں سبقت کرے یا حدود حرم کا رہنے والا شخص جب حج کا ارادہ کرے تو اس کا میقات سرزمین حرم ہے اور اگر وہ زمین حل سے حج کا احرام باندھے گا تو اس پر دم (قربانی) واجب ہوگا اور جب وہ عمرہ کا ارادہ کرے تو اس کا میقات حل ہے اگر وہ زمین حرم سے عمرہ کا احرام باندھے گا تو اس پر دم (قربانی) واجب ہوگا کیونکہ اس نے دونوں صورتوں میں اپنے میقات کو ترک کر دیا ہے حالانکہ وہ میقات بالاجماع ثابت ہیں۔

بَابُ الْإِحْرَامِ

احرام کا بیان

احرام کے شرعی معنی: مصنف مواقیت کے ذکر کرنے کے بعد اب احرام کی کیفیت کا بیان کر رہے ہیں احرام حج و عمرہ کی صحت کیلئے شرط ہے جیسا کہ نماز کی صحت کیلئے تکبیر تحریمہ شرط ہے احرام لغت میں دخول فی الحرمت کو کہتے ہیں یعنی بے حرمتی نہ کرنا یا اس کے معنی حرام کرنا ہے کیونکہ جس وقت کوئی شخص حج یا عمرہ کا احرام باندھ کر تلبیہ پڑھ لیتا ہے تو چند مباح چیزیں بھی مثلاً شکار کرنا اور عورت وغیرہ احرام کی وجہ سے اس پر حرام ہو جاتی ہیں اور شریعت میں احرام کے معنی ہیں چند مخصوص حرمات میں احرام کی نیت سے اللہ تعالیٰ کے ذکر یا ہدی کو گلے میں پٹہ ڈال کر ہمراہ لے جانے کے ساتھ داخل ہونا اور ان دو چادروں کو بھی احرام کہتے ہیں جن کو محرم احرام کی حالت میں استعمال کرتا ہے

وَإِذَا أَرَدْتَ أَنْ تُحْرِمَ فَتَوَضَّأْ وَالْغُسْلُ أَفْضَلُ وَالْبَسْ إِزَارًا وَرِدَاءً جَدِيدَيْنِ أَوْ غَسِيلَيْنِ وَتَطَيَّبْ وَصَلِّ رَكْعَتَيْنِ وَقُلِ اللَّهُمَّ إِنِّي أُرِيدُ الْحَجَّ فَيَسِّرْهُ لِي وَتَقَبَّلْهُ مِنِّي وَلَبِّ دُبُرَ صَلَاتِكَ تَنْوِي بِهَا الْحَجَّ وَهِيَ لَبَّيْكَ اللَّهُمَّ لَبَّيْكَ لَبَّيْكَ لَا شَرِيكَ لَكَ لَبَّيْكَ إِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ لَا شَرِيكَ لَكَ وَزِدْ فِيهَا وَلَا تَنْقُصْ

ترجمہ: اور جب تو احرام باندھنا چاہے تو وضو کر لیکن غسل کرنا افضل ہے اور ایک تہبند اور ایک چادر نئی یا دھلی ہوئی پہن اور خوشبو لگا اور دو رکعت پڑھ اور کہہ اے اللہ میں حج کا ارادہ کرتا ہوں سو تو میرے لئے اسے آسان کر دے اور میری طرف سے قبول کر لے اور تلبیہ کہہ نماز کے بعد حج کی نیت کرتا ہوا اور تلبیہ یہ ہے حاضر ہوں اے اللہ میں حاضر ہوں تیرا کوئی شریک نہیں حاضر ہوں بیشک سب تعریفیں اور نعمتیں تیرے لئے ہیں اور بادشاہی بھی تیرا کوئی شریک نہیں اور ان کلمات میں اضافہ کر اور کمی نہ کر۔

وَإِذَا أَرَدْتَ أَنْ تُحْرِمَ فَتَوَضَّأْ وَالْغُسْلُ أَفْضَلُ: جب کوئی شخص احرام باندھنے کا ارادہ کرے تو وضو کر لینا کافی ہے لیکن غسل کرنا افضل ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے اپنے احرام کیلئے غسل فرمایا تھا اور یہ غسل صفائی ستھرائی کیلئے ہے طہارت و دفع نجاست کیلئے نہیں ہے لہٰذا یہ غسل حیض و نفاس والی عورت اور نابالغ کے حق میں بھی مستحب ہے اور اسی لئے پانی نہ ملنے کے وقت احرام

کیلئے تیمم مشروع نہیں ہے یعنی تیمم کر لینے سے یہ سنت ادا نہیں ہوگی کیونکہ تیمم سے صفائی حاصل نہیں ہوتی

وَلَبِسَ إِزَارًا وَرِدَاءً جَدِيدَيْنِ أَوْ غَسِيلَيْنِ : غسل کے بعد احرام کے دو کپڑے ازار اور چادر زیب تن کرے دو دونوں کپڑے نئے ہوں یا دھلے ہوئے ہوں، احرام کے کپڑوں کا دھلا ہوا ہونا اگر چہ کافی ہے مگر نئے کپڑے پہننا افضل ہے کیونکہ نئے کپڑے طہارت سے زیادہ قریب ہیں اس لئے ابھی تک ان کو کوئی ظاہری نجاست نہیں لگی۔

وَتَطَيَّبَ : اور احرام باندھنے سے پہلے بدن پر ایسی خوشبو کا لگانا جائز ہے جس کا وجود احرام باندھنے کے بعد تک باقی نہ رہے اگر چہ اس کی خوشبو احرام باندھنے کے بعد تک باقی رہے اور اسی طرح کا ذکی خوشبودار چیز جس کا وجود احرام باندھنے کے بعد تک باقی رہے جیسے کہ مشک اور غالیہ بدن پر لگانا ہمارے نزدیک مکروہ نہیں ہے یہی صحیح ہے یہ شیخین کا مذہب ہے اور امام محمد کے نزدیک ایسی خوشبو بدن پر لگانا جس کا وجود احرام باندھنے کے بعد باقی رہے مکروہ ہے اور امام مالک وامام شافعی وامام زفر کا بھی یہی قول ہے کیونکہ وہ اس خوشبو سے احرام کی حالت میں مستمتع ہوگا۔ شیخین کی دلیل حدیث عائشہ ہے وہ فرماتی ہیں کہ میں احرام سے قبل آپ ﷺ کے بدن مبارک کو خوشبو لگاتی تھی دوسری روایت میں ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کی مانگ میں آپ ﷺ کے احرام باندھنے کے بعد خوشبو کی چمک کو دیکھی ہے یہ بات ایسی خوشبو میں متحقق ہوگی جس کا وجود احرام باندھنے کے بعد بھی باقی رہتا ہو پس اس حدیث سے ثابت ہوا کہ احرام باندھنے سے پہلے ایسی خوشبو لگانا جس کا جرم احرام کے بعد بھی باقی رہتا ہو تو جائز ہے البتہ کپڑوں کو ایسی خوشبو لگانا جس کا وجود بعد میں باقی رہے جائز نہیں ہے۔

وَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ : احرام کی چادریں پہننے اور خوشبو لگانے کے بعد دو رکعت نماز بطور سنت ادا کرے (اور مستحب یہ ہے کہ اس دوگانہ میں سنت احرام کی نیت کرے تاکہ پوری فضیلت حاصل ہو ورنہ مطلق نیت کرنا بھی حصول سنت کیلئے کافی ہو جائیگا اور اگر ایسا وقت ہو جس میں نفل ادا کرنا مکروہ ہے تو یہ نماز نہ پڑھے اور اس وقت متصل کسی فرض نماز پڑھ لی ہو تو سنت احرام کیلئے بھی کافی ہے جیسا کہ تحیۃ المسجد کیلئے کافی ہو جاتی ہے۔

وَقَالَ اللَّهُمَّ إِنِّي أُرِيدُ الْحَجَّ فَيَسِّرْهُ لِي وَتَقَبَّلْهُ مِنِّي : احرام کے وقت یہ دعا پڑھے ۔ اللهم انی ارید الحج فیسره لی وتقبله منی چونکہ افعال حج کی ادائیگی مختلف اوقات اور مختلف مقامات پر ہوتی ہے اور عموماً کئی تکلیفوں اور دقتوں کا سامنا ہو جاتا ہے اس لیے اللہ تعالیٰ سے آسانی اور سہولت کی التجاء کی جائے۔

وَلَبِّ دُبُرَ صَلَاتِكَ تَنْوِي بِهَا الْحَجَّ وَهِيَ لَبَّيْكَ اللَّهُمَّ لَبَّيْكَ لَبَّيْكَ لَا شَرِيكَ لَكَ لَبَّيْكَ إِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ لَا شَرِيكَ لَكَ : اور نماز احرام کے فوراً بعد تلبیہ کہہ کر حج کی نیت کرے کیونکہ حج ایک عبادت ہے اور کوئی عبادت بغیر نیت کے ادا نہیں ہوتی اور نماز احرام اور تلبیہ کے درمیان کوئی دوسرا کام نہ کرے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے نماز احرام کے بعد تلبیہ کہا ہے۔

وزد فیہ ولا تنقص: تلبیہ میں یہی الفاظ پڑھے جو اوپر متن میں بیان ہوئے اور ان میں سے کچھ بھی کم نہ کرے اور ان الفاظ کے درمیان میں بھی کوئی لفظ نہ بڑھائے اور یہ تلبیہ ماثورہ پورا پڑھنے کے بعد اگر کچھ اور الفاظ بڑھائے تو مستحسن ہے بلکہ مستحب ہے کہ یہ الفاظ زیادہ کرے: لبیک وسعدیک والخیر کلہ بیدیک والرغباء الیک لبیک الٰہ الخلق لبیک بحجۃ حقا تعبدا ورقا لبیک ان العیش عیش الآخرۃ اور اسی قسم کے دوسرے الفاظ زیادہ کرنا جائز ہے لیکن جو الفاظ احادیث وآثار میں مروی ہیں ان کا زیادہ کرنا مستحب ہے اور جو الفاظ مروی نہیں ہیں ان کا اضافہ جائز ہے۔ مصنفؒ نے کافی میں تصریح کی ہے کہ تکرار تلبیہ کی طرح تلبیہ کے الفاظ پر زیادتی ہمارے نزدیک مستحب ہے اور تلبیہ مسنونہ مشہورہ کے الفاظ میں کمی کرنا بالاتفاق مکروہ ہے۔

فَإِذَا لَبَّيْتَ نَاوِيًا فَقَدْ أَحْرَمْتَ فَاتَّقِ الرَّفَثَ وَالْفُسُوقَ وَالْجِدَالَ وَقَتْلَ الصَّيْدِ وَالْإِشَارَةَ إِلَيْهِ وَالدَّلَالَةَ عَلَيْهِ وَلُبْسَ الْقَمِيصِ وَالسَّرَاوِيلِ وَالْعِمَامَةِ وَالْقَلَنْسُوَةِ وَالْقَبَاءِ وَالْخُفَّيْنِ إِلَّا أَنْ لَا تَجِدَ النَّعْلَيْنِ فَيَقْطَعُهُمَا أَسْفَلَ مِنَ الْكَعْبَيْنِ وَالثَّوْبِ الْمَصْبُوغِ بِوَرْسٍ أَوْ زَعْفَرَانٍ أَوْ عُصْفُرٍ إِلَّا أَنْ يَكُونَ غَسِيلًا لَا يَنْفُضُ وَسَتْرَ الرَّأْسِ وَالْوَجْهِ وَغَسْلَهُمَا بِالْخِطْمِيِّ وَمَسَّ الطِّيبِ وَحَلْقَ رَأْسِهِ وَقَصَّ شَعْرِهِ وَظُفْرِهِ لَا الِاغْتِسَالَ وَدُخُولَ الْحَمَّامِ وَالِاسْتِظْلَالَ بِالْبَيْتِ وَالْمَحْمِلِ وَشَدَّ الْهِمْيَانِ فِي وَسَطِهِ.

ترجمہ: پس جب تو نیت حج تلبیہ کہہ چکا تو محرم ہو گیا پس بری باتوں سے، گناہوں سے، لڑائی جھگڑے سے، شکار کرنے سے، اس کی طرف اشارہ کرنے سے اور اس کو بتلانے سے درگذر، اور کرتہ پاجامہ پگڑی ٹوپی قبا اور موزے پہننے سے (پرہیز کر) الا یہ کہ تو جوتے نہ پائے تو ان کو ٹخنوں کے نیچے سے کاٹ دے اور ورس یا زعفران یا عصفر سے رنگے ہوئے کپڑے سے (پرہیز کر) الا یہ کہ دھلا ہوا ہو کہ بو نہ آتی ہو اور سر اور چہرہ کے ڈھانپنے سے اور ان کو خطمی سے دھونے سے اور خوشبو لگانے سے سر منڈانے، بال اور ناخن کاٹنے سے (پرہیز کر) نہ کہ نہانے اور حمام میں جانے اور کجاوے کے سایہ میں ٹھہرنے اور کمر میں ہمیانی باندھنے سے

محرم کیلئے ممنوع امور کا بیان

فاذا لبیت ناویا فقد احرمت فاتق الرفث والفسوق والجدال: جس شخص نے احرام باندھنے کا ارادہ کیا جب اس نے نیت کی اور تلبیہ کہا تو وہ محرم ہو گیا محض تلبیہ سے بغیر نیت کے یا محض نیت سے بغیر تلبیہ کے محرم نہ ہوگا بلکہ محرم ہونے کیلئے نیت اور تلبیہ دونوں ضروری ہیں جب یہ محرم ہو گیا تو ان باتوں سے پرہیز کرے جن سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے مثلاً فحش گوئی، فسق اور جدال سے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: فمن فرض فیہن الحج فلا رفث ولا فسوق ولا جدال فی الحج یعنی جس نے حج کے ایام میں اپنے اوپر حج فرض کیا تو وہ نہ فحش گوئی کرے نہ فسق کا ارتکاب کرے اور نہ جدال کرے یہ امور اگرچہ ہر حال میں ممنوع اور حرام ہیں لیکن احرام کی حالت میں اشد حرام ہیں جیسے مردوں کو ریشم کا کپڑا پہننا ہر حال میں حرام ہے لیکن نماز کی حالت میں حرمت زیادہ سخت ہے۔

وَقَتْلُ الصَّيْدِ وَالْإِشَارَةُ إِلَيْهِ وَالدَّلَالَةُ عَلَيْهِ : حالت احرام میں خشکی کے جانور کو قتل کرنا بھی حرام ہے قتل کرنا ذبح کے طور پر ہو یا اور کسی طور پر، البتہ دریائی جانور کے شکار کی اجازت ہے کیونکہ باری تعالیٰ کے قول ﴿وحرم علیکم صید البر مادمتم حرما﴾ میں اس کی صراحت موجود ہے اور شکار کی طرف اشارہ نہ کرے اور نہ اس پر دلالت کرے کیونکہ ابو قتادہؓ نے غیر محرم ہونے کی حالت میں گورخر کا شکار کیا اور ابو قتادہؓ کے ساتھی محرم تھے، پس رسول اللہ ﷺ نے ابو قتادہؓ کے ساتھیوں سے فرمایا کیا تم نے اشارہ کیا؟ کیا تم نے دلالت کی؟ کیا تم نے مدد کی؟ سب نے کہا نہیں، پس آپ ﷺ نے فرمایا پھر کھالو۔

وَلُبْسُ الْقَمِيصِ وَالسَّرَاوِيلِ وَالْعِمَامَةِ وَالْقَلَنْسُوَةِ وَالْقَبَاءِ وَالْخُفَّيْنِ إِلَّا أَنْ لَا يَجِدَ النَّعْلَيْنِ فَلْيَقْطَعْهُمَا أَسْفَلَ مِنَ الْكَعْبَيْنِ : محرم نہ تو قمیص پہنے نہ شلوار نہ پگڑی نہ ٹوپی نہ قبا اور نہ موزے، ہاں اگر جوتے دستیاب نہ ہوں تو موزوں کو ٹخنوں سے نیچے کاٹ کر پہن سکتا ہے کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے محرم کو ان مذکورہ اشیاء کے استعمال کرنے کی ممانعت فرمائی اور آخر میں یہ بھی فرمایا کہ موزے بھی پہنے ہاں اگر جوتے میسر نہ ہوں تو موزوں کو ٹخنوں سے نیچے قطع کرلے، امام محمدؒ سے روایت ہے کہ یہاں کعب سے مراد (پاؤں کی ابھری ہوئی ہڈی ہے یعنی ٹخنہ نہیں بلکہ) وہ جوڑ ہے جو وسط قدم میں ہوتا ہے اور جہاں تسمہ باندھا جاتا ہے۔

وَالثَّوْبِ الْمَصْبُوغِ بِوَرْسٍ أَوْ زَعْفَرَانٍ أَوْ عُصْفُرٍ إِلَّا أَنْ يَكُونَ غَسِيلًا لَا يَنْفُضُ : ورس زعفران اور عصفر سے رنگ کیا ہوا کپڑا نہ پہنا جائے نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ محرم وہ کپڑا نہ پہنے جس کے رنگنے میں زعفران یا ورس استعمال کیا گیا ہو، ورس اور عصفر بھی زعفران کی طرح خوشبودار نباتاتی اشیاء ہیں البتہ اگر مذکورہ اشیاء میں رنگا ہوا کپڑا اس طرح دھو دیا جائے کہ اس سے خوشبو نہ آئے تو اس کا استعمال جائز ہے کیونکہ ممنوع تو خوشبو ہے نہ کہ رنگ، امام شافعیؒ کے نزدیک عصفر سے رنگا ہوا کپڑا پہننے میں کوئی قباحت نہیں کیونکہ عصفر کا رنگ تو ہوتا ہے مگر خوشبو نہیں ہوتی احناف کہتے ہیں کہ عصفر کی اچھی خاصی خوشبو ہوتی ہے۔

وَسَتْرُ الرَّأْسِ وَالْوَجْهِ : محرم نہ تو اپنا منہ ڈھانپے اور نہ سر، امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ محرم مرد کیلئے چہرہ ڈھانپنا جائز ہے یہی قول امام مالکؒ اور امام محمدؒ کا ہے، امام شافعیؒ کی دلیل نبی اکرم ﷺ کا یہ ارشاد ہے کہ مرد کا احرام اس کے سر میں اور عورت کا اس کے چہرے میں ہوتا ہے ہماری دلیل حدیث ابن عباسؓ ہے کہ آپ ﷺ نے وفات پانے والے محرم شخص کے بارے میں فرمایا کہ اس کا منہ اور سر (کفن سے) نہ ڈھانپیں کیونکہ یہ شخص حشر کے دن تلبیہ کہتا ہوا اٹھے گا۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ احرام میں عورت اپنا چہرہ نہیں ڈھانپتی حالانکہ اس کے چہرہ کو نہ ڈھانپنے میں فتنے کا امکان بھی ہے تو مرد کیلئے بطریق اولیٰ چہرہ ڈھانپنا مناسب نہ ہوگا۔

وَغَسْلُهُمَا بِالْخِطْمِيِّ : اور خطمی سے سر اور داڑھی نہ دھوئے کیونکہ یہ خوشبو کی ایک قسم ہے نیز اس سے جوئیں بھی مر جاتی ہیں اور محرم کیلئے دونوں باتیں جائز ہیں۔

وَمَسُّ الطِّيبِ وَحَلْقُ رَأْسِهِ وَقَصُّ شَعْرِهِ وَظُفْرِهِ : محرم نہ تو سر منڈائے اور نہ بدن کے بال کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿ولا تحلقوا رؤسکم﴾ اور بدن کے بال اور ناخن بھی نہ کاٹے کیونکہ ان کا کاٹنا بھی معنوی لحاظ سے مونڈنے کی حیثیت

رکھتا ہے نیز ان کے کاٹنے میں اس کی پراگندگی اور میل کچیل کو زائل کرنا ہے حالانکہ یہ امور محرم کیلئے جائز نہیں ہیں خوشبو استعمال نہ کرے کیونکہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ حج کرنے والا شخص پراگندہ بالوں والا اور میلا کچیلا ہوتا ہے۔

لا الاغتسال ودخول الحمام والاستظلال بالبيت والمحمل وشد الهميان في وسطه: محرم کے غسل کرنے اور حمام میں داخل ہونے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ حضرت عمرؓ نے احرام کی حالت میں غسل فرمایا تھا اسی طرح گھر میں داخل ہو کر سایہ میں بیٹھنے یا کجاوے کے سایہ میں آنے میں اور کمر میں ہمیانی باندھنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

وَأَكْثِرِ التَّلْبِيَةَ مَتَى صَلَّيْتَ أَوْ عَلَوْتَ شَرَفًا أَوْ هَبَطْتَ وَادِيًا أَوْ لَقِيتَ رَكْبًا وَبِالْأَسْحَارِ رَافِعًا صَوْتَكَ بِهَا وَابْدَأْ بِالْمَسْجِدِ بِدُخُولِ مَكَّةَ وَكَبِّرْ وَهَلِّلْ تِلْقَاءَ الْبَيْتِ ثُمَّ اسْتَقْبِلِ الْحَجَرَ الْأَسْوَدَ مُكَبِّرًا مُهَلِّلًا مُسْتَلِمًا بِلَا إِيذَاءٍ وَطُفْ مُضْطَبِعًا وَرَاءَ الْحَطِيمِ آخِذًا عَنْ يَمِينِكَ مِمَّا يَلِي الْبَابَ سَبْعَةَ أَشْوَاطٍ تَرْمُلُ فِي الثَّلَاثَةِ الْأُوَلِ فَقَطْ وَاسْتَلِمِ الْحَجَرَ كُلَّمَا مَرَرْتَ بِهِ إِنِ اسْتَطَعْتَ وَاخْتِمِ الطَّوَافَ بِهِ وَبِرَكْعَتَيْنِ فِي الْمَقَامِ أَوْ حَيْثُ تَيَسَّرَ مِنَ الْمَسْجِدِ لِلْقُدُومِ وَهُوَ سُنَّةٌ لِغَيْرِ الْمَكِّيِّ.

ترجمہ: اور کثرت سے تلبیہ کہا کرو جب تو نماز پڑھے یا اونچی جگہ پر چڑھے یا کسی وادی میں اترے یا سواروں سے ملے اور صبح کے وقت آواز بلند کرکے اور مکہ میں داخل ہو کر خانہ کعبہ کے سامنے کھڑے ہو کر مسجد حرام سے ابتداء کر اور لا الہ الا اللہ کہہ کسی کو تکلیف دیئے بغیر حجر اسود کے سامنے جا کر اللہ اکبر اور لا الہ الا اللہ کہتے ہوئے اس کو بوسہ دے اور طواف کر مضطبع ہو کر حطیم سمیت اپنا دائیں طرف سے شروع کرتے ہوئے جو دروازہ کے پاس ہے سات چکر اور پہلے تین چکروں میں رمل کر اور جب تجھ سے ہو سکے تو حجر اسود کو بوسہ دے جب بھی اس کے پاس سے گزرے اور طواف کو بوسہ دینے پر ختم کر اور مقام ابراہیم میں یا مسجد حرام میں جہاں آسانی سے ہو دو رکعت نماز پڑھ اور یہ (طواف مکہ میں) آنے کیلئے ہے اور غیر مکی کیلئے سنت ہے۔

وَأَكْثِرِ التَّلْبِيَةَ مَتَى صَلَّيْتَ أَوْ عَلَوْتَ شَرَفًا أَوْ هَبَطْتَ وَادِيًا أَوْ لَقِيتَ رَكْبًا وَبِالْأَسْحَارِ رَافِعًا صَوْتَكَ بِهَا: اور ہر نماز کے بعد کثرت سے تلبیہ کہے جب کسی بلند مقام پر چڑھے یا وادی میں اترے یا سواروں سے سامنا ہو تو تلبیہ کہے اور خصوصاً سحر کے وقت کثرت سے کہے کیونکہ آپ ﷺ کے صحابہ ان مذکورہ تمام احوال میں کثرت سے تلبیہ کہا کرتے تھے اور جس طرح نماز میں ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف انتقال کرتے ہوئے تکبیر کہی جاتی ہے اسی طرح حالت احرام میں بھی مذکورہ احوال کے مختلف ہونے پر تلبیہ کہا جائیگا تلبیہ بلند آواز سے کہے کیونکہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے. افضل الحج العج والثج کہ افضل حج آواز بلند کرنا اور خون بہانا ہے۔

وَابْدَأْ بِالْمَسْجِدِ بِدُخُولِ مَكَّةَ وَكَبِّرْ وَهَلِّلْ تِلْقَاءَ الْبَيْتِ: محرم جب مکہ میں داخل ہو تو مسجد سے ابتداء کرے کیونکہ نبی کریم ﷺ کے بارے میں مروی ہے کہ جونہی آپ ﷺ مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے تو سیدھے مسجد میں تشریف لے گئے کہ

مکہ میں داخل ہونے کے بعد جب بیت اللہ پر نظر پڑے تو تکبیر و تہلیل کہے ابن عمرؓ جب بیت اللہ کو دیکھتے تو بسم اللہ واللہ اکبر کہا کرتے تھے۔

ثُمَّ اسْتَقْبِلِ الْحَجَرَ الْأَسْوَدَ مُكَبِّرًا مُهَلِّلًا مُسْتَلِمًا بِلَا إِيذَاءٍ: کسی مسلمان کو اذیت پہنچائے بغیر اگر ممکن ہو تو ضرور حجر اسود کا استلام کرے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے حجر اسود کو بوسہ دیا اور اس پر اپنے ہونٹ رکھے دوسری بات یہ ہے کہ استلام سنت ہے اور مسلمان کو ایذا دینے سے بچنا واجب ہے اور سنت ادا کرنے کیلئے واجب ترک کرنے کی اجازت نہیں ہے بہر حال اگر حجر اسود کو بوسہ دینا یا ہاتھ سے چھونا ممکن نہ ہو تو بصورت امکان یہ کرے کہ اپنے ہاتھ میں لکڑی لے کر اس کو حجر اسود سے مس کرے پھر اس لکڑی کو چوم لے اور اگر کسی چیز سے مس کرنے پر قادر نہ ہو تو اپنے دونوں ہاتھوں کی ہتھیلیوں کو حجر اسود کی طرف کرے اور خیال کرے کہ یہ دونوں ہتھیلیاں گویا کہ حجر اسود پر لگی ہوئی ہیں اور ہاتھوں کی پشت اپنے چہرے کی طرف ہو یہی ماثور طریقہ ہے پھر ان دونوں ہتھیلیوں کو بوسہ دے لے۔

طواف قدوم کا بیان

وَطُفْ مُضْطَبِعًا وَرَاءَ الْحَطِيمِ آخِذًا عَنْ يَمِينِكَ مِمَّا يَلِي الْبَابَ سَبْعَةَ أَشْوَاطٍ: استلام حجر کے بعد اپنی دائیں طرف سے باب الکعبہ کی جانب سے حطیم سمیت بیت اللہ کا طواف شروع کرے اور سات چکر لگائے دوران چادر کا اضطباع کیے ہوئے کیونکہ آپ ﷺ نے حجر اسود کو بوسہ دیا پھر اپنے دائیں طرف سے باب الکعبہ کی جانب سے سات بار بیت اللہ کا طواف کیا اضطباع کہتے ہیں کہ اوپر والی چادر کو اپنی دائیں بغل کے نیچے سے گزارے اور بائیں کندھے پر ڈال دے اس طرح دایاں کندھا کھلا رہے گا اور بائیں کندھے کے اوپر چادر ہوگی یہ سنت ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ سے اسی طرح منقول ہے

وَرْمُلْ فِي الثَّلَاثَةِ الْأُوَلِ فَقَطْ: طواف کے صرف پہلے تین چکروں میں رمل کرے رمل یہ ہے کہ طواف کیلئے چلتے ہوئے اپنے دونوں کندھوں کو خوب حرکت دے کر چلے جس طرح کہ مجاہد مقابلے کیلئے صفوں کے درمیان خوب تن تن کر چلتا ہے۔

وَاسْتَلِمِ الْحَجَرَ كُلَّمَا مَرَرْتَ بِهِ إِنِ اسْتَطَعْتَ: کسی کو ایذا دیے بغیر اگر ممکن ہو تو ہر بار حجر اسود کے پاس سے گزرتے ہوئے بوسہ دے کیونکہ طواف کے چکر نماز کی رکعت کی طرح ہیں تو جس طرح نماز کی ہر رکعت کو تکبیر سے شروع کیا جاتا ہے اسی طرح طواف کا ہر چکر استلام حجر سے شروع کیا جائے۔

وَاخْتِمِ الطَّوَافَ بِهِ وَبِرَكْعَتَيْنِ فِي الْمَقَامِ أَوْ حَيْثُ تَيَسَّرَ مِنَ الْمَسْجِدِ: جس طرح طواف کی ابتداء استلام حجر سے کی جاتی ہے تو اسی طرح اس کا اختتام بھی استلام حجر پر کرے پھر طواف مکمل کرنے کے بعد مقام ابراہیم کے پاس دو رکعت نماز ادا کرے (اگر مقام ابراہیم کے پاس جگہ نہ مل سکے تو مسجد میں جہاں بھی جگہ مل جائے دو رکعت ادا کرے یہ دو رکعت ہمارے نزدیک واجب ہیں امام شافعی کے نزدیک سنت ہیں کیونکہ وہ فرماتے ہیں کہ ان کے وجوب کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ ہماری دلیل یہ

سعی بین الصفا والمروہ

وَطَافَ بَيْنَهُمَا سَبْعَةَ أَشْوَاطٍ بَادِئًا بِالصَّفَا وَخَاتِمًا بِالْمَرْوَةِ: طواف سات شوط (پھیرے) ہے یعنی صفا سے نکل کر مروہ پر جانا ایک شوط ہے اور مروہ سے صفا کی طرف لوٹ کر آنا دوسرا شوط ہے اور یہی صحیح ہے اور امام طحاوی کا یہ فرمانا کہ صفا سے مروہ پر جانا اور مروہ سے صفا کی طرف لوٹ کر آنا یہ ایک شوط ہے صحیح نہیں ہے طواف کا آغاز صفا سے کرے اور مروہ پر ختم کرے ترتیب یعنی صفا سے شروع کرنا اور مروہ پر ختم کرنا واجب ہے۔ اگر کسی شخص نے مروہ سے شروع کیا تو پہلا چکر معتبر نہ ہوگا کیونکہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ اس سے ابتداء کرو جس سے اللہ تعالیٰ نے ابتداء کی ہے یعنی ﴿إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ﴾ میں صفا مقدم ہے لہٰذا سعی کی ابتداء اسی سے ہوگی اور ہمارے نزدیک صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرنا واجب ہے رکن نہیں اور امام شافعیؒ کے نزدیک رکن ہے یہی امام مالکؒ اور امام احمدؒ کا قول ہے ان کی دلیل نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ﴿إِنَّ اللهَ تَعَالَى كَتَبَ عَلَيْكُمُ السَّعْيَ فَاسْعَوْا﴾ "اللہ تعالیٰ نے تم پر سعی فرض کی ہے سو تم سعی کرو"۔ ہماری دلیل باری تعالیٰ کا قول: ﴿فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ أَنْ يَطَّوَّفَ بِهِمَا﴾ ہے اور "لا جناح" میں "لا" اباحت پر دلالت کرتا ہے نہ کہ فرضیت پر امام شافعیؒ کی دلیل کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث ظنی ہے اس سے فرضیت ثابت نہیں ہوتی زیادہ سے زیادہ وجوب ثابت ہوتا ہے اور ہم بھی وجوب کے قائل ہیں۔

ثُمَّ أَقَامَ بِمَكَّةَ حَرَامًا وَطَافَ بِالْبَيْتِ كُلَّمَا بَدَا لَكَ: طواف قدوم اور سعی سے فراغت کے بعد بحالت احرام مکۃ المکرمہ میں قیام کرے کیونکہ اس نے حج کیلئے احرام باندھا ہوا ہے اس لئے جب تک افعال حج کی تکمیل نہ کر لے احرام سے نہیں نکلے گا۔ مکہ مکرمہ میں قیام کے دوران جب بھی موقع ملے طواف کرتا رہے اس لئے کہ خانہ کعبہ کا طواف نماز کا درجہ رکھتا ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ کعبہ کا طواف کرنا نماز ہے مگر اللہ تعالیٰ نے طواف کے اندر بات کرنا حلال کر دیا ہے پس جو کوئی طواف کے اندر بات کرے تو سوائے خیر کے اور کوئی بات نہ کرے۔

ثُمَّ اخْطُبْ قَبْلَ يَوْمِ التَّرْوِيَةِ بِيَوْمٍ وَعَلِّمْ فِيهَا الْمَنَاسِكَ: یوم الترویہ آٹھ ذی الحجہ کا دن ہے چنانچہ ساتویں ذی الحجہ کو ظہر کی نماز کے بعد امیر حج ایک خطبہ دے جس میں لوگوں کو منیٰ کی طرف جانے، جا کر عرفات میں نماز پڑھنے وقوف کرنے اور عرفات سے لوٹ کر مزدلفہ آنے کے احکام سے آگاہ کرے۔

فائدہ: حج میں تین خطبے ہیں پہلا تو یہی جس کا ذکر ابھی ہوا اور دوسرا خطبہ عرفات میں یوم عرفہ (۹ ذی الحجہ) کو اور تیسرا منیٰ میں گیارہ ذی الحجہ کو ہر خطبے کے درمیان ایک ایک دن کا وقفہ ہوگا پہلا سات کو دوسرا نو کو اور تیسرا گیارہ کو ہوگا۔ پہلا اور تیسرا ایک ہی خطبہ ہوتا ہے یعنی عام خطبوں کی طرح درمیان میں جلسہ نہیں ہوتا نیز یہ دونوں خطبے نماز ظہر کے بعد ہوتے ہیں یوم عرفہ والا خطبہ عام خطبوں کی طرح دو حصوں میں ہوتا ہے اور درمیان میں جلسہ بھی ہوتا ہے نیز یہ صلوٰۃ ظہر سے پہلے ہوتا ہے

ثُمَّ رُحْ يَوْمَ التَّرْوِيَةِ إِلَى مِنًى ثُمَّ إِلَى عَرَفَاتٍ بَعْدَ صَلَاةِ الْفَجْرِ يَوْمَ عَرَفَةَ ثُمَّ اخْطُبْ ثُمَّ صَلِّ بَعْدَهُ

ذکر فرمایا ہے (۱) دونوں نمازوں میں بادشاہ وقت (خلیفہ) یا اس کے نائب کا امام ہونا خواہ وہ مقیم ہو یا مسافر پس اس کے علاوہ کسی اور امام کے ساتھ ان دونوں نمازوں کو جمع کرنا جائز نہیں اور صاحبینؒ کے نزدیک اس کو جمع کرنا جائز ہے۔ (۲) دونوں نمازیں حج کے احرام کی حالت میں پڑھی جائیں اور صاحبینؒ کے نزدیک دونوں کو جمع کرنے کیلئے فقط نماز عصر کے وقت احرام میں ہونا شرط ہے پس اگر کسی نے ظہر کی نماز امام کے ساتھ جماعت سے احرام کے بغیر یا عمرہ کے احرام کی حالت میں پڑھی پھر حج کا احرام باندھا اس کے بعد عصر کی نماز امام کے ساتھ جماعت سے پڑھی تو اس کو عصر کی نماز ظہر کے ساتھ ادا کرنا جائز نہیں۔

فائدہ:۔ باقی چار شرطیں یہ ہیں جن کو مصنفؒ نے ذکر نہیں کیا۔ (۳) دونوں نمازوں کو جماعت سے ادا کرنا پس اگر ان دونوں نمازوں کو یا ان دونوں میں سے کسی ایک نماز کو اکیلے پڑھا مثلاً ظہر کی نماز اکیلے پڑھی اور عصر کی نماز جماعت سے پڑھی یا ظہر کی نماز جماعت سے پڑھی اور عصر کی نماز اکیلے پڑھی تو امام صاحبؒ کے نزدیک عصر کی نماز اپنے وقت سے پہلے جائز نہیں ہوگی اور صاحبینؒ کے نزدیک جائز ہو جائیگی۔ (۴) ظہر کو عصر پر مقدم کرنا یعنی ظہر کی نماز پڑھنا پھر عصر کی۔ پس عصر کو ظہر پر مقدم کرنا جائز نہیں ہے (۵) جمع بین الصلاتین کا وقت ہونا اور وہ عرفہ کے دن یعنی نویں ذی الحجہ کو زوال آفتاب کے بعد عصر کا وقت داخل ہونے سے پہلے ہے یہ شرط بھی متفق علیہ ہے پس اس وقت کے علاوہ ان دونوں نمازوں کو جمع کرنا جائز نہیں ہے (۶) مکان اور وہ عرفات یا اس کے قریب کی جگہ ہے آخری تین شرطیں متفق علیہ ہیں۔

ثُمَّ إِلَى الْمَوْقِفِ وَقِفْ بِقُرْبِ الْجَبَلِ وَعَرَفَاتٌ كُلُّهَا مَوْقِفٌ إِلَّا بَطْنَ عُرَنَةَ مُحَلِّلًا مُكَبِّرًا مُهَلِّلًا مُلَبِّيًا مُصَلِّيًا دَاعِيًا: جمع بین الصلاتین کے بعد سب لوگ امام سمیت موقف چلے جائیں اور پہاڑ کے قریب جا کر کھڑے ہوں اس پہاڑ کا نام جبل رحمت ہے بطن عرنہ کے علاوہ پورا عرفات موقف ہے یعنی کوئی جہاں چاہیں ٹھہر جائیں۔ امام اور لوگ غروب آفتاب تک وقوف کریں اور اس دوران میں تکبیر و تہلیل حمد و ثناء اور صلوٰۃ وسلام میں مشغول رہیں۔ بارگاہ الٰہی میں اپنی حوائج ضرور یا دعا کی درخواست پیش کریں اور گڑ گڑا کر دعائیں کریں کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اہل عرفہ کی دعا افضل ترین ہے۔

غروب کے وقت مزدلفہ کی طرف جائیں

ثُمَّ إِلَى مُزْدَلِفَةَ بَعْدَ الْغُرُوبِ وَانْزِلْ بِقُرْبِ جَبَلِ قُزَحَ: نویں ذی الحجہ کو غروب آفتاب کے بعد نماز مغرب پڑھے بغیر عرفات سے مزدلفہ آجائے اور اگر غروب آفتاب سے پہلے حدود عرفات سے تجاوز کر گیا تو اس پر دم واجب ہوگا اور مزدلفہ میں جبل قزح کے قریب راستے سے ہٹ کر ٹھہرنا مستحب ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ اور حضرت عمرؓ نے اسی کے قریب وقوف فرمایا تھا۔

مزدلفہ میں جمع بین الصلاتین

وَصَلِّ بِالنَّاسِ الْعِشَائَيْنِ بِأَذَانٍ وَإِقَامَةٍ وَلَمْ تَجُزِ الْمَغْرِبُ فِي الطَّرِيقِ: مغرب اور عشاء کو مزدلفہ میں عشاء کے وقت میں ایک اذان اور اقامت کے ساتھ جمع کرے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے مغرب وعشاء کو مزدلفہ میں ایک اذان اور ایک

اقامت کے ساتھ جمع فرمایا تھا دوسری بات یہ ہے کہ عشاء اپنے وقت میں ہے لہٰذا لوگوں کو آگاہ کرنے کیلئے علیحدہ اقامت کی قطعاً ضرورت نہیں ہے مغرب اور عشاء کو مزدلفہ میں عشاء کے وقت میں ایک اذان اور اقامت کے ساتھ جمع کرے اگر مغرب کی نماز مزدلفہ سے پہلے ہی راستہ میں ادا کرلی تو طرفین کے نزدیک یہ نماز درست نہ ہوگی بلکہ طلوع فجر سے پہلے پہلے اس پر اس نماز کا اعادہ واجب ہے اسی کے قائل امام زفرؒ اور حسن بن زیادؒ ہیں اور امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ نماز تو درست ہوگی ہے البتہ مخالفت سنت کی وجہ سے گنہگار ہوگا طرفینؒ کی دلیل یہ ہے کہ اسامہؓ نے نبی کریم ﷺ سے عرفات سے مزدلفہ جاتے ہوئے راستہ میں فرمایا "یا اللہ کے رسول نماز مغرب پڑھ لیں تو آپ نے ارشاد فرمایا: الصلاۃ امامک. "نماز کا وقت تیرے آگے ہے" یعنی مزدلفہ میں اس سے معلوم ہوا کہ مغرب کو مؤخر کرنا واجب ہے تاکہ دونوں نمازوں کو مزدلفہ میں جمع کرنا ممکن ہو پس اس جمع بین الصلوتین کی وجہ سے طلوع فجر سے پہلے پہلے مغرب کا اعادہ واجب ہے لیکن جب فجر طلوع ہوگی تو اب دونوں نمازوں کو جمع کرنا ممکن نہ رہا تو طلوع فجر کے بعد اعادہ ساقط ہوگیا لیکن ترک واجب کی وجہ سے گنہگار ہوگا۔

ثم صل الفجر بغلس: جب دس ذی الحجہ کو صبح صادق ہو جائے تو نماز فجر اندھیرے میں پڑھنا مستحب ہے کیونکہ ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے آج کے دن فجر کی نماز اندھیرے میں ادا کی اور نماز فجر کو غلس میں ادا کرنا وقوف مزدلفہ کی ضرورت کے پیش نظر ہے۔

ثم قف مكبرا مهللا ملبيا مصليا على النبي صلى الله عليه وسلم داعيا بحاجتك وقف على جبل قزح إن أمكنك وإلا فبقرب منه: پھر تلبیہ و تکبیر و تہلیل و حمد و ثناء اور نبی کریم ﷺ پر درود شریف پڑھے اور تلبیہ کی کثرت کرے اللہ تعالیٰ سے اپنی دینی و دنیوی حوائج کیلئے دعائیں مانگے اور اذکار وغیرہ میں اچھی طرح روشنی ہونے تک مشغول رہے یعنی اس وقت مشغول رہے کہ سورج نکلنے میں تقریباً دو رکعت کی مقدار وقت باقی رہ جائے۔

وهي موقف إلا بطن محسر: وادی محسر کے علاوہ تمام مزدلفہ میں وقوف کیا جا سکتا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے وادی محسر میں وقوف سے منع کیا کیونکہ وادی محسر مزدلفہ میں داخل نہیں ہے بلکہ مزدلفہ سے خارج ہے۔

> **ثم إلى منى بعدما أسفر فارم جمرة العقبة من بطن الوادي بسبع حصيات كحصى الخذف وكبر بكل حصاة واقطع التلبية بأولها ثم اذبح ثم احلق أو قصر والحلق أحب وحل لك غير النساء ثم إلى مكة يوم النحر أو غدا أو بعده فطف للركن سبعة أشواط بلا رمل وسعي إن قدمتهما وإلا فعلا وحل لك النساء وكره تأخيره عن أيام النحر**

ترجمہ: پھر خوب روشنی ہو جانے کے بعد منیٰ کی طرف جا اور وادی کے اندر سے جمرۂ عقبہ کی رمی کر سات کنکریوں کے ساتھ جو انگلی کے ساتھ پھینکنے والی کنکری کی طرح ہوں اور ہر کنکری کے ساتھ تکبیر کہہ اور پہلی کنکری کے ساتھ تلبیہ ختم کرے پھر قربانی کر پھر بال منڈا یا کترا اور منڈانا بہتر ہے

ہے اور سوائے عورتوں کے تمام چیزیں اس کیلئے حلال ہو گئی پھر دسویں یا گیارہویں یا بارہویں کو مکہ میں آ کر طواف رکن کرے سات پھیرے رمل اور سعی کے بغیر اگر پہلے کر چکا ہو ورنہ دونوں چیزیں کی جائیں گی اور عورتیں بھی اس کیلئے حلال ہو گئیں اور طواف کو ایام نحر سے موخر کرنا مکروہ ہے۔

ثم إلى منى فقطعها أسفل فارم جمرة العقبة من بطن الوادي بسبع حصيات كحصى الخذف: طلوعِ آفتاب سے قبل جب خوب روشنی پھیل جائے تو منیٰ میں آ جائے تو جمرہ عقبہ سے کم جائز نہیں ہے اور یہ کنکریاں انگلی کے پوروں کی بقدر ہوں تو ان کو اپنے دائیں انگوٹھے کی پشت پر رکھ کر شہادت کی انگلی سے پھینک دے۔ اور رمی کرنے والے اور کنکری گرنے کی جگہ کے درمیان کم از کم پانچ ہاتھ کا فاصلہ ہونا چاہئے ابن زیاد نے امام صاحب سے یہی روایت کی ہے کیونکہ اس سے کم فاصلہ کی صورت میں پھینکنے کا اطلاق نہیں ہوگا بلکہ ڈالنے کا اطلاق ہوگا حالانکہ کنکری کا پھینکنا سنت ہے نہ کہ ڈالنا۔

فائدہ: جمار جمرہ کی جمع ہے پتھری چھوٹی کنکریوں کو کہتے ہیں اور ان جگہوں کو بھی جمار و جمرات کہتے ہیں جہاں کنکریاں پھینکی جاتی ہیں کیونکہ کنکریوں اور اس جگہ میں جہاں کنکریاں مارتے ہیں تعلق و مناسبت ہے اور ایک جگہ کو جمرہ کہتے ہیں اور بعض نے کہا ہے کہ وہاں کنکریاں جمع ہو جاتی ہیں اس لئے اس جگہ کو جمرہ اور تینوں جگہ کو جمرات و جمار کہتے ہیں۔

رمی جمرات اور رمی کے وقت تلبیہ کا موقوف کرنا

وكبّر بكل حصاة وقطع التلبية بأولها: اور ہر کنکری کے ساتھ تکبیر کہے اگر تکبیر کی بجائے تسبیح کہہ دی تو بھی جائز ہوگا کیونکہ رمی کے آداب میں ذکر الٰہی ایک ضروری امر ہے اور تسبیح بھی ذکر الٰہی کا حصہ ہے جب پہلی کنکری مارنے لگے تو تلبیہ موقوف کر دے اس لئے کہ اب اسے ہر کنکری کے ساتھ اللہ اکبر کہنا ہے کیونکہ حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے جب جمرۂ عقبہ پر پہلی کنکری ماری تو آپ ﷺ نے تلبیہ پڑھنا ختم کر دیا تھا۔

ذبح، حلق، قصر کا حکم

ثم اذبح ثم احلق أو قصّر والحلق أحب: اور رمی سے فارغ ہونے کے بعد جانور ذبح کرے اور یہ ذبح کرنا مفرد پر واجب نہیں ہے البتہ قارن اور متمتع پر واجب ہے پھر حلق یا قصر کرے (حلق سے مراد پورے سر کا منڈوانا اور قصر سے مراد بال کٹوانا ہے) کیونکہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ آج کے دن امور حج میں ہمارا پہلا کام رمی ہوگا اور اس سے فراغت پا کر ہم جانور ذبح کریں گے پھر ہم سر منڈوائیں گے۔ اور حلق کرنا افضل ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ سر منڈوانے والوں پر رحم و کرم فرمائے آپ ﷺ نے تین بار یہ دعا فرمائی جیسا کہ اس حدیث سے عیاں ہے کہ آپ ﷺ نے سر منڈوانے والوں کو اللہ تعالیٰ کے رحم و کرم کا مستحق قرار دیا ہے۔

وحلّ لك غير النساء: ذبح اور حلق کے بعد عورتوں سے مباشرت کرنے کے علاوہ باقی تمام امور جو بحالت احرام ممنوع تھے حلال ہو جائیں گے امام مالکؒ کے نزدیک عورتوں کے علاوہ خوشبو کا استعمال بھی ممنوع ہے کیونکہ خوشبو مباشرت کے دواعی

جس سے یہ ہماری دلیل آنحضرت ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ عورتوں کے سوا ہر چیز مباح ہے۔

طواف زیارت

ثُمَّ إِلَى مَكَّةَ يَوْمَ النَّحْرِ أَوْ غَدًا أَوْ بَعْدَهُ فَطُفْ لِلرُّكْنِ سَبْعَةَ أَشْوَاطٍ بِلَا رَمَلٍ وَسَعْيٍ إِنْ قَدَّمْتَهُمَا وَإِلَّا

مسئلہ: ذبح اور حلق کے بعد اسی دن مکہ مکرمہ آجائے یا گیارہویں کو یا بارہویں کو پھر بیت اللہ کا طواف کرے اس طواف کا نام طواف زیارت ہے یہ حج کا ایک رکن ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے بھی حلق کرایا پھر مکہ میں آ کر بیت اللہ کا طواف کیا طواف قدوم کے بعد اگر سعی بین الصفا والمروہ کر چکا ہو تو طواف زیارت میں رمل نہیں کرے گا اور اس پر سعی بھی واجب نہیں ہے اور اگر پہلے سعی نہیں کی تو اس طواف میں رمل کرے اور اس کے بعد سعی بھی کرے کیونکہ سعی بھی فقط ایک مرتبہ مشروع ہوئی ہے اور رمل بھی ایک ہی مرتبہ ایسے طواف کے بعد مشروع ہے جس کے بعد سعی ہو

وَحَلَّ لَكَ النِّسَاءُ وَكُرِهَ تَأْخِيرُهُ عَنْ أَيَّامِ النَّحْرِ: طواف زیارت کے بعد بیویوں سے مباشرت بھی حلال ہو گی لیکن یہ تحلیل حلق سے ہوئی ہے نہ کہ اس طواف سے البتہ اتنی بات ضرور ہے کہ حلق سے تحلیل کامل (طواف کی تکمیل تک) مؤخر کر دیا گیا یعنی طواف زیارت کے احترام و تقدس کے پیش نظر مکمل تحلیل مؤخر کی گئی ورنہ تحلیل کا اصل سبب تو حلق تھا اور طواف زیارت کو ایام نحر سے مؤخر کرنا مکروہ تحریمی ہے کیونکہ طواف زیارت ایام نحر کے ساتھ موقت ہے۔

ثُمَّ إِلَى مِنًى فَارْمِ الْجِمَارَ الثَّلَاثَ فِي ثَانِي النَّحْرِ بَعْدَ الزَّوَالِ بَادِئًا بِمَا يَلِي الْمَسْجِدَ ثُمَّ بِمَا يَلِيهَا ثُمَّ بِجَمْرَةِ الْعَقَبَةِ وَقِفْ عِنْدَ كُلِّ رَمْيٍ بَعْدَهُ رَمْيٌ ثُمَّ غَدًا كَذَلِكَ ثُمَّ بَعْدَهُ كَذَلِكَ إِنْ مَكَثْتَ وَإِنْ رَمَيْتَ فِي الْيَوْمِ الرَّابِعِ قَبْلَ الزَّوَالِ صَحَّ وَكُلُّ رَمْيٍ بَعْدَهُ رَمْيٌ فَارْمِ مَاشِيًا وَإِلَّا فَرَاكِبًا وَكُرِهَ أَنْ تُقَدِّمَ ثَقَلَكَ وَتُقِيمَ بِمِنًى لِلرَّمْيِ ثُمَّ إِلَى الْمُحَصَّبِ فَطُفْ لِلصَّدْرِ سَبْعَةَ أَشْوَاطٍ وَهُوَ وَاجِبٌ إِلَّا عَلَى مَكَّةَ ثُمَّ اشْرَبْ مِنْ زَمْزَمَ وَالْتَزِمِ الْمُلْتَزَمَ وَتَشَبَّثْ بِالْأَسْتَارِ وَالْتَصِقْ بِالْجِدَارِ.

ترجمہ: پھر منیٰ کی طرف جا دوسرے دن تاریخ دس زوال کے بعد تینوں جمرات کی رمی کر ابتداء اس سے شروع کرنے والا ہو جو مسجد کے پاس ہے پھر جو اس کے پاس ہے پھر جمرہ عقبہ کی اور وقوف کر ہر اس رمی کے وقت جس کے بعد رمی ہے پھر اگلے دن (گیارہویں کو) پھر اس کے بعد (بارہویں کو) اسی طرح اگر تو ٹھہر جائے اور اگر چوتھے دن (تیرہویں کو) زوال سے پہلے رمی کرے تو صحیح ہے اور ہر وہ رمی جس کے بعد رمی ہے پیدل اس کی رمی کر ورنہ سوار ہو کر اور مکروہ ہے کہ تو اپنا سامان مکہ کو پہلے روانہ کر دے اور تو (خود) منیٰ میں رمی کے لیئے رہ جائے پھر محصب جا (پھر مکہ کو جا کر) طواف صدر سات شوط کر یہ سوائے اہل مکہ کے (سب پر) واجب ہے پھر آب زمزم پی اور ملتزم سے لپٹ جا اور کعبہ کے پردوں کو پکڑ لے اور دیوار سے چمٹ جا

طوافِ زیارت کے بعد منیٰ لوٹنا

ثم أتى منى فارم الجمار الثلاث في ثاني النحر بعد الزوال بادئا بما يلي المسجد ثم بما يليها ثم بجمرة العقبة وقف عند كل رمي بعده رمي: طوافِ زیارت کے بعد منیٰ میں جا کر قیام کرے کیونکہ ابھی رمی جمار باقی ہے پھر گیارہویں ذی الحجہ کو جب سورج ڈھل جائے تو تینوں جمروں کی رمی کرے ابتداء جمرۂ اولیٰ سے کرے جو مسجد خیف سے متصل واقع ہے ہر جمرہ پر سات کنکریاں پھینکے ہر کنکری کے ساتھ اللہ اکبر کہے اور اس جمرہ کے پاس توقف کرے پھر اسی طرح جمرۂ وسطیٰ کی رمی کرے جو جمرۂ اولیٰ کے متصل ہے اور اس کے پاس بھی توقف کرے۔

ثم غدا كذلك ثم بعده كذلك إن مكث: پھر اسی طرح بارہویں تاریخ کو بھی زوال کے بعد حسب سابق تینوں جمروں کی رمی کرے اب اگر اس کو جلدی ہو تو رمی کے بعد بارہویں ہی تاریخ میں مکۃ المکرمہ کیلئے روانہ ہو جائے اور اگر ٹھہرنے کا ارادہ ہو تو تیرہویں تاریخ کو بھی زوالِ آفتاب کے بعد تینوں جمروں کی رمی کرے اور پھر مکہ چلا جائے کیونکہ باری تعالیٰ کا قول ہے ﴿فمن تعجل في يومين﴾ کہ جو شخص بارہویں تاریخ کو جلدی کوچ کرے اس پر بھی کچھ گناہ نہیں اور جو تیرہویں تک مؤخر کرے اس پر بھی کچھ گناہ نہیں ہے۔

ولو رمى في اليوم الرابع قبل الزوال بعد طلوع الفجر صح: اگر چوتھے دن یعنی تیرہویں ذی الحجہ کو طلوع فجر کے بعد اور زوال شمس سے پہلے پہلے رمی کرے تو امام صاحبؒ کے نزدیک استحساناً جائز ہے قیاس کا تقاضہ تو یہ تھا کہ زوال شمس کے بعد رمی کرے لیکن چوتھے دن چونکہ رمی ضروری نہیں لہذا زوال شمس سے پہلے بھی جائز ہو سکتی ہے صاحبینؒ، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ دیگر ایام رمی کی طرح اس دن بھی زوال شمس سے پہلے رمی جائز نہ ہوگی۔ امام صاحبؒ کی دلیل ابن عباسؓ کی روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ تیرہویں ذی الحجہ کو آفتاب بلند ہو تو رمی جائز ہے دوسری بات یہ ہے کہ اس دن جب اسے ترک رمی کی رعایت حاصل ہے تو اوقات رمی میں بطریق اولیٰ رعایت حاصل ہوگی۔

وكل رمي بعده رمي فارم ماشيا وإلا فراكبا: مصنفؒ ایک اصول بیان فرما رہے ہیں کہ جس رمی کے بعد رمی ہے جیسے جمرۂ اولیٰ اور وسطیٰ کی رمی تو ان دونوں کی رمی پیادہ پا کھڑا ہو کر کرنا افضل ہے کیونکہ ان دونوں کے بعد دعا وغیرہ کیلئے ٹھہرنا ہوتا ہے اور جس رمی کے بعد رمی نہیں ہے جیسے جمرۂ عقبہ کی رمی کہ اس کے بعد دعا کیلئے ٹھہرنا نہیں ہے تو اس کی رمی سوار ہو کر کرنا افضل ہے یہ تفصیل امام ابو یوسفؒ کے قول پر ہے اور قاضی خان کے مطابق طرفین کا قول یہ ہے کہ تمام جمرات پر کل ایام کی رمی سوار ہو کر کرنا افضل ہے اور فتاویٰ ظہیریہ کی روایت کے مطابق ہر جمرہ پر ہر روز پیادہ پا رمی کرنا افضل ہے پس اس مسئلہ میں تین قول ہیں اور فتح القدیر میں فتاویٰ ظہیریہ کی روایت کو ترجیح دی ہے کیونکہ رمی کا پیدل چل کر کرنا تواضع اور خشوع و خضوع کے زیادہ قریب ہے خصوصاً اس زمانہ میں کیونکہ عام مسلمان تمام ایام کی رمی میں پیدل چلتے ہیں تو سوار عام لوگوں کے قدموں میں

سوار ہو کر رمی کرنے میں دوسروں کو تکلیف پہنچنے سے بچنا مشکل ہے اور نبی کریم ﷺ کا سوار ہو کر رمی کرنا تعلیم کیلئے تھا۔

وَكُرِهَ اَنْ يُقَدِّمَ ثَقَلَهُ وَيُقِيْمَ بِمِنًى لِلرَّمْيِ: خود منیٰ میں رمی کیلئے قیام کرنا اور اپنا مال و متاع مکہ مکرمہ بھیج دینا مکروہ ہے کیونکہ حضرت عمرؓ ایسا کرنے سے صرف منع ہی نہ فرماتے بلکہ سرزنش بھی کیا کرتے تھے دوسری بات یہ ہے کہ ایسا کرنے سے دل مطمئن اور سکون نہیں رہتا ہے اور سامان کے ضائع ہونے کا خدشہ دامن گیر رہتا ہے۔

مکہ واپسی پر محصب ٹھہرنے کا حکم

ثُمَّ اِلَى الْمُحَصَّبِ: منیٰ سے فارغ ہو کر مکہ مکرمہ کی طرف روانہ ہو جائے اور جب راستہ میں جنت المعلیٰ کے قریب وادی محصب میں (جس کو وادی ابطح بھی کہتے ہیں) پہنچے تو سنت یہ ہے کہ وہاں سواری سے اترے اور دعا وغیرہ کرے اگرچہ ایک ساعت کیلئے ہی ہو یا سواری پر ہی کچھ دیر ٹھہر کر دعا وغیرہ میں مشغول ہو اصل سنت تو اسی قدر سے بھی حاصل ہو جاتی ہے لیکن کمال درجہ اور افضل یہ ہے کہ وہاں پر ظہر، عصر، مغرب اور عشاء کی نمازیں پڑھے پھر ذرا دیر آرام کرے اس کے بعد مکہ معظمہ میں داخل ہو رسول اللہ ﷺ نے یہاں عمل فرمایا تھا پس اگر وادی محصب کا وقوف بلا عذر بالکل ترک کر دے گا تو گنہگار ہوگا اور آج کل یہ محلہ معابدہ کے نام سے مشہور ہے۔

طواف وداع

فَطُفْ لِلصَّدَرِ سَبْعَةَ اَشْوَاطٍ وَهُوَ وَاجِبٌ اِلَّا عَلٰى مَكِّيٍّ: منیٰ کے بعد جب مکہ مکرمہ میں داخل ہو تو وہاں سے چلتے وقت بیت اللہ کے سات پھیرے طواف کرے اور اس کو طواف وداع سے بھی موسوم کیا جاتا ہے یہ طواف ہمارے نزدیک واجب ہے امام احمدؒ کا بھی یہی قول ہے امام شافعیؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک سنت ہے ہماری دلیل نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ جس نے بیت اللہ کا حج کیا تو اس کا آخری عمل بیت اللہ کا طواف ہونا چاہئے اور حائضہ عورت کو (طواف نہ کرنے کی) رخصت ہے البتہ اہل مکہ پر یہ طواف واجب نہیں ہے کیونکہ انکیں بیت اللہ کو الوداع کہہ کر کہیں جانا نہیں ہوتا۔

ملتزم اور غلاف کعبہ کو چمٹنے کا حکم

ثُمَّ اشْرَبْ مِنْ زَمْزَمَ وَالْتَزِمِ الْمُلْتَزَمَ وَتَشَبَّثْ بِالْاَسْتَارِ وَالْتَصِقْ بِالْجِدَارِ: پھر زمزم شریف پر آ کر قبلہ رو ہو کر بسم اللہ والحمد للہ والصلوۃ والسلام علی رسول اللہ پڑھ کر خوب سیر ہو کر کئی سانس میں پئے اور ہر سانس میں خانہ کعبہ پر نظر ڈالے اور زمزم پیتے وقت اپنی دلی دعائیں مانگے کچھ پانی سر، چہرے اور بدن پر بھی ڈالے اس کے بعد ملتزم پر آ کر اس سے لپٹ جائے سینہ اور دایاں رخسار خانہ کعبہ کی دیوار پر رکھے دونوں بازو دیوار کعبہ پر رکھ کر غلاف پکڑ کر خوب گڑگڑا کر عاجزی کے ساتھ دعائیں مانگے بیت اللہ شریف کی چوکھٹ کو بوسہ دے اور دعا مانگے پھر حجر اسود کو آخری بوسہ دے کر روتا ہوا فراق کعبہ پر حسرت کے ساتھ افسوس کرتا ہوا الٹے پاؤں واپس لوٹے۔

فَصْلٌ

مَنْ لَمْ يَدْخُلْ مَكَّةَ وَوَقَفَ بِعَرَفَةَ سَقَطَ عَنْهُ طَوَافُ الْقُدُومِ وَمَنْ وَقَفَ بِعَرَفَةَ سَاعَةً مِنَ الزَّوَالِ إِلَى فَجْرِ النَّحْرِ فَقَدْ تَمَّ حَجُّهُ وَلَوْ جَاهِلًا أَوْ نَائِمًا أَوْ مُغْمًى عَلَيْهِ وَلَوْ أَهَلَّ عَنْهُ رَفِيقُهُ بِإِغْمَائِهِ جَازَ وَالْمَرْأَةُ كَالرَّجُلِ غَيْرَ أَنَّهَا تَكْشِفُ وَجْهَهَا لَا رَأْسَهَا وَلَا تُلَبِّي جَهْرًا وَلَا تَرْمُلُ وَلَا تَسْعَى بَيْنَ الْمِيلَيْنِ

ترجمہ: جو شخص مکہ میں داخل نہیں ہوا اور عرفات میں ٹھہر گیا تو اس سے طواف قدوم ساقط ہو جائیگا اور جو شخص (نویں ذی الحجہ کے) زوال سے لیکر دسویں کے فجر تک ایک ساعت وقوف عرفہ کیا تو اس کا حج پورا ہو گیا اگرچہ (وقوف) بے جانتے یا سوتے ہوئے یا بیہوشی کی حالت میں کرے اور اگر اس کی طرف سے اس کے ساتھی نے احرام باندھا اس کے بیہوشی کے سبب تو صحیح ہے اور عورت مرد کی مانند ہے مگر یہ کہ وہ اپنا چہرہ کھولے نہ کہ سر اور بلند آواز سے تلبیہ نہ کہے اور نہ رمل کرے اور نہ میلین کے درمیان سعی کرے۔

مکہ میں داخل ہوئے بغیر عرفات جانے سے طواف قدوم کا حکم

مَنْ لَمْ يَدْخُلْ مَكَّةَ وَوَقَفَ بِعَرَفَةَ سَقَطَ عَنْهُ طَوَافُ الْقُدُومِ: اگر کوئی شخص احرام باندھنے کے بعد مکہ معظمہ جانے کی بجائے سیدھا عرفات چلا گیا اور پھر قربانی کے دن یا اس سے پہلے دن یعنی عرفہ کے دن وقوف عرفہ کے بعد مکہ معظمہ میں آیا تو اس سے طواف قدوم ساقط ہو گیا کیونکہ اس کا شروع وقت وقوف عرفات سے پہلے پہلے ہے اور اس پر اس کو ترک کرنے کی وجہ سے کچھ واجب بھی نہ ہوگا اس لئے کہ طواف قدوم سنت ہے۔

نیند یا بیہوشی کی حالت میں عرفہ سے گذرنے کا حکم

وَمَنْ وَقَفَ بِعَرَفَةَ سَاعَةً مِنَ الزَّوَالِ إِلَى فَجْرِ النَّحْرِ فَقَدْ تَمَّ حَجُّهُ وَلَوْ جَاهِلًا أَوْ نَائِمًا أَوْ مُغْمًى عَلَيْهِ:
اگر کسی شخص نے حدود عرفات میں کسی جگہ اپنے وقت کے اندر وقوف کر لیا تو وقوف کا رکن ادا ہو گیا اگرچہ ایک لحظہ کیلئے ہی ہو اور خواہ کسی طرح سے ہو یعنی خواہ وقوف کی نیت سے ہو یا حج کی نیت سے ہو یا بغیر کسی نیت کے ہو اور خواہ اس کو اس بات کا علم ہو کہ یہ عرفات ہے اور اب وقوف کا وقت ہے یا اس بات کا علم نہ ہو خواہ سوتے ہوئے ہو یا جاگتے ہوئے ہو خواہ بیہوشی کی حالت میں ہو یا افاقہ کی حالت میں خواہ جنون کی حالت میں خواہ بغیر ٹھہرے گذرتے ہوئے ہو یا دوڑتے ہوئے اور دن میں ہو یا رات میں ہو کسی بھی طرح ہو اس کا وقوف صحیح ہو جائیگا جبکہ وقوف وقت کے اندر ہو اور مقدار وقوف جو فرض ہے وہ تھوڑا سا لحظہ ہے۔

وَلَوْ أَهَلَّ عَنْهُ رَفِيقُهُ بِإِغْمَائِهِ جَازَ: اگر کوئی شخص حج کے ارادے سے خانہ کعبہ کی طرف روانہ ہوا پھر اس کو احرام باندھنے سے پہلے بیہوشی طاری ہو گئی یا وہ مریض ہے اور سو گیا ہے اگر اس کے ساتھی نے اپنے حج کی نیت کرنے اور تلبیہ کہنے کے بعد یا اس سے پہلے اس کی طرف سے نیت کی مثلاً اس نے کہا اللّٰھم انہ یرید الحج یا یہ کہا او نویت الحج لہ پھر اس کی طرف سے تلبیہ پڑھا یا اس کے ساتھی کے علاوہ کسی دوسرے شخص نے اس کی طرف سے نیت کی اور تلبیہ پڑھا خواہ اس کے حکم سے ایسا کیا ہو یا دوسرے شخص

نے اس کے حکم کے بغیر اپنی مرضی سے ایسا کیا ہو تو اس ساتھی یا دوسرے شخص کا اس کی طرف سے احرام باندھنا درست ہو جائیگا اور وہ بیہوشی والا شخص اپنے ساتھی کے نیت کرنے اور تلبیہ کہہ لینے سے محرم ہو جائیگا اور وہ احرام حج کیلئے کافی ہو جائیگا۔

عورت کیلئے چند مخصوص احکام

وَالْمَرْأَةُ كَالرَّجُلِ غَيْرَ أَنَّهَا تَكْشِفُ وَجْهَهَا لَا رَأْسَهَا وَلَا تُلَبِّي جَهْرًا وَلَا تَرْمُلُ وَلَا تَسْعَى بَيْنَ الْمِيلَيْنِ :

مذکورہ تمام مسائل میں مرد اور عورت کی حیثیت یکساں ہے کیونکہ مردوں کی طرح وہ بھی احکام شرعیہ کی مکلف ہے البتہ چند چیزوں میں اس کیلئے مردوں سے حکم مختلف ہے (۱) عورت اپنے سر کو ڈھانپ کے اور اپنے چہرے کو اس طرح نہ ڈھانکے کہ کپڑا چہرہ کو لگے لیکن چہرہ پر کپڑا اس طرح سے ڈالنا کہ چہرے سے الگ رہے جائز ہے اور فتح القدیر میں اس کو مستحب کہا ہے جبکہ نہایہ اور محیط میں اس کے واجب ہونے کی تصریح کی گئی ہے (۲) عورت تلبیہ بلند آواز سے نہ پڑھے بلکہ اس طرح پڑھے کہ خود ہی سن سکے تا کہ لوگ اس کی آواز سننے کی وجہ سے فتنہ کا شکار نہ ہو جائیں (۳) عورت طواف میں رمل نہ کرے اور صفا اور مروہ کے درمیان سعی میں بھی رمل نہ کرے کیونکہ یہ دونوں چیزیں ستر و پردہ میں خلل کا باعث ہونگی۔

وَلَا تَحْلِقُ رَأْسَهَا وَلَكِنْ تُقَصِّرُ وَتَلْبَسُ الْمَخِيطَ وَمَنْ قَلَّدَ بَدَنَةً تَطَوُّعًا أَوْ نَذْرًا أَوْ جَزَاءَ صَيْدٍ أَوْ نَحْوَهُ فَتَوَجَّهَ مَعَهَا يُرِيدُ الْحَجَّ فَقَدْ أَحْرَمَ فَإِنْ بَعَثَ بِهَا ثُمَّ تَوَجَّهَ إِلَيْهَا لَا يَصِيرُ مُحْرِمًا حَتَّى يَلْحَقَهَا إِلَّا فِي بَدَنَةِ الْمُتْعَةِ فَإِنْ جَلَّلَهَا أَوْ أَشْعَرَهَا أَوْ قَلَّدَ شَاةً لَمْ يَكُنْ مُحْرِمًا وَالْبُدْنُ مِنَ الْإِبِلِ وَالْبَقَرِ.

ترجمہ: اور عورت سر نہ منڈائے لیکن قصر کرے اور سلے ہوئے کپڑے پہنے اور جس نے نفل یا نذر یا جزائے صید وغیرہ کی قربانی کے گلے میں پٹہ ڈالا اور حج کا ارادہ کر کے اس کے ساتھ چل پڑا تو وہ محرم ہو گیا پس اگر بدنہ کو روانہ کر دیا پھر متوجہ ہوا تو محرم نہ ہوگا یہاں تک کہ بدنہ کے پاس پہنچ جائے مگر تمتع کے بدنہ میں پس اگر کسی نے بدنہ پر جھول ڈالی یا اس کو شعار کیا یا بکری کو قلادہ پہنایا تو وہ محرم نہ ہوگا اور بدنہ اونٹ اور گائے ہے (مختصر) ہے

وَلَا تَحْلِقُ رَأْسَهَا وَلَكِنْ تُقَصِّرُ وَتَلْبَسُ الْمَخِيطَ : (۴) مرد منڈانے افضل کہ عورت کیلئے بلا ضرورت سر منڈانا مکروہ تحریمی ہے بلکہ صرف انگلی کے پورے کے برابر بال کترنا واجب ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے عورتوں کو حلق کرنے سے منع فرمایا ہے اور کترنے کا حکم دیا۔

وَمَنْ قَلَّدَ بَدَنَةً تَطَوُّعًا أَوْ نَذْرًا أَوْ جَزَاءَ صَيْدٍ أَوْ نَحْوَهُ فَتَوَجَّهَ مَعَهَا يُرِيدُ الْحَجَّ فَقَدْ أَحْرَمَ فَإِنْ بَعَثَ بِهَا ثُمَّ تَوَجَّهَ إِلَيْهَا لَا يَصِيرُ مُحْرِمًا حَتَّى يَلْحَقَهَا إِلَّا فِي بَدَنَةِ الْمُتْعَةِ : اگر کسی شخص نے بدنہ یعنی قربانی کے اونٹ یا گائے کے گلے میں پٹہ ڈالا اور حج کی نیت سے احرام باندھ کر اس جانور کو ہمراہ لیکر روانہ ہو جائے اس طرح بھی وہ احرام میں داخل ہو جائیگا خواہ تلبیہ پڑھے یا نہ پڑھے خواہ نفلی حج کی قربانی کا ہو یا نذر حج یا جزائے صید وغیرہ کی قربانی کا ہو اور اگر جانور کو کسی دوسرے

شخص کے ساتھ روانہ کر دیا اور خود اس کے ساتھ روانہ نہیں ہوا بعد میں اس طرف روانہ ہوا تو جب تک قربانی کے جانور تک نہ پہنچ جائے اس وقت تک احرام میں داخل نہیں ہوگا لیکن اگر قربانی تمتع یا قران کی ہے تو اس جانور کے پاس پہنچنے سے پہلے ہی یعنی اس طرف روانہ ہوتے ہی احرام میں داخل ہو جائیگا۔

فَإِنْ جَلَّلَهَا أَوْ أَشْعَرَهَا أَوْ قَلَّدَ شَاةً لَمْ يَكُنْ مُحْرِمًا: قربانی کے جانور پر صرف جھول ڈال دینے یا زخم کا نشان لگانے یا بکری کو قلادہ ڈال دینے سے محرم نہ ہوگا اگرچہ احرام کی نیت کی ہو کیونکہ بعض اوقات سردی، گرمی یا مکھیوں سے بچاؤ کیلئے بھی جھول ڈال دی جاتی ہے لہٰذا یہ عمل حج کی خصوصیات میں سے نہ ہوگا، بکری کو قلادہ ڈالنا تو یہ عادات اور رسم و رواج کے خلاف ہے اور مسنون بھی نہیں لہٰذا مذکورہ صورتوں میں محرم نہ ہوگا۔

وَالْبُدْنُ مِنَ الْإِبِلِ وَالْبَقَرِ: بدنہ (یعنی قربانی کے جانور) سے مراد اونٹ اور گائے دونوں ہیں امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ بدنہ صرف اونٹ کیلئے استعمال ہوتا ہے کیونکہ فضیلت جمعہ کی حدیث میں بقرہ کا عطف بدنہ پر ہے اور معطوف معطوف علیہ کا مغایر ہوتا ہے لہٰذا بدنہ سے مراد صرف اونٹ ہوگا ہم کہتے ہیں کہ بدنہ بدانۃ سے ماخوذ ہے جس کے معنی ضخامت اور فربہی کے ہیں اونٹ اور گائے دونوں اس لغوی معنی میں مشترک ہیں اسی بناء پر اونٹ اور گائے کی قربانی دیتے وقت دونوں میں سات سات حصہ دار شامل ہو سکتے ہیں اور امام شافعیؒ نے جو حدیث پیش کی ہے اس سے استدلال صحیح نہیں ہے کیونکہ صحیح روایت میں بدنہ کا لفظ نہیں بلکہ جزور ہے اور جزور اونٹ کیلئے استعمال ہوتا ہے تو نبی کریم ﷺ نے اونٹ اور گائے میں فرق بیان فرمایا نہ کہ بدنہ اور گائے میں۔

بَابُ الْقِرَانِ

قران کا بیان

مصنف مفرد کے احکام سے فراغت پا کر اب مرکب یعنی قران اور تمتع کے احکام ذکر فرما رہے ہیں لیکن ہمارے نزدیک چونکہ قران افضل ہے اس لئے پہلے قران کے احکام ذکر کریں گے اور اس کے بعد تمتع کے احکام ذکر کیے جائیں گے محرم کی چار قسمیں ہیں۔ (۱) مفرد بالحج جس کا بیان اس سے پہلے گزر چکا۔ (۲) مفرد بالعمرہ جو فقط عمرہ کے افعال ادا کرے۔ (۳) قران قارن وہ شخص ہے جو حج اور عمرہ دونوں کے احرام جمع کرکے پھر بغیر احرام کھولے افعال حج ادا کرے۔ (۴) تمتع متمتع وہ شخص ہے جو پہلے افعال عمرہ ادا کرے پھر احرام کھول دے پھر اسی سال حج کے زمانہ میں حج کا احرام باندھ کر حج کے افعال ادا کرے۔

هُوَ أَفْضَلُ ثُمَّ التَّمَتُّعُ ثُمَّ الْإِفْرَادُ وَهُوَ أَنْ يُهِلَّ بِالْعُمْرَةِ وَالْحَجِّ مِنَ الْمِيقَاتِ وَيَقُولَ اللّٰهُمَّ إِنِّي أُرِيدُ الْعُمْرَةَ وَالْحَجَّ فَيَسِّرْهُمَا لِي وَتَقَبَّلْهُمَا مِنِّي وَيَطُوفُ وَيَسْعَى لَهَا ثُمَّ يَحُجُّ كَمَا مَرَّ فَإِنْ طَافَ لَهُمَا طَوَافَيْنِ وَسَعَى سَعْيَيْنِ جَازَ وَأَسَاءَ وَإِذَا رَمَى يَوْمَ النَّحْرِ ذَبَحَ شَاةً أَوْ بَدَنَةً أَوْ سُبُعَهَا وَصَامَ الْعَاجِزُ

عَنْهُ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ آخِرُهَا يَوْمُ عَرَفَةَ وَسَبْعَةً إِذَا فَرَغَ وَلَوْ بِمَكَّةَ فَإِنْ لَمْ يَصُمْ إِلَى يَوْمِ النَّحْرِ تَعَيَّنَ الدَّمُ وَإِنْ لَمْ يَدْخُلْ مَكَّةَ وَوَقَفَ بِعَرَفَةَ فَعَلَيْهِ دَمٌ لِرَفْضِ الْعُمْرَةِ وَقَضَاؤُهَا.

ترجمہ: قران افضل ہے پھر تمتع پھر افراد اور قران یہ ہے کہ میقات سے عمرہ اور حج کا احرام باندھے اور کہے الٰہی میں عمرہ اور حج کا ارادہ کرتا ہوں تو ان کو میرے لئے آسان کر اور میری طرف سے قبول کر لے اور طواف و سعی کرے عمرہ کیلئے پھر حج کرے جیسا کہ گذر چکا اگر دونوں کیلئے دو طواف اور دو سعی کرے تو جائز مگر برا ہے جب قربانی کے دن رمی کر چکے تو بکری یا اونٹ یا گائے کا ساتواں حصہ ذبح کرے اور قربانی سے عاجز ہو تو تین روزے رکھے کہ آخری روزہ عرفہ کے دن ہو اور سات جب لوٹے حج سے پہنچا گرچہ مکہ ہی میں ہو اگر قربانی کے دن تک روزے نہ رکھے تو دم دینا ہی متعین ہو گیا اگر مکہ میں داخل نہ ہوا اور عرفات میں ٹھہر گیا تو اس پر عمرہ چھوڑنے کا دم ہے اور عمرہ کی قضا لازم ہوگی۔

کونسا حج افضل ہے

هُوَ أَفْضَلُ ثُمَّ التَّمَتُّعُ ثُمَّ الْإِفْرَادُ: حج کی تین قسمیں ہیں افراد، قران، تمتع ہمارے نزدیک سب سے افضل قران ہے پھر تمتع پھر افراد اور امام شافعیؒ کے نزدیک افراد (ہر ایک الگ الگ ادا کرنا) سب سے افضل ہے پھر تمتع پھر قران اور امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ تمتع قران سے افضل ہے اور امام مالکؒ سے ایک روایت ہیں افراد افضل ہے پھر تمتع پھر قران (جیسا کہ امام شافعیؒ کے نزدیک ہے) اور بحر الرائق میں بھی اسی کی مثل ہے اور امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ سب سے افضل وہ تمتع ہے جس میں ہدی ساتھ نہ لے جائے پھر افراد پھر قران کا درجہ ہے اور افضلیت کے بارے ائمہ کرام کا یہ اختلاف صحابہ کرامؓ کے اس اختلاف کی بنا پر ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع میں کونسا حج ادا فرمایا تھا؟ علمائے امت نے اس بارے میں بہت بحث کی ہے اور اس سلسلہ میں سب سے زیادہ جامع کلام امام طحاویؒ نے کیا ہے جو ایک ہزار سے زائد اوراق پر مشتمل ہے پس اختلاف افضلیت کی حقیقت کا مرجع صحابہؓ کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ آنحضرت ﷺ اپنے حج میں قارن تھے یا مفرد یا متمتع تھے۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا اے آل محمد (ﷺ) تم حج اور عمرہ دونوں کا احرام ایک ساتھ باندھو پس اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قران افضل ہے جب ہی تو اپنی اولاد کو اس کا حکم دیا۔

وَهُوَ أَنْ يُهِلَّ بِالْعُمْرَةِ وَالْحَجِّ مِنَ الْمِيقَاتِ وَيَقُولَ اللَّهُمَّ إِنِّي أُرِيدُ الْعُمْرَةَ وَالْحَجَّ فَيَسِّرْهُمَا لِي وَتَقَبَّلْهُمَا

تشریح: قران کی صورت یہ ہے کہ میقات سے عمرہ و حج دونوں کیلئے اکٹھا احرام باندھے اور امام احرام کی دو رکعت نماز ادا کرنے کے بعد یوں کہے اے اللہ! میں عمرہ اور حج دونوں کی نیت کرتا ہوں اپنے فضل و کرم سے انہیں میرے لئے آسان فرما اور مجھ سے قبول فرما

وَيَطُوفُ وَيَسْعَى لَهَا ثُمَّ يَحُجُّ كَمَا مَرَّ: قارن جب مکۃ المکرمہ میں داخل ہو تو پہلے طواف عمرہ کرے اور طواف کے تین پھیروں میں رمل کرے اس کے بعد صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرے پھر افعال حج ادا کرے جس کی تفصیل سابق میں گزر چکی اور قارن افعال عمرہ پہلے ادا کرے اور افعال حج بعد میں یہ ترتیب قرآن پاک سے ماخوذ ہے کیونکہ باری تعالیٰ کے قول: فَمَن

ثُمَّ يُحْرِمُ بِالْحَجِّ يَوْمَ التَّرْوِيَةِ مِنَ الْحَرَمِ وَيَحُجُّ وَيَذْبَحُ فَإِنْ عَجَزَ فَقَدْ مَرَّ: پھر جب حج کا وقت یعنی آٹھویں ذی الحجہ آجائے تو اس روز یا اس سے قبل اہل مکہ کے میقات سے حج کا احرام باندھے پس سب سے افضل یہ ہے کہ حطیم میں احرام باندھے اس کے بعد مسجد حرام میں سے کسی بھی جگہ سے احرام باندھنا افضل ہے اس کے بعد مکہ معظمہ میں کسی جگہ سے باندھنے کا درجہ ہے ورنہ حدود حرم میں سے کسی جگہ باندھے پھر مفرد حج والے کی طرح حج ادا کرے البتہ اس کیلئے طواف قدوم نہیں ہے پھر دم تمتع ذبح کرے۔

فَإِنْ صَامَ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ مِنْ شَوَّالٍ وَاعْتَمَرَ لَمْ يُجْزِهِ عَنِ الثَّلَاثَةِ: اور اگر کسی نے شوال میں یعنی حج کے مہینوں میں پہلے تین روزے رکھے اس کے بعد عمرہ کا احرام باندھا تو جائز نہیں ہے کیونکہ تمتع کیلئے یہ روزے عمرہ کا احرام باندھنے کے بعد رکھنا شرط ہے تاکہ ان کی ادائیگی سبب کے تحقق (ثابت) ہونے کے بعد ہو کیونکہ عمرہ کا احرام حج کے احرام کے وجود کا سبب ہے تو یہ روزے وجود سبب کے بعد مکمل ادا ہوئے لہذا جائز ہوگئے اور احرام عمرہ کی وجود سے پہلے سبب نہیں پایا گیا اس لئے اس سے پہلے ان کا رکھنا جائز نہیں ہے۔

وَصَحَّ لَوْ صَامَهَا بَعْدَمَا أَحْرَمَ بِهَا قَبْلَ أَنْ يَطُوفَ: اور اگر عمرہ کا احرام باندھنے کے بعد طواف سے پہلے ان روزوں کو رکھ لیا تو ہمارے نزدیک جائز ہے اور امام شافعیؒ کے نزدیک جائز نہیں ان کی دلیل باری تعالیٰ کا قول ﴿فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ فِي الْحَجِّ﴾ ہے کیونکہ آیت میں حج کی حالت میں روزہ رکھنے کا حکم ہے ہماری دلیل یہ ہے کہ اس شخص نے سبب یعنی تمتع پائے جانے کے بعد ان روزوں کو ادا کیا اور سبب کے بعد ادا کرنا شرعاً معتبر ہے اس لئے عمرہ کا احرام باندھنے کے بعد یہ روزے بھی معتبر ہوں گے اور آیت فی الحج میں حج سے مراد نفس حج نہیں ہے بلکہ وقت حج ہے۔

تمتع کی دو قسمیں

فَإِنْ أَرَادَ سَوْقَ الْهَدْيِ أَحْرَمَ وَسَاقَ وَقَلَّدَهُ بِمَزَادَةٍ أَوْ نَعْلٍ: تمتع کی دو قسمیں ہیں: اول تمتع بالهدی یعنی وہ شخص جو عمرہ کا احرام باندھ کر شروع سے ہی ہدی (تمتع کی قربانی کا جانور) اپنے ساتھ لیجائے۔ دوم تمتع بغیر الهدی یعنی وہ شخص جو ہدی کا جانور ساتھ نہ لے جائے پہلی قسم دوسری قسم سے افضل ہے کیونکہ اس میں رسول اللہ ﷺ کے فعل کے ساتھ موافقت ہے جب تمتع کا ارادہ اپنے ساتھ ہدی لے جانے کا ہو تو وہ پہلے عمرہ کی نیت کرکے تلبیہ پڑھ کر عمرہ کا احرام باندھے پھر اپنی ہدی کے جانور کو پیچھے سے ہانک کر ساتھ لے جائے کیونکہ پہلے نیت کرکے تلبیہ پڑھ کر احرام باندھنا اس کے بعد ہدی کو ہانکنا افضل ہے بہ نسبت اس کے کہ ہدی کو ہانکنے کے ساتھ احرام کی نیت کرے اگرچہ شرکت کے ساتھ یہ بھی جائز ہے لہذا افضل یہ ہے کہ ہدی کو ہانکنے کے ساتھ احرام نہ باندھے بلکہ نیت اور تلبیہ کے ساتھ احرام باندھے پھر ہدی کو ہانک کر اپنے ساتھ لے جائے اور ہدی کو آگے سے رسی پکڑ کر کھینچنا بھی جائز ہے لیکن اس کی بہ نسبت پیچھے سے ہانکنا افضل ہے اگر ہدی کا جانور اونٹ یا گائے ہو تو اس کے گلے میں قلادہ بھی ڈالے اور قلادہ سے مراد یہ ہے کہ جوتی یا چمڑے کی زنبیل کا ٹکڑا یا درخت کی چھال رسی میں باندھ کر جانور کے گلے میں ڈال دے اونٹ یا گائے کی قید اس لئے ہے کہ بکری کو قلادہ پہنانا سنت نہیں ہے۔

اشعار کی تعریف و حکم

وَلَا يُشْعِرُ: اشعار یہ ہے کہ جانور کو زخم لگا کر خون آلود کر دیا جائے۔ اشعار کی بہتر صورت یہ ہے کہ اونٹ کی کوہان کی دائیں جانب نچلے حصے پر نیزے سے زخم لگایا جائے اور اس کا اصل مقصد لوگوں کو جتانا ہے کہ یہ قربانی کے جانور ہیں تاکہ وہ انہیں پانی سے یا کسی چراگاہ میں گھاس چرنے سے منع نہ کریں یا اگر کوئی جانور کہیں کھو جائے تو اسے لٹا دیا جائے اور یہ مقصد اشعار سے بطریق اولیٰ حاصل ہوتا ہے طرفین ؒ کے نزدیک اشعار جائز ہے اور امام صاحب ؒ کے ہاں مکروہ ہے اور بعض نے اس کو بدعت کہا ہے کیونکہ یہ مثلہ ہے اور بعض نے کہا کہ یہ سنت (یعنی مستحب) ہے اور یہی اصح ہے اور محیط میں ہے کہ یہی صحیح ہے کیونکہ یہ احادیث میں وارد ہے اور آثار صحابہ ؓ سے ثابت ہے یعنی یہ امام صاحب ؒ کے نزدیک مکروہ ہے اور صاحبین ؒ کے نزدیک احسن ہے کیونکہ اس میں احادیث صحیحہ سے ثابت شدہ امر کا اتباع ہے اور امام طحاوی ؒ فرماتے ہیں کہ امام صاحب ؒ کے نزدیک اصل اشعار مکروہ نہیں ہے اور ان کے نزدیک کیسے مکروہ ہو سکتا ہے جبکہ اس کے بارے میں احادیث مشہور ہیں بلکہ انہوں نے اپنے اہل زمانہ کے اشعار کو مکروہ کہا ہے کیونکہ انہوں نے دیکھا کہ لوگ اس میں اس حد تک مبالغہ کرتے ہیں کہ اشعار کا زخم گوشت میں سرایت کر جانے کی وجہ سے اس جانور کے ہلاک ہونے کا خوف ہوتا ہے خاص کر حجاز مقدس کی گرمی میں لہٰذا انہوں نے عوام الناس پر اس کا دروازہ بند کر دینا ہی درست سمجھا کیونکہ عام لوگ اشعار کی حد کو نہیں پہنچاتے لیکن جو شخص صحیح طریقہ پر اشعار کرتا جانتا ہو یعنی وہ صرف جلد کو کاٹے گوشت نہ کاٹے تو اس کیلئے یہ مکروہ نہیں ہے کرمانی نے کہا کہ یہی اصح ہے لہٰذا اسی بنا پر امام صاحب ؒ کے نزدیک معتدل درجہ کا اشعار مستحب ہوگا (لباب المناسک) اور علامہ ابن الہمام ؒ نے اسی کو مختار قرار دیا ہے۔

وَلَا يَتَحَلَّلُ بِحَلْقِهِ عُمْرَتَهُ: وہ متمتع جو ہدی ساتھ لایا ہو عمرہ سے فراغت کے بعد حلال نہیں ہوگا اگر اس نے سر منڈوایا تو دم واجب ہوگا اور ترویہ کے دن اسے حج کا احرام باندھنا ہوگا کیونکہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ اگر ان معاملات کا مجھے پہلے علم ہوتا جن کا پتہ اب بعد میں چلا ہے تو میں قربانی کا جانور ساتھ لے کر نہ آتا اس (حج) کو عمرہ بنا دیتا اور احرام کھول دیتا اس روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ جب جانور ساتھ لایا جائے تو (عمرہ کے بعد) احرام نہیں کھولا جا سکتا حاصل یہ ہے کہ ہدی ساتھ لے جانے والا متمتع اور قارن دونوں یکساں ہیں جس طرح قارن عمرہ اور حج کے درمیان حلال نہیں ہوتا اسی طرح یہ متمتع بھی حلال نہیں ہوگا فرق اتنا ہے کہ قارن کا احرام حج پہلے سے موجود ہوتا ہے اور یہ متمتع حج کا احرام یوم ترویہ کو باندھتا ہے اس کے خلاف وہ متمتع جو ہدی ساتھ نہیں لے جاتا وہ عمرہ سے فراغت کے بعد حلال ہو جاتا ہے۔

وَيُحْرِمُ بِالْحَجِّ يَوْمَ التَّرْوِيَةِ وَقَبْلَهُ أَحَبُّ فَإِذَا حَلَقَ يَوْمَ النَّحْرِ حَلَّ مِنْ إِحْرَامَيْهِ: متمتع ارکان عمرہ ادا کرنے کے بعد آٹھویں ذی الحجہ کو حج کا احرام باندھے جیسا کہ مکی آٹھویں ذی الحجہ کو احرام باندھتا ہے کیونکہ یہ بھی مکی کے حکم میں ہے لیکن یوم ترویہ سے پہلے احرام باندھنا افضل ہے اس لئے کہ متمتع حج کا احرام جس قدر جلدی باندھے گا اسی قدر افضل ہوگا متمتع نے جب

یہ مُحرِم میں حلق یا قصر کیا تو وہ حج اور عمرہ کے دونوں احراموں سے حلال ہو گیا کیونکہ حلق کرنا حج میں حلال کرنے والا ہے جیسے نماز میں سلام محلل ہے پس حلق سے عمرہ اور حج دونوں کے احرام سے نکل جائیگا۔

تمتع اور قران کس کیلئے ہے

ولا تمتع ولا قران لمکی ومن حولها: اہل مکہ اور اہل میقات یعنی جو لوگ میقات یا محاذات میقات کے رہنے والے ہیں اور داخلِ مواقیت یعنی مواقیت و مکہ کے مابین علاقہ کے رہنے والوں کیلئے تمتع اور قران مشروع و درست نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ذلک لمن لم یکن اہلہ حاضری المسجد الحرام پس اہل مکہ اور جو اہل مکہ کے حکم میں ہیں ان کو صرف مفرد حج کرنا چاہیے ان میں جو شخص حج تمتع کرے گا وہ جائز تو ہو جائیگا مگر آیت مذکورہ کی مخالفت کرنے کی وجہ سے گنہگار ہوگا اور طریقہ مسنونہ کی ترک کی وجہ سے برائی کا مرتکب ہوگا اور اس پر دم اساءت یعنی دم جبر واجب ہوگا۔

فَإِنْ عَادَ الْمُتَمَتِّعُ إِلَى بَلَدِهِ بَعْدَ الْعُمْرَةِ وَلَمْ يَسُقِ الْهَدْيَ بَطَلَ تَمَتُّعُهُ وَإِنْ سَاقَ لَا وَمَنْ طَافَ أَقَلَّ أَشْوَاطِ الْعُمْرَةِ قَبْلَ أَشْهُرِ الْحَجِّ وَأَتَمَّهَا فِيهَا وَحَجَّ كَانَ مُتَمَتِّعًا وَبِعَكْسِهِ لَا وَهِيَ شَوَّالٌ وَذُو الْقَعْدَةِ وَعَشْرُ ذِي الْحِجَّةِ وَصَحَّ الْإِحْرَامُ بِهِ قَبْلَهَا وَكُرِهَ وَلَوِ اعْتَمَرَ كُوفِيٌّ فِيهَا وَأَقَامَ بِمَكَّةَ أَوْ بِالْبَصْرَةِ وَحَجَّ صَحَّ تَمَتُّعُهُ وَلَوْ أَفْسَدَهَا فَأَقَامَ بِمَكَّةَ وَقَضَى وَحَجَّ لَا إِلَّا أَنْ يَعُودَ إِلَى أَهْلِهِ وَأَيُّهُمَا أَفْسَدَ مَضَى فِيهِ وَلَا دَمَ عَلَيْهِ وَلَوْ تَمَتَّعَ وَضَحَّى لَمْ يُجْزِ عَنِ الْمُتْعَةِ وَلَوْ حَاضَتْ عِنْدَ الْإِحْرَامِ أَتَتْ بِغَيْرِ الطَّوَافِ أَوْ عِنْدَ الصَّدْرِ تَرَكَتْهُ كَمَنْ أَقَامَ بِمَكَّةَ

ترجمہ: پس اگر متمتع عمرہ کے بعد اپنے شہر کی طرف لوٹ آیا اور قربانی نہیں لے گیا تھا تو اس کا تمتع باطل ہو جائیگا اور اگر وہ ہدی لے گیا تھا تو باطل نہیں ہوگا جس نے اشہر حج سے قبل عمرہ کا اکثر طواف کیا اور باقی اشہر حج میں پورا کیا اور حج کیا تو وہ متمتع ہو جائیگا اور اس کے برعکس کیا تو متمتع نہ ہوگا اور اشہر حج شوال، ذی قعدہ اور ذی الحج کے دس دن ہیں اور حج کا احرام ان سے قبل درست ہے مگر مکروہ ہے اگر اشہر حج میں عمرہ کیا اور مکہ یا بصرہ میں ٹھہر گیا اور حج کر لیا تو اس کا تمتع صحیح ہوگا اور اگر عمرہ کو فاسد کیا اور مکہ میں ٹھہر گیا پھر قضاء کر کے حج کیا تو متمتع نہ ہوگا الا یہ کہ اپنے اہل کی طرف لوٹ آئے اور ان دونوں میں سے جس کو فاسد کردے تو اس کے افعال کرتا رہے اس پر دم کرنا لازم نہیں اگر تمتع کیا اور قربانی کی تو دم تمتع کی طرف سے کافی نہ ہوگی۔ اگر عورت احرام کے وقت حائضہ ہوگی تو طواف کے علاوہ ارکان ادا کرے اور اگر طواف صدر کے وقت (حائضہ ہو) تو اس کو چھوڑ دے جیسے وہ شخص جو مکہ میں ٹھہر گیا۔

فإن عاد المتمتع إلى بلده بعد العمرة ولم يسق الهدي بطل تمتعه وإن ساق لا: ایک متمتع اپنے ساتھ ہدی نہیں لے گیا اور عمرہ کر کے اپنے شہر کو واپس ہو گیا تو اس کا تمتع باطل ہو گیا کیونکہ وہ دو عبادتوں کے درمیان اپنے اہل و عیال کے ساتھ المام صحیح کرنے والا ہے اور المام صحیح سے تمتع باطل ہو جاتا ہے اور اگر وہ ہدی ساتھ لے گیا ہو اور پھر عمرہ کے بعد اپنے گھر

واپس آجائے تو شیخینؒ کے نزدیک اس کا تمتع باطل نہ ہوگا۔ ہاں امام محمدؒ کے نزدیک اس صورت میں بھی تمتع باطل ہو جائیگا کیونکہ اس نے حج اور عمرہ کو دو سفروں میں ادا کیا۔ شیخینؒ فرماتے ہیں کہ ہدی لے جانا چونکہ تحلل سے مانع ہے اس لئے جب تک وہ تمتع کی نیت پر ہے اس کیلئے واپس ہونا واجب ہے پس الماما صحیح نہ ہوا کیونکہ الماما صحیح یہ ہے کہ وہ اپنے اہل وعیال میں آکر اقامت اختیار کرلے اور اس پر واپس جانا واجب نہ ہو اور اس صورت میں یہ چیز نہیں پائی گئی لہذا اس کا تمتع باطل نہ ہوگا۔

وَمَنْ طَافَ اَقَلَّ اَشْوَاطِ الْعُمْرَةِ قَبْلَ اَشْهُرِ الْحَجِّ وَاَتَمَّهَا فِيْهَا وَحَجَّ كَانَ مُتَمَتِّعًا وَبِعَكْسِهِ لَا وَهِيَ شَوَّالٌ وَذُو الْقَعْدَةِ وَعَشْرُ ذِي الْحِجَّةِ: اگر کسی نے عمرہ کا احرام حج کے مہینوں سے پہلے مثلاً تیسویں رمضان المبارک کو سورج غروب ہونے سے پہلے باندھا اور طواف کے تین چکر کیے پھر شوال کا مہینہ شروع ہو گیا اور اس نے اس طواف کے باقی پھیرے شوال میں پورے کیے پھر اسی سال حج کیا تو وہ شخص متمتع ہو جائیگا اور اگر اس نے پورا طواف کے چار یا زیادہ پھیرے رمضان میں کیے اور شوال میں اس طواف کو پورا کیا اور اسی سال حج بھی کیا تو وہ شخص متمتع نہیں ہوگا کیونکہ اس کے طواف کا اکثر حصہ رمضان میں واقع ہوا حج کے مہینوں میں نہیں ہوا اور وہ شخص مفرد عمرہ اور مفرد حج کرنے والا ہوگا اور اس پر ہدی (تمتع کی قربانی) واجب نہیں ہوگی۔

اشہر حج سے پہلے احرام باندھنے کا حکم

وَصَحَّ الْاِحْرَامُ بِهِ قَبْلَهَا وَكُرِهَ: احرام حج مہینوں میں باندھنا مسنون ہے اور ان سے پہلے باندھنا جائز ہے مگر مکروہ ہے کیونکہ وقت احرام کے طویل ہونے کی وجہ سے ممنوعات احرام کے ارتکاب کا خطرہ ہے اور امام شافعیؒ کے نزدیک بالکل جائز ہی نہیں ہے کیونکہ ان کے ہاں احرام رکن ہے اور رکن اپنے وقت سے پہلے ادا نہیں ہو سکتا اور ہمارے نزدیک شرط ہے لہذا اشہر حج سے پہلے باندھنا جائز ہے۔

وَلَوِ اعْتَمَرَ كُوْفِيٌّ فِيْهَا وَاَقَامَ بِمَكَّةَ اَوْ بِالْبَصْرَةِ وَحَجَّ صَحَّ تَمَتُّعُهُ وَلَوْ اَفْسَدَهَا فَاَقَامَ بِمَكَّةَ وَقَضَى وَحَجَّ لَا اِلَّا اَنْ يَعُوْدَ اِلَى اَهْلِهِ: ایک کوفی (یعنی آفاقی) نے اشہر حج میں عمرہ کرکے احرام اتار دیا اور مکہ میں (یعنی میقات کے اندر) یا بصرہ میں (یعنی اپنے شہر کے علاوہ کسی اور جگہ میں ٹھہر رہا اور پھر اس نے اسی سال حج کر لیا تو اس کا تمتع صحیح ہے کیونکہ ابھی اس کا سفر باقی ہے اور اگر اس نے اشہر حج میں عمرہ کو فاسد کر دیا اور مکہ میں ٹھہر رہا اور عمرہ کی قضا کر لی اور حج بھی کر لیا تو امام صاحبؒ کے نزدیک اس کا تمتع صحیح نہیں کیونکہ عمرہ فاسد کرنے کی وجہ سے اس پر مکہ میں رہنا واجب ہو گیا اور جب وہ اہل مکہ میں مل گیا تو اس کا عمرہ آفاقی نہ رہا بلکہ مکی ہو گیا۔ ہاں اگر وہ عمرہ فاسد کرنے کے بعد گھر آجائے اور پھر احرام باندھ کر مکہ جائے اور عمرہ ادا کرے تو متمتع ہو جائیگا کیونکہ وطن واپس لوٹ جانے کی وجہ سے پہلا سفر تو ختم ہو گیا اب یہ مستقل دوسرا سفر ہے اور اس دوسرے سفر میں دو نسک صحیح جمع ہو گئے اور ایام حج میں ایک سفر میں دو نسک کا جمع ہونا ہی تمتع ہے اس لئے یہ شخص متمتع ہوگا۔

وَاَيُّهُمَا اَفْسَدَ مَضَى فِيْهِ وَلَا دَمَ عَلَيْهِ: اور جو شخص زمانہ حج میں عمرہ کرے اور اسی سال حج بھی کرے ان دو (یعنی عمرہ و

حج) میں سے جسے بھی فاسد کرے تو اس کے افعال کی تکمیل کرے کیونکہ بغیر افعال اور کے احرام سے نکلنا ممکن نہیں ہے اور دم تمتع ساقط ہوگا کیونکہ وہ ایک سفر میں دو صحیح نسک جمع کرنے والا نہیں ہو سکا وہ ایک کو تو فاسد کر چکا ہے۔

وَلَوْ تَمَتَّعَ وَضَحّٰى لَمْ تُجْزِئْ عَنِ الْمُتْعَةِ: اگر کسی شخص نے تمتع کیا اور قربانی کے طور پر ایک بکری ذبح کی تو یہ بکری دم تمتع کے قائم مقام نہ ہوگی کیونکہ مسافر ہونے کی وجہ سے اس پر قربانی واجب نہ تھی اس نے ایک غیر واجب امر کی ادائیگی کی لہٰذا یہ دم واجب کے قائم مقام نہ ہوگا۔

عورت کو حیض آ جائے تو طواف کے علاوہ باقی افعال ادا کرے

وَلَوْ حَاضَتْ عِنْدَ الْإِحْرَامِ نَسَكَتْ بِغَيْرِ الطَّوَافِ وَلَوْ عِنْدَ الصَّدْرِ تَرَكَتْهُ كَمَنْ أَقَامَ بِمَكَّةَ. اگر کسی عورت کو احرام کے وقت ماہواری شروع ہو جائے تو وہ غسل کر کے احرام باندھ لے اور طواف بیت اللہ کے علاوہ باقی افعال ادا کرے، جب حضرت عائشہؓ کو مقام سرف میں ماہواری شروع ہوئی تو آنحضرت ﷺ نے ان کو یہی حکم فرمایا تھا اور اگر طواف صدر کے وقت حیض شروع ہو تو طواف صدر کو چھوڑ دے کیونکہ حائضہ کیلئے ترک طواف صدر کی اجازت حدیث سے ثابت ہے جیسے وہ شخص جو مکہ مکرمہ میں سکونت اختیار کرلے تو اس کیلئے طواف صدر ضروری نہیں ہوتا کیونکہ طواف صدر دراصل ان لوگوں کیلئے ہے جو مکہ مکرمہ سے لوٹ کر اپنے وطن کو جا رہے ہو

بَابُ الْجِنَايَاتِ

جنایات کا بیان

جنایات، جنایت کی جمع ہے اور جنایات لغت میں تقصیر اور خطاء کو کہتے ہیں اور شرعاً حرام و ممنوع کا مرتکب ہونے اور فساد کرنے کو کہتے ہیں اور یہاں ہر اس فعل کا ارتکاب جنایت ہے جس کا حرام ہونا احرام باندھنے یا حرم میں داخل ہونے کی وجہ سے ہو اور یہاں جمع اس کی اقسام کے اعتبار سے استعمال ہوئی ہے محرم کی جنایات آٹھ ہیں۔(۱) خوشبو استعمال کرنا (۲) سلا ہوا کپڑا پہننا (۳) سر یا چہرہ ڈھانکنا (۴) بدن سے بال دور کرنا (۵) ناخن کاٹنا (۶) جماع و محرکات جماع (۷) واجبات حج میں سے کسی واجب کو ترک کرنا (۸) خشکی کے جانور کا شکار کرنا یا ایذا پہنچانا۔ جزا واجب ہونے کیلئے اسلام، عقل اور بلوغ شرط ہے۔ کافر، نابالغ اور مجنون پر واجب نہیں ہوتی اور نابالغ و مجنون کی طرف سے ان کے ولی پر بھی واجب نہیں ہوتی۔

تَجِبُ شَاةٌ إِنْ طَيَّبَ مُحْرِمٌ عُضْوًا وَإِلَّا تَصَدَّقَ أَوْ خَضَبَ رَأْسَهُ بِحِنَّاءٍ أَوِ ادَّهَنَ بِزَيْتٍ أَوْ لَبِسَ مَخِيطًا أَوْ غَطّٰى رَأْسَهُ يَوْمًا وَإِلَّا تَصَدَّقَ أَوْ حَلَقَ رُبُعَ رَأْسِهِ أَوْ لِحْيَتِهِ وَإِلَّا تَصَدَّقَ كَالْمَحَاجِمِ أَوْ رَقَبَتَهُ أَوْ إِبْطَيْهِ أَوْ أَحَدَهُمَا أَوْ مَحْجَمَهُ وَفِي أَخْذِ شَارِبِهِ حُكُومَةُ عَدْلٍ وَفِي شَارِبِ حَلَالٍ أَوْ قَلْمِ

اَوْ لَبِسَ مَخِيطًا: اگر کسی مرد نے احرام کی حالت میں سلا ہوا کپڑا اس طرح پہنا جس طرح عام طور پر اس کے پہننے کا طریقہ ہے یعنی وہ کپڑا ایسا ہو کہ کام میں مشغول ہوتے وقت اس کی حفاظت میں کسی تکلف کی ضرورت نہ پڑے بلکہ وہ کپڑا بلا تکلف اس کے بدن پر خود بخود ٹھہرا رہے پس اگر ایک یوم کامل شرعی یا ایک رات کامل شرعی پہنا تو بالاتفاق اس پر دم واجب ہوگا اور اگر ایک دن یا رات سے کم اور ایک گھنٹہ یا اس سے زیادہ پہنا تو نصف صاع گندم صدقہ دینا واجب ہے اور ایک گھنٹے سے کم پہنا تو ایک مٹھی گندم یا دو مٹھی جو دیدے اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک نصف دن یا نصف رات سے زیادہ پہننے کی صورت میں دم واجب ہے کیونکہ اکثر حصہ کل کے حکم میں ہوتا ہے

اَوْ غَطّٰى رَأْسَهٗ يَوْمًا وَاِلَّا تَصَدَّقَ: پس اگر محرم مرد نے اپنا تمام سر یا تمام چہرہ ایسے کپڑے وغیرہ سے ڈھانپا جس سے عادتاً ڈھانپتے ہیں خواہ وہ سلا ہوا ہو یا بغیر سلا ہو جیسے ٹوپی و عمامہ وغیرہ اور ایک دن کامل یا ایک رات کامل کم ڈھانپنے کی صورت میں صدقہ واجب ہوگا۔

اَوْ حَلَقَ رُبُعَ رَأْسِهٖ اَوْ لِحْيَتِهٖ وَاِلَّا تَصَدَّقَ كَالْحَالِقِ: اگر کسی محرم شخص نے احرام کھولنے سے قبل اپنے پورے یا چوتھائی یا اس سے زیادہ سر یا داڑھی کے بال مونڈے (یا منڈوائے) تو اس پر دم واجب ہوگا اور اگر چوتھائی سے کم حصہ مونڈا تو صدقہ واجب ہوگا یہی صحیح اور مختار ہے اور صاحبینؒ کے نزدیک جب تک سر کا اکثر حصہ نہ مونڈے دم واجب نہیں ہوگا اور اسی طرح اگر محرم نے کسی حلال کا سر مونڈا تو مونڈنے والے پر صدقہ ہی واجب ہوگا اور بعض فقہاء نے کہا ہے کہ وہ جو کچھ چاہے (یعنی تھوڑا سا) صدقہ کر دے۔

اَوْ رَقَبَتَهٗ اَوْ اِبْطَيْهِ اَوْ اَحَدَهُمَا: اگر احرام کی حالت میں اپنی پوری گردن کے بال مونڈے تو اس پر دم واجب ہوگا کیونکہ یہ ایسا عضو ہے جس کو عادۃً مونڈا جاتا ہے اور اکثر لوگ راحت اور زینت کیلئے ہی ایسا کرتے ہیں اور اگر احرام کی حالت میں اپنی دو بغلیں یا ایک پوری بغل کے بال مونڈے تو اس پر دم واجب ہوگا کیونکہ ہر بغل کے بال دفع اذیت و حصول راحت کیلئے عادۃً دور کئے جاتے ہیں اور ایک بغل سے کم کے بال دور کرنے میں صدقہ واجب ہوگا اگرچہ وہ ایک بغل کا اکثر حصہ ہو۔

اَوْ مَحْجَمَهٗ: اگر پچھنے لگوانے کی جگہ کے بال مونڈ کر وہاں پچھنے لگوائے تو امام صاحبؒ کے نزدیک دم واجب ہوگا اور صاحبینؒ کے نزدیک صدقہ واجب ہوگا اور امام صاحبؒ کی دلیل یہ ہے کہ پچھنے لگوانے کی جگہ حلق کرنا عادۃً مقصود ہے اس لئے کہ پچھنے لگوانا اس شخص کیلئے امر مقصود ہے جس کو خونی مادہ کے اخراج کی ضرورت ہے اور اس جگہ کا حلق کرنا اس مقصود کو حاصل کرنے کا وسیلہ ہے اور اس حلق کے ذریعے عضو کامل سے میل کچیل دور کرنا پایا جاتا ہے لہٰذا اس سے دم واجب ہوگا اور یہ اختلاف اس وقت ہے جبکہ اس جگہ کے بال پچھنے لگوانے کیلئے مونڈے ہوں اور اگر کسی اور وجہ سے مونڈے تو بالاتفاق صدقہ ہی واجب ہوگا۔

اَوْ مَحْجَمَهٗ وَفِيْ اَخْذِ شَارِبِهٖ حُكُوْمَةُ عَدْلٍ: اگر محرم نے اپنی مونچھ مونڈی یا کاٹی تو دو عادل آدمی جو فیصلہ کریں گے اسی کے مطابق اس پر کفارہ اور جزا واجب ہوگی مثلاً اگر کٹی ہوئی مونچھیں داڑھی کا ایک ربع ہوں تو اس پر ایک بکری کی قیمت کا

أو ترك السعي: اور اگر سعی چھوڑ دی تو اس پر دم واجب ہوگا کیونکہ ہمارے نزدیک سعی واجبات میں سے ہے لہٰذا اس کے ترک کرنے کی وجہ سے دم واجب ہوگا۔

میدان عرفات سے امام سے پہلے لوٹنے کا حکم

أو أفاض من عرفات قبل الإمام أو ترك الوقوف بالمزدلفة: اگر کوئی شخص دن میں میدان عرفات سے امام کے لوٹنے سے پہلے لوٹ آیا تو اس پر دم واجب ہوگا اور اگر غروب آفتاب کے بعد لوٹا تو اس پر کوئی چیز واجب نہ ہوگی امام شافعیؒ کے ہاں دونوں صورتوں میں اس پر کچھ لازم نہ ہوگا ہم یہ کہتے ہیں کہ نفس وقوف رکن ہے اور اس کو غروب آفتاب تک دراز و ممتد کرنا واجب ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: فادفعوا بعد غروب الشمس. "تم لوگ عرفات سے غروب آفتاب کے بعد روانہ ہوا کرو۔" پس اس سے معلوم ہوا کہ غروب آفتاب تک وقوف کو دراز کرنا واجب ہے اور یہ شخص غروب آفتاب سے پہلے روانہ ہونے کی وجہ سے واجب کو ترک کر دیا تو اس پر دم واجب ہوگا کیونکہ یہ واجبات میں سے ہے۔

أو رمي الجمار كلها أو رمي يوم: اگر کوئی شخص تمام ایام (یعنی چار دن ایام) کی رمی ترک کر دے یا ایک دن کی رمی ترک کر دے تو اس پر ایک دم واجب ہوگا کیونکہ یہ واجبات میں سے ہے اور ترک واجب سے دم واجب ہوتا ہے البتہ ایک ہی دم کافی ہوگا کیونکہ جنس ایک ہی اور محل بھی متحد ہے۔ جیسے کسی محرم نے پورے بدن کے بال مونڈ دیئے تو اس پر ایک دم واجب ہوتا گرچہ فقط پورے سر مونڈنے یا چوتھائی سر کو مونڈنے سے بھی دم واجب ہوتا ہے یہاں بھی ایک دم واجب ہونے کی علت اتحاد جنس ہے۔

أو أخر الحلق أو طواف الركن: اگر کسی نے حلق اور طواف زیارت کو ان کے وقت یعنی ایام نحر میں کرنا واجب ہے ان میں تاخیر کی تو واجب کی وجہ سے امام صاحبؒ کے نزدیک دم واجب ہوتا ہے لہٰذا یہاں بھی دم واجب ہوگا اور صاحبینؒ کے ہاں تاخیر واجب سے دم واجب نہیں ہوتا لہٰذا یہاں بھی دم واجب نہیں ہوگا۔

أو حلق في الحل: اگر کسی نے حل یعنی غیر حرم میں حلق کرایا تو طرفینؒ کے نزدیک اس پر دم واجب ہوگا اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اس پر کوئی تاوان نہ ہوگا کیونکہ امام ابو یوسفؒ کے ہاں حلق حرم کے ساتھ خاص نہیں ہے اور طرفینؒ کے نزدیک اس کا حرم میں کرانا واجب ہے لہٰذا ترک واجب کی وجہ سے دم لازم ہوگا۔

وقارن لو حلق القارن قبل الذبح: اگر قارن نے ہدی کا جانور ذبح کرنے سے پہلے حلق کرا لیا تو امام صاحبؒ کے نزدیک دو دم واجب ہوں گے اور صاحبینؒ کے نزدیک ایک صرف دم قران ہی واجب ہوگا اور ترک ترتیب سے کچھ لازم نہ ہوگا۔

فصل

إن قتل محرم صيدا أو دل عليه من قتله فعليه الجزاء وهو قيمة الصيد بتقويم عدلين في مقتله أو أقرب موضع منه فيشتري بها هديا وذبحه إن بلغت قيمته هديا أو طعاما وتصدق به فهو

وَجِمَاعُ النَّاسِي كَالْعَامِدِ: محرم کا بھول کر جماع کرنا ایسا ہی ہے جیسے جان بوجھ کر جماع کرے کہ اگر وقوف عرفہ سے قبل ہو تو حج فاسد ہو جائیگا امام شافعیؒ کے نزدیک جماع ناسی مفسد حج نہیں جاگتی عورت سے زبردستی یا سوتی عورت سے جماع کر لینے میں بھی یہی اختلاف ہے۔ وہ یہ فرماتے ہیں کہ نسیان اور نوم واکراہ میں یہ فعل جنایت نہیں ہے ہم یہ کہتے ہیں کہ حالت احرام میں استمتاع مخصوص جو فساد حج کا باعث ہے اور یہ استمتاع ان عوارض سے معدوم نہیں ہوتا لہذا حج فاسد ہو جائیگا۔

طواف رکن حدث یا جنابت کی حالت میں کرنے کا حکم

أَوْ طَافَ لِلرُّكْنِ مُحْدِثًا وَبَدَنَةٌ لَوْ جُنُبًا وَيُعِيدُ: اگر کوئی شخص بے وضو طواف رکن کرے تو اس پر صدقہ واجب ہوگا صدقہ سے مراد نصف صاع گندم یا ایک صاع جو یا ایک صاع کھجور ہیں امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ ایسے طواف کا کوئی اعتبار نہ ہوگا کیونکہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ طواف نماز ہے مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ نے طواف کے دوران بات چیت کو مباح قرار دیا ہے (اور نماز میں ممنوع ہے) لہذا طہارت طواف کیلئے شرط ہوگی اور مشروط شرط کے بغیر نہیں پایا جاتا۔ ہماری دلیل اللہ کا یہ ارشاد گرامی ہے: ﴿وَلْيَطَّوَّفُوا بِالْبَيْتِ الْعَتِيقِ﴾ یعنی لوگوں کو چاہئے کہ اس قدیم گھر کا طواف کریں اس آیت میں طواف مطلق وارد ہوا ہے اس کے ساتھ طہارت کی کوئی قید نہیں البتہ خبر واحد سے جس کا وجوب ثابت ہوتا ہے تو مذکورہ حدیث "الطواف صلوة" سے طہارت کا وجوب ثابت ہوگا۔ اور اگر طواف رکن حالت جنابت میں کرے تو بدنہ واجب ہوگا اسی طرح ابن عباسؓ سے مروی ہے اور اکثر طواف حالت جنابت میں کرنے کا بھی یہی حکم ہے اور طواف کا اعادہ کرے طواف خواہ حدث کی حالت میں کیا ہو یا حالت جنابت میں البتہ حدث کی حالت میں طواف کا اعادہ مستحب اور جنابت کی صورت میں اعادہ واجب ہے پھر حالت حدث میں کئے ہوئے طواف کا اعادہ کر لے تو اس پر کچھ نہ ہوگا خواہ ایام نحر کے بعد ہی کرے اور اگر حالت جنابت میں کئے ہوئے طواف کا اعادہ ایام نحر میں کرے تو اس پر کوئی تاوان نہ ہوگا اگر ایام نحر کے بعد اعادہ کرے تو امام صاحبؒ کے نزدیک اس پر دم واجب ہوگا.

وَصَدَقَةٌ لَوْ مُحْدِثًا لِلْقُدُومِ وَالصَّدَرِ: اگر کسی شخص نے طواف قدوم یا طواف صدر حدث کی حالت میں کیا تو اس پر صدقہ واجب ہوگا کیونکہ ان کا رتبہ طواف زیارت سے کم ہے یعنی طواف زیارت رکن ہے اور طواف قدوم اور طواف صدر واجب اور ہر نفل طواف کا بھی یہی حکم ہے.

أَوْ تَرَكَ أَقَلَّ طَوَافِ الرُّكْنِ وَلَوْ تَرَكَ أَكْثَرَهُ بَقِيَ مُحْرِمًا أَوْ تَرَكَ أَكْثَرَ الصَّدَرِ أَوْ طَافَهُ جُنُبًا وَصَدَقَةٌ بِتَرْكِ أَقَلِّهِ أَوْ طَافَ لِلرُّكْنِ مُحْدِثًا وَلِلصَّدَرِ طَاهِرًا فِي آخِرِ أَيَّامِ التَّشْرِيقِ وَدَمَانِ لَوْ طَافَ لِلرُّكْنِ جُنُبًا أَوْ طَافَ لِعُمْرَتِهِ وَسَعَى مُحْدِثًا وَلَمْ يُعِدْ أَوْ تَرَكَ السَّعْيَ أَوْ أَفَاضَ مِنْ عَرَفَاتٍ قَبْلَ الْإِمَامِ أَوْ تَرَكَ الْوُقُوفَ بِالْمُزْدَلِفَةِ أَوْ رَمْيَ الْجِمَارِ كُلِّهَا أَوْ رَمْيَ يَوْمٍ أَوْ أَخَّرَ الْحَلْقَ أَوْ طَوَافَ الرُّكْنِ أَوْ حَلَقَ فِي الْحِلِّ وَدَمَانِ لَوْ حَلَقَ الْقَارِنُ قَبْلَ الذَّبْحِ.

بِبَدَنَةٍ وَلَا فَسَادَ أَوْ جَامَعَ بَعْدَ الْحَلْقِ أَوْ فِي الْعُمْرَةِ قَبْلَ أَنْ يَطُوفَ لَهَا الْأَكْثَرَ وَتَفْسُدُ وَيَمْضِي وَيَقْضِي أَوْ بَعْدَ طَوَافِ الْأَكْثَرِ وَلَا فَسَادَ وَجِمَاعُ النَّاسِي كَالْعَامِدِ أَوْ طَافَ لِلرُّكْنِ مُحْدِثًا وَبِبَدَنَةٍ لَوْ جُنُبًا وَيُعِيدُ وَبِصَدَقَةٍ لَوْ مُحْدِثًا لِلْقُدُومِ وَالصَّدَرِ.

ترجمہ: اگر شہوت سے کسی عورت کی شرمگاہ کو دیکھا اور منی نکل گئی تو کچھ واجب نہیں ہے اور بکری واجب ہوگی اگر بوسہ لیا یا شہوت کے ساتھ چھوا یا وقوف عرفہ سے قبل احد السبیلین (فرج و دبر) میں صحبت کر کے اپنے حج کو فاسد کر دیا اور افعال حج ادا کرتا رہے اور (آئندہ سال) اس کی قضا کرے اور قضاء میں ان دونوں (مرد و عورت) کا جدا ہونا ضروری نہیں اور اگر وقوف عرفہ کے بعد (صحبت کرلی تو) بدنہ واجب ہوگا اور حج فاسد نہ ہوگا یا حلق کے بعد جماع کیا یا عمرہ میں اس کا اکثر طواف کرنے سے پہلے (جماع کرلیا تو) عمرہ فاسد ہو جائیگا اور بھول کر جماع کرنے والا عمداً (جماع) کرنے والے کی طرح ہے یا طواف رکن بلا وضو کیا اگر ناپاکی کی حالت میں کیا تو بدنہ واجب ہوگا اور طواف کو لوٹائے اور صدقہ واجب ہوگا اگر طواف قدوم یا طواف صدر بلا وضو کیا۔

شرمگاہ کی طرف دیکھنے سے انزال ہو جانے کا حکم

وَلَا شَيْءَ إِنْ نَظَرَ إِلَى فَرْجِ امْرَأَةٍ بِشَهْوَةٍ فَأَمْنَى: اگر کسی محرم نے اپنی بیوی یا کسی اجنبیہ عورت کی فرج (شرمگاہ) کی طرف شہوت سے دیکھا اور اس کو انزال ہو گیا تو اس پر سوائے غسل کے اور کچھ واجب نہیں ہے کیونکہ ممنوعات احرام (محرمات) میں سے جماع ہے جو کہ یہاں نہیں پایا گیا نہ صورۃً اور نہ معنًی۔

تقبیل اور لمس بالشہوت سے دم واجب ہوگا

وَوَجَبَ شَاةٌ إِنْ قَبَّلَ أَوْ لَمَسَ بِشَهْوَةٍ: اگر عورت کو شہوت سے بوسہ دیا یا ہاتھ لگایا تو اس پر دم واجب ہوگا کیونکہ شہوت سے مس کرنے اور بوسہ دینے میں عورت سے استمتاع اور لطف اندوز ہونا پایا جاتا ہے اور یہ استمتاع اور لطف اندوزی احرام کے دوران ممنوع امور سے ہے لہٰذا دم لازم ہوگا۔

وقوف عرفہ سے قبل جماع کرنے کا حکم

أَوْ أَفْسَدَ حَجَّهُ بِجِمَاعٍ فِي أَحَدِ السَّبِيلَيْنِ قَبْلَ الْوُقُوفِ بِعَرَفَةَ وَيَمْضِي وَيَقْضِي: اگر کسی محرم نے وقوف عرفہ سے پہلے قبل یا دبر میں جماع کیا تو بالاتفاق حج فاسد ہو جائیگا البتہ ہمارے نزدیک بکری ذبح کرنا واجب ہے اور آئمہ ثلاثہ کے نزدیک بدنہ واجب ہے یہ حضرات وقوف عرفہ کے بعد جماع کرنے پر قیاس کرتے ہیں ہماری دلیل یہ ہے کہ ایک شخص نے اپنی بیوی سے صحبت کی حالانکہ دونوں محرم تھے اور یہ واقعہ عرفات سے پہلے پیش آیا تو آپ ﷺ نے دونوں کو دم ذبح کرنے کا حکم دیا (اور دم بکری کو بھی شامل ہے) اور فرمایا کہ افعال حج پورے کرو اور آئندہ سال اس کی قضا کرو صحابہ کرامؓ کی جماعت سے بھی اسی طرح منقول ہے۔

ترجمہ: یا کمتر طواف رکن چھوڑ دیا ہو اور اگر اکثر چھوڑ دیا تو محرم ہی رہیگا یا اکثر طواف صدر چھوڑ دیا یا طواف صدر ناپاکی کی حالت میں کیا، اور صدقہ واجب ہوگا اگر کمتر طواف صدر چھوڑ دیا یا طواف رکن بے وضو کیا اور طواف صدر بے وضو کیا ایام تشریق کے آخر میں اور دو دم واجب ہوں گے اگر طواف رکن ناپاکی کی حالت میں کیا یا عمرہ کیلئے بے وضو طواف وسعی کی ان کا اعادہ نہ کیا یا سعی چھوڑ دی یا عرفات سے شام سے پہلے چلا آیا وقوف مزدلفہ کو چھوڑ دیا یا کل رمی کو یا ایک دن کی رمی کو چھوڑ دیا یا حلق کو یا طواف رکن کو مؤخر کیا یا حل میں سر منڈایا اور دو دم واجب ہوں گے اگر قارن ذبح سے قبل حلق کرائے

أَوْ تَرَكَ أَقَلَّ طَوَافِ الرُّكْنِ: اگر کسی نے طواف زیارت کے تین یا اس سے کم چکر چھوڑ دیے تو اس پر بکری واجب ہوگی کیونکہ جو نقصان ہوا وہ خفیف ہے لہٰذا اس کی تلافی بکری کی قربانی سے ہو جائیگی۔

وَلَوْ تَرَكَ أَكْثَرَهُ بَقِيَ مُحْرِمًا: اور اگر اکثر طواف زیارت چھوڑ دیا یعنی چار یا اس سے زائد چکر تو وہ اس وقت تک حالت احرام ہی میں رہے گا جب تک کہ طواف کی ادائیگی نہ کرے کیونکہ متروک حصہ اکثر ہے تو گویا کہ اس نے طواف کیا ہی نہیں۔

أَوْ تَرَكَ أَكْثَرَ الصَّدْرِ أَوْ طَافَهُ جُنُبًا وَصَدَقَةٌ بِتَرْكِ أَقَلِّهِ: اگر اکثر طواف صدر چھوڑ دیا یا حالت جنابت میں کیا تو بکری کی قربانی واجب ہوگی کیونکہ طواف صدر واجب ہے پس کل یا اکثر کے ترک سے دم واجب ہوگا اگر کمتر یعنی تین چکر چھوڑ دیے تو اس پر صدقہ واجب ہوگا یعنی ہر چکر کے عوض نصف صاع گندم ادا کرے۔

أَوْ طَافَ لِلرُّكْنِ مُحْدِثًا وَلِلصَّدْرِ طَاهِرًا فِي آخِرِ أَيَّامِ التَّشْرِيقِ وَدَمَانِ لَوْ طَافَ لِلرُّكْنِ جُنُبًا: اگر طواف زیارت حالت حدث میں کیا اور طواف صدر باوضو کیا ایام تشریق کے آخر میں تو اس پر ایک دم واجب ہوگا اور اگر طواف زیارت حالت جنابت میں کیا اور طواف صدر باوضو ایام تشریق کے آخر میں تو امام صاحبؒ کے نزدیک اس پر دو دم واجب ہونگے صاحبینؒ کے نزدیک مذکورہ دونوں صورتوں میں اس پر ایک ہی دم واجب ہوگا دوسری صورت میں امام صاحبؒ کے نزدیک دو دم واجب ہونے کی وجہ یہ ہے کہ جب طواف زیارت حالت جنابت میں کیا تو طواف صدر طواف زیارت کی جگہ منتقل ہو جائیگا کیونکہ طواف زیارت کا اعادہ واجب ہے یعنی جنابت کی بناء پر طواف زیارت کالعدم قرار پائیگا اور طواف صدر اس کی جگہ لے گا اور اس صورت میں دو قصور لازم آتے ہیں ایک یہ کہ وہ طواف صدر کا تارک ہوگا اور دوسرا یہ کہ طواف زیارت کی ایام تشریق سے تاخیر لازم آئیگی اور امام صاحبؒ کے نزدیک تاخیر سے دوسرا دم واجب ہوگا۔

أَوْ طَافَ لِعُمْرَتِهِ وَسَعَى مُحْدِثًا وَلَمْ يُعِدْ: اگر کسی نے طواف عمرہ اور سعی بین الصفا والمروہ حالت حدث میں کیا اور طواف وسعی دونوں کے اعادہ سے پہلے وطن واپس آ گیا تو دم واجب ہوگا کیونکہ طواف میں طہارت واجب ہے پس اس کی تلافی کیلئے دم واجب ہوگا اور اس کو وطن سے واپس مکہ آنے کا حکم نہیں کیا جائیگا کیونکہ طواف اور سعی جو عمرہ کے ارکان ہیں ان کو ادا کر کے حلال ہوا ہے اور جو نقصان پیدا ہوا تھا وہ بہت معمولی ہے اس لئے لوٹ کر مکہ آنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے اور اسی سعی کے بارے میں کوئی چیز واجب نہ ہوگی کیونکہ اس نے سعی ایسے طواف کے بعد کی ہے جو شرعاً معتبر ہے۔

دو محرم ایک شکار کے قتل میں شریک ہوں تو ان میں سے ہر ایک پر کامل جزاء واجب ہوگی

وَلَوْ قَتَلَ مُحْرِمَانِ صَيْدًا تَعَدَّدَ الْجَزَاءُ: اگر دو محرم ایک شکار کے قتل میں شریک ہوں تو ان میں سے ہر ایک پر کامل جزاء واجب ہوگی کیونکہ شرکت کی بناء پر ان میں سے ہر ایک نے پورے طور پر جنایت کا ارتکاب کیا ہے لہٰذا جنایات کے تعدد کی بناء پر جزاء بھی متعدد ہوگی۔

وَلَوْ حَلَالَانِ لَا: اگر دو یا زیادہ حلال یعنی بغیر احرام والے شخص حرم کے شکار کو قتل کرنے میں شریک ہوئے تو ان پر ایک ہی جزاء واجب ہوگی یعنی اتحاد محل (یعنی شکار ایک ہونے) کی وجہ سے ایک ہی جزاء واجب ہوگی اور ان کی تعداد پر تقسیم کی جائیگی اس لئے کہ حرم کے شکار میں محل جنایت (شکار) متعدد نہیں ہے یعنی حرم کے شکار قتل کرنے سے متعدد جزاء واجب نہیں ہوتی۔

وَيَبْطُلُ بَيْعُ الْمُحْرِمِ صَيْدًا وَشِرَاؤُهُ: محرم کا کسی محرم یا حلال شخص کے ہاتھ شکار کو بیچنا یا اس سے خریدنا حدود حرم میں جائز نہیں ہے اس لئے کہ محرم شکار کا مالک نہیں بنتا اور اسی طرح حلال شخص کا حدود حرم میں کسی محرم یا حلال کے ہاتھ شکار بیچنا یا اس سے خریدنا جائز نہیں ہے۔

وَمَنْ أَخْرَجَ ظَبْيَةَ الْحَرَمِ فَوَلَدَتْ وَمَاتَا ضَمِنَهُمَا وَإِنْ أَدَّى جَزَاءَهَا فَوَلَدَتْ لَا يَضْمَنُ الْوَلَدَ: اگر کوئی شخص حرم سے حاملہ ہرنی پکڑ کر لے گیا ہرنی نے بچہ جنا یعنی ماں اور بچہ دونوں مر گئے تو اس پر دونوں کی جزاء ہوگی کیونکہ حرم سے نکال لینے کے بعد بھی صید شرعی طور پر امن کا مستحق ہے اور اس کا اپنی اصل جگہ پر واپس لوٹانا واجب ہے البتہ اگر ہرن نکالنے والے نے ہرن کی جزاء ادا کر دی پھر اس نے بچہ جنا تو اس پر بچہ کی جزاء واجب نہ ہوگی کیونکہ جزاء ادا کرنے کے بعد وہ مستحق امن نہ رہی کیونکہ بدل یعنی قیمت کا اقرار اسی طرف منتقل ہو جاتا ہے جیسا کہ ہرن کا حرم میں پہنچ جانا۔

بَابُ مُجَاوَزَةِ الْمِيقَاتِ بِغَيْرِ إِحْرَامٍ

احرام کے بغیر میقات سے گزرنا

مَنْ جَاوَزَ الْمِيقَاتَ غَيْرَ مُحْرِمٍ ثُمَّ عَادَ مُحْرِمًا مُلَبِّيًا أَوْ جَاوَزَ ثُمَّ أَحْرَمَ بِعُمْرَةٍ ثُمَّ أَفْسَدَهَا وَقَضَى بَطَلَ الدَّمُ فَلَوْ دَخَلَ الْكُوفِيُّ الْبُسْتَانَ لِحَاجَةٍ لَهُ دُخُولُ مَكَّةَ بِغَيْرِ إِحْرَامٍ وَوَقْتُهُ الْبُسْتَانُ وَمَنْ دَخَلَ مَكَّةَ بِغَيْرِ إِحْرَامٍ وَجَبَ عَلَيْهِ أَحَدُ النُّسُكَيْنِ ثُمَّ حَجَّ عَمَّا عَلَيْهِ فِي عَامِهِ ذَلِكَ صَحَّ عَنْ دُخُولِهِ مَكَّةَ بِلَا إِحْرَامٍ فَإِنْ تَحَوَّلَتِ السَّنَةُ لَا.

ترجمہ: جو شخص بغیر احرام کے میقات سے تجاوز کر گیا پھر احرام باندھ کر تلبیہ کہتا ہوا (میقات کی طرف) لوٹ آیا یا (بغیر احرام کے تجاوز کر گیا پھر عمرہ کا احرام باندھ کر فاسد کر دیا اور قضاء کر لی تو خون ساقط ہو گیا اگر کوئی کسی ضرورت سے بستان بنی عامر میں داخل ہوا تو اس کیلئے بغیر احرام کے مکہ میں داخل ہونا جائز ہے اور اس کا میقات (یعنی موضع) بستان ہے جو شخص مکہ میں بغیر احرام کے داخل ہوا تو اس پر دو عبادتوں میں سے ایک واجب ہے پھر اس نے اسی سال وہ حج کیا جو اس کے ذمہ تھا تو یہ صحیح ہوگا اس کے عوض جو بغیر احرام کے دخل

اڑ نہیں سکتا۔ ہاں کا مانوس ہونا سو وہ امر عارضی ہے جس کا اعتبار نہیں اسی طرح پالتو ہرن کے قتل کرنے میں بھی جزا واجب ہوگی۔ کیونکہ وہ اصل خلقت کے لحاظ سے صید ہے اور اس کا صید ہونا عارضی اجتناس کی بناء پر باطل نہ ہوگا۔

ولو ذبح محرم صيدا حرم وغرم باكله لا محرم آخر: کسی محرم کا ذبح کیا ہوا شکار نہ اس کیلئے حلال ہے نہ غیر کیلئے البتہ کسی دوسرے محرم نے اس سے کچھ کھا لیا تو بالاتفاق اس دوسرے محرم پر کچھ واجب نہ ہوگا۔ امام شافعی کے نزدیک غیر کیلئے حلال ہے نیز احرام سے حلال ہو جانے کے بعد خود اس کیلئے بھی حلال ہے وہ یہ فرماتے ہیں کہ جب ذکوۃ (یعنی ذبح) حقیقۃً موجود ہے تو لامحالہ وہ اپنا عمل کرے گی البتہ محرم نے چونکہ ممنوع فعل کا ارتکاب کیا ہے اس بناء پر اس کیلئے عقوبۃً حرام ہے پس غیر کے حق میں اصل حلت باقی رہے گی ہم یہ کہتے ہیں کہ محرم کے احرام نے شکار کو محلیت سے اور ذابح کو حلال کرنے کی اہلیت سے نکال دیا پس اس کا فعل ذکوۃ نہیں ہو سکتا انعدام محلیت صید تو اس لئے ہے کہ آیت ﴿وحرم عليكم صيد البر﴾ میں عین صید کو حرام فرمایا ہے اور انعدام اہلیت ذابح اس لئے کہ آیت ﴿ولا تقتلوا الصيد وانتم حرم﴾ میں قتل سے تعبیر کیا گیا ہے نہ کہ ذبح سے۔

محرم کیلئے اس جانور کا گوشت کھانا جائز ہے جس کو غیر محرم نے شکار کیا ہو

وحل له لحم ما صاده حلال وذبحه ان لم يدل عليه ولم يامره بصيده: محرم کیلئے اس جانور کا گوشت کھانا جائز ہے جس کو غیر محرم نے شکار کیا ہو اگرچہ محرم ہی کیلئے شکار کیا ہو بشرطیکہ محرم نے اس شکار پر کوئی دلالت نہ کی ہو نہ حکم کیا ہو نہ اس پر اعانت کی ہو امام مالک و شافعی کے نزدیک محرم کیلئے وہ شکار جائز نہیں جو غیر محرم نے محرم کیلئے کیا ہو کیونکہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ تمہارے لئے شکار حلال ہے جب تک کہ تم شکار نہ کرو یا تمہارے لئے نہ کیا جائے۔ ہماری دلیل ابو قتادہ کی حدیث ہے فقال هل معكم منه شيء؟ امام طحاوی فرماتے ہیں کہ ابو قتادہ نے صرف اپنے واسطے شکار نہیں کیا تھا بلکہ محرم اصحاب کیلئے بھی کیا تو پھر آنحضرت ﷺ نے اس کو مباح فرمایا اور تمہاری حدیث مذکور سو اول تو وہ ضعیف ہے اگر صحیح بھی ہو تو اس کا مطلب یہ ہے کہ جب محرم کے حکم سے شکار کیا ہو تو حلال نہیں۔

ويذبح الحلال صيد الحرم قيمته يتصدق بها لا صوم: اگر حرم کے شکار کو کسی غیر محرم نے ذبح کر دیا تو اس پر اس کی قیمت واجب ہوگی اور اس قیمت کو فقراء حرم پر خیرات کرے کیونکہ حرم کے اندر اس کے معظم و محترم ہونے کی وجہ سے ہر شخص و ہر جانور مستحق امن ہے اور اگر وہ اس قیمت کے عوض روزے رکھنا چاہے تو یہ جائز نہیں ہے کیونکہ شکار کی قیمت ایک تاوان ہے کفارہ نہیں ہے اس لئے یہ مالی تاوان کے مشابہ ہوگا اور مالی تاوان کو اگر کوئی روزوں سے ادا کرنا چاہے تو ادا نہیں ہو سکتا مالی تاوان تو مال ہی سے ادا ہوگا غیر مال سے ادا نہیں ہوگا

ومن دخل الحرم بصيد ارسله فان باعه رد البيع ان بقي وان فات فعليه الجزاء ومن احرم وفي بيته او قفصه صيد لا يرسله ولو اخذ حلال صيدا فاحرم ضمن مرسله ولو اخذه محرم لا

شکار نہیں اور نہ انسان کے بدن سے پیدا ہوتے ہیں اور طبعی طور پر یہ موذی بھی ہیں اور بچھوے کو مارنے میں کچھ واجب نہیں اس لئے کہ یہ زہریلے جانوروں اور حشرات الارض کی قبیل سے ہیں لہذا شکار میں داخل نہ ہوگا

وبقتل قملة وجرادة تصدق بما شاء: اگر محرم نے اپنے سر یا بدن کے کسی دوسرے حصہ سے جوں پکڑ کر ماردی یا اس کو زمین پر ڈالدیا تو صدقہ کردے چاہے ایک کھجور ہی ہو کیونکہ جوں میل کچیل سے پیدا ہوتی ہے اور میل کچیل صاف کرنے سے صدقہ واجب ہوتا ہے اس لئے اگر جوں کسی اور کے بدن یا کپڑے پر ہو تو اس کے مارنے سے کچھ واجب نہیں ہوتا کیونکہ یہ میل کچیل دور کرنا نہیں ہے۔

کسی بھی درندہ کو قتل کردیا تو اس کی جزا بکری سے زیادہ نہ ہوگی

ولا یجاوز عن شاة بقتل السبع وان صال لا شیء بقتله بخلاف المضطر: اگر کسی نے ایسے جانور کو قتل کردیا جس کا گوشت نہیں کھایا جاتا جیسے درندے تو اس پر جزاء واجب ہے سوائے ان موذی جانوروں اور حشرات الارض کے کہ جن کا قتل شریعت نے جائز کردیا ہے لیکن جزا واجب ہونے کا حکم اس وقت ہے جبکہ اس جانور نے جس کا گوشت کھانا حرام ہے اس شخص پر حملہ نہ کیا ہو بلکہ محرم نے اس کو مارنے میں خود ابتداء کی ہو اور اگر اس جانور نے حملہ کرنے میں خود ابتداء کی ہو اس کے بعد اس شخص نے اپنے بچاؤ کیلئے اس کو ماردیا ہو تو اس پر کچھ جزاء واجب نہیں ہوگی۔ اور غیر ماکول اللحم جانور کے قتل میں جو قیمت واجب ہوگی وہ قیمت ایک بکری سے زیادہ نہیں ہوگی خواہ وہ جانور کتنی ہی زیادہ قیمت کا ہو حتی کہ اگر ہاتھی کو قتل کیا تو اس پر ایک بکری سے زیادہ اور کچھ واجب نہیں ہوگا۔ اگر محرم بحالت مخمصہ بھوک کی شدت سے شکار کھانے پر مجبور ہوا اور وہ شکار کرلے تو جزا واجب ہے کیونکہ وجوب کفارہ نص قرآنی فمن کان منکم مریضا او به اذی من راسه ففدیة سے ثابت ہے لہذا حالت اضطرار سے جزا صید ساقط نہ ہوگی جیسے قصاص سے کفارہ ساقط نہیں ہوتا۔

وللمحرم ذبح شاة وبقرة وبعير ودجاجة وبط اهلي: محرم کیلئے بکری، گائے، اونٹ، مرغی اور پالتو بطخ ذبح کرنے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ ان جانوروں میں وحشت نہیں ہوتی لہذا یہ جانور شکار کے زمرے میں شامل نہ ہوں گے۔

وعليه الجزاء بذبح حمام مسرول وظبي مستانس: اگر کسی محرم نے پاموز کبوتر ذبح کیا تو جزا واجب ہوگی کبوتر کی دو قسمیں ہیں ایک وہ جن کی ٹانگوں پر بال نہیں ہوتے اور یہ بڑے تیز رفتار ہوتے ہیں اور صید میں داخل ہیں دوسرے وہ جو مسرول ہوتے ہیں ان کی ٹانگوں پر اس قدر بال ہوتے ہیں گویا انہوں نے شلوار پہن رکھی ہے اسی کو پاموز کہتے ہیں یہ کبوتر سست رفتار ہوتے ہیں ان کی سستی کی وجہ سے شبہ ہوسکتا تھا کہ شاید یہ صید میں داخل نہ ہوں مصنفؒ اسی شبہ کا ازالہ کررہے ہیں امام مالکؒ کے یہاں پاموز کبوتر صید نہیں کیونکہ مانوس ہے وحشی نہیں لہذا وہ بطخ کے حکم میں ہے ہم یہ کہتے ہیں کہ وجوب جزا میں اصل خلقت کے اعتبار سے متوحش ہونے کا اعتبار ہے اور کبوتر اصل خلقت کے اعتبار سے وحشی ہے گو وہ اپنے بھاری پن کی وجہ سے تیز رو

ہونے کی وجہ سے واجب ہوا تھا اور اگر سال گزر جائے تو پھر نہ ہوگا۔

فَمَنْ جَاوَزَ الْمِيقَاتَ غَيْرَ مُحْرِمٍ ثُمَّ عَادَ مُحْرِمًا مُلَبِّيًا: اگر میقات سے بغیر احرام آگے بڑھ جانے والا شخص احرام باندھنے سے پہلے کسی میقات پر واپس آکر احرام باندھ لے اور پھر احرام کی حالت میں میقات سے آگے جائے تو بالا جماع اس پر دم واجب نہیں ہے (یعنی دم مجاوزت ساقط ہو جائیگا) کیونکہ جب وہ احرام باندھنے سے پہلے میقات کی طرف لوٹ آیا اور میقات پر احرام باندھ لیا تو اس کا بغیر احرام آگے جانا کالعدم ہو گیا اور اب میقات سے اس کے احرام کی ابتداء ہوگی۔

أَوْ جَاوَزَ ثُمَّ أَحْرَمَ بِعُمْرَةٍ ثُمَّ أَفْسَدَ وَقَضَى بَطَلَ الدَّمُ: اور اگر وہ شخص جو بلا احرام میقات سے آگے گیا ہے میقات پر واپس نہ آیا لیکن اس نے عمرہ کے احرام کی صورت میں طواف عمرہ سے پہلے جماع کرکے عمرہ کا احرام فاسد کر دیا اس سے دم مجاوزت ساقط ہو جائیگا کیونکہ اس دم کا تدارک عمرہ کی قضاء کے ساتھ ہو جائیگا

فَلَوْ دَخَلَ الْكُوفِيُّ الْبُسْتَانَ لِحَاجَةٍ لَهُ دُخُولُ مَكَّةَ بِغَيْرِ إِحْرَامٍ وَوَقْتُهُ الْبُسْتَانُ: اگر ایک کوفی یعنی آفاقی کسی ضرورت سے بستان بنی عامر میں داخل ہوا اس وقت مکہ میں داخل ہونے کا ارادہ نہیں تھا لیکن بعد میں مکہ کا ارادہ ہو گیا تو اس کو بلا احرام مکہ میں داخل ہونا جائز ہے کیونکہ بستان بنی عامر واجب التعظیم نہیں لہذا اس کے ارادہ سے احرام باندھنا بھی لازم نہیں اور جب وہ بستان میں داخل ہو گیا تو اہل بستان کے ساتھ لاحق ہو گیا تو جس طرح اہل بستان کیلئے بلا احرام مکہ میں داخل ہونا جائز ہے اسی طرح اس کیلئے بھی جائز ہے اب اگر یہ حج یا عمرہ کا ارادہ کرے تو اس کیلئے میقات بستان ہے یعنی حل جو اہل بستان کیلئے میقات ہے۔

کوئی آفاقی مکہ یا حدود حرم میں بلا احرام داخل ہوا تو اس پر ایک حج یا عمرہ واجب ہوگا

وَمَنْ دَخَلَ مَكَّةَ بِغَيْرِ إِحْرَامٍ وَجَبَ عَلَيْهِ أَحَدُ النُّسُكَيْنِ ثُمَّ حَجَّ عَمَّا عَلَيْهِ فِي عَامِهِ ذَلِكَ صَحَّ عَنْ دُخُولِهِ مَكَّةَ بِلَا إِحْرَامٍ لَا إِنْ تَحَوَّلَتِ السَّنَةُ: اگر کوئی آفاقی شخص مکہ یا حدود حرم میں داخل ہونے کا ارادہ رکھتے ہوئے بلا احرام میقات سے آگے چلا گیا تو اس پر ایک حج یا عمرہ واجب ہو جائیگا کیونکہ مکہ مکرمہ یا حدود حرم میں داخل ہونے کا ارادہ رکھتے ہوئے جبکہ بلا احرام میقات سے آگے جانا اس مکان مقدس کی تعظیم کی وجہ سے احرام ہے تو میقات سے آگے جانا واجب اور احرام کو لازم کرتا ہے اور اسی طرح اس پر حدود میقات سے اندر کی طرف احرام کے بغیر گذر جانے کی جنایت کا دم بھی واجب ہوگا اور اگر اس نے احرام باندھنے کے بعد کسی میقات پر واپس آکر لبیک کہہ لیا تو اس سے دم مجاوزت بھی ساقط ہو جائیگا پس اگر وہ اسی سال کسی میقات پر لوٹ آیا اور حج فرض قضا یا ادا یا حج نذر وغیرہ کا احرام باندھ لیا تو بلا احرام داخل ہونے کی وجہ سے جو غیر متعین حج یا عمرہ اس پر واجب ہوا تھا ساقط ہو جائیگا اور اسی طرح بلا احرام میقات سے گذر جانے کا جو دم (قربانی) اس پر واجب ہوا تھا وہ میقات پر احرام باندھ کر لبیک کہنے سے اس کے ذمہ سے اتر جائیگا اگر وہ سال گذر جائے جس میں وہ بلا احرام حدود حرم میں داخل ہوا تھا اس کے بعد وہ میقات کی طرف لوٹے اور وہاں سے فرض حج ادا یا قضا یا حج نذر یا عمرہ نذر یا سنت یا مستحب کا احرام باندھے تو

الصحیح ﴿ اب اگر اس آفاقی نے مکہ میں داخل ہونے سے پہلے عرفات کا وقوف کر لیا تو یہ شخص عمرہ کو چھوڑنے والا ہوگا کیونکہ وقوف عرفہ کے بعد حج پر عمرہ داخل کرنا ممنوع ہے اور اگر یہ آفاقی عرفات کی طرف متوجہ ہوا تو یہ شخص متوجہ ہونے سے عمرہ کا ترک کرنے والا شمار نہ ہوگا یہاں تک کہ وقوف عرفہ کرے۔

فَلَوْ طَافَ لِلْحَجِّ ثُمَّ أَحْرَمَ بِعُمْرَةٍ وَمَضَى عَلَيْهِمَا يَجِبُ دَمٌ وَنُدِبَ رَفْضُهَا: اور اگر آفاقی نے طواف قدوم شروع کرنے کے بعد عمرہ کا احرام باندھا اور دونوں کو ادا کر لیا تو اس پر دم واجب ہوگا پھر اس میں اختلاف ہے کہ یہ دم جبر ہے یا دم شکر ہے فخر الاسلام کے ہاں مختار یہ ہے کہ دم جبر ہے اور شمس الائمہ کے ہاں دم شکر ہے اور اس اختلاف کا نتیجہ گوشت کھانے کے جواز اور عدم جواز میں ظاہر ہوگا اور اب اس کیلئے عمرہ کو ترک کرنا مستحب ہے کیونکہ طواف قدوم کی وجہ سے حج متاکد ہو گیا ہے پھر اگر اس نے عمرہ کو ترک کر دیا تو اس کی قضاء کرے اور اس کے ترک کی وجہ سے اس پر دم رفض بھی واجب ہوگا۔

وَإِنْ أَهَلَّ بِعُمْرَةٍ يَوْمَ النَّحْرِ لَزِمَتْهُ وَلَزِمَهُ الرَّفْضُ وَالدَّمُ وَالْقَضَاءُ فَإِنْ مَضَى عَلَيْهَا صَحَّ وَيَجِبُ دَمٌ: اور اگر آفاقی نے وقوف عرفہ کے بعد قربانی کے دن یا ایام تشریق میں حلق سے پہلے عمرہ کا احرام باندھ لیا تو وہ عمرہ کراہت تحریمی کے ساتھ لازم ہو جائیگا اور گناہ سے بچنے کیلئے اسکا ترک کرنا بالاتفاق واجب ہوگا اور اس پر دم رفض اور عمرہ کی قضا واجب ہوگی اور اگر اس نے حلق کے بعد عمرہ کا احرام باندھا تو ترک عمرہ میں اختلاف ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ اس صورت میں بھی عمرہ کو ترک کرنا واجب ہے اور اگر اس نے عمرہ کو نہ چھوڑا بلکہ پورا کر لیا تو کافی ہو جائیگا البتہ حج و عمرہ کو جمع کرنے کی وجہ سے اس پر دم جمع واجب ہوگا۔

وَمَنْ فَاتَهُ الْحَجُّ فَأَحْرَمَ بِعُمْرَةٍ أَوْ حَجَّةٍ رَفَضَهَا: اگر کسی کا حج فوت ہو گیا پھر اس نے فوت شدہ حج کیلئے عمرہ کے افعال ادا کر کے حلال ہونے سے پہلے نئے عمرہ کا یا نئے حج کا احرام باندھ دیا تو اس کو اس ملحقہ عمرہ اور حج کا احرام ترک کرنا واجب ہے اس لئے کہ جس کا حج فوت ہو جاتا ہے وہ افعال عمرہ ادا کر کے حج کے احرام سے حلال ہو جاتا ہے اگرچہ اس سے اس کے حج کا احرام عمرہ کے احرام میں منتقل نہیں ہوتا پس وہ نئے عمرہ کا احرام باندھنے سے افعال کے اعتبار سے دو عمروں کو جمع کرنے والا ہو جائیگا اس لئے اس پر نئے عمرہ کا ترک کرنا لازم ہوگا اور دو حجوں یا دو عمروں کو جمع کرنا غیر مشروع ہے۔

بَابُ الْإِحْصَارِ

محصر ہو جانے کا بیان

احصار کا لغوی معنی ہے روک لیا جانا اور اصطلاح فقہ میں احصار یہ ہے کہ احرام کے بعد حج یا عمرہ کے کسی رکن کے پورا کرنے سے روکا جائے جس شخص کے ساتھ ایسا واقعہ پیش آ جائے اس کو محصر کہتے ہیں چونکہ یہ بھی ایک قسم کی جنایت ہے (یعنی جس طرح دم جنایت سے جانی کو کھانا جائز نہیں اسی طرح محصر کو دم احصار سے کھانا بھی درست نہیں اس لئے اس کو علیحدہ باب میں باب الجنایات کے بعد ذکر کیا

والے دو مینڈھے ذبح کئے ان میں سے ایک اپنی طرف سے اور دوسرا اپنی امت یعنی جو لوگ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور رسول اللہ ﷺ کی رسالت پر ایمان لائے ہیں ان کی طرف سے ذبح کیا اور اس میں آنحضرت ﷺ کی طرف سے امت کو تعلیم دی گئی ہے کہ انسان کو دوسرے شخص کا عمل نفع دیتا ہے رہی یہ بات کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿ان لیس للانسان الا ما سعیٰ﴾۔ تو اس آیت کے بہت سے معانی اور متعدد تاویلات ہیں سب سے زیادہ مناسب وہ قول ہے جس کو محقق امام ابن الہمامؒ نے اختیار کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ اس آیت کا مضمون مقید ہے یعنی عامل اگر اپنا عمل کسی کو بخش دے تو اس کو اس کا نفع حاصل ہوگا۔

اَلنِّيَابَةُ تَجْزِيْ فِي الْعِبَادَةِ الْمَالِيَّةِ عِنْدَ الْعَجْزِ وَالْقُدْرَةِ وَلَمْ تَجُزْ فِي الْبَدَنِيَّةِ بِحَالٍ وَفِي الْمُرَكَّبِ مِنْهُمَا تَجْزِيْ عِنْدَ الْعَجْزِ فَقَطْ وَالشَّرْطُ الْعَجْزُ الدَّائِمُ إِلٰى وَقْتِ الْمَوْتِ وَإِنَّمَا شَرْطُ عَجْزِ الْمَنُوْبِ لِلْحَجِّ الْفَرْضِ لَا لِلنَّفْلِ وَمَنْ أَحْرَمَ عَنْ آمِرَيْهِ ضَمِنَ النَّفَقَةَ وَدَمُ الْإِحْصَارِ عَلَى الْآمِرِ وَدَمُ الْقِرَانِ وَدَمُ الْجِنَايَةِ عَلَى الْمَأْمُوْرِ فَإِنْ مَاتَ فِيْ طَرِيْقِهِ يُحَجُّ عَنْهُ مِنْ مَنْزِلِهِ بِثُلُثِ مَا بَقِيَ وَمَنْ أَهَلَّ بِحَجٍّ عَنْ أَبَوَيْهِ فَعَيَّنَ صَحَّ

ترجمہ: مالی عبادات میں عجز و قدرت کے وقت نیابت ہو سکتی ہے اور بدنی عبادات میں کسی حالت میں نہیں ہو سکتی اور جو ان دونوں سے مرکب ہو اس میں صرف عجز کے وقت نیابت ہو سکتی ہے اور شرط موت کے وقت تک عجز کا باقی رہنا ہے اور نائب بنانے والے کا فرض حج سے عاجز ہونا شرط ہے نہ کہ نفلی حج میں اور جس نے دو حکم کرنے والوں کی طرف سے احرام باندھا تو وہ نفقہ کا ضامن ہوگا اور دم احصار آمر پر ہوگا اور دم قران اور دم جنایت مامور پر ہوگا۔ اگر نائب راستہ میں مر جائے تو اس کی طرف سے اس کے گھر سے باقی ماندہ مال کی تہائی سے حج کرایا جائے اور جس نے والدین کی طرف سے حج کا احرام باندھا پھر کسی ایک کیلئے متعین کر دیا تو صحیح ہے۔

عبادات شرعیہ کی انواع ثلاثہ میں سے کس میں نیابت جائز ہے

اَلنِّيَابَةُ تَجْزِيْ فِي الْعِبَادَةِ الْمَالِيَّةِ عِنْدَ الْعَجْزِ وَالْقُدْرَةِ وَلَمْ تَجُزْ فِي الْبَدَنِيَّةِ بِحَالٍ وَفِي الْمُرَكَّبِ مِنْهُمَا تَجْزِيْ عِنْدَ الْعَجْزِ فَقَطْ وَالشَّرْطُ الْعَجْزُ الدَّائِمُ إِلٰى وَقْتِ الْمَوْتِ وَإِنَّمَا شَرْطُ عَجْزِ الْمَنُوْبِ لِلْحَجِّ الْفَرْضِ لَا لِلنَّفْلِ: عبادات شرعیہ کی تین انواع ہیں نمبر ۱۔ محض مالی عبادات، جیسے زکوٰۃ، صدقات، کفارات اور عشر ہیں۔ نمبر ۲۔ محض بدنی عبادات، جیسے نماز، روزہ اور جہاد ہیں۔ نمبر ۳۔ دونوں سے مرکب عبادات، جیسے حج ہے۔ کہ اس میں بدن کا بھی دخل ہے اور مال کا بھی چنانچہ جو عبادات محض مالی ہیں ان میں علی الاطلاق نیابت جائز ہے، خواہ جس پر عبادت واجب ہوئی ہے وہ خود ادا کرنے پر قادر ہو یا نہ ہو کیونکہ اس میں مال نکالنا واجب ہوتا ہے اور یہ مقصد نائب کے فعل سے بھی حاصل ہو سکتا ہے اگر چہ وہ نائب ذمی کافر ہو اس لئے کہ وکیل بنانے والے کی نیت کا اعتبار ہے اور محض بدنی عبادات میں مطلقاً یعنی قدرت و عجز کی حالت میں بھی نیابت جاری نہیں ہو سکتی چنانچہ حدیث شریف میں ہے۔ لا یصوم احد عن احد ولا یصلی احد عن احد یعنی

جہاں پہلا مامور فوت ہوا ہے وہاں سے اس کی طرف سے حج کرایا جائیگا اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک پہلے تہائی حصے سے اگر کچھ بچ جائے تو دوسرا حج اس سے کرایا جائے اگر ممکن ہو اور اگر ممکن نہ ہو تو مرنے والے کی وصیت باطل ہو جائیگی اور امام محمدؒ کے نزدیک جو مال نائب کو ادا کر دیا گیا تھا اگر اس سے دوسرا حج کرایا جائے اور اگر کچھ نہیں بچا یا جو بچا ہے اس سے حج کرنا ممکن نہیں ہے تو ایسی صورت میں اس کی وصیت باطل ہو جائیگی۔

وَمَنْ اَهَلَّ بِحَجٍّ عَنْ اَبَوَيْهِ فَعَيَّنَ صَحَّ: جس شخص نے اپنے والدین کی طرف سے حج کا احرام باندھا پھر ان میں سے کسی ایک کے نام کر دیا تو جائز ہے خواہ وقوف عرفہ اور طواف زیارت کے بعد ہی ہو بشرطیکہ یہ ان کی طرف سے مامور نہ ہو چونکہ اس میں امر کی مخالفت نہ ہوگی پس حج تو فی الحقیقت اس کی طرف سے واقع ہوتا ہے اس کا ثواب والدین کو دیا جاتا ہے اور پہلے اس کا ارادہ یہ تھا کہ اس حج کا ثواب ان دونوں کے نام کرے پھر اس کا ارادہ بدل گیا اور اس نے یہ ثواب کسی ایک کے نام کر دیا۔

بَابُ الْهَدْيِ

ہدی کا بیان

ہدی تمتع یا قران، احصار یا جزائے صید یا کسی اور جنایت کے کفارہ کی ہوتی ہے اس لئے مصنفؒ نے اس کو سب سے آخر میں بیان فرمایا ہدی اس جانور کو کہتے ہیں جس کو حاجی ہدیہ کے طور پر اپنے ساتھ لیجاتا ہے یا کسی حاجی کے ساتھ روانہ کرتا ہے تاکہ وہ حرم میں ذبح کرے اور وہاں اس کا گوشت صدقہ کر کے حق تعالیٰ کی رضامندی اور ثواب حاصل کرے پس حق تعالیٰ کی رضامندی اور ثواب کا تعلق حرم کی تعظیم کیلئے اس کو ذبح کرنے سے ہے اور اس کا گوشت صدقہ کرنا اس کے بعد ہوتا ہے۔

اَدْنَاهُ شَاةٌ وَهُوَ اِبِلٌ وَبَقَرٌ وَغَنَمٌ وَمَا جَازَ فِي الضَّحَايَا جَازَ فِي الْهَدَايَا وَالشَّاةُ تَجُوْزُ فِيْ كُلِّ شَيْءٍ اِلَّا فِيْ طَوَافِ الرُّكْنِ جُنُبًا وَوَطْءٍ بَعْدَ الْوُقُوْفِ وَيَاْكُلُ مِنْ هَدْيِ التَّطَوُّعِ وَالْمُتْعَةِ وَالْقِرَانِ وَخَصَّ ذَبْحَ هَدْيِ الْمُتْعَةِ وَالْقِرَانِ بِيَوْمِ النَّحْرِ فَقَطْ وَالْكُلُّ بِالْحَرَمِ لَا بِفَقِيْرِهٖ.

ترجمہ: کم سے کم ہدی بکری ہے اور اونٹ، گائے، بکری سب کی ہدی ہو سکتی ہے اور جو جانور قربانی میں جائز ہے وہ ہدی میں بھی جائز ہے اور بکری ہر چیز میں جائز ہے سوائے طواف رکن کے جنابت کی حالت میں (کیا ہو) اور جماع کے جو وقوف کے بعد کیا ہو اور صرف نفل، تمتع اور قران کی ہدی سے کھایا جا سکتا تمتع اور قران کی ہدی کا ذبح کرنا قربانی کے دن کے ساتھ مخصوص ہے اور ہر قسم کی ہدی حرم کیساتھ مخصوص ہے نہ کہ اس کے فقیر کے ساتھ۔

اَدْنَاهُ شَاةٌ وَهُوَ اِبِلٌ وَبَقَرٌ وَغَنَمٌ: ہدی کی تین قسمیں ہیں سب سے افضل اونٹ ہے جس کی عمر کم از کم پانچ سال ہو پھر گائے بیل ہے جس کی کم از کم عمر دو سال ہو اور سب سے کمتر بکری ہے جو کم از کم ایک سال کی ہو۔

وَمَا جَازَ فِي الضَّحَايَا جَازَ فِي الْهَدَايَا وَالشَّاةُ تَجُوْزُ فِيْ كُلِّ شَيْءٍ اِلَّا فِيْ طَوَافِ الرُّكْنِ جُنُبًا وَوَطْءٍ

بَعْدَ الْوُقُوفِ یعنی جو جو جانور جن شرائط کے ساتھ قربانی کیلئے چنے جاتے ہیں وہی جانور انہیں شرائط کے ساتھ ہدی کیلئے بھی لئے جائیں گے اور ہر وہ دم جس کا تعلق حج سے ہو مثلاً دم جنایت، دم شکر، دم احصار وغیرہ تو ان سب میں بکری دینا ہوگی البتہ دو جنایت میں بدنہ لازم ہوتا ہے ایک تو حالت جنابت میں طواف زیارت کرنے سے اور ایک وقوف عرفہ کے بعد طواف زیارت سے پہلے جماع کرنے سے کیونکہ یہ دونوں جنایتیں بہت بڑی ہیں لہٰذا جنایت صغیرہ اور کبیرہ میں تفاوت کو ظاہر کرنے کیلئے اس نقصان کا ازالہ بھی ہدی کبیر یعنی بدنہ سے ضروری ہوگا۔

وَيَأْكُلُ مِنْ هَدْيِ التَّطَوُّعِ وَالْمُتْعَةِ وَالْقِرَانِ: نفل ہدی، ہدی تمتع، ہدی قران تینوں کا گوشت اس کا مالک کھا سکتا ہے بلکہ کھانا مستحب ہے کیونکہ یہ تینوں قربانی کی طرح ہیں اور قربانی کا گوشت کھانا مستحب ہے دوسری بات ہے جناب رسول اللہ ﷺ نے اپنی ہدی کے جانور کا گوشت کھایا البتہ دوسری جنایت کے دم کا گوشت کھانا جائز نہیں ہے اس لئے کہ یہ کفارات کے دم ہیں اور کفارات کی قربانی میں سے مالک کو کھانا جائز نہیں ہے اگر ان سے کھا لیا تو بقدر قیمت تاوان دینا واجب ہوگا۔

وَخَصَّ ذَبْحَ هَدْيِ الْمُتْعَةِ وَالْقِرَانِ بِيَوْمِ النَّحْرِ فَقَطْ وَالْكُلَّ بِالْحَرَمِ لَا بِفَقِيرِهِ: تمتع اور قران کی قربانی کیلئے ایام نحر ضروری تھے ہیں اس لئے کہ یہ شکر کی قربانی ہے لہٰذا یہ اضحیہ کی طرح ہوئے ان کا ثواب ان کے ایام متعینہ ہی میں مل سکتا ہے البتہ ان دونوں کے علاوہ اور جتنے دم ہیں ان کو جب چاہے ذبح کر سکتا ہے ان کیلئے کوئی وقت متعین نہیں ہے البتہ یہ ضروری ہے کہ ان کو حرم میں ذبح کیا جائے حل میں ذبح کرنا جائز نہیں ہے اس لئے کہ یہ ہدی تب بنیں گے کہ جب یہ حرم میں پہونچیں گے البتہ اس کے صدقہ کیلئے فقراء حرم کا ہونا ضروری نہیں بلکہ حل کے فقراء پر بھی تقسیم کر سکتا ہے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ﴿واطعموا القانع والمعتر﴾ اس بارے میں مطلق ہے۔

وَلَا يَجِبُ التَّعْرِيفُ بِالْهَدْيِ وَيَتَصَدَّقُ بِجِلَالِهَا وَخِطَامِهَا وَلَمْ يُعْطِ أُجْرَةَ الْجَزَّارِ مِنْهَا وَلَا يَرْكَبُهُ بِلَا ضَرُورَةٍ وَلَا يَحْلُبُهُ وَيَنْضَحُ ضَرْعَهُ بِالنُّقَاخِ وَإِنْ عَطِبَ وَاجِبًا أَوْ تَعَيَّبَ أَقَامَ غَيْرَهُ مَقَامَهُ وَالْمَعِيبُ لَهُ وَلَوْ تَطَوُّعٌ نَحَرَهُ وَصَبَغَ نَعْلَهُ بِدَمِهِ وَضَرَبَ بِهِ صَفْحَتَهُ وَلَمْ يَأْكُلْهُ غَنِيٌّ وَيُقَلِّدُ بَدَنَةَ التَّطَوُّعِ وَالْقِرَانِ وَالْمُتْعَةِ فَقَطْ:

ترجمہ: اور ہدی کی تعریف واجب نہیں اور اس کی جھول اور ہدی کو صدقہ کردے اور اس میں قصائی کی اجرت نہ دے اور نہ بلا ضرورت اس پر سوار ہو اور نہ اس کا دودھ دوہے اور اس کے تھنوں پر ٹھنڈا پانی چھڑک دے پس اگر ہدی واجب ہلاک ہو جائے یا عیب دار ہو جائے تو اس کی جگہ دوسری کردے اور عیب دار اس کی رہے گی اور اگر نفلی ہو تو ذبح کردے اور اس کے سم اس کے خون سے رنگ دے اور اس کی بان کی طرف خون کا ایک چھاپ لگا دے اور اس سے مالدار نہ کھائے اور صرف نفل تمتع اور قران کے ہدی (کے گلے) میں پٹہ ڈالا جا سکے۔

وَلَا يَجِبُ التَّعْرِيفُ بِالْهَدْيِ: ہدی کی پہچان کیلئے پٹہ ڈالنا اور عرفات کی طرف لیجانا وغیرہ کوئی چیز واجب نہیں ہے۔

وَتَصَدَّقَ بِجِلَالِهَا وَخِطَامِهَا وَلَمْ يُعْطِ أَجْرَةَ الْجَزَّارِ مِنْهَا: اور جانور کے جھول رسی وغیرہ کو صدقہ کردے اور قصاب کو اجرت کے طور نہ دے کیونکہ حضرت علیؓ فرماتے ہیں امرنی رسول اللہ ﷺ ان اقوم علی بدنہ وان تصدق بلحومها جلودها واجلتها وان لا اعطی الجزار منها قال: نحن نعطیہ من عندنا. کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے حکم دیا کہ میں قربانی کے اونٹوں پر کھڑا رہوں اور ان کے گوشت اور کھالوں اور جھولوں کو صدقہ کردوں اور قصاب کی اجرت اس میں سے نہ دوں حضرت علیؓ نے فرمایا قصاب کی اجرت ہم اپنے پاس سے دیں گے۔

بلاضرورت ہدی پر سوار ہونا مکروہ تحریمی ہے

وَلَا يَرْكَبُهُ بِلَا ضَرُورَةٍ: بلاضرورت نہ اس پر سوار ہو نہ اس پر بوجھ لادے کیونکہ ہدی کی تعظیم واجب ہے اور بوجھ لادنے اور سوار ہونے میں اس کی تذلیل ہے پس یہ امور تعظیم کے منافی ہیں اس لئے منع اور مکروہ تحریمی ہیں اگر سوار ہونے یا بوجھ لادنے پر مجبور ہو جائے تو ایسا کرلے اور جب اس کی ضرورت نہ رہے تو اس فعل کو ترک کردے کیونکہ حضرت جابرؓ فرماتے ہیں: سمعت النبی ﷺ یقول ارکبها بالمعروف حتی تجد ظهرا. کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا جب تک دوسری سواری نہ ملے اس پر بقدر ضرورت سواری کر سکتے ہو۔

وَلَا يَحْلُبُهُ وَيَنْضَحُ ضَرْعَهُ بِالنُّقَاخِ: اگر ہدی کا جانور دودھ والا ہو تو اس کا دودھ نہ نکالے اگر ذبح کا وقت قریب ہو اور دودھ کثرت سے ٹپکتا ہو اور دودھ نکالنے سے نقصان ہو تو اس کے تھنوں پر ٹھنڈا پانی چھڑک دے تاکہ دودھ اتر نا بند ہو جائے اور اگر ذبح کا وقت دور ہو اور دودھ نہ نکالنے سے نقصان ہو تو اس کا دودھ نکال کر فقراء پر صدقہ کردے تاکہ اس جانور کو اس سے نقصان نہ ہو اور اگر اس کو خود اپنے استعمال میں لایا یا اس کو ضائع کر دیا یا کسی مالدار کو دے دیا تو اس کی قیمت کا ضامن ہو گا پس اتنا ہی دودھ یا اس کی قیمت صدقہ کرنا واجب ہو گا۔

وَإِنْ عَطِبَ وَاجِبًا أَوْ تَعَيَّبَ أَقَامَ غَيْرَهُ مَقَامَهُ وَالْمَعِيبُ لَهُ وَلَوْ تَطَوُّعٌ نَحَرَهُ: اگر ہدی کا جانور قریب الہلاک ہو گیا یا کسی عیب سے معیوب ہو گیا مثلاً دم بریدہ ہو یا کان بریدہ ہو یا آنکھ سے محروم ہو تو اس قسم کا جانور ذبح کرنا جائز نہیں ہے اب اگر کوئی واجب دم ہو تو اس معیوب جانور کو ذبح نہ کرے بلکہ صحیح اور بے عیب جانور اس کے بدلہ میں ذبح کرے اور اس معیوب جانور پر اسے اختیار ہے کہ جو کچھ چاہے کرے خواہ فروخت کرے یا کسی اور کام میں لائے کیونکہ یہ دوسری املاک کی طرح اس کی ملک ہے اور اگر وہ نفلی ہدی ہے تو اسی کو ذبح کردے یہی اس کیلئے کافی اور اس پر کچھ لازم نہ ہو گا۔

وَصَبَغَ نَعْلَهُ بِدَمِهِ وَضَرَبَ بِهِ صَفْحَتَهُ وَلَمْ يَأْكُلْهُ غَنِيٌّ: ہدی کے قلادہ کو اس کے خون سے رنگ دینے سے اور اس کے کوہان پر ضرب لگانے سے لوگوں کو معلوم ہو جائیگا کہ یہ ہدی ہے اس کے ذریعہ حرم کا تقرب حاصل کیا گیا ہے تاکہ کوئی غنی آدمی نہ کھائے بلکہ فقراء ہی کھائیں۔

لوگوں میں قتل وقتال زیادہ ہوگا اور فتنہ برانگیختہ ہوگا اور حج صحیح ہونے یا نہ ہونے کے بارے میں مسلمانوں کے شکوک وشبہات بڑھیں گے اور قطع منازل اور زر کثیر کے خرچ کرنے کی وجہ سے قلب سخت مکدر ہوں گے (تبیین مع اضافہ)

وَلَوْ تَرَکَ الْجَمْرَةَ الْاُوْلٰی فِی الْیَوْمِ الثَّانِیْ رَمَی الْکُلَّ اَوِ الْاُوْلٰی فَقَطْ : اگر ایک شخص نے گیارھویں تاریخ کو جمرہ ثانیہ اور ثالثہ کی رمی کی اور جمرہ اولیٰ کی رمی چھوڑ دی تو قضاء کے وقت اگر جمرات ثلثہ کی رمی بالترتیب کی تو بہتر ہے اور اگر فقط جمرہ اولیٰ کی رمی کی اور باقی دونوں کی نہ کی تو بھی جائز ہے اس لئے کہ رمی جمرات کی ترتیب مسنون ہے نہ کہ واجب دوسری بات یہ ہے کہ ہر جمرہ قربت مستقلہ ہے ایک دوسرے کے تابع نہیں ہے۔

کسی نے پیدل حج کرنے کی نذر مانی تو اسکا حکم

وَمَنْ اَوْجَبَ حَجًّا مَاشِیًا لَا یَرْکَبُ حَتّٰی یَطُوْفَ لِلرُّکْنِ : اگر کسی شخص نے پیدل حج کرنے کی نذر مانی تو اس پر واجب ہے کہ وہ سواری پر سوار نہ ہو یہاں تک کہ وہ طواف زیارت کرے کیونکہ اس نے اپنے اوپر کامل مشقت کے ساتھ حج کا التزام کیا ہے لہٰذا اس کو اسی طرح پورا کرنا ضروری ہے اور صحیح یہ ہے کہ اپنے گھر سے پیدل چلنا ضروری ہے یہاں تک کہ طواف زیارت سے فارغ ہو جائے کیونکہ طواف الزیارة تک سب ارکان ادا ہو جاتے ہیں اور اگر اس کے خلاف کریگا یعنی پورا راستہ یا اس کا اکثر حصہ سوار ہو کر قطع کرے گا تو دم واجب ہوگا اور اگر کمتر حصہ سوار ہوا تو اسی تناسب سے صدقہ کرنا لازم ہوگا۔ مثلاً چوتھائی حصہ سوار ہوا تو بکری کی قیمت کا چوتھائی صدقہ کرنا واجب ہوگا۔

وَلَوِ اشْتَرٰی مُحْرِمَةً حَلَّلَهَا وَجَامَعَهَا : ایک شخص نے محرمہ باندی خریدی جس نے اپنے آقا یعنی بائع کی اجازت سے احرام باندھا تھا تو بیع جائز ہے اور مشتری اگر محرم نہ ہو تو اس کیلئے اس باندی کو بال کترانے یا ناخن کاٹنے یا خوشبو لگانے کے ذریعے حلال کرکے جماع کرنا جائز ہے اور جماع کے ذریعے تحلیل کرنا جائز ہے البتہ امر حج کی تعظیم کی وجہ سے ایسا کرنا بہتر نہیں ہے۔

☆☆☆

☆☆

☆

کا استعمال، مسواک اور نکاح"۔ (ترمذی) (۲) ابن مسعودؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! "یا معشر الشباب من استطاع منکم الباءة فلیتزوج فانہ اغض للبصر واحصن للفرج" اے نوجوانوں کے گروہ! تم میں سے جو شخص جماعت کے لوازمات کی استطاعت رکھتا ہو اسے چاہئے کہ وہ نکاح کرے کیونکہ نکاح کرنا نظر کو بہت چھپاتا ہے اور شرمگاہ کو بہت محفوظ رکھتا ہے۔ (متفق علیہ) (۳) سعید بن ابی وقاصؓ سے مروی ہے فرماتے ہیں "رد رسول اللہ ﷺ علی عثمان بن مظعون التبتل ولو اذن له لاختصینا" رسول اللہ ﷺ نے عثمان ابن مظعونؓ کو تبتل (نکاح ترک کرنے) سے منع کر دیا تھا اگر آنحضرت ﷺ ان کو تبتل کی اجازت دیدیتے تو ہم بھی خصی ہو جاتے۔ (متفق علیہ) اور امام شافعیؒ کا ﴿وتبتل الیہ تبتیلا﴾ سے استدلال صحیح نہیں کیونکہ اس سے مراد رہبانیت مراد نہیں بلکہ زہد ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ دل میں اللہ کی محبت غالب ہو اور علائق دنیویہ اس میں رکاوٹ نہ بن سکیں اگر اس میں ترک نکاح کا حکم ہوتا تو اس کے پہلے مخاطب تو آنحضرت ﷺ ہی تھے جس کا تقاضا یہ تھا کہ آپ ﷺ بھی نکاح نہ فرماتے حالانکہ آپ ﷺ نے متعدد نکاح کئے جو اس بات کی دلیل ہے کہ آیت میں ترک نکاح مراد نہیں۔ اور "سیدا وحصورا" سے استدلال کا جواب یہ ہے کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام کی شریعت میں اگر ترک نکاح افضل ہو تو وہ مندرجہ بالا دلائل کی روشنی میں شریعت محمدیہ کیلئے حجت نہیں۔

هُوَ عَقْدٌ يَرِدُ عَلَى تَمَلُّكِ الْمُتْعَةِ قَصْدًا وَهُوَ سُنَّةٌ وَعِنْدَ التَّوَقَانِ وَاجِبٌ وَيَنْعَقِدُ بِإِيجَابٍ وَقَبُولٍ وُضِعَا لِلْمَاضِي أَوْ أَحَدُهُمَا وَإِنَّمَا يَصِحُّ بِلَفْظِ النِّكَاحِ وَالتَّزْوِيجِ مَا وُضِعَ لِتَمْلِيكِ الْعَيْنِ فِي الْحَالِ عِنْدَ حُرَّيْنِ أَوْ حُرٍّ وَحُرَّتَيْنِ عَاقِلَيْنِ بَالِغَيْنِ مُسْلِمَيْنِ وَلَوْ فَاسِقَيْنِ أَوْ مَحْدُودَيْنِ أَوْ أَعْمَيَيْنِ أَوِ ابْنَيِ الْعَاقِدَيْنِ وَصَحَّ تَزَوُّجُ مُسْلِمٍ ذِمِّيَّةً عِنْدَ ذِمِّيَّيْنِ وَمَنْ أَمَرَ رَجُلًا أَنْ يُزَوِّجَ صَغِيرَتَهُ فَزَوَّجَهَا عِنْدَ رَجُلٍ وَالْأَبُ حَاضِرٌ صَحَّ وَإِلَّا لَا۔

ترجمہ: نکاح ایک عقد ہے جو ملک متعہ پر قصداً وارد ہوتا ہے اور وہ سنت ہے اور غلبہ شہوت کے وقت واجب ہے اور ایسے ایجاب اور قبول کے ساتھ منعقد ہوتا ہے کہ وہ دونوں یا ان میں سے ایک گزشتہ زمانہ کیلئے موضوع ہو اور نکاح صرف لفظ نکاح اور تزویج اور ان الفاظ سے درست ہوتا ہے جو فی الحال تملیک عین کیلئے موضوع ہوں دو آزاد مرد یا ایک آزاد مرد اور دو آزاد عورتوں کی موجودگی میں جو عاقل بالغ اور مسلمان ہوں اگرچہ فاسق یا محدود (فی القذف) یا عاقدین کے بیٹے ہی ہوں اور مسلمان کا نکاح ذمیہ کے ساتھ دو ذمیوں کی موجودگی میں صحیح ہے اور جس شخص نے کسی دوسرے آدمی کو اپنی چھوٹی لڑکی کے نکاح کرنے کا حکم دیا اور اس نے ایک مرد کے ساتھ نکاح کر دیا اور باپ موجود ہے تو نکاح صحیح ہے ورنہ نہیں۔

هُوَ عَقْدٌ يَرِدُ عَلَى تَمَلُّكِ الْمُتْعَةِ قَصْدًا: کوئی معاملہ کرتے وقت جو کلام پہلے کیا جائے وہ ایجاب کہلاتا ہے، اردو میں اسے پیش کش بھی کہتے ہیں۔ دوسرا فریق اس کے جواب میں جو کلام کرتا ہے اسے قبول کہتے ہیں نیز اسے رضامندی بھی کہتے ہیں

معاملہ کو عربی میں عقد اور معاملہ کرنے والے دونوں فریق کو عاقدین کہتے ہیں۔

وَهُوَ سُنَّةٌ وَعِنْدَ التَّوَقَانِ وَاجِبٌ: اس مسئلہ کی تفصیل کتاب النکاح کے شروع میں گذر چکی۔

وَضْعُهُمَا لِلْمَاضِي أَوْ أَحَدِهِمَا: ایجاب اور قبول دونوں فعل ماضی کیلئے موضوع ہوں اور یہ اعتراض نہ کیا جائے کہ ماضی کا صیغہ سابقہ کام کے موجود ہونے کی خبر دینے کیلئے آتا ہے۔ انشاء یعنی فی الحال کسی چیز کے ثبوت کو بیان کرنے کیلئے نہیں آتا اور نکاح کوئی الحال ثابت کیا جا رہا ہے اس لئے ماضی کے بجائے انشاء کا صیغہ استعمال کرنا چاہئے کیونکہ ماضی کا صیغہ اگرچہ لغت میں خبر دینے کے لئے مقرر کیا گیا ہے لیکن حاجت وضرورت کی وجہ سے شرع میں انشاء کیلئے مقرر کیا گیا ہے اس لئے ماضی کا صیغہ ہونا ضروری ہے خواہ ایجاب وقبول دونوں کیلئے ماضی کا صیغہ ہو یا ان میں سے کسی ایک کیلئے جیسے جملہ دعائیہ کی الفاظ اور افعال مدح و ذم میں ماضی کو انشاء کے معنی میں نقل کیا گیا ہے۔

وَيَنْعَقِدُ بِإِيجَابٍ وَقَبُولٍ وَإِنَّمَا يَصِحُّ بِلَفْظِ النِّكَاحِ وَالتَّزْوِيجِ مَا وُضِعَ لِتَمْلِيكِ الْعَيْنِ فِي الْحَالِ: نکاح ہر اس لفظ سے ہو جاتا ہے جو نکاح کیلئے صراحۃً موضوع ہو جیسے نکاح، انکاح، تزویج۔ "وما وضع" سے مصنف ایک ضابطہ بیان فرما رہے ہیں کہ ہر وہ لفظ جو تملیک عین فی الحال کیلئے وضع کیا گیا ہو اس کے ساتھ نکاح منعقد ہو جائیگا جیسے لفظ ہبہ، بیع، شراء، تملیک، صدقہ، عطیہ وغیرہ اور "العین" کی قید سے اعارہ واجارہ واباحت خارج ہو گئے کیونکہ یہ تملیک عین کیلئے موضوع نہیں بلکہ تملیک منفعت کیلئے موضوع ہیں "فی الحال" کی قید سے وصیت نکل گئی کیونکہ وصیت میں تملیک موت کے بعد ہوتی ہے۔ اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ صرف دو الفاظ (نکاح اور تزویج) سے نکاح منعقد ہو سکتا ہے کیونکہ ان دو لفظوں کے علاوہ باقی الفاظ نکاح کیلئے نہ حقیقۃً موضوع ہیں اور نہ مجازاً۔ احناف کہتے ہیں تملیک بواسطہ ملک رقبہ ملک متعہ کا سبب ہے اور اصول یہ ہے کہ سبب بول کر مسبب مراد لینا مجازاً درست ہے اگرچہ اس کا برعکس درست نہیں۔ لہٰذا تملیک وغیرہ الفاظ سے نکاح مراد لیا جا سکتا ہے۔

عِنْدَ حُرَّيْنِ أَوْ حُرٍّ وَحُرَّتَيْنِ عَاقِلَيْنِ بَالِغَيْنِ مُسْلِمَيْنِ وَلَوْ فَاسِقَيْنِ أَوْ مَحْدُودَيْنِ أَوْ أَعْمَيَيْنِ أَوِ ابْنَي الْعَاقِدَيْنِ: "عند" ظرف "ینعقد" سے متعلق ہے کہ نکاح سابقہ الفاظ کے ساتھ اس وقت منعقد ہوگا جبکہ دو آزاد مردوں کی موجودگی میں ہوا ہو۔ نیز یعنی بغیر گواہوں کے نکاح صحیح نہیں ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے "لا نکاح الا بشهود" (ترمذی) نیز حضرت عمرؓ کے پاس ایسے نکاح کا معاملہ لایا گیا کہ جس میں گواہ صرف ایک مرد اور ایک عورت تھی تو حضرت عمرؓ نے فرمایا: هذا نكاح السر فلا اجيزه، "یہ خفیہ نکاح ہے میں اس کو جائز قرار نہیں دے سکتا" (موطا مالک) امام زہری اور امام مالکؒ فرماتے ہیں بغیر گواہوں کے نکاح جائز ہے جبکہ اعلان کر دیا جائے کیونکہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: أعلنوا النكاح ولو بالدف. "نکاح کا اعلان کرو اگرچہ دف ہی کے ذریعے سے ہو" (ترمذی) اسی وجہ سے امام مالکؒ فرماتے ہیں اگر کسی نے دو گواہوں کی موجودگی میں نکاح کیا اور نکاح کو خفیہ رکھنے کی شرط لگائی تو نکاح جائز نہیں ہوگا۔ ہماری طرف سے جواب یہ ہے کہ اس حدیث سے مراد اعلان

چیز نہیں جو ہمارے خلاف ہو کیونکہ گواہوں کی موجودگی سے اعلان حاصل ہو جاتا ہے۔

پھر نکاح میں شہادت کیلئے گواہوں کا آزاد، عاقل، بالغ ہونا ضروری ہے کیونکہ غلام (خواہ مدبر ہو مکاتب ہو یا معتق بعض) اور بچہ اور مجنون اہل ولایت سے نہیں ہیں اور شہادت کا تعلق ولایت سے ہے جب ان کو اپنے اوپر ولایت حاصل نہیں تو دوسرے پر کیسے حاصل ہو سکتی ہے اور مسلمانوں کے نکاح میں گواہوں کا مسلمان ہونا بھی ضروری ہے کیونکہ کافر مسلمان کے خلاف گواہی نہیں دے سکتا اس لئے کہ اس کو مسلمان پر ولایت حاصل نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿ولن یجعل اللّٰہ للکافرین علی المؤمنین سبیلا﴾ اور ہمارے نزدیک دونوں گواہوں کا مرد ہونا ضروری نہیں ہے بلکہ ایک مرد اور دو عورتوں کی موجودگی سے نکاح منعقد ہو جائیگا۔ امام شافعیؒ کا اختلاف ہے اختلاف کی اصل یہ ہے امام شافعیؒ کے نزدیک مال اور اس کے توابع کے علاوہ میں عورت کی گواہی کا غیر مقبول ہوتا ہے۔ اسی طرح ہمارے نزدیک عدالت بھی شرط نہیں بلکہ دو فاسقوں اور محدود فی القذف کی موجودگی میں نکاح صحیح ہے اور امام شافعیؒ کا اس میں بھی اختلاف ہے وہ گواہوں کیلئے عدالت کو شرط قرار دیتے ہیں کیونکہ شہادت باب کرامت سے ہے اور فاسق اہانت کے لائق ہے لہذا فاسق کو گواہ بنا کر اس کی اہانت کی جانی چاہئے نہ کہ اس کو گواہ بنا کر ان کا اکرام کیا جائے۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ فاسق اہل ولایت سے ہے لہذا اہل شہادت سے بھی ہوگا اور فاسق کا اہل ولایت سے ہونا اس لئے ہے کہ شریعت نے اس کو اس کے مسلمان ہونے کی وجہ سے اپنی ذات پر ولایت سے محروم نہیں کیا لہذا غیر پر بھی ولایت سے محروم نہیں کیا جائیگا۔ کیونکہ وہ غیر بھی مسلمان ہونے کی وجہ سے اس کا ہم جنس ہے۔

وصح تزوج مسلم ذمیة عند ذمیین: اگر کوئی مسلمان کتابیہ عورت سے نکاح کرے دو ذمیوں کی موجودگی میں تو شیخینؒ کے نزدیک جائز ہے اور امام محمدؒ و امام زفرؒ کے نزدیک جائز نہیں۔ کیونکہ نکاح کے نکاح میں سماع شہادت ہے اور کافر کی شہادت مسلمان کے خلاف معتبر نہیں۔ تو گویا ذمیوں نے مسلمان کا کلام سنا ہی نہیں جب کلام کو سنا نہیں تو شہادت بھی نہیں پائی گئی لہذا نکاح منعقد نہیں ہوگا۔ شیخینؒ فرماتے ہیں نکاح میں ایک تو ملک بضع کو شوہر کیلئے ثابت کیا جاتا ہے۔ دوم عورت کیلئے شوہر پر مال مہر واجب ہوتا ہے اور نکاح میں ملک بضع علی الخصوص ثابت کرنا ہی اصل ہے یہی مقصود ہوتا ہے اور نکاح میں مال کوئی قابل احترام چیز نہیں حتی کہ اگر نکاح میں مال ذکر نہ کیا جائے تب بھی نکاح منعقد ہو جائیگا۔ پس معلوم ہوا کہ یہ گواہی شوہر کے حق میں ہے ذمیہ کے خلاف ہے ورنہ کافر کی گواہی مسلمان کے حق میں قبول کر لی جاتی ہے اگرچہ اس کے خلاف قبول نہیں کی جاتی۔ امام محمدؒ کی دلیل کا جواب یہ ہے کہ سماع کو عدم سماع پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے جس کا کوئی اعتبار نہیں۔

ومن امر رجلا ان یزوج صغیرته فزوجها عند رجل والاب حاضر صح والا لا: یہ مسئلہ اس پر متفرع ہے کہ جواز نکاح کیلئے دو گواہوں کا ہونا ضروری ہے اگر اس سے کم ہیں تو نکاح منعقد نہیں ہوگا۔ چنانچہ اگر کسی شخص نے اپنی صغیرہ بیٹی کے نکاح کا کسی مرد کو وکیل بنایا اور وکیل نے ایک گواہ کی موجودگی میں اس صغیرہ کا نکاح کیا اور اس لڑکی کا باپ موجود ہے تو باپ کو عاقد

اور وکیل کو دوسرا گواہ مان لیں گے کیونکہ نکاح میں حقوق مؤکل کی طرف لوٹتے ہیں اور وکیل تو سفیر محض ہوتا ہے۔ لہٰذا اب عاقد (باپ) کے علاوہ دو گواہ پائے گئے تو نکاح صحیح ہو جائیگا۔ اور اگر باپ مجلس نکاح میں موجود نہیں تو اختلاف مجلس کی وجہ سے باپ کو عاقد قرار دینا ممکن نہیں رہا۔ پس وکیل ہی عاقد ہوگا اس صورت میں صرف ایک گواہ باقی رہا اس وجہ سے نکاح منعقد نہیں ہوگا۔

فَصْلٌ فِی الْمُحَرَّمَاتِ

ان عورتوں کے بیان میں جو حرام کی گئی ہیں

مصنف مشروعیت نکاح کو بیان کرنے کے بعد محرمات کو بیان فرما رہے ہیں تاکہ محللات و محرمات کے درمیان امتیاز ہو سکے۔ وہ عورتیں جن سے نکاح حرام ہے دو قسم کی ہیں ایک وہ جن سے کبھی نکاح جائز نہیں مثلاً ماں، بہن وغیرہ۔ دوم جو بالفعل حرام ہیں کبھی حلال بھی ہو سکتی ہیں جیسے غیر کی منکوحہ یا معتدہ وغیرہ۔ پھر حرمت کے سات اسباب ہیں (۱) قرابت خاصہ (۲) نکاحی رشتہ (۳) رضاعت (۴) جمع کرنا (۵) مالک ہونا (۶) کفر (۷) آزاد عورت پر باندی کا نکاح میں لانا۔

حَرُمَ تَزَوُّجُ أُمِّهِ وَبِنْتِهِ وَإِنْ بَعُدَتَا وَأُخْتِهِ وَبِنْتِهَا وَبِنْتِ أَخِيهِ وَعَمَّتِهِ وَخَالَتِهِ وَأُمِّ امْرَأَتِهِ وَبِنْتِهَا إِنْ دَخَلَ بِهَا وَامْرَأَةِ أَبِيهِ وَابْنِهِ وَإِنْ بَعُدَا وَالْكُلُّ رَضَاعًا وَالْجَمْعُ بَيْنَ الْأُخْتَيْنِ نِكَاحًا وَوَطْئًا بِمِلْكِ الْيَمِينِ فَلَوْ تَزَوَّجَ أُخْتَ أَمَتِهِ الْمَوْطُوءَةِ لَمْ يَطَأْ وَاحِدَةً مِنْهُمَا حَتَّى يَبِيعَهَا وَلَوْ تَزَوَّجَ أُخْتَيْنِ فِي عَقْدَيْنِ وَلَمْ يَدْرِ الْأُولَى فُرِّقَ بَيْنَهُ وَبَيْنَهُمَا وَلَهُمَا نِصْفُ الْمَهْرِ وَبَيْنَ امْرَأَتَيْنِ أَيَّتُهُمَا فُرِضَتْ ذَكَرًا حَرُمَ النِّكَاحُ

ترجمہ: نکاح کرنا حرام ہے اپنی ماں اور بیٹی سے اگرچہ دور کی ہو اور اپنی بہن، بھانجی، بھتیجی، پھوپھی، خالہ، ساس اور بیوی کی لڑکی سے بشرطیکہ بیوی سے صحبت کر چکا ہو اور اپنے باپ کی بیوی سے اور بہو سے اگرچہ باپ اور بیٹا دور کا ہو اور یہ سب دودھ کے ناطے سے (بھی حرام ہیں) اور دو بہنوں کو نکاح میں جمع کرنا یا وطی میں ملک رقبہ کے ساتھ۔ پس اگر اپنی باندی کی بہن کے ساتھ نکاح کر لیا تو کسی ایک سے وطی نہ کرے یہاں تک کہ باندی کو فروخت کرائے اور اگر دو بہنوں سے دو عقدوں میں نکاح کیا اور اول معلوم نہ ہو تو مرد اور دونوں کے درمیان تفریق کی جائیگی اور دونوں کیلئے نصف مہر ہوگا۔ اور ایسی دو عورتوں کو جمع کرنا حرام ہے کہ ان میں سے کسی ایک کو مرد فرض کیا جائے تو (اس کا دوسری سے) نکاح کرنا حرام ہو۔

اپنی ماں اور اصول سے نکاح کرنا حرام ہے

حَرُمَ تَزَوُّجُ أُمِّهِ وَبِنْتِهِ وَإِنْ بَعُدَتَا وَأُخْتِهِ وَبِنْتِهَا وَبِنْتِ أَخِيهِ وَعَمَّتِهِ وَخَالَتِهِ وَأُمِّ امْرَأَتِهِ وَبِنْتِهَا إِنْ دَخَلَ بِهَا وَامْرَأَةِ أَبِيهِ وَابْنِهِ وَإِنْ بَعُدَا: اپنی ماں سے نکاح کرنا حرام ہے اسی طرح دادی اور دادی کی ماں، نانی اور نانی کی ماں وغیرہ سے نکاح حرام ہے کیونکہ قرآن کریم میں لفظ "ام" آیا ہے اور لغت میں ام کے معنی اصل کے ہیں تو اصول میں دادیاں اور نانیاں بھی شامل ہیں اگرچہ دور کی ہوں۔ یا ماؤوں کی حرمت تو کتاب اللہ سے ثابت ہے اور جدات کی حرمت اجماع سے ثابت ہے۔

یا دو کرہ عورتوں سے دو عقدوں میں نکاح کیا اور یہ معلوم نہیں کہ کس سے پہلے اور کس سے بعد میں کیا تو ایسی صورت میں قاضی ان کے درمیان تفریق کردیگا اور یہ تفریق طلاق بائن ہوگی کیونکہ ان دونوں میں سے ایک کا نکاح یقینی طور پر جائز اور ایک کا یقینی طور پر باطل ہے۔ اب دو ہی صورتیں ہیں ایک یہ کہ ایک کے نکاح کو متعین طور پر نافذ کردیا جائے اور ایک کو باطل۔ دوم یہ کہ جہالت کے ساتھ دونوں کے نکاح کو نافذ کردیا جائے لیکن یہ دونوں صورتیں ممکن نہیں۔ اول تو اس لئے کہ ایسا کرنے میں ترجیح بلا مرجح لازم آئیگی۔ دوسری صورت اس لئے ممکن نہیں کہ اولاً ایسا کرنے میں کوئی فائدہ نہیں اس لئے کہ نکاح کا مقصود وطی کا حلال ہونا ہے اور اس صورت میں یہ مقصود حاصل نہیں ہوسکتا۔ دوسری بات یہ کہ دونوں عورتوں کو ضرر ہے کیونکہ دونوں محبوس ہو کر رہ جائیں گی دوسری سے نکاح بھی نہیں کرسکتی ہیں۔ اور ان دونوں کا مہر اگر برابر تھا اور تفریق قبل الدخول ہے تو دونوں کو نصف مہر دیا جائیگا۔ دونوں آدھا آدھا تقسیم کرلیں گی کیونکہ نصف مہر ان دونوں میں سے اس کیلئے واجب ہے جو ان میں سے پہلی ہے اور یہ معلوم نہیں کہ پہلی کون ہے لہٰذا عدم اولویت کی وجہ سے کسی ایک کو ترجیح نہیں ہوگی۔

وبین امرأتین: یہاں سے ایک قاعدہ کلیہ بیان فرمارہے ہیں کہ ایسی دو عورتوں کو نکاح میں جمع کرنا حرام ہے کہ ان میں سے کسی ایک کو مرد فرض کرلیا جائے تو اس کیلئے دوسری حلال نہ ہو۔ بعض صحابہ کرامؓ نے بھی اس قاعدہ کو بیان کیا ہے جیسا کہ ابن عبد البرؒ سے مروی ہے۔ یہ استنباط نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے "لا تنکح المرأۃ علی عمتہا ولا علی خالتہا ولا علی ابنۃ أخیہا ولا علی ابنۃ أختہا" "نہ نکاح کیا جائے عورت سے اس کی پھوپھی پر اور نہ اس کی خالہ پر اور نہ اس کی بھتیجی پر اور نہ اس کی بھانجی پر"۔ (مسند احمد، ترمذی، ابوداود، بخاری) نیز طبرانی کی روایت میں یہ اضافہ بھی ہے کہ "سو اگر تم نے ایسا کیا تو تم نے اپنے ارحام کو منقطع کردیا" اس زیادتی سے نہی کی ممانعت کا منشاء معلوم ہوگیا کہ اس طرح کرنے سے قطع رحم تک بات جا پہنچتی ہے۔ چنانچہ اس قاعدہ کلیہ کی وجہ سے جمع بین الاختین کے علاوہ جمع کی مندرجہ ذیل صورتیں بھی شامل ہوں گی۔ (۱) پھوپھی، بھتیجی (۲) خالہ اور بھانجی (۳) ماں اور بیٹی خواہ نسبی ہو یا رضاعی۔

ایۃ فرضت ذکرا حرم النکاح: یہ جملہ "امرأتین" کی صفت ہے اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ حرمت کا اعتبار اس وقت ہوگا جبکہ ہر دو جانب مرد فرض کرنے سے صورت متحقق ہو اور اگر ایک ہی جانب سے ہو تو پھر حرمت نہ ہوگی مثلاً عورت اور اس کے خاوند کی بیٹی یا عورت اور اس کے بیٹے کی عورت کو جمع کرنا جائز ہے کیونکہ مرد کی بیوی کو مرد فرض کیا جائے تو ایک دوسرے سے نکاح حرام نہیں ہوتا البتہ اس کے برعکس صورت میں حرام ہوتا ہے۔

وَالزِّنَا وَاللَّمْسُ وَالنَّظَرُ بِشَهْوَةٍ يُوجِبُ حُرْمَةَ الْمُصَاهَرَةِ وَحُرِّمَ تَزَوُّجُ أُخْتِ مُعْتَدَّتِهِ وَأَمَتِهِ وَسَيِّدَتِهِ وَالْمَجُوسِيَّةِ وَالْوَثَنِيَّةِ وَحَلَّ تَزَوُّجُ الْكِتَابِيَّةِ وَالصَّابِئَةِ وَالْمُحْرِمَةِ وَلَوْ مُحْرِمًا وَالْأَمَةِ وَلَوْ كَانَتْ كِتَابِيَّةً وَالْحُرَّةِ عَلَى الْأَمَةِ لَا عَكْسُهُ وَلَوْ فِي عِدَّةِ الْحُرَّةِ وَأَرْبَعٍ مِنَ الْحَرَائِرِ وَالْإِمَاءِ وَ

کی وجہ سے اسی شخص سے نسب بھی ثابت ہوگا۔ امام شافعیؒ کی دلیل کا جواب یہ ہے کہ حکم نکاح کے باقی رہنے کی وجہ سے طلاق کا عمل انقضاءِ عدت تک کیلئے مؤخر ہوگیا۔ باقی رہا وطی سے حد کا واجب ہونا، اولاً ہم تسلیم ہی نہیں کرتے کہ اس وطی پر حد واجب ہوتی ہے جیسے کہ مبسوط کی کتاب الحدود میں صراحۃً موجود ہے۔ اگر تسلیم کر بھی لیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ وطی کے حلال ہونے کے حق میں ملک نکاح زائل ہوگئی۔ لہٰذا یہ وطی زنا ہوگی اور امور مذکورہ کے حق میں ملک زائل نہیں ہوتی۔ پس نکاح من وجہ باقی ہے اور من وجہ منقطع ہوگیا۔ جب من وجہ نکاح باقی ہے تو یہ شخص اس معتدہ کی بہن سے نکاح کرکے جامع بین الاختین فی النکاح ہوگا اور نکاح میں جمع بین الاختین ناجائز ہے۔

وَاَمَتِهٖ وَسَیِّدَتِهٖ: اور آقا کا اپنی باندی سے نکاح درست نہیں چاہے وہ اپنی باندی کے بعض حصہ کا مالک ہو کیونکہ نکاح اس لئے مشروع ہوا ہے کہ اس پر ثمرات مرتب ہوں جو زوج اور زوجہ میں مشترک ہیں۔ بعض ثمرات اس قسم کے ہیں کہ زوجہ ان کی مالک ہوتی ہے مثلاً نفقہ، سکنی، حق قسم علی السویہ جبکہ شوہر کی اور بیویاں ہوں اور عزل سے منع کرنا۔ اور بعض ایسے ہیں کہ زوج ان کا مالک ہے مثلاً زوجہ شوہر کو اپنے اوپر دسترس دے، اس کے گھر میں ٹھہرے، گھر کے سامان کی حفاظت کرے اور غیر سے بچے اور بعض مشترک ہیں مثلاً مجامعت و مباشرت سے متمتع ہونا اور اولاد کی تربیت کرنا اور یہ ظاہر ہے کہ مملوکیت اور مالکیت میں تضاد ہے اس لئے مملوک باندی کو منکوحہ بننے کی مالکہ بنانا درست نہیں۔ اور اسی طرح غلام کو اپنی مالکہ آقا سے نکاح کرنا درست نہیں اس میں بھی وہی وجہ ہے کہ مملوکیت، مالکیت کے منافی ہے۔

وَالْمَجُوْسِیَّةِ وَالْوَثَنِیَّةِ: آتش پرست عورت کے ساتھ نکاح جائز نہیں کیونکہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: "مجوسیوں کے ساتھ اہل کتاب کا سا برتاؤ ضرور رکھو لیکن نہ تو ان کی عورتوں سے نکاح کرو اور نہ ہی ان کے ہاتھ کا ذبیحہ کھاؤ"۔ یعنی جزیہ وغیرہ مقرر کرنے میں مجوسیوں کے ساتھ اہل کتاب کا سا سلوک کیا جائیگا مگر نفس کتاب دو باتوں میں مجوسیوں کے احکام سے مستثنیٰ ہیں کیونکہ اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح کرنا اور ان کا ذبیحہ کھانا روا ہے۔ اور اسی طرح بت پرست عورت سے بھی نکاح کرنا ممنوع ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿ولا تنکحوا المشرکات حتی یؤمن﴾ "مشرک عورتوں کے ساتھ اس وقت تک نکاح نہ کرو جب تک وہ ایمان نہ لے آئیں"۔

ان عورتوں کا بیان جن سے نکاح حلال ہے

وَحَلَّ تَزَوُّجُ الْکِتَابِیَّةِ: مسلم مرد کا کتابیہ عورت سے نکاح کرنا جائز ہے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿والمحصنات من الذین اوتوا الکتاب﴾ "اہل کتاب کی پاک دامن عورتوں سے نکاح جائز ہے"۔ محصنات سے پاک دامن عورتیں مراد ہیں یعنی جو بدکاری سے محفوظ ہوں۔ کتابیہ عورت آزاد ہو تو آئمہ اربعہ میں سے کسی کا اختلاف نہیں اور اگر کتابیہ عورت باندی ہو تو اس میں اختلاف ہے جس کا بیان آگے آئیگا۔

فرقہ صابیہ کی تحقیق

وَالصَّابِئَةِ: صابی ایک فرقہ تھا جس کے معتقدات اور طرز عمل کے بارے میں چونکہ کسی کو پتہ نہ چلا اس لئے مختلف اقوال ہیں (معارف القرآن) چنانچہ اس مسئلے میں امام صاحبؒ اور صاحبینؒ کا اختلاف بھی منقول ہے۔ امام صاحبؒ جواز نکاح کے قائل ہیں اور صاحبینؒ عدم جواز کے کیونکہ امام صاحبؒ کے نزدیک وہ اہل کتاب ہیں لہٰذا ان سے مناکحت جائز ہے اور صاحبینؒ اپنی تحقیق کے مطابق انہیں مشرک قرار دیتے ہیں۔ لہٰذا عدم جواز کے قائل ہیں۔ نکاح کی طرح ان کے ذبیحہ میں بھی اختلاف ہے امام صاحبؒ حلت کے قائل ہیں اور صاحبینؒ حرمت کے۔

وَالْمُحْرِمَةِ وَلَوْ مُحْرِمًا: احرام والی عورت ہو یا مرد حالت احرام میں ہمارے نزدیک نکاح کرنا جائز ہے۔ امام شافعیؒ، امام مالکؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک ناجائز ہے اسی طرح محرم کسی کا ولی بن کر نکاح کرائے تو ہمارے نزدیک جائز ہے۔ ان حضرات کے نزدیک ناجائز ہے۔ آئمہ ثلاثہ کی دلیل نبی کریم ﷺ کا ارشاد "لا ینکح المحرم ولا ینکح" ہے اس حدیث میں پہلا ینکح بفتح الیاء (ضرب سے) ہے اور دوسرا بضم الیاء (انکاح سے) ہے۔ اول کے معنی نکاح کرنا، دوسرے کے معنی نکاح کرانا تو اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ حالت احرام میں نکاح کرنا اور نکاح کرانا ممنوع ہیں۔ ہماری دلیل ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت میمونہؓ سے محرم ہونے کی حالت میں نکاح کیا اور امام بخاریؒ نے اضافہ کیا ہے: وبنی بھا وھو حلال و ماتت بسرف "آپ ﷺ ان کے ساتھ زفاف کیا حالانکہ آپ ﷺ حلال تھے اور حضرت میمونہؓ کا انتقال مقام سرف میں ہوا" ۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ حدیث میں نہی تنزیہی مراد ہے تحریمی نہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ احرام کی حالت میں نکاح کرنا اور نکاح کرانا مناسب نہیں اگر کر لیا تو منعقد ہو جائیگا۔ ہماری تائید قیاس سے بھی ہوتی ہے کیونکہ نکاح دوسرے عقود بیع وشراء وغیرہ کے مانند ہے جس طرح بیع وغیرہ میں ایجاب وقبول ہوتا ہے اسی طرح نکاح میں بھی ایجاب وقبول کا تلفظ ہوتا ہے پس حالت احرام میں جس طرح دوسرے عقود جائز ہیں اسی طرح نکاح بھی جائز ہے۔

وَالْأَمَةِ وَلَوْ كَانَتْ كِتَابِيَّةً: ہمارے نزدیک باندی سے نکاح مطلقاً جائز ہے خواہ مسلمان ہو یا کتابیہ۔ امام شافعیؒ کے نزدیک کتابیہ باندی سے نکاح جائز نہیں۔ امام مالکؒ بھی اسی کے قائل ہیں۔ امام شافعیؒ کی دلیل یہ ہے کہ باندیوں کے ساتھ نکاح کا جواز ضرورۃً ثابت ہے کیونکہ باندی کے ساتھ نکاح سے اپنے جزء کو مملوک بنانا ہے اس لئے کہ غیر کی باندی سے جو اولاد ہوگی شریعت میں وہ بھی غیر کی مملوک ہوگی اور رقیق بنانا درحقیقت ہلاک کرنا ہے تو گویا باندی کے ساتھ نکاح کر کے اپنے جزء کو ہلاک کرتا ہے اور اپنے جزء کو رقیق بنانا یعنی ہلاک کرنا ممنوع ہے۔ لہٰذا باندی کے ساتھ نکاح ناجائز ہونا چاہئے۔ مگر شدت حاجت کی وجہ سے ضرورۃً جائز قرار دیا گیا۔ جب یہ ثابت ہو گیا کہ باندیوں سے نکاح کرنا ضرورۃً ثابت ہے اور قاعدہ ہے کہ جو چیز ضرورۃً ثابت ہو وہ بقدر ضرورت ثابت ہوتی ہے اور ضرورت ایک مسلمان باندی کے ساتھ نکاح کر کے پوری ہو جاتی ہے لہٰذا

کتابیہ سے نکاح کرنے کی ضرورت نہیں۔ اسی وجہ سے امام شافعیؒ نے قدرت علی الحرہ کو باندی کے ساتھ نکاح کرنے سے مانع قرار دیا کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿فمن لم یستطع منکم طولا ان ینکح المحصنات المؤمنات فمن ما ملکت ایمانکم من فتیاتکم المؤمنات﴾ "جو شخص تم میں سے آزاد مومنہ سے نکاح کی قدرت نہ رکھے سو وہ آپس کی مومنہ باندیوں میں سے کسی سے نکاح کرے"۔ آیت کا مفہوم مخالف یہ ہوگا کہ اگر آزاد مسلمان عورت کے ساتھ نکاح کی قدرت ہے تو مسلمان باندی سے بھی نکاح کی اجازت نہیں ہے۔ ہماری طرف سے اس کا جواب یہ ہے کہ آیت میں افضل اور اولیٰ کو بیان کیا گیا ہے یعنی طول حرہ کے ہوتے ہوئے باندی سے نکاح بہتر نہیں لیکن کرلیا تو منعقد ہو جائیگا۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ باندیوں کے ساتھ نکاح کا جواز محقق ہے مقتضی نکاح کے مطلق ہونے کی وجہ سے۔ مثلاً ﴿فانکحوا ما طاب لکم من النساء﴾ اور ﴿واحل لکم ما وراء ذلکم﴾۔ ان آیات میں مطلق نساء سے نکاح کے جواز کو عام رکھا گیا ہے آزاد ہو یا باندی ہو۔ امام شافعیؒ کی دلیل کا جواب یہ ہے کہ باندی سے نکاح کرنے میں اپنے جزء کو رقیق بنانا مقصود نہیں بلکہ آزاد جزء کو حاصل کرنے سے رکنا ہے اور شریعت نے اس کو اس بات کی اجازت دی ہے کہ اصل جزء ہی کو حاصل نہ کرے یعنی عورت کی رضامندی سے عزل کرے تاکہ اصلاً بچہ ہی پیدا نہ ہو لہٰذا وصف حریت کو حاصل نہ کرنے کی اجازت بدرجہ اولیٰ ہوگی۔ نیز احناف کے نزدیک بھی مسلمہ باندی کے میسر ہوتے ہوئے کتابیہ باندی سے نکاح مکروہ ہے۔

والحرة على الأمة لا عكسه: باندی پر حرہ سے نکاح کرنا جائز ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: تنکح الحرة على الأمة "لونڈی پر حرہ سے نکاح کیا جا سکتا ہے"۔ نیز حرہ سے پہلے کوئی منکوحہ ہو یا نہ ہو تمام حالات میں حلال کی گئی ہے۔ اور اس کا عکس جائز نہیں یعنی اگر پہلے سے آزاد عورت نکاح میں موجود ہے تو لونڈی سے نکاح ناجائز ہے احناف کا یہی مذہب ہے امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ آزاد مرد کیلئے اگرچہ یہ صورت جائز نہیں مگر غلام کیلئے جائز ہے کہ آزاد عورت کی موجودگی میں باندی سے نکاح کرلے۔ امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ اگر آزاد عورت رضامند ہے تو اس کے ہوتے ہوئے لونڈی سے نکاح کر سکتا ہے اور اگر رضامند نہیں تو نکاح امۃ علی الحرۃ درست نہیں ہوگا۔ کیونکہ نکاح امۃ علی الحرۃ کی ممانعت حرہ کے حق کی وجہ سے تھی لیکن جب حرہ خود راضی ہوگئی تو اس نے خود اپنا حق ساقط کر دیا۔ امام شافعیؒ کی دلیل یہ ہے کہ نکاح امۃ علی الحرۃ کی ممانعت اس وقت تھی جبکہ شوہر آزاد ہو اس لئے کہ اس صورت میں مانع نکاح یعنی اپنے جزء کو رقیق بنانا موجود ہے لیکن جب شوہر غلام ہے تو یہ مانع نہیں پایا گیا اس لئے کہ غلام اپنے جمیع اجزاء کے ساتھ رقیق ہے لہٰذا اس صورت میں نکاح امۃ علی الحرۃ کو جائز قرار دیں گے۔ احنافؒ کی دلیل نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے "لا تنکح الأمة على الحرة" "آزاد عورت پر باندی سے نکاح نہ کیا جائے"۔ اس حدیث میں عموم ہے شوہر آزاد ہو یا غلام، راضی ہو یا ناراض۔ لہٰذا یہ حدیث اپنے اطلاق کی وجہ سے امام شافعیؒ اور امام مالکؒ دونوں کے خلاف حجت ہے

ولو في عدة الحرة: اگر حرہ کی طلاق بائن کی عدت میں باندی سے نکاح کیا تو امام صاحبؒ کے نزدیک جائز نہیں اور صاحبینؒ

جواز کے قائل ہیں۔ صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ کتاب اللہ تو یہ ہے کہ حرہ پر سوکن نہ لائی جائے مگر اس صورت میں یہ بات لازم نہیں آتی کیونکہ تزوج امۃ علی الحرہ نہیں ہے اس لئے کہ اب حرہ تو حقیقۃ طور پر حرام ہے۔ امام صاحبؒ فرماتے ہیں چونکہ حرہ مطلقہ کے بعض احکام مثلاً نفقہ، سکنی وغیرہ ابھی تک باقی ہیں لہٰذا نکاح بھی من وجہ باقی ہے اس لئے احتیاط اسی میں ہے کہ مرد بحالت عدت حرہ باندی کے نکاح کو جائز قرار نہ دیا جائے۔

واربع من الحرائر والاماء: آزاد مرد عورتوں یا باندیوں سے نکاح کرسکتا ہے ان سے زیادہ کے ساتھ جائز نہیں کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے ﴿فانکحوا ما طاب لکم من النساء مثنیٰ وثلاث ورباع﴾ اور کسی عدد کا نص میں متعین ہونا زیادتی سے منع ہوتا ہے۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ مسلمان مرد صرف ایک باندی سے نکاح کرسکتا ہے کیونکہ ان کے نزدیک باندی کے نکاح کا جواز تحقق بنا برضرورت ہے۔ بہر حال ہماری طرف سے پیش کردہ آیت امام شافعیؒ پر حجت ہے کیونکہ "نساء" عام ہے جو حرہ اور مملوکوں کو شامل ہے۔

وللعبد ثنتان: غلام کیلئے دو عورتوں سے زیادہ کے ساتھ شادی کرنا جائز نہیں مگر امام مالکؒ فرماتے ہیں دو سے زیادہ بھی کرسکتا ہے کیونکہ غلام بھی نکاح کے معاملہ میں آزاد مرد کی مانند ہے کیونکہ نکاح وغیرہ کرنا انسان کا خاصہ ہے اور غلام بھی آزاد کے ساتھ انسانیت میں برابر کا شریک ہے حتیٰ کہ وہ اپنے مولیٰ کی اجازت کے بغیر نکاح کرسکتا ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ غلامی تمام حقوق کی تنصیف کردیتی ہے اس لئے غلام دو عورتوں کے ساتھ نکاح کرسکتا ہے اور آزاد چار کے ساتھ تاکہ شرف حریت کا اظہار ہوتا رہے

حبلیٰ من الزنا وغیرہا سے نکاح کا حکم

وحبلیٰ من زنا لا من غیرہ: زنا سے اگر کوئی عورت حاملہ ہوئی ہے تو طرفینؒ کے نزدیک نکاح جائز ہے البتہ وضع حمل تک وطی کرنا درست نہیں امام ابو یوسفؒ کے نزدیک نکاح ہی درست نہیں ہوا۔ امام شافعیؒ جواز نکاح اور جواز وطی دونوں کے قائل ہیں۔ طرفینؒ کے دلیل یہ ہے کہ زنا سے حاملہ عورت بھی ان عورتوں سے ہے جن سے نکاح نص قرآنی ﴿واحل لکم ما وراء ذلکم﴾ سے جائز ہے لہٰذا ان سے نکاح کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ البتہ وطی اس لئے ممنوع قرار دی گئی کہ کوئی مرد غیر کی کھیتی کو اپنے پانی سے سیراب نہ کرے کیونکہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے من کان یؤمن باللہ والیوم الآخر فلا یسقین ماءہ زرع غیرہ۔ اور اگر عورت حاملہ ہے لیکن زنا سے نہیں تو صاحب فراش کے حق کی وجہ سے نکاح صحیح نہیں کیونکہ اس صورت میں وہ حمل ثابت النسب ہے۔

والموطوءۃ بملک او زنا: ایک شخص نے اپنی باندی سے وطی کی پھر کسی دوسرے سے اس کا نکاح کردیا تو استبراء رحم سے پہلے نکاح جائز ہے۔ امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک استبراء سے پہلے اس کا نکاح جائز نہیں ہے۔ نکاح اس لئے جائز ہے کیونکہ وہ بوجہ عدم حمل کے اپنے مولیٰ کی فراش شمار نہیں ہوتی کیونکہ باندی اگر بچہ جنے اور مولیٰ نے ثبوت نسب کا دعویٰ نہ کرے تو نسب ثابت نہیں ہوسکتا۔ لیکن نکاح سے پہلے استبراء کرنا مولیٰ پر مستحب ہے تاکہ خود مولیٰ کا پانی محفوظ ہو سکے جب نکاح درست ہو

کیا تو شیخین کے نزدیک استبراء سے پہلے وطی کرنا درست ہے۔ امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک پسندیدہ نہیں کہ شوہر استبراء سے پہلے وطی کرے کیونکہ احتمال ہے کہ وہ اپنے مولیٰ سے حاملہ ہو گئی ہو۔ شیخین کی دلیل یہ ہے کہ نکاح کا جواز اس امر کی علامت ہے کہ باندی اپنے مالک سے حاملہ نہیں ہوئی۔ مالک پر استبراء کا حکم نہ مستحب ہے اور نہ واجب۔ اور کسی عورت کو زنا کرتے ہوئے دیکھا پھر اس سے نکاح کر لیا تو شیخینؒ کے نزدیک استبراء سے پہلے ہی وطی کرنا حلال ہے اور امام محمدؒ کے نزدیک پسندیدہ نہیں۔

والمضمومۃ الی محرمۃ والمسمی لھا: ایک شخص نے عقد واحد میں دو عورتوں سے نکاح کیا ان دونوں میں سے ایک اس کیلئے حلال ہے اور ایک حرام ہے قرابت نسب یا رضاعت یا کسی اور وجہ سے تو جو حلال تھی اس کا نکاح درست ہو جائیگا اور جو حرام تھی اس کا نکاح باطل ہوگا اور جتنا مہر متعین تھا وہ سب اس کو ملے گا جس کے ساتھ نکاح صحیح ہے۔ یہ امام صاحبؒ کے نزدیک ہے صاحبینؒ کے نزدیک مہر کی رقم دونوں کے مہر مثل پر تقسیم ہوگی۔

وَبَطَلَ نِكَاحُ الْمُتْعَةِ وَالْمُؤَقَّتِ وَلَهُ وَطْءُ امْرَأَةٍ ادَّعَتْ عَلَيْهِ أَنَّهُ تَزَوَّجَهَا وَقُضِيَ بِنِكَاحِهَا بِبَيِّنَةٍ وَلَمْ يَكُنْ تَزَوَّجَهَا.

ترجمہ: اور نکاح متعہ اور نکاح مؤقت باطل ہے اور اس عورت سے وطی جائز ہے جس نے کسی مرد پر دعویٰ کیا ہو کہ اس نے اس سے نکاح کیا ہے اور گواہوں کے ذریعہ نکاح کا فیصلہ کر دیا گیا حالانکہ نکاح نہیں کیا تھا۔

نکاح متعہ اور مؤقت کا حکم

وبطل نکاح المتعۃ: متعہ کی صورت یہ ہے کہ عورت سے کہے تمتعت بک کذا مدۃ بکذا من المال یعنی مقررہ مال کے بدلے معینہ مدت تک نفع اٹھاؤں گا۔ تمام آئمہ متعہ کے حرمت کے قائل ہیں۔ ابن عباسؓ پہلے متعہ کے جواز کے قائل تھے بعد میں انہوں نے رجوع فرما لیا تھا۔ صاحب ہدایہ کا امام مالکؒ کی طرف متعہ کے جواز کی نسبت کرنا صحیح نہیں ہے کیونکہ مالکیہ کی کسی کتاب میں جواز متعہ کو بیان نہیں کیا گیا۔ نیز خود امام مالکؒ نے اپنی مؤطا میں حضرت علیؓ کی حدیث نقل کی ہے "ان رسول اللہ ﷺ نھی عن متعۃ النساء وعن لحوم الحمر الاھلیۃ یوم خیبر" اور امام مالکؒ کی عادت ہے کہ وہ اپنی مؤطا میں وہی حدیث روایت کرتے ہیں جو ان کا مذہب ہوتی ہے لہٰذا اس حدیث کو مؤطا میں ذکر کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ امام مالکؒ بھی حرمت متعہ کے قائل ہیں۔

والمؤقت: نکاح مؤقت یہ ہے کہ کوئی شخص دو گواہوں کی موجودگی میں ایک مدت محدود کیلئے نکاح کرے مثلاً دس دن کیلئے ایک ماہ کیلئے وغیرہ۔ نکاح مؤقت اور نکاح متعہ میں فرق دو طرح سے ہے اول یہ کہ نکاح مؤقت میں لفظ تزویج مذکور ہوتا ہے متعہ میں نہیں۔ دوم یہ کہ مؤقت میں شہادت شاہدین ہوتی ہے متعہ میں نہیں۔ عام فقہاء نکاح مؤقت کی حرمت کے قائل ہیں۔ لیکن امام زفرؒ جواز کے قائل ہیں۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ نکاح مؤقت بھی نکاح ہے صرف اس میں محدود وقت کی شرط لگا دی گئی ہے اور قاعدہ یہ ہے کہ نکاح شروط فاسدہ سے باطل نہیں ہوتا بلکہ خود شروط فاسدہ باطل ہو جاتی ہیں مثلاً کسی شخص نے اس شرط پر نکاح کیا کہ ایک

مدت کے بعد طلاق نہیں دونگا تو یہ شرط باطل ہو جائیگی اور نکاح درست ہوگا۔ اور ایک ماہ کے بعد بھی شوہر کو طلاق دینے کا حق حاصل رہے گا۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ نکاح موقت میں متعہ کے معنی پائے جاتے ہیں کیونکہ نکاح موقت کا مطلب بھی یہی ہے کہ کچھ روز تک فائدہ اٹھاؤنگا اور عقود میں معانی کا اعتبار ہوتا ہے نہ کہ الفاظ کا مثلاً کسی شخص نے کسی شخص کو کہا کہ تو میرے مرنے کے بعد میرا وکیل ہے تو وصی ہو جائیگا اور اگر کہا کہ تو میری زندگی میں میرا وصی ہے تو وکیل ہو جائیگا۔

وَلَهُ وَطْءُ امْرَأَةٍ ادَّعَتْ عَلَيْهِ أَنَّهُ تَزَوَّجَهَا وَقَضَى بِنِكَاحِهَا بِبَيِّنَةٍ وَلَمْ يَكُنْ تَزَوَّجَهَا. اگر کسی مرد پر کسی عورت نے دعوی کیا کہ اس نے مجھ سے نکاح کیا ہے اور اپنے دعوی پر گواہ بھی پیش کر دیئے اور قاضی نے اسے اس کی بیوی قرار دیا حالانکہ فی الواقع مرد نے نکاح نہیں کیا تھا تو امام صاحبؒ کے نزدیک یہ فیصلہ ظاہراً اور باطناً دونوں طرح نافذ ہوگا تو اب وہ عورت اس مرد کے ساتھ رہ سکتی ہے اور اسے وطی پر قدرت دے سکتی ہے اور مرد کو بھی یہ حق حاصل ہوگا کہ وہ اس سے وطی کرے اور امام محمدؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک مرد کو اس عورت سے وطی کرنا جائز نہیں کیونکہ قاضی نے فیصلے میں غلطی کی ہے اس لئے کہ گواہ جھوٹے تھے جیسا کہ یہ ظاہر ہو جائے کہ گواہ غلام یا کافر تھے تو اس صورت میں نکاح کالعدم ہوتا کیونکہ مسلمان پر ان کی گواہی قبول نہیں۔ امام صاحبؒ فرماتے ہیں کہ گواہ قاضی کے نزدیک سچے ہیں کیونکہ حقیقت صدق پر مطلع ہونا قاضی کے بس میں نہیں بخلاف گواہوں کے کفر اور غلامی کے کیونکہ ان پر مطلع ہونا آسانی سے ممکن ہے جب فیصلے کی بنیاد حجت و دلیل پر ہو اور قاضی اسے حقیقۃً نافذ کر سکتا ہو کہ ان کا نکاح موجود ہے تو یہ فیصلہ نافذ متصور ہوگا تاکہ باہمی مناقشہ اور تنازعہ ختم ہو سکے یعنی ہم یہ تصور کرلیں گے کہ گویا قاضی کے فیصلے سے ذرا پہلے ان کا نکاح ہو گیا تو قاضی کا فیصلہ نکاح کی حیثیت رکھے گا۔ بخلاف املاک مرسلہ کے۔ املاک مرسلہ سے یہ مراد ہے کہ ایک شخص قاضی کے پاس دعوی کرے کہ یہ باندی میری ہے اور دو گواہ پیش کر دے مگر ملکیت کا کوئی سبب بیان نہ کرے کہ مجھے خرید، ہبہ، صدقہ یا میراث میں سے کس طریقے سے حاصل ہوئی ہے تو ایسی باندی سے وطی جائز نہیں جب تک کہ واقعی وہ اس کی ملکیت نہ ہو۔

بَابُ الْأَوْلِيَاءِ وَالْأَكْفَاءِ

سرپرستوں اور ہمسروں کا بیان

الْأَوْلِيَاءُ: ولی کی جمع ہے اور ولی، ماخوذ ہے ولایت سے اور ولایت کہتے ہیں تنفیذ الامر علی الغیر کو یعنی غیر پر حکم نافذ کرنا وہ اسے پسند کرے یا نہ کرے۔ **الْأَكْفَاءُ:** جمع ہے کفو کی اور کفو کہتے ہیں نظیر اور ہمسر کو۔

نَفَذَ نِكَاحُ حُرَّةٍ مُكَلَّفَةٍ بِلَا وَلِيٍّ وَلَا تُجْبَرُ بِكْرٌ بَالِغَةٌ عَلَى النِّكَاحِ فَإِنِ اسْتَأْذَنَهَا الْوَلِيُّ فَسَكَتَتْ أَوْ ضَحِكَتْ أَوْ زَوَّجَهَا فَبَلَغَهَا الْخَبَرُ فَسَكَتَتْ فَهُوَ إِذْنٌ فَإِنِ اسْتَأْذَنَهَا غَيْرُ الْوَلِيِّ فَلَا بُدَّ مِنَ الْقَوْلِ

كالثيب ومن زالت بكارتها بوثبة أو حيضة أو جراحة أو تعنيس أو زنا فهي بكر

ترجمہ: آزاد عاقلہ بالغہ عورت کا نکاح ولی کی اجازت کے بغیر نافذ ہو جائیگا۔ باکرہ بالغہ کو نکاح پر مجبور نہیں کیا جائیگا پس اگر ولی نے اس سے اجازت مانگی اور وہ خاموش رہی، یا ہنس پڑی، یا اس کا نکاح کیا پھر اس کو خبر پہنچی پس وہ خاموش رہی تو یہ اجازت ہے اور اگر غیر ولی نے اجازت مانگی تو ثیبہ کی طرح زبان سے کہنا ضروری ہے اور جس کی بکارت زائل ہو گئی ہو کودنے یا حیض آنے یا زخم ہونے یا دیر تک بلا شادی بیٹھے رہنے یا زنا کی وجہ سے تو وہ باکرہ (کی مثل) ہے۔

بالغہ لڑکی کا بغیر ولی کے نکاح کرنا

نفذ نکاح حرة مكلفة بلا ولي: آزاد عاقلہ بالغہ کا نکاح شیخینؒ کے نزدیک ولی کے بغیر بھی منعقد ہو جائیگا اور امام محمدؒ کے نزدیک موقوف ہو کر منعقد ہوگا اگر ولی نے اجازت دیدی تو نافذ ہوگا ورنہ نہیں۔ امام مالکؒ اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ عورتوں کے الفاظ سے بالکل منعقد نہیں ہوگا کیونکہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے: لا نكاح الا بولي۔ نیز نبی کریم ﷺ کا ارشاد: ايما امرأة نكحت بغير اذن وليها فنكاحها باطل فنكاحها باطل فنكاحها باطل۔ "جو عورت اپنے ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کرے اس کا نکاح باطل ہے"۔ ہماری دلیل ارشاد باری تعالیٰ ہے (۱) ﴿فلا جناح عليكم فيما فعلن في انفسهن﴾ (۲) ﴿حتى تنكح زوجا غيره﴾ (۳) ﴿فلا تعضلوهن ان ينكحن ازواجهن﴾ ۔ نیز نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے "الايم احق بنفسها من وليها" کہ بیوہ عورت اپنی ذات کی زیادہ مستحق ہے بہ نسبت اپنے ولی کے۔ اس سے معلوم ہوا کہ بالغہ عورت پر ولی کو جبر کا استحقاق نہیں وہ خود مختار ہے یہ اور بات ہے کہ مکلفہ کیلئے مناسب یہی ہے کہ وہ اپنا ولی کی رضا پر رکھے تاکہ بے حیائی کی طرف منسوب نہ ہو ہمارے یہاں قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ جو اپنے مال میں تصرف کر سکتا ہے وہ اپنی ذات میں بھی تصرف کر سکتا ہے اور جس کو اپنے مال میں تصرف کا حق نہیں اس کو اپنی ذات میں بھی تصرف کا حق نہیں۔ اور عاقلہ بالغہ کو چونکہ اپنے مال میں تصرف کا اختیار ہے لہٰذا اس کو نکاح میں بھی اختیار ہوگا۔ البتہ صغیرہ اور مجنونہ کو مال میں اختیار نہیں لہٰذا نکاح میں بھی اختیار نہ ہوگا۔ امام شافعیؒ وغیرہ کا "لا نكاح الا بولي" سے استدلال تو وہ صحیح نہیں کیونکہ اس میں کمال کی نفی مقصود ہے نہ کہ جواز کی۔ اور دوسری حدیث سے بھی استدلال صحیح نہیں کیونکہ اس کی راویہ حضرت عائشہؓ ہیں اور ان کا اپنا عمل خود اس کے خلاف ہے لہٰذا یہ روایت قابل استدلال نہیں۔ نیز امام بخاریؒ اور یحییٰ بن معین فرماتے ہیں کہ اشتراط ولی کے باب میں کوئی صحیح حدیث ثابت نہیں۔ اور شیخینؒ سے دوسری روایت ہے کہ اگر عاقلہ بالغہ نے اپنا نکاح کفو میں کیا تو منعقد ہو جائیگا اور اگر غیر کفو میں کیا تو منعقد نہیں ہوگا۔ اسی قول ثانی کو فتویٰ کیلئے اختیار کیا گیا ہے۔

ولا تجبر بكر بالغة على النكاح: عاقلہ بالغہ عورت کو اس کا ولی نکاح پر مجبور نہیں کر سکتا کیونکہ عاقلہ بالغہ ہونے کی وجہ سے ولایت اجبار ساقط ہو جاتی ہے۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: لا تنكح البكر حتى تستاذن۔ "کہ باکرہ لڑکی کا نکاح اس کی

بکارت کے مادہ اشتقاق میں اولیت کے معنی پائے جاتے ہیں جیسے "باکورۃ" پہلا پھل اور "بکرۃ" اول صبح کو کہتے ہیں پس اس عورت کے پاس جو بھی پہنچے گا وہ پہلا ہی پہنچنے والا ہوگا لہذا اس عورت کو باکرہ ہی کا حکم دیا جائیگا اگرچہ کسی عارضے سے اس کی بکارت تو زائل ہوگئی مگر عدم ممارست کی وجہ سے اس میں جھجک اور شرم وحیا ویسے ہی باکرہ کی طرح موجود ہے۔

او بزنا فھی بکر: اگر باکرہ کی بکارت زنا سے زائل ہوگئی تو امام صاحبؒ کے نزدیک یہ بھی باکرہ کے حکم میں ہے اور صاحبینؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک ثیبہ کے حکم میں ہے۔ لہذا اس کے سکوت پر اکتفا نہیں کیا جائیگا بلکہ زبان سے اجازت دینا ضروری ہوگا۔ ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ اس عورت کا سکوت رضا متصور نہیں ہوگا کیونکہ یہ حقیقۃً ثیبہ ہے اور اس سے مباشرت کرنے والا پہلا مباشرت کرنے والا نہ ہوگا بلکہ دوسرا مباشرت کرنے والا ہوگا، اس مادہ سے مشتق ہے "مثوبہ" یعنی عمل کا بدلہ گویا نیک عمل دوبارہ مل گیا۔ مثابہ جہاں آدمی بار بار لوٹ کر آئے اور "تثویب" اذان کو دہرانا۔ امام صاحب فرماتے ہیں کہ عرف عام میں لوگ ایسی عورت کو باکرہ کی حیثیت ہی سے جانتے ہیں اور اس کے بولنے سے لوگ اس پر طعن و تشنیع کریں گے اس لیے وہ بولنے سے شرمائیگی۔ چنانچہ اس کا خاموش رہنا ہی رضامندی کی دلیل ہوگا ورنہ اس کی ازدواجی مصلحتوں میں خلل پیدا ہونے کا اندیشہ ہے۔

وَالْقَوْلُ قَوْلُهَا إِنِ اخْتَلَفَا فِي السُّكُوتِ وَلِلْوَلِيِّ إِنْكَاحُ الصَّغِيرِ وَالصَّغِيرَةِ وَالْوَلِيُّ الْعَصَبَةُ بِتَرْتِيبِ الْإِرْثِ وَلَهُمَا خِيَارُ الْفَسْخِ بِالْبُلُوغِ فِي غَيْرِ الْأَبِ وَالْجَدِّ بِشَرْطِ الْقَضَاءِ وَيَبْطُلُ بِسُكُوتِهَا إِنْ عَلِمَتْ بِكْرًا لَا بِسُكُوتِهِ مَا لَمْ يَرْضَ وَلَوْ دَلَالَةً وَتَوَارَثَا قَبْلَ الْفَسْخِ وَلَا وِلَايَةَ لِصَغِيرٍ وَعَبْدٍ وَمَجْنُونٍ وَلَا لِكَافِرٍ عَلَى مُسْلِمَةٍ وَإِنْ لَمْ تَكُنْ عَصَبَةٌ فَالْوِلَايَةُ لِلْأُمِّ ثُمَّ لِلْأُخْتِ لِأَبٍ وَأُمٍّ ثُمَّ لِأَبٍ ثُمَّ لِأَوْلَادِ الْأُمِّ ذُكُورُهُمْ وَإِنَاثُهُمْ فِيهِ سَوَاءٌ ثُمَّ لِأَوْلَادِهِمْ ثُمَّ لِلْعَمَّاتِ ثُمَّ لِلْأَخْوَالِ وَالْخَالَاتِ ثُمَّ لِبَنَاتِ الْأَعْمَامِ ثُمَّ لِلْحَاكِمِ وَلِلْأَبْعَدِ التَّزْوِيجُ بِغَيْبَةِ الْأَقْرَبِ مَسَافَةَ الْقَصْرِ وَلَا يَبْطُلُ بِعَوْدِهِ وَوَلِيُّ الْمَجْنُونَةِ الِابْنُ لَا الْأَبُ

ترجمہ: اور عورت کا قول معتبر ہے اگر دونوں سکوت میں اختلاف کریں اور ولی کو چھوٹے لڑکے لڑکی کے نکاح کرنے کا اختیار ہے اور ولی عصبہ ہوتا ہے وراثت کی ترتیب پر اور ان دونوں کو بلوغ کے بعد عقد توڑنے کا اختیار ہے اگر باپ دادا کے علاوہ نے نکاح کیا ہو بشرطیکہ قاضی کا حکم ہو۔ اور صغیرہ کی خاموشی سے اختیار ختم ہو جاتا ہے اگر کنوارے پن میں جان گئی ہو اور صغیر کی خاموشی سے جب تک کہ راضی نہ ہو گو دلالۃً ہو اور فسخ سے پہلے دونوں وارث ہوں گے۔ غلام، صغیر، دیوانے کیلئے ولایت نہیں ہے اور کافر کیلئے مسلمہ پر ولایت نہیں ہے اور اگر عصبہ نہ ہو تو ماں کیلئے ولایت ہے۔ پھر حقیقی بہن کیلئے پھر علاتی بہن کیلئے پھر اخیافی بھائی کیلئے پھر ذوی الارحام کیلئے پھر حاکم کیلئے اور ولی ابعد کیلئے نکاح کرنیکا اختیار ہے ولی اقرب کی عدم موجودگی میں۔ اور ولی اقرب کے لوٹنے سے نکاح باطل نہ ہوگا اور دیوانی عورت کا ولی اس کا لڑکا ہے نہ کہ باپ۔

والقول قولها ان اختلفا فی السکوت: ایک مرد نے عورت سے کہا کہ تجھ کو جب نکاح کی خبر ملی تو تو خاموش رہی عورت

زیادہ ہے بمقابلہ اور اس ولایت کا مدار شفقت پر ہے لہذا باپ کو ولایت حاصل ہوگی بیٹے کو نہیں۔ شیخین کی دلیل یہ کہ عصبہ ہونے میں بیٹا مقدم ہے اور یہ ولایت عصوبت پر مبنی ہے لہذا بیٹا ہی ولی ہوگا باپ نہیں اور ولایت میں نفس شفقت معتبر ہے زیادتی شفقت معتبر نہیں مثلاً کسی کا نانا اور چچا ہوں تو ولایت میں چچا مقدم ہے حالانکہ نانا میں شفقت بہت زیادہ ہوتی ہے پس معلوم ہوا کہ زیادتی شفقت کا اعتبار نہیں کیا گیا۔

فَصْلٌ فِي الْأَكْفَاءِ

ہمسری کا بیان

الاکفاء: کفو کی جمع ہے بمعنی ہمسری، برابری نظیر، مساوی بالکفاءۃ فی النکاح یہ ہے کہ شوہر عورت کا مساوی ہو اس کے حسب نسب، دین، مہر، جمال، نکاح میں کفاءۃ کا اعتبار اس لئے کیا گیا ہے تاکہ اولیاء کا حق فسخ ہو کر لازم ہو جائے۔

مَنْ نَكَحَتْ غَيْرَ كُفْءٍ فَرَّقَ الْوَلِيُّ وَرِضَا الْبَعْضِ كَالْكُلِّ وَقَبْضُ الْمَهْرِ وَنَحْوِهِ رِضًا لَا السُّكُوتُ وَالْكَفَاءَةُ تُعْتَبَرُ نَسَبًا فَقُرَيْشٌ أَكْفَاءٌ وَالْعَرَبُ أَكْفَاءٌ وَحُرِّيَّةً وَإِسْلَامًا وَأَبَوَانِ فِيهِمَا كَالْآبَاءِ وَدِيَانَةً وَمَالًا وَحِرْفَةً وَلَوْ نَقَصَتْ مِنْ مَهْرِ مِثْلِهَا فَلِلْوَلِيِّ أَنْ يُفَرِّقَ أَوْ يُتِمَّ مَهْرَهَا وَلَوْ زَوَّجَ طِفْلَهُ غَيْرَ كُفْءٍ أَوْ بِغَبْنٍ فَاحِشٍ صَحَّ وَلَمْ يَجُزْ ذٰلِكَ لِغَيْرِ الْأَبِ وَالْجَدِّ.

ترجمہ: جو عورت غیر کفو سے نکاح کرے تو ولی جدائی کرا سکتا ہے اور بعض کی رضا کل کی رضا ہے اور مہر وغیرہ پر قبضہ کرنا بھی رضا ہے نہ کہ خاموشی۔ اور کفاءت معتبر ہے نسب کے لحاظ سے پس قریش آپس میں اور عربی لوگ آپس میں کفو ہیں اور آزادی اور اسلام کے لحاظ سے اور باپ دادا ان میں مثل چند باپ دادوں کے ہیں اور دینداری، مالداری اور پیشہ کے لحاظ سے اور اگر عورت مہر مثل سے کم کر دے تو ولی جدا کرا دے یا مہر کامل کرا دے۔ اور اگر کوئی اپنے چھوٹے بچے کا نکاح غیر کفو سے یا بہت ما ہر کمی کر کر دے تو صحیح ہے مگر یہ باپ دادا کے سوا کسی اور کیلئے جائز نہیں۔

مَنْ نَكَحَتْ غَيْرَ كُفْءٍ فَرَّقَ الْوَلِيُّ: اگر کسی بالغہ عورت نے اپنا نکاح مہر مثل سے کم پر کیا تو امام صاحبؒ کے نزدیک اولیاء کو حق اعتراض حاصل ہوگا کہ شوہر مہر مثل مکمل کرے یا جدا کر دے ورنہ قاضی مرافعہ کے بعد تفریق کر دیگا۔ صاحبینؒ کے نزدیک اولیاء کو حق اعتراض نہیں کیونکہ دس درہم تک تو شریعت کا حق ہے اور اس سے زائد عورت کا حق ہے۔ پس عورت نے مہر مثل میں کمی کر کے اپنا حق ساقط کیا ہے اور جو شخص اپنا حق ساقط کر دے اس پر اعتراض نہیں ہوتا لہذا یہاں بھی کوئی اعتراض نہ ہونا چاہئے۔ امام صاحبؒ کی دلیل یہ ہے کہ اولیاء اپنی خاندانی عورتوں کے گراں مہروں پر فخر محسوس کرتے ہیں اور کم مہروں پر عار محسوس کرتے ہیں۔ لہذا مہر کی کمی کی صورت میں غیر کفو میں نکاح کرنے کی طرح اولیاء کو حق اعتراض حاصل ہوگا۔

وَرِضَا الْبَعْضِ كَالْكُلِّ وَقَبْضُ الْمَهْرِ وَنَحْوِهِ رِضًا لَا السُّكُوتُ: بعض کی رضا کل کی رضا ہے۔ کیونکہ یہ حق واحد ہے جو ان میں سے ہر ایک کیلئے کامل طور پر ثابت ہوا ہے، امان اور حق قصاص کی طرح۔ پس جب ان میں بعض نے اپنا حق ساقط کر دیا تو باقیوں کا حق باقی نہیں رہا، اور اولیاء میں سے کسی کا مہر پر قبضہ کرنا بھی رضا ہے۔ کیونکہ یہ چیز حکم عقد کو پختہ کرنے والی ہے البتہ اولیاء کی طرف سے خاموشی رضا نہیں ہے۔ کیونکہ اس میں رضا و عدم رضا کا احتمال ہے پس سکوت کو چند مخصوص مواضع میں رضا قرار دیا گیا ہے اور یہ ان میں سے نہیں ہے۔ اور اگر ولی بچہ کی پیدائش تک خاموش رہا تو یہ دلالۃً رضا متصور ہوگی۔

وَالْكَفَاءَةُ تُعْتَبَرُ نَسَبًا فَقُرَيْشٌ أَكْفَاءٌ وَالْعَرَبُ أَكْفَاءٌ: نسب میں کفائت معتبر ہے کیونکہ نسب کے ساتھ لوگ آپس میں ایک دوسرے پر فخر کرتے ہیں اور جو چیز ایسی ہو کہ اس کے ساتھ لوگ فخر کرتے ہیں تو اس میں کفائت کا اعتبار کیا گیا ہے پس ایک قریشی دوسرے قریشی کا کفو ہوگا اور قریش کے علاوہ ایک عرب دوسرے عرب کا کفو ہوگا۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ قریش آپس میں ایک دوسرے کا کفو ہیں ایک بطن دوسرے بطن کا اور عرب آپس میں ایک دوسرے کا کفو ہیں ایک قبیلہ دوسرے قبیلہ کا اور غیر عرب اعاجم آپس ایک دوسرے کا کفو ہیں۔ ایک مرد دوسرے مرد کا۔ اور بیان کردہ حدیث کی وجہ سے قریش میں باہم ایک دوسرے پر فضیلت معتبر نہیں۔ لہٰذا ہر قریشی دوسرے قریشی کا کفو بن جائیگا۔

وَحُرِّيَّةً وَإِسْلَامًا وَأَبَوَانِ فِيهِمَا كَالْآبَاءِ: اعاجم آزادی اور اسلام کی وجہ سے آپس میں ایک دوسرے پر فخر کرتے ہیں۔ کیونکہ انہوں نے اپنے نسبوں کو ضائع کر دیا ہے لہٰذا جس کا باپ اور دادا دونوں مسلمان ہیں یہ شخص اس کا کفو بن جائیگا جس کا باپ دادا اور پردادا اور اس سے اوپر کے حضرات بھی مسلمان تھے۔ اور جو شخص خود تو مسلمان ہے لیکن باپ مسلمان نہیں یا خود بھی مسلمان اور باپ بھی مسلمان لیکن دادا مسلمان نہیں تو یہ شخص اس کا کفو نہیں بن سکتا جس کا باپ اور دادا دونوں مسلمان ہیں۔ کیونکہ نسب کی تکمیل باپ اور دادا دونوں کے ذکر سے ہوتی ہے اور حریت میں کفائت کا حکم ایسا ہے جیسا کہ اسلام میں۔

وَدِيَانَةً: اور دینداری میں بھی کفائت معتبر ہے یعنی تقویٰ، صلاح، حسب اور مکارم اخلاق۔ بہرحال دیانت میں اعتبار کرنا شیخینؒ کا مذہب ہے کیونکہ دیانت اور صلاح اعلیٰ مفاخر میں سے ہے۔ دوسری بات یہ کہ لوگ عورت کو اس کے شوہر کے نسب میں گھٹیا ہونے پر جس قدر عار دلاتے ہیں اس سے کہیں زیادہ شوہر کے فاسق ہونے پر عار دلائیں گے۔ امام محمدؒ دیانت میں کفائت کا اعتبار نہیں کرتے کیونکہ دیانت امور آخرت میں سے ہے لہٰذا احکام دنیا اس پر موقوف نہیں ہونگے مگر کسی کا شوہر اگر اس درجہ فسق و فجور میں مبتلا ہے اور نشہ کی حالت میں لوگ اس کو بازار میں نکالیں تاکہ بچے اس کے ساتھ کھیل کریں تو ایسا شخص کسی صالح عورت کا کفو نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ شخص انتہائی حقیر اور ذلیل ہے۔

وَمَالًا: اور مال میں بھی کفائت معتبر ہے۔ مال سے مراد یہ ہے کہ شوہر نفقہ اور مہر ادا کر دینے پر قادر ہو حتیٰ کہ اگر شوہر دونوں کا مالک نہیں یا ان دونوں میں سے ایک کا مالک نہیں تو وہ کفو نہیں ہوگا اگرچہ عورت فقیر ہی ہو۔ مہر کا مالک ہونا تو اس لئے ضروری ہے کہ

مرحلہ طے ہے لہٰذا اس کے ادا کرنے سے قدرت کا ہونا ضروری ہوگا اور نفقہ سے زوجیت کا رشتہ قائم و دائم رہے گا۔

نفقہ سے کیا مراد ہے تو بعض حضرات کہتے ہیں کہ ایک ماہ کے نفقہ کا مالک ہونا ضروری ہے اور بعض کے نزدیک چھ ماہ کا نفقہ ہونا چاہئے اور بعض کہتے ہیں کہ ایک سال کے نفقہ پر قدرت ہونی چاہئے۔ لیکن صحیح بات یہ ہے کہ اگر کمائی کر کے عورت کو نفقہ پہنچا سکتا ہے تو یہ کفو ہوگا

ترجمہ و فقہ: صاحبینؒ کے نزدیک پیشوں میں کفائت معتبر ہے اور امام صاحبؒ سے دو روایتیں ہیں البتہ اگر پیشہ انتہائی گھٹیا ہو۔ مثلاً حجام کا پیشہ یا جولاہے یا دباغت کا پیشہ تو اس صورت میں کفائت معتبر ہوگی۔ پیشوں میں کفائت کے معتبر ہونے کی وجہ یہ ہے کہ لوگ عمدہ پیشوں پر فخر کرتے ہیں اور گھٹیا پیشوں پر شرم اور عار محسوس کرتے ہیں۔

وَلَوْ نَقَصَتْ مِنْ مَهْرِ مِثْلِهَا فَلِلْوَلِيِّ أَنْ يُفَرِّقَ أَوْ يُتِمَّ مَهْرَهَا: اگر بالغ لڑکی نے اپنا نکاح مہر مثل سے کم پر کیا تو امام صاحبؒ کے نزدیک اولیاء کو حق اعتراض حاصل ہے کہ شوہر مہر مثل مکمل کرے یا جدا کردے ورنہ قاضی مرافعت کے بعد تفریق کر دیگا۔ صاحبینؒ کے نزدیک اولیاء کو حق اعتراض نہیں کیونکہ دس درہم تک مہر تو شریعت کا حق ہے اور اس سے زائد عورت کا حق ہے پس عورت نے مہر مثل میں کمی کرکے اپنا حق ساقط کیا ہے اور جو شخص اپنا حق ساقط کردے اس پر کوئی اعتراض نہیں ہوتا لہٰذا یہاں بھی کوئی اعتراض نہیں ہونا چاہئے۔ امام صاحب کی دلیل یہ ہے کہ اولیاء اپنی خاندانی عورتوں کے گراں مہروں پر فخر کرتے ہیں اور کم مہر پر عار محسوس کرتے ہیں لہٰذا مہر کی کمی کی صورت میں بھی حق اعتراض ہوگا۔

وَلَوْ زَوَّجَ طِفْلَهُ غَيْرَ كُفْءٍ أَوْ بِغَبْنٍ فَاحِشٍ صَحَّ وَلَمْ يَجُزْ ذٰلِكَ لِغَيْرِ الْأَبِ وَالْجَدِّ: اگر کوئی شخص اپنے چھوٹے لڑکے کا نکاح غیر کفو سے کردے یا صغیرہ لڑکی کا نکاح مہر مثل سے کم مقرر کیا جو معمولی نہیں بلکہ غبن فاحش کے قبیل سے ہے تو امام صاحبؒ کے نزدیک یہ نکاح جائز ہے اور صاحبینؒ کے نزدیک یہ نکاح جائز نہیں۔ کیونکہ ولایت مقید ہے شفقت کی شرط کے ساتھ پس شفقت کے فوت ہونے سے ولایت باقی نہیں رہے گی لہٰذا یہ نکاح بھی باطل ہوگا۔ امام صاحب کی دلیل یہ ہے کہ نظر اور شفقت امر باطن ہے اس پر حکم لگانا تو امر محال ہے لہٰذا شفقت کی دلیل اور علامت پر حکم لگایا جائیگا اور شفقت کی دلیل قرب قرابت ہے تو ہم کہتے ہیں کہ باپ اور دادا میں شفقت موجود ہے لہٰذا اس پر جواز نکاح کا حکم لگایا جائیگا اور باپ دادا کے علاوہ میں چونکہ دلیل نظر یعنی قرب موجود نہیں اس لئے ان کے کیے ہوئے نکاح پر جواز کا حکم نہیں لگایا جائیگا۔

فَصْلٌ (فِي الْوَكَالَةِ بِالنِّكَاحِ)

لِابْنِ الْعَمِّ أَنْ يُزَوِّجَ بِنْتَ عَمِّهِ مِنْ نَفْسِهِ وَلِلْوَكِيْلِ أَنْ يُزَوِّجَ مُوَكِّلَتَهُ مِنْ نَفْسِهِ وَنِكَاحُ الْعَبْدِ وَالْأَمَةِ بِغَيْرِ إِذْنِ السَّيِّدِ مَوْقُوْفٌ كَنِكَاحِ الْفُضُوْلِيِّ وَلَا يَتَوَقَّفُ شَطْرُ الْعَقْدِ عَلٰى قَبُوْلِ نَاكِحٍ غَائِبٍ وَالْمَأْمُوْرُ بِنِكَاحِ امْرَأَةٍ فَخَالَفَ بِامْرَأَتَيْنِ لَا بِأَمَةٍ

ترجمہ: چچا زاد کو اختیار ہے کہ وہ اپنے چچا کی بیٹی کا نکاح اپنے ساتھ کر لے اور وکیل کو اختیار ہے کہ وہ اپنی مؤکلہ کا نکاح اپنے ساتھ کر لے اور غلام اور باندی کا نکاح آقا کی اجازت کے بغیر موقوف ہوگا جیسے فضولی کا نکاح اور نصف عقد نکاح کرنے والے کا غائب شخص کے قبول کرنے پر موقوف نہیں رہتا اور جو شخص ایک عورت سے نکاح کر دینے کا مامور ہو وہ دو عورتوں سے نکاح کرانے میں حکم کے خلاف کرنے والا ہے نہ کہ باندی کے ساتھ۔

ابن العم أن یزوّج بنت عمه من نفسه وللوکیل أن یزوّج موکلته من نفسه۔ چچا کے بیٹے نے ولی بن کر اپنا نکاح اپنے چچا کی نابالغہ بیٹی سے کر لیا اور اس کے علاوہ کوئی دوسرا ولی نہیں ہے تو ہمارے اور امام شافعیؒ کے نزدیک جائز ہے اور امام زفرؒ کے نزدیک جائز نہیں۔ دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ ایک عورت نے کسی مرد کو وکیل بنایا کہ میرا نکاح اپنے ساتھ کر لو وکیل نے دو گواہوں کی موجودگی میں نکاح کر لیا تو یہ صورت ہمارے نزدیک جائز ہے اور امام شافعی اور زفر کے نزدیک ناجائز ہے۔ کیونکہ ایک آدمی ایک چیز کا ایک زمانہ میں مملِّک اور متملِّک نہیں بن سکتا (یعنی مالک بنانے والا اور ملک حاصل کرنے والا ہو یہ نہیں ہو سکتا) اور یہاں یہی خرابی ہے اسی طرح دوسرے مسئلہ میں مرد چونکہ ناکح ہے تو مالک بننے والا ہوا اور چونکہ عورت کی طرف سے وکیل ہے اس لئے مالک بنانے والا بھی ہوا۔ لیکن امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ ولی میں چونکہ ضرورت ہے کیونکہ اس کے علاوہ کوئی دوسرا ولی نہیں اور وکیل میں کوئی ضرورت نہیں کیونکہ اس کے علاوہ دوسرے کو وکیل بنایا جا سکتا ہے اس لئے یہ صورت ناجائز ہے۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ نکاح میں وکیل محض تعبیر کرنے والا اور سفیر ہے ذمہ دار نہیں اور منافات حقوق میں ہے نہ کہ تعبیر میں۔ حقوق میں منافات یہ ہیں کہ ایک ہی شخص مطالِب اور مطالَب دونوں ہو۔ مملِّک اور متملِّک دونوں ہو لیکن تعبیر میں منافات نہیں کہ ملک بنانے کے الفاظ عورت کی طرف سے کہتا ہے اور ملک بننے کے الفاظ اپنی طرف سے کہتا ہے۔

تنبیہ: وکیل کا اپنے ساتھ نکاح کرنا اس وقت جائز ہے جبکہ عورت نے اسے اپنے نفس کے ساتھ نکاح کرنے کا وکیل بنایا ہو اور اگر اس نے مطلق نکاح کرنے کا وکیل بنایا تو پھر یہ نکاح جائز نہیں ہوگا۔

ونکاح العبد والأمة بغیر إذن السید موقوف کنکاح الفضولی: غلام اور باندی کا نکاح آقا کی اجازت پر موقوف ہے (غلام مدبر ہو یا مکاتب، باندی ام ولد ہو یا مکاتبہ) جیسے فضولی آدمی کا نکاح کرنا شوہر اور بیوی کی اجازت پر موقوف ہوتا ہے۔ امام شافعیؒ کے یہاں فضولی کے تمام تصرفات باطل ہیں اور امام احمدؒ سے بھی ایک روایت یہی ہے کیونکہ عقد وضع کیا گیا ہے حکم عقد کو ثابت کرنے کیلئے اور فضولی اثبات حکم پر قادر نہیں لہٰذا اس کا تصرف باطل ہوگا۔ ہم کہتے ہیں کہ ایجاب وقبول اہل یعنی عاقل بالغ سے صادر ہوا ہے اور محل عقد کی طرف منسوب ہے یعنی ایسی عورت کی طرف جو محرمات میں سے نہیں ہے اور اس عقد کو منعقد کرنے میں کوئی نقصان بھی نہیں کیونکہ یہ عقد موقوفاً منعقد ہوگا اگر مناسب سمجھے نافذ کر دے ورنہ رد کر دے۔ امام شافعیؒ کی دلیل کا جواب یہ ہے کہ فضولی گو اثبات حکم پر قادر نہیں مگر اس کی وجہ سے حکم معدوم نہیں ہوتا صرف مؤخر ہو جاتا ہے جیسے بیع بشرط الخیار میں حکم مؤخر ہوتا ہے۔

وَلَا يَتَوَقَّفُ شَطْرُ الْعَقْدِ عَلَى قَبُولِ نَاكِحٍ غَائِبٍ: شطر عقد سے مراد ایجاب ہے مطلب یہ ہے کہ جو شخص مجلس عقد میں موجود نہ ہو اس کی قبولیت پر ایجاب موقوف نہیں ہوگا بلکہ ایجاب باطل ہو جائیگا مثلاً ایک عورت نے دو آدمیوں کو گواہ بنا کر کہا کہ میں نے فلاں مرد سے نکاح کر لیا۔ یا ایک مرد نے دو آدمیوں کو گواہ بنا کر کہا کہ میں نے فلاں عورت سے نکاح کر لیا لیکن اس مجلس میں عورت کی جانب سے کسی نے قبول نہیں کیا اس کے بعد عورت کو اس نکاح کی خبر ملی عورت نے اجازت دیدی تو یہ نکاح باطل ہے اور اگر اسی مجلس میں دوسرے نے کہہ دیا کہ تم گواہ رہو میں نے اس عورت کو اس مرد کے نکاح میں دیدیا یا یوں کہا کہ میں نے اس عورت کی طرف سے قبول کیا پھر اس عورت کو نکاح کی اطلاع ملی اور اس نے نکاح کو جائز قرار دیدیا تو یہ نکاح جائز ہوگا۔ یہ پوری تفصیل طرفینؒ کے نزدیک ہے۔ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ان سب صورتوں میں عقد موقوف ہوگا۔ حاصل اختلاف یہ ہے کہ جو تنہا شخص واحد کا وکیل یا ولی ہو یا ایک جانب سے اصیل اور دوسری جانب سے ولی ہو یا ایک جانب سے وکیل اور دوسری طرف سے اصیل ہو یا ایک جانب سے ولی اور دوسری جانب سے وکیل ہو تو ائمہ ثلاثہؒ کے نزدیک جائز ہے اور اگر دونوں جانب سے فضولی ہو یا ایک جانب سے فضولی اور دوسری جانب سے اصیل ہو تو طرفینؒ کے نزدیک جائز نہیں۔ لہذا ایجاب باطل ہو جائیگا۔ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک جائز ہے لہذا ایجاب موقوف ہوگا۔

وَالْمَأْمُورُ بِنِكَاحِ امْرَأَةٍ مُخَالِفٌ بِامْرَأَتَيْنِ لَا بِأَمَةٍ: ایک شخص نے دوسرے سے کہا کہ تم کسی عورت سے میرا نکاح کر دو اس نے عقد واحد میں دو عورتوں سے نکاح کر دیا تو آمر پر ان میں سے کوئی عورت بھی لازم نہ ہوگی۔ دونوں عورتیں تو اس لئے لازم نہیں ہوں گی کہ یہ اس کے حکم کے خلاف ہے اور غیر متعین طور پر کوئی ایک اس لئے لازم نہیں کہ اس پر نکاح کا کوئی فائدہ مرتب نہیں ہوتا کیونکہ وطی کسی ایک متعین عورت ہی کے ساتھ ہو سکتی ہے اور یہاں متعین نہیں۔ نیز ان میں سے کسی ایک کو متعین بھی نہیں کر سکتے کیونکہ ترجیح بلا مرجح لازم آتی ہے تو تفریق متعین ہے۔ اور اگر مذکورہ صورت میں وہ کسی دوسرے کی باندی کے ساتھ نکاح کر دے تو امام صاحبؒ کے نزدیک جائز ہے کیونکہ آمر نے لفظ "امرأۃ" مطلق بولا تھا اور ظاہر ہے کہ باندی "امرأۃ" کا ایک فرد ہے۔ صاحبینؒ کے نزدیک جائز نہیں کیونکہ مطلق سے مراد اس کا فرد متعارف ہے یعنی کفو کے ساتھ شادی کرنا اس لئے کہ مطلق عورت کے ساتھ نکاح پر ہر شخص قادر ہے۔ فتوی صاحبینؒ کے قول پر ہے۔

بَابُ الْمَهْرِ

مہر کا بیان

مصنفؒ جب ارکان نکاح اور شرائط نکاح سے فارغ ہوئے تو نکاح کے حکم کو بیان کرنا چاہتے ہیں اور حکم نکاح وجوب مہر ہے کیونکہ مہر حق شرع یا محض حق نفس عقد سے واجب ہوتا ہے پس مہر عقد نکاح کا حکم ہوا اور حکم کا وجود عقد کے بعد ہی ہوتا ہے۔ اور مہر کے

سات نام ہیں (۱) صداق (۲) نحلہ (۳) اجر (۴) فریضہ (۵) مہر (۶) علیقہ (۷) عقر۔ ان سات ناموں میں سے پہلے چار قرآن کریم میں ہیں اور آخری تین احادیث میں مذکور ہیں۔

صَحَّ النِّكَاحُ بِلَا ذِكْرِهِ وَأَقَلُّهُ عَشَرَةُ دَرَاهِمَ فَإِنْ سَمَّاهَا أَوْ دُونَهَا فَلَهَا عَشَرَةٌ بِالْوَطْءِ أَوِ الْمَوْتِ أَوْ بِالطَّلَاقِ قَبْلَ الدُّخُولِ يَتَنَصَّفُ وَإِنْ لَمْ يُسَمِّهِ أَوْ نَفَاهُ فَلَهَا مَهْرُ مِثْلِهَا وَالْمُتْعَةُ إِنْ طَلَّقَهَا قَبْلَ الْوَطْءِ وَهِيَ دِرْعٌ وَخِمَارٌ وَمِلْحَفَةٌ وَمَا فُرِضَ بَعْدَ الْعَقْدِ أَوْ زِيدَ لَا يَتَنَصَّفُ وَصَحَّ حَطُّهَا

ترجمہ: مہر کا ذکر کئے بغیر نکاح صحیح ہے اور کم از کم مہر دس درہم ہیں۔ پس اگر دس درہم یا اس سے کم مقرر کیا تو عورت کیلئے دس درہم ہوں گے وطی سے یا مرجانے سے یا خلوت سے اور طلاق قبل از دخول سے مہر آدھا رہ جاتا ہے اور اگر مہر مقرر نہیں کیا یا اس کی نفی کر دی تو مہر مثل ملے گا اگر وطی کر لی یا مر گیا اور متعہ ہے اگر وطی سے پہلے طلاق دیدی اور متعہ کرتہ اوڑھنی اور چادر ہے اور جو چیز عقد کے بعد مقرر کی جائے یا زائد کی جائے تو اس میں تنصیف نہیں ہوگی اور عورت کا اپنے مہر کو کم کرنا صحیح ہے۔

صَحَّ النِّكَاحُ بِلَا ذِكْرِهِ: نکاح صحیح ہے اگرچہ مہر کو ذکر نہ کیا ہو یا اس کی نفی کر دی ہو کیونکہ نکاح عقد انضمام اور عقد ازدواج کو کہتے ہیں جیسے لغوی مفہوم میں مال داخل نہیں کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿لا جناح عليكم ان طلقتم النساء ما لم تمسوهن او تفرضوا لهن فريضة﴾۔ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ مہر مقرر کئے بغیر طلاق کا تحقق ہو سکتا ہے ورظاہر ہے کہ طلاق کا ترتب عقد صحیح پر ہو سکتا ہے معلوم ہوا کہ صحت نکاح مہر کے ذکر پر موقوف نہیں البتہ مہر اللہ تعالیٰ کے قول ﴿ان تبتغوا باموالكم﴾ کی وجہ سے شرعاً واجب ہے۔

وَأَقَلُّهُ عَشَرَةُ دَرَاهِمَ: مہر کی کم از کم مقدار دس درہم ہے اور امام مالکؒ کے نزدیک ربع دینار یا تین درہم۔ امام شافعیؒ واحمدؒ فرماتے ہیں کہ جو چیز بیع میں ثمن بن سکتی ہے وہ وہی نکاح میں مہر بن سکتی ہے کیونکہ مہر عورت کا حق ہے۔ پس جس مقدار پر وہ راضی ہو جائے وہی مہر ہے۔ ہماری دلیل نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے "لا مهر اقل من عشرة" کہ دس درہم سے کم مہر نہیں ہے۔ عقلی دلیل یہ ہے کہ مہر شریعت کا حق ہے بضع کی شرافت کو ظاہر کرنے کیلئے لہٰذا اتنی مقدار متعین کی جائے جس سے شرافت محل اور شرافت بضع ظاہر ہو سکے۔ چنانچہ نصاب سرقہ پر قیاس کرکے نکاح میں بھی ملک بضع کی قیمت کم از کم دس درہم مقرر کی گئی ہے۔

فَإِنْ سَمَّاهَا أَوْ دُونَهَا فَلَهَا عَشَرَةٌ بِالْوَطْءِ أَوِ الْمَوْتِ: انعقاد نکاح کے وقت دس درہم یا دس درہم سے کم مقرر کیا گیا تو ہمارے نزدیک دونوں صورتوں میں عورت کیلئے دس درہم ہوں گے اور امام زفرؒ کے نزدیک مہر مثل واجب ہوگا۔ کیونکہ ایسی چیز کو مہر بنانا جو مہر بننے کی صلاحیت نہ رکھتی ہو وہ عدم تسمیہ کی مانند ہے اور عدم تسمیہ کی صورت میں مہر مثل واجب ہوتا ہے لہٰذا اس صورت میں بھی مہر مثل واجب ہوگا۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ دس درہم سے کم کے تسمیہ کا فساد حق شرع کی وجہ سے ہے اور حق شرع دس درہم سے پورا ہو جاتا ہے لہٰذا دس درہم پورے کر دیے جائیں زیادہ کی ضرورت نہیں۔

وبالطلاق قبل الدخول ينتصف: اگر مہر دس درہم سے کم مقرر کیا گیا تھا اور طلاق قبل الدخول واقع ہوگئی تو ہمارے نزدیک پانچ درہم واجب ہوں گے اور امام زفرؒ کے نزدیک عورت کیلئے متعہ واجب ہوگا کیونکہ مہر مثل کی صورت میں اگر طلاق قبل الدخول واقع ہو جائے تو متعہ واجب ہوتا ہے۔ اور ہمارے نزدیک دس درہم مسمّٰی تھے لہٰذا طلاق قبل الدخول کی صورت میں نصف مسمّٰی واجب ہوگا اور وہ پانچ درہم ہیں۔

وإن لم يسم أو نفاه فلها مهر مثلها: اگر بوقت عقد مہر ذکر نہیں کیا یا اس کی نفی کر دی تو عورت کو مہر مثل ملے گا بشرطیکہ بیوی سے دخول کیا ہو یا شوہر کا انتقال ہو گیا ہو امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ موت قبل الدخول کی صورت میں شوہر پر کچھ واجب نہیں ہوگا اور اکثر شوافع کے نزدیک دخول کی صورت میں مہر مثل واجب ہوگا جیسا کہ ہمارا مذہب ہے۔ امام شافعیؒ کی دلیل یہ ہے کہ مہر خالصۃً عورت کا حق ہے پس جس طرح وہ اسے ساقط کرنے پر قدرت رکھتی ہے اسی طرح ابتداءً بھی نفی کرنے پر قدرت رکھتی ہے۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ مہر وجوباً شریعت کا حق ہے اور عورت کا حق حالت بقاء میں ہے یعنی حق شرع صرف ابتداء نکاح کے وقت معتبر ہے اور عورت کا حق بقاء میں ہے لہٰذا عورت انتہاءً تو ساقط کر سکتی ہے ابتداءً نفی نہیں کر سکتی۔ پس امام شافعیؒ کا یہ کہنا کہ ابتداءً نفی کر دینے پر قادر ہے صحیح نہیں کیونکہ یہ حق سے تجاوز کرنا ہے جس کی شرعاً اجازت نہیں۔

والمتعة إن طلقها قبل الوطء: اگر مہر مقرر نہ ہو اور اس عورت کو طلاق قبل الدخول دے دی تو اس کیلئے متعہ واجب ہوگا۔ امام مالکؒ کے نزدیک متعہ مستحب ہے ان کی دلیل یہ ہے کہ متعہ دینے والے کو قرآن کریم میں محسن کہا گیا ہے اور محسن متطوع (نفل کام کرنے والے) کو کہتے ہیں۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ "متعوهن" میں امر کا صیغہ ہے جو وجوب کیلئے آتا ہے دوسرا لفظ "حقاً" ہے یہ بھی وجوب پر دلالت کرتا ہے تیسرا لفظ "علی" ہے جو الزام کیلئے آتا ہے اور رہا لفظ "محسنین" تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ لوگ جو واجب کو ادا کرتے ہیں اور اپنی طرف سے احسان کے طور پر زیادہ دیتے ہیں۔

وهي درع وخمار وملحفة: متعہ تین کپڑے ہیں کرتہ اوڑھنی اور چادر یہ تین کپڑوں کی تعیین وتقدیر عائشہؓ ابن عباسؓ سے منقول ہے اور صحیح قول کے مطابق مرد کے حال کا اعتبار ہوگا اور متعہ مہر مثل سے زائد اور پانچ درہم سے کم نہیں ہونا چاہئے۔

وما فرض بعد العقد: اگر نکاح کے وقت مہر ذکر نہیں کیا پھر شوہر اور بیوی نے ایک مقدار مقرر کر لی تو اب اگر شوہر نے بیوی کے ساتھ دخول کیا یا مر گیا تو دونوں صورتوں میں یہ متعین کردہ مقدار واجب ہوگی۔ اور اگر طلاق قبل الدخول ہے تو ہمارے نزدیک عورت کیلئے متعہ واجب ہوگا۔ اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ متعین کردہ مقدار کا نصف واجب ہوگا ان کی دلیل یہ ہے کہ زوجین نے باہمی اتفاق سے جو مقدار مقرر کی ہے یہ مفروض (متعین) ہے اور آیت ﴿فنصف ما فرضتم﴾ سے مفروض کی تنصیف ثابت ہے مفروض فی حالت العقد ہو یا مفروض بعد العقد۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ عقد نکاح کے وقت اگر مہر ذکر نہ کیا جائے تو مہر مثل واجب ہوتا ہے۔ پس اس صورت میں نکاح کے وقت مہر مذکور نہ ہونے کی وجہ سے مہر مثل واجب ہوگا۔ بعد میں زوجین نے

والخلوة بلا مرض أحدهما وحيض ونفاس وإحرام وصوم فرض كالوطء ولو مجبوبا أو عنينا أو خصيا وتجب العدة فيها: ہمارے نزدیک خلوت صحیحہ یعنی بلا مانع تنہائی اختیار کرنا وطی کرنے کے حکم میں ہے کہ جس طرح وطی سے مہر ثابت و مؤکد ہو جاتا ہے نفقہ و سکنی اور عدت واجب ہوتی ہے اسی طرح خلوت صحیحہ سے یہ سب چیزیں لازم ہو جاتی ہیں اگرچہ مقطوع الذکر یا نامرد ہو اور امام شافعی کے نزدیک نصف مہر واجب ہوگا کیونکہ منافع بضع پورے طور پر وطی سے حاصل ہوتے ہیں اور وطی پائی نہیں گئی تو گویا شوہر نے مبدل پر قبضہ نہیں کیا لہذا شوہر پر بدل بھی واجب نہیں ہوگا ہماری دلیل نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے "من كشف خمار امرأة ونظر إليها وجب الصداق دخل بها أو لم يدخل بها" کہ جس شخص نے عورت کی اوڑھنی کھولی یا اس کی طرف نظر کی تو اس پر مہر واجب ہوگیا وطی ہوئی ہو یا نہ ہو۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ عورت نے منافع بضع یعنی مبدل کو شوہر کے حوالے کر دیا کیونکہ عورت نے تمام موانع کو اٹھا دیا ہے اور عورت کی قدرت میں اتنا ہی تھا اس سے زائد نہیں۔ پس جب عورت نے مبدل سپرد کر دیا تو عورت کا حق بدل میں ثابت ہوگیا پس عورت کیلئے اس صورت میں کامل مہر واجب ہوگا۔ ہاں خلوت صحیحہ کیلئے موانع اربعہ سے خالی ہونا شرط ہے ورنہ خلوت صحیحہ نہیں ہوگی (۱) مانع حقیقی جیسے ان میں سے کسی کا بیمار ہونا (۲) مانع حسی جیسے زوجین کے درمیان کسی تیسرے عاقل شخص کا موجود ہونا (۳) مانع شرعی جیسے فرض یا نفلی حج کا احرام، رمضان کا روزہ (۴) مانع طبعی جیسے رتقاء ہونا یعنی عورت کی شرمگاہ کے منہ کا بند ہونا یا اتنی صغیرہ ہونا جو جماع کے قابل نہ ہو۔

وتستحب المتعة لكل مطلقة إلا للمفروضة قبل الوطء: مطلقہ عورت جس نے اپنے آپ کو بغیر مہر پر نکاح کیا اور وطی سے پہلے طلاق ہوگئی ہو اس کے علاوہ ہر مطلقہ کو متعہ دینا مستحب ہے اور وہ تین ہیں (۱) مطلقہ موطوءہ جس کا مہر متعین نہ ہو (۲) مطلقہ موطوءہ جس کا مہر متعین ہو (۳) مطلقہ غیر موطوءہ جس کا مہر متعین ہو۔ امام شافعی کے ہاں ہر مطلقہ کیلئے متعہ واجب ہے مگر مطلقہ غیر مدخول بہا جس کا مہر مسمی ہو اس کیلئے متعہ واجب نہیں کیونکہ اس کیلئے نصف مہر بطریق متعہ واجب ہوا ہے اور متعہ میں تکرار نہیں۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ اس مطلقہ کیلئے نصف مہر کے ساتھ متعہ بھی واجب کر دیا جائے تو تکرار لازم آئیگا جو شرعا درست نہیں لہذا اس مطلقہ کیلئے متعہ واجب نہیں ہوگا ہماری دلیل ارشاد باری تعالی ہے ﴿فتعالين أمتعكن وأسرحكن سراحا جميلا﴾ میں تمہیں کچھ متاع دے کر خوبی کے ساتھ رخصت کر دوں۔ ازواج النبی ﷺ مدخول بہا تھیں۔

ويجب مهر المثل في الشغار: نکاح شغار کسی کے ساتھ اپنی بہن یا بیٹی کا اس شرط پر نکاح کرنا کہ وہ اپنی بہن یا بیٹی کا نکاح اس سے بلا مہر کر دے تو ہمارے نزدیک دونوں نکاح صحیح ہیں اور ان میں سے ہر ایک کو مہر مثل ملے گا۔ اور امام شافعی فرماتے ہیں کہ دونوں عقد باطل ہیں کیونکہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: لا شغار في الإسلام "اسلام میں نکاح شغار کی کوئی گنجائش نہیں ہے"۔ ہم کہتے ہیں کہ مقصد نفس نکاح سے منع کرنا نہیں ہے بلکہ اس کی ممانعت کی ہے کہ نکاح کو تسمیہ مہر سے خالی رکھا جائے اور تسمیہ مہر سے اگر نکاح کو خالی رکھا گیا تو اس سے نکاح باطل نہیں ہوتا جیسا کہ اذان کے بعد بیع سے منع کیا گیا ہے جہاں نفس بیع

اوکس ہوگا اور اگر مہر مثل غلام ارفع سے زائد ہے تو اس صورت میں عورت کیلئے غلام ارفع ہوگا اور اگر مہر مثل دونوں کے درمیان ہے تو عورت کو مہر مثل دیا جائیگا اور صاحبین کے نزدیک تمام صورتوں میں عورت کیلئے غلام اوکس ہوگا۔ کیونکہ مہر مثل کی طرف عدول اسی وقت ہو سکتا ہے جبکہ مہر مسمی کو واجب کرنا متعذر ہو اور یہاں غلام اوکس کا واجب کرنا ممکن ہے کیونکہ غلام اوکس اقل ہے اور قیمت میں اس کی متعین ہوتا ہے تو اسی کو واجب کریں گے امام صاحب کی دلیل یہ ہے کہ موجب اصلی مہر مثل ہے اور مہر مثل سے عدول صحت تسمیہ کے وقت ہوگا اور یہاں دو غلاموں میں تردد اور شک کی وجہ سے جہالت پیدا ہو گئی پس اسی جہالت کی وجہ سے تسمیہ فاسد ہو گیا لہذا مسمی واجب نہیں ہوگا بلکہ مہر مثل واجب ہوگا۔

وَعَلٰی فَرَسٍ اَوْ حِمَارٍ یَجِبُ الْوَسَطُ اَوْ قِیْمَتُہٗ ۔ اگر مہر میں کسی حیوان کا نام لیا اور اس کی صرف جنس بیان کی نوع بیان نہیں کی مثلاً یوں کہا کہ گھوڑے پر نکاح کرتا ہوں تو شوہر کو اختیار ہوگا چاہے درمیانی قسم کا کوئی جانور دیدے اور چاہے تو اس کی قیمت دیدے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک مجہول النوع میں بھی مہر مثل واجب ہوگا وہ عقد نکاح کو بیع پر قیاس کرتے ہیں۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ نکاح تسمیہ کی جہالت کے باوجود صحیح ہوتا ہے کیونکہ نکاح کی بنیاد نرمی پر اور مسامحت پر ہے اور بیع تسمیہ کی جہالت کے وقت صحیح نہیں ہوتی کیونکہ بیع کی بنیاد تنگی پر ہے۔

وَعَلٰی ثَوْبٍ اَوْ خَمْرٍ اَوْ خِنْزِیْرٍ اَوْ عَلٰی هٰذَا الْخَلِّ فَاِذَا هُوَ خَمْرٌ اَوْ عَلٰی هٰذَا الْعَبْدِ فَاِذَا هُوَ حُرٌّ یَجِبُ مَهْرُ الْمِثْلِ : اور اگر مجہول الجنس ہو مثلاً یوں کہے کہ کپڑے پر نکاح کرتا ہوں یا کسی حرام چیز کو مہر بنایا جیسے شراب اور خنزیر وغیرہ یا مہر میں کسی ایسی چیز کی طرف اشارہ کیا جو مہر بننے کا محل ہو اور وہ اس کے خلاف ظاہر ہو مثلاً کسی نے کہا کہ میں اس سرکہ پر نکاح کرتا ہوں دیکھا تو وہ شراب تھی۔ یا کہا کہ میں اس غلام پر نکاح کرتا ہوں اور وہ آزاد تھا تو ان صورتوں میں امام صاحبؒ اور امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک نکاح درست ہوگا اور مہر مثل واجب ہوگا اور امام مالکؒ کے نزدیک نکاح فاسد ہوگا وہ نکاح کو بیع پر قیاس کرتے ہیں کہ جس طرح بیع میں خمر اور خنزیر کو ثمن بنانے کی صورت میں بیع فاسد ہو جاتی ہے اسی طرح اگر نکاح میں خمر اور خنزیر کو مہر بنایا تو نکاح فاسد ہو جائیگا۔ ہم فرق کرتے ہیں کہ نکاح شرط فاسد سے باطل نہیں ہوتا بلکہ خود شرط فاسد باطل ہو جاتی ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ خمر اور خنزیر کا تسمیہ صحیح نہیں ہے کیونکہ خمر اور خنزیر مسلمان کے حق میں مال متقوم نہیں ہے اور تسمیہ صحیح نہ ہونے کی صورت میں مہر مثل واجب ہوتا ہے لہذا اس صورت میں بھی مہر مثل واجب ہوگا۔

وَاِذَا اَمْهَرَ عَبْدَیْنِ وَاَحَدُهُمَا حُرٌّ فَمَهْرُهَا الْعَبْدُ : اگر دو غلاموں کو مہر بنایا حالانکہ ان میں سے ایک آزاد تھا تو امام صاحبؒ کے نزدیک عورت کا مہر وہی ایک غلام ہوگا بشرطیکہ اس کی قیمت دس درہم کے برابر ہو ورنہ دس درہم پورے کر دیئے جائیں گے۔ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک مہر دو غلام ہوگا اور آزاد کی قیمت ہوگی یعنی دیکھا جائیگا کہ اگر یہ غلام ہوتا تو اس کی کتنی قیمت ہوتی بس وہ قیمت بھی دی جائیگی امام صاحبؒ کی دلیل یہ ہے کہ تسمیہ اور اشارہ اگر جمع ہو جائیں تو اشارہ معتبر ہوتا ہے

اور آزادی کی طرف اشارہ اس کو عقد سے خارج کر دے گا تو بھی ایک غلام مہر مسمّٰی ہے اور مہر مسمّٰی کا وجوب مہر مثل کیلئے مانع ہے اگرچہ مہر مسمّٰی کم ہی کیوں نہ ہو امام ابو یوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ شوہر نے دو غلاموں کو ذکر کر کے عورت کو لالچ دلایا ہے دو غلاموں کی سلامتی کا اور ان دونوں میں سے ایک کی تسلیم سے عاجز آ گیا تو اس کی قیمت واجب ہو گی۔

وَفِي النِّكَاحِ الْفَاسِدِ إِنَّمَا يَجِبُ مَهْرُ الْمِثْلِ بِالْوَطْءِ وَلَمْ يَزِدْ عَلَى الْمُسَمَّى وَيَثْبُتُ النَّسَبُ وَالْعِدَّةُ:
نکاح فاسد وہ ہے جس میں شرط صحت میں سے کوئی مفقود ہو مثلاً زوجین کا گواہوں عدم موجودگی میں ایجاب وقبول کر لینا یا نکاح میں دو بہنوں کو جمع کرنا ایک کی عدت میں دوسری بہن سے نکاح کرنا۔ چوتھی عورت کی عدت میں پانچویں عورت سے نکاح کرنا۔ مصنفؒ یہاں نکاح فاسد کے تین احکام ذکر کیے ہیں۔ (۱) وطی سے مہر مثل کا واجب ہونا کیونکہ نکاح فاسد میں نفس عقد سے مہر واجب نہیں ہوتا بلکہ منافع بضع وصول کر لینے سے مہر واجب ہوتا ہے البتہ خلوت سے مہر واجب نہیں ہوگا کیونکہ نکاح فاسد میں عورت سے وطی کرنا حرام ہے تو اس مانع شرعی کے ہوتے ہوئے خلوت صحیح نہیں ہوتی جو وطی کے قائم مقام ہو سکے۔ مہر مثل مہر مسمّٰی سے زائد نہیں ہوگا کیونکہ مہر کی کمی پر عورت خود ہی راضی ہے یہاں تک کہ اگر مہر مثل مہر مسمّٰی سے کم ہو تب بھی مہر مثل ہی لازم ہوگا۔ (۲) ثبوت نسب اگرچہ شوہر اس کا مدعی نہ ہو (۳) وجوب عدت اگر شوہر وطی کے بعد نکاح کو فسخ کر دے یا مر جائے تو عورت پر طلاق کی عدت واجب ہو گی۔

وَمَهْرُ مِثْلِهَا يُعْتَبَرُ بِقَوْمِ أَبِيهَا إِذَا اسْتَوَيَا سِنًّا وَجَمَالًا وَمَالًا وَبَلَدًا وَعَصْرًا وَعَقْلًا وَدِينًا وَبَكَارَةً وَالْعِلْمِ ثُمَّ بِحُسْنِ الْأَجَانِبِ: عورت کے مہر مثل میں اس کے خاندان کی عورتوں کا اعتبار ہوگا جو عورتیں اس کے باپ کی جانب منسوب ہیں مثلاً بہن، پھوپھیاں اور چچا کی بیٹیاں۔ کیونکہ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں "لها مهر مثل نسائها وهن اقارب الاب" کہ عورت کیلئے اس کی عورتوں کا مہر مثل ہے اور وہ باپ کی قرابت دار ہیں اور مماثلت ان اوصاف میں معتبر ہے عمر میں، حسن و جمال میں، مال میں، شہری ہونے میں، ہمعصر ہونے میں، عقل میں، دیانت میں، باکرہ یا ثیبہ ہونے میں۔ کیونکہ مہر مثل ان اوصاف کے اختلاف سے مختلف ہو جاتا ہے۔ اگر عورت کے باپ کی قوم میں اس جیسی عورت نہ پائی جائے تو پھر ان اوصاف کی اجنبی عورت کے ساتھ مہر مثل کا اعتبار ہوگا۔

وَصَحَّ ضَمَانُ الْوَلِيِّ الْمَهْرَ وَتُطَالِبُ زَوْجَهَا أَوْ وَلِيَّهَا: ولی نے اپنی بالغ لڑکی کا نکاح کیا اور لڑکی کیلئے شوہر کی طرف سے مہر کا ضامن ہو گیا تو یہ ضامن ہونا شرعاً درست ہے خواہ زوجین نابالغ ہوں یا جوان اس لئے کہ عقد نکاح میں ولی معاقد سفیر محض ہوتا ہے لہٰذا حقوق اس کی طرف راجع نہیں ہوتے یہاں تک کہ شخص واحد کا عاقد اور ضامن ہونا لازم آئے بخلاف عقد بیع کے کہ اس میں ولی عاقد اور مباشر ہوتا ہے پس اس میں ولی کا عاقد و ضامن ہونا صحیح نہیں۔ پس جب ضمان درست ہو گیا تو عورت کو اختیار ہے کہ وہ مہر کا مطالبہ اپنے شوہر سے کرے یا ولی سے کیونکہ تمام کفالتوں میں یہی دستور ہے کہ صاحب المال مدیون اور

کفیل دونوں سے مطالبہ کر سکتا ہے پھر اگر ولی شوہر کے حکم سے ضامن ہوا تھا اور اس نے مہر اپنے پاس سے ادا کیا ہو تو وہ شوہر سے وصول کریگا اور اگر بلا حکم ضامن ہوا ہو تو شوہر سے وصول نہیں کر سکتا ہے۔

وَلَهَا مَنْعُهُ مِنَ الْوَطْءِ وَالْإِخْرَاجِ لِلْمَهْرِ وَإِنْ وَطِئَهَا: عورت اپنا مہر معجل وصول کرنے کی خاطر شوہر کو وطی اور دواعی وطی یعنی بوس و کنار سے اور سفر میں لیجانے سے روک سکتی ہے اگرچہ اس سے قبل عورت کی رضامندی سے وطی کر چکا ہے۔ صاحبینؒ کے نزدیک جب شوہر نے عورت کی رضامندی سے ایک مرتبہ وطی کر لی تو عورت کو روکنے کا حق نہیں ہوگا کیونکہ ایک مرتبہ وطی ہو جانے کے بعد پورا معقود علیہ شوہر کے سپرد ہو گیا یہی وجہ ہے کہ وطی کے بعد پورا مہر واجب ہو جاتا ہے پس جب عورت نے معقود علیہ سپرد کر دیا تو اب اس کیلئے اپنے آپ کو روکنے کا حق نہیں۔ امام صاحبؒ فرماتے ہیں کہ وطی مستقل تصرف ہے اور ہر وطی کے مقابلہ میں مہر ہوگا اور جب ہر وطی بضع محترم میں تصرف ہے تو ایک وطی سے کل بضع یعنی پورے معقود علیہ کا سپرد کرنا متحقق نہیں ہوگا۔ باقی رہا ایک وطی سے کل مہر کا ثابت ہونا وہ اس لئے ہے کہ اس وطی کے علاوہ دوسری وطیات مجہول ہیں اور مجہول معلوم کا مزاحم نہیں ہوتا ہے اس لئے پورا مہر ایک وطی سے مؤکد ہو جاتا ہے۔

وَإِنِ اخْتَلَفَا فِي قَدْرِ الْمَهْرِ حُكِّمَ مَهْرُ الْمِثْلِ وَالْمُتْعَةُ لَوْ طَلَّقَهَا قَبْلَ الْوَطْءِ وَلَوْ فِي أَصْلِ الْمُسَمَّى يَجِبُ مَهْرُ الْمِثْلِ وَإِنْ مَاتَ وَلَوْ فِي الْقَدْرِ فَالْقَوْلُ لِوَرَثَتِهِ وَمَنْ بَعَثَ إِلَى امْرَأَتِهِ شَيْئًا فَقَالَتْ هُوَ هَدِيَّةٌ وَقَالَ هُوَ مِنَ الْمَهْرِ فَالْقَوْلُ لَهُ فِي غَيْرِ الْمُهَيَّأِ لِلْأَكْلِ وَلَوْ نَكَحَ ذِمِّيٌّ ذِمِّيَّةً بِمَيْتَةٍ أَوْ بِغَيْرِ مَهْرٍ وَذَا جَائِزٌ عِنْدَهُمْ فَوُطِئَتْ أَوْ طُلِّقَتْ قَبْلَهُ أَوْ مَاتَ عَنْهَا فَلَا مَهْرَ لَهَا وَكَذَا الْحَرْبِيَّانِ ثَمَّةَ وَلَوْ تَزَوَّجَ ذِمِّيٌّ ذِمِّيَّةً بِخَمْرٍ أَوْ خِنْزِيرٍ عَيْنٍ فَأَسْلَمَا أَوْ أَسْلَمَ أَحَدُهُمَا لَهَا الْخَمْرُ وَالْخِنْزِيرُ وَفِي غَيْرِ الْعَيْنِ لَهَا قِيمَةُ الْخَمْرِ وَمَهْرُ الْمِثْلِ فِي الْخِنْزِيرِ.

ترجمہ: اگر زوجین مقدار مہر میں اختلاف کریں تو مہر مثل کو حکم بنایا جائے اور متعہ کو (حکم بنایا جائے) اگر وطی سے پہلے طلاق دیدی ہو اور اگر اصل مہر میں اختلاف ہو تو مہر مثل واجب ہوگا اور اگر زوجین مر جائیں اور اختلاف اگر مقدار میں ہو تو شوہر کا قول معتبر ہوگا بشرطیکہ وہ چیز اسی وقت کھانے کی نہ ہو اگر ذمی نے ذمیہ سے نکاح کیا مردار کے عوض یا بلا مہر اور یہ ان کے یہاں جائز ہو پھر اس سے وطی کی گئی یا وطی سے پہلے طلاق دیدی گئی یا شوہر مر گیا تو عورت کیلئے مہر نہیں ہوگا۔ یہی حکم حربیوں کا دار الحرب میں ہے اور اگر ذمی نے ذمیہ سے معین شراب یا خنزیر کے عوض نکاح کیا پھر اسلام لے آئے یا کوئی ایک اسلام لے آیا تو عورت کیلئے شراب اور خنزیر ہے اور غیر معین میں شراب کی قیمت ہے اور خنزیر کی صورت میں مہر مثل ہے۔

مقدار مہر میں اختلاف زوجین کی صورتوں کا بیان

وَإِنِ اخْتَلَفَا فِي قَدْرِ الْمَهْرِ حُكِّمَ مَهْرُ الْمِثْلِ وَالْمُتْعَةُ لَوْ طَلَّقَهَا قَبْلَ الْوَطْءِ وَلَوْ فِي أَصْلِ الْمُسَمَّى يَجِبُ

فِهُوَ الْمِثْلُ وَبَعْدَ مَوْتِهِمَا وَلَوْ فِي الْقَدْرِ فَالْقَوْلُ لِوَرَثَتِهِ : اس مسئلہ کی چند صورتیں ہیں اس لئے کہ زوجین کا اختلاف حالت حیات میں ہوگا یا دونوں کی موت کے بعد ان کے ورثہ نے اختلاف کیا یا احد الزوجین کی موت کے بعد ہوگا، اگر حالت حیات میں زوجین نے اختلاف کیا پھر اس کی دو صورتیں ہیں کیونکہ یہ اختلاف طلاق کے بعد ہوگا یا طلاق سے پہلے پھر ان میں ہر ایک کی دو دو صورتیں ہیں کیونکہ یہ اختلاف اصل میں ہوگا یا مقدار مسمی میں اگر زوجین نے مقدار مسمی میں اختلاف کیا قیام نکاح کے وقت تو طرفین کے نزدیک مہر مثل کو حکم بنایا جائیگا مثلاً شوہر کا دعویٰ ہے کہ مہر ایک ہزار ہے اور عورت کہتی ہے دو ہزار تو مہر مثل کی مقدار تک عورت کا قول قبول کیا جائیگا اور مہر مثل سے زائد میں شوہر کا قول قبول ہوگا اور اگر زوجین میں سے کسی ایک نے بینہ قائم کر دیئے تو دونوں صورتوں میں (مہر مثل شوہر کے قول کا شاہد ہو یا بیوی کے قول کا) اس کے بینہ قبول کر لئے جائیں گے اور اگر دونوں نے بینہ پیش کر دیئے تو پہلی صورت میں عورت کے بینہ قبول کیے جائیں گے اور دوسری صورت (جس وقت مہر مثل عورت کا شاہد ہے) میں شوہر کے بینہ قبول کیے جائیں گے کیونکہ بینہ کی مشروعیت خلاف ظاہر کو ثابت کرنے کیلئے ہے اور خلاف ظاہر دعویٰ اسی کا ہے جس کا موافق مہر مثل نہ ہو اور اگر مہر مثل دونوں کے دعووں کے درمیان ہو تو دونوں کو قسم کھلا کر مہر مثل کا فیصلہ کر دیا جائیگا اور اگر زوجین کا اختلاف مہر مسمی میں قبل از دخول وطلاق کے بعد ہو تو متعہ دیا جائیگا یعنی متعہ مثل جس کے دعویٰ کے مطابق ہوگا اسی کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہوگا بشرطیکہ مقدار مسمی دراہم یا دنانیر ہوں اور اگر مہر مسمی مثلی یا قیمتی چیز ہو تو بلا تحکیم متعہ مثل دیا جائیگا اور اگر کوئی بینہ قائم کر دے تو تفصیل مذکور بینہ مقبول ہوں گے۔ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اختلاف بعد الطلاق ہو یا قبل الطلاق دونوں صورتوں میں شوہر کا قول معتبر ہوگا البتہ شوہر نے کوئی مستبعد چیز بیان کی تو پھر اس کا قول معتبر نہیں ہوگا۔

اور اگر اختلاف بحالت حیات اصل مہر میں ہو تو بالاتفاق مہر مثل دیا جائیگا۔ اور اگر زوجین میں سے کسی ایک کی موت کے بعد اختلاف ہو خواہ اصل مہر میں اختلاف ہو یا مقدار میں تو اس کا حکم وہی ہے جو زوجین کی حیات کی صورت میں اختلاف کا حکم اوپر مذکور ہوا کیونکہ ایک کی موت سے مہر مثل ساقط نہیں ہوتا۔ اور اگر اختلاف دونوں کی موت کے بعد مقدار مہر میں ہو تو امام صاحبؒ کے نزدیک شوہر کے ورثہ کا قول ان کی قسم کے ساتھ معتبر ہوگا قلیل وکثیر کا کوئی استثناء نہیں اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک قول تو شوہر کے ورثہ ہی کا معتبر ہے لیکن قلیل کا استثناء ہے یعنی اگر ورثاء اتنی کم مقدار کا اقرار کریں کہ اس کا مہر ہونا متعارف نہ ہو تو مسموع نہیں ہوگا۔ اور امام محمدؒ کے نزدیک مہر مثل واجب ہوگا جس طرح حالت حیات میں اختلاف کے وقت مہر مثل واجب ہوتا ہے اور اگر اختلاف اصل مہر میں ہو تو امام صاحبؒ کے نزدیک منکر تسمیہ کا قول معتبر ہوگا یعنی شوہر کے ورثہ کا جب تک مہر کی بینہ قائم نہ ہو جائیں اس وقت تک کوئی فیصلہ نہیں ہوگا کیونکہ دونوں کی موت کے بعد امام صاحبؒ کے نزدیک مہر مثل کا حکم نہیں ہوتا۔ اور صاحبینؒ اور امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک مہر مثل کا فیصلہ ہوگا اور اسی پر فتویٰ ہے۔

وَمَنْ بَعَثَ إِلَى امْرَأَتِهِ شَيْئًا فَقَالَتْ هُوَ هَدِيَّةٌ وَقَالَ هُوَ مِنَ الْمَهْرِ فَالْقَوْلُ لَهُ فِي غَيْرِ الْمُهَيَّأِ لِلْأَكْلِ وَلَوْ نَكَحَ

بَابُ نِكَاحِ الرَّقِيقِ

غلام کے نکاح کا بیان

غلام سے متعلق ابواب عموماً مدارس میں نہیں پڑھائے جاتے اس لئے صرف ترجمہ پر اکتفاء کیا گیا اور غلام سے متعلق ضروری باتیں کتاب العتاق کے شروع میں آ جائیں گی ان شاء اللہ (ابو عمار)

لم يجز نكاح العبد والأمة والمكاتب والمدبر وأم الولد إلا بإذن السيد بيع في مهرها فلو نكح عبد بإذنه وسعى المدبر والمكاتب ولم يبع فيه وطلقها رجعية إجازة للنكاح الموقوف لا طلقها أو فارقها والإذن بالنكاح يتناول الفاسد أيضا ولو زوج عبدا مأذونا له امرأة صح وهي أسوة الغرماء في مهرها ومن زوج أمة لا يجب عليه تبوئتها فتخدمه ويطؤها الزوج إن ظفر بها وله إجبارهما على النكاح ويسقط المهر بقتل السيد أمته قبل الوطء لا بقتل الحرة نفسها قبله والإذن في العزل لسيد الأمة.

ترجمہ: غلام، باندی، مکاتب، مدبر، ام ولد کا نکاح جائز نہیں ہے مگر آقا کی اجازت سے پس اگر غلام نے آقا کی اجازت سے نکاح کر لیا تو عورت کے مہر میں فروخت کیا جائیگا اور مدبر اور مکاتب سعایت کریں گے اور ان کو فروخت نہیں کیا جائیگا اور آقا کا یہ کہنا کہ اس کو طلاق رجعی دیدے (تو یہ) نکاح موقوف کی اجازت ہے نہ کہ یہ کہنا کہ اس کو طلاق دیدے یا جدا کردے اور نکاح کی اجازت دینا نکاح فاسد کو بھی شامل ہے اور اگر عبد ماذون نے کسی عورت سے نکاح کیا تو صحیح ہے اور عورت اپنے حق مہر میں قرض خواہوں کے برابر حقدار ہوگی اور جس نے اپنی باندی کا نکاح کردیا اس پر شب باشی کرانا ضروری نہیں بلکہ آقا کی خدمت کرے گی اور جب اس کے شوہر کا قابو چلے تو اس سے وطی کرلیا کرے اور آقا اپنے غلام اور باندی کو نکاح پر مجبور کرسکتا ہے اور آقا کا اپنی باندی کو وطی سے پہلے قتل کردینے سے مہر ساقط ہوجاتا ہے نہ کہ آزاد عورت کا وطی سے پہلے خودکشی کرلینے سے اور عزل کے سلسلہ میں اجازت باندی کے آقا کی (معتبر) ہے

ولو أعتقت أمة أو مكاتبة خيرت ولو زوجها حر ولو نكحت بلا إذن فعتقت نفذ بلا خيار فلو وطئ قبله فالمهر له وإلا فلها ومن وطئ أمة ابنه فولدت فادعاه ثبت نسبه وصارت أم ولد له وعليه قيمتها لا عقرها وقيمة ولدها ودعوة الجد كدعوة الأب حال عدمه ولو زوجها أباه

وَ وَلَدَتْ ثُمَّ تَصِيرُ أُمَّ وَلَدِهِ وَيَجِبُ الْمَهْرُ لَا الْقِيمَةُ وَ وَلَدُهُ حُرٌّ حُرَّةٌ قَالَتْ لِسَيِّدِ زَوْجِهَا أَعْتِقْهُ عَنِّي بِأَلْفٍ فَفَعَلَ فَسَدَ النِّكَاحُ وَلَوْ لَمْ تَقُلْ بِأَلْفٍ لَا يَفْسُدُ وَالْوَلَاءُ لَهُ

ترجمہ: اگر باندی یا مکاتبہ آزاد ہوگئی تو اس کو اختیار دیا جائیگا اگرچہ اس کا شوہر آزاد ہو اور اگر اس نے بلا اجازت نکاح کر لیا پھر آزاد ہوگئی تو نکاح صحیح ہے کہ نافذ ہو جائیگا پس اگر شوہر نے وطی کرلی اس کے آزاد ہونے سے پہلے تو مہر آقا کو ملے گا اور جو باندی کا اور جس نے اپنے بیٹے کی باندی سے وطی کی اور اس سے بچہ ہوا اور باپ نے اس کا دعویٰ کیا تو اس سے نسب ثابت ہو جائیگا اور باندی اس کی ام ولد ہو جائیگی اور اس پر باندی کی قیمت واجب ہوگی نہ کہ اس کا مہر اور بچہ کی قیمت اور دادا کا دعویٰ باپ کے دعویٰ کی طرح ہے باپ کے نہ ہونے کے وقت اور اگر بیٹے نے باپ کے ساتھ اس کا نکاح کردیا پھر بچہ ہوا تو اس کی ام ولد نہ ہوگی اور مہر واجب ہوگا نہ کہ قیمت اور اس کا بچہ آزاد ہوگا۔ ایک آزاد عورت نے اپنے شوہر کے آقا سے کہا کہ اس کو میری طرف سے ہزار کے عوض آزاد کردو اس نے ایسا ہی کیا تو نکاح فاسد ہو جائیگا۔ اور اگر عورت نے "بالف" کا لفظ نہیں کہا تو نکاح فاسد نہیں ہوگا اور ولاء آقا کیلئے ہوگی۔

بَابُ نِكَاحِ الْكَافِرِ

کافر کے نکاح کا بیان

تَزَوَّجَ كَافِرٌ بِلَا شُهُودٍ أَوْ فِي عِدَّةِ كَافِرٍ وَذَا فِي دِينِهِمْ جَائِزٌ ثُمَّ أَسْلَمَا أُقِرَّا عَلَيْهِ وَلَوْ كَانَتْ مُحَرَّمَةً فُرِّقَ بَيْنَهُمَا وَلَا يَنْكِحُ مُرْتَدٌّ أَوْ مُرْتَدَّةٌ أَحَدًا وَالْوَلَدُ يَتْبَعُ خَيْرَ الْأَبَوَيْنِ دِينًا وَالْمَجُوسِيُّ شَرٌّ مِنَ الْكِتَابِيِّ وَإِذَا أَسْلَمَ أَحَدُهُمَا عُرِضَ الْإِسْلَامُ عَلَى الْآخَرِ فَإِنْ أَسْلَمَ وَإِلَّا فُرِّقَ بَيْنَهُمَا وَإِبَاؤُهُ طَلَاقٌ لَا إِبَاؤُهَا وَلَوْ أَسْلَمَ أَحَدُهُمَا ثَمَّةَ لَمْ تَبِنْ حَتَّى تَحِيضَ ثَلَاثًا وَلَوْ أَسْلَمَ زَوْجُ الْكِتَابِيَّةِ بَقِيَ نِكَاحُهَا

ترجمہ: کسی کافر نے گواہوں کے بغیر یا کسی کافر کی عدت میں نکاح کیا اور یہ ان کے مذہب میں جائز ہے پھر دونوں مسلمان ہوگئے تو یہ نکاح برقرار رکھے جائیں گے اور اگر عورت محرم ہو تو تفریق کر دیجائیگی اور مرتد یا مرتدہ کا کسی سے نکاح نہ کیا جائے اور بچہ ماں باپ میں سے بہتر دین والے کے تابع ہوگا اور آتش پرست کتابی سے بدتر ہے اور جب زوجین میں سے کوئی ایک اسلام لے آئے تو دوسرے پر اسلام پیش کیا جائیگا اگر وہ بھی اسلام لے آئے تو بہتر ہے ورنہ تفریق کر دیجائیگی اور مرد کا انکار کرنا طلاق ہے نہ کہ عورت کا انکار کرنا اور اگر ان میں سے کوئی ایک دارالحرب میں اسلام لے آیا تو عورت جدا نہیں ہوگی جب تک کہ تین حیض نہ آجائیں اور اگر کتابیہ کا

شوہر مسلمان ہوا تو اس عورت کا نکاح باقی رہیگا۔

تَزَوَّجَ كَافِرٌ بِلَا شُهُوْدٍ أَوْ فِيْ عِدَّةِ كَافِرٍ وَذَا فِيْ دِيْنِهِمْ جَائِزٌ ثُمَّ أَسْلَمَا أُقِرَّا عَلَيْهِ: ایک کافر نے کسی کافرہ عورت سے بغیر گواہوں کے نکاح کیا یا کسی کافر کی عدت میں تھی اس سے نکاح کیا اور یہ ان کے دین میں جائز بھی ہے۔ پھر دونوں مسلمان ہو گئے تو امام صاحبؒ کے نزدیک دونوں کو سابقہ نکاح پر باقی رکھا جائیگا اور امام زفرؒ کے نزدیک دونوں صورتوں میں نکاح فاسد ہے اور صاحبینؒ کے نزدیک پہلی صورت (نکاح بلا شہود) میں امام صاحبؒ کے ساتھ ہیں اور دوسری صورت (کافر کی عدت میں نکاح کی صورت) میں امام زفرؒ کے ساتھ ہیں۔ امام زفرؒ کی دلیل یہ ہے کہ خطابات شرع عام ہیں مثلاً نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: لَا نِكَاحَ إِلَّا بِشُهُوْدٍ۔ "بغیر گواہوں کے نکاح نہیں ہوتا ہے"۔ لہذا حکم بھی علی العموم ثابت ہوگا اور چونکہ خطابات عام ہیں اس لئے وہ کافروں کو بھی لازم ہوں گے البتہ کفار کے ساتھ تعرض نہیں کرینگے لیکن یہ تعرض نہ کرنا اس لئے نہیں کہ ہم ان افعال کو درست سمجھتے ہیں بلکہ ان سے اعراض کرتے ہوئے ان کے ساتھ تعرض نہیں کیا جائیگا جیسا کہ وہ بت پرستی کرتے ہیں۔ صاحبینؒ کی دلیل یہ ہے کہ معتدۃ الغیر کے نکاح کی حرمت متفق علیہ ہے اور نکاح بغیر شہود کی حرمت مختلف فیہ ہے کیونکہ امام مالکؒ اور ابن ابی لیلیٰ اس کے جواز کے قائل ہیں اور کفار نے بھی ذمہ نے ہمارے متفق علیہ احکام کا التزام تو کیا ہے لیکن مختلف فیہ احکام کا التزام نہیں کیا۔ امام صاحبؒ کی دلیل یہ ہے کہ عدت کی وجہ سے حرمت نکاح شارع کا حق بنا کر ثابت کرنا تو اس لئے ممکن نہیں کہ کفار حقوق شرع کے مخاطب نہیں ہیں اور شوہر کے حق کی بنا پر عدت واجب کرنا اس لئے ممکن نہیں کہ شوہر وجوب عدت کا اعتقاد ہی نہیں رکھتا ہے جب عدت کی وجہ سے حرمت نکاح کو ثابت کرنے کی دونوں صورتیں ممکن نہیں تو ایک کافرہ کا نکاح دوسرے کافر کی عدت میں صحیح ہوگا۔ اور جب نکاح صحیح ہو گیا تو حالت اسلام حالت بقاء نکاح ہے اور ظاہر ہے کہ حالت بقاء نکاح کیلئے شہادت شرط نہیں اور عدت حالت بقاء کے منافی نہیں۔

وَلَوْ كَانَتْ مُحَرَّمَةً فُرِّقَ بَيْنَهُمَا: اگر کسی کافر نے اپنی بیٹی یا محارم ابدیہ میں سے کسی کے ساتھ نکاح کیا پھر دونوں مسلمان ہو گئے تو بالاتفاق ان کے درمیان تفریق کر دیجائیگی۔ صاحبینؒ کے نزدیک تو ظاہر ہے کیونکہ ان یہاں نکاح محارم کفار کے حق میں بھی باطل ہے اور امام صاحبؒ کے نزدیک کفار کے حق میں نکاح محارم اگر چہ صحیح ہے لیکن محرمیت بقاء نکاح کے منافی ہے لہذا دونوں کے درمیان تفریق کر دیجائیگی۔

وَلَا يَنْكِحُ مُرْتَدٌّ أَوْ مُرْتَدَّةٌ أَحَدًا: مرتد مرد کسی مسلمہ یا کافرہ یا مرتدہ سے نکاح نہیں کر سکتا۔ کیونکہ مرتد تو مستحق قتل ہے اور اسے صرف سوچ و بچار کیلئے مہلت دیجاتی ہے اور نکاح اس غور و خوض سے مانع ہوگا۔ لہذا نکاح اس کے حق میں مشروع نہیں ہوگا۔

کیونکہ اس فرقت کے سبب میں زوجین دونوں شریک نہیں لہذا فرقت طلاق نہیں ہوگی۔ طرفین کی دلیل یہ ہے کہ انکار اسلام کی وجہ سے شوہر امساک بالمعروف سے رک گیا حالانکہ وہ اسلام قبول کر کے امساک بالمعروف پر قادر تھا پس بیوی کو شوہر سے چھٹکارا دلانے میں قاضی نائب ہو سکتا ہے۔ اور جب قاضی شوہر کی جانب سے نائب ہوا تو فرقت طلاق کے درجہ میں ہوگی۔ بہر حال عورت تو وہ طلاق کی اہل نہیں لہذا اس کے انکار اسلام کے وقت قاضی اس کی طرف سے نائب نہیں ہو سکتا۔

وَلَوْ اَسْلَمَ اَحَدُهُمَا ثَمَّةَ لَمْ تَبِنْ حَتّٰى تَحِيْضَ ثَلٰثًا وَلَوْ اَسْلَمَ زَوْجُ الْكِتَابِيَّةِ بَقِيَ نِكَاحُهَا: دار الحرب میں کوئی عورت مسلمان ہوئی اور اس کا شوہر کافر ہے یا حربی مرد مسلمان ہوا اور اس کے نکاح میں مجوسیہ عورت ہے تو دونوں صورتوں میں زوجین کے درمیان تفریق نہیں ہوگی یہاں تک کہ وہ عورت تین حیض گذار لے پھر تین حیض گذارنے کے بعد فرقت واقع ہوگی اور یہ عورت اپنے شوہر سے بائنہ ہو جائیگی کیونکہ اسلام لانا فرقت کا سبب نہیں ہو سکتا جیسا کہ پہلے مسئلہ میں گذرا۔ اور چونکہ دار الحرب میں مسلمان کو ولایت بھی حاصل نہیں ہے اس لئے دار الحرب میں کافر پر اسلام پیش کرنا بھی محال ہے تو ہم نے فرقت کی شرط (تین حیض) کو سبب فرقت کے قائم مقام بنا دیا۔ پھر ہمارے نزدیک مدخول بہا اور غیر مدخول بہا میں کوئی فرق نہیں دونوں کی فرقت کیلئے تین حیض گذارنا شرط ہے البتہ امام شافعیؒ کے نزدیک اگر احد الزوجین کا اسلام دخول سے پہلے ہے تو فرقت فی الحال واقع ہو جائیگی اور اگر دخول کے بعد ہے تو تین حیض گذرنے کے بعد فرقت واقع ہوگی لیکن ہم کہتے ہیں کہ یہ تین حیض عدت کیلئے نہیں ہیں بلکہ فرقت کیلئے ہیں۔ لہذا اس میں مدخول بہا اور غیر مدخول بہا دونوں برابر ہیں اور اگر کتابیہ کا شوہر مسلمان ہوا تو ان دونوں کا نکاح باقی رہیگا کیونکہ کتابیہ سے ابتداءً نکاح کرنا حرام نہیں ہے بلکہ جائز ہے تو بقاءً بدرجۂ اولیٰ جائز ہے۔

وَتَبَايُنُ الدَّارَيْنِ سَبَبُ الْفُرْقَةِ لَا السَّبْيُ وَتُنْكَحُ الْمُهَاجِرَةُ الْحَائِلُ بِلَا عِدَّةٍ وَاِرْتِدَادُ اَحَدِهِمَا فَسْخٌ فِي الْحَالِ فَلِلْمَوْطُوْءَةِ الْمَهْرُ وَلِغَيْرِهَا النِّصْفُ اِنْ ارْتَدَّ وَاِنْ ارْتَدَّتْ لَا وَالْاِبَاءُ نَظِيْرُهُ وَلَوْ ارْتَدَّا اَوْ اَسْلَمَا مَعًا لَمْ تَبِنْ وَبَانَتْ لَوْ اَسْلَمَا مُتَعَاقِبًا

ترجمہ اور دارین کا مختلف ہونا فرقت کا سبب ہے نہ کہ قید کرنا اور مہاجرہ حاملہ عورت عدت گذارے بغیر نکاح کر سکتی ہے اور ان میں سے کسی ایک کا مرتد ہو جانا فی الحال نکاح کو توڑ جاتا ہے پس اگر مرد مرتد ہوا تو موطوءہ کیلئے کل مہر ہوگا اور غیر موطوءہ کیلئے نصف مہر۔ اور اگر عورت مرتدہ ہو جائے تو مہر نہیں ملے گا اور انکار کرنا اس کی نظیر ہے اور اگر دونوں مرتد ہونے کے بعد ایک ساتھ مسلمان ہو جائیں تو عورت جدا نہیں ہوگی اگر یکے بعد دیگرے اسلام لائے تو عورت جدا ہو جائیگی۔

وَتَبَايُنُ الدَّارَيْنِ سَبَبُ الْفُرْقَةِ لَا السَّبْيُ: اگر زوجین میں سے کوئی ایک مسلمان ہو کر دار الحرب سے نکل آیا یا کسی ایک کو قید کر لیا گیا تو ان دونوں کے درمیان جدائی واقع ہو جائیگی۔ اور اگر ان دونوں کو قید کر لیا گیا تو جدائی واقع نہیں ہوگی اور امام شافعیؒ کے نزدیک جدائی واقع ہو جائیگی۔ بینونت کا سبب ہمارے نزدیک زوجین کے درمیان حقیقۃً و حکماً تباین دارین ہے نہ کہ گرفتاری اور امام شافعیؒ کے نزدیک بینونت کا سبب گرفتاری ہے نہ کہ تباین دارین اسی کے قائل امام مالکؒ و احمدؒ ہیں ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ تباین دارین کا اثر یہ ہے کہ تباین دارین کی وجہ سے ولایت منقطع ہو جاتی ہے اور انقطاع ولایت فرقت میں مؤثر نہیں ہے جیسے ایک حربی امان لے کر دار الاسلام میں داخل ہو گیا۔ پس تباین دارین کی وجہ سے اس حربی مستامن کی ولایت تو منقطع ہو گئی لیکن اس کے اور اس کی بیوی کے درمیان فرقت واقع نہیں ہوئی۔ رہا قید ہو جانا تو وہ تقاضا کرتا ہے کہ قید کرنے والے کیلئے خالص ہو جائے اور یہ خالص ہونا اسی وقت ممکن ہے جبکہ نکاح منقطع ہو جائے پس معلوم ہوا کہ قید ہونا انقطاع ولایت اور فرقت دونوں کا سبب ہے خواہ دونوں ساتھ قید ہوں یا ایک۔ کیونکہ گرفتار شدہ خالص گرفتار کرنے والے کا ہو جاتا ہے۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ تباین دارین حقیقۃً او حکماً انتظام مصالح کے منافی ہے اور جو چیز انتظام مصالح کے منافی ہو وہ نکاح کو قطع کر دیتی ہے جیسے محرمیت۔ پس تباین دارین نکاح کو قطع کر دے گا حقیقۃً تباین دارین یہ ہے کہ ان دونوں میں شخص متباعد پایا جائے یعنی ایک دار الحرب میں ہو اور ایک دار الاسلام میں اور تباین حکمی سے مراد یہ ہے کہ جس دار میں داخل ہوا وہاں سے واپس ہونے کا ارادہ نہ ہو بلکہ رہنے اور ٹھہرنے کا ارادہ ہو برخلاف گرفتاری کے کہ وہ موجب ملک رقبہ ہے اور ملک رقبہ ابتداءً نکاح کے منافی نہیں ہے حتیٰ کہ ایک شخص نے اپنی باندی کا کسی دوسرے سے نکاح کر دیا تو یہ نکاح جائز ہے پس ایسے ہی ملک رقبہ بقاءً نکاح کے منافی نہیں ہے۔

وَتُنْكَحُ الْمُهَاجِرَةُ الْحَامِلُ بِلَا عِدَّةٍ: ایک عورت دار الحرب سے دار الاسلام کی طرف ہجرت کر کے آئی اور واپس جانے کا ارادہ بھی نہیں رکھتی ہے اور وہ مہاجرہ عورت حاملہ ہے تو اس سے امام صاحبؒ کے نزدیک نکاح کرنا جائز نہیں۔ دوسری روایت یہ ہے کہ مہاجرہ حاملہ کے ساتھ نکاح کرنا درست ہے البتہ وضع حمل سے پہلے وطی نہ کرے۔ قول اول کی وجہ یہ ہے کہ حمل غیر سے ثابت النسب ہے۔ پس جب نسب کے حق میں فراش ہونا ظاہر ہو گیا تو نکاح کے حق میں بھی احتیاطاً فراش ہونا ظاہر ہوگا۔ قول ثانی کی وجہ یہ ہے کہ حربی مرد کا کوئی احترام نہیں۔ لہذا اس کے جزیعنی منی کا احترام بدرجہ اولیٰ نہیں ہوگا اس وجہ سے مہاجرہ حاملہ کے ساتھ نکاح درست قرار دیا گیا ہے جیسا کہ حاملہ من الزنا میں۔ کیونکہ زانی کے پانی کا کوئی احترام نہیں ہے اور وطی کی اجازت اس لئے نہیں دی گئی تا کہ اپنے پانی سے غیر کی کھیتی کو سیراب کرنا لازم نہ آئے قول اول اصح ہے۔

مرتد کے نکاح کے احکام

وَارْتِدَادُ أَحَدِهِمَا فَسْخٌ فِي الْحَالِ فَلِلْمَوْطُوءَةِ الْمَهْرُ وَلِغَيْرِهَا النِّصْفُ إِنِ ارْتَدَّ وَإِنِ ارْتَدَّتْ لَا وَالْإِبَاءُ نَظِيرُهُ: اگر میاں بیوی میں سے کوئی اسلام سے مرتد ہو گیا (نعوذ باللہ) تو دونوں میں فی الحال فرقت واقع ہو جائیگی برابر ہے کہ شوہر نے بیوی کے ساتھ دخول کیا ہو یا نہ کیا ہو۔ شیخینؒ کے نزدیک یہ فرقت طلاق نہیں ہے بلکہ فسخ ہے اور امام محمدؒ کے نزدیک اگر ردت شوہر کی جانب سے ہے تو یہ فرقت طلاق ہے ورنہ نہیں۔ امام محمدؒ مرتد ہونے کو اباء عن الاسلام پر قیاس کرتے ہیں اور امام ابو یوسفؒ کی دلیل وہ ہے جو اباء عن الاسلام کی صورت میں گذر چکی یعنی فرقت ایسے سبب سے واقع ہوئی ہے جس میں زوجین شریک ہیں۔ امام صاحبؒ نے اباء عن الاسلام اور ارتداد میں فرق کیا ہے چنانچہ شوہر کے اباء عن الاسلام کی وجہ سے جو فرقت ہے اس کو طلاق قرار دیا ہے اور ارتداد کی وجہ سے جو فرقت ہے اس کو طلاق قرار نہیں دیا۔ ان دونوں میں وجہ فرق یہ ہے کہ ردت نکاح کے منافی ہے کیونکہ ردت عصمت نفس اور عصمت مال کے منافی ہے چنانچہ مرتد کی جان اور مال مباح ہیں اگر اس کو کوئی قتل کر دے تو قاتل پر قصاص یا دیت واجب نہیں ہوتی اور مرتد کی ملک اور نکاح باطل ہو جاتے ہیں اور طلاق بقاء نکاح کو ذکر کرتی ہے لہٰذا ارتداد کو طلاق قرار نہیں دیا جا سکتا۔

اور اگر شوہر مرتد ہوا ہے اور عورت کے ساتھ دخول ہو چکا ہے تو عورت کیلئے کل مہر واجب ہوگا اور عدت کا نفقہ بھی اور اگر دخول نہیں ہوا تو عورت کیلئے نصف مہر ہوگا۔ اور اگر عورت مرتدہ ہوئی اور اس کے ساتھ دخول ہو چکا ہے تو عورت کیلئے کل مہر واجب ہوگا البتہ عدت کا نفقہ واجب نہیں ہوگا کیونکہ فرقت عورت کی جانب سے آئی تو عورت ناشزہ کہلائی اور ناشزہ کیلئے نفقہ نہیں ہوتا اور اگر اس کے ساتھ دخول نہیں ہوا تو عورت کیلئے نہ مہر ہوگا اور نہ نفقہ۔

وَلَوِ ارْتَدَّا وَأَسْلَمَا مَعًا لَمْ تَبِنْ وَبَانَتْ لَوْ أَسْلَمَا مُتَعَاقِبًا: زوجین ایک ساتھ مرتد ہوئے پھر ایک ساتھ دونوں مسلمان ہو گئے تو یہ دونوں اپنے نکاح پر رہیں گے تجدید نکاح کی ضرورت نہیں اور امام زفرؒ، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ اس صورت میں بھی نکاح باطل ہو جائیگا۔ کیونکہ جب ایک کا مرتد ہونا نکاح کے منافی ہے تو دونوں کا مرتد ہونا بدرجہ اولیٰ منافی نکاح ہوگا کیونکہ دو کے ارتداد کے ضمن میں ایک کا مرتد ہونا بھی پایا گیا۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ بنو حنیفہ جو مسیلمہ کذاب کی قوم کا ایک چھوٹا سا قبیلہ ہے یہ لوگ زکوٰۃ کا انکار کرنے کی وجہ سے مرتد ہو گئے پھر حضرت ابوبکرؓ نے ان کی طرف صحابہ کرامؓ کا لشکر بھیجا تو یہ سب مسلمان ہو گئے لیکن صحابہ کرامؓ نے ان کو تجدید نکاح کا حکم نہیں دیا اس پر سب ہی صحابہؓ کا اتفاق تھا۔

اور اگر ارتداد کے بعد یکے بعد دیگرے مسلمان ہوئے تو نکاح فاسد ہو جائیگا یعنی دونوں میں فرقت واقع ہو جائیگی کیونکہ دوسرا ارتداد پر مصر ہے اور ارتداد پر اصرار نکاح کے منافی ہے جس طرح ابتداءً ردت نکاح کے منافی ہے۔

بَابُ الْقَسْمِ

باری کا بیان

قسم قاف کی فتح اور سین کے سکون کے ساتھ اس کے معنی برابری کے ہیں لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ تمام امور میں برابری ہو یہاں تک کہ دلی میں بھی برابری ہو اس لئے کہ دلی برابری ناممکن ہے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ولن تستطیعوا ان تعدلوا بین النساء ولو حرصتم فلا تمیلوا کل المیل فتذروھا کالمعلقۃ﴾ اور تم سے یہ تو کبھی نہ ہو سکے گا کہ سب بیبیوں میں برابری رکھو گو تمہارا جی چاہے تو تم بالکل تو ایک ہی طرف نہ ڈھل جاؤ جس سے اس کو ایسا کر دو جیسے کوئی ادھر میں لٹکی ہو۔ (بیان القرآن) بلکہ اس سے مراد شب باشی لباس کھانے اور حسن معاشرت میں برابری ہونی چاہئے دلی میں برابری لازمی نہیں اس لئے کہ یہ تو طبیعت کے نشاط پر موقوف ہے البتہ کسی ایک زوجہ سے قطعاً جماع ترک کر دینا جائز نہیں بلکہ کبھی کبھار جماع کرنا خاوند پر دیانۃً واجب ہے۔

اَلْبِكْرُ كَالثَّيِّبِ وَالْجَدِيْدَةُ كَالْقَدِيْمَةِ وَالْمُسْلِمَةُ كَالْكِتَابِيَّةِ فِيْهِ وَلِلْحُرَّةِ ضِعْفُ الْأَمَةِ وَيُسَافِرُ بِمَنْ شَاءَ مِنْهُنَّ وَالْقُرْعَةُ أَحَبُّ وَلَهَا أَنْ تَرْجِعَ إِنْ وَهَبَتْ قَسْمَهَا لِلْأُخْرٰى

ترجمہ: کنواری مثل بیاہی کے ہے اور نئی مثل پرانی کے اور مسلمان مثل کتابیہ کے ہے باری میں۔ اور آزاد عورت کی باری باندی کی نسبت دگنی ہے اور ان میں سے جس کے ساتھ چاہے سفر کرے اور قرعہ اندازی بہتر ہے اور اگر کسی عورت نے اپنی باری دوسری کو منتقل ہو تو اسے واپس لینے کا اختیار ہے۔

اَلْبِكْرُ كَالثَّيِّبِ وَالْجَدِيْدَةُ كَالْقَدِيْمَةِ وَالْمُسْلِمَةُ كَالْكِتَابِيَّةِ فِيْهِ: اگر کسی شخص کے نکاح میں ایک سے زائد بیویاں ہوں تو شوہر پر واجب ہے کہ باری میں عدل و انصاف سے کام لے خواہ دونوں باکرہ ہوں یا ثیبہ یا ایک باکرہ ہو اور دوسری ثیبہ۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: من کانت لہ امرأتان ومال الی احدھما فی القسم جاء یوم القیامۃ وشقہ مائل۔ "جس شخص کی دو بیویاں ہوں اور وہ باری کی تقسیم میں ایک کی طرف زیادہ میلان رکھے تو وہ قیامت کے دن ایسے حال میں پیش ہوگا کہ اس کا دہ پہلو جھکا ہوگا"۔ اسی طرح ہمارے نزدیک نئی پرانی کے درمیان بھی برابری رکھنا ضروری ہے امام شافعیؒ، امام مالکؒ، امام احمدؒ کے نزدیک اگر نئی عورت باکرہ ہے تو عقد نکاح کے بعد اس کے پاس سات رات قیام کرے اور اگر ثیبہ ہے تو اس کے پاس تین رات قیام کرے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے باکرہ کیلئے سات یوم اور ثیبہ کیلئے تین یوم مقرر کئے۔ ہم کہتے ہیں کہ جو حدیث تم نے ذکر کی

ہے وہ مطلق ہے اس میں باکرہ یا ثیبہ کی اور نئی یا پرانی کی کوئی تفصیل نہیں ہے لہٰذا نئی اور پرانی میں کوئی فرق نہیں ہوگا اور دوسری بات یہ ہے کہ باری مقرر کرنا نکاح کے حقوق میں سے ہے جیسے نفقہ حقوق نکاح میں سے ہے اور اس حق میں باکرہ اور ثیبہ جدیدہ اور قدیمہ کے درمیان کوئی تفاوت نہیں جیسے مسلمہ اور کتابیہ باکرہ اور مراہقہ، مجنونہ اور عاقلہ مریضہ اور صحیحہ کے درمیان کوئی تفاوت نہیں کیونکہ ان عورتوں کے درمیان اس حق کے سبب سے مساوات ہے اور سبب وہ حلت ہے جو نکاح سے ثابت ہوئی ہے اور باری کی مقدار مقرر کرنے میں شوہر کو اختیار ہے جتنی چاہے ایک ایک دن کی باری مقرر کرے جتنی چاہے دو دو یا اس سے زیادہ دن کی۔

وَلِلْحُرَّةِ ضِعْفُ الْأَمَةِ: اگر کسی کے نکاح میں ایک آزاد عورت اور ایک باندی ہو تو باندی میں سے دو تہائی آزاد کا ہوگا اور ایک تہائی باندی کا کیونکہ باندی کی حلت آزاد عورت کی حلت سے کم ہے لہٰذا حقوق میں کمی ظاہر کرنا ضروری ہے۔

وَيُسَافِرُ بِمَنْ شَاءَ مِنْهُنَّ وَالْقُرْعَةُ أَحَبُّ: اگر کسی شخص کی متعدد بیویاں ہیں تو احناف کے نزدیک سفر کی حالت میں ان کیلئے باری میں کوئی حق نہیں ہے ان میں سے جس کے ساتھ چاہے سفر کرے البتہ بہتر یہ ہے کہ ان میں قرعہ اندازی کرے جس کے نام قرعہ نکلے اس کے ساتھ سفر کرے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک قرعہ ڈالنا واجب ہے حتی کہ اگر بغیر قرعہ کے کسی کے ساتھ سفر کیا تو اتنی ہی مدت اس عورت کے ساتھ قیام کرے جس کے ساتھ سفر نہیں کیا ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ سفر کا ارادہ فرماتے تھے تو اپنی عورتوں میں قرعہ اندازی فرماتے تھے پس جس کا نام نکل آتا تو اسی کے ساتھ سفر کرتے۔ لیکن ہم کہتے ہیں کہ آپ ﷺ کا اپنی عورتوں میں قرعہ اندازی کرنا ان کے دل خوش کرنے کیلئے تھا۔ لہٰذا یہ قرعہ اندازی استحبابی تھی نہ کہ وجوبی اور دوسری بات یہ کہ نبی کریم ﷺ پر باری مقرر کرنا واجب ہی نہیں تھا۔

وَلَهَا أَنْ تَرْجِعَ إِنْ وَهَبَتْ قَسْمَهَا لِلْأُخْرَى: اگر کسی نے اپنی باری اپنی سوکن کو دے دی تو یہ شرعاً جائز ہے کیونکہ سودہ بنت زمعہؓ نے اپنی باری کا دن حضرت عائشہؓ کیلئے ترک کر دیا تھا۔ اور جس عورت نے اپنی باری کا دن دوسری سوکن کو دے دیا اس کیلئے جائز ہے کہ وہ اپنے اس حق کو واپس لے لے کیونکہ اس نے ایسا حق ساقط کیا جو ابھی تک واجب نہیں ہوا تھا لہٰذا وہ ساقط ہی نہیں ہوگا۔

☆

پانچ گھونٹ منسوخ ہو گئے۔ ہماری دلیل ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وامہاتکم اللاتی ارضعنکم﴾ تمہاری وہ مائیں جنہوں نے تم کو دودھ پلایا ہے اور نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: یحرم من الرضاع ما یحرم من النسب۔ "حرام ہو جاتا ہے رضاعت سے جو حرام ہوتا ہے نسب سے"۔ اور یہ دونوں مطلق ہیں ان میں قلیل و کثیر کی کوئی تفصیل نہیں لہٰذا مطلقاً دودھ پینا حرمت کا سبب ہوگا۔

مدت رضاعت

فی ثلاثین شهراً اخرج باعتب: مدت رضاعت میں آئمہ کرام کا اختلاف ہے امام صاحبؒ کے نزدیک اڑھائی سال ہے اور صاحبینؒ اور ائمہ ثلاثہؒ کے نزدیک دو سال ہے۔ صاحبینؒ کی دلیل ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وحملہ وفصالہ ثلثون شہراً﴾ "اور حمل میں رہنا اور دودھ چھوڑنا تیس ماہ میں ہے"۔ اس آیت میں حمل اور دودھ چھڑانے کی مدت تیس ماہ بیان فرمائی ہے اور ادنیٰ مدت حمل چھ ماہ ہیں تو مدت فصال دو سال باقی رہی لہٰذا دو سال مدت رضاعت ہے اس کے بعد دودھ چھڑا دیا جائے۔ امام صاحبؒ کی دلیل یہی آیت ہے وجہ استدلال یہ ہے کہ اللہ رب العزت نے دو چیزوں (حمل اور فصال) کو ذکر فرما کر ان دونوں کیلئے ایک مدت بیان کی ہے پس یہ مدت دونوں میں سے ہر ایک کیلئے پوری پوری ہوگی نہ یہ دونوں پر تقسیم کی جائیگی مثلاً ایک شخص کا زید پر ایک ہزار روپیہ ہے اور دس من گندم۔ قرض خواہ نے کہا کہ میں نے زید کو دونوں قرضوں میں دو سال کی مہلت دی تو یہاں ایک ایک سال کی مہلت دونوں قرضوں میں سے ہر ایک کیلئے پوری پوری ہوگی ایک سال کی مدت کو دونوں قرضوں پر تقسیم نہیں کیا جائیگا پس اسی طرح آیت میں بھی حمل اور فصال دونوں میں سے ہر ایک کیلئے تیس تیس ماہ کی مدت ہوگی نہ یہ کہ اس مدت کو دونوں پر تقسیم کیا جائے۔ البتہ مدت حمل میں کم کر دینے والی دلیل حضرت عائشہؓ کا قول "الولد لا یبقی فی بطن امہ اکثر من سنتین ولو بقدر فلکة مغزل" ہے کہ بچہ اپنی ماں کے پیٹ میں دو سال سے زیادہ باقی نہیں رہتا اگرچہ تکلے کے دمڑے کی مقدار ہی کیوں نہ ہو۔ لہٰذا دوسری چیز (فصال) میں کی مدت اپنے ظاہر پر باقی رہے گی اور وہ تیس ماہ ہے پس ثابت ہو گیا کہ دودھ چھڑانے کی مدت اڑھائی سال ہے اڑھائی سال تک دودھ پلایا جا سکتا ہے دوسری دلیل یہ ہے کہ رضیع کیلئے تغییر غذا ضروری ہے تا کہ دودھ کے ذریعہ نشوونما منقطع ہو کے دوسری چیز سے حاصل ہو سکے پس اس تغییر غذا کیلئے اتنی مدت درکار ہوگی جس میں دودھ کے علاوہ دوسری چیز کا عادی ہو جائے تو امام صاحبؒ نے اس کو ادنیٰ مدت حمل پر قیاس کیا ہے اس لئے کہ یہ مدت غذا کو بدلنے والی ہے کیونکہ جنین کی غذا رضیع کی غذا کے مغایر ہے اس لئے کہ رضیع کی غذا صرف دودھ ہے اور فطیم کی غذا بھی دودھ کی طعام ہوتا ہے تو بچے کو دوسری غذا کا عادی بنانے کیلئے مزید چھ ماہ کا ہونا ضروری ہے۔

الا ام اخیه واخت ابنه: مصنفؒ نے ایک ضابطہ بیان فرمایا ہے کہ جو عورتیں نسب کی وجہ سے حرام ہیں وہ تمام عورتیں رضاعت کی وجہ سے بھی حرام ہوں گی۔ لیکن اس ضابطے سے دو صورتیں مستثنیٰ کی ہیں۔

پہلی صورت: "الا ام اخته" سے ذکر فرمائی سوائے رضاعی بہن کی ماں کے کیونکہ رضاعی بہن کی ماں سے نکاح جائز ہے مثلاً زید

اور عابدہ نے ایک اجنبی عورت کا دودھ پیا مگر زید نے عابدہ کی نسبی ماں کا دودھ نہیں پیا تو زید کیلئے اس کی رضاعی بہن (جو عابدہ کی ماں ہے) حلال ہے۔ البتہ نسبی بہن کی ماں سے نکاح جائز نہیں ہے۔ کیونکہ نسبی بہن کی نسبی ماں یا تو اس کی بھی ماں ہوگی اگر دونوں حقیقی بھائی بہن ہیں یا اس کے باپ کی موطوءہ ہوگی اگر دونوں کا باپ ایک ہے اور ماں الگ الگ ہے اور ان دونوں صورتوں میں نکاح ناجائز ہے اور رضاعت کی صورت میں ان میں سے کوئی قباحت نہیں لہذا رضاعت کی صورت میں نکاح جائز رکھا گیا ہے فقہاء نے اس رضاعت کی تین صورتیں بیان کی ہیں (۱) نسبی بہن کی رضاعی ماں (۲) رضاعی بہن کی نسبی ماں (۳) رضاعی بہن کی رضاعی ماں۔

دوسری صورت: رضاعی بیٹے کی بہن سے بھی نکاح جائز ہے اس کی بھی تین صورتیں حق ہیں البتہ اگر ان دونوں میں نسبی رشتہ ہے یعنی نسبی بیٹے کی نسبی بہن ہے تو اس نسبی بیٹے کی نسبی بہن سے نکاح کرنا جائز نہیں کیونکہ اس کے نسبی بیٹے کی بہن اگر اسی کے نطفہ سے ہے تو وہ اس کی بیٹی ہوگی اور اگر اس کے نطفہ سے نہیں ہے اور اس کے بیٹے کی صرف ماں شریک بہن ہے تو ربیبہ ہوگی اور اگر ربیبہ کی ماں کے ساتھ دخول کرلیا جائے تو ربیبہ حرام ہوجاتی ہے اور رضاعت میں ان دو وجہوں میں سے کوئی وجہ موجود نہیں اس لئے رضاعت کی صورت میں نکاح جائز ہے۔

وَزَوْجُ مُرْضِعَةٍ لَبَنُهَا مِنْهُ أَبٌ لِلرَّضِيعِ وَابْنُهُ أَخٌ وَبِنْتُهُ أُخْتٌ وَأَخُوهُ عَمٌّ وَأُخْتُهُ عَمَّةٌ: لبن سے مراد وہ دودھ ہے جو کسی مرد کے وطی کرنے پر ولادت کے سبب سے پیدا ہوا ہو مثلاً عورت نے بچے کو دودھ پلایا تو اب وہ اس کی ماں ہوگی اور اس کا شوہر بچہ کا باپ ہوگیا اور اس کا بیٹا بھائی ہوگیا اس کی بیٹی بہن ہوگئی اس کا بھائی چچا ہوگیا اور اس کی بہن اس کی پھوپھی ہوگی بشرطیکہ اس کا دودھ اسی شوہر سے پیدا ہوا ہو اگر دودھ پہلے شوہر سے ہو تو دوسرا شوہر بچہ کا باپ نہیں ہوگا۔ اور امام شافعی کا یک قول یہ ہے کہ لبن فحل سے حرمت متعلق نہیں ہوتی کیونکہ ﴿وامهاتكم اللاتي ارضعنكم﴾ میں حرمت رضاعت عورتوں کی جانب میں ذکر کی گئی ہے نہ کہ مردوں کی جانب میں۔ دوسری بات یہ ہے کہ حرمت رضاعت شبہ البعضیت اور جزئیت کی وجہ سے ہے کیونکہ دودھ پینے کی وجہ سے بچہ کا نشوونما ہوتا ہے اور دودھ عورت کا جز ہے نہ کہ مرد کا لہذا حرمت رضاعت کا تعلق عورت کے ساتھ ہوگا نہ کہ شوہر کے ساتھ۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ آپ ﷺ نے ام المؤمنین حضرت عائشہؓ کو فرمایا کہ افلح تمہارے پاس آ جا سکتا ہے کیونکہ وہ رضاعی اعتبار سے تمہارا چچا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ شوہر عورت سے دودھ اترنے کا سبب ہے لہذا احتیاطاً موضع حرمت میں دودھ کو شوہر کی طرف منسوب کیا جائیگا۔

وَلَكَ أُخْتُ أَخِيكَ رَضَاعًا وَنَسَبًا: اپنے رضاعی اور نسبی بھائی کی بہن سے نکاح جائز ہے یہاں تین صورتیں ممکن ہیں (۱) نسبی بھائی کی رضاعی بہن (۲) رضاعی بھائی کی نسبی بہن (۳) رضاعی بھائی کی رضاعی بہن کیونکہ نسبی بھائی کی بہن سے بھی نکاح جائز ہے لہذا رضاعت میں بھی ممانعت نہیں ہوگی مثلاً ناصر اور ناصر باپ کی طرف سے بھائی ہیں اور ناصر کی ماں کی طرف سے

ایک بہن ہے تو عامر اس سے نکاح کر سکتا ہے۔

وَلَا حِلَّ بَيْنَ رَضِيعَيْ ثَدْيٍ وَبَيْنَ مُرْضِعَةٍ وَوَلَدِ مُرْضِعَتِهَا وَوَلَدِ وَلَدِهَا: اگر کسی لڑکے اور لڑکی نے کسی عورت کا دودھ ایک ساتھ پیا یا آگے پیچھے تو یہ دونوں رضاعی بھائی بہن ہوں گے اور ان کا نکاح آپس میں نہیں ہو سکتا جیسا کہ نسبی بھائی بہن آپس میں نکاح نہیں کر سکتے۔ اسی طرح شیر خوار لڑکی اور اس کی دایہ کے بیٹے کے درمیان نکاح درست نہیں ہے کیونکہ وہ دونوں رضاعی بھائی بہن ہیں، نیز شیر خوار لڑکی اور مرضعہ کے پوتے کے درمیان بھی نکاح درست نہیں ہے کیونکہ مرضعہ کا پوتا اس کا بھتیجا ہوتا ہے۔

وَاللَّبَنُ الْمَخْلُوطُ بِالطَّعَامِ لَا يُحَرِّمُ: اگر دودھ کھانے میں مخلوط ہو گیا اور آگ پر پکایا نہیں گیا تو امام صاحبؒ کے نزدیک اس سے حرمت ثابت نہیں ہوگی دودھ کھانے میں غالب ہو یا مغلوب۔ اور صاحبینؒ کے نزدیک اگر دودھ غالب ہے تو حرمت ثابت ہو جائیگی ورنہ نہیں اور اگر دودھ کھانے میں ملا کر آگ پر پکایا گیا تو بالاتفاق اس سے حرمت رضاعت ثابت نہیں ہوگی کیونکہ جب دودھ کھانے میں ملا کر پکا لیا گیا تو دودھ کھانے کے تابع ہو گیا لہٰذا اب اس دودھ کو لبن مطلق نہیں کہہ سکتے۔ صاحبینؒ کی دلیل یہ ہے کہ اعتبار غالب کا ہے بشرطیکہ دودھ کو کسی چیز نے اپنی حالت سے متغیر نہ کیا ہو۔ امام صاحبؒ کی دلیل یہ ہے کہ غذا حاصل کرنے میں کھانا اصل ہے اور دودھ اس کے تابع ہے لہٰذا حصول مقصود یعنی غذا میں دودھ مغلوب ہو گیا اگرچہ حقیقت میں غالب تھا اس وجہ سے اس سے تحریم متعلق نہیں ہوگی۔

وَيُعْتَبَرُ الْغَالِبُ لَوْ بِمَاءٍ وَدَوَاءٍ وَلَبَنِ شَاةٍ: اگر دودھ پانی، دوا یا لبن شاۃ کے ساتھ مخلوط ہو تو غالب کا اعتبار ہوگا پانی کے ساتھ مخلوط ہونے میں امام شافعیؒ کا اختلاف ہے وہ یہ فرماتے ہیں کہ اگر دودھ چار گھونٹ کی بقدر موجود تھا جس کو اس بچے نے پیا ہے تو حرمت رضاعت ثابت ہو جائیگی اگرچہ پانی غالب ہو کیونکہ اس میں دودھ حساً اور حقیقۃً موجود ہے لہٰذا دودھ کا پینا معتبر ہوگا۔ ہم کہتے ہیں کہ مغلوب حکماً غیر موجود ہوتا ہے چنانچہ مغلوب غالب کے مقابلہ میں ظاہر نہیں ہوتا۔

وَبِامْرَأَةٍ أُخْرَى: اگر دو عورتوں کا دودھ مخلوط ہو گیا تو امام ابو یوسفؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک جس کا دودھ غالب ہوگا اس کے ساتھ حرمت رضاعت ثابت ہو جائیگی۔ اور امام محمدؒ اور امام زفرؒ فرماتے ہیں کہ دونوں کے ساتھ حرمت رضاعت ثابت ہو جائیگی۔ امام صاحبؒ سے دو روایتیں ہیں۔ امام ابو یوسفؒ و امام شافعیؒ کی دلیل یہ ہے کہ دونوں عورتوں کا دودھ مل کر ایک چیز بن گیا ہے لہٰذا اقل کو اکثر کے تابع بنا دیا جائیگا۔ امام محمدؒ اور امام زفرؒ کی دلیل یہ ہے کہ جنس اپنی جنس پر غالب نہیں آتی ہے کیونکہ غلبہ اس وقت متحقق ہوتا ہے جبکہ شئی مغلوب معدوم ہو جائے اور شئی اپنی جنس میں مل کر معدوم نہیں ہوتی بلکہ اس میں اضافہ ہوتا ہے اس لئے کہ دونوں کا مقصود متحد ہے اور جب ایک دوسرے کے تابع نہیں تو تحریم دونوں کے ساتھ مستقلاً متعلق ہوگی نہ کہ ایک کے ساتھ۔

> وَلَبَنُ الْبِكْرِ وَالْمَيِّتَةِ مُحَرِّمٌ لَا الِاحْتِقَانُ وَلَبَنُ الرَّجُلِ وَالشَّاةِ وَلَوْ أَرْضَعَتْ ضَرَّتَهَا حَرُمَتَا وَلَا مَهْرَ لِلْكَبِيرَةِ إِنْ لَمْ يَطَأْهَا وَلِلصَّغِيرَةِ نِصْفُهُ وَيَرْجِعُ بِهِ عَلَى الْكَبِيرَةِ إِنْ تَعَمَّدَتِ الْفَسَادَ وَإِلَّا لَا وَيَثْبُتُ

کبیرہ سے بچہ پیدا ہوا اور دودھ اتر آیا پھر کبیرہ نے یہ دودھ اس کی صغیرہ بیوی کو پلا دیا تو اس صغیرہ کے ساتھ بھی حرمت مؤبدہ ثابت ہو جائیگی اس لئے کہ یہ صغیرہ اس کی رضاعی بیٹی ہوگئی اور یہ شوہر اس کا رضاعی باپ ہوگیا۔ اور اگر اس کبیرہ کا دودھ پہلے شوہر سے اترا اور اس شخص نے پہلے شوہر کے طلاق دینے کے بعد اس سے نکاح کیا درانحالیکہ یہ کبیرہ دودھ والی ہے پھر اس کبیرہ نے اس کی صغیرہ بیوی کو دودھ پلا دیا تو اب دیکھا جائیگا کہ یہ شوہر ثانی اس کبیرہ کے ساتھ دخول کر چکا یا نہیں اگر دخول کر چکا ہے تب بھی صغیرہ کے ساتھ حرمت ثابت ہو جائیگی اور اگر کبیرہ کے ساتھ دخول نہیں ہوا تو صغیرہ اس شوہر پر حرام نہیں ہوگی کیونکہ یہ صغیرہ ربیبہ ہے اور ربیبہ کا یہی حکم ہے کہ اگر اس کی ماں کے ساتھ دخول ہو چکا تو ربیبہ سے نکاح حرام ہے اور اگر اس کی ماں سے دخول نہیں ہوا تو نکاح حلال ہے بہرحال جب کبیرہ اور صغیرہ یہ دونوں ماں بیٹی ہوگئی ہیں تو حرمت ثابت ہو جائیگی اور رضاعی ماں بیٹی کا نکاح میں جمع کرنا اسی طرح حرام ہے جیسا کہ نسبی ماں بیٹی کا جمع کرنا حرام ہے۔ اب اگر شوہر نے کبیرہ کے ساتھ دخول نہیں کیا تو شوہر پر کبیرہ کیلئے مہر واجب نہیں ہوگا دودھ پلانے سے فسخ نکاح کا ارادہ کیا ہو یا نہ کیا ہو کیونکہ دودھ پلانے کی وجہ سے فرقت قبل الدخول اسی کی جانب سے آئی ہے۔ اور قبل الدخول عورت کی جانب سے فرقت کا واقع ہونا نصف مہر کو ساقط کر دیتا ہے۔ اور اگر شوہر اس کبیرہ کے ساتھ دخول کر چکا ہو تو اس کیلئے پورا مہر واجب ہوگا البتہ شوہر پر عدت کا نفقہ واجب نہیں ہوگا کیونکہ جنایت کبیرہ ہی کی طرف سے ہے۔ اور صغیرہ کو نصف مہر ملے گا کیونکہ فرقت اس کی جانب سے نہیں آئی اور دودھ پینا اگرچہ صغیرہ کا فعل ہے مگر اسقاط کے حق میں اس کا اعتبار نہیں البتہ شوہر نے جو نصف مہر صغیرہ کو دیا ہے وہ کبیرہ سے وصول کریگا بشرطیکہ کبیرہ نے فساد نکاح کا قصد کیا ہو اور اگر اس کا مقصد فساد نکاح نہ ہو بلکہ بھوک اور ہلاکت کو دور کرنا مقصود ہے تو یہ کبیرہ دودھ پلانے کی وجہ سے متعدیہ نہیں کہلائیگی کیونکہ یہ ہلاکت اور بھوک دور کرنے کیلئے دودھ پلانے کی شرعاً مامور اور مستحق اجر ہے لہذا شوہر کو رجوع کا حق حاصل نہیں ہوگا۔

رضاعت میں تنہا عورتوں کی گواہی قابل قبول نہیں

وَيَثْبُتُ بِمَا يَثْبُتُ بِهِ الْمَالُ: اور جس گواہی سے مال ثابت ہوتا ہے اسی سے رضاعت بھی ثابت ہو جاتی ہے یعنی دو مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی سے۔ امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ ایک عادل عورت کی گواہی بھی حرمت رضاعت کے ثبوت کیلئے کافی ہے کیونکہ حرمت رضاعت بھی دوسرے شرعی حقوق کی طرح ایک حق ہے اس لئے اس کا ثبوت خبر واحد سے بھی ہو سکتا ہے جیسے ایک شخص گوشت خریدے اور اسے کوئی آدمی بتائے کہ یہ مجوسی کا ذبیحہ ہے تو اب خبر واحد کی بنا پر اس کیلئے کھانا جائز نہیں ہے۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ نکاح میں اگر حرمت ثابت ہو جائے تو اسی وقت ملک نکاح زائل ہو جائیگی اور کوئی ملک اس وقت تک باطل نہیں ہوتی جب تک کہ دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں گواہی نہ دے دیں کیونکہ نکاح میں ثبوت حرمت زوال ملک سے جدا نہیں ہوتی لہذا یہ نہیں ہو سکتا کہ رضاعت کی وجہ سے حرمت نکاح ثابت ہو جائے اور ملک نکاح باقی رہے اس لئے کہ [illegible]

طلاق کی تین قسموں کا بیان

فطلقها واحدة في طهر لا وطء فيه وتركها حتى تمضي عدتها أحسن: فقہاء کرام نے طلاق کی تین قسمیں ذکر کی ہیں (۱) احسن (۲) حسن (۳) بدعی۔ طلاق مسنون پہلی دونوں قسموں پر حاوی ہے اور بدعی باء کی کسرہ کے ساتھ بدعت کی طرف منسوب ہے جو کہ سنت کی ضد ہے۔ یہاں مسنون سے مراد یہ ہے کہ جو باعث عتاب نہ ہو اس سے یہ مراد نہیں ہے کہ اس پر ثواب مرتب ہوگا کیونکہ طلاق بذات خود عبادت نہیں کہ اس پر ثواب ملے بلکہ یہاں مسنون سے مراد یہ ہے کہ جو حکماً مباح ہو ہاں طلاق بدعی کا باعث ہوتے ہوئے اگر اس سے بچے اور طلاق سنی دے تو اپنے آپ کو گناہ سے روکنے کی وجہ سے ثواب کا مستحق ہوگا نہ کہ طلاق دینے پر کیونکہ یہ تو ابغض المباحات ہے اس سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ طلاق کی بحث میں بدعت کا وہ مفہوم نہیں جو کہ عموماً مشہور ہے کہ "جو قرون ثلثہ میں نہ پائی جاتی ہو اور نہ ہی کوئی دلیل شرعی اس پر دلالت کرتی ہو۔"

وثلاثا في أطهار حسن وسني: طلاق حسن یہ ہے کہ تین طہروں میں جدا جدا تین طلاقیں دے اگر عورت کو حیض آتا ہو مصنف نے حسن کو سنت کی طرف منسوب کیا ہے اس پر شبہ ہوتا ہے کہ ظاہر لفظ سے معلوم ہوتا ہے کہ طلاق احسن سنت نہیں حالانکہ معاملہ ایسا نہیں کیونکہ فقہاء کرام نے تصریح کی ہے کہ حسن اور احسن دونوں ہی سنت کی اقسام میں سے ہیں علاوہ ازیں جب حسن سنت ہے تو احسن بطریق اولیٰ سنت ہوگی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ذکر حسن کو سنت کہنے کا مقصد امام مالکؒ کے قول کو رد کرنا ہے کیونکہ وہ اس کو بدعت کہتے ہیں اور وہ فرماتے ہیں کہ طلاق میں اصل اس کا ممنوع ہونا ہے مگر بعض اوقات اس کی ضرورت واقع ہوتی ہے اس لئے اس کو مباح کر دیا گیا اور ضرورت ایک سے پوری ہو سکتی ہے پس ایک سے زائد مسنون نہیں۔ ہماری دلیل ابن عمرؓ کا واقعہ ہے کہ جب انہوں نے بوقت حیض بیوی کو طلاق دی تو نبی کریم ﷺ نے ان کو بتلایا کہ سنت طریقہ یہ تھا کہ طہر کا انتظار کرتے اور ہر طہر میں طلاق دیتے" اس حدیث سے معلوم ہوا کہ متفرق طور پر تین طہروں میں تین طلاقیں دینا سنت سے ثابت ہے۔

وثلاثا في طهر أو بكلمة بدعي: طلاق بدعی کی تعریف طلاق سنی کی تعریف میں غور کرنے سے سمجھ میں آسکتی ہے یعنی طلاق بدعی وہ ہے جو طلاق سنت کی دونوں قسموں کے خلاف ہو بایں طور کہ ایک سے زائد دو یا تین طلاقیں دی جائیں بكلمة واحدة یا متعددة في طهر واحد۔ یا وہ ایک طلاق جو حالت حیض میں دی جائے یا وہ طلاق جو ایسے طہر میں دی جائے جس میں وطی کی ہو۔

غیر مدخول بہا کو حالت حیض میں طلاق دینے کا حکم

وغير الموطوءة تطلق للسنة ولو حائضا: اور غیر مدخول بہا کو طہر اور حیض دونوں میں طلاق دی جا سکتی ہے امام زفرؒ فرماتے ہیں کہ غیر مدخول کو حالت حیض میں طلاق دینا مکروہ تحریمی ہے وہ غیر مدخول بہا کو مدخول بہا پر قیاس کرتے ہیں۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ غیر مدخول بہا میں رغبت بھرپور ہوتی ہے حیض کی وجہ سے کم نہیں ہوتی جب تک کہ اس غیر مدخول بہا سے اس کا مقصود حاصل نہ ہو جائے لہذا شوہر کا حالت حیض میں غیر مدخول بہا کو طلاق دینے کا اقدام حاجت کی وجہ سے ہوگا نہ کہ اس سے نفرت کی وجہ سے۔

وَفَرَّقَ عَلَى الْأَشْهُرِ فِيْمَنْ لَا تَحِيْضُ وَصَحَّ طَلَاقُهُنَّ بَعْدَ الْوَطْءِ : اگر کسی عورت کو حیض نہ آتا ہو کم سنی کی وجہ سے یا بڑھاپے کی وجہ سے اور اس کا شوہر اس کو سنت کے مطابق طلاق دینا چاہتا ہے تو تین ماہ میں متفرق طور پر تین طلاق دے دے کیونکہ مہینہ صغیرہ و کبیرہ دونوں کے حق میں حیض کے قائم مقام ہے اسی طرح حاملہ عورت کے ساتھ وطی اور طلاق کے درمیان فصل ضروری نہیں بلکہ حاملہ عورت کو جماع کے بعد طلاق دینا جائز ہے اس لئے کہ حاملہ عورت کے ساتھ وطی کرنے میں عدت مشتبہ نہیں ہوتی کیونکہ حاملہ میں عدت کا طریقہ وضع حمل متعین ہے اور حمل کا زمانہ بھی وطی میں رغبت کا زمانہ ہے۔

وَطَلَاقُ الْمَوْطُوْءَةِ حَائِضًا بِدْعِيٌّ فَيُرَاجِعُهَا وَيُطَلِّقُهَا فِيْ طُهْرٍ ثَانٍ : اگر کسی مرد نے حالت حیض میں اپنی منکوحہ کو طلاق دی تو طلاق واقع ہو جائیگی اور طلاق دینے والا گنہگار ہوگا۔ اور اس کیلئے اپنی بیوی سے رجوع کرنا واجب ہوگا یہی اصح قول ہے کیونکہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا اپنے بیٹے عبد اللہ کو حکم کرو کہ وہ اس سے رجوع کرے۔ اور امر حقیقت میں وجوب کیلئے آتا ہے تو امر کو اس کے حقیقی معنی پر محمول کیا جائیگا پھر اگر اس کو طلاق دینا چاہے تو دوسرے طہر میں طلاق دیدے۔

وَلَوْ قَالَ لِمَوْطُوْءَتِهِ أَنْتِ طَالِقٌ ثَلَاثًا لِلسُّنَّةِ وَقَعَ عِنْدَ كُلِّ طُهْرٍ طَلْقَةٌ وَإِنْ نَوَى أَنْ يَقَعَ الثَّلَاثُ السَّاعَةَ أَوْ عِنْدَ كُلِّ شَهْرٍ وَاحِدَةٌ صَحَّتْ وَيَقَعُ طَلَاقُ كُلِّ زَوْجٍ عَاقِلٍ بَالِغٍ وَلَوْ مُكْرَهًا وَسَكْرَانَ وَأَخْرَسَ بِإِشَارَتِهِ حُرًّا أَوْ عَبْدًا وَاعْتِبَارُهُ بِالنِّسَاءِ وَطَلَاقُ الْحُرَّةِ ثَلَاثٌ وَالْأَمَةِ ثِنْتَانِ

ترجمہ: اور اگر اپنی موطوءہ سے کہا: تجھے تین طلاقیں بطور سنت ہیں تو ہر طہر میں ایک طلاق واقع ہوگی اگر نیت کرے کہ تینوں اسی وقت واقع ہوں یا ہر مہینے میں ایک واقع ہو تو یہ نیت صحیح ہے۔ اور ہر ایسے شوہر کی طلاق واقع ہو جاتی ہے جو عاقل بالغ ہو اگرچہ اس سے زبردستی کی ہو یا وہ مست ہو اور گونگے کی طلاق اس کے اشارہ کے ساتھ ہو جاتی ہے آزاد ہو یا غلام اور طلاق کا اعتبار عورتوں سے ہے۔ آزاد عورت کی طلاقیں تین ہیں اور باندی کی دو۔

وَلَوْ قَالَ لِمَوْطُوْءَتِهِ أَنْتِ طَالِقٌ ثَلَاثًا لِلسُّنَّةِ وَقَعَ عِنْدَ كُلِّ طُهْرٍ طَلْقَةٌ وَإِنْ نَوَى أَنْ يَقَعَ الثَّلَاثُ السَّاعَةَ أَوْ عِنْدَ كُلِّ شَهْرٍ وَاحِدَةٌ صَحَّتْ : اگر ایک شخص نے اپنی مدخولہ بیوی سے (جو ذوات الحیض میں سے تھی) کہا کہ تجھے بطریق سنت تین طلاق، تو ہر طہر میں ایک طلاق واقع ہوگی کیونکہ "للسنۃ" میں لام وقت کیلئے ہے گویا کہ اس نے کہا "وقت السنۃ" اور طلاق سنی کا وقت طہر ہی ہے جس میں جماع نہ ہو یا لام برائے اختصاص ہے یعنی تین طلاقیں جو سنت کے ساتھ مخصوص ہیں اور طلاق مطلق ہے جس سے فرد کامل مراد ہوگا اور طلاق سنی کا فرد کامل وہی ہے جو عدد اور وقت دونوں اعتبار سے سنت ہو لہذا تین طلاقیں تین طہروں میں واقع ہوں گی اور اگر وہ فی الحال تینوں طلاقوں کے واقع ہونے کی نیت کرے یا ہر مہینے کے شروع میں ایک طلاق واقع ہونے کی نیت کرے تو یہ بھی صحیح ہے کیونکہ کلام میں اس کا بھی احتمال ہے کیونکہ طلاق سنت کے مطلب ہیں (۱) نبی کریم ﷺ اور آپ کے صحابہؓ سے منقول مسنون طریقے پر ہو۔ (۲) اہل سنت والجماعت کے مذہب کے موافق ہو اب تین

طلاق بیان کی جائے اگر چہ یہ بدعی ہے لیکن اہل سنت کے نزدیک واقع ہو جاتی ہیں تو جب اس نے "ثلاثة" کے لفظ سے یہ معنی مراد لئے تو اس کی یہ نیت درست ہوگی وہ ایک ساتھ ہی تینوں طلاق واقع ہو جائیں گی۔

وَيَقَعُ طَلَاقُ كُلِّ زَوْجٍ عَاقِلٍ بَالِغٍ وَلَوْ مُكْرَهًا: شوہر اگر عاقل بالغ ہے اور اس نے اپنی منکوحہ کو طلاق دی تو طلاق واقع ہو جائیگی اور اگر بچہ یا دیوانہ یا سویا ہوا طلاق دے تو واقع نہیں کیونکہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے "كل طلاق جائز الا طلاق الصبي والمجنون" کہ ہر طلاق جائز ہے سوائے بچے اور دیوانے کی طلاق کے۔ اور اگر کسی کو مجبور کیا گیا کہ وہ اپنی بیوی کو طلاق دے اور اس نے مجبور ہو کر طلاق دیدی تو ہمارے نزدیک طلاق واقع ہو جائیگی۔ امام شافعیؒ امام مالکؒ امام احمدؒ کے نزدیک واقع نہیں ہوگی ان کی دلیل یہ ہے کہ اکراہ اور اختیار دونوں جمع نہیں ہو سکتے اور تصرفات شرعی اختیار کے ساتھ معتبر ہوتے ہیں پس مختار نہ ہونے کی وجہ سے مکرہ کی طلاق بھی واقع نہیں ہوگی۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ مکرہ نے اپنی بیوی پر طلاق واقع کرنے کا ارادہ کیا ہے اور اس میں طلاق واقع کرنے کی اہلیت بھی ہے کیونکہ اس کے سامنے دو برائیاں تھیں، ایک جان کا ضائع ہونا دوسرا بیوی کا ضائع ہونا تو اس شخص نے ان دونوں برائیوں میں سے آسان یعنی وقوع طلاق کو اختیار کر لیا اور دو برائیوں کو پہچاننا اور ان کا اختیار کرنا یہی قصد اور اختیار کی علامت ہے۔ صرف اتنی بات ضرور ہے کہ وہ اس حکم کے نفاذ پر راضی نہیں مگر طلاق کے نافذ ہونے پر راضی نہ ہونا طلاق کے واقع ہونے میں مخل نہیں ہوتا جیسا کہ ہنسی مذاق میں طلاق دینے والے کی طلاق ہو جاتی ہے۔

وَسَكْرَانَ وَأَخْرَسَ بِإِشَارَتِهِ وَلَوْ عَبْدًا: اگر کوئی شخص انتہائی نشہ کی حالت میں اپنی بیوی کو طلاق دیدے تو ہمارے نزدیک طلاق واقع ہو جائیگی اور امام شافعیؒ کا ایک قول یہ ہے کہ طلاق واقع نہیں ہوگی۔ ہم کہتے ہیں کہ اس شخص کی عقل ایسے سبب سے زائل ہوئی ہے جو معصیت اور گناہ ہے یعنی شراب خمر وغیرہ سے لہذا اس شخص کو زجر و توبیخ کرنے کیلئے اس کی عقل کو حکما باقی قرار دیا گیا ہے پس جب حکما اس کی عقل باقی ہے تو طلاق واقع ہو جائیگی۔ اور اسی طرح گونگے کی طلاق اشارے سے واقع ہو جائیگی کیونکہ گونگے کا اشارہ جب معروف ہے لہذا اس کا اشارہ دلالت میں عبارت کی مانند ہوگا۔

لَا طَلَاقُ الصَّبِيِّ وَالْمَجْنُونِ وَالنَّائِمِ وَالسَّيِّدِ عَلَى امْرَأَةِ عَبْدِهِ: بچے اور مجنون کی طلاق واقع نہیں ہوتی کیونکہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے "كل طلاق جائز الا طلاق الصبي والمجنون" "ہر طلاق جائز ہے مگر بچے اور مجنون کی طلاق"۔ کیونکہ اہلیت عقل ممیز سے ہے اور وہ ان دونوں میں معدوم ہے۔ اگر غلام اپنے آقا کی اجازت سے کسی عورت سے نکاح کرے اور پھر اسے طلاق دیدے تو واقع ہو جائیگی اور غلام کے آقا کی طلاق اس کی بیوی پر واقع نہیں ہو سکتی کیونکہ ملک نکاح غلام کا حق ہے لہذا اسقاط نکاح کا حق بھی اسی کے اختیار میں ہوگا نہ کہ اس کے آقا کے اختیار میں۔

باندی اور آزاد عورت کی تعداد طلاق

وَاعْتِبَارُهُ بِالنِّسَاءِ فَطَلَاقُ الْحُرَّةِ ثَلَاثٌ وَالْأَمَةِ ثِنْتَانِ: تعداد طلاق میں اختلاف ہے احناف کا مذہب یہ ہے کہ طلاق

بالصراحۃ میں طلاق صریح کے عدد واحد کی اجازت دی گئی ہے معلوم ہوا کہ طلاق صریح سے رجعی واقع ہوتی ہے۔ اگر شوہر ان الفاظ سے تین کی نیت کرے یا بائن کی یا سرے سے نیت ہی نہ کرے بہرحال ایک ہی طلاق واقع ہوگی جو اس کے قصد و ارادہ کا شریعت کے خلاف ہونے کی وجہ سے کوئی اعتبار نہیں ہوگا۔

وَلَوْ قَالَ أَنْتِ الطَّلَاقُ أَوْ أَنْتِ طَالِقٌ الطَّلَاقَ أَوْ أَنْتِ طَالِقٌ طَلَاقًا تَقَعُ وَاحِدَةٌ رَجْعِيَّةٌ بِلَا نِيَّةٍ أَوْ نَوَى وَاحِدَةً أَوْ ثِنْتَيْنِ وَإِنْ نَوَى ثَلَاثًا فَثَلَاثٌ: اور اگر شوہر نے یہ ترکیب اختیار کرے جس میں خبر مصدر ہو یا تاکید بطور مصدر کر دیا معرفہ جیسے انت الطلاق یا انت طالق الطلاق وغیرہ تو اس میں بھی ایک طلاق رجعی واقع ہوگی اگرچہ دو کی نیت کرے یا نیت ہی نہ کرے کیونکہ طلاق صریح میں نیت کی ضرورت نہیں ہوتی نیز صریح مصدر میں عدد کا احتمال نہیں ہوتا۔ ہاں اگر تین کی نیت کرے تو تین واقع ہو جائیں گی کیونکہ مصدر عموم اور کثرت کا احتمال رکھتا ہے اس لئے کہ مصدر اسم جنس ہے اور اسم جنس کے دو فرد ہوتے ہیں ایک فرد حقیقی دوسرا فرد حکمی۔ فرد حقیقی ایک طلاق ہے اور فرد حکمی کل کا مجموعہ یعنی تین طلاقیں ہیں اور دو کا عدد طلاق کا نہ فرد حقیقی ہے نہ فرد حکمی لہٰذا اگر شوہر نے تین طلاقوں کی نیت کی ہے تو یہ مصدر کا فرد حکمی ہونے کی وجہ سے صحیح ہے۔ ہاں عورت اگر باندی ہے تو اس کے حق میں دو طلاقوں کی نیت کرنا بھی صحیح ہے کیونکہ دو طلاق باندی کے حق میں جنس یعنی فرد حکمی ہے مگر آزاد عورت کے حق میں دو کا عدد جنس نہیں عدد محض ہے اور ان الفاظ میں وحدت کا مفہوم پایا جاتا ہے اور اس کی دو ہی صورتیں ہو سکتی ہیں یا تو ایک فرد یا ایک جنس، اور دو کا عدد ان دونوں سے الگ ہے کیونکہ دو نہ فرد حقیقی ہے اور نہ فرد حکمی۔

وَإِنْ أَضَافَ الطَّلَاقَ إِلَى جُمْلَتِهَا أَوْ إِلَى مَا يُعَبَّرُ بِهِ عَنْهَا كَالرَّقَبَةِ وَالْعُنُقِ وَالرُّوحِ وَالْبَدَنِ وَالْجَسَدِ وَالْفَرْجِ وَالْوَجْهِ: اگر شوہر نے طلاق کو کل عورت کی طرف منسوب کیا تو طلاق واقع ہو جائے گی کیونکہ اس صورت میں طلاق اپنے محل یعنی عورت کی طرف منسوب کی گئی ہے کل عورت کی طرف منسوب کرنے کی مثال "انت طالق" ہے کیونکہ "ت" عورت کی ضمیر ہے جس سے کل عورت مراد ہوگی۔ یا طلاق کی نسبت ایسے جز کی طرف کی جس سے کل عورت کو تعبیر کیا جاتا ہے جیسے رقبہ، عنق وغیرہ کیونکہ ان الفاظ سے بھی جمیع بدن کو تعبیر کیا جاتا ہے مثلاً قرآن کریم میں ہے ﴿فتحریر رقبة﴾ پس اس آیت میں نفس رقبہ مراد نہیں بلکہ ذات مراد ہے وقس علی هذا.

جزء شائع کو طلاق دینے کا حکم

أَوْ إِلَى جُزْءٍ شَائِعٍ مِنْهَا كَنِصْفِهَا أَوْ ثُلُثِهَا تَطْلُقُ وَإِلَى الْيَدِ وَالرِّجْلِ وَالدُّبُرِ لَا: اگر جزء شائع کی طرف طلاق کو منسوب کیا تو طلاق واقع ہو جائے گی مثلاً "نصفک طالق" وغیرہ، جزء شائع کہتے ہیں اس جزء غیر معین کو جو بدن کے ہر ہر حصہ پر صادق آئے، دوسری بات یہ کہ جزء شائع کل کے حکم میں ہوتا ہے کیونکہ جزء شائع تمام تصرفات بیع وغیرہ کا محل ہے اور چونکہ طلاق بھی ایک تصرف ہے لہٰذا اس کا بھی محل ہوگا اگر طلاق ان اجزاء معین کی طرف منسوب کی جس سے عورت کے کل بدن کو تعبیر نہیں کیا جاتا تو طلاق

زائد مراد ہوتا ہے اور دیگر ان کے درمیان مسافت تو جیسے ایک سے دو تک تو اس میں اکثر سے کم مراد ہوتا ہے جیسا کہا جاتا ہے سنی من ستین الی سبعین میری عمر ساٹھ سے زائد اور ستر سے کم ہے پس پہلی صورت میں ایک اور دوسری صورت میں دو طلاقیں واقع ہوں گی۔ صاحبین کی دلیل کا جواب یہ ہے کہ روز مرہ کی بولی میں تو کلام کا ارادہ اباحت کے موقع پر کیا جاتا ہے اور طلاق میں اصل ممانعت ہے لہٰذا طلاق کے مسئلہ کو اس پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے۔ امام زفر کی دلیل کا جواب یہ ہے کہ غایت اولیٰ کا موجود ہونا ضروری ہے تا کہ اس پر غایت ثانیہ مرتب ہو سکے یعنی حد و غیرہ میں پہلی غایۃ کا اعتبار ضروری کرنا پڑتا ہے مثلاً کوئی کہے کہ میری عمر ساٹھ ستر کے درمیان ہے اور ساٹھ کا اعتبار ہی نہ کیا جائے تو ستر ستر ہی نہیں بن سکتے بلکہ دس بن جائیں گے لہذا غایت ثانیہ کے مرتب ہونے کیلئے ضروری ہے کہ غایت اولیٰ کا اعتبار کریں اور یہی صورت طلاق میں ہے بخلاف بیع کے کہ وہاں غایت اولیٰ کے اعتبار کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ وہاں تو دونوں غایتیں بیع سے پہلے ہی موجود ہوتی ہے اور طلاق کی صورت میں طلاق سے پہلے تو غایہ موجود نہیں بلکہ پہلی غایہ طلاق دینے پر موجود ہوگی اگر پہلی کا اعتبار ہی نہ کریں تو دوسری اس پر کیسے مرتب ہوگی۔

وَوَاحِدَةٌ فِي ثِنْتَيْنِ وَاحِدَةٌ إِنْ لَمْ يَنْوِ أَوْ نَوَى الضَّرْبَ وَإِنْ نَوَى وَاحِدَةً وَثِنْتَيْنِ فَثَلَاثٌ وَثِنْتَيْنِ فِي ثِنْتَيْنِ ثِنْتَانِ وَإِنْ نَوَى الضَّرْبَ: اگر کوئی اپنی بیوی سے کہے "انت طالق واحدۃ فی ثنتین" اور ضرب وحساب کی نیت کرے یا کچھ نیت نہ کرے تو ایک طلاق واقع ہوگی کیونکہ ضرب کا عمل اجزاء کو بڑھانے کیلئے ہوتا ہے مضروب میں اضافے کیلئے نہیں اگر ایک طلاق کے اجزاء کثیر ہو جائیں تو اس سے تعدد لازم نہیں آتا۔ اور اگر ایک اور دو کی نیت کی یعنی فی کو واؤ عاطفہ کے معنی میں استعمال کیا تو تین واقع ہوں گی کیونکہ الفاظ میں اس کا احتمال موجود ہے وہ بھی جمع کیلئے استعمال ہوتی ہے اگر عورت غیر مدخول بہا ہو تو ایک واقع ہوگی۔ اور اگر فی کو مع کے معنی میں استعمال کیا تو تین واقع ہوں گی زوجہ مدخول بہا ہو یا غیر مدخول بہا کیونکہ "فی" بمعنی مع بھی مستعمل ہے جیسا کہ قول تعالیٰ فادخلی فی عبادی ای مع عبادی۔ اور اگر کوئی اپنی منکوحہ کو کہے "انت طالق ثنتین فی ثنتین" اور ضرب وحساب کی نیت کر لی تو دو ہی طلاقیں واقع ہوں گی کیونکہ عدد میں مذکور اول معتبر ہے۔

وَمِنْ هُنَا إِلَى الشَّامِ وَاحِدَةٌ رَجْعِيَّةٌ: اگر کسی شخص نے اپنی بیوی کو کہا تجھے یہاں سے ملک شام تک طلاق ہے تو ہمارے نزدیک طلاق رجعی واقع ہوگی امام زفر کے نزدیک طلاق بائن واقع ہوگی کیونکہ مرد نے طلاق کو طول سے متصف کیا ہے اور یہ طوالت بائن ہونے کا تقاضا کرتی ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ اس نے طول سے کہاں متصف کیا اس نے تو محدود کر دیا ہے کیونکہ "انت طالق" اس کی یہ صفت ہے کہ عورت روم میں، شام میں ہو یا پاکستان میں غرضیکہ جہاں بھی ہو طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ تو مرد نے طلاق کو شام کے ساتھ مقید کر کے عمومیت کے امکانات کم کر دیے لیکن مذکورہ صورت میں بھی ہر مقام پر طلاق واقع ہو جائے گی مرد کے مشروط کرنے سے تخصیص نہیں ہوگی۔

وَبِمَكَّةَ أَوْ فِي مَكَّةَ أَوْ فِي الدَّارِ تَنْجِيزٌ: اگر مرد نے کہا "انت طالق بمکۃ او فی مکۃ" تو اسی وقت طلاق واقع ہو

عدم طلاق کے ساتھ معلق کیا ہے اور عدم طلاق کا تحقق اسی وقت ہوتا ہے جب زندگی سے مایوسی ہو جائے۔ صاحبین کے نزدیک اس صورت میں بھی خاموش ہوتے ہی طلاق واقع ہو جائیگی کیونکہ کلمہ "اذا" وقت کیلئے استعمال ہوتا ہے جیسے کہ کلام باری تعالیٰ میں ہے ﴿اذا الشمس کورت﴾ "جب سورج لپیٹ دیا جائیگا" یہاں اذا برائے وقت استعمال ہوا ہے۔ ایسے ہی ایک شاعر کا شعر ہے: واذا تکون کریھۃ ادعی لھا۔ واذا یحاس الحیس یدعی جندب۔ "جب جنگ وجدال کا وقت ہوتا ہے تو مجھے بلایا جاتا ہے مگر جب حلوا پایا جاتا ہے تو جندب کو بلایا جاتا ہے"۔ تو "اذا" بمعنی "متی" کے ہوگا اسی وجہ سے اگر شوہر نے بیوی سے کہا "انت طالق اذا شئت" تو "جب تو چاہے تجھے طلاق ہے" تو مجلس سے اٹھ جانے پر اختیار اس کے ہاتھ سے نہیں جائیگا جیسے کہ متی شئت کہنے سے بھی اذا لم اطلقک اور متی لم اطلقک دونوں برابر ہیں امام صاحب فرماتے ہیں کہ کلمہ اذا بطریق اشتراک شرط میں بھی مستعمل ہے جیسے شعر کہا ہے: واستغن ما اغناک ربک بالغنی۔ واذا تصبک خصاصۃ فتجمل۔" جب تک اللہ تعالیٰ تجھے دولت مندی عطا کرتا ہے تو اس کا اظہار کرو اور اگر تو فقر وفاقہ میں مبتلا ہو جائے تو صبر جمیل اختیار کر"۔ اس شعر میں اذا شرط کے معنی میں ہے کیونکہ اس کے بعد مضارع کو جزم دیا ہے اور اگر "اذا" بمعنی شرط لیا جائے تو "ان" کی طرح اسی وقت طلاق واقع نہیں ہوگی اور اگر وقت کے معنی میں لیا جائے تو اسی وقت طلاق واقع ہوگی اور قرینہ کوئی نہیں ہے لہذا شک دو احتمال کی وجہ سے طلاق واقع نہیں ہوگی۔ یہ اختلاف اس صورت میں ہے جب مرد نے کوئی نیت نہ کی ہو ہاں اگر وقت کی نیت کرے تو اسی وقت طلاق واقع ہو جائیگی اور اگر شرط کی نیت کرے تو آخر عمر میں کیونکہ لفظ میں دونوں احتمال موجود ہیں۔

انت طالق ما لم اطلقک انت طالق طلقت ھذہ الطلقۃ: اگر شوہر نے کہا "انت طالق ما لم اطلقک انت طالق" "تجھے طلاق ہے جب تک میں تجھے طلاق نہ دوں تجھے طلاق ہے" تو عورت دوسرے "انت طالق" سے استحساناً مطلقہ ہو جائیگی یعنی اسی وقت ہے جب کہ متصل کہے۔ اور اگر رک کر دوسری بار "انت طالق" کہے تو دو طلاقیں واقع ہوں گی۔ اور قیاس کا تقاضا ہے کہ جو طلاق "ما لم اطلقک" کی جانب منسوب کی گئی ہے وہ بھی واقع ہو جائے تو اب اس صورت میں دو طلاقیں واقع ہوں گی ایک وہ طلاق جو منسوب کی گئی اور ایک اس سے جو بعد میں "انت طالق" ہے اور امام زفر کا یہی قول ہے کیونکہ "انت طالق" کے ختم ہونے تک اتنا وقت پایا گیا جو خالی عن التطلیق ہے اگرچہ بہت کم ہے۔ پس شرط کے پائے جانے کی وجہ سے طلاق مضاف اور بعد والی جو غیر معلق ہے دونوں واقع ہو جائیں گی۔ استحسان کی وجہ یہ ہے کہ قسم کو پورا کرنے کا زمانہ یعنی انت طالق کہنے کا وقت دلالت حال کی وجہ سے یمین سے مستثنیٰ ہوتا ہے کیونکہ مقصود "بر" یعنی قسم کو پورا کرنا ہی ہے اور تحقق "بر" ممکن نہیں ہوتا جب تک کہ اس قدر زمانہ مستثنیٰ نہ کیا جائے کہ جس میں وہ اپنی قسم سے بری ہو سکے لہذا جب اس قدر وقت ضرورت کے پیش نظر مستثنیٰ کر لیا گیا تو پہلی طلاق واقع نہیں ہوگی۔ مثلاً کوئی شخص قسم کھائے کہ میں اس گھر میں نہیں رہوں گا اور اسی وقت وہاں سے سامان منتقل کرنا شروع کر دے تو یہ وقت یمین سے مستثنیٰ ہوگا۔

(أنت كذا يوم أتزوجك فنكحها ليلا حنث بخلاف الأمر باليد): ایک شخص نے بیوی سے کہا کہ جس دن میں تجھ سے نکاح کروں تجھے طلاق پھر اس نے رات میں نکاح کیا تو حانث ہو جائیگا یعنی طلاق واقع ہو جائیگی کیونکہ اس کلام میں یوم سے مراد مطلق وقت ہے اور اگر یہ کہے "أمرك بيدك" یعنی تجھے طلاق کا اختیار ہے جس دن کہ زید آئے اور زید رات میں آیا تو عورت کو طلاق کا اختیار نہیں ہوگا اس کی وجہ یہ ہے کہ جب یوم کسی فعل ممتد کیساتھ مقرون ہو تو اس سے نہار مراد ہوتا ہے جیسے امر بالید، رکوب، صوم وغیرہ۔ اور جب کسی فعل غیر ممتد کیساتھ مقرون ہو تو اس سے مطلق وقت مراد ہوتا ہے جو دن اور رات سب کو شامل ہوتا ہے جیسے ایقاع طلاق، تزوج، دخول وغیرہ۔

انا منک طالق سے نیت طلاق سے بھی طلاق نہیں ہوگی

(أنا منك طالق لغو وإن نوى وتبين في البائن والحرام): اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے کہے "أنا منك طالق" خواہ طلاق ہی کی نیت کرے تو طلاق واقع نہیں ہوگی اور اگر کہے "أنا منك بائن أو عليك حرام" یعنی میں تجھ سے بائن ہوں یا تجھ پر حرام ہوں۔ اور طلاق کی نیت کرے تو طلاق واقع ہو جائیگی امام شافعی کے نزدیک پہلی صورت میں بھی بشرط نیت طلاق واقع ہو جائیگی کیونکہ ملک نکاح میاں بیوی دونوں میں مشترک ہوتا ہے حتی کہ مرد جس طرح عورت سے تمکین علی الوطی کا مطالبہ کا حق رکھتا ہے عورت بھی مہر شرت کا مطالبہ کر سکتی ہے اور طلاق اسی حلت اور ملک نکاح کے ازالے کیلئے ہوتی ہے تو اسے جس طرح عورت کی طرف منسوب کیا جاتا ہے مرد کی طرف بھی منسوب کیا جا سکتا ہے اور ابانہ اور حرمت میں تو آپ نے بھی تسلیم کیا ہے ہماری دلیل یہ ہے کہ طلاق قید نکاح کے ازالہ کیلئے ہوتی ہے اور یہ قید عورت میں پائی جاتی ہے نہ کہ مرد میں اس لئے کہ عورت ایک مرد کے نکاح میں ہوتے ہوئے دوسرے شخص سے نکاح نہیں کر سکتی اگر تسلیم کیا جائے تو بھی طلاق عورت پر ہی واقع ہوتی ہے بخلاف ابانت کے کیونکہ یہ ابانت اس رشتہ کے ازالے کیلئے ہوتی ہے جو دونوں میں مشترک ہے اور اسی طرح تحریم کے کیونکہ یہ ازالہ حلت کیلئے ہوتی ہے اور حلت بھی میاں بیوی دونوں میں مشترک ہوتی ہے مگر طلاق کو صرف عورت کی طرف ہی منسوب کرنا درست ہوگا۔

(أنت طالق واحدة أو لا): اگر شوہر اپنی بیوی سے کہے "أنت طالق واحدة أو لا" تجھے ایک طلاق ہے یا نہیں ہے۔ تو یہ کلام لغو ہوگا کیونکہ جب طلاق کو عدد کے ساتھ ملا کر ذکر کیا جائے تو وقوع طلاق عدد کے ساتھ ہوگا نہ کہ صیغہ صفت کے ساتھ یہی وجہ ہے کہ اگر کسی نے اپنی غیر مدخول بہا بیوی سے "أنت طالق ثلاثا" کہا تو تینوں طلاقیں واقع ہو جائیں گی اگر طلاق کا وقوع صیغہ صفت کے ساتھ ہوتا تو "ثلاثا" کا ذکر لغو ہوتا جب معاملہ اس طرح ہے تو اصل ایقاع میں شک پیدا ہو گیا تو کچھ واقع نہیں ہوگا۔

(أنت طالق مع موتي أو مع موتك لغو): اگر مرد نے عورت سے کہا "أنت طالق مع موتي أو مع موتك" تجھے میری موت پر یا تیری موت پر طلاق ہوگی تو کچھ واقع نہیں ہوگا کیونکہ طلاق ایسی حالت کی طرف منسوب کی گئی ہے جو حالت طلاق کے منافی ہے کیونکہ مرد کی موت اہلیت طلاق کے منافی ہے اور عورت کی موت محل طلاق کے منافی ہے۔

وَلَوْ مَلَكَهَا أَوْ شِقْصَهَا أَوْ مَلَكَتْهُ أَوْ شِقْصَهُ بَطَلَ الْعَقْدُ فَلَوِ اشْتَرَاهَا وَطَلَّقَهَا لَمْ يَقَعْ أَنْتِ طَالِقٌ ثِنْتَيْنِ مَعَ عِتْقِ مَوْلَاكِ إِيَّاكِ فَأَعْتَقَ لَهُ الرَّجْعَةُ وَلَوْ تَعَلَّقَ عِتْقُهَا وَطَلْقَتَاهَا بِمَجِيءِ الْغَدِ فَجَاءَ لَا وَعِدَّتُهَا ثَلَاثُ حِيَضٍ أَنْتِ طَالِقٌ هٰكَذَا وَأَشَارَ بِثَلَاثِ أَصَابِعَ فَهِيَ ثَلَاثٌ أَنْتِ طَالِقٌ بَائِنٌ أَوِ الْبَتَّةَ أَوْ أَفْحَشَ الطَّلَاقِ أَوْ طَلَاقَ الشَّيْطَانِ أَوِ الْبِدْعَةِ أَوْ كَالْجَبَلِ أَوْ أَشَدَّ الطَّلَاقِ أَوْ كَأَلْفٍ أَوْ مِلْءَ الْبَيْتِ أَوْ تَطْلِيقَةً شَدِيدَةً أَوْ طَوِيلَةً أَوْ عَرِيضَةً فَهِيَ وَاحِدَةٌ بَائِنَةٌ إِنْ لَمْ يَنْوِ ثَلَاثًا

ترجمہ: اگر شوہر بیوی کے کل یا جزء کا مالک ہو گیا یا بیوی شوہر کے کل یا جزء کی مالک ہو گئی تو نکاح باطل ہو جائیگا پس اگر منکوحہ باندی کو خرید کر طلاق دی تو واقع نہ ہوگی تجھے دو طلاق ہیں جس ہی تجھ کو تیرا آقا آزاد کرے آقا نے آزاد کر دیا تو رجوع کر سکتا ہے اور اگر آزادی اور دو طلاقیں کل کے آنے پر معلق ہوں اور کل آ جائے تو رجوع نہیں کر سکتا۔ اور اس کی عدت تین حیض ہیں تین انگلیوں کے اشارے سے کہا تجھے اتنی طلاق تو تین ہوں گی تجھے طلاق بائن ہے یا طلاق بتہ یا فحش تر طلاق یا شیطان کی طلاق یا بدعت کی طلاق یا پہاڑ جیسی یا سخت تر طلاق یا مثل ہزار یا گھر بھر کر یا شدید ترین طلاق یا لمبی یا چوڑی تو ان سب میں ایک طلاق بائن واقع ہوگی اگر تین کی نیت نہ کرے۔

وَلَوْ مَلَكَهَا أَوْ شِقْصَهَا أَوْ مَلَكَتْهُ أَوْ شِقْصَهُ بَطَلَ الْعَقْدُ فَلَوِ اشْتَرَاهَا وَطَلَّقَهَا لَمْ يَقَعْ أَنْتِ طَالِقٌ: اگر شوہر اپنی بیوی کے کل یا بعض کا یا بیوی اپنے شوہر کے کل یا بعض کی مالک بن گئی خریدنے کی وجہ سے یا وراثت سے یا ہبہ اور صدقہ وغیرہ سے تو ان صورتوں میں دونوں کے درمیان فرقت واقع ہو جائیگی کیونکہ ملک نکاح اور ملک یمین کے درمیان منافات ہیں۔ اور اگر شوہر نے اپنی منکوحہ باندی کو خریدا پھر طلاق دی تو طلاق واقع نہیں ہوگی کیونکہ طلاق تقاضا کرتی ہے بقاء نکاح کا اور منافی نکاح یعنی ملک رقبہ کے رہتے ہوئے نکاح کیلئے کوئی بقاء نہیں۔

ثِنْتَيْنِ مَعَ عِتْقِ مَوْلَاكِ إِيَّاكِ فَأَعْتَقَ لَهُ الرَّجْعَةُ: جب عورت غیر کی باندی ہو اور خاوند اسے کہے "انت طالق ثنتین مع عتق مولاك اياك" تجھے مولیٰ کے آزاد کرنے کے ساتھ ہی دو طلاقیں ہیں مالک نے آزاد کر دیا تو عورت پر طلاق واقع ہو جائیگی اور خاوند کو رجوع کا اختیار ہوگا کیونکہ یہاں طلاق کیلئے آزادی شرط ہے اور شرط مشروط پر مقدم ہوتی ہے تو پہلے عورت آزاد ہوئی پھر اس پر طلاق واقع ہوئی اور دو طلاقوں کے بعد آزاد عورت سے رجوع جائز ہے۔ اور رہا کلمہ "مع" کہ وہ معیت کے معنی میں استعمال ہوتا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ کلمہ "مع" تاخیر کیلئے بھی استعمال ہوتا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿فَإِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا إِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا﴾ کہ تنگی کے بعد آسانی ہوتی ہے یعنی تنگی کے ختم ہونے کے بعد آسانی آتی ہے تو شرط کی بناء پر یہاں مع بمعنی بعد ہی لیں گے۔

وَلَوْ تَعَلَّقَ عِتْقُهَا وَطَلْقَتَاهَا بِمَجِيءِ الْغَدِ فَجَاءَ لَا وَعِدَّتُهَا ثَلَاثُ حِيَضٍ: اگر شوہر نے بیوی سے کہا "اذا جاء غد فانت طالق ثنتين" جب کل آئے تو تجھے دو طلاقیں ہیں اور مالک نے کہا "اذا جاء غد فانت حرة" جب کل آئے تو تو آزاد ہے

جب کل کا دن آیا تو شیخین کے نزدیک باندی کو دو طلاقیں مغلظہ واقع ہوں گی اور جب تک دوسرے مرد سے نکاح نہ کرے گی اس خاوند کیلئے حلال نہیں ہوگی کیونکہ شوہر نے طلاق کو اس کی آزادی کے ساتھ معلق نہیں کیا بلکہ اس نے طلاق کو اسی شرط کے ساتھ معلق کیا ہے جس کے ساتھ اس کے مولیٰ نے آزادی کو معلق کیا ہے لہٰذا آزادی عورت کو اس حالت میں ملے گی جب وہ باندی تھی اور اسی طرح طلاق بھی دونوں بیک وقت ۔ دونوں کے البتہ عدت احتیاطاً تین حیض قرار دی جائیگی۔

انت طالق ھکذا واشار بثلاث اصابع فھی ثلاث: اگر کسی نے اپنی بیوی سے کہا "انت طالق ھکذا" اور تین انگلیوں کیساتھ اشارہ کیا تو اس صورت میں تین طلاقیں واقع ہوں گی کیونکہ جب اشارہ مبہم کے ساتھ متصل ہو تو وہ انگلیوں سے اشارہ کرنا علم بالعدد کا فائدہ دیتا ہے اور عدد جاننے کیلئے انگلیوں سے اشارہ کافی ہے۔

انت طالق بائن او البتۃ: اگر شوہر نے طلاق کو شدت یا زیادت کی وصف کے ساتھ متصف کیا مثلاً "انت طالق بائن یا انت طالق البتہ" کہا تو اس صورت میں طلاق بائن واقع ہوگی۔ امام شافعیؒ کے نزدیک اگر مدخول بہا ہے تو طلاق رجعی واقع ہوگی کیونکہ طلاق کے بعد رجعت مشروع ہے پس اس کو بینونت کے ساتھ متصف کرنا خلاف شرع ہے لہٰذا یہ صفت لغو ہوگی۔ ہم کہتے ہیں کہ لفظ طلاق کو ایسی صفت کے ساتھ متصف کیا گیا ہے جس کا لفظ احتمال رکھتا ہے کیونکہ اگر دخول سے پہلے طلاق صریح دی گئی تو طلاق بائنہ واقع ہوگی تو معلوم ہوا کہ لفظ طلاق بینونت کا احتمال رکھتا ہے تو دو احتمالوں میں سے ایک کو متعین کرنا ہے۔

او افحش الطلاق او طلاق الشیطان او البدعۃ: اگر کوئی شخص "انت طالق افحش الطلاق" کہے تو ایک بائن طلاق واقع ہوگی کیونکہ طلاق رجعی بینونہ مؤجلہ کو ثابت کرتی ہے تو یہ اس سے فحش تر ہے۔ اگر "انت طالق طلاق الشیطان" یا "طلاق البدعۃ" کہا تو ہمارے نزدیک ایک بائن واقع ہوگی کیونکہ ایک رجعی تو سنت ہوتی ہے اور طلاق شیطان یا طلاق بدعت تو نہیں ہوگی

انت طالق کالجبل یا اشد الطلاق یا کالف سے طلاق دینے کا حکم

او کالجبل او اشد الطلاق او کالف او ملء البیت: اگر کسی نے "انت طالق کالجبل" کہا تو ایک طلاق بائن واقع ہوگی کیونکہ جبل سے تشبیہ کا تقاضا اس کا زیادتی ہے اور زیادتی وصف میں ہی ہو سکتی ہے۔ اگر "انت طالق اشد الطلاق او کالف او ملء البیت" کہا تو ایک طلاق بائن واقع ہوگی کیونکہ پہلی صورت میں اس نے طلاق کو شدت سے موصوف کیا ہے تو وہ بائن ہوگی کیونکہ طلاق رجعی رجوع کرنے سے ساقط ہونے کا احتمال رکھتی ہے اور بائن نہیں رکھتی تو یہی شدید ہوگی اور دوسری صورت میں اس لئے کہ "الف" سے کبھی قوت میں تشبیہ مراد ہوتی ہے جیسے کہا جاتا ہے "ھو الف رجل" وہ ایک ہزار آدمیوں کے برابر ہے اور کبھی عدد میں تشبیہ مراد ہوتی ہے پس دونوں چیزوں کی نیت کرنا صحیح ہے اور اگر نیت نہ ہو تو ان دونوں میں جو اقل ہے وہ ثابت ہو جائیگا اور یہ بات ظاہر ہے کہ ایک بائنہ بمقابلہ تین طلاقوں کے اقل ہے۔ اور تیسری صورت میں اس لئے کہ کوئی شئی کبھی گھر کو عظیم ہونے کی وجہ سے بھرتی ہے اور کبھی کثرت کی وجہ سے تو جس کی نیت کریگا وہ صحیح ہوگی اور عدم نیت کے وقت اقل (یعنی بائنہ) ثابت ہوگی۔

أَوْ تَطْلِيقَةً شَدِيدَةً أَوْ طَوِيلَةً أَوْ عَرِيضَةً فَهِيَ وَاحِدَةٌ بَائِنَةٌ إِنْ لَمْ يَنْوِ ثَلَاثًا: اگر شوہر نے "انت طالق تطلیقۃ شدیدۃ او عریضۃ او طویلۃ" کہا تو ایک بائن طلاق واقع ہوگی کیونکہ جس چیز کا تدارک ممکن نہ ہو وہ مرد کو شدید ہی معلوم ہوتی ہے اور وہ بائن ہے اور اسی طرح جو کام انسان کیلئے سخت اور مشکل ہو اس کیلئے کہا جاتا ہے کہ یہ تو بڑا لمبا چوڑا کام ہے۔ اور "انت بائن" سے لے کر یہاں تک تمام صورتوں میں اگر تین طلاق کی نیت کی تو تین واقع ہو جائیں گی۔

فَصْلٌ فِي الطَّلَاقِ قَبْلَ الدُّخُولِ

طلاق قبل الدخول کا بیان

طَلَّقَ غَيْرَ الْمَوْطُوءَةِ ثَلَاثًا وَقَعْنَ وَإِنْ فَرَّقَ بَانَتْ بِوَاحِدَةٍ وَلَوْ مَاتَتْ بَعْدَ الْإِيقَاعِ قَبْلَ الْعَدَدِ لَغَا وَلَوْ قَالَ أَنْتِ طَالِقٌ وَاحِدَةً وَوَاحِدَةً أَوْ قَبْلَ وَاحِدَةٍ أَوْ بَعْدَهَا وَاحِدَةٌ تَقَعُ وَاحِدَةٌ وَفِي بَعْدَ وَاحِدَةٍ أَوْ قَبْلَهَا وَاحِدَةٌ أَوْ مَعَ وَاحِدَةٍ أَوْ مَعَهَا ثِنْتَانِ إِنْ دَخَلْتِ الدَّارَ فَأَنْتِ طَالِقٌ وَاحِدَةً وَوَاحِدَةً فَدَخَلَتْ تَقَعُ وَاحِدَةٌ وَإِنْ أَخَّرَ الشَّرْطَ فَثِنْتَانِ

ترجمہ: غیر موطوءہ کو تین طلاقیں دیں تو تینوں واقع ہو جائیں گی اور اگر جدا جدا دیں تو ایک ہی سے بائنہ ہو جائے گی اور اگر ایقاع طلاق کے بعد عدد سے پہلے مر گئی تو لغو ہو جائے گی اور اگر کہا تجھے طلاق ہے ایک اور ایک یا ایک سے پہلے یا ایک جس کے بعد ایک ہے تو ایک واقع ہوگی اور اس قول میں کہ تجھے طلاق ہے ایک ایک کے بعد یا جس سے پہلے ایک ہے یا جس کے ساتھ ایک ہے تو دو واقع ہوں گی اگر تو گھر میں داخل ہوئی تو تجھے ایک اور ایک طلاق ہے پس عورت داخل ہوگئی تو ایک واقع ہوگی اور اگر شرط کو مؤخر کرے تو دو واقع ہوں گی۔

طَلَّقَ غَيْرَ الْمَوْطُوءَةِ ثَلَاثًا وَقَعْنَ: اگر کسی نے اپنی غیر موطوءہ بیوی کو تین طلاقیں دیں تو تینوں واقع ہو جائیں گی کیونکہ جب طلاق کو عدد سے متصف کیا جائے تو یہ مصدر محذوف کی صفت ہوتا ہے تو طلاق عدد کے مطابق واقع ہوتی ہے اور حسن بصریؒ کے نزدیک ایک واقع ہوگی کیونکہ غیر مدخول بہا تین طلاقوں کا محل نہیں اس لئے ثلاثا کا لفظ لغو ہوگا کیونکہ عورت انت طالق کہنے ہی سے بائنہ ہو جائیگی۔ ہم کہتے ہیں پورا جملہ کلمہ واحدہ شمار ہوگا تو جملے کے بعض حصے کو بعض سے جدا نہیں کیا جائیگا۔ زید بن ثابت اور حضرت علی وابن مسعود وابن عباس، جمہور تابعین اور فقہاء کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اسی کے قائل ہیں۔

وَإِنْ فَرَّقَ بَانَتْ بِوَاحِدَةٍ: اگر تین طلاقیں متفرق طور پر دیں تو پہلی ہی سے بائن ہو جائیگی دوسری اور تیسری واقع نہیں ہوگی کیونکہ اس وقت ہر طلاق کا ایقاع علیحدہ مقصود ہے اور آخر کلام میں عدد اور شرط میں سے کوئی ایسی چیز مذکور نہیں جو اول کلام کو متغیر کر دے لہذا ایک طلاق واقع ہوتے ہی فی الحال بائنہ ہو جائیگی اور جب پہلی طلاق سے بائنہ ہوگئی تو دوسری اور تیسری لغو ہو جائیگی کیونکہ ایسی بائنہ کہ اس پر عدت بھی واجب نہ ہو وہ محل طلاق نہیں ہوتی۔

وَلَوْ مَاتَتْ بَعْدَ الْإِيقَاعِ قَبْلَ الْعَدَدِ لَغَا: اگر شوہر نے اپنی بیوی کو طلاق دی اور اس کے ساتھ عدد ذکر کیا لیکن ابھی عدد ذکر

کرنے سے پہلے مرگئی تو کوئی طلاق واقع نہیں ہوگی کیونکہ شوہر نے وصف طلاق کو عدد کے ساتھ ملایا ہے اور وقوع طلاق میں عدد معتبر ہوگا نہ کہ وصف۔ لیکن جب وہ عدد ذکر کرنے سے پہلے مرگئی تو ایقاع طلاق سے پہلے ہی محل فوت ہوگیا لہٰذا اس کا کلام باطل ہوگا اور طلاق واقع نہیں ہوگی۔

وَلَوْ قَالَ اَنْتِ طَالِقٌ وَاحِدَةً وَّوَاحِدَةً: اگر مرد نے غیر مدخول عورت سے کہا: "تجھے ایک اور ایک طلاق ہے" تو صرف ایک طلاق واقع ہوگی کیونکہ عورت پہلی طلاق ہی سے بائنہ ہوجائیگی اور دوسری طلاق کا محل نہیں رہے گی۔

انت طالق واحدة قبل واحدة او بعدها واحدة سے طلاق دینے کا حکم

اَوْقَبْلَ وَاحِدَةٍ اَوْ بَعْدَهَا وَاحِدَةٌ تَقَعُ وَاحِدَةٌ وَفِیْ بَعْدَ وَاحِدَةٍ اَوْقَبْلَهَا وَاحِدَةٌ: اگر مرد نے غیر مدخولہ عورت سے کہا: أنت طالق واحدة قبل واحدة او بعدها واحدة. "تجھے ایک طلاق سے پہلے ایک طلاق ہے یا ایک طلاق کے بعد ایک طلاق ہے" تو ایک واقع ہوگی۔ اس میں اصول یہ ہے کہ جب لفظ قبل اور بعد جب ہاء کنایہ یعنی ضمیر کے ساتھ مقید کیا جائے تو ظرف اس کی صفت بنتا ہے جو مابعد میں ذکر کیا جائے جیسے جاءنی زید قبله عمرو یعنی عمرو زید سے پہلے آچکا تھا اگر ظرف ہاء کنایہ کے ساتھ مقید نہ ہو تو ظرف ما قبل کی صفت بنتا ہے جیسے جاءنی زید قبل عمرو یعنی زید عمرو سے پہلے آیا دوسری بات یہ ہے کہ غیر مدخول بہا عورت ایک طلاق سے بائن ہوجاتی ہے اور اس کے بعد محل طلاق نہیں رہتی اب اگر کسی نے کہا انت طالق واحدة قبل واحدة تو اس صورت میں لفظ قبل ماقبل کی صفت ہوگا اور معنی یہ ہوں گے کہ واحدہ اولی پہلے واقع ہوئی اور واحدہ ثانیہ بعد میں پس جب واحدہ اولی واقع ہوئی تو غیر مدخول بہا بائنہ ہوگئی اور واحدہ ثانیہ کیلئے محل باقی نہ رہنے کی وجہ سے واحدہ ثانیہ لغو ہوگئی تو اس صورت میں ایک واقع ہوگئی اور اگر کہا انت طالق واحدة بعدها واحدة اس صورت میں لفظ بعد مابعد کی صفت ہوگا یعنی یوں ہوں گے کہ تجھ کو ایک طلاق ہے اس کے بعد ایک ہے یعنی واحدہ اولی سے غیر مدخول بہا بائنہ ہوگئی اس کے بعد واحدہ ثانیہ محل طلاق فوت ہونے کی وجہ سے لغو ہوجائیگی لہٰذا اس صورت میں بھی ایک ہی واقع ہوگی اور اگر کہا انت طالق واحدة قبلها واحدة اس صورت میں لفظ قبل مابعد کی صفت ہوگا یعنی تجھ کو ایک طلاق ہے اس سے پہلے ایک تو اس کا تقاضا یہ ہے کہ عورت زمانہ ماضی میں واقع ہو اور پہلی اسی وقت اور طلاق کا ماضی میں واقع ہونا گویا حال میں واقع ہونا ہے تو دونوں اکٹھی ہوجائیں گی اور دونوں واقع ہوجائیں گی اور اگر کہا انت طالق واحدة بعد واحدة یعنی تجھ کو ایک طلاق ہے بعد ایک کے اس صورت میں لفظ بعد قبل کی صفت ہوگا اور اس کا تقاضا یہ ہے کہ پہلی تو اسی وقت واقع ہوجائیگی اور دوسری اس سے پہلے۔ پس دونوں اکٹھی ہو کر دونوں واقع ہوجائیں گی۔

اَوْ مَعَ وَاحِدَةٍ اَوْ مَعَهَا ثِنْتَانِ: اگر کسی نے کہا انت طالق واحدة مع واحدة یا انت طالق واحدة معها واحدة تو دو طلاقیں واقع ہوجائیں گی کیونکہ کلمہ مع اقتران واتصال کیلئے آتا ہے تو دونوں ساتھ ساتھ واقع ہوں گی اور مذکورہ تمام صورتوں میں مدخول بہا پر دو واقع ہوں گی کیونکہ مدخول بہا ایک کے واقع ہونے کے بعد بھی محل طلاق رہتی ہے۔

اور یوں سمجھے جا، اور دور نکل جا، بھی جا، اٹھ کھڑی ہو، اور شوہر تلاش کر۔

کنائی میں نیت یا دلالت حال سے طلاق واقع ہوتی ہے

لا تطلق بها إلا بنية أو دلالة الحال: الفاظ کنایات سے بغیر نیت طلاق یا بغیر دلالت حال طلاق واقع نہیں ہوتی نیت اور دلالت حال کا ہونا اس لئے ضروری ہے کہ کنائی الفاظ میں طلاق اور غیر طلاق دونوں کا احتمال ہوتا ہے اور بلا مرجح کسی ایک کو متعین کرنا جائز نہیں اور مرجح نیت ہے یا دلالت حال سے مراد کشیدگی، غیظ وغضب اور مذاکرۂ طلاق ہے مثلاً زوجین میں طلاق کی گفتگو چل رہی تھی عورت نے شوہر نے کہا مجھے طلاق دیدو شوہر نے اعتدی استبرئی انت واحدۃ میں سے کوئی ایک لفظ کہا تو ان الفاظ میں طلاق اور غیر طلاق ہر دو کا احتمال ہے لیکن مذاکرۂ طلاق کی حالت دلالت کر رہی ہے کہ شوہر کی مراد طلاق ہے لہذا قضاءً طلاق واقع ہو جائیگی۔

صرف تین الفاظ کنائی سے طلاق رجعی واقع ہوگی

فتطلق واحدة رجعية في اعتدي واستبرئي رحمك وأنت واحدة: ان تین الفاظ میں طلاق رجعی ہی واقع ہوگی اگرچہ دو یا تین طلاق کی نیت کرے جس طرح کہ صریح میں ایک ہی واقع ہوتی ہے جب کہ اس کے ساتھ مصدر مذکور نہ ہو۔ بہرحال کلمۂ اولیٰ میں دو معنی کا احتمال ہے۔ یہ طور کہ ایک معنی ہے ایام عدت کو شمار کر اور دوسرا معنی ہے کہ اللہ کی نعمتوں کو شمار کر اور دوسرے کلمہ میں بھی دو احتمال ہیں ایک یہ ہے کہ تو اپنے رحم کی صفائی حاصل کر کیونکہ مطلقہ ہو گئی ہیں اور دوسرا معنی ہے کہ حیض سے رحم کو پاک کرتا کہ مسنون طریقہ پر طلاق دی جا سکے اور اسی طرح انت واحدۃ میں بھی دو معنی کا احتمال ہے ایک یہ کہ واحدۃ کو مصدر محذوف کی صفت قرار دیا جائے یعنی تطليقة واحدة اور دوسرا معنی ہے کہ تو میرے نزدیک زمانہ میں یکتا ہے یا تو میری قوم میں یکتا ہے یعنی تجھ جیسی کوئی دوسری عورت نہیں ہے بہرحال تینوں الفاظ طلاق اور غیر طلاق دونوں کا احتمال رکھتے ہیں تو معنی طلاق مراد لینے کیلئے نیت یا دلالت حال کا ہونا ضروری ہے۔

وفي غيرها بائنة وإن نوى ثنتين وتصح نية الثلاث: باقی کنایات میں اگر طلاق کی نیت کی جائے تو ایک بائنہ واقع ہوگی اگر دو کی نیت کرے تو بھی ایک ہی واقع ہوگی کیونکہ آزاد عورت کے حق میں دو طلاقیں عدد محض ہیں ہاں اگر باندی میں دو کی نیت کرے تو دو واقع ہو جائیں گی اس لئے کہ بینونت کی دو قسمیں ہیں ایک خفیفہ دوم مغلظہ تو اس نے ان دو قسموں میں سے ایک کی نیت کی ہے تو یہ نیت صحیح ہے۔

زوجین کے حالات ثلاثہ (حالت مطلقہ، مذاکرۂ طلاق، حالت غضب) کے احکام

وهي بائن بتة بتلة حرام خلية برية حبلك على غاربك الحقي بأهلك وهبتك لأهلك سرحتك فارقتك أمرك بيدك اختاري أنت حرة تقنعي تخمري استتري اغربي اخرجي اذهبي

تَقَنَّعِی اَنْتَجِعِی الْاَزْوَاجَ: زوجین کے حالات تین قسم کے ہیں (۱) حالت مطلقہ یعنی رضا مندی کی حالت (۲) مذاکرۂ طلاق کی حالت مثلاً بیوی اپنے شوہر سے طلاق کا سوال کر رہی ہے یا کوئی دوسرا شخص اس کے شوہر سے اس کی طلاق کا مطالبہ کر رہا ہے (۳) حالت غضب یعنی دونوں طرف سے غصہ کی باتیں ہیں۔ اسی طرح کنایات کی بھی تین قسمیں ہیں (۱) وہ الفاظ کنایہ جو جواب اور رد دونوں ہو سکتے ہیں یعنی عورت کی جانب سے جو طلاق کا مطالبہ کیا گیا ہے اس کا جواب بھی ہو سکتے ہیں اور اس کے کلام کا رد بھی (۲) وہ الفاظ جو جواب تو ہو سکتے ہیں لیکن رد نہیں ہو سکتے۔ (۳) وہ الفاظ جو جواب بھی ہو سکتے ہیں اور گالم گلوچ بھی۔

اب رضا مندی کی حالت میں ان الفاظ میں سے کوئی لفظ بغیر نیت کے طلاق نہیں ہوگا اور شوہر اگر نیت کا انکار کر دے تو انکار نیت میں اس کا قول معتبر ہوگا کیونکہ یہ تمام الفاظ طلاق اور غیر طلاق دونوں کا احتمال رکھتے ہیں لہٰذا ایک احتمال کو متعین کرنے کیلئے نیت ضروری ہے۔

رہ اول ان الفاظ میں جو جواب ہو سکتے ہیں اور رد نہیں ہو سکتے۔ مذاکرۂ طلاق کی حالت میں شوہر کے قول کی قضاءً تصدیق نہیں کی جائیگی اور وہ الفاظ یہ ہیں بائن، بتۃ، بتلۃ، حرام، خلیۃ، بریۃ وغیرہ کیونکہ جب عورت کی طرف طلاق کا سوال ہوا اور شوہر نے ان الفاظ میں سے کوئی لفظ جواب میں کہہ دیا تو ظاہر یہی ہے کہ شوہر کی مراد اس سے طلاق ہے تو قضاءً طلاق ہو جائیگی اگرچہ دیانۃً طلاق نیت پر موقوف ہے۔

اور دوسرے وہ الفاظ جو جواب اور رد دونوں ہو سکتے ہیں ان میں شوہر کے قول کی تصدیق کی جائیگی اور وہ الفاظ یہ ہیں اُخْرُجِی، اِذْهَبِی، اِسْتَتِرِی، اَعْزُبِی، اُخْرُجِی، قُومِی، تَقَنَّعِی، اَنْتَجِعِی الْاَزْوَاجَ وغیرہ کیونکہ یہ الفاظ طلاق کے علاوہ کا بھی احتمال رکھتے ہیں لہٰذا رد طلاق پر محمول کرنا زیادہ مناسب ہوگا اور تیسرے وہ الفاظ ہیں کہ جن سے تو طلاق کا رد ہوتا ہے اور نہ گالم گلوچ کی ان میں صلاحیت ہے البتہ جواب ہونے کی صلاحیت ہے جیسے اعتدی، استبرئی رحمک، انت واحدۃ، انت حرۃ، اختاری وغیرہ تو ان میں شوہر کے قول کی تصدیق نہیں کی جائیگی کیونکہ غصہ وغیرہ طلاق کے مراد لینے پر دلالت لہٰذا عدم نیت طلاق میں اس کے قول کی تصدیق نہیں کی جائیگی۔

وَلَوْ قَالَ اعْتَدِّی ثَلٰثًا وَنَوٰی بِالْاَوَّلِ طَلَاقًا وَبِمَا بَقِیَ حَیْضًا صُدِّقَ وَاِنْ لَمْ یَنْوِ بِمَا بَقِیَ شَیْئًا فَهِیَ ثَلٰثٌ وَتَطْلُقُ بِلَسْتِ لِیْ بِامْرَاَۃٍ اَوْ لَسْتُ لَکِ بِزَوْجٍ اِنْ نَوٰی طَلَاقًا وَالصَّرِیْحُ یَلْحَقُ الصَّرِیْحَ وَالْبَائِنَ وَالْبَائِنُ یَلْحَقُ الصَّرِیْحَ لَا الْبَائِنَ اِلَّا اِذَا کَانَ مُعَلَّقًا بِاَنْ قَالَ اِنْ دَخَلْتِ الدَّارَ فَاَنْتِ بَائِنٌ ثُمَّ قَالَ اَنْتِ بَائِنٌ

ترجمہ: اور اگر لفظ "اعتدی" تین بار کہا اور اول سے طلاق کی اور باقی سے حیض کی نیت کی تو تصدیق کی جائیگی اور اگر باقی سے کچھ نیت نہیں کی تو تین طلاقیں واقع ہوں گی اور طلاق واقع ہو جائیگی اگر یوں کہا کہ تو میری بیوی نہیں، میں تیرا شوہر نہیں اگر طلاق کی نیت کی اور طلاق صریح طلاق صریح اور بائن دونوں سے ملحق ہوتی ہے اور طلاق بائن طلاق صریح سے ملحق ہے نہ کہ بائن سے الا یہ کہ وہ معلق ہو مثلاً یوں کہا

کہ اگر تو گھر میں داخل ہوئی تو تو بائن ہے پھر یہ کہے کہ تو بائن ہے۔

وَلَوْ قَالَ اعْتَدِّي ثَلَاثًا وَنَوَى بِالْأَوَّلِ طَلَاقًا وَبِمَا بَقِيَ حَيْضًا صُدِّقَ وَإِنْ لَمْ يَنْوِ بِمَا بَقِيَ شَيْئًا فَهِيَ ثَلَاثٌ

اگر شوہر نے اپنی بیوی کو تین بار "اعتدی" کہا پھر وہ کہتا ہے کہ میں نے اول سے طلاق اور دوسرے اور تیسرے لفظ سے حیض کی نیت کی ہے تو قضاءً اس کی تصدیق کی جائیگی کیونکہ اس نے کلام سے اس کی حقیقت کا ارادہ کیا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ انسان عادتاً اپنی بیوی کو طلاق کے بعد عدت کا حکم دیتا ہے لہٰذا ظاہر حال اس کا شاہد ہے اس وجہ سے بھی اس کی نیت قضاءً معتبر ہے اور اگر شوہر نے کہا کہ میں نے دوسری اور تیسری سے کچھ بھی نیت نہیں کی ہے تو اس صورت میں تین طلاقیں واقع ہوں گی کیونکہ جب اس شخص نے پہلے لفظ سے طلاق کی نیت کی ہے تو یہ حالت مذاکرہ طلاق کی حالت ہوگی پس دوسرا اور تیسرا لفظ اس قرینہ کی وجہ سے طلاق کیلئے متعین ہوگا اور اگر یہ شخص کہے کہ میں نے دوسرے اور تیسرے لفظ سے کچھ نیت نہیں کی ہے تو اس کے قول کی تصدیق نہیں کی جائیگی۔ البتہ اگر وہ کہے کہ میں نے تینوں الفاظ سے طلاق کی نیت نہیں کی ہے تو طلاق واقع نہیں ہوگی کیونکہ ظاہر حال اس کے لئے مکذب نہیں ہے۔ اور اگر اس نے تیسرے لفظ سے طلاق کی نیت کی ہے مگر پہلے دو لفظوں سے کوئی نیت نہیں کی تو صرف ایک واقع ہوگی کیونکہ پہلے دو کے وقت مذاکرہ طلاق کی حالت نہیں تھی۔

وَتَطْلُقُ بِلَسْتُ لِي بِامْرَأَةٍ أَوْ لَسْتُ لَكِ بِزَوْجٍ إِنْ نَوَى طَلَاقًا: اگر شوہر نے اپنی بیوی کو کہا کہ تو میری بیوی نہیں ہے یا کہا کہ میں تیرا شوہر نہیں ہوں اور اس نے اس سے طلاق کی نیت کی تو طلاق واقع ہو جائیگی کیونکہ یہ کلام انکار نکاح اور انشاء طلاق دونوں کی صلاحیت رکھتا ہے تو جب اس نے اس سے طلاق دینے کی نیت کی تو طلاق واقع ہو جائیگی۔

طلاق صریح، صریح اور بائن ہر دو کے ساتھ اور بائن صرف صریح کے ساتھ لاحق ہوتی ہے

وَالصَّرِيحُ يَلْحَقُ الصَّرِيحَ وَالْبَائِنَ وَالْبَائِنُ يَلْحَقُ الصَّرِيحَ لَا الْبَائِنَ إِلَّا إِذَا كَانَ مُعَلَّقًا بِأَنْ قَالَ إِنْ دَخَلْتِ الدَّارَ فَأَنْتِ بَائِنٌ ثُمَّ قَالَ أَنْتِ بَائِنٌ: طلاق صریح، صریح اور بائن ہر دو کے ساتھ لاحق ہوتی ہے مثلاً کسی نے "انت طالق" کے بعد پھر "انت طالق" کہا تو یہ دوسری طلاق بھی پہلی کے ساتھ واقع ہوگی یا کسی نے "انت طالق" کہا پھر "انت بائن" کہا تو طلاق ثانی بھی واقع ہو جائیگی لیکن طلاق بائن، دوسری طلاق بائن کیساتھ لاحق نہیں ہوتی مثلاً کسی نے اپنی بیوی سے "انت بائن" کہہ کر پھر "انت بائن" کہا تو یہ دوسری طلاق بائن واقع نہیں ہوگی کیونکہ طلاق ثانی کو اول سے اخبار بنانا ممکن ہے لہٰذا انشاء قرار دینے کی ضرورت نہیں گویا اس نے کلام اول سے طلاق واقع کی ہے اس کے بعد کلام ثانی سے طلاق سابق کے وقوع کی خبر دی ہے۔ البتہ اگر پہلی طلاق بائن معلق بالشرط ہو اور ثانی طلاق بائن واقع ہو تو دوسری طلاق بائن بھی واقع ہو جائیگی مثلاً کسی نے کہا "ان دخلت الدار فانت بائن" اس کے بعد بلا شرط "انت بائن" کہا پھر عورت گھر میں داخل ہوگئی تو طلاق ثانی بھی واقع ہو جائیگی۔

کا قول جو اس کی تفسیر ہے وہ بھی مبہم اور ایک مبہم دوسرے مبہم کی تفسیر واقع نہیں ہوتا اس وجہ سے یہ کلام باطل ہوگا۔

وَلَوْ قَالَ لَهَا اخْتَارِيْ فَقَالَتْ أَنَا أَخْتَارُ نَفْسِيْ أَوِ اخْتَرْتُ نَفْسِيْ تَطْلُقُ : شوہر نے اپنی بیوی سے کہا "اختاری" بیوی نے کہا "انا اختار نفسی" تو اس سے طلاق بائن ہو جائیگی۔ اور قیاس کا مقتضی یہ ہے کہ طلاق واقع نہ ہو کیونکہ عورت نے "اختار" فعل مضارع استعمال کیا ہے جو اب اگر عورت نے استقبال مراد لیا تو یہ محض وعدہ ہوگا اور محض وعدہ طلاق سے طلاق واقع نہیں ہوتی اور اگر حال مراد لیا تو کم از کم استقبال کا احتمال ہے۔ وجہ استحسان حدیث عائشہؓ ہے حضرت عائشہؓ نے آیت تخییر کے جواب میں آپ ﷺ سے عرض کیا "لا بل اختار الله ورسوله والدار الآخرة" "بلکہ میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ اور دار آخرت کو پسند کرتی ہوں"۔ نبی کریم ﷺ نے عائشہؓ کے اس جواب کا اعتبار کیا ہے حالانکہ حضرت عائشہؓ نے صیغۂ مضارع استعمال کیا تھا۔ اگر شوہر کے قول "اختاری" کے جواب میں عورت نے "اخترت نفسی" کہا اور شوہر نے طلاق کی نیت کی ہے تو اس صورت میں بھی ایک طلاق بائن واقع ہوگی کیونکہ عورت کا کلام لفظ نفسی کہنے کی وجہ سے مفسر ہے مبہم نہیں ہے۔

وَلَوْ قَالَ اخْتَارِيْ اخْتَارِيْ اخْتَارِيْ فَقَالَتْ اخْتَرْتُ الْأُوْلٰى أَوِ الْوُسْطٰى أَوِ الْأَخِيْرَةَ أَوِ اخْتِيَارَةً وَقَعَ الثَّلَاثُ بِلَا نِيَّةٍ وَلَوْ قَالَتْ طَلَّقْتُ نَفْسِيْ أَوِ اخْتَرْتُ نَفْسِيْ بِتَطْلِيْقَةٍ بَانَتْ بِوَاحِدَةٍ وَأَمْرُكِ بِيَدِكِ فِيْ تَطْلِيْقَةٍ أَوِ اخْتَارِيْ تَطْلِيْقَةً فَاخْتَارَتْ نَفْسَهَا طَلُقَتْ رَجْعِيَّةً۔

ترجمہ: اور اگر تین بار کہا اختیار کر بیوی نے کہا میں نے پہلی کو یا درمیان والی کو یا آخر والی کو اختیار کیا یا ایک کو اختیار کیا تو بلا نیت تین واقع ہوں گی اور اگر بیوی نے کہا کہ میں نے اپنے اوپر طلاق واقع کی ہے یا میں نے اپنے نفس کو ایک طلاق کے ساتھ اختیار کیا ہے تو ایک طلاق بائن واقع ہوجائیگی طلاق دینے میں تیرا معاملہ تیرے ہاتھ میں ہے یا تو طلاق کو اختیار کر پھر عورت نے اپنے نفس کو اختیار کر لیا تو ایک طلاق رجعی واقع ہوگی۔

شوہر کے تین بار اختاری کہنے کا حکم

وَلَوْ قَالَ اخْتَارِيْ اخْتَارِيْ اخْتَارِيْ فَقَالَتْ اخْتَرْتُ الْأُوْلٰى أَوِ الْوُسْطٰى أَوِ الْأَخِيْرَةَ أَوِ اخْتِيَارَةً وَقَعَ الثَّلَاثُ بِلَا نِيَّةٍ : اگر شوہر نے اپنی بیوی سے تین بار اختاری کہے اور عورت جواب دے کہ میں نے پہلا، درمیانی اور آخری اختیار قبول کر لیا تو امام صاحبؒ کے نزدیک اس سے تین طلاقیں واقع ہوجائیں گی اور شوہر کے نیت کرنے کی حاجت نہیں۔ مگر صاحبین اور امام شافعیؒ کے نزدیک اس سے ایک طلاق واقع ہوگی ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ اولی اور اس کے قائم مقام کا ذکر اگرچہ من حیث الترتیب مفید نہیں لیکن مفرد ہونے کی حیثیت سے مفید ہے پس جس میں مفید ہے اس کا اعتبار کر لیا جائیگا گویا کہ عورت نے کہا "اخترت التطليقة الاولى" کیونکہ اس کے قول اخترت الاولی کے معنی ہیں کہ میں نے اس کو اختیار کر لیا جو کلمۂ اولی سے میرے سپرد کیا گیا ہے اور کلمہ اولی سے جو سپرد کیا گیا ہے وہ ایک طلاق ہے اس وجہ سے ایک طلاق واقع ہوگی۔ امام صاحبؒ فرماتے ہیں کہ یہ وصف تو لغو ہے کیونکہ جو چیز ملک میں مجتمع طور پر آئے اس میں ترتیب نہیں ہوتی مثلاً تین چیز آدمی اگر

ایک مکان میں اکٹھے بیٹھے ہوں تو ان میں ترتیب ضروری نہیں ہوتی اور قاعدہ ہے کہ ہر وہ چیز جس میں ترتیب نہ ہو اس میں وہ کلام لغو ہو جائیگا جو ترتیب کیلئے ہو اور یہاں ترتیب کیلئے اولیٰ، وسطیٰ اور اخیرہ ہے پس جب لفظ اس حیثیت سے کہ ترتیب لغو ہو گیا تو من حیث الافراد بھی لغو ہو جائیگا کیونکہ اس میں ترتیب اصل ہے اور افراد اس کے وضاحت میں ساتھ ہے پس جب اصل کے حق میں لغو ہو گیا تو اس پر جو مبنی ہے اس کے حق میں بھی لغو ہو گیا۔ اور جب دونوں کے حق میں لغو ہو گیا تو عورت کا قول اخترت باقی رہا اور اگر مرد کے قول تین مرتبہ "اختاری" کے جواب میں یہ عورت "اخترت" کہہ دیتی تو تین طلاقیں واقع ہوتیں پس ایسے ہی یہاں بھی تین واقع ہوں گی۔

ولو قالت طلقت نفسي أو اخترت نفسي بتطليقة بانت بواحدة: اگر عورت نے تین بار "اختاری" کے جواب میں "اخترت الأولى" کہہ دیا تو بالاتفاق تین طلاقیں واقع ہوں گی کیونکہ یہ ایسے ہے جیسا کہ یوں کہا "اخترت نفسي مرة" یعنی میں نے ایک ہی مرتبہ اختیار کر لیا اور اس کلام سے تین طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں اور اگر عورت نے تین بار "اختاری" کہنے کے جواب میں طلقت نفسي یا اخترت نفسي بتطليقة کہا تو ایک طلاق بائن واقع ہوگی۔

أمرك بيدك في تطليقة أو اختاري تطليقة فاختارت نفسها طلقت رجعية: اگر شوہر نے اپنی بیوی کو أمرك بيدك في تطليقة یا اختاري تطليقة کے ساتھ اختیار دیا عورت نے اختیار کر لیا تو طلاق رجعی واقع ہوگی کیونکہ عورت کو لفظ "تطليقة" کے ساتھ اختیار دیا گیا ہے اور لفظ "تطليقة" سے اگر طلاق دی جائے تو طلاق رجعی واقع ہوتی ہے لہذا یہاں بھی طلاق رجعی واقع ہوگی۔

فَصْلٌ فِي الْأَمْرِ بِالْيَدِ

امر بالید کا بیان

أَمْرُكِ بِيَدِكِ يَنْوِي ثَلَاثًا فَقَالَتْ: اخْتَرْتُ نَفْسِي بِوَاحِدَةٍ وَقَعْنَ وَفِي طَلَّقْتُ نَفْسِي بِوَاحِدَةٍ أَوِ اخْتَرْتُ نَفْسِي بِتَطْلِيقَةٍ بَانَتْ بِوَاحِدَةٍ أَمْرُكِ بِيَدِكِ يَنْوِي ثَلَاثًا فَقَالَتْ اخْتَرْتُ نَفْسِي بِوَاحِدَةٍ وَقَعْنَ وَلَا يَدْخُلُ اللَّيْلُ فِي أَمْرُكِ بِيَدِكِ الْيَوْمَ وَبَعْدَ غَدٍ وَإِنْ رَدَّتِ الْأَمْرَ فِي يَوْمِهَا بَطَلَ أَمْرُ ذَلِكَ الْيَوْمِ وَكَانَ بِيَدِهَا بَعْدَ غَدٍ.

ترجمہ: شوہر نے تین طلاقوں کی نیت کرتے ہوئے کہا تیرا معاملہ تیرے ہاتھ میں ہے بیوی نے کہا میں نے اپنے نفس کو ایک دفعہ سے اختیار کر لیا تو تین طلاقیں واقع ہوں گی اور اگر کہے کہ میں نے طلاق دی ہے اپنے نفس کو ایک طلاق یا میں نے اپنے نفس کو ایک طلاق سے اختیار کر لیا تو ایک طلاق سے بائنہ ہو جائیگی اور رات داخل نہیں ہوگی کہ تیرا معاملہ تیرے ہاتھ میں ہے آج اور پرسوں اور اگر عورت

نے اس دن کا اختیار رد کر دیا تو اس دن کا اختیار باطل ہو جائیگا اور پرسوں اختیار اس کے ہاتھ میں رہیگا

أمرك بيدك ينوي ثلاثا فقالت: اخترت نفسي بواحدة وقعن: اگر شوہر نے تین طلاقوں کی نیت کرتے ہوئے بیوی سے کہا "امرک بیدک" عورت نے جواب میں کہا اخترت نفسی بواحدۃ میں نے اپنے لئے ایک اختیار کر لی تو تین واقع ہوں گی اگر اعتراض کیا جائے کہ مرد اور عورت کے کلام میں مطابقت نہیں ہے کیونکہ عورت کو جواب میں امر بیدی کہنا چاہئے تھا۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اختیار کا لفظ بھی امر بالید کا جواب ہو سکتا ہے کیونکہ اختیار دینے کی طرح امر بالید بھی تملیک ہے اور عورت کے کلام میں "واحدۃ" اختیار کی صفت ہے گویا یہ اخترت نفسی مرۃ واحدۃ (میں نے اپنی ذات کو ایک بار ہی اختیار کر لیا) کی طرح ہے چنانچہ اس قول سے تین طلاقیں واقع ہوں گی۔

ولو طلقت نفسي بواحدة أو اخترت نفسي بتطليقة بانت بواحدة أمرك بيدك ينوي ثلاثا فقالت اخترت نفسي بواحدة وقعن: اگر عورت مذکورہ کلام کے جواب میں کہے طلقت نفسی واحدۃ یا اخترت نفسی بتطلیقۃ تو ایک بائن طلاق واقع ہوگی ایک تو اس لئے کہ لفظ "واحدۃ" مصدر محذوف تطلیقۃ کی صفت ہے اور بائن اس لئے کہ طلاق کے بائن اور رجعی ہونے میں شوہر کی تفویض کا اعتبار ہے نہ کہ عورت کے ایقاع (طلاق واقع کرنے) کا اور شوہر نے امر بالید کے ذریعہ طلاق بائن کی تفویض کی ہے نہ کہ طلاق رجعی کی۔

ولا يدخل الليل في أمرك بيدك اليوم وبعد غد وإن ردت الأمر في يومها بطل أمر ذلك اليوم وكان بيدها بعد غد: اگر شوہر نے بیوی سے کہا "امرک بیدک الیوم و بعد غد" تجھے آج اور پرسوں اختیار ہے تو اس میں رات شامل نہیں ہوگی کیونکہ شوہر نے ایسے دو وقتوں کی تصریح کی ہے جن کے درمیان ان ہی کی جنس سے ایک اور وقت (یعنی رات) ہے اور امر اس کو شامل نہیں لہٰذا دو تملیکیں جدا جدا ہو گئیں اب اگر عورت اس دن کے اختیار کو رد کر دے تو رد ہو جائیگا اور پرسوں کا اختیار باقی رہے گا کیونکہ ایک کے رد کرنے سے دوسرے کا رد لازم نہیں آتا۔

وفي أمرك بيدك اليوم وغدا يدخل وإن ردت في يومها لم يبق في الغد ولو مكثت بعد التفويض يوما ولم تقم أو جلست عنه أو اتكأت عن قعود أو قعدت عنه أو دعت أباها للمشورة أو شهودا للإشهاد أو كانت على دابة فوقفت بقي خيارها وإن سارت لا والفلك كالبيت.

ترجمہ: اور اس میں رات داخل ہوگی کہ تیرا معاملہ تیرے ہاتھ میں ہے آج اور کل اور اگر عورت نے اس دن کا اختیار رد کر دیا تو کل میں اختیار باقی نہیں رہیگا تفویض کے بعد ایک دن ٹھہری رہی یا کھڑی نہیں ہوئی یا بیٹھی تھی ٹیک لگا لی یا اس کے برعکس کیا یا اپنے باپ کو مشورہ کیلئے بلایا گواہ بنانے کیلئے گواہوں کو بلایا یا سواری پر تھی ٹھہر گئی تو اس کا اختیار باقی رہے گا اگر سواری چلتی رہی تو خیار باقی نہیں رہے گا اور کشتی گھر کی طرح ہے۔

شوہر نے امرک بیدک الیوم وغداً کہا تو رات داخل ہوگی

وَفِي أَمْرُكِ بِيَدِكِ الْيَوْمَ وَغَدًا يَدْخُلُ اللَّيْلُ وَإِنْ رَدَّتْ فِي يَوْمِهَا لَمْ يَبْقَ فِي الْغَدِ: اگر شوہر کہے امرک بیدک الیوم وغداً آج اور کل تجھے اختیار ہے تو اس میں رات بھی شامل ہوگی کیونکہ یہ اختیار امر واحد ہے اور دونوں مذکورہ وقتوں کے درمیان ان کی جنس کا کوئی ایسا وقت حائل نہیں جس کو امر بالید کا قول شامل نہ ہو اب اگر عورت اس دن کے اختیار کو رد کر دے تو پرسوں کا اختیار بھی باطل ہو جائیگا۔

وَلَوْ مَكَثَتْ بَعْدَ التَّفْوِيضِ يَوْمًا وَلَمْ تَقُمْ: اگر شوہر نے امرک بیدک کہا یا اختاری نفسک کہا پھر وہ عورت اسی مجلس میں ایک دن ٹھہری رہی مجلس سے اٹھی نہیں تو اس کا معاملہ اس کے ہاتھ میں رہے گا یعنی مجلس میں خیار باقی رہے گا جب تک کہ دوسرا کام شروع نہ کرے کیونکہ امر بالید در حقیقت عورت کو طلاق دینے کا مالک بنانا ہے اور تملیکات مجلس تک محصور رہتی ہیں لہذا یہاں بھی مجلس ہی کا اختیار ہوگا۔

عورت کھڑی تھی پھر بیٹھ گئی تو اختیار ہوگا

أَوْ جَلَسَتْ عَنْهُ أَوِ اتَّكَأَتْ عَنِ الْقُعُودِ أَوْ عَكَسَتْ أَوْ دَعَتْ أَبَاهَا لِلْمَشُورَةِ أَوْ شُهُودًا لِلْإِشْهَادِ:

اگر عورت امر بالید کے وقت کھڑی تھی اس کے بعد میں بیٹھ گئی تو اس کا خیار باقی ہے کیونکہ بیٹھنا متوجہ ہونے کی دلیل ہے اس لئے کہ بیٹھ کر غور کرنا بنسبت کھڑے ہونے کے بہتر ہے اسی طرح اگر وہ بیٹھ گئی تو اس صورت میں اس کا اختیار باطل نہیں ہوگا بلکہ وہ اپنے اختیار پر باقی ہے کیونکہ یہ ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف منتقل ہونا ہے اس کو اعراض اور روگردانی نہیں کہا جا سکتا اور اگر عورت نے کسی آدمی سے کہا کہ میرے باپ کو بلا دو تا کہ میں اس سے مشورہ کر لوں یا کہا کہ گواہوں کو بلا دو تا کہ ان کو گواہ بنا سکوں تو اس صورت میں بھی یہ عورت اپنے خیار پر باقی رہے گا کیونکہ مشورہ کرنا صحیح رائے معلوم کرنے کیلئے ہے اور گواہ بنانا اس لئے ہے تا کہ شوہر کے انکار سے بچاؤ ہو سکے لہذا یہ بھی دلیل اعراض نہیں ہے۔

أَوْ كَانَتْ عَلَى دَابَّةٍ فَوَقَفَتْ بَقِيَ خِيَارُهَا وَإِنْ سَارَتْ لَا وَالْفُلْكُ كَالْبَيْتِ: اگر عورت جانور پر سوار چل جا رہی تھی پھر سواری ٹھہر گئی تو خیار باقی رہے گا۔ لیکن اگر سواری چلتی رہی تو اختیار باطل ہو جائیگا کیونکہ جانور کا چلنا اور رکنا عورت ہی کی طرف منسوب ہوگا۔ اور کشتی گھر کی طرح ہے۔ کیونکہ کشتی کا چلنا سوار کی طرف منسوب نہیں ہوتا اور نہ ہی سوار اس کے روکنے پر قادر ہوتا ہے۔ یہی حکم ریل گاڑی، ہوائی جہاز وغیرہ کا ہے۔

فَصْلٌ فِي الْمَشِيئَةِ

مشیت کا بیان

وَلَوْ قَالَ لَهَا طَلِّقِي نَفْسَكِ وَلَمْ يَنْوِ أَوْ نَوَى وَاحِدَةً فَطَلَّقَتْ وَقَعَتْ رَجْعِيَّةٌ وَإِنْ طَلَّقَتْ ثَلَاثًا وَنَوَاهُ وَقَعْنَ وَبِأَبَنْتُ نَفْسِي طَلُقَتْ لَا بِاخْتَرْتُ وَلَا يَمْلِكُ الرُّجُوعَ وَتَقَيَّدَ بِمَجْلِسِهَا إِلَّا إِذَا زَادَ مَتَى شِئْتِ وَلَوْ قَالَ لِرَجُلٍ طَلِّقْ امْرَأَتِي لَمْ يَتَقَيَّدْ بِالْمَجْلِسِ إِلَّا إِذَا زَادَ إِنْ شِئْتَ وَلَوْ قَالَ لَهَا طَلِّقِي نَفْسَكِ ثَلَاثًا فَطَلَّقَتْ وَاحِدَةً وَقَعَتْ وَاحِدَةٌ لَا فِي عَكْسِهِ وَطَلِّقِي نَفْسَكِ ثَلَاثًا إِنْ شِئْتِ فَطَلَّقَتْ وَاحِدَةً وَعَكْسُهُ لَا وَلَوْ أَمَرَهَا بِالْبَائِنِ أَوِ الرَّجْعِيِّ فَعَكَسَتْ وَقَعَ مَا أَمَرَ بِهِ

ترجمہ: اگر بیوی سے کہا اپنے آپ کو طلاق دے اور کوئی نیت نہیں کی یا ایک طلاق کی نیت کی بیوی نے طلاق دے لی تو ایک طلاق رجعی واقع ہو جائیگی اور اگر بیوی نے تین طلاقیں دے لیں اور شوہر نے اس کی نیت کر لی تو تینوں واقع ہو جائیں گی اور اگر بیوی نے کہا کہ میں نے اپنے آپ کو جدا کر لیا تو طلاق واقع ہو جائیگی اور اگر کہا کہ میں نے اختیار کر لیا تو طلاق نہیں ہوگی اور مرد رجوع نہیں کر سکتا اور اختیار عورت کی مجلس تک محدود رہتا ہے الا یہ کہ شوہر متی شئت زیادہ کر دے کہ اگر تو چاہے۔ اگر شوہر نے کسی سے کہا کہ میری بیوی کو طلاق دیدے تو یہ مجلس پر منحصر نہ ہوگی الا یہ کہ ان شئت بھی کہہ دے کہ اگر تو چاہے۔ اگر شوہر نے بیوی سے کہا اپنے نفس کو تین طلاقیں دیدے اس نے ایک دی تو ایک واقع ہو جائیگی نہ کہ اس کے عکس میں اور اگر کہا کہ اپنے آپ کو تین طلاقیں دے اگر تو چاہے بیوی نے ایک طلاق دی اگر بائن یا رجعی کا حکم ہو اس نے اس کے برعکس کیا تو وہی واقع ہوگی جس کا حکم دیا تھا۔

وَلَوْ قَالَ لَهَا طَلِّقِي نَفْسَكِ وَلَمْ يَنْوِ أَوْ نَوَى وَاحِدَةً فَطَلَّقَتْ وَقَعَتْ رَجْعِيَّةٌ وَإِنْ طَلَّقَتْ ثَلَاثًا وَنَوَاهُ وَقَعْنَ: شوہر نے بیوی سے کہا طلقی نفسک اور اس نے کوئی نیت نہیں کی یا صرف ایک طلاق کی نیت کی اور عورت نے اپنے آپ کو طلاق دیدی تو ایک طلاق رجعی واقع ہوگی اور اگر عورت نے تین طلاقیں دیدیں اور شوہر نے اس کی نیت کی تھی تو تین واقع ہو جائیں گی۔ کیونکہ "طلقی" امر تطلیق ہے اور تطلیق مصدر اسم جنس ہے جس میں ایک کا بھی احتمال ہے اور کل کا بھی احتمال ہے پس کل کی نیت ہوئی تو تینوں واقع ہو جائیں گی ورنہ ایک پر محمول کیا جائیگا اور طلاق رجعی اس لئے واقع ہوئی کہ شوہر نے طلاق صریح کی تفویض کی ہے۔

وَبِأَبَنْتُ نَفْسِي طَلُقَتْ لَا بِاخْتَرْتُ: اگر عورت "طلقی نفسک" کے جواب میں "ابنت نفسی" کہے تب بھی طلاق واقع ہو جائیگی کیونکہ لفظ ابانت الفاظ طلاق میں سے ہے یہی وجہ ہے کہ اس لفظ سے طلاق ہو جاتی ہے مثلاً شوہر نے کہا "ابنتک" بیوی نے کہا "ابنت نفسی" اور شوہر نے "اجزت ذلک" (میں اس کی اجازت دیتا ہوں) کہہ دیا تو عورت پر

كَذَا الْمَعْدُومُ بَطَلَ وَإِنْ كَانَ لِشَيْءٍ مَضَى طَلُقَتْ وَأَنْتِ طَالِقٌ مَتَى شِئْتِ أَوْ مَتَى مَا شِئْتِ أَوْ إِذَا شِئْتِ أَوْ إِذَا مَا شِئْتِ فَرَدَّتِ الْأَمْرَ لَا يَرْتَدُّ وَلَا يَتَقَيَّدُ بِالْمَجْلِسِ وَلَا تُطَلِّقُ إِلَّا وَاحِدَةً.

ترجمہ: تجھے طلاق ہے اگر تو چاہے بیوی نے کہا میں نے چاہا اگر تو چاہے پس شوہر نے کہا میں نے چاہا اور اس سے طلاق کی نیت کی یا بیوی نے کہا میں نے چاہا اگر ایسا ہوا اور یہ کسی معدوم شئ کے متعلق کہا تو یہ قول باطل ہو جائیگا اور اگر کسی گزشتہ امر کے متعلق کہا تو طلاق واقع ہو جائیگی۔ تجھے طلاق ہے جب چاہے یا جب کبھی چاہے عورت نے اس کو رد کر دیا تو یہ رد نہیں ہوگا اور نہ مجلس کے ساتھ مقید ہوگا اور اس سے طلاق نہیں دے سکتی مگر ایک۔

وَأَنْتِ طَالِقٌ إِنْ شِئْتِ فَقَالَتْ شِئْتُ إِنْ شِئْتَ فَقَالَ شِئْتُ يَنْوِي الطَّلَاقَ أَوْ قَالَتْ شِئْتُ إِنْ كَانَ كَذَا الْمَعْدُومُ بَطَلَ وَإِنْ كَانَ لِشَيْءٍ مَضَى طَلُقَتْ: اگر شوہر نے بیوی سے کہا انت طالق ان شئت۔ بیوی نے جواب میں کہا شئت ان شئت (اگر تو چاہے تو مجھے منظور ہے) یا اس نے کسی معدوم شئی لوجودی پر معلق کرتے ہوئے کہا شئت ان کان کذا مرد نے طلاق کی نیت کرتے ہوئے کہا شئت (میں چاہتا ہوں) تو ان صورتوں میں عورت کا اختیار باطل ہو گیا کیونکہ شوہر نے تو عورت کی طلاق کو اس کی آزادرائے کے ساتھ معلق کیا تھا مگر عورت نے اپنی رائے کو خود مقید کر دیا تو تفویض کی شرط باقی نہیں رہی لہذا مرد کے شئت کہنے سے طلاق واقع نہیں ہوگی خواہ وہ طلاق کی نیت بھی کرے کیونکہ بیوی کے قول میں طلاق کا ذکر نہیں ہے کہ مرد اس کی طلاق کا چاہنے والا ہو۔ نیت ایسی چیز میں کچھ کام نہیں آتی جو مذکور ہی نہ ہو اور اسی طرح اگر عورت نے مشیت کو کسی ایسے کام سے معلق کیا جو پہلے واقع ہو چکا ہے تو طلاق واقع ہو جائیگی کیونکہ کسی موجود چیز سے مشروط کرنا گویا فوری نافذ کرنا ہے۔

مرد نے أَنْتِ طَالِقٌ مَتَى ، أَوْ مَتَى مَا شِئْتِ ، أَوْ إِذَا شِئْتِ کہا اور عورت نے یہ امر رد کر دیا تو اسکا حکم

وَأَنْتِ طَالِقٌ مَتَى شِئْتِ أَوْ مَتَى مَا شِئْتِ أَوْ إِذَا شِئْتِ أَوْ إِذَا مَا شِئْتِ فَرَدَّتِ الْأَمْرَ لَا يَرْتَدُّ وَلَا يَتَقَيَّدُ بِالْمَجْلِسِ وَلَا تُطَلِّقُ إِلَّا وَاحِدَةً: اگر شوہر نے زوجہ سے کہا متی شئت یا متی کی جگہ متی ما یا اذا یا اذا ما کا استعمال کیا مگر عورت نے اس امر کو رد کر دیا تو یہ رد نہیں ہوگا بلکہ اس کے بعد بھی عورت اپنے آپ کو طلاق دے سکتی ہے اور یہاں اتفاق یہ اختیار مجلس تک محدود نہیں ہوگا کیونکہ "متی" اور "متی ما" وقت کیلئے آتا ہے اور وہ تمام اوقات میں عام ہے پس عموم وقت کی وجہ سے مجلس پر منحصر نہیں ہوگا اور اگر عورت نے اپنا یہ اختیار رد کر دیا تو رد نہیں ہوگا کیونکہ شوہر نے عورت کو اسی وقت میں طلاق کا مالک بنایا ہے جس وقت میں وہ چاہے پس چاہنے سے پہلے طلاق کا مالک بنانا متحقق ہی نہیں ہوگا۔ اور بلحاظ اذا و اذاما صاحبین کے نزدیک دونوں برابر ہیں اور امام صاحب کے نزدیک اذا اور اذاما جس طرح وقت کیلئے استعمال ہوتے ہیں اسی طرح شرط کیلئے بھی استعمال ہوتے ہیں پس شرط کیلئے استعمال ہونے کا تقاضا یہ ہے کہ اس صورت میں اختیار مجلس کے ساتھ خاص رہے اور وقت کیلئے استعمال ہونے کا تقاضا یہ ہے کہ مجلس ختم ہوتے ہی اختیار عورت کے ہاتھ سے نکل جائے لیکن اس صورت میں اختیار عورت کے

ہاتھ میں آ چکا ہے تو شک کی وجہ سے زائل نہیں ہوگا۔ اور عورت اپنے آپ کو ایک طلاق دے سکتی ہے کیونکہ یہ الفاظ عموم زمانہ کیلئے آتے ہیں نہ کہ عموم افعال کیلئے پس اس عورت کو عموم زمان کی وجہ سے ایک کے بعد دوسری طلاق دینے کا اختیار نہیں ہوگا۔

وَفِیْ کُلَّمَا شِئْتِ لَهَا اَنْ تُفَرِّقَ الثَّلَاثَ وَلَا تَجْمَعَ وَلَوْ طَلَّقَتْ بَعْدَ زَوْجٍ آخَرَ لَا یَقَعُ وَفِیْ حَیْثُ شِئْتِ وَاَیْنَ شِئْتِ لَمْ تَطْلُقْ حَتّٰی تَشَاءَ فِیْ مَجْلِسِهَا وَفِیْ کَیْفَ شِئْتِ تَقَعُ رَجْعِیَّةٌ فَاِنْ شَاءَتْ بَائِنَةً اَوْ ثَلَاثًا وَنَوَاهُ وَقَعَ وَفِیْ کَمْ شِئْتِ اَوْ مَا شِئْتِ تَطْلُقُ مَا شَاءَتْ فِیْهِ وَاِنْ رَدَّتْ ارْتَدَّ وَفِیْ طَلِّقِیْ مِنْ ثَلَاثٍ مَا شِئْتِ تُطَلِّقُ مَا دُوْنَ الثَّلَاثِ.

ترجمہ: "اور کلما شئت کی صورت میں عورت الگ الگ تین طلاقیں دے سکتی ہے اور ایک ساتھ نہیں دے سکتی اور اگر طلاق دی دوسرے شوہر کے بعد تو واقع نہیں ہوگی اور کہا حیث اور این شئت تو طلاق نہیں ہوگی یہاں تک کہ اسی مجلس میں چاہے اور اگر کہا کہ جس طرح تو چاہے تو طلاق رجعی ہوگی پس اگر عورت نے بائن یا تین چاہیں اور شوہر نے نیت بھی کرلی تو واقع ہو جائیں گی اور اگر کہا کہ تو جتنی چاہے اور جو چاہے تو عورت اسی مجلس میں جو چاہے طلاق دے اور اگر رد کردے تو رد ہو جائیگا اگر کہا کہ تو طلاق دے تین میں سے جتنی چاہے تو تین سے کم طلاق دے سکتی ہے۔

وَفِیْ کُلَّمَا شِئْتِ لَهَا اَنْ تُفَرِّقَ الثَّلَاثَ وَلَا تَجْمَعَ وَلَوْ طَلَّقَتْ بَعْدَ زَوْجٍ آخَرَ لَا یَقَعُ: اگر شوہر نے بیوی سے کہا انت طالق کلما شئت (تو جب بھی چاہے تجھے طلاق ہے) تو عورت اپنے آپ کو ایک کے بعد دوسری طلاق دے سکتی ہے یہاں تک کہ تین طلاقیں دے دے کیونکہ کلمہ "کلما" فعل کا تقاضا کرتا ہے مگر یہ تعلیق عورت کو اسی وقت تک حاصل ہوگا جب تک وہ اس مرد کے نکاح میں رہے ورنہ اگر کسی دوسرے خاوند سے طلاق لے کر پھر پہلے مرد کے نکاح میں آجائے اور اپنے آپ کو طلاق دے تو طلاق واقع نہیں ہوگی۔ کیونکہ یہ نیا ملک ہے۔ نیز عورت کو یہ اختیار بھی نہیں کہ یکبارگی اپنے آپ کو تین طلاقیں دے۔ کیونکہ کلمہ "کلما" ایک طلاق کے عموم کا تقاضہ کرتا ہے اکٹھی طلاقوں کا نہیں لہٰذا عورت کو یکبارگی تین طلاقیں دینے اور جمع کرنے کا اختیار نہیں ہوگا۔

وَفِیْ حَیْثُ شِئْتِ وَاَیْنَ شِئْتِ لَمْ تَطْلُقْ حَتّٰی تَشَاءَ فِیْ مَجْلِسِهَا: اگر شوہر نے اپنی بیوی سے انت طالق حیث شئت یا انت طالق این شئت کہا تو عورت اسی مجلس میں طلاق واقع کر سکتی ہے اور اگر وہ مجلس سے کھڑی ہوگئی تو اس کا خیار باقی نہیں رہے گا۔ کیونکہ کلمہ "حیث" اور "این" اسم مکان ہیں اور طلاق کسی مکان کے ساتھ متعلق نہیں ہوتی پس مکان کا ذکر لغو ہوگا اور مطلق مشیت باقی رہی اور مطلق مشیت سے جو اختیار ثابت ہوتا ہے وہ مجلس تک محدود رہتا ہے۔

وَفِیْ کَیْفَ شِئْتِ تَقَعُ رَجْعِیَّةٌ فَاِنْ شَاءَتْ بَائِنَةً اَوْ ثَلَاثًا وَنَوَاهُ وَقَعَ: اگر شوہر نے بیوی سے کہا انت طالق کیف شئت تو امام صاحبؒ کے نزدیک عورت کے چاہنے سے پہلے ہی ایک طلاق واقع ہو جائیگی پس اگر عورت نے ایک بائنہ

چاہے تو تین طلاقیں چاہیں اور شوہر نے اس کی نیت بھی کی ہے تو یہ واقع ہو جائیں گی اور صاحبینؒ کے نزدیک اصل طلاق عورت کی مشیت پر معلق نہیں ہوں بلکہ ایک طلاق واقع ہو جائیگی اب اگر یہ عورت غیر مدخول بہا ہے تو اس کیلئے اختیار باقی نہیں اور اگر مدخول بہا ہے تو اس پر ایک طلاق رجعی واقع ہوگی اور اس کے بعد عورت کو مجلس میں وصف متعین کرنے کا اختیار ہوگا پھر اس صورت میں دیکھا جائیگا کہ شوہر نے کونسی نیت کی ہے پس اگر کچھ نہیں کی ہے تو تعداد اور وصف میں عورت کی نیت معتبر ہے اور اگر شوہر نے نیت کی ہے تو اس کی دو صورتیں ہیں شوہر کی نیت اور عورت کی مشیت میں موافقت ہے تو وہ واقع ہو جائیگی اور اگر دونوں میں اختلاف ہے تو شوہر کی نیت کا اعتبار ہوگا۔

وفي كم شئت أو ما شئت تطلق ما شاءت فيه وإن ردت ارتد: اگر شوہر نے بیوی سے کہا انت طالق کم شئت اور ما شئت (تو جتنی طلاقیں چاہے اپنے آپ کو دے سکتی ہے) تو عورت اپنے آپ کو جتنی طلاقیں چاہے دے سکتی ہے کیونکہ کلمہ "کم" اور "ما" عدد کیلئے استعمال ہوتے ہیں اور شوہر نے بیوی کو وہ عدد سپرد کر دیا ہے جو وہ چاہے اور اگر عورت مجلس سے کھڑی ہوئی تو اس کا اختیار باطل ہو گیا۔ اس لئے کہ قیام دلیل اعراض ہے۔

وفي طلقي من ثلاث ما شئت تطلق ما دون الثلاث: اگر شوہر نے بیوی سے کہا طلقي نفسك من ثلاث ما شئت (تو تین میں سے جتنی طلاقیں چاہے اپنے آپ کو دے سکتی ہے) تو امام صاحبؒ کے نزدیک عورت کو اختیار ہے کہ اپنے نفس کو ایک طلاق دے یا دو طلاقیں دیدے، تین واقع کرنے کا اختیار نہیں ہے۔ صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ اگر چاہے تو تین طلاقیں بھی دے سکتی ہے کیونکہ کلمہ "ما" تعمیم کے معنی میں محکم اور نص ہے اور کلمہ "من" کبھی بیان کیلئے آتا ہے اور کبھی تبعیض کیلئے آتا ہے پس شوہر کے کلام میں محکم اور محتمل دونوں جمع ہو گئے تو محتمل کو محکم پر محمول کیا جائیگا اور "من" بیانیہ قرار دیا جائیگا۔ امام صاحبؒ کی دلیل یہ ہے کہ "من" تبعیض کیلئے حقیقت ہے اور لفظ "ما" تعمیم کیلئے حقیقت ہے اور دونوں پر عمل کرنا بھی ممکن ہے اس طرح کہ بعض عام مراد لیا جائے اور دو کا عدد ایسا ہی ہے کیونکہ ایک کے اعتبار سے دو کا عدد عام اور تین کے اعتبار سے بعض تو دونوں پر عمل کیا جائیگا۔

باب التعليق
تعلیق طلاق کا بیان

تعلیق کا لغوی معنی ہے کسی چیز کو معلق کرنا اور اصطلاح فقہ میں کہتے ہیں ایک شی کو دوسری شی پر معلق و موقوف کر دینا۔ صحت تعلیق کیلئے متعدد شرائط ہیں ا۔ شرط معدوم ہو جس کے ہونے نہ ہونے میں تردد ہو جیسے إن دخلت الدار فأنت طالق۔ پس اگر شرط پہلے سے موجود ہو مثلاً إن كان السماء فوقنا تو فوری طلاق واقع ہو جائیگی اور اگر شرط محال ہو تو تعلیق لغو ہوگی جیسے ان وجد شريك الباري ۲۔ شرط جزاء کے ساتھ متصل ہو اس دونوں کے درمیان معتد بہ فصل نہ ہو ۳۔ شرط صراحتاً مذکور ہو ورنہ کلام لغو ہوگا ۴۔ ملک یا اضافت الی الملک پائی جائے

إنما يصح في الملك كقوله لمنكوحته إن زرت فأنت طالق أو إن نكحتك فأنت طالق فيقع بعده فلو قال لأجنبية إن زرت فأنت طالق فنكحها فزارت لم تطلق وألفاظ الشرط إن وإذا وإذا ما وكل وكلما ومتى ومتى ما وألفاظ الشرط إن وإذا وإذا ما وكل وكلما ومتى ومتى ما ففيها إن وجد الشرط انتهت اليمين إلا في كلما لاقتضائه عموم الأفعال كاقتضاء كل عموم الأسماء فلو قال كلما تزوجت امرأة تحنث بكل امرأة ولو بعد زوج آخر.

ترجمہ: تعلیق صرف ملک میں صحیح ہے جیسے شوہر اپنی منکوحہ سے کہے اگر تو نے زیارت کی تو تجھے طلاق ہے، یا ملک کی طرف منسوب ہو جیسے یوں کہے اگر میں تجھ سے نکاح کروں تو تجھے طلاق ہے سو طلاق شرط کے بعد واقع ہوگی پس اگر کسی اجنبیہ سے کہا اگر تو نے زیارت کی تو تجھے طلاق ہے پھر اس سے نکاح کر لیا اور اس نے زیارت کی تو طلاق نہیں ہوگی۔ شرط کے الفاظ یہ ہیں ان، اذا، اذا ما، کل، کلما، متی، متی ما۔ ان الفاظ میں شرط پائی گئی تو قسم ختم ہو جائے گی سوائے کلما کے کہ وہ افعال کے عموم کو چاہتا ہے جیسے لفظ کل اسماء کے عموم کو چاہتا ہے پس اگر کہا کہ جب بھی میں کسی عورت سے نکاح کروں تو ہر عورت کے ساتھ نکاح کرنے سے حانث ہو جائے گا اگرچہ دوسرے شوہر کے بعد ہو۔

إنما يصح في الملك كقوله لمنكوحته إن زرت فأنت طالق أو إن نكحتك فأنت طالق فيقع بعده:
مصنفؒ یہاں سے ایک ضابطہ بیان فرما رہے ہیں۔ ضابطہ یہ ہے کہ طلاق کو کسی چیز پر معلق کرنا اس وقت صحیح ہوگا جبکہ حالف محلوف علیہا کا بالفعل مالک ہو مثلاً اپنی منکوحہ سے کہے "ان زرت فانت طالق" یا طلاق کو اپنی ملک کی طرف منسوب کرے مثلاً کہے "ان نکحتک فانت طالق" کیونکہ سبب ملک (یعنی نکاح) کی طرف منسوب کرے مثلاً "ان نکحتک فانت طالق" کیونکہ سبب ملک (یعنی نکاح) کی طرف منسوب کرنا ایسا ہی ہے جیسا کہ نفس ملک کی طرف منسوب کیا جائے۔ کیونکہ سبب ملک ملک کے وقت ظاہر ہو جاتا ہے تو ہمارے نزدیک شرط پائے جانے پر طلاق واقع ہو جائے گی اور امام شافعیؒ کے نزدیک اضافت الی الملک کی صورت میں طلاق واقع نہیں ہوتی کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے لا طلاق قبل النکاح۔ کہ نکاح سے پہلے طلاق نہیں ہے۔ اور دوسری دلیل یہ ہے کہ یہ تصرف یمین ہے اس لئے کہ اس میں شرط و جزاء دونوں موجود ہیں تو اس کلام کے صحیح ہونے کیلئے فوری طور پر ملک کا موجود ہونا شرط نہیں کیونکہ طلاق تو شرط پائے جانے پر واقع ہوگی اور شرط پائے جانے کے وقت ملک یقیناً حاصل ہو جاتی ہے اور امام شافعیؒ کی پیش کردہ حدیث کا جواب یہ ہے کہ فوری طور پر اس عورت پر طلاق واقع نہیں ہوگی جس پر ملک ہی حاصل نہ ہو۔

فلو قال لأجنبية إن زرت فأنت طالق فنكحها فزارت لم تطلق: اگر کسی مرد نے کسی اجنبیہ سے کہا ان زرت فانت طالق۔ پھر اس مرد نے اس عورت سے نکاح کر لیا پھر اس کے بعد اس عورت نے اپنے گھر والوں کی زیارت کی تو اس صورت میں طلاق واقع نہیں ہوگی۔ کیونکہ حالف نہ تو طلاق کا مالک ہے اور نہ ہی طلاق کو ملک اور سبب ملک کی طرف منسوب کیا ہے حالانکہ اضافت طلاق کیلئے ان دونوں میں سے کسی ایک کا ہونا ضروری ہے۔

وَأَلْفَاظُ الشَّرْطِ إِنْ وَإِذَا وَإِذَمَا وَكُلُّ وَكُلَّمَا وَمَتَى وَمَتَى مَا: الفاظِ شرط إِنْ، وَإِذَا، وَإِذَمَا، وَكُلُّ

وَكُلَّمَا وَمَتَى وَمَتَى مَا فَفِيهَا إِنْ وُجِدَ الشَّرْطُ انْتَهَتِ الْيَمِينُ إِلَّا فِي كُلَّمَا لِأَنَّهَا تَقْتَضِي عُمُومَ الْأَفْعَالِ

كَاقْتِضَاءِ كُلٍّ عُمُومَ الْأَسْمَاءِ: ان الفاظ میں جب شرط پائی گئی تو قسم تحلیل ہو کر ختم ہو جائیگی۔ یعنی ان دخلت الدار فانت طالق کی صورت میں عورت اگر گھر میں داخل ہوگئی تو اس پر طلاق بائن واقع ہو جائیگی اور قسم ختم ہو جائیگی کیونکہ لغت کے اعتبار سے یہ الفاظ عموم اور تکرار کا تقاضا نہیں کرتے فعل کے ایک بار پائے جانے سے شرط پوری ہو جاتی ہے اور شرط کے بغیر قسم باقی نہیں رہتی اگر بعد میں عورت گھر میں داخل ہو تو کچھ واقع نہیں ہوگا البتہ لفظ "کلما" میں صرف ایک مرتبہ شرط پائے جانے سے یمین ختم نہیں ہوتی بلکہ تین بار پایا جانا ضروری ہے اس لئے کہ لفظ "کلما" افعال میں عموم چاہتا ہے جس طرح کہ لفظ "کل" اسماء میں عموم چاہتا ہے جیسے کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُودُهُمْ بَدَّلْنَاهُمْ جُلُودًا غَيْرَهَا﴾ "جب بھی ان کے چمڑے گل سڑ جائیں گے تو ہم نئے چمڑے تبدیل کر دیں گے" اس میں عموم پائے جانے کی بناء پر تکرار لازم ہوگا۔

کلما تزوجت امرأة فهی طالق سے طلاق معلق کرنے کا حکم

فَلَوْ قَالَ كُلَّمَا تَزَوَّجْتُ امْرَأَةً يَحْنَثُ بِكُلِّ مَرَّةٍ وَلَوْ بَعْدَ زَوْجٍ آخَرَ: اگر لفظ "کلما" نفس تزوج پر داخل کرے مثلاً یوں کہے کلما تزوجت امراة فهی طالق یعنی میں جب بھی کسی عورت سے نکاح کروں تو اسے طلاق ہے تو ہر بار نکاح کرنے پر حانث ہوگا۔ خواہ یہ نکاح دوسرے خاوند کے طلاق دینے کے بعد ہی کیوں نہ ہو کیونکہ اس قسم کا انعقاد اس ملک طلاق کی وجہ سے ہے جس کا سبب وہ نکاح کرنے کی وجہ سے بنتا ہے اور اس کا کوئی تناہی نہیں ہو سکتا تو جب بھی نکاح کرے گا طلاق واقع ہو جائیگی۔

وَزَوَالُ الْمِلْكِ بَعْدَ الْيَمِينِ لَا يُبْطِلُهَا فَإِنْ وُجِدَ الشَّرْطُ فِي الْمِلْكِ طَلُقَتْ وَانْحَلَّتْ وَإِلَّا لَا وَانْحَلَّتْ وَإِنِ اخْتَلَفَا فِي وُجُودِ الشَّرْطِ فَالْقَوْلُ لَهُ إِلَّا إِذَا بَرْهَنَتْ وَمَا لَا يُعْلَمُ إِلَّا مِنْهَا فَالْقَوْلُ لَهَا فِي حَقِّهَا كَإِنْ حِضْتِ فَأَنْتِ طَالِقٌ وَفُلَانَةُ أَوْ إِنْ كُنْتِ تُحِبِّينِي فَأَنْتِ طَالِقٌ وَفُلَانَةُ فَقَالَتْ حِضْتُ أَوْ أُحِبُّكَ طَلُقَتْ هِيَ فَقَطْ وَبِرُؤْيَةِ الدَّمِ لَا يَقَعُ فَإِنِ اسْتَمَرَّ ثَلَاثًا وَقَعَ مِنْ حِينِ رَأَتْ وَفِي إِنْ حِضْتِ حَيْضَةً يَقَعُ حِينَ تَطْهُرُ.

ترجمہ: اور قسم کے بعد ملک کا زائل ہونا قسم کو باطل نہیں کرتا پس اگر شرط ملک میں پائی گئی تو طلاق واقع ہو جائیگی اور قسم پوری ہو جائیگی اگر زوجین نے وجود شرط میں اختلاف کیا تو شوہر کا قول معتبر ہوگا الا یہ کہ عورت بینہ پیش کر دے اور جو امور عورت ہی کے بتانے سے معلوم ہوتے ہیں ان میں عورت کا قول معتبر ہوگا صرف اسی کے حق میں جیسے یوں کہے اگر تو حائضہ ہوئی تو تجھے اور فلاں عورت کو طلاق ہے یا اگر تو مجھ سے محبت رکھتی ہے تو تجھے اور فلاں عورت کو طلاق ہے پس عورت نے کہا کہ میں حائضہ ہوگئی یا میں تجھ سے محبت رکھتی ہوں تو صرف اسی

کو طلاق ہوگی اور صرف خون دیکھنے سے طلاق واقع نہیں ہوگی۔ پس اگر خون تین دن تک برابر جاری رہے تو اسی وقت سے طلاق واقع ہوجائیگی جس وقت سے خون دیکھا تھا اگر یہ کہا کہ مجھے ایک حیض آئے تو طلاق پاک ہونے کے وقت واقع ہوگی۔

وَزَوَالُ الْمِلْكِ بَعْدَ الْيَمِيْنِ لَا يُبْطِلُهَا فَإِنْ وُجِدَ الشَّرْطُ فِي الْمِلْكِ طَلُقَتْ وَانْحَلَّتْ وَإِلَّا لَا وَانْحَلَّتْ :

قسم کھانے کے بعد ملک زائل ہونے سے یمین باطل نہیں ہوتی مثلاً کسی نے منکوحہ سے کہا "ان دخلت الدار فانت طالق" پھر اس کو ایک یا دو طلاق دی اور اس کی عدت گذر گئی پھر زوج ثانی کے بعد اس نے اسی عورت سے نکاح کیا اور اب تعلیق کی شرط پائی گئی یعنی عورت گھر میں داخل ہوئی تو طلاق واقع ہوجائیگی اور قسم بھی پوری ہوگی اور اگر شرط غیر کے ملک میں پائی جائے تو قسم پوری ہوجائیگی کیونکہ شرط پائی گئی مگر طلاق واقع نہیں ہوگی۔ کیونکہ عورت اب محل طلاق نہیں رہی۔

وَإِنِ اخْتَلَفَا فِي وُجُوْدِ الشَّرْطِ فَالْقَوْلُ لَهُ إِلَّا إِذَا بَرْهَنَتْ: زوجین کا وجود شرط میں اختلاف ہوگیا مثلاً شوہر کہتا ہے کہ شرط نہیں پائی گئی اور نہ طلاق واقع ہوئی ہے اور عورت کہتی ہے کہ شرط پائی گئی اور طلاق واقع ہوگئی تو شوہر کا قول معتبر ہوگا۔ اگر عورت کے پاس گواہ موجود ہیں تو ان کی گواہی قبول کرلی جائیگی۔ کیونکہ شوہر کا قول اصل کے موافق ہے۔ کیونکہ اصل عدم شرط ہے اور جس کا قول اصل کے موافق ہو وہ مدعی علیہ کہلاتا ہے پس اگر مدعی کے پاس بینہ موجود نہ ہوں تو مدعی علیہ کا قول معتبر ہوگا۔

وجود شرط میں اختلاف زوجین کے وقت کس کا قول معتبر ہوگا

وَمَا لَا يُعْلَمُ إِلَّا مِنْهَا فَالْقَوْلُ لَهَا فِي حَقِّهَا كَإِنْ حِضْتِ فَأَنْتِ طَالِقٌ وَفُلَانَةُ أَوْ إِنْ كُنْتِ تُحِبِّيْنِيْ فَأَنْتِ طَالِقٌ وَفُلَانَةُ فَقَالَتْ حِضْتُ أَوْ أُحِبُّكَ طَلُقَتْ هِيَ فَقَطْ وَبِرُؤْيَةِ الدَّمِ لَا يَقَعُ فَإِنِ اسْتَمَرَّ ثَلَاثًا وَقَعَ مِنْ حِيْنِ رَأَتْ : اگر شوہر نے طلاق کو کسی ایسی شرط پر معلق کیا جس کا وجود صرف عورت ہی کی جانب سے معلوم ہوسکتا ہے پھر وجود شرط میں اختلاف ہوا تو عورت کا قول معتبر ہوگا مگر صرف اسی کے حق میں مثلاً شوہر نے طلاق کو حیض آنے پر معلق کیا اور کہا "ان حضت فانت طالق وفلانة" اب عورت کہتی ہے کہ مجھے حیض آگیا تو اس پر طلاق واقع ہوجائیگی دوسری عورت پر طلاق واقع نہیں ہوگی کیونکہ دوسری کے حق میں اس کا قول معتبر نہیں۔

یہ بات یاد رہے کہ اس کی سوتن کو طلاق کا واقع نہ ہونا اس صورت میں ہے جبکہ شوہر نے اس کے قول "حضت" میں اس کی تکذیب کی ہو ورنہ اگر شوہر نے اس کی تصدیق کردی تو دونوں کو طلاق واقع ہوجائیگی۔ پھر اس مسئلہ میں طلاق کا وقوع ہونا استحساناً ہے اور قیاس کا مقتضی تو یہ ہے کہ طلاق واقع نہ ہو کیونکہ وہ شوہر پر حنث کا دعویٰ کررہی ہے اور شوہر منکر ہے اور بینہ نہ ہونے کی صورت میں منکر کا قول ہی معتبر ہوتا ہے۔ اور وجہ استحسان یہ ہے کہ عورت اپنی ذات کے حق میں امانت دار ہے کیونکہ عورتیں مافی الارحام کو ظاہر کرنے میں امانت دار بھی ہیں اور مامور بھی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: لا یحل لهن ان یکتمن ما خلق الله فی ارحامهن. اور اسی وجہ سے بھی عورت کا اعتبار ہے کہ حیض ایسی شرط ہے جس کا علم صرف اسی کو ہوسکتا ہے اس کے علاوہ کو نہیں ہوسکتا

اور قاعدہ ہے کہ امین کا قول اس کے حق میں قابل قبول ہوتا ہے اس وجہ سے عورت کا قول اس کے حق میں قبول کر لیا جائیگا۔ پھر محض خون دیکھنے سے طلاق واقع نہیں ہوگی یہاں تک کہ برابر تین دن تک خون جاری رہے کیونکہ اس سے کم میں استحاضہ ہونے کا احتمال ہے اب اگر پورے تین دن حیض آیا تو جس وقت سے خون آنا شروع ہوا تھا اسی وقت سے طلاق واقع ہونے کا حکم لگا دیا جائیگا کیونکہ تین دن تک خون ممتد ہونے کی وجہ سے معلوم ہو گیا کہ یہ خون رحم کا ہے لہٰذا اول وقت ہی سے حیض شمار ہوگا۔

شوہر نے اذا حضت حیضۃ فانت طالق کہا تو طلاق اختتام حیض پر ہوگی

وَفِيْ إِنْ حِضْتِ حَيْضَةً يَقَعُ حِيْنَ تَطْهُرُ: اگر شوہر نے بیوی سے کہا "اذا حضت حیضۃ فانت طالق" جب تجھے ایک حیض آ جائے تو تجھے طلاق ہے تو جب تک عورت حیض سے پاک نہیں ہوگی طلاق واقع نہ ہوگی کیونکہ لفظ "حیضۃ" "تا" کے ساتھ استعمال ہوتا ہے تو اس سے مراد پورا حیض ہوتا ہے اور حیض پورا اسی وقت شمار ہوتا ہے جب اختتام پذیر ہو جائے اور یہ اختتام طہر آنے سے ہوتا ہے۔

وَفِيْ إِنْ وَلَدْتِ وَلَدًا ذَكَرًا فَأَنْتِ طَالِقٌ وَاحِدَةً وَإِنْ وَلَدْتِ أُنْثَى فَثِنْتَيْنِ فَوَلَدَتْهُمَا وَلَمْ يُدْرَ الْأَوَّلُ تَطْلُقُ وَاحِدَةً قَضَاءً وَثِنْتَيْنِ تَنَزُّهًا وَمَضَتِ الْعِدَّةُ وَالْمِلْكُ يُشْتَرَطُ لِآخِرِ الشَّرْطَيْنِ وَيُبْطِلُ تَنْجِيْزُ الثَّلَاثِ تَعْلِيْقَهُ وَلَوْ عَلَّقَ الثَّلَاثَ أَوِ الْعِتْقَ بِالْوَطْءِ لَمْ يَجِبِ الْعُقْرُ بِاللُّبْثِ وَلَمْ يَصِرْ بِهِ مُرَاجِعًا فِي الرَّجْعِيِّ إِلَّا إِذَا أَوْلَجَ ثَانِيًا وَلَا تَطْلُقُ فِيْ إِنْ نَكَحْتُهَا عَلَيْكِ فَهِيَ طَالِقٌ فَنَكَحَ عَلَيْهَا فِيْ عِدَّةِ الْبَائِنِ وَلَا فِيْ أَنْتِ طَالِقٌ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ مُتَّصِلًا وَإِنْ مَاتَتْ قَبْلَ قَوْلِهِ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ وَفِيْ أَنْتِ طَالِقٌ ثَلَاثًا إِلَّا وَاحِدَةً يَقَعُ ثِنْتَانِ وَفِيْ إِلَّا ثِنْتَيْنِ يَقَعُ وَاحِدَةٌ وَفِيْ إِلَّا ثَلَاثًا ثَلَاثٌ.

ترجمہ: اگر تو نے لڑکا جنا تو تجھے ایک طلاق ہے اور اگر لڑکی جنی تو دو، عورت نے دونوں جنے اور یہ معلوم نہیں کہ پہلا کون سا تھا تو ایک طلاق واقع ہوگی اور احتیاطاً دو اور اس کی عدت گذر جائیگی اور ملک دو شرطوں میں سے آخری کیلئے شرط ہے اور تین طلاق کا فی الحال واقع کرنا ان کی تعلیق کو باطل کر دیتا ہے اگر معلق کیں تین طلاقیں یا آزادی کو وطی پر تو مہر واجب نہیں ہوگا ٹھہرنے کی وجہ سے اور اس کی وجہ سے رجوع کرنے والا نہیں ہوگا طلاق رجعی میں الا یہ کہ دوبارہ داخل کرے اور طلاق واقع نہیں ہوگی اس قول میں کہ اگر تجھ پر نکاح کروں تو وہ طالق ہے پھر اس پر نکاح کر لیا طلاق بائن کی عدت میں اور نہ انت طالق ان شاء اللہ متصلاً کہنے میں اگرچہ عورت شوہر کے ان شاء اللہ کہنے سے پہلے مر جائے اور کہا تجھے ایک کم تین طلاقیں ہیں تو دو واقع ہوں گی اور دو کے استثناء میں ایک اور تین کے استثناء میں تین واقع ہوں گی۔

وَفِيْ إِنْ وَلَدْتِ وَلَدًا ذَكَرًا فَأَنْتِ طَالِقٌ وَاحِدَةً وَإِنْ وَلَدْتِ أُنْثَى فَثِنْتَيْنِ فَوَلَدَتْهُمَا وَلَمْ يُدْرَ الْأَوَّلُ تَطْلُقُ وَاحِدَةً قَضَاءً وَثِنْتَيْنِ تَنَزُّهًا وَمَضَتِ الْعِدَّةُ: اگر کسی نے اپنی بیوی سے کہا ان ولدت غلاما فانت طالق

ولدت غلاما وجارية فانت طالق ثنتين چنانچہ لڑکا اور لڑکی اکٹھے پیدا ہوئے اور یہ معلوم نہیں کہ ان دونوں میں سے پہلے کون پیدا ہوا ہے تو قضاءً ایک طلاق واقع ہوگی مگر دیانۃً دو واقع ہوں گی اور اس کی عدت بھی ختم ہو جائیگی کیونکہ جب اس نے پہلے لڑکا جنا تو ایک طلاق واقع ہوگئی اور لڑکی کے پیدا ہونے پر عدت ختم ہوگئی کیونکہ لڑکا جننے کے بعد عورت پر طلاق واقع نہیں ہوگی اس لئے کہ یہ وقت انقضاء عدت کا وقت ہے اور انقضاء عدت کا وقت زوال نکاح کا وقت ہے اور محلل زوال کے وقت کچھ عمل نہیں کرتا ہے۔ لیکن اگر لڑکی پہلے پیدا ہوئی تو دو طلاقیں واقع ہوں گی اور لڑکے کی پیدائش سے عدت ختم ہو جائیگی اور مزید کوئی طلاق واقع نہیں ہوگی۔ خلاصہ یہ کہ ایک حالت میں ایک طلاق واقع ہوگی اور ایک حالت میں دو واقع ہوں گی ایک کا واقع ہونا یقینی ہے اور دوسری کے واقع ہونے میں شک اور احتمال ہے شک کی وجہ سے طلاق واقع نہیں ہوتی اس وجہ سے قضاءً ایک طلاق واقع ہوگی مگر احتیاط اور تقوی اسی میں ہے کہ دو کے وقوع کے قول پر عمل کیا جائے اور عدت تو یقیناً ختم ہو جائیگی۔

وقوع طلاق کیلئے دو شرطوں میں سے آخری شرط کا ملک میں پایا جانا ضروری ہے

وَالْمِلْكُ يُشْتَرَطُ لِآخِرِ الشَّرْطَيْنِ: اگر شرط دو وصفوں کے ساتھ یا دو چیزوں کے ساتھ مشروط ہو تو وقوع طلاق کیلئے آخری شرط کا ملک میں پایا جانا ضروری ہے مثلاً ایک شخص نے کہا اگر خالد اور عامر کے گھر میں داخل ہوئی تو تجھے طلاق اب اگر شرط ثانی ملک میں پائی جائیگی تو معلق طلاق واقع ہو جائیگی ورنہ نہیں۔ اس مسئلہ کی چار صورتیں ہیں ۱۔ دونوں شرطیں ملک میں پائی جائیں اس صورت میں بالاتفاق طلاق واقع ہوگی کیونکہ شرط طلاق ملک میں پائی گئی ہے۔ ۲۔ دونوں شرطیں غیر ملک میں پائی جائیں اس صورت میں بالاتفاق طلاق واقع نہیں ہوگی ۳۔ شرط اول ملک میں اور شرط ثانی غیر ملک میں پائی جائے اس صورت میں بھی طلاق واقع نہیں ہوتی کیونکہ جزاء یعنی طلاق غیر ملک میں نہیں اترتی لہذا طلاق واقع نہیں ہوگی۔ ۴۔ شرط اول غیر ملک میں اور شرط ثانی ملک میں پائی جائے مثلاً شوہر نے کہا ان دخلت دار خالد و دار عامر فانت طالق اس کے بعد شوہر نے عورت کو طلاق دیدی اور اس کی عدت گذر گئی عدت گذرنے کے بعد ایک شرط پائی گئی پھر شوہر نے اس سے نکاح کر لیا اور اب دوسری شرط پائی گئی تو ہمارے نزدیک طلاق واقع ہو جائیگی اور امام زفرؒ کے نزدیک طلاق واقع نہیں ہوگی۔

وَيُبْطِلُ تَنْجِيزُ الثَّلَاثِ تَعْلِيقَهُ: اگر مرد نے اپنی بیوی سے کہا ان دخلت الدار فانت طالق ثلاثا پھر کہا انت طالق ثلاثاً عورت نے دوسرے مرد سے نکاح کر لیا اور اس نے اس سے وطی بھی کی پھر پہلے خاوند کی طرف لوٹ آئی اور گھر میں داخل ہوئی تو اب کوئی طلاق واقع نہیں ہوگی۔ امام زفرؒ فرماتے ہیں کہ تین طلاق واقع ہو جائیں گی کیونکہ جزاء لفظ کے مطابق ہونے کی وجہ سے مطلق ہے پس یہ کلام مطلقہ تین طلاقوں کو شامل ہوگا خواہ فی الحال اس کی ملک میں ہوں یا آئندہ زمانہ میں ملک میں آئیں لہذا مطلق تین طلاقیں موجودہ ملک کی قید کے ساتھ مقید نہیں ہوں گی اور مطلق تین طلاقوں کے واقع ہونے کا احتمال بھی باقی ہے بایں طور کہ زوج ثانی سے نکاح کرنے کے بعد اس کو اپنے نکاح میں لے آئے پس جب یمین باقی ہے اور محل یعنی عورت موجود

ہے تو جزاء تین طلاقیں واقع ہوجائیں گی ہماری دلیل یہ ہے کہ جزاء معلق تین طلاقیں نہیں بلکہ اس موجودہ ملک کی تین طلاقیں ہیں کیونکہ جزاء وہ ہوتی ہے جو وجود شرط سے روکنے والی یا وجود شرط پر ابھارنے والی ہو اس لئے کہ یمین انہی دو مقصدوں میں سے ایک کیلئے منعقد کی جاتی ہے اور یہاں دونوں امر سے روکنے والی اسی ملک کی تین طلاقیں ہیں نہ کہ بعد میں پیدا ہونے والی طلاقیں اور جو ملک زوج ثانی کے بعد پیدا ہوتی ہے وہ بظاہر معدوم ہے تو اس ملک کی تین طلاقیں شوہر بالفعل دے چکا ہے لہٰذا یمین باقی نہ رہی پس جب یمین باقی نہ رہی تو عورت کے گھر میں داخل ہونے سے اس پر کوئی طلاق واقع نہیں ہوتی۔

ولو علق الثلاث أو العتق بالوطء لم يجب العقر باللبث : ایک شخص نے بیوی کی تین طلاقوں کو یا باندی کی آزادی کو جماع پر معلق کیا اور کہا اگر میں تجھ سے وطی کروں تو تجھے تین طلاق یا تو آزاد ہے پھر اس سے وطی کی تو التقاء ختانین ہوتے ہی طلاق اور آزادی واقع ہو جائیگی اب اگر وہ آلۂ تناسل داخل کرنے کے بعد توقف کرے تو توقف کی وجہ سے عقر یعنی مہر مثل واجب نہیں ہوگا البتہ اگر اس شخص نے آلۂ تناسل کو باہر نکالا اور پھر داخل کیا تو یہ ادخال طلاق کے بعد ہوا اس کی وجہ سے اس عورت کیلئے عقر واجب ہو جائیگا یعنی حد زنا اس صورت میں بھی واجب نہیں ہوگی کیونکہ ادخال اور اخراج کے درمیان اتحاد کا شبہ پیدا ہو گیا اس وجہ سے کہ دونوں کی مجلس بھی ایک ہے اور مقصود (یعنی قضاء شہوت) بھی ایک ہے پس جب حد واجب نہیں ہوئی تو عقر ضرور واجب ہوگا کیونکہ حرام وطی کی وجہ سے ان دونوں میں سے ایک ضرور واجب ہوتا ہے۔

ولم يصر به مراجعا في الرجعي إلا إذا أولج ثانيا ولا تطلق في إن نكحتها عليك فهي طالق فنكح عليها في عدة البائن: اور اگر مرد نے اپنی بیوی سے اذا جامعتک فانت طالق واحدۃ کہا اور یہ کہنے کے بعد جماع کیا تو اس عورت کو طلاق رجعی واقع ہو جائیگی پس اب اگر یہ اسی حالت میں ٹھہرا رہا تو رجعت بالاتفاق ثابت ہو جائیگی امام ابو یوسفؒ کے نزدیک تو اس وجہ سے کہ ٹھہراؤ بمنزلہ ابتدائی دخول کے ہے پس طلاق کے بعد وطی پائی گئی اس لئے رجعت ثابت ہوگی اور امام محمدؒ کے نزدیک ٹھہراؤ کی وجہ سے رجعت ثابت نہیں ہوتی بلکہ اس لئے کہ مرد نے شہوت کے ساتھ چھوا ہے اور اگر اس شخص نے داخل کرنے کے بعد نکال لیا اور پھر داخل کر دیا تو بالاتفاق رجعت ثابت ہو جائیگی۔ اس لئے کہ جماع پایا گیا۔

ولا في أنت طالق إن شاء الله متصلا وإن ماتت قبل قوله إن شاء الله : اگر کسی شخص نے اپنی بیوی سے کہا أنت طالق اور ساتھ ہی ان شاء اللہ کہہ دیا تو طلاق واقع نہیں ہوگی کیونکہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ جس نے طلاق یا عتاق کی قسم کھائی اور اس کے متصل ہی ان شاء اللہ کہہ دیا تو وہ حانث نہیں ہوتا اگرچہ ان شاء اللہ کہنے سے پہلے پہلے عورت مر جائے یعنی مرد نے انت طالق ہی کہا تھا کہ عورت کا دم نکل گیا تو اب بھی طلاق واقع نہیں ہوگی کیونکہ استثناء کی وجہ سے کلام موجب طلاق نہیں رہا۔

کل سے کل کا یا بعض کا استثناء کیا تو اس کا حکم اور اس کیلئے قاعدہ کلیہ کا بیان

وفي أنت طالق ثلاثا إلا واحدة تقع ثنتان وفي إلا ثنتين تقع واحدة وفي إلا ثلاثا ثلاث. اگر مرد نے اپنی

خواہ شوہر کا انتقال عدت میں ہوا ہو یا عدت کے بعد کیونکہ زوجین کے درمیان وراثت کا سبب زوجیت کا رشتہ ہے اور طلاق بائن واقع کرنے کی وجہ سے زوجیت باطل ہو گئی لہذا وراثت کا حکم بغیر سبب کے ثابت نہیں ہوگا یہی وجہ ہے کہ اگر اسی حالت میں عورت کا انتقال ہو جائے تو شوہر وارث نہیں ہوتا۔ ہماری دلیل نقلی یہ ہے کہ عبد الرحمن بن عوفؓ نے اپنی بیوی تماضر کو اپنے مرض الموت میں طلاق بائن دی اور ان کی وفات ہو گئی حالانکہ ان کی بیوی تماضر ابھی عدت ہی میں تھی تو حضرت عثمانؓ نے عبد الرحمن بن عوفؓ کی بیوی کو ان کا وارث بنایا اور یہ واقعہ صحابہؓ کی موجودگی میں پیش آیا لیکن کسی نے حضرت عثمانؓ کے اس فیصلہ پر نکیر نہیں فرمائی اس وجہ سے یہ اجماع سکوتی ہوا اور عقلی دلیل یہ ہے کہ شوہر کے مرض الموت میں عورت کا بیوی ہونا عورت کے وارث ہونے کا سبب ہے کیونکہ شوہر کے مرض الموت میں بیوی کا حق اس کے مال کے ساتھ متعلق ہوجاتا ہے پس اس حالت میں شوہر نے طلاق بائن دے کر اس کے حق وراثت کو باطل کرنے کا ارادہ کیا ہے لہذا اس کے اس غلط ارادے کو اسی پر لوٹا دیا جائیگا اس طرح کہ طلاق کے عمل کو عدت گذرنے کے زمانے تک کیلئے مؤخر کر دیا گیا تاکہ عورت سے حرمان وراثت کا ضرر دور ہو۔

وَلَوْ اَبَانَهَا بِاَمْرِهَا اَوِ اخْتَلَعَتْ مِنْهُ اَوِ اخْتَارَتْ نَفْسَهَا بِتَفْوِيْضِهِ لَمْ تَرِثْ : یہاں تین صورتیں بیان کی گئی ہیں۔ ۱۔ عورت نے اپنے شوہر سے طلاق بائن کا سوال کیا شوہر نے اس کو اپنے مرض الموت میں طلاق بائن دیدی ۲۔ عورت نے اپنے شوہر کے مرض الموت میں اس سے خلع کر لیا ۳۔ شوہر نے اپنے مرض الموت میں اپنی بیوی کو اختیار دیا بیوی نے اپنے نفس کو اختیار کرلیا تو ان تینوں صورتوں کا حکم یہ ہے کہ اگر شوہر مر گیا اور عورت عدت میں ہے تو یہ عورت اپنے شوہر کی وارث نہیں ہوگی کیونکہ ان تینوں صورتوں میں عورت اپنے حق کو باطل کرنے پر راضی ہو گئی ہے اس لئے کہ پہلی صورت میں عورت نے خود طلاق بائن کی درخواست کی ہے اور دوسری صورت میں خلع کے ذریعہ اپنے اوپر مال لازم کیا ہے تاکہ فرقت حاصل ہو جائے جو رضامندی کی دلیل ہے اور تیسری صورت میں اپنے نفس کو اختیار کر کے فرقت کا ارتکاب کیا ہے یہ بھی رضامندی کی دلیل ہے۔

مرض الموت میں عورت کے طلاق رجعی کے مطالبہ پر شوہر کے تین طلاق دینے سے وراثت کا حکم

وَفِيْ طَلِّقْنِيْ رَجْعِيَّةً فَطَلَّقَهَا ثَلَاثًا وَرِثَتْ : اگر عورت نے طلاق رجعی کا مطالبہ کیا مگر مرد نے تین طلاقیں دیدیں تو اس صورت میں خاوند کی وفات پر عورت وارث ہوگی کیونکہ طلاق رجعی سے نکاح کا کلیۃً ازالہ نہیں ہوتا لہذا عورت کو طلاق رجعی کا مطالبہ کرنے پر اپنے حق کے بطلان پر راضی تصور نہیں کیا جائیگا۔ عورت کے طلاق رجعی کے مطالبہ پر شوہر کے تین طلاق دینے کا حکم

وَاِنْ اَبَانَهَا بِاَمْرِهَا فِيْ مَرَضِهِ اَوْ تَصَادَقَا عَلَيْهِ فِي الصِّحَّةِ وَمُضِيِّ الْعِدَّةِ فَاَقَرَّ اَوْ اَوْصٰى لَهَا فَلَهَا الْاَقَلُّ مِنْهُ وَمِنْ اِرْثِهَا : اگر بیوی نے شوہر سے کہا تو مجھے طلاق بائن دیدے شوہر نے طلاق بائن دیدی یا شوہر نے بیماری کے زمانہ میں کہا کہ میں نے اپنی تندرستی میں تجھے طلاق دیدی تھی اور تیری عدت گذر چکی ہے اور عورت نے اس کی تصدیق کردی اس کے بعد شوہر نے عورت کیلئے کسی چیز کا اقرار کیا یا اس کیلئے وصیت کی اور پھر شوہر کا انتقال ہو گیا تو ان دونوں صورتوں میں عورت کو

میراث اور اقرار یا وصیت کے مال سے کمتر مقدار ملے گی یعنی اگر وصیت یا اقرار کا مال کم ہو تو وہ ملے گا اور اگر میراث کم ہو تو میراث ملے گی۔ امام زفرؒ کے نزدیک وصیت اور اقرار کا کل مال ملے گا۔ کیونکہ جب عورت کے سوال طلاق کی وجہ سے میراث باطل ہو گئی تو صحت اقرار اور صحت وصیت سے جو چیز مانع تھی یعنی شبہ تہمت وہ زائل ہو گئی۔ دوسرے مسئلہ میں صاحبینؒ کے نزدیک بھی اقرار اور وصیت کا کل ملے گا کیونکہ جب وقوع طلاق اور انقضاء عدت میں زوجین نے ایک دوسرے کی تصدیق کر دی تو عورت اجنبیہ ہو گئی اور شبہ تہمت زائل ہو گیا بخلاف پہلے مسئلہ کے کہ اس میں عدت باقی ہے اور عدت کا باقی رہنا ہی تہمت کا سبب ہے اس لئے پہلے مسئلہ میں کمتر مقدار ملے گی۔ امام صاحبؒ فرماتے ہیں کہ دونوں مسئلوں میں تہمت کا امکان ہے کیونکہ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ عورت اقرار یا وصیت کی مال لانے کیلئے طلاق اختیار کر لیتی ہے نیز کبھی ایسا ہوتا ہے کہ شوہر الفت ومحبت کی وجہ سے اقرار یا وصیت کر بیٹھتا ہے بہرکیف تہمت کا امکان باقی ہے مگر یہ تہمت صرف زائد مقدار میں ہے نہ کہ مقدار میراث میں اس لئے عورت کو کمتر مقدار ملے گی۔

زوجہ فار کی تعریف اور اس کا حکم

وَمَنْ بَارَزَ رَجُلًا أَوْ قُدِّمَ لِيُقْتَلَ بِقَوَدٍ أَوْ رَجْمٍ فَأَبَانَهَا وَرِثَتْ إِنْ مَاتَ فِي ذٰلِكَ الْوَجْهِ أَوْ قُتِلَ وَلَوْ مَحْصُورًا أَوْ فِي صَفِّ الْقِتَالِ لَا : اور اگر کوئی شخص لڑائی کی صف سے نکل کر قتال کیلئے دشمن کے سامنے آیا یا کسی قصاص یا رجم کی وجہ سے قتل کرنے کیلئے آگے بڑھایا گیا پس اگر وہ اس سبب سے مارا گیا یا دوسرے سبب سے قتل کیا گیا تو اس کی بیوی وارث ہو گی اور اگر کوئی شخص قلعہ میں محصور ہے اور دشمنوں نے قلعہ کو گھیر رکھا ہے یا لڑائی کی صف میں ہے۔ ایسی حالت میں اس شخص نے اپنی بیوی کو طلاق بائن دیدی پھر اس شخص کی وفات ہو گئی تو اس کی بیوی وارث نہیں ہو گی۔ اس میں قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ ہر وہ چیز جس سے ہلاکت کا خوف غالب ہو خواہ ہلاکت مرض کی وجہ سے ہو یا کسی اور وجہ سے ہو تو عورت وارث ہو گی پس جو شخص مقابلہ کیلئے صف سے باہر نکل آیا یا قتل کیلئے پیش کیا گیا تو اس سے ہلاکت غالب ہے تو عورت وارث ہو گی۔ اور وہ شخص جو قلعہ میں محصور ہے اور جو لڑائی کی صف میں ہے اس سے سلامتی غالب ہے کیونکہ قلعہ دشمن کے ضرر کو دور کرنے کیلئے ہوتا ہے اور یہی حکم لشکر کا ہے۔

وَلَوْ عَلَّقَ طَلَاقَهَا بِفِعْلِ أَجْنَبِيٍّ أَوْ بِمَجِيءِ الْوَقْتِ وَالتَّعْلِيقُ وَالشَّرْطُ فِي مَرَضِهِ أَوْ بِفِعْلِ نَفْسِهِ وَهُمَا فِي مَرَضِهِ أَوِ الشَّرْطُ فَقَطْ أَوْ بِفِعْلِهَا وَلَا بُدَّ لَهَا مِنْهُ وَهُمَا فِي الْمَرَضِ أَوِ الشَّرْطُ وَرِثَتْ وَفِي غَيْرِهَا لَا وَلَوْ أَبَانَهَا فِي مَرَضِهِ فَصَحَّ فَمَاتَ أَوْ أَبَانَهَا فَارْتَدَّتْ فَأَسْلَمَتْ فَمَاتَ لَمْ تَرِثْ وَإِنْ طَاوَعَتِ ابْنَ الزَّوْجِ أَوْ لَاعَنَ أَوْ آلَى مَرِيضًا وَرِثَتْ وَإِنْ آلَى فِي صِحَّتِهِ وَبَانَتْ بِهِ فِي مَرَضِهِ لَا.

ترجمہ: اگر طلاق کو کسی اجنبی کے فعل پر یا وقت کے آنے پر معلق کیا اور تعلیق وشرط یا صرف شرط مرض میں ہو یا عورت کے اپنے فعل پر معلق کیا جس کا اس کیلئے کرنا ضروری ہے اور تعلیق وشرط یا صرف شرط مرض میں ہو تو وہ وارث ہو گی اور دیگر صورتوں میں وارث نہیں ہو گی اگر اس

کی رضا پائی گئی۔ لیکن اگر تعلیق عورت کے اپنے فعل سے پائی گئی ہو جس سے گریز کی کوئی صورت نہیں جیسے کھانا، نماز پڑھنا، ماں باپ سے بات چیت اور ان افعال سے طلاق واقع ہونے سے عورت وارث ہوگی کیونکہ وہ ان افعال کو کرنے پر مجبور تھی اور ان مذکورہ افعال سے باز رہنے میں دنیا یا آخرت کی ہلاکت یا خسران کا اندیشہ تھا اور اضطرار کے ہوتے ہوئے رضا کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اگر تعلیق صحت میں ہو اور شرط بحالت مرض پائی جائے اور فعل بھی ایسا ہو جس سے عورت بچ سکتی ہو تو عورت میراث کی قطعی حقدار نہیں ہوگی۔ لیکن اگر تعلیق ایسے فعل سے ہو جس سے عورت کیلئے بچنے کی کوئی صورت نہیں تو امام محمدؒ کے نزدیک اسے میراث نہیں ملے گی اور شیخینؒ کے نزدیک عورت وارث ہوگی کیونکہ اس فعل کے نہ کرنے کی گنجائش نہیں تھی لہذا مرد کی طرف سے زیادتی پائی گئی کیونکہ شوہر ہی نے اسے فعل میں پڑنے پر مجبور کیا تھا تو یہ فعل مرد کی طرف راجع ہوگا کیونکہ اس کام میں عورت مرد کی آلہ کار تھی جیسے اکراہ یا مجبوری کی حالت میں ہوتا ہے۔

وَلَوْ اَبَانَهَا فِيْ مَرَضِهٖ فَصَحَّ فَمَاتَ: شوہر نے بیوی کو بسبب مرض طلاق بائن دیدی پھر صحت یاب ہو کر مر گیا تو عورت وارث نہیں ہوگی کیونکہ صحت کی وجہ سے مرض الموت ہونا معدوم ہو گیا پس ظاہر ہو گیا کہ شوہر کے مال سے عورت کا کوئی حق متعلق نہیں ہوا تو عورت وارث بھی نہیں ہوگی۔

طلاق کے بعد عورت کا مرتد ہونا اہلیت ارث کو باطل کر دیتا ہے

اَوْ اَبَانَهَا فَارْتَدَّتْ فَاَسْلَمَتْ فَمَاتَ: یا اگر شوہر نے بیوی کو طلاق بائن دیدی پھر وہ مرتد ہوگئی (معاذ اللہ) پھر مسلمان ہوگئی اس کے بعد شوہر اپنی اسی مرض کی وجہ سے مر گیا اور عورت ابھی عدت میں ہے تو یہ عورت اس کی وارث نہیں ہوگی کیونکہ عورت نے مرتد ہو کر اہلیت ارث کو باطل کر دیا ہے لہذا سبب حق ارث ختم ہوا اور بعد میں اسلام لانے سے اس سبب کا عود ممکن نہیں۔

وَاِنْ طَاوَعَتْ اِبْنَ الزَّوْجِ: اور اگر عورت مرتد نہیں ہوئی بلکہ اپنے شوہر کے بیٹے سے مطاوعت کر لیا تو وارث ہوگی کیونکہ مطاوعت ابن الزوج کی وجہ سے اہلیت ارث ختم نہیں ہوتی اس لئے کہ محرمیت وراثت کے منافی نہیں ہاں نکاح کے منافی ہے جیسے ماں اور بہن میں محرمیت یعنی دائمی حرمت ہے نکاح کے منافی تو ہے مگر وراثت کے منافی نہیں ہے بہرحال مطاوعت ابن الزوج کی صورت میں وراثت باقی ہے تو اس وجہ سے عورت وارث ہوگی۔

وَلَوْ لَاعَنَ: اگر کسی شخص نے بحالت صحت بیوی کو زنا کے ساتھ تہمت لگائی اور لعان مرض الموت میں کیا پھر حاکم نے ان دونوں میں تفریق کر دی اس کے بعد شوہر عورت کی عدت ہی میں مر گیا تو شیخینؒ کے نزدیک عورت وارث ہوگی کیونکہ اس تفریق میں عورت کی رضامندی کو کوئی دخل نہیں لہذا مرد نے اس کو لعان پر مجبور کیا ہے اور امام محمدؒ کے نزدیک وارث نہیں ہوگی۔

وَلَوْ آلٰى مَرِيْضًا وَبَانَتْ وَاِنْ آلٰى فِيْ صِحَّتِهٖ وَبَانَتْ بِهٖ فِيْ مَرَضِهٖ لَا: اگر کسی شخص نے اپنے مرض الموت کے زمانہ میں بیوی سے ایلاء کیا اور پھر چار ماہ گذرنے کے بعد شوہر عدت کے اندر ہی مر گیا تو یہ عورت وارث ہوگی۔ چونکہ ایلاء سے متعلق

پس طلاق کو ایسے چار ماہ گزرنے پر معلق کرنا جو جماع سے خالی ہوں، لہٰذا یہ صورت طلاق کو وقت کے آنے پر معلق کرنے کے ساتھ لاحق ہوگئی۔ اگر ایلاء کرنا تندرستی کے زمانہ میں پایا گیا پھر ایلاء یعنی چار ماہ بغیر وطی کے گذر جانے کی وجہ سے عورت بائنہ ہوگئی اور شوہر مرض الموت میں ہے تو عورت وارث نہیں ہوگی۔ کیونکہ بینونت شوہر کے ایلاء کی طرف منسوب ہے اور مرض الموت میں شوہر کی طرف سے کوئی چیز نہیں پائی گئی پس شوہر فار نہیں ہوگا۔

بَابُ الرَّجْعَةِ

رجعت کا بیان

رجعت کی مشروعیت رفع طلاق کیلئے ہے اور رفع شی وقوع شی کے بعد ہی ہوتی ہے پس طلاق رجعت سے طبعاً مؤخر ہوئی تو اس لئے وضع اور ذکر میں بھی مؤخر کردیا گیا تاکہ وضع طبع کے موافق ہوجائے۔ رجعت راء کے فتحہ اور کسرہ کے ساتھ ہے مگر فتح پڑھنا افصح ہے رَجَعَ یَرْجِعُ ضرب سے ہے جس کے معنی ہیں واپس آنا لوٹنا "رجع" لازمی اور متعدی دونوں طرح قرآن کریم میں استعمال ہوا ہے۔ اور اس کی اصطلاحی معنی مصنف نے خود ذکر کئے ہیں "هي استدامة الملك القائم في العدة" یعنی رجعت اس ملک کو باقی رکھنا ہے جو عدت کے زمانہ میں قائم تھی۔

هِيَ اسْتِدَامَةُ الْقَائِمِ فِي الْعِدَّةِ وَتَصِحُّ إِنْ لَمْ يُطَلِّقْ ثَلَاثًا وَلَوْ لَمْ تَرْضَ بِرَاجَعْتُكِ أَوْ رَاجَعْتُ امْرَأَتِي وَبِمَا يُوجِبُ حُرْمَةَ الْمُصَاهَرَةِ وَالْإِشْهَادُ مَنْدُوبٌ إِلَيْهَا وَلَوْ قَالَ بَعْدَ الْعِدَّةِ رَاجَعْتُكِ فِيهَا فَصَدَّقَتْهُ تَصِحُّ وَإِلَّا لَا كَرَاجَعْتُكِ فَقَالَتْ مُجِيبَةً مَضَتْ عِدَّتِي وَلَوْ قَالَ زَوْجُ الْأَمَةِ بَعْدَ الْعِدَّةِ رَاجَعْتُ فِيهَا فَصَدَّقَهُ سَيِّدُهَا وَكَذَّبَتْهُ أَوْ قَالَتْ مَضَتْ عِدَّتِي وَأَنْكَرَا فَالْقَوْلُ لَهَا وَتَنْقَطِعُ إِنْ طَهُرَتْ مِنَ الْحَيْضِ الْآخِرِ لِعَشَرَةٍ وَإِنْ لَمْ تَغْتَسِلْ وَلِأَقَلَّ لَا حَتَّى تَغْتَسِلَ أَوْ يَمْضِيَ وَقْتُ صَلَاةٍ أَوْ تَتَيَمَّمَ وَتُصَلِّيَ وَلَوِ اغْتَسَلَتْ وَنَسِيَتْ أَقَلَّ مِنْ عُضْوٍ تَنْقَطِعُ وَلَوْ عُضْوًا لَا.

ترجمہ: رجعت اس ملک کو باقی رکھنا ہے جو عدت کے زمانہ میں قائم تھی اور رجعت عدت میں صحیح ہے اگر تین طلاقیں نہ دی ہوں اگرچہ عورت راضی نہ ہو، ان الفاظ کے ساتھ کہ میں نے تجھ سے رجعت کی یا میں نے اپنی بیوی سے رجعت کی اور ان افعال کے ساتھ کہ جو دامادی حرمت ثابت کرتے ہیں اور رجعت پر گواہ بنانا مستحب ہے اور اگر شوہر نے عدت کے بعد کہا کہ میں نے تجھ سے عدت میں رجعت کرلی تو عورت نے اس کی تصدیق کردی تو رجعت صحیح ہے ورنہ نہیں جیسے شوہر نے کہا "راجعتک" بیوی نے جواب دیا کہ میری عدت گذر گئی۔ باندی کے شوہر نے عدت کے بعد کہا کہ میں نے عدت میں رجعت کرلی تھی پس اس کے آقا نے تصدیق کی اور باندی نے تکذیب یا باندی نے کہا میری عدت گذر گئی اور شوہر نے اور آقا نے انکار کیا تو باندی کا قول معتبر ہوگا اور رجعت ختم ہوجاتی ہے اگر عورت پاک ہوجائے آخری حیض سے پورے دس دن پر اگرچہ غسل نہ کیا ہو اور دس سے کم پر ہو تو ختم نہیں ہوگی یہاں تک کہ غسل کرلے یا نماز کا وقت گذر جائے یا تیمم کرکے

نماز پڑھ لے اگر عورت نے غسل کیا اور ایک عضو سے کم بھول گئی تو رجعت منقطع ہو جائے گی اور ایک عضو بھولے تو نہیں۔

هِيَ اسْتِدَامَةُ الْقَائِمِ فِي الْعِدَّةِ وَتَصِحُّ إِنْ لَمْ يُطَلِّقْ ثَلَاثًا وَلَوْ لَمْ تَرْضَ بِرَاجَعْتُكِ : اگر شوہر نے اپنی بیوی کو ایک یا دو رجعی طلاقیں دی ہیں تو اسے یہ حق حاصل ہے کہ وہ عدت میں رجوع کرے خواہ عورت اس پر راضی ہو یا نہ ہو کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ "فامسکوھن بمعروف" مطلق مذکور ہے یعنی عورت کی رضا ہو یا نہ ہو کیونکہ رجعت کا معنی ہے ملک کو برابر قائم رکھنا اور قرآن کریم میں رجعت کو امساک کہا گیا ہے اور امساک کے معنی باقی رکھنے کے ہیں اور ملک کو باقی رکھنا عدت ہی میں ہو سکتا ہے کیونکہ عدت گذر جانے کے بعد ملک نکاح باقی نہیں رہتی۔

رجوع قولی اور فعلی

بِرَاجَعْتُ امْرَأَتِي رَجْعَتَهَا يُوجِبُ حُرْمَةَ الْمُصَاهَرَةِ : احناف کے نزدیک رجعت قول و فعل ہر دو کے ذریعے سے ہو سکتی ہے اول جیسے مرد عورت کو مخاطب کرکے کہے کہ میں نے تجھ سے رجوع کیا۔ یا گواہوں کو مخاطب کرکے کہے کہ میں نے اپنی بیوی سے رجوع کر لیا یہ الفاظ رجعت میں بالکل صریح ہیں اور ان میں آئمہ کرام کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے۔ ثانی وہ افعال جن سے حرمت مصاہرت ثابت ہوتی ہے مثلاً مرد کا اس سے مجامعت کرنا یا اسے بوسہ دینا یا شہوت سے نظر کرنا۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ جب کہنے پر قدرت حاصل ہو تو بغیر کہے رجعت صحیح نہیں ہوگی کیونکہ رجعت نکاح جدید کی طرح ہے حتیٰ کہ عدت کے دوران عورت سے وطی کرنا حرام ہے اور ہمارے نزدیک رجعت کے معنی ہیں نکاح کو پہلے کی طرح باقی رکھنا۔

رجعت پر گواہ بنانا مستحب ہے

وَالْإِشْهَادُ مَنْدُوبٌ إِلَيْهَا: ہمارے نزدیک رجعت پر دو گواہ بنانا مستحب ہے یعنی دو مسلمان مردوں سے کہے کہ تم گواہ رہو میں نے اپنی بیوی سے مراجعت کر لی ہے اور اگر گواہ نہیں بنائے تو بھی رجعت صحیح ہے امام شافعیؒ کے ایک قول کے مطابق اور امام مالکؒ کے نزدیک گواہوں کے بغیر رجعت صحیح نہیں کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿واشھدوا ذوی عدل منکم﴾ "اور اپنے میں سے دو عادل مردوں کو گواہ بنالو"۔ اور امر وجوب کیلئے ہوتا ہے لہٰذا رجعت میں گواہ بنانا واجب ہے۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ رجعت کے سلسلہ میں نصوص مطلق ہیں جیسے ﴿فامسکوھن بمعروف﴾۔ ﴿الطلاق مرتان فامساک بمعروف﴾۔ ﴿وبعولتھن احق بردھن﴾۔ ﴿فلا جناح علیھما ان یتراجعا﴾۔ دوسری بات یہ ہے کہ رجعت نکاح کو باقی رکھنا ہے اور نکاح کو باقی رکھنے میں شہادت شرط نہیں ہے جیسے ایلاء میں رجوع کرتے وقت شہادت شرط نہیں ہے کیونکہ یہ بھی نکاح کی طلب بقاء ہے اور آیت مذکورہ میں امر استحباب پر محمول ہے اور اس کے قائل امام بھی ہیں۔

وَلَوْ قَالَ بَعْدَ الْعِدَّةِ رَاجَعْتُكِ فِيهَا فَصَدَّقَتْهُ تَصِحُّ وَإِلَّا لَا كَرَاجَعْتُكِ فَقَالَتْ مُجِيبَةً مَضَتْ عِدَّتِي :
جب عدت ختم ہو جائے اور شوہر کہے کہ میں نے عدت ہی میں تجھ سے رجوع کر لیا تھا عورت بھی تصدیق کر دے تو یہ رجعت شمار

ہوگی اور مرد اور عورت کی بات کو جھٹلا دے تو عورت کی بات تسلیم کی جائے گی کیونکہ خاوند نے اس بات کی خبر دی ہے جس کو وہ فوری طور پر موجود کرنے کا مالک نہیں اور عورت اس کا انکار کر رہی ہے پس اسی کا قول معتبر ہوگا جیسے اس صورت میں رجعت نہیں ہوتی کہ شوہر نے بیوی سے کہا کہ میں نے تجھ سے رجعت کر لی ہے اس نے فوراً جواب میں کہا کہ میری عدت تو ختم ہو چکی ہے تو اس صورت میں بالاتفاق رجعت نہیں ہوتی۔

ولو قال زوج الأمة بعد العدة راجعتها فيها فصدقه سيدها وكذبته أو قالت مضت عدتي وأنكرا فالقول لها: جب باندی کے شوہر نے اس کی عدت گذرنے کے بعد اسے کہا کہ میں نے عدت میں رجوع کر لیا تھا اور مولیٰ نے تکذیب کر دی۔ تو امام صاحبؒ کے نزدیک باندی کا قول معتبر ہوگا۔ صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ مولیٰ کا قول معتبر ہوگا۔ کیونکہ عدت گذرنے کے بعد منافع بضع مولیٰ کے مملوک ہیں۔ پس شوہر کیلئے منافع بضع کا اقرار درحقیقت اپنے حق کا اقرار ہے۔ لہٰذا اس کو رد نہیں کیا جا سکتا۔ امام صاحبؒ کی دلیل یہ ہے کہ رجعت کا حکم بقاء عدت اور انقضاء عدت پر مبنی ہے یعنی اگر عدت باقی ہے تو رجعت ثابت ہو جائے گی اور اگر عدت گذر گئی تو رجعت کا حکم ثابت نہیں ہوگا اور عدت کی بقاء اور عدم بقاء میں عورت کا قول معتبر ہے پس جو چیز عدت پر مبنی ہوگی یعنی رجعت اس میں عورت ہی کا قول معتبر ہوگا۔ اور اگر باندی نے کہا کہ میری عدت گذر چکی اور ایام اتنے ہیں کہ عدت کا گذرنا ممکن ہے اور شوہر اور مولیٰ نے کہا کہ تیری عدت نہیں گذری تو باندی کا قول معتبر ہوگا کیونکہ باندی انقضاء عدت کے سلسلہ میں امین ہے اس لئے کہ باندی ہی عدت کے گذرنے کا علم رکھتی ہے۔

دس دن پر حیض کا خون ختم ہونے سے عدت فوراً منقطع ہو جائیگی

وتنقطع إن طهرت من الحيض الأخير لعشرة وإن لم تغتسل: اگر پورے دس دن پر تیسری حیض کا خون منقطع ہو گیا تو رجعت منقطع ہوگی اگرچہ عورت نے غسل نہ کیا ہو پس اگر ایام حیض پورے دس دن ہیں تو طہارت مکمل انقطاع دم سے حاصل ہو جائیگی اس لئے کہ حیض دس دن سے زیادتی کا احتمال نہیں رکھتا لہٰذا دس دن پورے ہونے کی صورت میں خون کے منقطع ہونے سے اس عورت کو حیض سے فراغت ہوگی اور اس کی عدت بھی گزر گئی اور رجعت کا حکم بھی منقطع ہو گیا خواہ عورت غسل کرے یا نہ کرے۔

ولأقل لا حتى تغتسل أو يمضي عليها وقت صلاة أو تتيمم وتصلي: اور اگر دس دن سے کم میں خون منقطع ہوا ہے تو محض خون منقطع ہونے سے رجعت منقطع نہیں ہوگی یہاں تک کہ وہ عورت غسل کرے یا اس پر نماز کا ایک پورا وقت گزر جائے کیونکہ رجعت کا منقطع ہونا موقوف ہے عدت گزر جانے پر اور عدت کا گزرنا موقوف ہے حصول طہارت پر چونکہ اس صورت میں خون کے لوٹ آنے کا احتمال ہے اس لئے ضروری ہے کہ انقطاع دم کو قوت دی جائے حقیقت میں غسل کر لینے کے ساتھ یا پاک عورتوں کے احکام میں سے کوئی حکم اس پر لازم ہونے کے ساتھ مثلاً جب اس عورت پر نماز کا کامل وقت گزر گیا تو نماز اس کے ذمہ میں دین ہوگی اور یہ پاک عورتوں کے احکام میں سے ہے اور اگر معتدہ رجعیہ کے تیسرے حیض کا خون دس دن سے کم

اور حمل کا اس کی طرف منسوب ہونا وطی کی دلیل ہے اسی طرح جب اس سے بچہ کا نسب ثابت ہو گیا تو لامحالہ اس کو وطی کرنے والا قرار دیا جائیگا کیونکہ بلا وطی بچہ کا ہونا متصور نہیں ہو سکتا اور جب وطی ثابت ہو گئی تو ملکیت ہو گئی اور ملکیت مؤکدہ میں طلاق کے بعد رجعت ہو سکتی ہے پس شوہر جو وطی کا انکار کر رہا ہے اس کا انکار کرنا باطل ہوگا کیونکہ شریعت نے اس کی تکذیب کر دی۔

وَاِنْ خَلَا بِهَا وَقَالَ لَمْ اُجَامِعْهَا ثُمَّ طَلَّقَهَا لَا: اگر شوہر نے اپنی بیوی کے ساتھ خلوت صحیحہ کی پھر کہنے لگا کہ میں نے اس کے ساتھ جماع نہیں کیا ہے پھر اس کو طلاق دے دی تو یہ رجعت کا مالک نہیں ہوگا کیونکہ غیر مدخول بہا طلاق کے بعد بغیر عدت کے بائنہ ہو جاتی ہے اس وجہ سے رجعت نہیں کر سکتا۔ کیونکہ مہر نکاح کا مؤکد ہونا وطی سے ہوتا ہے اور شوہر وطی نہ کرنے کا اقرار کر چکا ہے اور رجعت شوہر کا حق ہے لہٰذا رجعت کا حق باطل کرنے میں اس کا قول معتبر ہوگا۔

وَاِنْ رَاجَعَهَا ثُمَّ وَلَدَتْ بَعْدَهَا بِاَقَلَّ مِنْ عَامَيْنِ صَحَّتْ تِلْكَ الرَّجْعَةُ: اگر خلوت صحیحہ کے بعد یہ کہہ کر کہ میں نے جماع نہیں کیا پھر اس کے بعد اپنی اس بیوی سے مراجعت کر لی پھر اس عورت نے دو سال سے کم میں بچہ جنا تو یہ رجعت صحیح ہوگی۔ دو سال کا اعتبار یوم طلاق سے ہوگا نہ کہ یوم رجعت سے۔ رجعت کے درست ہونے پر دلیل یہ ہے کہ اس بچہ کا نسب اسی سے ثابت ہوگا نہ کہ دوسرے سے کیونکہ عورت نے عدت کے گزرنے کا اقرار نہیں کیا ہے اور بچہ دو سال تک ماں کے پیٹ میں باقی رہ سکتا ہے۔ پس نسب کا ثابت ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ شخص اپنی بیوی سے وطی کر چکا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ یہ وطی طلاق سے پہلے ہے یا بعد میں تو اس میں دونوں احتمال ہیں مگر ہم اس کو وطی قبل الطلاق پر محمول کریں گے اس لئے کہ اگر وطی بعد الطلاق پر محمول کریں تو یہ وطی حرام ہوگی کیونکہ جب طلاق سے پہلے وطی نہیں پائی گئی تو یہ عورت بغیر عدت کے نفس طلاق سے بائنہ ہو جائیگی اور اس کے بعد وطی کرنا حرام ہوگا اور مسلمان حرام فعل کا ارتکاب نہیں کرتا۔

اِنْ وَلَدْتِ فَاَنْتِ طَالِقٌ فَوَلَدَتْ ثُمَّ وَلَدَتْ مِنْ بَطْنٍ آخَرَ فَهِيَ رَجْعَةٌ: اگر شوہر نے اپنی بیوی سے کہا "اِنْ وَلَدْتِ فَاَنْتِ طَالِقٌ" اور عورت کے ہاں بچہ پیدا ہو گیا تو عورت پر طلاق واقع ہو جائیگی پھر اس عورت کے ہاں دوسرا بچہ پیدا ہو گیا تو یہ رجعت شمار ہوگی یعنی دوسرا بچہ چھ ماہ کے بعد پیدا ہوا اگرچہ دو سال سے زائد ہو جائیں۔ بشرطیکہ عورت نے عدت کے گزر جانے کا اقرار نہ کیا ہو کیونکہ پہلے بچے کی پیدائش کی وجہ سے عورت پر طلاق واقع ہوئی اور عدت واجب ہو گئی تو دوسرا بچہ عدت ہی میں شوہر کے نطفہ سے پیدا ہوا ہے کیونکہ عورت نے عدت گزرنے کا اقرار بھی نہیں کیا ہے پس شوہر مطلقہ رجعیہ کے ساتھ اس کی عدت میں جماع کرنے کی وجہ سے رجعت کرنے والا شمار ہوگا۔

كُلَّمَا وَلَدْتِ فَاَنْتِ طَالِقٌ فَوَلَدَتْ ثَلَاثَةً فِي بُطُونٍ فَالْوَلَدُ الثَّانِي وَالثَّالِثُ رَجْعَةٌ: اگر شوہر نے اپنی بیوی سے کہا "كُلَّمَا وَلَدْتِ فَاَنْتِ طَالِقٌ" پھر اس عورت نے الگ الگ تین پیٹ سے تین بچے جنے یعنی دو بچوں کی ولادت کے درمیان چھ ماہ یا زائد کا فاصلہ ہے تو اس کا حکم یہ ہے کہ پہلے بچہ کی ولادت سے طلاق واقع ہو جائیگی اور دوسرے بچہ کی ولادت

سے پہلے رجعت ثابت ہوگی اب۔ کیونکہ بعد دوسری طلاق واقع ہو جائیگی۔ اسی طرح تیسرے بچے کی ولادت سے پہلے رجعت ہوگی پھر تیسری طلاق واقع ہو جائیگی۔ چونکہ جب عورت کا پہلا بچہ ہوا تو اس پر پہلے بچے کی پیدائش سے طلاق واقع ہوگی اور عورت معتدہ ہوگئی اور دوسرے بچے کی ولادت سے رجوع ہو جائیگا اور دوسری طلاق بھی واقع ہو جائیگی۔ کیونکہ قسم میں ہمیشہ " واللفظ استعمال کیا گیا ہے اور عدت واجب ہوگی اور تیسرے بچے کی پیدائش سے شوہر رجوع کرنے والا شمار ہوگا مگر ساتھ ہی اب تیسرے بچے کی ولادت سے تیسری طلاق بھی واقع ہو جائیگی اور عدت کا شمار حیض سے کیا جائیگا کیونکہ اب عورت پر جب تیسری طلاق واقع ہوئی تو وہ حیض والی عورتوں میں سے تھی۔ مطلقہ رجعیہ کیلئے زیب وزینت کا حکم

مطلقہ رجعیہ کیلئے زیب وزینت کا حکم

(والمطلقة الرجعية تتزين ويستحب ان لا يدخل عليها حتى يؤذنها): جس عورت کو طلاق رجعی دی گئی ہو اسے اچھی طرح زیب وزینت کرنی چاہیے کیونکہ وہ اپنے شوہر کیلئے حلال ہے اس لئے کہ دونوں کے درمیان نکاح قائم ہے دوسری بات یہ ہے کہ رجعت مستحب ہے اور زیب وزینت شوہر کو رجعت پر آمادہ کرنے والی ہے اس وجہ سے مطلقہ رجعیہ کا اپنے آپ کو مزین کرنا اور آراستہ کرنا مشروع ہے اور مطلقہ رجعیہ کے شوہر کیلئے مستحب یہ ہے کہ وہ بغیر اطلاع کے اس کے پاس نہ جائے یہ حکم اس وقت ہے جب کہ شوہر کا رجعت کرنے کا ارادہ نہ ہو کیونکہ عورت بسا اوقات گھر میں برہنہ ہو جاتی ہے پس بغیر اطلاع داخل ہونے کی صورت میں شوہر کی نظر بدن کے ایسے حصہ پر پڑ سکتی ہے جس سے رجعت ثابت ہو جائیگی اور چونکہ اس کا ارادہ رجعت کرنے کا نہیں ہے اس لئے پھر اس کو طلاق دے گا اور طلاق دینے کی صورت میں عورت کی عدت خواہ مخواہ دراز ہوگی اس وجہ سے یہ حکم دیا گیا کہ عورت کے پاس جانے سے پہلے اس کو باخبر کر دے یا اپنے جوتوں کی آہٹ سنا دے۔

(ولا يسافر بها حتى يراجعها): شوہر کو یہ حق نہیں ہے کہ اسے سفر پر ساتھ لے جائے جب تک کہ اس سے رجوع نہ کرلے۔ ہاں اگر شوہر نے رجعت کرلی اور گواہ بھی بنالئے تو عدت باطل ہو جائیگی اور اس عورت کو ساتھ لے کر سفر کرنا درست ہوگا۔

(والطلاق الرجعي لا يحرم الوطء): طلاق رجعی سے وطی حرام نہیں ہوتی امام شافعیؒ حرمت وطی کے قائل ہیں کیونکہ مرد وعورت کا تعلق طلاق سے زائل ہو جاتا ہے ہمارے دلیل یہ ہے کہ طلاق رجعی کے پائے جانے کے بعد بھی زوجیت قائم ہے اور اسی وجہ سے بغیر عورت کے رضامندی کے بالاتفاق اس سے مرد رجعت کرنے کا حق رہتا ہے چنانچہ اگر زوجیت ختم ہوگئی ہوتی تو یہ عورت اجنبیہ ہوتی اور بغیر اس کی رضامندی کے رجعت درست نہ ہوتی تو ثابت ہو گیا کہ رجعت بقاء نکاح کا نام ہے اور بقاء نکاح کیلئے قیام نکاح ضروری ہے اور قیام نکاح وجود نکاح کی صورت میں وطی حرام نہیں ہوتی اس وجہ سے ہمارے نزدیک طلاق رجعی وطی کو حرام نہیں کرتی۔

کہ کوئی شخص بغیر عقد کے زوج نہیں ہوسکتا پس اگر لفظ "تنکح" میں نکاح سے عقد کے معنی مراد لئے جائیں تو کلام میں تاکید ہوگی اور اگر نکاح کو وطی پر محمول کریں تو کلام میں تاسیس ہوگی اور تاسیس تاکید سے بہتر ہے اس لئے ہم نکاح کو وطی کے معنی پر محمول کریں گے یا اس وجہ سے کہ وطی کا شرط ہونا احادیث مشہورہ سے ثابت ہے اور احادیث مشہورہ سے کتاب اللہ پر زیادتی جائز ہے چنانچہ حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو طلاق دی اور اس نے دوسرے شخص سے شادی کر لی پھر اس کو دوسرے نے بھی طلاق دیدی لیکن وطی نہیں کی تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "لا تحل للاول حتی تذوق عسیلة الآخر" یعنی مطلقہ ثلاثہ پہلے شوہر کیلئے حلال نہیں ہوتی جب تک کہ دوسرے کا مزہ نہ چکھے۔ پھر زوج ثانی کا بالغ ہونا ضروری نہیں بلکہ بالغ ہونے کے قریب لڑکا بھی تحلیل میں بالغ کی طرح ہے کیونکہ نکاح صحیح میں دخول پایا گیا۔ اور امام محمدؒ نے مراہق کی تفسیر یہی کی ہے کہ لڑکے کے عضو میں انتشار ہوا اور وہ جماع کا آرزومند ہو۔

مولیٰ کا اپنی باندی سے وطی کرنا تحلیل کیلئے ناکافی ہے

لا بملک یمین: اگر کسی شخص نے اپنی بیوی کو دو طلاقیں دیدیں جو کسی اور کی باندی ہے پھر عدت گزر جانے کے بعد اس باندی کے مولیٰ نے اس سے وطی کر لی تو یہ عورت زوج اول کیلئے حلال نہیں ہوگی کیونکہ نص سے حلت کا ثبوت زوج ثانی کی وطی سے ہے اور مولیٰ کو زوج نہیں کہا جاتا۔

بشرط التحلیل نکاح مکروہ تحریمی ہے

وکرہ بشرط التحلیل للاول: اگر زوج ثانی تحلیل کی شرط کے ساتھ نکاح کرے اور کہے کہ میں نے تجھ سے اس شرط پر نکاح کیا کہ تجھے طلاق دوں گا اگرچہ اس طریقے سے بھی عورت زوج اول کیلئے حلال ہو جائیگی لیکن ایسا کرنا مکروہ تحریمی ہے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ "اللہ تعالیٰ لعنت کرے حلالہ کرنے والے پر اور اس پر جس کیلئے حلالہ کیا گیا ہے"۔ رہی یہ بات کہ شرط تحلیل سے نکاح درست ہے یا نہیں تو ہم کہتے ہیں کہ نکاح صحیح ہے کیونکہ شرط فاسد کی وجہ سے نکاح فاسد نہیں ہوتا۔

وتہدم الزوج الثانی مادون الثلاث: اگر کسی شخص نے اپنی آزاد بیوی کو ایک طلاق یا دو طلاقیں دیدیں اور اس عورت کی عدت گزر گئی پھر اس عورت نے دوسرے شخص سے نکاح کر لیا اور پھر زوج ثانی کی طلاق اور عدت کے بعد زوج اول کے پاس آگئی تو یہ عورت زوج اول کے پاس تین طلاقوں کے ساتھ واپس آئیگی یعنی زوج اول از سر نو تین طلاقوں کا مالک ہوگا اور زوج ثانی تین طلاقوں سے کم ایک اور دو کو بھی طرح منہدم کر دیتا ہے جس طرح تین کو یہ شیخین کے نزدیک ہے اور امام محمدؒ امام زفرؒ اور امام شافعیؒ کا مذہب یہ ہے کہ زوج ثانی تین طلاقوں سے کم کو منہدم نہیں کرتا بلکہ زوج اول مابقی من الثلاث کا مالک رہے گا یعنی اگر پہلے ایک طلاق دے چکا تو اب باقی دو کا مالک ہوگا اور اگر پہلے نکاح میں دو طلاقیں دے چکا ہے تو اب ایک کا مالک ہوگا۔

ولو اخبرت مطلقة الثلاث بمضی عدتہ وعدة الزوج الثانی والمدة تحتملہ لہ ان یصدقہا ان غلب

عَلٰی غَلَبَةِ ظَنِّهَا: جب شوہر نے بیوی کو تین طلاقیں دے دیں اور بیوی نے کہا میری عدت پوری ہو چکی ہے میں نے دوسرے شوہر سے نکاح کر لیا تھا جس نے میرے ساتھ مجامعت کی پھر مجھے طلاق دے دی اور میری عدت بھی گزر چکی ہے تو اگر یہ مدت اتنی طویل ہو جس میں ان باتوں کا ہونا ممکن ہے تو مرد کیلئے اس کی تصدیق کرنا جائز ہے بشرطیکہ شوہر کے غالب گمان میں عورت کی صداقت کا پہلو راجح ہو۔ اس لئے عورت کی بات یا تو دینی معاملہ ہے یا امر دینی ہے کیونکہ اس کے ساتھ حلت کا تعلق ہے اس لئے ان دونوں صورتوں میں مسلمان مرد ہو یا عورت اس کا قول قبول کیا جاتا ہے۔

اب رہی یہ بات کہ یہ سارے امور کم از کم کتنی مدت میں ہو سکتے ہیں تو اس میں اختلاف ہے۔ امام صاحبؒ کے نزدیک ساٹھ دن ہیں اور صاحبینؒ کے نزدیک انتالیس دن ہیں۔ صاحبینؒ کے نزدیک صورت یہ ہوگی کہ شوہر نے اپنی بیوی کو طہر کے آخری حصہ میں طلاق دی تو اس عورت کی عدت دو طہر اور تین حیض ہوں گے۔ اور طہر کی ادنیٰ مدت پندرہ دن ہے اور حیض کی ادنیٰ مدت تین دن لہٰذا دو طہر تیس دن کے ہوں گے اور تین حیض نو دن کے اس طرح دونوں کی مدت انتالیس دن ہو جائیں گے۔ اور امام صاحبؒ کے قول کے مطابق صورت یہ ہوگی کہ شوہر نے اپنی بیوی کو اول طہر میں طلاق دی تو اس صورت میں عورت کی عدت تین طہر اور تین حیض ہوں گے اور طہر کی اقل مدت پندرہ دن ہیں اور حیض کی درمیانی مدت پانچ دن پس تین طہر کی مجموعی مدت پینتالیس دن ہوئے اور تین حیض کی مجموعی مدت پندرہ دن اس طرح دونوں کی مجموعی مدت ساٹھ دن ہوگی کیونکہ طہر بھی اقل ہو اور حیض بھی اقل ہو ایک عورت میں ان دونوں کو جمع ہونا نادر الوقوع ہے۔

بَابُ الإِیلاءِ

ایلاء کا بیان

بیوی کی تحریم چار طریقوں سے ہوتی ہے۔ ۱۔ طلاق ۲۔ ایلاء ۳۔ ظہار ۴۔ لعان۔ ان چاروں میں سب سے پہلے طلاق کو ذکر فرمایا کیونکہ طلاق طرق تحریم میں اصل ہے اور اپنے وقت میں مباح ہے پھر ایلاء کو ذکر کیا گیا اس لئے کہ ایلاء اباحت میں طلاق کے قریب تر ہے کیونکہ ایلاء یمین مشروع کا نام ہے مگر اس میں عورت کے حق وطی کو روکنے کی وجہ سے ظلم کے معنی بھی ہیں۔ اس وجہ سے طلاق سے مؤخر کیا گیا۔ الْإِیلاءُ: قسم کھانا اور اس کے شرعی معنی مصنفؒ نے خود ذکر کئے ہیں اور امام صاحبؒ کے نزدیک اس کی شرط طلاق کا اہل ہونا اور صاحبینؒ کے نزدیک وجوب کفارہ کا اہل ہونا ہے اور اس کا رکن "واللّٰہ لا اقربک اربعة اشهر" کہنا ہے اور اس کا حکم عورت کے قریب جانے کی صورت میں کفارہ کا لازم ہونا اور مدت ایلاء گزر جانے کی صورت میں طلاق بائن کا واقع ہونا ہے۔

هُوَ الْحَلِفُ عَلٰی تَرْکِ قُرْبَانِهَا أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ أَوْ أَكْثَرَ كَقَوْلِهِ وَاللّٰهِ لَا أَقْرَبُكِ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ أَوْ

وَاللّٰهِ لَا أَقْرَبُكِ فَإِنْ وَطِئَ فِي الْمُدَّةِ كَفَّرَ وَسَقَطَ الْإِيلَاءُ وَإِلَّا بَانَتْ وَسَقَطَ الْيَمِينُ لَوْ حَلَفَ عَلٰى أَرْبَعَةِ أَشْهُرٍ وَبَقِيَتْ لَوْ عَلَى الْأَبَدِ وَلَوْ نَكَحَهَا ثَانِيًا وَثَالِثًا وَمَضَتِ الْمُدَّتَانِ بِلَا فَيْءٍ بَانَتْ بِأُخْرَيَيْنِ وَلَوْ نَكَحَهَا بَعْدَ زَوْجٍ آخَرَ لَمْ تَطْلُقْ فَلَوْ وَطِئَهَا كَفَّرَ لِبَقَاءِ الْيَمِينِ.

ترجمہ: وہ قسم کھاتا ہے بیوی کے پاس نہ جانے پر چار ماہ یا اس سے زیادہ تک جیسے شوہر کا قول خدا چار ماہ تک میں تیرے قریب نہیں آؤں گا یا خدا کی میں تیرے قریب نہیں آؤں گا پس اگر اس مدت میں وطی کی تو کفارہ دے اس صورت میں ایلاء ختم ہو جائیگا ورنہ عورت بائنہ ہو جائیگی اور یمین ساقط ہو جائیگی اگر قسم چار ماہ پر کھائی ہو اور قسم باقی رہے گی اگر ہمیشہ کیلئے قسم کھائی ہو پس اگر اس سے دوبارہ اور سہ بارہ نکاح کیا اور دونوں مدتیں بلا رجوع گذر گئیں تو آخری دو سے بائنہ ہو جائیگی پھر اگر دوسرے شوہر کے بعد نکاح کیا تو طلاق نہیں ہوتی پس اگر اس سے وطی کر لی تو بقاء یمین کی وجہ سے کفارہ دے۔

ایلاء کی تعریف: هُوَ الْحَلِفُ عَلٰى تَرْكِ قُرْبَانِهَا أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ أَوْ أَكْثَرَ كَقَوْلِهِ وَاللّٰهِ لَا أَقْرَبُكِ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ أَوْ وَاللّٰهِ لَا أَقْرَبُكِ: مصنفؒ ایلاء کے شرعی معنی بیان کر رہے ہیں کہ شریعت میں ایلاء کہتے ہیں کہ شوہر چار مہینے یا اس سے زیادہ تک وطی نہ کرنے کی قسم کھالے مثلاً یوں کہے واللہ لا اقربك اربعة اشهر پھر ایلاء کی دو صورتیں ہیں ۱۔ شوہر کا قول واللہ لا اقربك ابدًا، اس صورت میں یہ شخص بالاجماع ایلاء کرنے والا ہوگا ۲۔ اس کا قول واللہ لا اقربك اربعة اشهر اس صورت میں ہمارے نزدیک ایلاء کرنے والا ہوگا اور آئمہ ثلاثہؒ کے نزدیک ایلاء کرنے والا نہیں ہوگا جب تک کہ چار ماہ سے زائد کی قسم نہ کھائے کیونکہ ان حضرات کے نزدیک چار ماہ بعد ایلاء سے رجوع کر سکتا ہے لہذا چار ماہ پر ایک مدت زائد کا ہونا ضروری ہے چنانچہ امام مالکؒ کے نزدیک کم از کم ایک دن زائد ہو اور امام شافعیؒ کے نزدیک ایک لمحہ لیکن ان حضرات کا یہ قول ظاہر قرآن کے خلاف ہونے کی وجہ سے صحیح نہیں۔

فَإِنْ وَطِئَ فِي الْمُدَّةِ كَفَّرَ وَسَقَطَ الْإِيلَاءُ: اگر شوہر نے مدت ایلاء یعنی چار ماہ کے اندر اندر اس عورت سے وطی کر لی تو شوہر اپنی قسم میں حانث ہو جائیگا اور اس پر کفارہ واجب ہوگا۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ شوہر اپنی قسم میں حانث تو ہو جائیگا مگر اس پر کفارہ واجب نہیں ہوگا ہماری دلیل یہ ہے کہ کفارہ حانث ہونے کا موجب ہے اور ایلاء قسم ہے اس میں حانث ہو چکا اس وجہ سے اس پر کفارہ لازم ہوگا اور ایلاء ساقط ہو جائیگا۔

وَإِلَّا بَانَتْ: اور اگر شوہر مدت ایلاء میں بیوی کے ساتھ وطی نہیں کر سکا حتیٰ کہ مدت ایلاء یعنی چار ماہ گزر گئے تو ہمارے نزدیک یہ عورت ایک طلاق کے ساتھ بائنہ ہو جائیگی اور امام شافعیؒ کے نزدیک یہ عورت مدت ایلاء گزر جانے کے بعد قاضی کے تفریق کرنے سے بائنہ ہوگی۔ کیونکہ شوہر نے چار ماہ یا زائد وطی نہ کرنے کی قسم کھا کر عورت کے حق جماع کو روکنے کی وجہ سے امساک بالمعروف سے رک گیا اس لئے قاضی تسریح باحسان میں شوہر کے قائم مقام ہو کر دونوں میں تفریق کر دیگا اور قاضی کی یہ

آخر تفریق طلاق بائن ہوگی۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ شوہر نے عورت کے حق جماع کو روک کر اس پر ظلم کیا ہے پس شریعت نے شوہر کو اس ظلم کا بدلہ اس طرح دیا کہ مدت ایلاء گزر جانے کے بعد نعمت نکاح کو زائل کر دیا تا کہ عورت متعنت ضرر سے چھٹکارا پا سکے اور ظاہر ہے کہ طلاق رجعی کے ذریعہ عورت چھٹکارا نہیں پا سکتی اس لئے یہ طلاق بائن ہوگی۔

وَسَقَطَ الْيَمِيْنُ لَوْ حَلَفَ عَلٰى أَرْبَعَةِ أَشْهُرٍ: اگر کوئی شخص چار ماہ تک وطی نہ کرنے کی قسم کھائے تو چار ماہ گزرنے کے بعد یمین ساقط ہو جائیگی کیونکہ قسم اتنی ہی مدت کے ساتھ موقت تھی پس جب وہ مدت گزر گئی تو یمین ساقط ہو جائیگی۔

وَبَقِيَتْ لَوْ عَلَى الْأَبَدِ فَلَوْ نَكَحَهَا ثَانِيًا وَثَالِثًا وَمَضَتِ الْمُدَّتَانِ بِلَا فَيْءٍ بَانَتْ بِأُخْرَيَيْنِ وَلَوْ نَكَحَهَا بَعْدَ زَوْجٍ آخَرَ لَمْ تَطْلُقْ فَلَوْ وَطِئَهَا كَفَّرَ لِبَقَاءِ الْيَمِيْنِ: اور اگر قسم دائمی اور ابدی ہو تو صرف ایک مرتبہ عورت کے بائنہ ہونے سے قسم ساقط نہیں ہوگی بلکہ باقی رہے گی پس اگر شوہر نے ہمیشہ کیلئے عورت کے قریب نہ جانے کی قسم کھائی اور مدت گزرنے پر عورت بائنہ ہوگئی پھر اس سے دوسری بار نکاح کیا اور بلا وطی چار ماہ گزر گئے تو دوسری بار طلاق واقع ہو جائیگی اور تیسری بار نکاح کیا اور پھر چار ماہ بلا وطی گزر گئے تو تیسری بار طلاق سے عورت کیلئے حرمت غلیظہ ثابت ہو جائیگی اب اگر وہ دوسرے شوہر کے ساتھ نکاح کرنے کے بعد پھر اس سے نکاح کرے تو طلاق واقع نہیں ہوگی لیکن اس کے ساتھ وطی کرنے سے کفارہ لازم ہو جائیگا کیونکہ اب قسم توڑنا پایا گیا ہے۔

> وَلَا إِيْلَاءَ فِيْمَا دُوْنَ أَرْبَعَةِ أَشْهُرٍ وَاللّٰهِ لَا أَقْرَبُكِ شَهْرَيْنِ وَشَهْرَيْنِ بَعْدَ هٰذَيْنِ الشَّهْرَيْنِ إِيْلَاءٌ وَلَوْ مَكَثَ يَوْمًا ثُمَّ قَالَ وَاللّٰهِ لَا أَقْرَبُكِ شَهْرَيْنِ بَعْدَ الشَّهْرَيْنِ الْأَوَّلَيْنِ أَوْ قَالَ وَاللّٰهِ لَا أَقْرَبُكِ سَنَةً إِلَّا يَوْمًا أَوْ قَالَ بِالْبَصْرَةِ وَاللّٰهِ لَا أَدْخُلُ مَكَّةَ وَهِيَ بِهَا لَا وَإِنْ حَلَفَ بِحَجٍّ أَوْ صَوْمٍ أَوْ صَدَقَةٍ أَوْ عِتْقٍ أَوْ طَلَاقٍ أَوْ آلٰى مِنَ الْمُطَلَّقَةِ الرَّجْعِيَّةِ فَهُوَ مُوْلٍ وَمِنَ الْمُبَانَةِ وَالْأَجْنَبِيَّةِ لَا۔

ترجمہ: اور چار ماہ سے کم میں ایلاء نہیں ہے شوہر کا یہ قول کہ خدا کی قسم میں تیرے قریب نہیں آؤنگا دو ماہ اور دو ماہ ان دو ماہ کے بعد ایلاء ہے اور اگر وہ ایک دن ٹھہرا پھر کہا خدا کی قسم میں تیرے قریب نہیں آؤنگا دو ماہ پہلے دو مہینوں کے بعد یا کہا خدا کی قسم میں تیرے قریب نہیں آؤنگا ایک سال سوائے ایک دن کے یا بصرہ میں کہا خدا کی قسم میں مکہ میں داخل نہیں ہوں گا اور بیوی مکہ میں ہے تو یہ ایلاء نہیں ہوگا اور اگر قسم کھائی حج پر روزہ پر یا صدقہ پر یا آزادی پر یا طلاق پر یا ایلاء کیا مطلقہ رجعیہ سے تو وہ ایلاء کرنے والا ہے اور طلاق بائن والی عورت سے اور اجنبیہ عورت سے ایلاء نہیں ہوگا۔

وَلَا إِيْلَاءَ فِيْمَا دُوْنَ أَرْبَعَةِ أَشْهُرٍ: یعنی اقل ایلاء کی مدت چار ماہ ہے مثلاً اگر کسی شخص نے چار ماہ سے کم اپنی بیوی کے قریب نہ جانے کی قسم کھائی تو یہ شخص ایلاء کرنے والا نہیں ہوگا کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے للذين يؤلون من نسائهم تربص اربعة اشهر نیز ابن عباس کا قول ہے کہ چار ماہ سے کم مدت میں ایلاء واقع نہیں ہوتا۔

وَاللّٰهِ لَا أَقْرَبُكِ شَهْرَيْنِ وَشَهْرَيْنِ بَعْدَ هٰذَيْنِ الشَّهْرَيْنِ إِيلَاءٌ: اگر کوئی شخص ان الفاظ کے ساتھ قسم کھائے: "واللہ لا اقربك شهرين و شهرين بعد هذين الشهرين" بخدا میں دو ماہ اور دو ماہ کے بعد مزید دو ماہ تیرے قریب نہ آؤں گا" تو یہ شخص ایلاء کرنے والا ہوگا کیونکہ اس نے اپنے کلام میں حرف جمع استعمال کیا ہے تو ایسا ہوگیا جیسا کہ اس نے صیغہ جمع کے ساتھ جمع کیا گویا اس نے کہا "واللہ لا اقربك اربعة اشهر" پس یہ یمین واحد ہوگی اور اگر اس مدت میں بیوی سے وطی کر لی تو اس پر کفارہ لازم ہوگا۔

وَلَوْ مَكَثَ يَوْمًا ثُمَّ قَالَ وَاللّٰهِ لَا أَقْرَبُكِ شَهْرَيْنِ بَعْدَ الشَّهْرَيْنِ الْأَوَّلَيْنِ: اگر پہلے دن صرف اتنا کہے کہ دو ماہ تک تیرے قریب نہ آؤں گا اور پھر ایک دن کا وقفہ کرے اور کہے کہ بخدا پہلے دو ماہ کے بعد مزید دو ماہ بھی تیرے قریب نہ آؤں گا تو یہ شخص ایلاء کرنے والا نہ ہوگا کیونکہ یہاں دونوں قسموں کے پورا ہونے ہوئے سوائے ایک دن کے جس میں وہ خاموش رہا تو مدت منع یعنی چار ماہ مکمل نہیں ہو سکی۔

أَوْ قَالَ وَاللّٰهِ لَا أَقْرَبُكِ سَنَةً إِلَّا يَوْمًا: کسی شخص نے اپنی بیوی سے کہا واللہ لا اقربك سنة الا يوم تو یہ شخص ایلاء کرنے والا نہیں ہوگا۔ کیونکہ ایلاء کرنے والا وہ ہوتا ہے جو کفارہ وغیرہ کو لازم کیے بغیر چار ماہ تک عورت کے قریب نہ جا سکے اور اس صورت میں مرد کیلئے کسی چیز کو لازم کیے بغیر بیوی سے مجامعت کرنا ممکن ہے کیونکہ مستثنیٰ کو مقرر نہیں بلکہ عام ہے جس دن وہ وطی کرے گا وہی دن مستثنیٰ قرار دیا جا سکتا ہے اور اگر مرد نے مذکورہ صورت میں کسی دن وطی کر لی اور باقی مدت چار ماہ یا اس سے زائد رہ گئی تو یہ شخص ایلاء کرنے والا ہو جائیگا کیونکہ اب استثناء ساقط ہو چکا ہے۔

شوہر نے واللہ لا ادخل مكة کہا اور اس کی بیوی مکہ میں ہے تو حانث نہیں ہوگا

أَوْ قَالَ بِالْبَصْرَةِ وَاللّٰهِ لَا أَدْخُلُ مَكَّةَ وَهِيَ بِهَا لَا: شوہر بصرہ میں ہے اور اس کی بیوی مکہ میں اسی حالت میں اس شوہر نے کہا "واللہ لا ادخل مكة" تو یہ شخص ایلاء کرنے والا نہ ہوگا کیونکہ مُوْلِی وہ ہوتا ہے جو بغیر وجوب کفارہ کے چار ماہ تک وطی نہ کر سکتا ہو اور یہ شخص اپنی بیوی کو مکہ سے بلا کر بغیر وجوب کفارہ کے وطی کر سکتا ہے تو اس صورت میں ایلاء کے معنی متحقق نہیں ہوں گے۔

وَإِنْ حَلَفَ بِحَجٍّ أَوْ صَوْمٍ أَوْ صَدَقَةٍ أَوْ عِتْقٍ أَوْ طَلَاقٍ: اگر کسی شخص نے حج یا روزہ یا صدقہ یا غلام آزاد کرنے یا طلاق دینے کی قسم کھائی تو وہ ایلاء کرنے والا شمار ہوگا مثلاً اس نے بیوی سے کہا کہ اگر تجھ سے مجامعت کروں تو مجھ پر حج لازم ہوگا یا ایک ماہ کے روزے۔ کیونکہ جماع سے باز رہنا قسم کی وجہ سے ہے اور یہ شرط اور جزاء کا بیان کرنا ہی قسم کہلاتا ہے اور جزاء کی یہ صورتیں مرد کیلئے جماع سے مانع ہیں کیونکہ ان کو پورا کرنے میں مشقت اور تکلیف ہے کہ اسے یا تو حج کے اخراجات برداشت کرنا پڑیں گے یا روزے رکھنے ہوں گے اور اسی طرح صدقہ، عتق اور طلاق کا معاملہ ہے۔

أَوْ آلَى مِنَ الْمُطَلَّقَةِ الرَّجْعِيَّةِ فَهُوَ مُوْلٍ: اگر کسی شخص نے مطلقہ رجعیہ سے ایلاء کیا تو یہ شخص بالاتفاق ایلاء کرنے والا ہوگا کیونکہ مطلقہ رجعیہ میں زوجیت موجود ہے۔ لیکن اگر مدت ایلاء کے گزرنے سے پہلے عدت ختم ہوگئی تو ایلاء ساقط ہو جائیگا

مثلاً اس وجہ سے کہ وہ خود بیمار ہے یا مقطوع الذکر ہے یا عنین ہے یا دار الحرب میں ناحق مقید ہے یا اس لئے کہ بیوی بیمار ہے یا اس کا رحم ہڈی وغیرہ ابھر آنے کی وجہ سے بند ہے یا وہ بہت چھوٹی ہے یا میاں بیوی کے درمیان اتنی دوری ہے کہ شوہر چار ماہ کی مدت میں اس تک نہیں پہنچ سکتا تو ان تمام صورتوں میں شوہر کا رجوع بالقول کرنا کافی ہے۔ چنانچہ اگر شوہر نے مدت ایلاء میں فئت الیها، رجعت الیها، راجعتها، ابطلت ایلائها کہہ دیا تو ہمارے نزدیک ایلاء ساقط ہو جائیگا البتہ حانث اس وقت ہوگا جب وطی کریگا اور اگر وہ مدت ایلاء میں وطی پر قادر ہو جائے تو پھر رجوع وطی ہی سے ہوگا اور امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک رجوع صرف جماع سے ہوگا کیونکہ اگر زبان سے رجوع کرنا رجوع ہوتا تو یہ قسم ٹوٹنا ہو جاتا اور چونکہ زبانی کہنے سے قسم نہیں ٹوٹتی اسلئے زبانی کہنے سے رجوع بھی ثابت نہیں ہوگا۔ خلاصہ یہ کہ رجوع فی الایلاء دو احکام کو مستلزم ہوتا ہے ایک وجوب کفارہ، دوم انقطاع فرقت اور رجوع بالقول وجوب کفارہ میں بالاتفاق معتبر نہیں ہے۔ لہٰذا انقطاع فرقت میں بھی معتبر نہیں ہوگا اور جب زبان سے رجوع کرنا انقطاع فرقت میں معتبر نہیں تو یہ رجوع بھی نہیں ہوگا۔ پس ثابت ہو گیا کہ بغیر جماع کے رجوع متحقق نہیں ہوتا۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ چونکہ شوہر ایلاء کے وقت جماع کرنے سے عاجز تھا اس لئے عورت کے حق میں جماع کو روک کر اس کا ارادہ ضرر پہنچانے کا نہیں ہے کیونکہ اس وقت عورت کیلئے حق جماع ہی نہیں تھا۔ البتہ زبان سے شوہر نے اس عورت کو وحشت میں مبتلا کر دیا ہے گویا شوہر نے عورت پر زبانی ظلم کیا اس لئے زبان سے وعدہ کرکے اس کو راضی کر لینا کافی ہے اور جب زبانی وعدے سے ظلم مرتفع ہو گیا تو شوہر کو طلاق ہو جانے کی سزا نہیں دی جائیگی۔

بیوی کو انت علیّ حرام کہنے کا حکم

اَنتِ عَلَیَّ حَرَامٌ اِیلاءٌ اِنْ نَوَی التَّحرِیمَ اَوْ لَمْ یَنْوِ شَیْئاً وَظِهَارٌ اِنْ نَوَاهُ وَکَذِبٌ اِنْ نَوَی الْکَذِبَ وَبَائِنَةٌ اِنْ نَوَی الطَّلَاقَ وَثَلَاثٌ اِنْ نَوَاهُ: اگر کسی شخص نے اپنی بیوی سے کہا انت علیّ حرام تو اس شخص سے نیت دریافت کی جائیگی کیونکہ اس کا یہ کلام چند معنی کا احتمال رکھتا ہے اور ایک معنی دوسرے معنی سے ممتاز نہیں ہے اس وجہ سے ایک معنی متعین کرنے کیلئے قائل کی نیت معلوم کی جائیگی چنانچہ اگر اس شخص نے کسی چیز کی نیت نہ کی ہو یا حرمت کی نیت کی ہو تو ایلاء ہوگا کیونکہ حلال کی تحریم یمین ہوتی ہے۔ کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿لم تحرم ما احل الله لك ...... الی قوله تعالیٰ قد فرض الله لكم تحلة ايمانكم﴾ اور اگر ظہار کی نیت کی تو شیخینؒ کے نزدیک ظہار ہوگا اور امام محمدؒ کے نزدیک ظہار نہیں ہوگا کیونکہ ظہار میں محرمہ کے ساتھ تشبیہ ضروری ہے اور یہاں تشبیہ نہیں ہے۔ شیخینؒ یہ فرماتے ہیں کہ یہاں مطلق تحریم ہے اور ظہار میں ایک خاص قسم کی حرمت ہوتی اور مطلق میں مقید کا احتمال ہوتا ہے۔

اور اگر اس شخص نے کہا کہ میں نے جھوٹ کا ارادہ کیا ہے تو ایسا ہی ہے جیسا کہ اس نے کہا یعنی نہ طلاق واقع ہوگی نہ ایلاء ہوگا اور نہ ظہار کیونکہ اس شخص نے اپنے کلام سے حقیقی معنی کا ارادہ کیا ہے کیونکہ یہ عورت اس کیلئے حلال تھی پھر اس کا قول

انت علی حرام ایسی خبر ہے جو واقع کے مطابق نہیں لہذا کذب اور جھوٹ ہوگا اور چونکہ کلام کے حقیقی معنی کی نیت کرنا شرعاً معتبر ہوتا ہے اس لئے یہاں بھی اس شخص کی نیت معتبر ہوگی اور اگر اس شخص نے اپنے قول انت علیّ حرام سے طلاق مراد لی اور عدد کی نیت نہیں کی یا ایک کی نیت کی یا دو کی تو ان تینوں صورتوں میں ایک بائنہ واقع ہوگی اور اگر تین طلاقوں کی نیت کی تو تین واقع ہوں گی کیونکہ انت علیّ حرام الفاظ کنایہ میں سے ہے اور اس میں تین کی نیت کرنا درست ہے۔

بَابُ الخُلْع

خلع کا بیان

خلع کے لغوی اور اصطلاحی معنی: الخلع: یہ فتح خاء کے ساتھ اتارنے کے معنی میں آتا ہے مثلاً خلع ثوبه عن بدنه اس نے اپنے بدن سے کپڑا اتارا، اور ضمہ کے ساتھ اسم ہے جیسے "خالعت المرأة خلعاً" بولا جاتا ہے جبکہ عورت مال کا فدیہ دے کر شوہر سے رہائی حاصل کرے (کفایہ) مصنفؒ نے جو خلع کی تعریف کی ہے یہ مطلق خلع کی ہے برابر ہے کہ اس کے ساتھ مال ہو یا نہ ہو مگر لفظ خلع کا ہونا ضروری ہے کیونکہ مال کے عوض طلاق دینے کو خلع نہیں کہتے بلکہ طلاق بائن واقع ہونے میں یہ لفظ خلع کے حکم میں ہے۔ اور اصطلاح شرع میں خلع کہتے ہیں ملک نکاح کو زائل کرنا خلع یا اس کے ہم معنی لفظ کے ذریعہ اور یہ زائل کرنا عورت کے قبول کرنے پر موقوف رہتا ہے اگر مرد نے کہا میں نے تجھ سے خلع کیا اور اس سے طلاق کی نیت کی تو ایک طلاق بائن واقع ہو جائیگی اور شرعی خلع نہ ہوگا کیونکہ اس نے عورت کے قبول کرنے پر موقوف نہیں رکھا (فتح القدیر) خلع کی اصل یہ آیت قرآنی ہے "فان خفتم الا یقیما حدود الله فلا جناح علیهما فیما افتدت به"

اَلْوَاقِعُ بِهِ وَبِالطَّلَاقِ عَلٰى مَالٍ طَلَاقٌ بَائِنٌ وَلَزِمَهَا الْمَالُ وَكُرِهَ لَهُ أَخْذُ شَيْءٍ وَإِنْ نَشَزَ وَإِنْ نَشَزَتْ لَا وَمَا صَلَحَ مَهْرًا صَلَحَ بَدَلَ الْخُلْعِ فَإِنْ خَالَعَهَا أَوْ طَلَّقَهَا بِخَمْرٍ أَوْ خِنْزِيرٍ أَوْ مَيْتَةٍ وَقَعَ بَائِنٌ فِي الْخُلْعِ رَجْعِيٌّ فِي غَيْرِهِ مَجَّانًا كَخَالِعْنِي عَلٰى مَا فِي يَدِيْ وَلَا شَيْءَ فِي يَدِهَا وَإِنْ زَادَتْ مِنْ مَالٍ أَوْ مِنْ دَرَاهِمَ رَدَّتْ مَهْرَهَا أَوْ ثَلَاثَةَ دَرَاهِمَ وَإِنْ خَالَعَ عَلٰى عَبْدٍ آبِقٍ لَهَا عَلٰى أَنَّهَا بَرِيْئَةٌ مِنْ ضَمَانِهِ لَمْ تَبْرَأْ

ترجمہ: خلع نکاح سے جدا ہونا ہے مال سے (یعنی خلع کرنے سے) اور مال کے عوض طلاق سے طلاق بائن واقع ہوتی ہے اور عورت پر مال لازم ہو جاتا ہے اور شوہر کیلئے کچھ لینا مکروہ ہے اگر سرکشی شوہر کی طرف سے ہو اور اگر عورت ناشزہ ہو تو مکروہ نہیں اور جو چیز مہر بن سکتی ہے وہ خلع کا عوض ہو سکتی ہے اگر عورت سے خلع کیا یا اس کو طلاق دی شراب یا خنزیر یا مردار پر تو خلع کی صورت میں طلاق بائن اور غیر خلع میں رجعی واقع ہوگی مفت، جیسے عورت نے کہا کہ مجھے خلع دیدے اس مال پر جو میرے ہاتھ میں ہے حالانکہ اس کے ہاتھ میں کچھ نہ تھا اور اگر لفظ "من مال" یا "من دراهم" زیادہ کر دیا تو عورت اپنا مہر واپس کرے یا تین درہم دے اگر شوہر نے عورت کے بھاگے غلام پر

خلع کیا ہو بھاگ جاتا ہے اس شرط پر کہ عورت اس کی ضمانت سے بری ہے تو وہ بری نہ ہوگی۔

سرکشی شوہر کی جانب سے ہو تو اس کیلئے بدل خلع لینا مکروہ ہے

وَكُرِهَ لَهُ اَخْذُ شَيْءٍ اِنْ نَشَزَ وَاِنْ نَشَزَتْ لَا: اگر شوہر کی جانب سے سرکشی اور ناگواری کا اظہار ہو تو اس کیلئے بدل خلع کے طور پر عورت سے کچھ لینا بنص قرآنی مکروہ ہے۔ اور اگر سرکشی اور ناگواری عورت کی جانب سے ہو تو مقدار مہر تک لینا تو شوہر کیلئے بلاکراہت جائز ہے مگر مقدار مہر سے زائد لینا مکروہ ہے اور مقدار مہر پر زیادتی کے مکروہ ہونے کی دلیل نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے "اما الزیادۃ فلا" یعنی نبی کریم ﷺ نے زیادتی کی نفی فرمادی ہے۔ اور جب نفی ثابت ہوگئی تو کراہت ثابت ہو جائیگی۔

وَمَا صَلُحَ مَهْرًا صَلُحَ بَدَلَ الْخُلْعِ: مصنف ایک ضابطہ بیان فرمارہے ہیں وہ یہ ہے کہ جو چیز عقد نکاح میں مہر بن سکتی ہے وہ بالاتفاق عقد خلع میں بدل خلع بن سکتی ہے کیونکہ عقد نکاح کے وقت ملک بضع متقوم ہے اور خلع کے وقت غیر متقوم لہٰذا جو چیز بضع متقوم کا عوض بن سکتی ہے وہ بضع غیر متقوم کا عوض بدرجہ اولیٰ بن سکتی ہے۔

فَاِنْ خَالَعَهَا اَوْ طَلَّقَهَا بِخَمْرٍ اَوْ خِنْزِيْرٍ اَوْ مَيْتَةٍ وَقَعَ بَائِنٌ فِي الْخُلْعِ وَرَجْعِيٌّ فِي غَيْرِهِ مَجَّانًا: اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے شراب یا خنزیر یا مردار کے عوض خلع کرے یا ان اشیاء کے عوض طلاق دے۔ اب اگر اس نے لفظ خلع استعمال کیا ہو تو طلاق بائن واقع ہوگی اور اگر طلاق کا لفظ استعمال کیا ہو تو طلاق رجعی واقع ہوگی اور دونوں صورتوں میں بدل واجب نہ ہوگا۔ اور دونوں صورتوں میں طلاق کا واقع ہونا اس لئے ہے کہ عورت کی طلاق کو اس کے قبول کرنے پر معلق کیا تھا اور اس نے قبول بھی کر لیا پھر پہلی صورت میں طلاق بائن واقع ہوگی اور دوسری صورت میں طلاق رجعی کیونکہ جب عوض باطل ہو گیا تو پہلی صورت میں عمل کرنے والا لفظ خلع ہے اور لفظ خلع الفاظ کنایہ سے ہے اور الفاظ کنایہ سے طلاق بائن واقع ہوتی ہے۔ اور دوسری صورت میں عوض باطل ہو جانے کے بعد عمل کرنے والا صرف لفظ طلاق ہے اور صریح طلاق سے طلاق رجعی واقع ہوتی ہے اس وجہ سے دوسری صورت میں طلاق رجعی واقع ہوگی اور عورت پر کچھ واجب نہ ہونا اس وجہ سے ہے کہ اشیاء مذکورہ مسلمان کے حق میں مال نہیں اور ان کے علاوہ دوسری چیز بھی واجب نہ ہوگی کیونکہ اس نے اس کا التزام نہیں کیا گیا۔

كَخَالِعْنِيْ عَلٰى مَا فِيْ يَدِيْ وَلَا شَيْءَ فِيْ يَدِهَا وَاِنْ زَادَتْ مِنْ مَالٍ اَوْ مِنْ دَرَاهِمَ رَدَّتْ مَهْرَهَا اَوْ ثَلَاثَةً

قوله: یہ بدل طلاق واقع نہ ہونے میں تشبیہ ہے یعنی ایک عورت نے شوہر سے کہا کہ جو کچھ میرے ہاتھ میں ہے اس کے عوض مجھ سے خلع کرلے حالانکہ اس کے ہاتھ میں کچھ نہیں تھا تو یہاں بھی طلاق بلا بدل ہوگی کیونکہ عورت نے مال متعین نہیں کیا اس لئے کہ کلمہ ما مال اور غیر مال دونوں کو شامل ہے۔ اور اگر عورت نے "من مال" لفظ بڑھا کر یوں کہا "خالعنی علی ما فی یدی من مال" پھر شوہر نے عورت کو خلع دیدیا پھر دیکھا تو اس کے ہاتھ میں کچھ نہ تھا تو عورت کو مہر واپس کرنا پڑیگا کیونکہ جب عورت نے مال کی تصریح کردی تو شوہر بلا عوض اپنی ملکیت سے زوال پر راضی نہیں اب یہاں واجب میں تین احتمال ہیں۔ مہر واجب ہو

یا قیمت بضع یعنی مہر مثل یا مال مسمی کی۔ مال مسمی تو اس لئے واجب نہیں ہو سکتا کہ وہ مجہول ہے اور قیمت بضع اس لئے واجب نہیں ہو سکتی کہ خروج کی حالت میں بضع کی کوئی قیمت نہیں ہوتی پس مہر متعین ہو گیا۔

اور اگر عورت نے "من دراہم" بڑھا کر اپنے شوہر سے کہا "خالعنی علی ما فی یدی من دراہم" پس شوہر نے ایسا کیا مگر عورت کے ہاتھ میں کچھ نہ تھا تو اس صورت میں عورت پر تین دراہم واجب ہوں گے کیونکہ عورت نے "دراہم" صیغہ جمع کے ساتھ ذکر کیا ہے اور اقل جمع تین ہیں اور "من دراہم" میں لفظ "من" بیان کیلئے ہے نہ کہ تبعیض کیلئے۔

بھاگے ہوئے غلام پر خلع کرنے کا حکم

وَاِنْ خَالَعَ عَلٰی عَبْدٍ آبِقٍ لَهَا عَلٰی اَنَّهَا بَرِیْئَةٌ مِنْ ضَمَانِهٖ لَمْ تَبْرَأْ: اگر عورت نے اپنے شوہر سے ایسے غلام پر خلع کیا کہ وہ غلام بھاگا ہوا ہے اس شرط پر کہ وہ عورت اس غلام کی ضمانت سے بری ہے یعنی سپرد کرنے کا اس سے مطالبہ نہ کیا جائے، اگر وہ غلام مل گیا تو سپرد کر دیا جائیگا ورنہ کوئی چیز واجب نہ ہوگی تو اس صورت میں یہ عورت بری نہیں ہوگی بلکہ اگر یہ عورت اس غلام پر قادر ہوگی تو عین اس غلام کو سپرد کرنا واجب ہوگا اور اگر اس غلام کو سپرد کرنے سے عاجز ہوگی تو اس کی قیمت سپرد کرنا واجب ہوگا۔ کیونکہ خلع عقد معاوضہ ہے اس لئے سلامت عوض کا مقتضی ہوگا لہٰذا عورت کی جانب سے برأت کی شرط لگانا شرط فاسد ہے پس شرط باطل ہو جائیگی اور خلع باقی رہے گا۔

قَالَتْ طَلِّقْنِیْ ثَلَاثًا بِاَلْفٍ فَطَلَّقَ وَاحِدَةً فَلَهٗ ثُلُثُ الْاَلْفِ وَبَانَتْ وَفِیْ عَلٰی اَلْفٍ وَقَعَ رَجْعِیٌّ مَجَّانًا طَلِّقِیْ نَفْسَکِ ثَلَاثًا بِاَلْفٍ اَوْ عَلٰی اَلْفٍ فَطَلَّقَتْ وَاحِدَةً لَمْ یَقَعْ شَیْءٌ اَنْتِ طَالِقٌ بِاَلْفٍ اَوْ عَلٰی اَلْفٍ فَقَبِلَتْ لَزِمَ وَبَانَتْ اَنْتِ طَالِقٌ وَعَلَیْکِ اَلْفٌ اَوْ اَنْتَ حُرٌّ وَعَلَیْکَ اَلْفٌ طَلُقَتْ وَعَتَقَ مَجَّانًا وَصَحَّ خِیَارُ الشَّرْطِ لَهَا فِی الْخُلْعِ لَا لَهٗ طَلَّقْتُکِ اَمْسِ بِاَلْفٍ فَلَمْ تَقْبَلِیْ فَقَالَتْ قَبِلْتُ صُدِّقَ بِخِلَافِ الْبَیْعِ۔

ترجمہ: عورت نے کہا مجھے ہزار کے عوض تین طلاقیں دیدے پس شوہر نے اس کو ایک طلاق دیدی تو اس کیلئے ہزار کا ایک تہائی ہوگا اور عورت بائنہ ہو جائیگی اور "علی الف" کی صورت میں طلاق رجعی واقع ہوگی مفت، (شوہر نے کہا) تو اپنے نفس کو ایک ہزار کے عوض یا ایک ہزار پر تین طلاقیں دیدے پس عورت نے ایک طلاق دی تو کچھ واقع نہ ہوگی، تو مطلقہ ہے ہزار کے عوض یا ہزار پر عورت نے قبول کر لیا تو ہزار لازم ہو جائے گا اور وہ بائنہ ہو جائیگی، تو مطلقہ ہے اور تجھ پر ایک ہزار درہم ہیں یا تو آزاد ہے اور تجھ پر ایک ہزار درہم ہیں تو طلاق اور آزادی مفت ہو جائیگی، اور خلع میں عورت کیلئے خیار شرط صحیح ہے نہ کہ شوہر کیلئے، میں نے تجھ کو کل گذشتہ ایک ہزار کے عوض میں طلاق دی تھی مگر تو نے قبول نہیں کیا ہے اور عورت نے کہا میں نے قبول کر لیا تھا تو شوہر کی تصدیق کی جائیگی بخلاف بیع کے۔

قَالَتْ طَلِّقْنِیْ ثَلَاثًا بِاَلْفٍ فَطَلَّقَ وَاحِدَةً فَلَهٗ ثُلُثُ الْاَلْفِ وَبَانَتْ وَفِیْ عَلٰی اَلْفٍ وَقَعَ رَجْعِیٌّ مَجَّانًا: اگر

عورت نے شوہر سے کہا مجھے ایک ہزار کے عوض تین طلاقیں دیدو لیکن شوہر نے صرف ایک طلاق دی تو "باء" چونکہ اعواض پر داخل ہوتی ہے اور معوض پر منقسم ہوتی ہے اس لئے ہزار کی تہائی واجب ہوگی اور عورت ایک طلاق سے بائنہ ہو جائیگی۔

اور اگر عورت نے "باء" کی بجائے لفظ "علیٰ" استعمال کیا اور اپنے شوہر سے یوں کہا طلقني ثلاثا على الف درهم پس شوہر نے اس کو ایک طلاق دیدی تو صاحبینؒ کے نزدیک ایک ہزار درہم کے ایک تہائی کے عوض ایک طلاق واقع ہوگی کیونکہ حرف "علیٰ" بھی معاوضہ کے معاملات میں حرف "ب" کی طرح ہوتا ہے کیونکہ "ب" اور "علیٰ" کو لوگ ایک ہی معنیٰ میں استعمال کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ چیز ایک درہم کے عوض اٹھالے یا ایک درہم پر اٹھالے تو دونوں کا مفہوم ایک ہے اور امام صاحبؒ کے نزدیک ایک طلاق رجعی ہوگی کیونکہ "علیٰ" شرط کیلئے استعمال ہوتا ہے قال تعالیٰ: يبايعنك على ان لا يشركن اور مشروط اجزائے شرط پر منقسم نہیں ہوتا پس مال واجب نہیں ہوا البتہ طلاق رجعی واقع ہوگی۔

طلقي نفسك ثلاثا بالف او على الف فطلقت واحدة لم يقع شيء: اگر شوہر نے بیوی سے کہا کہ تو اپنے آپ کو ایک ہزار کے عوض یا ایک ہزار پر تین طلاقیں دے مگر عورت نے اپنے آپ کو ایک طلاق دی تو کچھ بھی واقع نہ ہوگا کیونکہ شوہر اسے بائنہ کرنے پر اسی وقت راضی ہوا ہے جب کہ اسے پورے ایک ہزار وصول ہوں۔ بخلاف اس کے جب عورت درخواست کرے کہ مجھے ایک ہزار کے عوض تین طلاقیں دیدے اور مرد ایک دے تو یہ واقع ہو جائیگی کیونکہ عورت جب ہزار درہم کے عوض بائنہ ہونے پر راضی ہے تو اس سے کم میں بائنہ ہونے پر بدرجہ اولیٰ راضی ہوگی۔

انت طالق بالف او على الف فقبلت لزم وبانت: انت طالق بالف عورت کے قبول کرنے پر موقوف ہے اگر مجلس میں عورت نے قبول کرلیا تو طلاق بائن واقع ہو جائیگی کیونکہ "بالف" کی صورت میں ایک ہزار عوض ہیں اور عوض دوسرے فریق کے قبول کئے بغیر واجب نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ طلاق معاوضہ کی وجہ سے واقع ہورہی ہے اس لئے بائن ہوگی تاکہ مرد کو مال اور عورت کو اپنی ذات پر کامل اختیار حاصل ہو۔

انت طالق وعليك الف کہنے کا حکم

انت طالق وعليك الف او انت حر وعليك الف طلقت وعتق مجانا: اگر شوہر نے بیوی سے کہا کہ تجھے طلاق ہے اور تیرے ذمہ ایک ہزار ہیں یا لونڈی سے کہا تو آزاد ہے اور تیرے ذمہ ایک ہزار ہیں تو امام صاحبؒ کے نزدیک بلا کسی معاوضہ کے بیوی کو طلاق واقع ہو جائیگی اور لونڈی آزاد ہو جائیگی خواہ ہزار کو قبول کیا ہو یا نہ کیا ہو۔ اور صاحبینؒ کے نزدیک اگر بیوی اور لونڈی نے ہزار قبول کئے تو طلاق اور آزادی واقع ہوگی ورنہ نہیں کیونکہ صاحبینؒ نے مرد کے قول "وعليك" میں واؤ کو حال کیلئے قرار دیا ہے اور حال بمنزلہ شرط کے ہے پس صاحبینؒ کے نزدیک جو حکم شرط کا ہے یہاں بھی وہی حکم ہوگا اور امام صاحبؒ نے "واؤ" کو عطف کیلئے قرار دیا ہے اور دونوں جملوں کا مستقل ہونا واؤ کے عاطفہ ہونے پر دلالت کرتا ہے اس لئے مرد کا یہ قول "وعليك

الف "ام" ایک مستقل جملہ ہو جائیگی جو صحیح بھی ہو سکتی ہے اور غلط بھی ہو سکتی ہے اور طلاق واقع ہونے کے ساتھ اس کا کوئی تعلق نہیں۔

وَصَحَّ جَوَازُ الشَّرْطِ لَهَا فِي الْخُلْعِ لَا لَهُ : اگر معاوضہ خلع میں خیار شرط عورت کیلئے ہو تو امام کے نزدیک صحیح ہے اور اگر مرد کیلئے ہو تو صحیح نہیں مثلاً شوہر نے بیوی سے کہا: انت طالق بالف علی انک بالخیار ثلثۃ ایام اور عورت نے اس کو قبول کر لیا تو جائز ہے پھر اگر عورت نے تین دن کے اندر رد کر دیا تو طلاق باطل ہو جائیگی اور اگر عورت نے طلاق کی اجازت دیدی یا خیار کو رد نہیں کیا یہاں تک کہ مدت خیار گذر گئی تو عورت پر طلاق واقع ہو جائیگی اور ہزار درہم لازم ہوں گے اور اگر شوہر نے یوں کہا "انت طالق بالف علی انی بالخیار" تو صحیح نہیں۔ اور صاحبینؒ کے نزدیک خیار دونوں صورتوں میں باطل ہے خواہ عورت کیلئے ہو یا شوہر کیلئے اور طلاق واقع ہو جائیگی اور عورت پر ایک ہزار درہم لازم ہوں گے۔ کیونکہ خیار انعقاد عقد کے بعد فسخ کرنے کیلئے ہوتا ہے اور یہاں زوجین کے تصرفات یعنی ایجاب وقبول میں فسخ کا احتمال نہیں۔ کیونکہ خلع مرد کی جانب سے یمین ہے اور عورت کی جانب سے شرط اور یمین اور شرط میں فسخ کا احتمال نہیں۔ اور امام صاحبؒ کے نزدیک عورت کی جانب سے خلع بیع کے مرتبہ میں ہے یہی وجہ ہے کہ خلع میں عورت کا اپنے قول سے رجوع کرنا صحیح ہے لہٰذا جس طرح بیع میں خیار کی شرط لگانا شرعاً درست ہے اسی طرح خلع میں بھی عورت کی جانب سے خیار کی شرط لگانا شرعاً درست ہوگا۔

طَلَّقْتُكِ أَمْسِ بِأَلْفٍ فَلَمْ تَقْبَلِي فَقَالَتْ قَبِلْتُ صُدِّقَ بِخِلَافِ الْبَيْعِ : اگر شوہر نے بیوی سے کہا کہ میں نے ہزار درہم پر تجھے طلاق دی تھی لیکن تو نے قبول نہیں کیا۔ بیوی نے کہا میں نے قبول کر لیا تھا تو شوہر کی بات تسلیم کی جائیگی۔ بخلاف بیع کے کہ اگر کسی شخص نے دوسرے سے کہا کہ میں نے یہ غلام ہزار کے عوض کل تیرے ہاتھ فروخت کیا تھا لیکن تو نے قبول نہیں کیا دوسرے نے کہا نہیں میں نے تو قبول کر لیا تھا تو خریدار کی بات مانی جائیگی ان دونوں میں وجہ فرق یہ ہے کہ مال کے عوض طلاق دینا مرد کی طرف سے یمین ہے اور عورت کا قبول کرنا شرط ہے تو شوہر کہتا ہے کہ تم نے یمین کو قبول نہیں کیا یعنی تو نے شرط پوری نہیں کی کہ خلع ہو جائے لیکن عورت کہتی ہے کہ میں نے قبول کر لیا تھا تو شوہر کی بات مانی جائیگی کیونکہ یمین تو شرط کے بغیر بھی صحیح ہو جاتی ہے۔ لیکن بیع قبول کے بغیر مکمل نہیں ہوتی کیونکہ بائع کا عقد بیع کے واقع ہونے کا اقرار کرنا دراصل ضمناً قبول مشتری کا اقرار ہے اس لئے کہ بیع ایجاب وقبول کے بغیر مکمل نہیں ہوتی اب اس کا یہ دعویٰ کہ "تو نے قبول نہیں کیا تھا" درحقیقت اپنے اس اقرار سے رجوع ہے اور مشتری اس کا منکر ہے والقول قول المنکر مع الیمین۔

وَيُسْقِطُ الْخُلْعُ وَالْمُبَارَأَةُ كُلَّ حَقٍّ لِكُلٍّ وَاحِدٍ عَلَى الْآخَرِ مِمَّا يَتَعَلَّقُ بِالنِّكَاحِ ﴿ حَتَّى لَوْ خَالَعَهَا أَوْ بَارَأَهَا بِمَالٍ مَعْلُومٍ كَانَ لِلزَّوْجِ مَا سَمَّتْ لَهُ وَلَمْ يَبْقَ لِأَحَدِهِمَا قِبَلَ صَاحِبِهِ دَعْوَى فِي الْمَهْرِ مَقْبُوضًا كَانَ أَوْ غَيْرَ مَقْبُوضٍ قَبْلَ الدُّخُولِ بِهَا أَوْ بَعْدَهُ ﴾ وَإِنْ خَلَعَ صَغِيرَتَهُ بِمَالِهَا لَمْ يَجُزْ عَلَيْهَا وَلَوْ بِأَلْفٍ عَلَى أَنَّهُ ضَامِنٌ طَلُقَتْ وَالْأَلْفُ عَلَيْهِ۔

ترجمہ: خلع اور مبارات مرد وعورت کے ہر اس حق کو ساقط کر دیتے ہیں جو حقوق نکاح سے ایک کا دوسرے پر ہو یہاں تک کہ اگر شوہر عورت سے معین مال کے عوض خلع یا مبارات کرے تو شوہر کیلئے وہی ہوگا جو عورت نے بیان کیا ہے۔ اور کسی ایک کیلئے دوسرے پر دعویٰ مہر کا اختیار باقی نہیں رہے گا مہر مقبوض ہو یا غیر مقبوض قبل از دخول ہو یا بعد از دخول ہو۔ اگر صغیرہ کا باپ صغیرہ کے مال کے عوض اس کے شوہر سے خلع کرے تو صغیرہ پر جائز نہ ہوگا اور طلاق واقع ہو جائیگی اور اگر ہزار کے عوض خلع کرے اس شرط پر کہ وہ ضامن ہے تو طلاق واقع ہو جائیگی اور ہزار باپ پر لازم ہوں گے۔

مبارات خلع کی طرح ہے یا نہیں

وَيُسْقِطُ الْخُلْعُ وَالْمُبَارَاةُ كُلَّ حَقٍّ لِكُلِّ وَاحِدٍ عَلَى الْآخَرِ مِمَّا يَتَعَلَّقُ بِالنِّكَاحِ حَتَّى لَوْ خَالَعَهَا أَوْ بَارَأَهَا بِمَالٍ مَعْلُومٍ كَانَ لِلزَّوْجِ مَا سَمَّتْ لَهُ وَلَمْ يَبْقَ لِأَحَدِهِمَا قِبَلَ صَاحِبِهِ دَعْوَى فِي الْمَهْرِ مَقْبُوضًا كَانَ أَوْ غَيْرَ مَقْبُوضٍ قَبْلَ الدُّخُولِ بِهَا أَوْ بَعْدَهُ: مبارات مفاعلہ کا مادہ ہے چنانچہ "تبارأ الشریکان" کہا جاتا ہے جبکہ ہر ایک نے دوسرے سے برات حاصل کرلی اس کا حاصل یہ ہے کہ مبارات عقد خلع کے قائم مقام ہے مثلاً مرد کے "بارأتک" تو عورت کے قبول پر موقوف رہے گا اور قبول کرنے سے تمام حقوق ساقط ہو جائیں گے جنکا تعلق نکاح سے ہے یہ تفصیل امام صاحبؒ کے نزدیک ہے اور امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ خلع اور مبارات میں وہی حقوق ساقط ہوں گے جن کو زوجین نے بیان کیا ہے اور جن کو بیان نہیں کیا وہ ساقط نہیں ہوں گے۔ اور امام ابو یوسفؒ مسئلہ خلع میں امام محمدؒ کے ساتھ ہیں اور مسئلہ مبارات میں امام صاحبؒ کے ساتھ ہیں امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ خلع اور مبارات میں سے ہر ایک عقد معاوضہ ہے اور معاوضات میں وہی چیز معتبر ہوتی ہے جس کو بیان کیا جائے لہٰذا خلع اور مبارات میں صرف وہ حقوق ساقط ہوں گے جن کو زوجین نے بیان کیا ہے اور جن کو بیان نہیں کیا وہ ساقط نہیں ہوں گے۔ اور امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ مبارات مفاعلہ کا مصدر ہے برأت سے ماخوذ ہے اور مفاعلہ دونوں جانب سے فعل کا تقاضا کرتا ہے لہٰذا مبارات اس بات کا تقاضا کرے گا کہ زوجین میں سے ہر ایک دوسرے سے بری ہو جائے لیکن ان کی غرض اس جھگڑے کو ختم کرنا ہے جو نکاح کی وجہ سے پیدا ہوا ہے اس وجہ سے برات ان حقوق کے ساتھ مقید ہو جائیگی جو نکاح سے ثابت ہوتے ہیں اور رہا خلع تو اس کا مقتضی انخلاع یعنی الگ ہونا ہے اور یہ معنی حاصل ہو جاتے ہیں نکاح ٹوٹنے سے لہٰذا دوسرے احکام نکاح منقطع کرنے کی کوئی ضرورت نہیں رہی۔ امام صاحبؒ فرماتے ہیں کہ مبارات کی طرح خلع بھی جانبین سے برات چاہتا ہے کیونکہ خلع بمعنی فصل ہے اور فصل وجدائی کا تحقق اسی وقت ہوگا جب زوجین میں سے کسی کا دوسرے پر کوئی حق نہ رہے ورنہ منازعت پیش آجائیگی لہٰذا خلع مبارات کے ذریعہ نکاح اور احکام نکاح اور حقوق نکاح سب ساقط ہو جائیں گے زوجین نے ان کو بیان کیا ہو یا بیان نہ کیا ہو۔

وَإِنْ خَلَعَ صَغِيرَتَهُ بِمَالِهَا لَمْ يَجُزْ عَلَيْهَا: اگر کسی شخص نے اپنی نابالغ بچی کا خلع اسی کے مال کے عوض لیا تو خلع تو صحیح ہو جائیگا مگر مال صغیرہ پر لازم نہ ہوگا۔ نہ باپ کو اپنے پاس سے ادا کرنا ہوگا کیونکہ اس صورت میں صغیرہ کیلئے کوئی شفقت نہیں

حالانکہ باپ کی ولایت شفقت کیلئے تھی کیونکہ بضع حالت خروج میں غیر متقوم ہوتا ہے اور بدل خلع متقوم ہے اور غیر متقوم کے مقابلہ میں صغیرہ پر مال متقوم لازم کرنے میں نہ کوئی دانشمندی ہے اور نہ شفقت۔

وَلَزِمَ بِقَبِلَ عَلَى الْأَبِ ضَامِنٌ خَلْعُكَ وَالْأَلْفُ عَلَيْهِ: اگر باپ نے نابالغ بیٹی کا ایک ہزار پر خلع لیا اس شرط پر کہ وہ ہزار کا ضامن ہے تو اس صورت میں خلع واقع ہو جائیگا اور ایک ہزار اس لڑکی کے باپ پر لازم ہوں گے کیونکہ جب معاوضہ کی ضمانت ایک اجنبی شخص بھی لے سکتا ہے تو باپ بدرجہ اولیٰ ضامن بن سکتا ہے۔ اور صغیرہ کا مہر ساقط نہیں ہوگا کیونکہ وہ باپ کی ولایت میں داخل نہیں ہے۔

بَابُ الظِّهَارِ

ظہار کا بیان

ظہار اور خلع میں مناسبت یہ ہے کہ ان دونوں میں سے ہر ایک نافرمانی اور سرکشی کی وجہ سے ہوتا ہے اور خلع کو ظہار پر اس لئے مقدم کیا ہے کہ خلع میں تحریم زیادہ ہے کیونکہ خلع کی صورت میں نکاح منقطع ہو کر تحریم ثابت ہوتی ہے اور ظہار میں نکاح باقی رہتے ہوئے حرمت ثابت ہو جاتی ہے۔

هُوَ تَشْبِيهُ الْمَنْكُوحَةِ بِمُحَرَّمَةٍ عَلَيْهِ عَلَى التَّأْبِيدِ حَرُمَ عَلَيْهِ الْوَطْءُ وَدَوَاعِيهِ بِأَنْتِ عَلَيَّ كَظَهْرِ أُمِّي حَتَّى يُكَفِّرَ فَإِنْ وَطِئَ قَبْلَهُ اسْتَغْفَرَ رَبَّهُ فَقَطْ وَعَوْدُهُ عَزْمُهُ عَلَى وَطْئِهَا وَبَطْنُهَا وَفَخِذُهَا وَفَرْجُهَا كَظَهْرِهَا وَأُخْتُهُ وَعَمَّتُهُ وَأُمُّهُ رَضَاعًا كَأُمِّهِ وَرَأْسُكِ وَفَرْجُكِ وَظَهْرُكِ وَوَجْهُكِ وَرَقَبَتُكِ وَنِصْفُكِ وَثُلُثُكِ كَأَنْتِ وَإِنْ نَوَى بِأَنْتِ عَلَيَّ مِثْلُ أُمِّي بِرًّا أَوْ ظِهَارًا أَوْ طَلَاقًا فَكَمَا نَوَى وَإِلَّا لَغَا.

ترجمہ: ظہار بیوی کو کسی عورت کیساتھ تشبیہ دینا ہے جو اس پر ہمیشہ کیلئے حرام ہو شوہر پر وطی اور دواعی وطی حرام ہو جاتے ہیں اس قول سے کہ تو مجھ پر میری ماں کی پشت کی طرح ہے یہاں تک کہ کفارہ دے۔ اگر کفارہ سے قبل وطی کر لی تو صرف استغفار کرے اور عود سے مراد شوہر کا عزم وطی ہے عورت کا پیٹ اس کی ران اور شرمگاہ اس کی پیٹھ کے حکم میں ہے شوہر کی بہن اس کی پھوپھی اور رضاعی ماں حقیقی ماں کے حکم میں ہے عورت کو یہ کہنا کہ تیرا سر تیری شرمگاہ تیرا چہرہ تیری گردن تیرا نصف ایسا ہے جیسے کوئی انت کہے اگر کوئی انت علی مثل امی سے اچھے سلوک یا ظہار یا طلاق کی نیت کرے تو نیت کے مطابق ہوگا ورنہ لغو ہوگا

هُوَ تَشْبِيهُ الْمَنْكُوحَةِ بِمُحَرَّمَةٍ عَلَيْهِ عَلَى التَّأْبِيدِ: ظہار باب مفاعلہ کا مصدر ہے بقال "ظاهر من امرأته ظهارا" اور پیچھے کپڑے پہننا نیز اہل عرب ظاہر اسی وقت بولتے ہیں جب کوئی شخص اپنی بیوی سے یوں کہے کہ تو مجھ پر ایسی ہے جیسے میری ماں کی پیٹھ اور اصطلاح شرع میں ظہار اپنی منکوحہ کو کسی ایسی عورت کے ساتھ تشبیہ دینے کو کہتے ہیں جو اس پر ہمیشہ کیلئے حرام ہو المنکوحۃ کی قید سے باندی نکل گئی کیونکہ باندی کے ساتھ ظہار صحیح نہیں محرمۃ کی قید سے غیر محرم عورت نکل گئی

کیونکہ کسی غیر محرمہ کے ساتھ تشبیہ دینے سے ظہار نہیں ہوتا نیز "ابدًا" کی قید سے سالی اور مطلقہ ثلاث نکل گئی کیونکہ اگرچہ یہ حرام ہیں لیکن ان کی حرمت مؤبد نہیں مؤقت ہے۔

کفارہ سے پہلے وطی و دواعی وطی حرام ہیں

حَرُمَ عَلَيْهِ الْوَطْءُ وَدَوَاعِيْهِ بِأَنْتِ عَلَيَّ كَظَهْرِ أُمِّيْ حَتَّى يُكَفِّرَ: کسی مرد نے اپنی بیوی سے "انت علی کظہر امی" کہا تو یہ عورت اس پر حرام ہوگئی نہ اس سے وطی کرنا اور اس کو چھونا اور بوسہ دینا کچھ بھی حلال نہیں رہا تا آنکہ شوہر اپنے ظہار کا کفارہ دیدے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے ﴿والذین یظاهرون من نسائهم ثم یعودون لما قالوا فتحریر رقبة من قبل ان یتماسّا﴾ اور جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کرتے ہیں پھر اپنی کہی ہوئی بات کی تلافی کرنا چاہتے ہیں تو ان کے ذمہ ایک غلام یا لونڈی کا آزاد کرنا ہے قبل اس کے کہ دونوں (میاں بیوی) باہم اختلاط کریں۔

فَلَوْ وَطِئَ قَبْلَهُ اسْتَغْفَرَ رَبَّهُ فَقَطْ: اگر مظاہر نے کفارہ دینے سے پہلے اس عورت سے وطی کر لی تو یہ شخص استغفار کرے اور اس پر کفارہ اولیٰ کے علاوہ اور کچھ واجب نہیں اور اب وطی نہ کرے یہاں تک کہ کفارہ دیدے یہی قول ائمہ اربعہ کا ہے کیونکہ حضرت سلمہ بن صخرؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ سے عرض کیا کہ میں نے اپنی بیوی سے ظہار کیا پھر چاندنی رات میں میں نے اس کے پازیب کو دیکھا تو اس سے جماع کر بیٹھا تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اپنے رب سے استغفار کر اور یہ حرکت دوبارہ مت کرنا یہاں تک کہ کفارہ دیدے۔

وَعَوْدُهُ عَزْمُهُ عَلَى وَطْئِهَا: آیت ظہار ﴿ثم یعودون﴾ میں عود سے مراد مظاہر کا مظاہر منہا کے ساتھ وطی کا عزم و ارادہ کرنا ہے نہ کہ صحبت کرنا کیونکہ اس کے یہ معنی نہیں کہ کفارہ دینے سے پہلے صحبت کرنا درست ہے۔ مصنفؒ اس عبارت سے وجوب کفارہ کا سبب بیان کر رہے ہیں کیونکہ آیت میں "ثم" کے ذریعہ عود کا ذکر ہے نیز کفارہ عقوبت اور عبادت کے درمیان دائر ہے پس اس کے سبب کا حظر اور اباحت کے درمیان دائر ہونا ضروری ہے۔ پس عقوبت کا تعلق محظور یعنی ظہار کے ساتھ ہے اور عبادت کا تعلق مباح یعنی عزم وطی کے ساتھ ہے۔ (عینی الحقائق)

وَبَطْنِهَا وَفَخِذِهَا وَفَرْجِهَا كَظَهْرِهَا: اگر شوہر نے اپنی بیوی سے کہا انت علی کبطن امی یا کہا انت علی کفخذ امی یا کہا انت علی کفرج امی ان تمام صورتوں میں یہ شخص ظہار کرنے والا ہو جائیگا کیونکہ ظہار کہتے ہیں اپنی منکوحہ کو محرمہ ابدیہ کے ساتھ تشبیہ دینا اور یہ معنی ہر ایسے عضو کے ساتھ تشبیہ دینے میں متحقق ہو جاتے ہیں جس کی طرف دیکھنا حرام ہے اور جن اعضاء کی طرف دیکھنا جائز ہے ہاتھ پاؤں بال وغیرہ ان کے ساتھ تشبیہ دینے سے ظہار نہ ہوگا۔

وَأُخْتِهِ وَعَمَّتِهِ وَأُمِّهِ رَضَاعًا كَأُمِّهِ وَرَأْسُكِ وَفَرْجُكِ وَوَجْهُكِ وَرَقَبَتُكِ وَنِصْفُكِ وَثُلُثُكِ كَأَنْتِ: اسی طرح اپنی عورت کو تشبیہ دینا ایسی عورت کے ساتھ جو ابدی حرام ہے جیسے بہن پھوپھی وغیرہ

تو یہ شخص ظہار کرنے والا ہو جائیگا۔ کیونکہ یہ عورتیں دائمی حرام ہونے میں ماں کی مانند ہیں لہذا جو حکم ظہار میں ماں کا ہے وہی حکم ان عورتوں کا ہوگا۔

وَإِنْ نَوَى بِأَنْتِ عَلَيَّ مِثْلُ أُمِّي بِرًّا أَوْ ظِهَارًا أَوْ طَلَاقًا فَكَمَا نَوَى وَإِلَّا لَغَا: اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو انت علی مثل امی کہے اور کرامت و بزرگی ظہار، طلاق میں سے کسی کی بھی نیت نہیں کی تو یہ کلام شیخین کے نزدیک لغو ہوگا۔ کیونکہ یہ کلام مجمل ہے اور متکلم نے اپنی مراد بیان نہیں کی ہے اس وجہ سے اس کا مصداق متعین نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ اگر یہ کلام طلاق اور ظہار کا احتمال رکھتا ہے تو اس میں کرامت کا احتمال بھی موجود ہے۔ امام محمدؒ امام مالکؒ امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک عدم نیت کی صورت میں یہ کلام ظہار ہوگا۔ کیونکہ جب ماں کے کسی ایک عضو کے ساتھ تشبیہ دینا ظہار ہے تو پوری ماں کے ساتھ تشبیہ دینا بدرجہ اولی ظہار ہوگا اس لئے کہ انت علی مثل امی اور کامی میں حرف تشبیہ موجود ہے اور حرف تشبیہ اور کاف تشبیہ ظہار کے ساتھ مخصوص ہے لہذا اس کلام کو ظہار کے معنی پر محمول کیا جائیگا۔

وَبِأَنْتِ عَلَيَّ حَرَامٌ كَأُمِّي ظِهَارًا أَوْ طَلَاقًا فَكَمَا نَوَى وَبِأَنْتِ عَلَيَّ حَرَامٌ كَظَهْرِ أُمِّي طَلَاقًا أَوْ إِيلَاءً فَظِهَارٌ وَلَا ظِهَارَ إِلَّا مِنْ زَوْجَتِهِ فَلَوْ نَكَحَ امْرَأَةً بِغَيْرِ أَمْرِهَا فَظَاهَرَ مِنْهَا فَأَجَازَتْهُ بَطَلَ أَنْتُنَّ عَلَيَّ كَظَهْرِ أُمِّي ظِهَارًا مِنْهُنَّ وَكَفَّرَ لِكُلٍّ۔

ترجمہ: اور انت علی حرام کامی سے ظہار یا طلاق کی نیت کرے تب بھی نیت کے مطابق ہوگا اور انت علی حرام کظہر امی سے طلاق یا ظہار کی نیت کی تو ظہار ہوگا اور ظہار نہیں ہوتا مگر اپنی بیوی سے ہی اگر کسی عورت سے اس کے حکم کے بغیر نکاح کیا پھر اس سے ظہار کیا پھر عورت نے نکاح کی اجازت دی تو ظہار باطل ہے تم سب مجھ پر مثل میری ماں کی پشت کے ہو یہ سب سے ظہار ہے اور ہر ایک کیلئے کفارہ دینا ہوگا۔

انت علی حرام کامی کہنے کا حکم

وَبِأَنْتِ عَلَيَّ حَرَامٌ كَأُمِّي ظِهَارًا أَوْ طَلَاقًا فَكَمَا نَوَى: اگر شوہر نے بیوی سے کہا انت علی حرام کامی اب اگر اس نے ظہار کی نیت کی ہے تو ظہار ہوگا اور اگر طلاق کی نیت کی ہے تو طلاق ہوگا کیونکہ یہ کلام ظہار اور طلاق دونوں کا احتمال رکھتا ہے ظہار کا تو اس لئے کہ تشبیہ پائی گئی اور طلاق کا اس لئے کہ اس نے اس عورت کو اپنے اوپر حرام کیا ہے اور اس صورت میں تشبیہ اس حرام کرنے کی تاکید ہوگی اور اگر اس نے اپنے کلام سے کوئی نیت نہیں کی ہے تو امام ابو یوسفؒ کے نزدیک یہ کلام ایلاء ہوگا اور امام محمدؒ کے نزدیک ظہار ہوگا۔

وَبِأَنْتِ عَلَيَّ حَرَامٌ كَظَهْرِ أُمِّي طَلَاقًا أَوْ إِيلَاءً فَظِهَارٌ: اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے انت علی حرام کظہر امی کہے اور طلاق یا ایلاء کا ارادہ کرے تو امام صاحبؒ کے نزدیک طلاق و ایلاء نہیں ہوگا بلکہ ظہار ہی ہوگا صاحبینؒ کے نزدیک نیت کا اعتبار ہے کیونکہ کلام میں ان سب کا احتمال ہے امام صاحبؒ فرماتے ہیں کہ کلام مذکورہ ظہار میں صریح ہے یہی وجہ ہے کہ ظہار پر

دلالت کرنے میں یہ لفظ نیت کا محتاج نہیں ہے پس اس لفظ میں ظہار کے علاوہ طلاق اور ایلاء کا احتمال نہیں ہو سکتا پھر لفظ کے مفہوم میں عدم احتمال یا غیر کی وجہ سے ظہار کے معنی میں محکم ہے اور انت علی حرام کی معنی کا احتمال رکھتا ہے اور قاعدہ ہے کہ محتمل کو محکم کی طرف پھیر دیا جاتا ہے اس وجہ سے انت علی حرام کو بھی ظہار کی طرف پھیر دیا جائیگا۔

وَلَا ظِهَارَ إِلَّا مِنْ زَوْجَتِهِ: ظہار صرف اپنی بیوی سے ہو سکتا ہے نہ کہ اس کے علاوہ دوسری عورتوں سے حتی کہ اگر کسی شخص نے اپنی باندی سے ظہار کیا تو یہ شخص ظہار کرنے والا شمار نہیں ہوگا کیونکہ ارشاد باری تعالی ہے: ﴿مِن نِّسَائِهِمْ﴾ اور لفظ نساء بیوی کیلئے استعمال کیا جاتا ہے اور مملوکہ باندی بیوی نہیں کہلاتی لہذا اس سے ظہار بھی صحیح نہیں ہوگا۔

فَلَوْ نَكَحَ امْرَأَةً بِغَيْرِ أَمْرِهَا فَظَاهَرَ مِنْهَا فَأَجَازَتْهُ بَطَلَ: اسی طرح اگر کسی شخص نے کسی عورت سے بغیر اس کے حکم کے نکاح کیا یعنی عورت کی طرف سے کسی فضولی نے نکاح کر دیا پھر اس شخص نے اس عورت سے ظہار کیا اس کے بعد عورت نے اس نکاح کی اجازت دیدی تو یہ ظہار باطل ہے۔ کیونکہ یہ شخص ظہار کرتے وقت تشبیہ دینے میں سچا ہے اس لئے کہ یہ عورت اجازت دینے سے پہلے حرام تھی لہذا ظہار کا رکن یعنی منکوحہ محرمہ ابدیہ کے ساتھ تشبیہ دینا نہیں پایا گیا پس جب ظہار کا رکن نہیں پایا گیا تو یہ شخص ظہار کرنے والا نہیں ہوگا۔

أَنْتُنَّ عَلَيَّ كَظَهْرِ أُمِّي ظِهَارٌ مِنْهُنَّ وَكَفَّرَ لِكُلٍّ: اگر کسی نے اپنی متعدد بیویوں سے "أَنْتُنَّ عَلَيَّ كَظَهْرِ أُمِّي" کہا تو یہ شخص بالاتفاق ان سب عورتوں سے ظہار کرنے والا ہو جائیگا کیونکہ اس شخص نے تمام عورتوں کی طرف ظہار منسوب کیا ہے لہذا تمام سے ظہار ثابت ہو جائیگا جیسے کہ یہ شخص اپنی تمام عورتوں کی طرف طلاق منسوب کرتے ہوئے کہتا "أَنْتُنَّ طَوَالِقُ" تو سب پر طلاق واقع ہو جاتی۔ البتہ ایک کفارہ واجب ہوگا یا متعدد تو اس بارے میں اختلاف ہے چنانچہ احناف اور شوافع کے نزدیک ظہار کے متعدد ہونے کی وجہ سے کفارہ متعدد ہوں گے۔ ان میں جس کے ساتھ وطی کا ارادہ کریگا اس کی وجہ سے شوہر پر کفارہ واجب ہوگا اور امام مالک اور امام احمد کے نزدیک ایک کفارہ کافی ہے یہ حضرات ایلاء پر قیاس کرتے ہیں کہ اگر کوئی شخص قسم کھائے کہ میں اپنی بیویوں سے صحبت نہیں کروں گا پھر کسی ایک سے صحبت کرے تو ایک کفارہ دینے سے سب عورتیں حلال ہو جائیں گی۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ ظہار کی وجہ سے ہر ایک عورت کے حق میں حرمت ثابت ہوگئی ہے اور کفارہ اس لئے ہوتا ہے کہ حرمت کو ختم کر دے لہذا جتنی حرمتیں ہوں گی اسی قدر کفارات ہوں گے اور رہا ایلاء تو اس میں اللہ تعالی کے نام کی بے حرمتی کرنے کی وجہ سے کفارہ واجب ہوتا ہے اور چونکہ سب عورتوں سے ایک ایلاء کرنے میں اللہ کا نام متعدد مرتبہ ذکر نہیں ہوا اس وجہ سے ایک ہی کفارہ واجب ہوگا نہ کہ متعدد۔

فَإِنْ لَمْ يُؤَدِّ شَيْئًا: اگر کفارہ ظہار میں ایسا مکاتب آزاد کیا جس نے ابھی تک بدل کتابت کا کوئی حصہ ادا نہیں کیا تھا تو ایسے مکاتب کا آزاد کرنا ہمارے نزدیک جائز ہے کیونکہ من کل وجہ یہ غلام ہے تو کفارہ ظہار میں اس کا آزاد کرنا بھی درست ہوگا

أَوِ اشْتَرَى قَرِيبَهُ نَاوِيًا بِالشِّرَاءِ الْكَفَّارَةَ: کسی شخص پر کفارہ ظہار واجب ہوا اور اس نے اپنے قریبی رشتہ دار کو خرید اور خریدتے وقت کفارہ کی نیت کی تو ہمارے نزدیک کفارہ ادا ہو جائیگا اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ کفارہ ادا نہیں ہوگا۔

أَوْ حَرَّرَ نِصْفَ عَبْدِهِ عَنْ كَفَّارَتِهِ ثُمَّ حَرَّرَ بَاقِيَهُ عَنْهَا صَحَّ: اگر کسی شخص نے اپنا نصف غلام اپنے کفارہ میں آزاد کیا پھر باقی غلام کو بھی آزاد کردیا تو کفارہ ادا ہو جائے یہ جواز استحسانًا کیونکہ اس شخص نے دو دفعہ کلام کرکے غلام آزاد کیا ہے اور جو نقصان نصف آخر میں واقع ہوا ہے وہ اسی کی ملک میں رہتے ہوئے کفارہ میں آزاد کرنے کی وجہ سے پیدا ہوا ہے اور اس قسم کا نقصان ادائے کفارہ سے مانع نہیں ہوتا جیسے ایک شخص نے قربانی کیلئے بکری زمین پر گرائی پس بکری کی آنکھ میں چھری لگ گئی تو یہ نقصان قربانی سے مانع نہیں ہے۔

عبد مشترک کو کفارہ میں ادا کرنے کا حکم

وَإِنْ حَرَّرَ نِصْفَ عَبْدٍ مُشْتَرَكٍ وَضَمِنَ بَاقِيَهُ: اگر ایک غلام دو آدمیوں میں مشترک تھا ان میں ایک نے اپنا حصہ کفارہ میں آزاد کر دیا اور باقی کی قیمت کا شریک کیلئے ضامن ہو گیا تو امام صاحبؒ کے نزدیک اس سے کفارہ ظہار ادا نہیں ہوگا اور صاحبینؒ کے نزدیک ادا ہو جائیگا اور اگر آزاد کرنے والا تنگدست ہے تو بالاتفاق کفارہ ادا نہیں ہوگا۔ امام صاحبؒ کی دلیل یہ ہے کہ جب مالک نے اپنا آدھا حصہ آزاد کیا تو آزادی ناقص ہے کیونکہ دوسرے حصے کا مالک دوسرا شریک ہے البتہ بعد میں مالک کو ضمان دینے پر دوسرا نصف آزاد ہوا تو یہ آزادی کچھ نہ کچھ نقص کے ساتھ ہوئی لہٰذا اس قدر نقص کے ہوتے ہوئے کفارہ ادا نہ ہو سکے گا۔

أَوْ حَرَّرَ نِصْفَ عَبْدِهِ ثُمَّ وَطِئَ الَّتِي ظَاهَرَ مِنْهَا ثُمَّ حَرَّرَ بَاقِيَهُ لَا: اگر کسی شخص نے کفارہ میں نصف غلام آزاد کرکے اپنی اس عورت سے وطی کر لی جس سے اس نے ظہار کیا تھا اور نصف باقی بعد میں آزاد کیا تو امام صاحبؒ کے نزدیک جائز نہیں کیونکہ اعتاق کی شرط یہ ہے کہ جماع سے پہلے ہو مگر اس صورت میں نصف کا اعتاق بعد میں ہو رہا ہے لہٰذا شرط نہیں پائی گئی۔ صاحبینؒ کے نزدیک نصف کا آزاد کرنا کل کا آزاد کرنا ہے کل کا آزاد کرنا جماع سے پہلے ہو چکا ہے اس لئے ان کے نزدیک جائز ہوگا۔

فَإِنْ لَمْ يَجِدْ مَا يُعْتِقُ صَامَ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ لَيْسَ فِيهِمَا رَمَضَانُ وَأَيَّامٌ مَنْهِيَّةٌ وَإِنْ وَطِئَ فِيهِمَا لَيْلًا أَوْ يَوْمًا نَاسِيًا أَوْ أَفْطَرَ اسْتَأْنَفَ الصَّوْمَ وَلَمْ يُجْزِ لِلْعَبْدِ إِلَّا الصَّوْمُ وَإِنْ أَطْعَمَ أَوْ أَعْتَقَ عَنْهُ سَيِّدُهُ فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعِ الصَّوْمَ أَطْعَمَ سِتِّينَ فَقِيرًا كَالْفِطْرَةِ أَوْ قِيمَتِهِ فَلَوْ أَمَرَ غَيْرَهُ أَنْ يُطْعِمَ عَنْهُ عَنْ ظِهَارِهِ فَفَعَلَ أَجْزَأَهُ.

ترجمہ: پھر اگر ایسی چیز نہ پائی جس کو آزاد کرے تو دو ماہ پے در پے روزے رکھے جن میں رمضان اور ایام منہیہ نہ ہوں اگر ان دو ماہ میں رات کو یا دن کو بھول کر وطی کر لی یا روزہ افطار کر لیا تو روزہ از سر نو رکھے اور غلام کیلئے سوائے روزہ رکھنے کے اور کچھ جائز نہیں ہے اگر چہ اس کی طرف سے اس کا آقا کھلائے یا آزاد کرے پس اگر وہ روزہ رکھنے پر قادر نہ ہو تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے فطرہ کی طرح یا اس کی قیمت دے اگر دوسرے شخص کو حکم دیا کہ میرے کفارہ ظہار میں میری طرف سے کھانا کھلا دے اور اس نے کھلا دیا تب بھی صحیح ہے

فَإِنْ لَمْ يَجِدْ مَا يُعْتِقُ صَامَ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ لَيْسَ فِيهِمَا رَمَضَانُ وَأَيَّامٌ مَنْهِيَّةٌ: اگر ظہار کرنے والا غلام آزاد نہ کر سکے بایں طور کہ غلام ہی دستیاب نہ ہو یا غلام تو دستیاب ہے مگر اس کو خریدنے کیلئے قیمت نہیں ہے تو ایسی صورت میں اس شخص کا کفارہ پے در پے دو ماہ کے روزے ہیں کیونکہ آیت ﴿فمن لم يجد فصيام شهرين متتابعين﴾ میں پے در پے ہونے کی شرط ہے اور یہ دو مہینے ایسے ہوں جن کے درمیان ماہ رمضان نہ ہو کیونکہ ماہ رمضان میں کوئی دوسرا روزہ ادا نہیں ہوتا اگر کفارہ کی نیت سے روزہ رکھے گا تب بھی رمضان ہی کا ہوگا۔ نیز ایام منہیہ یعنی ایام عیدین و ایام تشریق بھی نہ ہوں کیونکہ ان پانچ دنوں میں روزہ رکھنے سے نبی کریم ﷺ نے منع فرمایا ہے تو ان دنوں کا روزہ کفارہ کا قائم مقام نہ ہو سکے گا کیونکہ وہ کامل واجب ہے اور ممنوع اوقات میں اگر کوئی واجب ادا کیا جائے تو وہ ناقص رہتا ہے۔

وَإِنْ وَطِئَ فِيهِمَا لَيْلًا أَوْ يَوْمًا نَاسِيًا أَوْ أَفْطَرَ اسْتَأْنَفَ الصَّوْمَ: اگر مظاہر نے روزوں کے درمیان رات میں یا دن میں بھول کر یا جان بوجھ کر مظاہر منہا سے وطی کر لی یا کسی عذر مرض یا سفر کی وجہ سے افطار کر لیا تو طرفین کے نزدیک از سر نو روزے رکھنے پڑیں گے امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ اگر رات میں وطی کی تو استیناف کی ضرورت نہیں کیونکہ رات میں وطی کرنے سے روزہ فاسد نہیں ہوتا پس روزوں کی ترتیب علی حالہ باقی رہی نیز روزوں کا وطی سے پہلے ہونا ضروری ہے اگر استیناف کی صورت میں بعض روزوں کی تاخیر لازم آتی ہے اس لئے عدم استیناف بہتر ہوگا۔ طرفین کی دلیل یہ ہے کہ کفارے کے روزوں کی دو شرطیں ہیں ایک تو یہ کہ وطی سے پہلے ہوں اور دوسرے یہ کہ وطی سے خالی بھی ہوں مگر روزوں کے دوران جماع کرنے سے یہ دوسری شرط معدوم ہو جاتی ہے لہذا وہ نئے سرے سے روزوں کا آغاز کرے۔

غلام کفارہ میں صرف روزہ رکھے گا

وَلَمْ يُجْزِ لِلْعَبْدِ إِلَّا الصَّوْمُ وَإِنْ أَطْعَمَ أَوْ أَعْتَقَ عَنْهُ سَيِّدُهُ: اگر کسی غلام نے اپنی بیوی کے ساتھ ظہار کیا تو اس کا کفارہ صرف روزوں کے ذریعہ سے ادا ہوگا کیونکہ غلام کی ملک میں کوئی چیز نہیں ہوتی ہے اس لئے وہ مال سے کفارہ ادا کرنے کا اہل نہیں ہے اور اگر اس کے مولی نے اس کی طرف سے غلام آزاد کیا یا کھانا کھلایا تو بھی کافی نہیں ہوگا اس لئے کہ غلام مالک ہونے کا اہل نہیں ہے لہذا مولی کے مالک کرنے سے مالک نہیں ہوگا۔

فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعِ الصَّوْمَ أَطْعَمَ سِتِّينَ فَقِيرًا كَالْفِطْرَةِ أَوْ قِيمَتَهُ: اگر ظہار کرنے والا روزے رکھنے کی طاقت نہ رکھتا ہو تو اس کو چاہئے کہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا دیدے کیونکہ ارشاد باری تعالی ﴿فمن لم يستطع فاطعام ستين مسكينا﴾ ہے اور

صدقہ فطر کا معاملہ تو اس کی مشروعیت لفظ "ایتاء" کے ساتھ ہے تو اس میں دینا شرط ہے کیونکہ "ایتاء" اور "اداء" حقیقت میں مالک بنانے کے معنیٰ میں استعمال ہوتے ہیں۔

وَالشَّرْطُ غَدَاءَانِ أَوْ عَشَاءَانِ مُشْبِعَانِ أَوْ غَدَاءٌ وَعَشَاءٌ: اور اباحت کے کھانے میں یہ شرط ہے کہ ہر فقیر کو دو صبح یا دو شام یا صبح و شام پیٹ بھر کے کھانا کھلائے اگرچہ مقدار فطرہ سے کم میں سیر ہو جائیں تو بھی جائز ہے لیکن جن فقیروں کو کھانا کھلایا ہے ان میں کوئی شیر خوار بچہ ہو تو کفارہ ادا نہیں ہوگا۔

وَإِنْ أَعْطَى فَقِيرًا شَهْرَيْنِ صَحَّ وَلَوْ فِي يَوْمٍ لَا إِلَّا عَنْ يَوْمِهِ: اگر ایک فقیر کو ساٹھ دن تک کھانا دیا تو کفارہ ادا ہو جائیگا اور اگر ایک ہی دن میں دیا تو صرف ایک دن کیلئے کافی ہوگا کیونکہ کفارہ سے مقصود محتاج کی حاجت کو دور کرنا ہے اور حاجت میں ہر روز تجدید ہے پس دوسرے دن اسی فقیر کو دینا ایسا ہوگیا جیسا کہ دوسرے فقیر کو دیا ہو لہٰذا ساٹھ دن تک ایک فقیر کو دینا ساٹھ فقیروں کے دینے کے مانند ہوگا اس وجہ سے اس صورت میں کفارہ ادا ہو جائیگا۔

وَلَا يَسْتَأْنِفُ بِوَطْئِهَا فِي خِلَالِ الْإِطْعَامِ: اگر کفارہ ظہار ادا کرنے والے نے کھانا دینے کے درمیان اس عورت سے وطی کرلی جس سے ظہار کیا تھا تو از سر نو کھانا دینے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یہ شرط بیان نہیں کی ہے کہ کھانا وطی سے پہلے ہو جیسا کہ اعتاق اور صوم کے اندر یہ شرط بیان کی گئی ہے البتہ اس شخص کو کھانا دینے سے پہلے وطی کرنے سے روکا جائیگا کیونکہ ہو سکتا ہے کہ یہ شخص کھانا دینے کے وظیفہ کو پورا کرنے سے پہلے غلام آزاد کرنے یا روزہ رکھنے پر قادر ہو جائے تو ایسی صورت میں اعتاق اور صوم کا بعد الوطی ہونا لازم آئیگا۔ حالانکہ یہ نص قرآنی ممنوع ہے۔

وَلَوْ أَطْعَمَ عَنْ ظِهَارَيْنِ سِتِّينَ فَقِيرًا كُلَّ فَقِيرٍ صَاعًا صَحَّ عَنْ وَاحِدٍ: اگر مظاہر نے دو ظہاروں کے کفارے میں ساٹھ فقیروں کو گندم کا ایک ایک صاع دیا تو شیخینؒ کے نزدیک صرف ایک ظہار کا کفارہ ادا ہوگا کیونکہ نصف کفارہ کی کم از کم مقدار ہے جس سے کم کرنا جائز نہیں مگر اس سے زیادہ دینا ممنوع نہیں تو اس سے ایک کفارہ کی ادائیگی ہو جائیگی گویا اس کی نیت ایک ہی کفارہ کی تھی بخلاف اس صورت کے جب کہ متفرق اوقات میں دے کیونکہ دوسری بار دینا گویا کسی اور مسکین کو دینا ہے۔

وَعَنْ إِفْطَارٍ وَظِهَارٍ صَحَّ عَنْهُمَا: اگر مظاہر کفارہ افطار اور کفارہ ظہار کو کھانا کر کے ادا کرے تو بالاتفاق جائز ہے کیونکہ اختلاف جنس کی صورت میں نیت معتبر ہے۔

وَلَوْ حَرَّرَ عَبْدَيْنِ عَنْ ظِهَارَيْنِ وَلَمْ يُعَيِّنْ صَحَّ عَنْهُمَا وَمِثْلُهُ الصِّيَامُ وَالْإِطْعَامُ: اگر کسی پر ظہار کے دو کفارے واجب تھے چنانچہ اس نے دو غلام آزاد کردئے اور کسی کو متعین نہیں کیا تو دونوں کفارے ادا ہو جائیں گے۔ اسی طرح اگر بلا تعیین چار ماہ کے روزے رکھ لئے یا ایک سو بیس فقیروں کو کھانا کھلا دیا تو بھی جائز ہوگا کیونکہ جنس متحد ہے اس لئے تعیین نیت کی چنداں ضرورت نہیں۔

لعان کی تعریف

هي شهادات مؤكدات بالأيمان مقرونة باللعن قائمة مقام حد القذف في حقه ومقام حد الزنا في حقها

تشریح: حقیقت لعان میں احناف اور جمہور کا اختلاف ہے احناف کے نزدیک لعان چار شہادتوں کا نام ہے جو قسم کے ساتھ مضبوط کی گئی ہوں اور جمہور کے نزدیک چار قسموں کا نام ہے جو شہادتوں کے ساتھ مضبوط کی گئی ہوں پس عند الجمہور لعان کا اہل وہی ہوگا جو یمین کا اہل ہو اور ہمارے نزدیک اہل لعان وہ ہوگا جو اہل شہادت بھی ہو اور اہل یمین بھی ہو یعنی آزاد، مسلمان، عاقل، بالغ پس غلام، کافر، صبی، مجنون اہل لعان نہیں۔ جمہور فرماتے ہیں کہ آیت ﴿فشهادة أحدهم أربع شهادات بالله﴾ میں لفظ "باللہ" یمین کے معنی میں محکم ہے اور لفظ شہادت محتمل یمین ہے تو محتمل کو محکم پر محمول کیا جائیگا ہماری دلیل قول باری تعالیٰ ﴿ولم يكن لهم شهداء إلا أنفسهم﴾ ہے جس میں شہداء سے انفسہم کا استثناء کیا گیا ہے معلوم ہوا کہ زوج شاہد ہے۔ پھر ﴿فشهادة أحدهم أربع شهادات بالله﴾ میں مزید تصریح کی گئی ہے معلوم ہوا کہ رکن لعان شہادت ہے جو مؤکد بالیمین ہے۔ پھر شوہر کی جانب میں لعان کے رکن کو لفظ لعان کے ساتھ ملایا گیا ہے اگر شوہر نے قسم میں جھوٹ بولا ہو تو یہ شوہر کے حق میں حد قذف کے قائم مقام ہے۔ اور عورت کی جانب میں لعان کے رکن یعنی شہادت کو لفظ غضب کے ساتھ ملایا ہے اور یہ عورت کے حق میں حد زنا کے قائم مقام ہے۔

ولو قذف زوجته بالزنا وصلحا شاهدين وهي ممن يحد قاذفها: اگر شوہر نے اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگائی تو زوجین کا شہادت کی لیاقت رکھنا ضروری ہے اس لئے کہ لعان میں شہادت رکن ہے اور یہ ضروری ہے کہ عورت ایسی ہو کہ جس کے تہمت لگانے والے کو حد لگائی جاتی ہو کیونکہ لعان شوہر کے حق میں قذف کے قائم مقام ہے اس لئے عورت کا محصنہ ہونا ضروری ہے۔

أو نفى نسب الولد وطالبته بموجب القذف وجب اللعان: اگر شوہر نے اس کے بچے کی نفی کر دی اور یہ کہدیا کہ یہ بچہ میرا نہیں ہے بلکہ زنا کا ہے اور عورت حد قذف کا مطالبہ کرے تو لعان واجب ہوگا کیونکہ جب شوہر نے اپنی بیوی کے بچے کے نسب کی نفی کی اور کہا کہ یہ بچہ میرے نطفہ سے نہیں ہے تو یہ اس عورت کو تہمت لگانے والا ہو گیا جیسے اجنبی نے بچے کے معروف باپ سے اس کے نسب کی نفی کی تو یہ اجنبی عورت کو تہمت لگانے والا شمار ہوگا۔ اسی طرح یہاں بھی البتہ لعان اس وقت واجب ہوگا جب کہ عورت موجب قذف یعنی لعان سے انکار کرے تو قید کردیا جائیگا کیونکہ لعان عورت کا حق ہے اس لئے کہ لعان کی وجہ سے عورت سے زنا کی عار اور ندامت دور ہو جاتی ہے پس جب لعان عورت کا حق ہے تو اس کو طلب کرنا بھی ضروری ہوگا۔ جیسے دوسرے حقوق میں صاحب حق کا طلب کرنا ضروری ہے۔

فإن أبى حبس حتى يلاعن أو يكذب نفسه فيحد: اور اگر شوہر لعان سے انکار کردے تو قید کر دیا جائیگا یہاں تک

کہ وہ لعان کرے یا اپنے آپ کو جھٹلا دے۔ اب اگر اس نے اپنی تکذیب کردی تو بالاتفاق اس پر حد قذف جاری کی جائیگی۔ کیونکہ شوہر پر یہ حق یعنی لعان واجب ہے اور وہ اس کو پورا کردینے پر قادر ہے۔ لہٰذا اس حق کی وجہ سے اس کو محبوس کردیا جائیگا یہاں تک کہ شوہر اس حق کو ادا کرے یا اپنے آپ کو جھٹلا دے تاکہ اس پر حد قذف جاری کی جائے۔

فَإِنْ لَاعَنَ وَجَبَ عَلَيْهَا اللِّعَانُ: اور اگر شوہر نے لعان کیا تو عورت پر بھی لعان کرنا واجب ہوگا البتہ لعان کی ابتداء مرد ہی کریگا کیونکہ وہی مدعی ہے اور مدعی پہلے دعویٰ پیش کرتا ہے۔

فَإِنْ أَبَتْ حُبِسَتْ حَتَّى تُلَاعِنَ أَوْ تُصَدِّقَهُ: اگر عورت نے لعان کرنے سے انکار کردیا تو حاکم اس کو قید کردے گا یہاں تک وہ لعان کرے یا اپنے شوہر کی تصدیق کرے کیونکہ لعان عورت پر بھی واجب ہے اور اس کو پورا کرنے پر قادر ہے۔ اس وجہ سے اس حق میں اس کو قید کیا جائیگا امام شافعیؒ اور امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ عورت کو قید نہیں کیا جائیگا بلکہ اس پر حد زنا جاری کی جائیگی۔

فَإِنْ لَمْ يَصْلُحْ شَاهِدًا حُدَّ: اگر شوہر غلام یا کافر ہونے کی وجہ سے شہادت کی اہلیت نہ رکھتا ہو اور وہ بیوی پر تہمت لگادے۔ مثلاً شروع میں زوجین دونوں کافر تھے پھر عورت مسلمان ہوگئی اور شوہر پر اسلام پیش کرنے سے پہلے شوہر نے اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگادی تو اس پر لعان واجب نہیں ہوگا بلکہ حد قذف واجب ہوگی۔ کیونکہ جب اس کی جانب سے لعان متعذر ہوگیا موجب اصلی یعنی حد کی طرف رجوع کیا جائیگا۔

وَإِنْ صَلَحَ وَهِيَ مِمَّنْ لَا يُحَدُّ قَاذِفُهَا فَلَا حَدَّ وَلَا لِعَانَ: اگر شوہر شہادت کی اہلیت رکھتا ہو مگر اس کی بیوی کسی کی باندی ہو یا کافرہ ہو یا اس پر حد قذف جاری ہو چکی ہو یا صغیرہ یا مجنونہ یا زانیہ ہو تو ان تمام صورتوں میں اس کے شوہر پر حد جاری نہیں ہوگی کیونکہ عورت محصنہ نہیں ہے۔ اب چونکہ لعان کا مانع خود عورت کی وجہ سے ہے لہٰذا مرد سے حد ساقط ہو جائیگی۔

لعان کی کیفیت

وَصِفَتُهُ مَا نَطَقَ بِهِ النَّصُّ: لعان کی کیفیت یہ ہوتی ہے کہ زوج شروع میں قسم کھا کر چار مرتبہ اس طرح گواہی دیتا ہے "إِنَّهُ لَمِنَ الصَّادِقِينَ" اور پانچویں بار کہتا ہے "أَنَّ لَعْنَةَ اللَّهِ عَلَيْهِ إِنْ كَانَ مِنَ الْكَاذِبِينَ" اس کے بعد عورت کا نمبر آتا ہے وہ اپنے خاوند کے بارے میں کہتی ہے "إِنَّهُ لَمِنَ الْكَاذِبِينَ" اور پانچویں مرتبہ کہے گی "أَنَّ غَضَبَ اللَّهِ عَلَيْهَا إِنْ كَانَ مِنَ الصَّادِقِينَ"۔

لعان سے فرقت واقع ہونے کا حکم

وَإِذَا الْتَعَنَا بَانَتْ بِتَفْرِيقِ الْحَاكِمِ: جب میاں بیوی نے لعان کرلیا تو قاضی ان کے درمیان تفریق کردے اور تفریق قاضی سے طلاق بائن ہو جائیگی امام زفرؒ فرماتے ہیں کہ نفس لعان ہی سے فرقت واقع ہو جائیگی۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے

"المتلاعنان لا يجتمعان ابدا" یعنی لعان کرنے والے کبھی اکٹھے نہیں ہو سکتے یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ محض لعان سے فرقت واقع ہو جائیگی۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ لعان کی وجہ سے حرمت کا ثابت ہونا امساک بالمعروف فوت کر دیتا ہے۔ پس شوہر پر تسریح بالاحسان واجب ہوگا۔ مگر جب شوہر تسریح باحسان سے رک گیا تو قاضی عورت سے ظلم دور کرنے کی خاطر شوہر کے قائم مقام ہو کر تسریح بالاحسان (یعنی تفریق) کر دیگا اور اس کی تائید عویمر عجلانی کے قول سے بھی ہوتی ہے کہ عویمر اور ان کی بیوی نے لعان کیا پھر لعان سے فراغت کے بعد عویمر کہنے لگے اللہ کے رسول میں نے اپنی بیوی کے بارے میں جو کچھ کہا سب جھوٹ ہے آپ ﷺ نے فرمایا تو پھر تم اس کو اپنی نکاح میں باقی رکھو یہ سن کر عویمر نے کہا اگر میں اس کو روکوں تو اس کو تین طلاقیں ہیں یہ باتیں لعان کے بعد ہوئیں آپ ﷺ نے ان پر نکیر نہیں فرمائی کہ لعان سے فرقت واقع ہو چکی ہے اب طلاق کا کیا فائدہ۔ پس اس واقعہ سے ثابت ہوا کہ محض لعان سے تفریق واقع نہیں ہوتی۔

وَإِنْ قَذَفَ بِوَلَدٍ نَفَى نَسَبَهُ وَأَلْحَقَهُ بِأُمِّهِ فَإِنْ أَكْذَبَ نَفْسَهُ حُدَّ وَلَهُ أَنْ يَنْكِحَهَا وَكَذَا إِنْ قَذَفَ غَيْرَهَا فَحُدَّ أَوْ زَنَتْ فَحُدَّتْ وَلَا لِعَانَ بِقَذْفِ الْأَخْرَسِ وَلَا بِنَفْيِ الْحَمْلِ وَتَلَاعَنَا بِزَنَيْتِ وَهَذَا الْحَمْلُ مِنْهُ وَلَمْ يَنْفِ الْحَمْلَ وَلَوْ نَفَى الْوَلَدَ عِنْدَ التَّهْنِئَةِ وَابْتِيَاعِ آلَةِ الْوِلَادَةِ صَحَّ وَبَعْدَهُ لَا وَلَاعَنَ فِيهِمَا وَإِنْ نَفَى أَوَّلَ التَّوْأَمَيْنِ وَأَقَرَّ بِالثَّانِي حُدَّ وَإِنْ عَكَسَ لَاعَنَ وَثَبَتَ نَسَبُهُمَا فِيهِمَا.

ترجمہ: اور اگر بچے کے ذریعہ تہمت لگائی تو قاضی اس کے نسب کی نفی کر کے ماں کے ساتھ لاحق کر دے اور اگر اس نے اپنی تکذیب کر دی تو اس پر حد قذف جاری کی جائیگی۔ اور وہ اس سے نکاح کر سکتا ہے اور اسی طرح اگر بیوی کے علاوہ کسی اور کو تہمت لگائے اور اس کو حد قذف لگائی جائے یا عورت زنا کرے اور اس کو حد قذف لگائی جائے، اور گونگے کی تہمت لگانے اور حمل کی نفی کرنے سے لعان نہیں ہے، اور دونوں لعان کریں اس قول سے کہ تو نے زنا کیا ہے اور یہ حمل اسی سے ہے اور حمل کی نفی نہیں ہوگی اور اگر بچہ کی نفی مبارکباد کے وقت یا اسباب ولادت کی خریداری کے وقت کی تو نفی صحیح ہے نہ کہ اس کے بعد اور لعان دونوں صورتوں میں کریگا اور اگر جڑواں بچوں میں سے اول کی نفی اور دوسرے کا اقرار کیا تو اس پر حد قذف جاری کی جائیگی۔ اور اس کے برعکس ہو تو لعان کرے گا اور نسب دونوں صورتوں میں ثابت ہو جائیگا۔

وَإِنْ قَذَفَ بِوَلَدٍ نَفَى نَسَبَهُ وَأَلْحَقَهُ بِأُمِّهِ: اگر شوہر نے بچہ کی نفی کر کے بیوی پر تہمت لگائی تو قاضی بچے کے باپ سے نسب کی نفی کر دے اور اس کا نسب اس کی ماں سے ثابت کر دے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے ہلال بن امیہ سے بچے کے نسب کی نفی کر کے اس کی ماں کے ساتھ لاحق فرما دیا تھا اور اس صورت میں لعان اس طرح ہوگا کہ حاکم اس مرد کو حکم دے کہ وہ یہ کہے۔ میں اللہ کی قسم کھا کر گواہی دیتا ہوں کہ میں نے بچے کی نفی کر کے جو زنا کا عیب لگایا اس میں میں سچا ہوں۔ اور عورت یوں کہے کہ میں اللہ کی قسم کھا کر گواہی دیتی ہوں کہ تو نے جو مجھے بچے کی نفی کا عیب لگایا اس بات میں تو جھوٹ بولنے والوں میں سے ہے۔

فَإِنْ أَكْذَبَ نَفْسَهُ حُدَّ وَلَهُ أَنْ يَنْكِحَهَا: اگر لعان کے بعد شوہر کہے کہ میں نے غلط الزام لگایا تھا۔ تو اس نے اپنی تکذیب

کرکے اپنے اوپر حدِ قذف کے واجب ہونے کا اقرار کرلیا ہے پس اس کے اقرار کی وجہ سے اس پر حدِ قذف جاری کی جائیگی اور اپنے آپ کو جھٹلانے کے بعد شوہر اس عورت کے ساتھ نکاح کرسکتا ہے مگر یہ جواز نکاح کا حکم طرفینؒ کے نزدیک ہے۔ کیونکہ جب شوہر کو حدِ قذف لگادی گئی تو اس میں لعان کی لیاقت ہی باقی نہیں رہتی، پس جب لعان کی لیاقت نہ رہی تو تحریم کا حکم جو اس سے متعلق تھا وہ بھی مرتفع ہوگیا۔ اس لئے اس عورت کے ساتھ دوبارہ نکاح کرنا درست ہوگا۔

وکذا إن قذف غیرھا فحدّ أو زنت فحُدّت: اور اسی طرح کسی شخص نے اجنبی عورت پر الزام لگایا اور اس پر حدِ قذف جاری کردی گئی تو بعد میں اس سے نکاح کرسکتا ہے۔ اور اسی طرح میاں بیوی نے نکاح کے بعد اور دخول سے پہلے لعان کیا پھر لعان کے بعد اس عورت نے زنا کیا اور زنا کی وجہ سے حدِ زنا (کوڑے) لگائی گئی تو اس شوہر کیلئے جائز ہے کہ وہ اس عورت سے نکاح کرے۔ کیونکہ جب عورت پر حدِ زنا جاری کی گئی تو اس عورت میں لعان کی لیاقت نہیں رہی۔ تو لعان کا حکم بھی مرتفع ہوگیا۔ اور جب لعان کا حکم مرتفع ہوگیا (یعنی تحریم) تو نکاح بھی درست ہوگا۔

گونگا بیوی پر زنا کی تہمت لگائے تو لعان کا حکم

ولا لعان بقذف الأخرس ونفی الحمل: اگر گونگے شوہر نے اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگائی تو دونوں کے درمیان لعان نہ ہوگا کیونکہ لعان کا تحقق ارادے سے نہیں بلکہ صریح الفاظ سے ہوتا ہے جیسا کہ حدِ قذف میں صراحت کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ گونگے کا اشارہ ایسا ہے جیسا کہ بولنے والے کا کلام کرنا ہوتا ہے۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ گونگے کے اشارات شبہ سے خالی نہیں اور شبہ سے حدود ساقط ہوجایا کرتی ہیں۔

وتلاعنا بزنیتِ وھذا الحمل منه ولم ینف الحمل: اگر شوہر نے بیوی سے کہا کہ تو نے زنا کیا ہے اور یہ حمل زنا سے ہے تو اس صورت میں دونوں لعان کریں گے کیونکہ صریح لفظ زنا مذکور ہے۔ اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ قاضی حمل کی نفی کردے کیونکہ ہلال بن امیہؓ نے حاملہ بیوی سے لعان کیا تو نبی کریم ﷺ نے دونوں میں تفریق کی اور فرمایا کہ عورت کے بیٹے کو ہلال کا بیٹا کوئی نہ کہے۔ (متفق علیہ) ہم کہتے ہیں کہ حمل پر اس کی ولادت سے پہلے احکام مرتب نہیں ہوتے اس لئے کہ ولادت سے پہلے شبہ موجود ہے کیونکہ ہوسکتا ہے کہ حمل نہ ہو بلکہ مرض سے خون جم گیا ہو اور حدیث مبارکہ تو وہ اس بات پر محمول ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حمل کا موجود ہونا وحی کے ذریعہ معلوم کرلیا تھا۔

ونفی الولد عند التھنئة وابتیاع آلة الولادة صحّ وبعدہ لا ولاعنا فیھما: اور اگر بچے کے نسب کی نفی اس وقت کی جب کہ بچے کی پیدائش پر مبارکباد قبول کی جاتی ہے یا اس وقت کی جب کہ ولادت کا سامان خریدا جاتا ہے۔ ان دونوں صورتوں میں نفی کرنا صحیح ہے یعنی شوہر سے بچے کا نسب ثابت نہیں ہوگا اور اس نفی کرنے کی وجہ سے شوہر لعان کریگا اور اگر بچے کی نفی ان اوقات کے بعد کی تو لعان کریگا اور صرف سے بچے کا نسب ثابت ہوجائیگا۔ کیونکہ ان اوقات میں خاموش رہنا اس پر دلالت کرتا ہے کہ شوہر

بچہ کی پیدائش پر خوش ہے اور اس کو اپنا قرار دے چکا ہے اب اگر اس کے بعد نفی کرتا ہے تو یہ نفی کرنا درست نہیں ہوگا۔

جڑواں بچوں میں سے ایک کی نفی کی تو لعان اور ثبوت نسب کا حکم

وَإِنْ نَفَى أَوَّلَ التَّوْأَمَيْنِ وَأَقَرَّ بِالثَّانِي حُدَّ وَإِنْ عَكَسَ لَاعَنَ وَيَثْبُتُ نَسَبُهُمَا فِيهِمَا: ایک عورت نے ایک پیٹ سے دو بچے جنے یعنی دونوں بچوں کے درمیان چھ ماہ کا فصل ہے۔ پس شوہر نے پہلے بچہ کی نفی کر دی اور دوسرے کا اقرار کر لیا تو شوہر پر حد قذف جاری ہوگی کیونکہ اس نے دوسرے بچہ کے متعلق صحت نسب کا دعویٰ کر کے اپنے پہلے قول کی تکذیب کر دی۔ اور اگر شوہر پہلے بچہ کے نسب کا تو اعتراف کرے لیکن دوسرے کی نفی کرے تو لعان کریگا۔ کیونکہ اول کا اقرار کر کے وہ عورت کی عفت کا قائل ہو گیا اور ثانی کی نفی کر کے اس پر تہمت لگا رہا ہے۔ اور اپنے قول سے اس نے رجوع بھی نہیں کیا اور زوجہ کے پاک دامن ہونے کا اقرار اس نے تہمت لگانے سے پہلے کیا ہے گویا اس نے یوں کہا کہ میری عورت پاک دامن ہے پھر کہا کہ یہ زانیہ ہے۔ تو اس صورت میں بھی لعان واجب ہوگا۔ اور دونوں صورتوں میں بچوں کا نسب ثابت ہو جائیگا۔ کیونکہ یہ جڑواں بچے ہیں جن کی پیدائش ایک ہی نطفہ سے ہوئی ہے۔

بَابُ الْعِنِّيْنِ وَغَيْرِهِ

نامرد وغیرہ کا بیان

مصنفؒ نے سابق میں ان لوگوں کے احکام کو بیان کیا جو نکاح کے قابل ہوتے ہیں اور ان کے بعد حکم مخالف بیان کرتے اب اس باب میں ان لوگوں کے احکام بیان کر رہے ہیں جو نکاح کے قابل نہیں ہیں۔ عنین (سکّین کے وزن پر) اس شخص کو کہتے ہیں جو جماع پر قادر نہ ہو اور شریعت میں وہ شخص ہے جو زندہ ہو اور عورتوں کے ساتھ جماع پر قادر نہ ہو۔ یا ثیبہ عورت کے ساتھ وطی کرنے پر قدرت ہو باکرہ کے ساتھ نہ ہو۔ یا بعض کے ساتھ جماع کر سکتا ہو اور بعض کے ساتھ نہیں اور یہ بات کسی مرض کی وجہ سے ہو یا پیدائشی ضعف کی وجہ سے یا بڑھاپے کی وجہ سے یا جادو کی وجہ سے تو یہ شخص جن عورتوں کے ساتھ وطی نہیں کر سکتا ان کے حق میں عنین ہوگا اس لئے کہ ان کے حق میں مقصود فوت ہو گیا ہے۔

هُوَ مَنْ لَا يَصِلُ إِلَى النِّسَاءِ أَوْ يَصِلُ إِلَى الثَّيِّبِ دُوْنَ الْأَبْكَارِ وَجَدَتْ زَوْجَهَا مَجْبُوْبًا فُرِّقَ فِي الْحَالِ وَأُجِّلَ سَنَةً لَوْ عِنِّيْنًا أَوْ خَصِيًّا فَإِنْ وَطِئَ وَإِلَّا بَانَتْ بِالتَّفْرِيْقِ إِنْ طَلَبَتْ فَلَوْ قَالَ وَطِئْتُ وَأَنْكَرَتْ وَقُلْنَ بِكْرٌ خُيِّرَتْ وَإِنْ كَانَتْ ثَيِّبًا صُدِّقَ بِحَلْفِهِ وَإِنِ اخْتَارَتْهُ بَطَلَ حَقُّهَا وَلَمْ يُخَيَّرْ أَحَدُهُمَا بِعَيْبٍ

ترجمہ: نامرد وہ ہے جو عورتوں تک نہ پہنچ سکے (یعنی صحبت نہ کر سکے) یا باکرہ عورتوں سے صحبت پر قادر نہ ہو مگر ثیبہ سے۔ اگر کسی عورت نے اپنے شوہر کو مقطوع الذکر پایا تو فی الحال تفریق کر دی جائیگی اور ایک سال کی مہلت دی جائیگی اگر نامرد یا خصی ہو پس اگر اس نے وطی کر لی تو

ہو جائے تو بہتر ہے ورنہ عورت قاضی کی تفریق سے بائنہ ہو جائیگی اگر وہ طلب کرے۔ اور اگر شوہر یہ کہے کہ میں نے وطی کر لی ہے اور عورت انکار کرے اور دوسری عورتیں کہیں کہ وہ عورت باکرہ ہے تو عورت کو اختیار دیا جائیگا اور اگر وہ ثیبہ ہو تو شوہر کی تصدیق کی جائیگی اس کی قسم کے ساتھ اور اگر عورت نے شوہر کو اختیار کر لیا تو عورت کا حق باطل ہو جائیگا۔ اور ان دونوں میں سے کسی ایک کو عیب کی وجہ سے اختیار دیا جائیگا۔

فمن لا يصل إلى النساء أو يصل إلى الثيب دون الأبكار وجدت زوجها مجبوبا فرق في الحال :
اگر بیوی نے شوہر کو مقطوع الذکر پایا تو مہلت دیئے بغیر ان دونوں کے درمیان تفریق کر دیجائیگی بشرطیکہ عورت تفریق کا مطالبہ کرے۔ کیونکہ مقطوع الذکر کی طرف سے وطی متوقع نہیں ہے تو مہلت دینے میں کوئی فائدہ نہیں لفظ "وجدت" سے اس طرف اشارہ ہے کہ اگر عورت کو نکاح سے قبل شوہر کا حال معلوم ہو اور اس پر راضی ہو گئی تو تفریق کا مطالبہ نہیں کر سکتی۔

وأجل سنة لو عنينا أو خصيا فإن وطئ وإلا بانت بالتفريق إن طلبت : اگر شوہر نامرد یا خصی ہو اور اس کی بیوی تفریق کا مطالبہ کرے تو قاضی علاج کیلئے شوہر کو ایک سال کی مہلت دے گا اگر ایک سال کے اندر علاج کے ذریعہ یا بفضلہ تعالیٰ عورتوں کے قابل ہو گیا اور بیوی کے ساتھ وطی کر لی تو بہتر ہے ورنہ قاضی ان دونوں میں تفریق کر دے گا۔ حضرت عمر، حضرت علی، ابن مسعود سے اسی طرح منقول ہے۔ اور قاضی کی واقع کردہ فرقت طلاق بائن ہوگی کیونکہ قاضی کا فعل شوہر کے فعل کی طرف منسوب ہوگا گویا کہ شوہر نے خود طلاق دی۔

فلو قال وطئت وأنكرت وقلن بكر خيرت وإن كانت ثيبا صدق بحلفه وإن اختارته بطل حقها :
مہلت دیئے جانے کے بعد زوجین کا اختلاف ہو گیا شوہر کہتا ہے کہ میں نے وطی کر لی ہے اور عورت اس سے انکار کرے تو ثقہ عورتوں کا قول معتبر ہوگا اگر وہ دیکھ کر یہ بتائیں کہ وہ باکرہ ہے تو عورت کو اختیار ہوگا۔ اور اگر وہ یہ کہیں کہ ثیبہ ہے تو شوہر کا قول اس کی قسم کے ساتھ معتبر ہوگا۔ باکرہ اور ثیبہ ہونے کی پہچان یہ ہے کہ عورت کی شرمگاہ میں مرغی کا چھوٹا سا انڈہ داخل کیا جائے اگر آسانی سے بغیر تنگی کے داخل ہو جائے تو ثیبہ ہے ورنہ باکرہ ہے یا عورت کیلئے دیوار پر پیشاب کرنا ممکن ہے تو باکرہ ورنہ ثیبہ۔
اور اگر عورت عدالت میں ایک دفعہ اپنے شوہر کو اختیار کرے یعنی نامرد ہونے کے باوجود اس کے ساتھ رہنا منظور کر لے تو اس کے بعد بیوی کو تفریق کے مطالبہ کا اختیار نہیں ہوگا۔ کیونکہ عورت بذات خود اپنا حق باطل کرنے پر راضی ہو گئی ہے۔

عیوب خمسہ کی وجہ سے احد الزوجین کیلئے خیار کا حکم

ولم يخير أحدهما بعيب : اگر بیوی میں کوئی عیب ہو تو شوہر کو فسخ نکاح کا اختیار نہیں ہوگا خواہ طلاق دے یا نکاح برقرار رکھے امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ پانچ عیوب کی وجہ سے نکاح فسخ کیا جا سکتا ہے وہ عیب یہ ہیں جذام، برص، جنون، رتق (پیشاب کے راستہ کے علاوہ کوئی راستہ نہ ہو) قرن (عورت کا فرج ہڈی وغیرہ کی وجہ سے اس قدر تنگ ہو کہ اس میں مرد کا عضو تناسل داخل نہ ہو سکے)۔ ہم کہتے ہیں کہ صورت کی وجہ سے وطی کا فوت ہونا موجب فسخ نکاح نہیں ہے۔ چنانچہ احد الزوجین کی موت سے مہر ساقط

نہیں ہوتا لیکن اگر ان عیوب کی وجہ سے وطی میں خلل واقع ہو جائے تو بدرجہ اولیٰ نکاح فسخ نہیں ہوگا کیونکہ وطی نکاح کا ثمرہ ہے اور شوہر کا استحقاق صرف ایک بار پانے میں ہے اور ان تمام صورتوں میں وطی پر قدرت پایا جانا حاصل ہے۔ چنانچہ جذام، برص اور جنون میں تو ظاہر ہے۔ اور رتق اور قرن میں شگاف کر کے اپنا کام چلا لے۔ اور اگر شوہر کو جنون یا برص یا جذام ہو تو شیخینؒ کے نزدیک عورت کو نکاح فسخ کرنے کا اختیار نہیں ہوگا اور امام محمدؒ کے نزدیک عورت کو اختیار ہوگا وہ ان عیوب کو عنین اور مقطوع الذکر پر قیاس کرتے ہیں لیکن شیخینؒ فرماتے ہیں کہ عنین وغیرہ پر قیاس کرنا صحیح نہیں ہے کیونکہ ان دونوں میں مقصود شرعی یعنی وطی بالکلیہ فوت ہو جاتی ہے اور جنون وغیرہ بالکلیہ مقصود کو فوت نہیں کرتے۔

بَابُ العِدَّةِ

عدت کا بیان

عدت چونکہ فرقت کا اثر ہے اور اثر موثر کے بعد ہوتا ہے اس لئے پہلے موثر کی وجوہ۔ طلاق، خلع، لعان، عنین کو بیان کیا اب یہاں سے مصنفؒ اثر کا بیان فرما رہے ہیں۔ عدت عین کی کسرہ اور تشدید دال کے ساتھ۔ لغۃً شمار کرنے کو کہتے ہیں اور شرع میں زوال نکاح کے باعث عورت کے انتظار کو عدت کہتے ہیں۔ چاہے وہ زوال نکاح من وجہ ہو یا نکاح بطور شبہ یا اس کے مانند ہو اور کبھی مدت انتظار کو بھی عدت کہتے ہیں اور عورت کا انتظار کہنے سے مرد کا انتظار خارج ہو گیا۔ مثلاً بیوی کو طلاق دینے سے اس کی عدت میں اس کی بہن سے نکاح کرنا درست نہیں لیکن شرعاً اس انتظار کو عدت نہیں کہتے اور زوال نکاح من وجہ اس لئے کہا تاکہ طلاق رجعی کی صورت شامل ہو جائے۔ کیونکہ اس سے نکاح بالکلیہ زائل نہیں ہوتا اور شبہ نکاح میں نکاح فاسد داخل ہو گیا۔ اور اس کے مانند میں ام ولد کی عدت شامل ہو گئی۔ اس سے واضح ہو گیا کہ زانیہ کی عدت نہیں ہے بلکہ جس کے ساتھ زنا کیا گیا اس کے حاملہ ہونے کی صورت میں بھی نکاح جائز ہے۔

هِيَ تَرَبُّصٌ يَلْزَمُ الْمَرْأَةَ فَعِدَّةُ الْحُرَّةِ لِلطَّلَاقِ أَوِ الْفَسْخِ ثَلَاثَةُ أَقْرَاءٍ أَيْ حِيَضٍ أَوْ ثَلَاثَةُ أَشْهُرٍ إِنْ لَمْ تَحِضْ وَلِلْمَوْتِ أَرْبَعَةُ أَشْهُرٍ وَعَشْرٌ وَلِلْأَمَةِ قُرْآنِ وَنِصْفُ الْمُقَدَّرِ وَلِلْحَامِلِ وَضْعُهُ وَزَوْجَةُ الْفَارِّ أَبْعَدُ الْأَجَلَيْنِ وَمَنْ عَتَقَتْ فِي عِدَّةِ الرَّجْعِيِّ لَا الْبَائِنِ وَالْمَوْتِ كَالْحُرَّةِ وَمَنْ عَادَ دَمُهَا بَعْدَ الْأَشْهُرِ الْحَيْضُ وَالْمَنْكُوحَةُ بِنِكَاحٍ فَاسِدٍ وَالْمَوْطُوءَةُ بِشُبْهَةٍ وَأُمُّ الْوَلَدِ الْحَيْضُ لِلْمَوْتِ وَغَيْرِهِ وَزَوْجَةُ الصَّغِيرِ الْحَامِلُ عِنْدَ مَوْتِهِ وَضْعُهُ وَالْحَامِلُ بَعْدَهُ الشُّهُورُ وَالنَّسَبُ مُنْتَفٍ فِيهِمَا

ترجمہ: عدت انتظار کا نام ہے۔ جو عورت پر لازم ہوتی ہے آزاد عورت کی عدت طلاق یا فسخ نکاح پر تین قروء یعنی تین حیض ہیں یا تین ماہ ہیں اگر اس کو حیض نہیں آتا ہو اور وفات پر چار ماہ دس دن ہیں اور لونڈی کی عدت دو حیض ہیں اور (حیض نہ آتا ہو تو) مقررہ عدت کا نصف ہے اور حاملہ کی عدت وضع حمل ہے اور زوجۂ فار کی عدت دو مدتوں میں سے بعید تر ہے۔ اور جو عورت طلاق رجعی کی عدت میں آزاد کی

گزار رہی ہو یا عدت وفات اور اسے آزاد کر دیا جائے تو اب اس کی عدت عورتوں کی عدت کی طرف منتقل نہیں ہوگی۔ کیونکہ پہلا نکاح طلاق بائن یا وفات شوہر کی وجہ سے زائل ہو چکا ہے۔

وَمَنْ عَادَ دَمُهَا بَعْدَ الْأَشْهُرِ الْحَيْضُ: مصنفؒ کی عبارت کا واضح مفہوم یہی ہے کہ مہینوں کے حساب سے عدت پوری کرنے کے بعد عورت نے خون دیکھا یعنی شوہر نے حالت یاس میں اسے طلاق دی اس لئے اس کی عدت مہینوں کے حساب سے تھی۔ چنانچہ اس نے تین ماہ کی عدت پوری کی اس کے بعد خون دیکھا جس سے معلوم ہوا کہ وہ حیض والی عورت ہے تو اب اس پر واجب ہے کہ تین حیض سے عدت پوری کرے کیونکہ مہینوں کی عدت حیض کی عدت کے قائم مقام ہے اور اصل پائی جانے کے بعد قائم مقام کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا۔ اس تفصیل کے اعتبار سے عورت کا نکاح باطل ہو جائیگا۔ اگر اس نے تین ماہ پورے ہونے کے بعد خون دیکھنے سے پہلے نکاح کر لیا۔ کیونکہ دوبارہ خون دیکھنے کے بعد یہ بات ظاہر ہوگئی کہ وہ نکاح عدت میں واقع ہوا ہے اور صاحب ہدایہ کا بھی یہی مفہوم ہے۔

وَالْمَنْكُوحَةُ نِكَاحًا فَاسِدًا وَالْمَوْطُوءَةُ بِشُبْهَةٍ وَأُمُّ الْوَلَدِ الْحَيْضُ لِلْمَوْتِ وَغَيْرِهِ: اگر کسی عورت سے نکاح فاسد کیا گیا۔ مثلاً بغیر گواہوں کے نکاح کیا یا کسی عورت سے وطی بالشبہ کی گئی مثلاً دھوکے میں اپنی بیوی کے علاوہ کسی کے پاس چلا گیا اور اس سے وطی کر لی تو اس صورت میں واطی پر مہر اور عورت پر عدت واجب ہوگی۔ خواہ واطی مر گیا یا دونوں میں تفریق کر دی گئی ہو۔ اور اسی طرح ام ولد کے مولیٰ کا انتقال ہو گیا یا مولیٰ نے اس کو آزاد کر دیا۔ پس اگر یہ عورتیں ذوات الحیض میں سے ہیں تو ان کی عدت حیض کے ساتھ ہوگی اور حیض نہ آنے کی صورت میں مہینہ اس کے قائم مقام ہوگا۔ اور عدت وفات (چار ماہ دس دن) واجب نہیں ہوگی۔ کیونکہ ان عورتوں کی عدت رحم کے پاک ہونے کو معلوم کرنے کیلئے ہوتی ہے نہ کہ حق نکاح ادا کرنے کیلئے۔

صغیر اپنی بیوی کو حاملہ چھوڑ کر مر گیا یا بعد میں حاملہ ہوئی تو اس کی عدت کا حکم

وَزَوْجَةُ الصَّغِيرِ الْحَامِلُ عِنْدَ مَوْتِهِ وَضْعُهُ وَالْحَامِلُ بَعْدَهُ الشُّهُورُ وَالنَّسَبُ مُنْتَفٍ فِيهِمَا: ایک نابالغ لڑکا اپنی حاملہ بیوی کو چھوڑ کر مر گیا تو طرفینؒ کے نزدیک اس کی عدت وضع حمل ہے اور امام ابو یوسفؒ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اس کی عدت چار ماہ دس دن ہے کیونکہ اس عورت کا حمل ثابت النسب نہیں ہے اس لئے کہ بچہ سے علوق ہو ہی نہیں سکتا پس یہ ایسا ہو گیا جیسے زوج صغیر کے انتقال کے بعد حاملہ ہو۔ یعنی اس کی موت سے چھ ماہ بعد یا اس سے زیادہ مدت کے بعد بچہ جنے کیا اس صورت میں بالاجماع عدت وفات لازم ہوگی۔ طرفینؒ کی دلیل آیت ﴿وأولات الاحمال اجلهن أن يضعن حملهن﴾ ہے جو مطلق ہے حمل ثابت النسب ہو یا غیر۔ عدت وفات کی ہو یا طلاق کی اس کی کوئی تفصیل نہیں اور نابالغ سے بچہ کا نسب دونوں صورتوں میں ثابت نہیں ہوگا۔ خواہ حمل موت کے وقت موجود ہو یا بعد میں پیدا ہوا ہو کیونکہ نابالغ کا علوق نہیں ہو سکتا ہے۔ لہذا اس کی طرف سے حمل بھی متصور نہیں ہوگا۔

وَلَمْ يُعْتَدَّ بِحَيْضٍ طُلِّقَتْ فِيهِ وَتَجِبُ عِدَّةٌ أُخْرَى بِوَطْءِ الْمُعْتَدَّةِ بِشُبْهَةٍ وَتَدَاخَلَتَا وَالْمَرْئِيُّ مِنْهُمَا

صورت میں شوہر کی وفات کے بعد سے عدت کی ابتداء ہوگی۔ اگر عورت کو طلاق یا شوہر کی وفات کا علم نہ ہو سکے حتی کہ عدت کی مدت گذر جائے تو اس سے عدت ختم ہو جائے گی۔ کیونکہ عدت کے واجب ہونے کا سبب طلاق یا وفات ہے لہٰذا اس کی ابتداء بھی سبب کے موجود ہونے کے وقت سے شروع ہوگی۔

نکاح فاسد میں عدت کی ابتداء کب سے ہوگی

وَفِي النِّكَاحِ الْفَاسِدِ بَعْدَ التَّفْرِيقِ أَوِ الْعَزْمِ عَلَى تَرْكِ وَطْئِهَا: نکاح فاسد میں عدت کی ابتداء تفریق کے بعد سے ہوگی، یا اس وقت سے جب وطی کرنے والے نے ترک وطی کا عزم کر لیا۔ کیونکہ عقد فاسد میں جتنی بار بھی وطی کی گئی وہ سب بمنزلہ ایک وطی کے ہوں گی اس لئے کہ سب کی نسبت ایک ہی عقد فاسد کی طرف ہے لہٰذا ان تمام وطیات کے عوض فقط ایک ہی مہر دیا جاتا ہے تو جب تک کہ باہمی جدائی نہ ہو یا ترک وطی کا عزم نہ ہو تب تک عدت کا واجب ہونا ثابت نہیں ہوگا کیونکہ ابھی وطی کے پائے جانے کا احتمال باقی ہے۔

وَلَوْ قَالَتْ مَضَتْ عِدَّتِي وَكَذَّبَهَا الزَّوْجُ فَالْقَوْلُ قَوْلُهَا مَعَ الْحَلِفِ: اگر معتدہ عورت نے کہا کہ میری عدت پوری ہو گئی ہے اور شوہر نے اس کی تکذیب کی تو عورت اگر قسم کھا کر اپنے قول کی تصدیق کر دے تو اس کی بات تسلیم کی جائے گی کیونکہ عدت کے بارے میں عورت امین ہے۔ کیونکہ اس کا علم سوائے عورت کے کسی کو نہیں ہو سکتا مگر عورت کے جھوٹ بولنے کا احتمال ہے اس لئے عورت سے قسم لی جائے گی۔

وَلَوْ نَكَحَ مُعْتَدَّتَهُ وَطَلَّقَهَا قَبْلَ الْوَطْءِ وَجَبَ مَهْرٌ تَامٌّ وَعِدَّةٌ مُبْتَدَأَةٌ: اگر شوہر نے بیوی کو طلاق بائن دی پھر اس کی عدت میں دوبارہ اس سے نکاح کر لیا اور وطی اور خلوت صحیحہ سے پہلے ہی اس کو طلاق دے دی تو شیخینؒ کے نزدیک دوسرے نکاح اور طلاق کی وجہ سے شوہر پر پورا مہر اور عورت پر مستقل دوسری عدت واجب ہوگی۔ اور امام محمدؒ کے نزدیک شوہر پر نصف مہر واجب ہوگا اور عورت پر پہلی عدت کا پورا کرنا واجب ہوگا۔ کیونکہ اس کو طلاق قبل الدخول دی گئی ہے۔ لہٰذا نہ تو مرد پر پورا مہر واجب ہوگا اور نہ ہی عورت کو عدت کی از سر نو ابتداء کرنا ہوگی۔ رہا پہلی عدت کا پورا کرنا تو وہ پہلی طلاق کی وجہ سے واجب ہے۔ شیخینؒ کی دلیل یہ ہے کہ عورت درحقیقت پہلی وطی ہی کی وجہ سے اپنے شوہر کے قبضہ میں ہے اور پہلی وطی کا اثر یعنی عدت ابھی باقی ہے تو گویا اس نے اس کو نکاح ثانی میں بھی دخول کے بعد طلاق دی ہے۔ اسی وجہ سے شوہر پر پورا مہر اور عورت پر مستقل دوسری عدت واجب ہوگی۔

وَلَوْ طَلَّقَ ذِمِّيٌّ ذِمِّيَّةً لَمْ تَعْتَدَّ: اگر ذمی مرد ذمیہ عورت کو طلاق دیدے تو امام صاحبؒ کے نزدیک ذمیہ پر عدت واجب نہیں ہے بشرطیکہ ان کے دین میں عدت نہ ہو اور صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ ذمیہ عورت پر عدت واجب ہے۔ لیکن امام صاحب کا قول اس صورت میں ہے جبکہ اہل ذمہ کا اعتقاد یہ ہو کہ ذمیہ مطلقہ پر عدت نہیں ہوتی

فَصْلٌ

فصل سابق میں مصنفؒ نے اس کو بیان کیا کہ کس پر عدت واجب ہے اور کس پر عدت واجب نہیں ہے اور زمانہ عدت کیا ہے تو یہاں سے یہ بیان کر رہے ہیں کہ عدت میں معتدہ کو کیا کرنا چاہیے۔

تُحِدُّ مُعْتَدَّةُ الْبَتِّ وَالْمَوْتِ بِتَرْكِ الزِّيْنَةِ وَالطِّيْبِ وَالْكُحْلِ وَالدُّهْنِ إِلَّا بِعُذْرٍ وَالْحِنَّاءِ وَلُبْسِ الْمُعَصْفَرِ وَالْمُزَعْفَرِ إِنْ كَانَتْ بَالِغَةً مُسْلِمَةً لَا مُعْتَدَّةُ الْعِتْقِ وَالنِّكَاحِ الْفَاسِدِ وَلَا تُخْطَبُ مُعْتَدَّةٌ وَصَحَّ التَّعْرِيْضُ وَلَا تَخْرُجُ مُعْتَدَّةُ الطَّلَاقِ مِنْ بَيْتِهَا وَمُعْتَدَّةُ الْمَوْتِ تَخْرُجُ الْيَوْمَ وَبَعْضَ اللَّيْلِ وَتَعْتَدَّانِ فِيْ بَيْتٍ وَجَبَتْ فِيْهِ إِلَّا أَنْ تُخْرَجَ أَوْ يَنْهَدِمَ بَانَتْ أَوْ مَاتَ عَنْهَا فِيْ سَفَرٍ وَبَيْنَهَا وَبَيْنَ مِصْرِهَا أَقَلُّ مِنْ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ رَجَعَتْ إِلَيْهِ وَلَوْ ثَلَاثَةً رَجَعَتْ أَوْ مَضَتْ مَعَهَا وَلِيٌّ أَوْ لَا وَلَوْ فِيْ مِصْرٍ تَعْتَدُّ ثُمَّ تَخْرُجُ بِمَحْرَمٍ

ترجمہ: وہ عورت سوگ منائے جس کو طلاق بائن ہوئی ہو یا شوہر مر گیا ہو، زیب و زینت، خوشبو، سرمہ، تیل ترک کرنے کے ساتھ مگر عذر کی وجہ سے، اور مہندی اور سرخ و زرد کپڑے کو ترک کرنے کے ساتھ۔ اگر عورت بالغہ مسلمہ ہو اگرچہ باندی ہو۔ سوگ نہ منائے وہ عورت جو آزادی کی اور نکاح فاسد کی عدت میں ہو، اور معتدہ کو نکاح کا پیغام نہ دیا جائے، ہاں تعریض صحیح ہے، اور طلاق کی عدت والی عورت اپنے گھر سے نہ نکلے اور وفات کی عدت والی عورت دن میں اور رات کے بعض حصہ میں نکل سکتی ہے، اور یہ دونوں اسی گھر میں عدت گزاریں جس میں عدت واجب ہوئی ہے، الا یہ کہ وہ عورت نکالی جائے یا گھر گر جائے، اور اگر وہ عورت سفر میں بائنہ ہوگئی یا اس کا شوہر مر گیا اور اس کے اور شہر کے درمیان تین دن سے کم کی مسافت ہو تو اپنے شہر کی طرف لوٹ جائے، اور اگر تین دن کا فاصلہ ہو تو چاہے لوٹ جائے چاہے تو اپنے مقصد کی طرف بھی جائے خواہ اس کے ساتھ ولی ہو یا نہ ہو، اور اگر کسی شہر میں تھی تو وہیں عدت گزارے پھر کسی محرم کے ساتھ نکلے۔

لغات: تُحِدُّ: حاء کے کسرہ اور دال کی تشدید کے ساتھ ہے، احداد سے مضارع کا صیغہ ہے، احداد کہتے ہیں عدت گزارنے والی کا زینت کو ترک کرنا، چنانچہ احدت المرأۃ احدادا اس وقت بولا جاتا ہے جب عورت اپنے شوہر کے مرنے پر زینت ترک کر دے، اسی طرح حدت تحد تحد حدادا "حاء" کے کسرے کے ساتھ یعنی حداد بھی استعمال ہوتا ہے، غرض یہ ثلاثی مزید فیہ اور مجرد دونوں سے آتا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ مصنف کا قول "تُحِدُّ" احداد سے بھی ہو سکتا ہے اور باب ضرب کے وزن پر ضرب یضرب اور باب نصر کے وزن پر حد یحد سے بھی ہو سکتا ہے۔

حداد کا مصداق

تُحِدُّ مُعْتَدَّةُ الْبَتِّ وَالْمَوْتِ بِتَرْكِ الزِّيْنَةِ وَالطِّيْبِ وَالْكُحْلِ وَالدُّهْنِ إِلَّا بِعُذْرٍ وَالْحِنَّاءِ وَلُبْسِ

المُعَصْفَرِ والمُزَعْفَرِ إنْ كانتْ بالغةً مُسلمةً: معتدہ بتہ یعنی وہ عورت جس سے حق رجعت منقطع ہو گیا ہو یعنی طلاق سے یا ایک طلاق بائنہ سے یا خلع کیا گیا ہو اور وہ عورت جس کا شوہر وفات پا گیا ہو، اگر یہ مسلمان بالغہ ہیں تو ان پر زینت کی اشیاء اور خوشبو، سرمہ، مہندی اور معصفر و مزعفر لباس اور تیل کے استعمال کو ترک کر کے سوگ کرنا واجب ہے۔ اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ معتدہ بتہ پر سوگ کرنا واجب نہیں۔ کیونکہ اس مرد نے اس کو بائنہ کرنے کی وجہ سے وحشت میں مبتلا کر دیا ہے۔ لہٰذا اس طلاق کی جدائی پر کوئی افسوس نہیں ہوگا۔ ہماری دلیل نبی کریم ﷺ کی حدیث ہے کہ آپ ﷺ نے معتدہ عورت کو رنگ حنا استعمال کرنے سے منع فرمایا اور فرمایا کہ حنا خوشبو ہے۔ صاحب کنز کے قول "إلا بعذر" سے مراد ہے کہ ان اشیاء کا استعمال بطور دوا جائز ہے، زینت کیلئے جائز نہیں۔

لا مُعْتَدَّةُ العِتْقِ والنِّكاحِ الفاسِدِ: ام ولد کے مولیٰ نے ام ولد کو آزاد کیا یا وہ مر گیا تو ام ولد پر اس کی عدت میں سوگ واجب نہیں ہے۔ یا کوئی عورت نکاح فاسد میں جدا ہوئی تو اس کی عدت میں بھی سوگ منانا ضروری نہیں۔ کیونکہ ان کے حق میں نعمت نکاح کا ازالہ نہیں ہوا کہ اظہار تاسف کریں۔

ولا تُخْطَبُ مُعْتَدَّةٌ وصَحَّ التَّعْريضُ: معتدہ عورتوں کو منگنی کا پیغام بھیجنا مناسب نہیں، البتہ اشارے کنائے سے کام لینے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ولا تعزموا عقدة النكاح حتى يبلغ الكتاب أجله﴾ اور ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ تعریض یہ ہے کہ یوں کہے کہ میں نکاح کرنا چاہتا ہوں یا کہے کہ میں چاہتا ہوں کہ مجھے کوئی نیک عورت مل جائے۔

مطلقہ اور متوفی عنہا زوجہا کا گھر سے نکلنے کا حکم

ولا تَخْرُجُ مُعْتَدَّةُ الطَّلاقِ مِنْ بَيْتِها ومُعْتَدَّةُ المَوْتِ تَخْرُجُ اليَوْمَ وبَعْضَ اللَّيْلِ وتَعْتَدّانِ في بَيْتٍ وَجَبَتْ فيهِ إلّا أنْ تُخْرَجَ أو يَنْهَدِمَ: جس عورت کو طلاق رجعی یا طلاق بائن دی گئی وہ رات یا دن میں اس مکان سے باہر نہ نکلے جس میں وہ فرقت کے وقت تھی، کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے ﴿ولا تخرجوهن من بيوتهن ولا يخرجن إلا أن يأتين بفاحشة مبينة﴾ "اور ان عورتوں کو ان کے رہنے کے گھروں سے مت نکالو (کیونکہ سکنی مطلقہ کا مثل منکوحہ کے واجب ہے۔) اور نہ وہ عورتیں خود نکلیں مگر ہاں کوئی کھلی بے حیائی کریں" تو اور بات ہے مثلاً بدکاری کا ارتکاب کیا یا چوری کی ہو تو سزا کیلئے نکالی جا سکتی ہیں۔ ہاں اگر وہ نکلنے پر مجبور ہو جائے مثلاً مکان کے گرنے کا اندیشہ ہے یا اپنی جان یا مال پر غارت گری کا خطرہ ہے تو مضائقہ نہیں۔ اور متوفی عنہا زوجہا کیلئے دن بھر اور رات کا کچھ حصہ گھر سے باہر رہنے کی اجازت ہے۔ البتہ رات اپنے مکان ہی میں گزارے کیونکہ متوفی عنہا زوجہا کیلئے نفقہ نہیں ہوتا ہے اس وجہ سے اس کو طلب معاش کیلئے گھر سے باہر رہنے کی ضرورت ہوتی ہے۔

شوہر نے سفر میں طلاق دیدی یا فوت ہوگیا تو عدت کہاں گذارے گی

بانت أو مات عنها في سفر وبينها وبين مصرها أقل من ثلاثة أيام رجعت إليه ولو ثلاثة رجعت أو مضت معها وليّ أو لا: عورت اپنے شوہر کے ساتھ کہیں جا رہی تھی کہ شوہر نے راستہ میں ایسی جگہ جہاں آبادی نہیں تھی اس کو طلاق بائن دیدی یا وہ مرگیا اب اگر اس مقام سے اس عورت کے شہر تک تین دن سے کم کی مسافت ہے تو لوٹ کر اپنے وطن چلی جائے اور وہاں جا کر عدت پوری کرے۔

اور اگر عورت اور اس کے شہر کے درمیان تین دن کی مسافت ہے اور جہاں وہ جانا چاہتی ہے وہ بھی تین دن کی مسافت پر ہے تو اس کو اختیار ہے چاہے تو واپس اپنے وطن چلی جائے چاہے تو وہاں چلی جائے جہاں جانا مقصود تھا اس کے ساتھ ولی ہو یا نہ ہو کیونکہ اس جگہ جنگل میں پڑے رہنے میں چلے جانے کی بہ نسبت زیادہ خوف ہے

ولو في مصر تعتد ثم تخرج بمحرم: اگر شوہر نے اپنی بیوی کو کسی شہر میں طلاق بائن دیدی یا وہ مرگیا تو امام صاحبؒ کے نزدیک عورت عدت پورا کرنے تک وہاں سے نہ نکلے یہاں تک کہ اپنی عدت پوری کر لے۔ پھر عدت پوری ہونے کے بعد اگر اس کے ساتھ کوئی محرم ہو تو نکل سکتی ہے اور صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ اگر اس عورت کے ساتھ محرم ہے تو عدت پوری کرنے سے پہلے بھی اس شہر سے نکلنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ امام صاحب کی دلیل یہ ہے کہ بغیر محرم سفر کرنے کے مقابلہ میں عدت میں نکلنا زیادہ ممنوع ہے چنانچہ عورت مدت سفر سے کم بغیر محرم کے سفر کر سکتی ہے لیکن معتدہ کیلئے یہ بھی جائز نہیں ہے پس جب عورت کیلئے بغیر محرم کے مدت سفر کی مقدار سفر کرنا حرام ہے تو عدت میں اس عورت کا سفر کرنا بدرجہ اولیٰ حرام ہوگا۔

بَابُ ثُبُوْتِ النَّسَبِ

ثبوت نسب کا بیان

عدت اور اس کے متعلق احکام بیان کرنے کے بعد اب مصنف ثبوت نسب اور اس کی کیفیت بیان کر رہے ہیں کیونکہ معتدہ حاملہ کیلئے نسب کا مسئلہ لازمی طور پر زیر بحث آتا ہے اور نسب کا لفظ نون اور سین کے فتحہ کے ساتھ "نسبه الى ابيه" مصدر ہے باپ کی طرف نسب ثابت کیا، اور کبھی محض ربط و تعلق کے معنی کیلئے آتا ہے۔

> مَنْ قَالَ إِنْ نَكَحْتُهَا فَهِيَ طَالِقٌ فَوَلَدَتْ لِسِتَّةِ أَشْهُرٍ مُذْ نَكَحَهَا لَزِمَهُ نَسَبُهُ وَمَهْرُهَا وَيَثْبُتُ نَسَبُ وَلَدِ مُعْتَدَّةِ الرَّجْعِيِّ وَإِنْ وَلَدَتْهُ لِأَكْثَرَ مِنْ سَنَتَيْنِ مَا لَمْ تُقِرَّ بِمُضِيِّ الْعِدَّةِ فَكَانَ رَجْعَةً فِي الْأَكْثَرِ مِنْهُمَا لَا فِي الْأَقَلِّ مِنْهُمَا وَالْبَتِّ لِأَقَلَّ مِنْهُمَا وَإِلَّا لَا إِلَّا أَنْ يَدَّعِيَهُ وَالْمُرَاهِقَةِ لِأَقَلَّ مِنْ تِسْعَةِ أَشْهُرٍ وَإِلَّا لَا وَالْمَوْتِ لِأَقَلَّ مِنْهُمَا وَالْمُقِرَّةِ بِمُضِيِّهَا لِأَقَلَّ مِنْ سِتَّةِ أَشْهُرٍ مِنْ وَقْتِ الْإِقْرَارِ وَإِلَّا لَا

سے کم میں بچہ پیدا ہوا تو اس بچہ کا نسب ثابت ہو جائیگا۔ کیونکہ یہ احتمال موجود ہے کہ طلاق کے وقت بچہ کا نطفہ قرار پا چکا ہو اور اس بات کا یقین نہیں ہے کہ نطفہ قرار پانے سے پہلے عورت کا فرج صحیح ہو زائل ہو گیا تھا لہٰذا احتیاطاً نسب ثابت ہو جائیگا۔ اور اگر فرقت کے وقت سے دو سال پورے ہونے کے بعد جنے تو نسب ثابت نہیں ہوگا کیونکہ یہ حمل یقیناً طلاق بائن کے بعد ہوا ہے تو شوہر کی جانب سے نہیں ہو سکتا ہے اس لئے کہ طلاق بائن کے بعد عورت سے وطی کرنا شوہر پر حرام ہے۔ الا یہ کہ شوہر اس کا دعویٰ کرے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ اس نے ایام عدت میں وطی بالشبہ کی ہو۔

مطلقہ مراہقہ کے بچے کے ثبوت نسب کا حکم

وَالْمُرَاهِقَةُ لِأَقَلَّ مِنْ تِسْعَةِ أَشْهُرٍ وَإِلَّا لَا: اگر مطلقہ مراہقہ طلاق کے وقت سے لے کر نو مہینے سے کم مدت میں بچہ جنے تو اس کا نسب ثابت ہو جائیگا اور مراہقہ سے مراد وہ ہے کہ اس جیسی عورتوں سے جماع ہو سکتا ہو اور وہ ایسی لڑکی ہے کہ بالغ ہو سکتی ہے مثلاً نو سال یا اس سے زیادہ عمر ہو چکی ہے لیکن ابھی تک اس میں علامات بلوغ ظاہر نہیں ہوئے یہ حکم طرفین کے نزدیک ہے امام ابو یوسفؒ مراہقہ کو کبیرہ کے مشابہ قرار دیتے ہیں طرفینؒ فرماتے ہیں کہ مراہقہ کیلئے عدت گزاری کا ایک ہی طریقہ ہے۔ یعنی مہینے گزرنے پر شریعت نے عدت کے اختتام کا حکم دے دیا اور حکم شرعی اس کے اقرار سے بڑھ کر ہے کیونکہ حکم شرعی میں کسی قسم کا اختلاف نہیں ہوتا کیونکہ حکم شرعی خلاف کا احتمال نہیں رکھتا ہے اور عورت کا اقرار خلاف اور جھوٹ کا احتمال رکھتا ہے۔ پس اگر عورت عدت گزرنے کا اقرار کر لیتی اور اس کے بعد چھ ماہ پر بچہ جنتی تو نسب ثابت نہیں ہوتا پس ثابت ہو گیا کہ اگر مراہقہ نے طلاق کے وقت سے نو ماہ پر بچہ جنا تو اس بچہ کا نسب ثابت نہیں ہوگا۔

وَالْمَوْتِ لِأَقَلَّ مِنْهُمَا: جس عورت کا شوہر مر گیا تو اس کے بچہ کا نسب ثابت ہوگا بشرطیکہ شوہر کی وفات سے دو سال کے اندر بچہ جنے۔ امام زفرؒ فرماتے ہیں کہ اگر عدت وفات یعنی چار ماہ دس دن گزرنے کے بعد چھ ماہ پر بچہ پیدا ہوا تو اس کا نسب ثابت نہیں ہوگا کیونکہ حمل ظاہر نہیں ہوا اس لئے اس کی عدت کا طریقہ متعین ہے جس طرح صغیرہ کی عدت کا طریقہ متعین ہے۔ یعنی تین ماہ اسی طرح متوفی عنہا زوجہا کی عدت کا بھی طریقہ متعین ہے۔ یعنی چار ماہ دس دن اب اگر اس کے بعد چھ ماہ سے زائد مدت میں بچہ جنے تو نسب ثابت نہیں ہوگا۔ ہم کہتے ہیں کہ متوفی عنہا زوجہا کی عدت گزرنے کا چار ماہ دس دن کے علاوہ ایک اور طریقہ بھی ہے اور وہ وضع حمل ہے اور متوفی عنہا زوجہا کو صغیرہ پر قیاس کرنا صحیح نہیں ہے۔

معتدہ انقضاء عدت کا اقرار کرے پھر چھ ماہ سے کم میں بچہ جنا تو اس کا نسب ثابت ہوگا

وَالْمُقِرَّةُ بِمُضِيِّهَا لِأَقَلَّ مِنْ سِتَّةِ أَشْهُرٍ مِنْ وَقْتِ الْإِقْرَارِ وَإِلَّا لَا: اگر کسی معتدہ عورت نے اقرار کیا کہ میری عدت پوری ہو گئی اور پھر چھ ماہ سے کم میں بچہ جنا تو نسب ثابت ہو جائیگا۔ اور اگر چھ مہینے کے بعد جنا تو نسب ثابت نہیں ہوگا۔ کیونکہ جب اقرار کے وقت سے چھ ماہ سے کم مدت میں بچہ پیدا ہوا تو معلوم ہوا کہ اقرار کے وقت یہ معتدہ حاملہ تھی تو اقرار ہی باطل ہو گیا اور

جب عدت گزرنے کے بارے میں اقرار باطل ہو گیا تو بچہ کا نسب ثابت ہو جائیگا۔ اور اگر اقرار کے وقت سے چھ ماہ پورے ہونے پر بچہ جنا تو نسب ثابت نہیں ہوگا کیونکہ اس صورت میں یہ احتمال ہے کہ اقرار کے بعد حمل ہوا ہو اس وجہ سے اقرار کا باطل ہونا یقینی نہیں ہے۔

والمعتدۃ إن جحدت ولادتها بشهادۃ رجلین أو رجل وامرأتین أو حبل ظاهر أو إقرار به أو تصدیق الورثة والمنکوحة لستة أشهر فصاعدا إن سکت وإن جحد فبشهادۃ امرأۃ علی الولادۃ فإن ولدت ثم اختلفا فقالت نکحتني منذ ستة أشهر وادعی الأقل فالقول لها وهو ابنه ولو علق طلاقها بولادتها وشهدت امرأۃ علی الولادۃ لم تطلق فإن أقر بالحبل طلقت بلا شهادۃ وأکثر مدۃ الحمل سنتان وأقلها ستة أشهر۔

ترجمہ: اور اگر معتدہ کے بچہ کی ولادت کا انکار کر دیا ہو تو اس کا نسب دو مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کی شہادت سے یا حمل ظاہر ہونے سے یا شوہر کے اس حمل کا اقرار کر لینے سے یا ورثہ کی تصدیق سے ثابت ہو جائیگا اور منکوحہ کے بچہ کا نسب چھ ماہ یا اس سے زائد میں ثابت ہوگا اگر شوہر خاموش رہے اور اگر وہ انکار کرے تو ولادت پر ایک عورت کی شہادت سے ثابت ہوگا پس اگر عورت کے بچہ ہوا پھر دونوں نے اختلاف کیا پس عورت نے کہا کہ تو نے مجھ سے چھ ماہ سے نکاح کیا ہے اور شوہر نے اس سے کم کا دعویٰ کیا تو عورت کا قول معتبر ہوگا اور بچہ شوہر کا ہوگا اور اگر اس کی طلاق کو معلق کیا اس کے بچہ ہونے پر اور ایک عورت نے ولادت پر گواہی دی تو طلاق واقع نہیں ہوگی۔ اور حمل کی اکثر مدت دو سال ہے اور کمتر مدت چھ ماہ۔

والمعتدۃ إن جحدت ولادتها بشهادۃ رجلین أو رجل وامرأتین أو حبل ظاهر أو إقرار به: اگر معتدہ کا حمل ظاہر ہو یا شوہر نے اس کے ظاہر ہونے کو پہلے اقرار کیا ہو تو امام صاحبؒ کے نزدیک محض ایک عورت کی گواہی سے ولادت ثابت ہو جائیگی اور اگر حمل ظاہر نہ ہو یا اس کے بارے میں شوہر کا اقرار نہ پایا جائے تو دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتوں کا گواہی دینا ضروری ہے۔ اور صاحبینؒ کے نزدیک بہر صورت ایک ہی عورت کی شہادت سے ولادت ثابت ہو جاتی ہے

أو تصدیق الورثة: اگر کوئی عورت اپنے شوہر کے انتقال کی وجہ سے عدت میں ہے پھر اس نے دو سال مکمل ہونے سے پہلے بچہ جننے کا دعویٰ کیا اور اس کے ورثہ نے ولادت کی تصدیق کی تو اس کا بچہ شوہر کا بیٹا شمار ہوگا اگرچہ اس ولادت پر دوسری کوئی شہادت نہ ہو

والمنکوحة لستة أشهر فصاعدا إن سکت وإن جحد فبشهادۃ امرأۃ علی الولادۃ: اگر ایک مرد نے کسی عورت سے نکاح کیا اور اس عورت نے نکاح کے وقت سے چھ ماہ کامل یا زیادہ مدت میں بچہ جنا تو اس کے بچہ کا نسب ثابت ہو جائیگا خواہ شوہر اقرار کرے یا خاموش رہے کیونکہ منکوحہ عورت کے ولد کے ثبوت نسب کیلئے اقرار کی کوئی حاجت نہیں ہوتی اور اگر شوہر عورت کی ولادت کا انکار کر دے تو ایک عورت کی گواہی سے نسب ثابت ہو جائیگا پھر اگر شوہر بچہ کی نفی کرے تو حکم یہ ہے کہ

یہ بچہ مجھ سے نہیں تو اس کو لعان کرنا ہوگا کیونکہ عورت کے فراش ہونے کی وجہ سے بچہ کا نسب ثابت ہو گیا اور رہی ولادت تو وہ ایک عورت کی گواہی سے ثابت ہوگی اور اگر وہ عورت چھ ماہ سے کم میں بچہ جنے تو نسب ثابت نہیں ہوگا کیونکہ حمل کی کم سے کم مدت چھ ماہ ہے اور بچہ پیدا ہوا چھ ماہ سے کم میں تو ثابت ہو گیا کہ یہ نطفہ اس شوہر سے نہیں ہے اور جب نطفہ اس کا نہیں تو اس سے نسب بھی ثابت نہیں ہوگا۔

فَإِنْ وَلَدَتْ ثُمَّ اخْتَلَفَا فَقَالَتْ نَكَحْتَنِي مُنْذُ سِتَّةِ أَشْهُرٍ وَادَّعَى الْأَقَلَّ فَالْقَوْلُ لَهَا وَهُوَ ابْنُهُ: اگر ایک عورت نے بچہ جنا پھر زوجین نے اختلاف کیا چنانچہ زوج نے دعویٰ کیا کہ نکاح کو چھ ماہ نہیں ہوئے تو امام صاحبؒ کے نزدیک عورت کا قول معتبر ہوگا بغیر قسم کے کیونکہ ظاہر حال عورت کے موافق ہے۔ اس لئے کہ مسلمان کی اولاد نکاح سے ہوتی ہے نہ کہ زنا سے۔

وَلَوْ عَلَّقَ طَلَاقَهَا بِوِلَادَتِهَا وَشَهِدَتْ امْرَأَةٌ عَلَى الْوِلَادَةِ لَمْ تَطْلُقْ: اگر شوہر نے اپنی بیوی کی طلاق کو اس کی ولادت سے معلق کیا اس کے بعد ایک عورت نے اس کی ولادت پر گواہی دی درانحالیکہ اس عورت کا حمل نہ تو ظاہر تھا اور نہ شوہر نے اس کے حاملہ ہونے کا اقرار کیا تھا تو امام صاحبؒ کے نزدیک طلاق واقع نہیں ہوگی۔ اور صاحبینؒ کے نزدیک طلاق واقع ہو جائیگی۔ کیونکہ ولادت ایک عورت کی گواہی سے ثابت ہو جاتا ہے پھر طلاق تو خود بخود ضمناً ثابت ہو جائیگی۔ اور امام صاحبؒ کی دلیل یہ ہے کہ ولادت ایک عورت کی شہادت سے بضرورت نسب ثابت ہوتی ہے اس لئے یہ حکم ثبوت طلاق کی طرف متعدی نہیں ہوگا اس لئے کہ قاعدہ ہے "لان الثابت بالضرورة يتقدر بقدرها" اور طلاق تابع ولادت میں سے نہیں ہے کیونکہ ان میں سے ہر ایک دوسرے کے بغیر پائی جاتی ہے۔

كَانَ أَقَرَّ بِالْحَبَلِ طَلُقَتْ بِلَا شَهَادَةٍ: اگر شوہر نے حمل کا اقرار کیا اور پھر اس کی ولادت پر طلاق کو معلق کیا اس کے بعد عورت نے ولادت کا دعویٰ کیا اور شوہر نے انکار کیا تو امام صاحبؒ کے نزدیک بغیر شہادت کے عورت پر طلاق واقع ہو جائیگی اور صاحبینؒ کے نزدیک ثبوت ولادت کیلئے دایہ کی شہادت شرط ہے کیونکہ عورت شوہر پر دعویٰ کر رہی ہے کہ اس کی شرط متحقق ہوگئی تو ثبوت دعویٰ کیلئے دلیل کا ہونا ضروری ہے۔ اور امام صاحبؒ کی دلیل یہ ہے کہ جب اس نے حمل کا اقرار کر لیا تو گویا اس نے ولادت کا اقرار کر لیا۔ کیونکہ ولادت مرتب ہوتی ہے حمل پر۔

حمل کی اکثر مدت اور اقل مدت کتنی ہے

وَأَكْثَرُ مُدَّةِ الْحَمْلِ سَنَتَانِ وَأَقَلُّهَا سِتَّةُ أَشْهُرٍ: ہمارے نزدیک حمل کی زیادہ سے زیادہ مدت دو سال ہے اس باب میں اصل حضرت عائشہؓ کا قول ہے کہ عورت کا حمل دو سال سے چرخے کے سایہ برابر بھی آگے نہیں بڑھ سکتا۔ (بیہقی)۔ اور یہ بات طے شدہ ہے کہ جو باتیں عقل سے بالاتر ہوتی ہیں ان میں صحابی کا قول خصوصاً مقادیر اور عدد کے بارے میں نبی کریم ﷺ سے سماعت پر محمول ہوتا ہے اور امام شافعیؒ کے نزدیک چار سال ہے۔ اور امام زہریؒ کے نزدیک سات سال ہے۔ امام شافعیؒ کی دلیل

یہ واقعہ ہے کہ ضحاک چار سال کے ہو کر پیدا ہوئے ان کے اگلے دو دانت اُگ گئے تھے اور وہ ہنس رہے تھے اس لئے ان کا نام ضحاک پڑ گیا۔ نیز عبد العزیز ماجشونؒ بھی چار سال پر پیدا ہوئے۔ ہم کہتے ہیں کہ یہ واقعات شاذ و نادر ہیں اور حکم قضاء عموم احوال پر مبنی ہوتا ہے اور حمل کی اقل مدت بالاتفاق چھ ماہ ہیں کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے "وحمله وفصاله ثلاثون شهرا" یعنی حمل میں رہنے اور دودھ چھوڑنے کی مدت تیس ماہ ہے پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا "وفصاله في عامين" یعنی بچہ کا دودھ چھوڑنا دو برس میں ہوتا ہے۔ پس مدت حمل چھ ماہ رہی۔

فلو نكح أمة فطلقها فاشتراها فولدت لأقل من ستة أشهر منه لزمه وإلا لا ومن قال لأمته إن كان في بطنك ولد فهو مني فشهدت امرأة بالولادة فهي أم ولده ومن قال لغلام هو ابني ومات فقالت أمه أنا امرأته وهو ابنه يرثانه فإن جهلت حريتها فقال وارثه أنت أم ولد أبي فلا ميراث لها

ترجمہ: پس اگر باندی سے نکاح کیا پھر اس کو طلاق دیدی پھر اس کو خرید لیا پس خریدنے کے وقت سے چھ ماہ سے کم میں بچہ ہوا تو وہ اس کو لازم ہو جائیگا ورنہ نہیں جس شخص نے اپنی باندی سے کہا کہ اگر تیرے پیٹ میں بچہ ہو تو وہ مجھ سے ہے پھر ایک عورت نے ولادت پر گواہی دی تو وہ باندی اس کی ام ولد ہوگی اور جس نے کسی لڑکے کے متعلق کہا کہ وہ میرا بیٹا ہے اور وہ مر گیا پھر اس لڑکے کی ماں نے کہا کہ میں اس کی بیوی ہوں اور یہ اس کا بیٹا ہے مجھ سے تو یہ دونوں اس کے وارث ہوں گے، پھر اگر اس عورت کا حرہ ہونا کسی کو معلوم نہ ہو اور مرنے والے کے وارث کہہ کہ تو میرے باپ کی ام ولد ہے تو عورت کو میراث نہیں ملے گی۔

فلو نكح أمة فطلقها فاشتراها فولدت لأقل من ستة أشهر منه لزمه وإلا لا: اگر کسی شخص نے کسی لونڈی سے نکاح کیا پھر اس کو طلاق دیدی اس کے بعد اس کو خرید لیا اب اگر وہ خریدنے کے وقت سے چھ مہینے کے درمیان اگر چھ مہینے سے کم مدت ہو تو یہ حمل یقیناً خریدنے سے پہلے کا ہوگا۔ جبکہ یہ اس کی منکوحہ تھی تو اپنی منکوحہ کے بچہ کا نسب بغیر دعویٰ کے ثابت ہو جاتا ہے۔ لیکن اگر چھ ماہ یا اس سے زیادہ کی مدت میں بچہ جنے تو یہ بچہ اس کی مملوکہ کی طرف منسوب ہوگا تو بغیر دعویٰ کے مالک کے حق میں لازم نہیں ہوگا۔

ومن قال لأمته إن كان في بطنك ولد فهو مني فشهدت امرأة بالولادة فهي أم ولده: اور اگر کسی شخص نے اپنی لونڈی سے کہا کہ اگر تیرے پیٹ میں بچہ ہو تو وہ میرا ہے پھر ایک عورت نے اس کی ولادت پر گواہی دی تو لڑکے کا نسب اس سے ثابت ہو جائیگا اور وہ لونڈی اس کی ام ولد ہو جائیگی۔ کیونکہ نسب ثابت ہونے کا سبب یہ ہے کہ مولیٰ نسب کا دعویٰ کرے اور مولیٰ کی طرف سے یہ پایا گیا کیونکہ اس نے کہا ہے "فهو مني" یعنی یہ حمل میرے نطفے سے ہے۔

ومن قال لغلام هو ابني ومات فقالت أمه أنا امرأته وهو ابنه يرثانه فإن جهلت حريتها فقال وارثه أنت أم ولد أبي فلا ميراث لها: اگر کسی نے کسی چھوٹے بچے کے بارے میں کہا کہ یہ میرا لڑکا ہے اس کے بعد وہ شخص مر

گیا اور لڑکے کی ماں نے کہا کہ یہ لڑکا واقعی اس شخص کا بیٹا ہے اور میں اس کی بیوی ہوں تو دونوں اس اقرار کرنے والے شخص کے وارث ہوں گے۔ کیونکہ یہ مسئلہ اس صورت پر ہے جبکہ اس عورت کا آزاد ہونا اور اس لڑکے کی ماں ہونا لوگوں میں مشہور ہو۔ اور ثبوت نسب کیلئے شرعاً اور عادۃً نکاح صحیح متعین ہے۔ پس چونکہ لڑکے کی ماں کا آزاد ہونا مشہور ہے اس لئے ملک یمین کے طور پر وطی کرنے کا احتمال ختم ہو گیا۔ اور چونکہ ثبوت نسب کیلئے نکاح صحیح متعین ہے اس لئے نکاح فاسد اور وطی بالشبہ کا احتمال ختم ہو گیا۔ اور اگر لڑکے کی ماں کا آزاد ہونا مشہور نہ ہو اور ورثہ نے کہا کہ تو ہمارے باپ کی ام ولد ہے تو اس عورت کو میراث نہیں ملے گی۔ البتہ لڑکا وارث ہوگا۔

بَابُ الْحَضَانَةِ

پرورش کا بیان

نسب کا تعلق باپ سے اور پرورش کا تعلق ماں سے ہے اس لئے نسب کے بعد حضانت کو ذکر فرما رہے ہیں حضانت حاء کے کسرہ اور بعض نے کہا فتحہ کے ساتھ بھی منقول ہوتا ہے بمعنی پرورش کرنا۔ حضن الصبی حضنا حضانۃ یعنی بچہ کو گود میں لیا اور پرورش کی "حضن" گود کو بھی کہا جاتا ہے۔

أَحَقُّ بِالْوَلَدِ أُمُّهُ قَبْلَ الْفُرْقَةِ وَبَعْدَهَا ثُمَّ أُمُّ الْأُمِّ ثُمَّ أُمُّ الْأَبِ ثُمَّ الْأُخْتُ لِأَبٍ وَأُمٍّ ثُمَّ لِأُمٍّ ثُمَّ لِأَبٍ ثُمَّ الْخَالَاتُ كَذٰلِكَ ثُمَّ الْعَمَّاتُ كَذٰلِكَ وَمَنْ نَكَحَتْ غَيْرَ مَحْرَمِهِ سَقَطَ حَقُّهَا ثُمَّ تَعُوْدُ بِالْفُرْقَةِ ثُمَّ الْعَصَبَاتُ بِتَرْتِيْبِهِمْ وَالْأُمُّ وَالْجَدَّةُ أَحَقُّ بِهِ حَتّٰى يَسْتَغْنِيَ وَقُدِّرَ بِسَبْعِ سِنِيْنَ وَبِهَا حَتّٰى تَحِيْضَ وَغَيْرُهُمَا أَحَقُّ بِهَا حَتّٰى تُشْتَهٰى وَلَا حَقَّ لِلْأَمَةِ وَأُمِّ الْوَلَدِ مَا لَمْ يُعْتَقَا وَالذِّمِّيَّةُ أَحَقُّ بِوَلَدِهَا الْمُسْلِمِ مَا لَمْ يَعْقِلْ دِيْنًا وَلَا خِيَارَ لِلْوَلَدِ وَلَا تُسَافِرُ مُطَلَّقَةٌ بِوَلَدِهَا إِلَّا إِلٰى وَطَنِهَا وَقَدْ نَكَحَهَا ثَمَّ

ترجمہ: فرقت سے پہلے اور فرقت کے بعد بچہ کی زیادہ حقدار اس کی ماں ہے پھر نانی پھر دادی پھر حقیقی بہن پھر اخیافی بہن پھر علاتی بہن پھر خالائیں اسی طرح پھر پھوپھیاں اسی طرح، اور جو عورت بچے کے غیر محرم سے نکاح کر لے تو اس کا حق ساقط ہو جائیگا اور جدائی کی وجہ سے اس کا حق پھر لوٹ آئیگا پھر عصبات وراثت کی ترتیب پر اور ماں اور دادی بچہ کی زیادہ حقدار ہیں یہاں تک کہ بچہ مستغنی ہو جائے جس کا اندازہ سات سال کے ساتھ لگایا گیا ہے اور لڑکی کی حقدار ہیں یہاں تک کہ وہ حائضہ ہو اور ان کے سوا عورتیں لڑکی کی حقدار ہیں یہاں تک کہ وہ مردوں کی خواہش کے لائق ہو جائے اور باندی اور ام ولد کو کوئی حق نہیں جب تک کہ وہ آزاد نہ ہوں اور ذمیہ اپنے مسلم بچہ کی حقدار ہے جب تک کہ وہ مذہب کو نہ سمجھے اور بچہ کو کوئی اختیار نہیں اور مطلقہ عورت اپنے بچے کے ساتھ سفر نہ کرے مگر اپنے وطن کی طرف جہاں اس کا نکاح ہوا تھا۔

أَحَقُّ بِالْوَلَدِ أُمُّهُ قَبْلَ الْفُرْقَةِ وَبَعْدَهَا ثُمَّ أُمُّ الْأُمِّ ثُمَّ أُمُّ الْأَبِ ثُمَّ الْأُخْتُ لِأَبٍ وَأُمٍّ ثُمَّ لِأُمٍّ ثُمَّ لِأَبٍ ثُمَّ

ثُمَّ الْخَالَاتُ كَذٰلِكَ ثُمَّ الْعَمَّاتُ كَذٰلِكَ: بچہ کی پرورش کی اول حقدار ماں ہے خواہ شوہر اسے طلاق دے چکا ہو یا نہ دی ہو کیونکہ حدیث مبارکہ میں ہے کہ ایک عورت نے عرض کیا یا رسول اللہ میرے اس بیٹے کیلئے میرا پیٹ حفاظت خانہ تھا اور میرے پستان میں اس کی سیرابی ہے اور اس کے باپ نے مجھے طلاق دیدی اب وہ چاہتا ہے کہ اسے مجھ سے چھین لے آپ ﷺ نے فرمایا جب تک تو نکاح نہ کرلے تب تک تو اس کی زیادہ مستحق ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ ماں بچہ پر باپ سے زیادہ شفیق اور زیادہ خیال رکھنے والی ہوتی ہے اور اسی لئے ماں کی قرابتوں کو باپ کی قرابتوں پر مقدم رکھا گیا ہے اور ماں نہ ہو تو نانی حقدار ہے اگرچہ اوپر کے درجہ کی ہو اور نانی نہ ہو تو دادی حقدار ہے اور دادی نہ ہو تو حقیقی بہن پھر اخیافی بہن پھر علاتی بہن پھر خالائیں اسی طرح یعنی اول ماں کی حقیقی بہنیں پھر ماں کی اخیافی بہنیں پھر ماں کی علاتی بہنیں کیونکہ خالہ ماں کی بہن ہے تو ماں کی حقیقی بہن مقدم ہوگی پھر ماں ہی جیسی ہے اس لئے ماں کے بعد ماں کی طرف کی قرابت مقدم ہوگی باپ کی طرف کی قرابت پر پھر اس کی پھوپھی حقدار ہوگی اسی ترتیب پر یعنی اول باپ کی حقیقی بہن پھر اخیافی پھر علاتی۔

وَمَنْ نَكَحَتْ غَيْرَ مَحْرَمِهِ سَقَطَ حَقُّهَا ثُمَّ تَعُودُ بِالْفُرْقَةِ: اور جن عورتوں کو بچہ کی پرورش کرنے کا حق ہے ان میں سے اگر کسی نے بچے کے غیر محرم سے نکاح کرلیا تو اس کا حق پرورش ساقط ہو جائیگا کیونکہ نبی کریم ﷺ نے بچہ کی ماں سے فرمایا تھا "انت احق به مالم تتزوجی" تو بچہ کی زیادہ حقدار ہے جب تک تو نکاح نہ کرے۔ دوسری بات یہ ہے کہ اس بچہ کی ماں کا شوہر جب اجنبی مرد ہوگا تو وہ اس بچہ کو تھوڑی چیز دے گا اور اس کو حقارت کی نگاہ سے دیکھے گا لہٰذا بچہ کو ان کی پرورش میں دینا اس کے حق میں کسی طرح کی شفقت نہیں ہے۔ اور جس عورت کا حق پرورش کسی اجنبی مرد سے نکاح کرنے کی وجہ سے زائل ہوگیا تو جب کبھی ان دونوں میں زوجیت ختم ہو جائے تو اس کا حق پرورش لوٹ آئیگا کیونکہ جو چیز روکنے والی تھی وہ جاتی رہی۔

پرورش میں ترتیب عصبات کا بیان

ثُمَّ الْعَصَبَاتُ بِتَرْتِيبِهِمْ: اگر بچہ کے خاندان میں اس کی پرورش کرنے والی کوئی عورت نہ ہو تو پرورش کا سب سے زیادہ مستحق وہ مرد ہے جو عصبہ ہونے میں اس بچہ سے سب سے قریب ہو کیونکہ ولایت کا حق زیادہ قرابت والے کو ہوتا ہے اور عصبات کی ترتیب وہی ہے جو وراثت میں ہے اور وہ ترتیب یہ ہے باپ پھر دادا، پردادا اگرچہ اس سے بھی اوپر ہو، پھر حقیقی بھائی پھر باپ شریک بھائی پھر حقیقی بھائی کا بیٹا پھر باپ شریک بھائی کا بیٹا الی آخرہ۔

وَالْأُمُّ وَالْجَدَّةُ أَحَقُّ بِهِ حَتَّى يَسْتَغْنِيَ وَقُدِّرَ بِسَبْعِ سِنِينَ: ماں اور نانی یا دادی لڑکے کی پرورش کی اس وقت تک مستحق ہے جب تک کہ لڑکا عورتوں کے پاس رہنے سے مستغنی نہ ہو اور استغناء کے ذکر کی وجہ یہ ہے کہ بچہ جب مستغنی ہو گیا تو وہ مردوں کے آداب و اخلاق سیکھنے کا محتاج ہوگا اور بچہ کو مؤدب اور مہذب بنانے میں باپ کو زیادہ قدرت ہے لہٰذا اب وہ ماں کی تربیت سے نکل کر باپ کی تربیت میں داخل ہوگا امام ابوبکر خصاف نے مستغنی ہو جانے کا اندازہ سات برس کیساتھ کیا ہے کیونکہ بچہ

سات سال کی عمر میں باختلاف روایات ماں کی پرورش سے مستغنی ہو جاتا ہے اور وہ کیلا استنجا کرنے پر قادر ہو جاتا ہے اسی پر فتویٰ ہے۔

وَبِهَا حَتّٰى تَحِيْضَ: لڑکی حیض آنے کے وقت تک ماں اور نانی کی پرورش میں رہے گی کیونکہ پرورش سے مستغنی ہونے کے بعد اس کو عورتوں کے آداب سیکھنے کی حاجت ہے مثلاً کھانا پکانا کپڑے دھونا اور عورت بہ نسبت مرد کے ان چیزوں پر زیادہ قادر ہے کیونکہ اگر لڑکی باپ کے حوالے کر دی گئی تو مردوں کے ساتھ گھل مل کر رہنے کی وجہ سے اس میں حیا کم ہو جائیگی حالانکہ حیا عورتوں کی زینت ہے اور بالغ ہونے کے بعد اس کو نکاح کے ذریعہ محصنہ کرنے اور زنا سے حفاظت کرنے کی ضرورت ہے اور باپ کو اس کام پر زیادہ قدرت حاصل ہے اس لئے بالغ ہونے کے بعد لڑکی کا باپ ہی کا زیادہ حقدار ہے۔

وَغَيْرُهُمَا اَحَقُّ بِهَا حَتّٰى تُشْتَهٰى: ماں اور نانی اور دادی کے علاوہ دوسری عورتیں اس وقت تک پرورش کی حقدار ہوتی ہے جب تک لڑکی کے دل میں شہوانی جذبات پیدا نہ ہوں کیونکہ صغیرہ اگرچہ عورتوں کے آداب سیکھنے کی محتاج ہے لیکن آداب کھانے میں صغیرہ سے ایک گونہ خدمت لینا پڑتی ہے اور ماں اور نانی اور دادی کے علاوہ کو شرعاً خدمت لینے کا حق نہیں ہے۔

وَلَا حَقَّ لِلْاَمَةِ وَاُمِّ الْوَلَدِ مَا لَمْ يُعْتَقَا: لونڈی اور ام ولدہ کا پرورش کرنے میں کوئی حق نہیں ہے جب تک کہ یہ دونوں آزاد نہ کر دی جائیں کیونکہ یہ دونوں مولیٰ کی خدمت میں مشغول ہونے کی وجہ سے بچہ کی پرورش کرنے سے عاجز ہیں دوسری بات یہ ہے کہ حق حضانت ایک طرح کی ولایت ہے اور ان دونوں کو خود اپنے نفس پر ولایت نہیں ہے تو دوسروں پر بدرجہ اولیٰ ولایت نہیں ہوگی اور اگر یہ دونوں آزاد ہو گئیں تو بچہ کی پرورش میں ان کا حق بھی آزاد عورت کے مانند ہوگا۔

ذمیہ اپنے مسلمان بچہ کی پرورش کی کب تک مستحق ہے

وَالذِّمِّيَّةُ اَحَقُّ بِوَلَدِهَا الْمُسْلِمِ مَا لَمْ يَعْقِلْ دِيْنًا: ذمیہ عورت اپنے مسلمان بچہ کی پرورش کی سب سے زیادہ حقدار ہے لیکن یہ استحقاق ذمیہ کے واسطے اسی وقت تک ہوگا جب تک کہ بچہ میں دین کی سمجھ نہ ہو اور بچے کے کفر سے مانوس ہونے کا ڈر نہ ہو اور جب بچہ اپنی دین و مذہب کو سمجھنے لگے یا بچے کے کفر سے مانوس ہونے کا اندیشہ ہو تو اس حالت میں بچہ کی پرورش کرنے کی مستحق ذمیہ عورت نہیں ہوگی کیونکہ حضانت کا مدار شفقت پر ہے اور یہ اپنے بچے پر سب سے زیادہ شفیق ہے تو بچے کے بارے میں شفقت کو پیش نظر رکھتے ہوئے اسی کی ماں کے سپرد کر دیا جائیگا۔

وَلَا خِيَارَ لِلْوَلَدِ: اور بچہ کو مربی پسند کرنے کے بارے میں اختیار نہیں دیا جائیگا بخلاف امام شافعیؒ کے کہ ان کے نزدیک لڑکے کو اختیار دیا جائیگا ہم کہتے ہیں کہ اس عمر میں وہ اپنے بارے میں جو وقتی نافع اور مفید ہو اسے اختیار نہیں کر سکتا ہے اس لئے خیار دینا فضول بلکہ مضر ہوگا جبکہ وہ اپنی کم عقلی کی وجہ سے اس کو اختیار کریگا اور اس کو ترجیح دے گا جو اس کو تعلیم کے واسطے فارغ چھوڑ دے اور ظاہر ہے کہ ایسا کرنے میں غیر شفقت متحقق نہیں ہوتی چنانچہ حضرت عمرؓ اور ان کی مطلقہ بیوی کے درمیان جب اپنے طفل صغیر کی پرورش کے بارے نزاع ہوا تو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے بچہ کو خیار دینے کے بجائے اسے ماں کے سپرد کر دیا۔

وَلَا تُسَافِرُ مُطَلَّقَةٌ بِوَلَدِهَا إِلَّا إِلَى وَطَنِهَا وَقَدْ نَكَحَهَا ثَمَّ : اور مطلقہ عورت کیلئے جائز نہیں ہے کہ اپنے فرزند کو کسی سفر میں لے جائے البتہ اپنے وطن اصلی کی طرف لے جا سکتی ہے جہاں اس کا نکاح ہوا تھا کیونکہ اپنی زوجہ کیساتھ اس کے وطن میں عقد کرنا اس بات کا قرینہ ہے کہ وہ اس کے وطن میں عورت کی اقامت پر رضامند ہے۔

بَابُ النَّفَقَةِ

نفقہ کا بیان

اس سے پہلے مصنفؒ نے بچہ کی پرورش کرنے کے حق کو بیان فرمایا اور ان کو بیان فرمایا جن کیلئے پرورش کرنے کا حق ہے اس سے فراغت کے بعد اس باب میں نفقہ کے احکام اور جن پر نفقہ واجب ہے ان کو بیان کر رہے ہیں۔ جو نفقہ واجب ہوتا ہے اس کے تین سبب ہیں ا۔ زوجیت ۲۔ قرابت ۳۔ ملکیت، اس باب میں اس کے احکام کا بیان ہے اور نفقہ تینوں حروف کے فتحہ کے ساتھ اس مال کو کہا جاتا ہے جو آدمی اپنے اہل وعیال پر خرچ کرتا ہے یہ نفوق سے ماخوذ ہے جس کے معنی ہلاک ہونا، چنانچہ (نفقت الدابۃ نفوقا) بولا جاتا ہے جبکہ جانور ہلاک ہو جائے آدمی جو خرچ کرتا ہے اسے نفقہ اس لئے کہا جاتا ہے کہ خرچ سے مال ہلاک ہو جاتا ہے اور حالت درست رہتی ہے اور شرعاً اس کا مطلب ہے کھانا اور اس کے تعلقات لباس اور اس کے تعلقات اور سکونت اور اس کے تعلقات یہی وجہ ہے کہ باب النفقہ کے عنوان میں فقہاء لباس و سکنی کے احکام بیان کرتے ہیں البتہ کبھی صرف طعام اور اس کے تعلقات پر شرعاً نفقہ کا اطلاق ہوتا ہے چنانچہ ان کا قول "تجب النفقۃ والکسوۃ والسکنی" میں صرف طعام کا مفہوم مراد ہے کیونکہ عطف معطوف اور معطوف علیہ کے درمیان مغایرت کا تقاضا کرتا ہے۔

تَجِبُ النَّفَقَةُ لِلزَّوْجَةِ عَلَى زَوْجِهَا وَالْكِسْوَةُ بِقَدْرِ حَالِهِمَا وَلَوْ مَانِعَةً نَفْسَهَا لِلْمَهْرِ لَا نَاشِزَةً وَصَغِيرَةً لَا تُوطَأُ وَمَحْبُوسَةً بِدَيْنٍ وَمَغْصُوبَةً وَحَاجَّةً مَعَ غَيْرِ الزَّوْجِ وَمَرِيضَةً لَمْ تُزَفَّ وَلِخَادِمِهَا لَوْ مُوسِرًا وَلَا يُفَرَّقُ بِعَجْزِهِ عَنِ النَّفَقَةِ وَتُؤْمَرُ بِالِاسْتِدَانَةِ عَلَيْهِ وَتَتِمُّ نَفَقَةُ الْيَسَارِ بِطُرُوِّهِ وَإِنْ قُضِيَ بِنَفَقَةِ الْإِعْسَارِ وَلَا تَجِبُ نَفَقَةٌ مَضَتْ إِلَّا بِالْقَضَاءِ أَوِ الرِّضَا وَبِمَوْتِ أَحَدِهِمَا تَسْقُطُ الْمَقْضِيَّةُ وَلَا تُرَدُّ الْمُعَجَّلَةُ وَيُبَاعُ الْقِنُّ فِي نَفَقَةِ زَوْجَتِهِ وَنَفَقَةُ الْأَمَةِ الْمَنْكُوحَةِ إِنَّمَا تَجِبُ بِالتَّبْوِئَةِ.

ترجمہ: بیوی کا نفقہ اور کپڑا اس کے شوہر پر واجب ہے دونوں کی حالت کے مطابق اگرچہ عورت خود کو مہر کی خاطر روکنے والی ہو نہ کہ وہ سرکش ہو اور اتنی کم عمر ہو کہ اس سے وطی نہ کی جا سکتی ہو اور قرض کی وجہ سے قید ہو اور مغصوبہ ہو اور غیر شوہر کیساتھ حج کرنے والی ہو اور ایسی بیمار ہو کہ اس سے شب زفاف کی بھی نوبت نہ آئی ہو اور اس کے خادم کا نفقہ اگر شوہر مالدار ہو اور اگر شوہر نفقہ سے عاجز ہو تو تفریق نہیں کرائی جائیگی بلکہ عورت کو شوہر کے نام پر قرض لینے کا حکم دیا جائیگا اور مالداری کا نفقہ پورا کیا جائیگا شوہر کے مالدار ہونے کی وجہ سے اگرچہ

یعنی نفقہ علیٰ کو حکم کر چکا ہو اور گذشتہ ایام کا نفقہ واجب نہیں ہے مگر قضا کے ساتھ یا رضا کے ساتھ اور کسی ایک کے مر جانے سے مقرر کردہ نفقہ ساقط ہو جاتا ہے اور پیشگی دیا ہوا نفقہ واپس نہ لیا جائیگا غلام کو اس کی بیوی کے نفقہ میں فروخت کیا جائیگا۔

تجب النفقة للزوجة على زوجها والكسوة: بیوی کا نفقہ اس کے شوہر پر واجب ہے بیوی خواہ مسلمان ہو یا کتابیہ بشرطیکہ وہ اپنی ذات اپنے شوہر کے گھر سپرد کردے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے قول ﴿وعلى المولود له﴾ میں کوئی تفصیل نہیں ہے تو شوہر پر اس کا نفقہ اس کا کپڑا اور اس کی سکونت واجب ہوگی۔

نفقہ میں مرد و عورت دونوں کی حیثیت کا اعتبار ہے

بقدر حالهما: اور نفقہ میں دونوں کی حیثیت کا اعتبار ہے چنانچہ اگر دونوں غنی ہیں تو غنا کا نفقہ اور اگر دونوں تنگدست ہیں تو تنگدستی کا نفقہ واجب ہے اور اگر شوہر مالدار اور بیوی نادار یا اس کا برعکس ہو تو دونوں کے حال کے بین بین نفقہ واجب ہوگا۔ یہی امام خصافؒ کا قول ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔

جن صورتوں میں شوہر پر نفقہ واجب نہیں ہوتا

ولو منعت نفسها للمهر: اگر عورت مہر معجل وصول کرنے کیلئے اپنے آپ کو شوہر کے حوالہ کرنے سے روک لے تو عورت کا نفقہ شوہر پر واجب ہوگا کیونکہ عورت کا اپنے آپ کو روکنا اپنے حق کی وجہ سے ہے پس احتباس فوت ہی نہیں ہوا اور جب عورت کی جانب سے احتباس فوت نہیں ہوا تو اس کا نفقہ بھی ساقط نہیں ہوگا۔

لا ناشزة وصغيرة لا توطأ: اور اگر عورت نے نافرمانی اور سرکشی کی تو اس کیلئے نفقہ نہیں ہوگا یہاں تک کہ وہ سرکشی چھوڑ کر شوہر کے گھر واپس آجائے کیونکہ نفقہ اس کے احتباس پر واجب تھا اور جب اس نے احتباس کو خود زائل کر دیا تو نفقہ بھی ساقط ہو گیا۔ اور اسی طرح اگر عورت ایسی صغیرہ ہے کہ اس کے ساتھ جماع نہیں کیا جا سکتا تو اس کیلئے شوہر پر نفقہ واجب نہیں ہے خواہ یہ شوہر کے مکان میں ہو یا شوہر کے مکان میں نہ ہو یہاں تک کہ جماع کے قابل ہو جائے یہی جمہور علماء کا مذہب ہے کیونکہ عورت کی جانب سے مانع ہے کہ تسلیم صحیح متحقق نہیں ہوا اس لئے شوہر پر نفقہ بھی واجب نہیں ہوگا۔

ومحبوسة بدين ومغصوبة وحاجة مع غير الزوج ومريضة لم تزف: اور اگر عورت اپنے قرض میں قید ہوگئی یا کوئی اس کو غصب کر کے لے گیا اگرچہ جبراً ہو یا بغیر شوہر کے حج پر چلی گئی یا رخصتی سے پہلے باپ کے گھر میں مریض ہوگئی تو نفقہ نہیں ملے گا کیونکہ ان صورتوں میں احتباس کا زائل ہونا عورت کی جانب سے پایا گیا ہے تو شوہر پر نفقہ بھی واجب نہیں ہوگا۔

ولخادمها لو موسرا: اور اگر شوہر مالدار ہے تو طرفینؒ کے نزدیک اس پر ایک خادم کا نفقہ واجب ہے اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اس پر دو خادموں کا نفقہ واجب ہے ایک خادم گھر کے اندر کیلئے اور دوسرا باہر کیلئے اور طرفینؒ فرماتے ہیں کہ ایک ہی خادم دونوں قسم کا کام انجام دے سکتا ہے لہٰذا دوسرے خادم کی ضرورت نہیں ہے۔

وَمَحْبُوسَةٌ بِدَيْنٍ وَمَغْصُوبَةٌ وَحَاجَّةٌ مَعَ غَيْرِ الزَّوْجِ وَمَرِيضَةٌ لَمْ تُزَفَّ وَلِخَادِمِهَا لَوْ مُوسِرًا وَلَا يُفَرَّقُ بِعَجْزِهِ عَنِ النَّفَقَةِ وَتُؤْمَرُ بِالْاِسْتِدَانَةِ عَلَيْهِ: اگر شوہر اپنی بیوی کے نفقہ سے عاجز ہو جائے تو اس وجہ سے ان دونوں کے درمیان تفریق نہیں کی جائیگی بلکہ قاضی عورت کو کہے کہ اپنے شوہر کے نام پر قرض لے لے کہ شوہر کے مالدار ہونے پر اس کے مال سے ادا کر دیا جائیگا اور امام شافعیؒ اور امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ دونوں میں تفریق کر دی جائے پھر یہ تفریق امام شافعیؒ امام احمدؒ کے نزدیک فسخ نکاح ہے اور امام مالکؒ کے نزدیک طلاق ہے ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ شوہر نفقہ نہ دینے کی وجہ سے امساک بالمعروف سے عاجز ہو گیا تو شوہر پر تسریح بالاحسان لازم ہے اور چونکہ وہ تسریح بالاحسان سے رک گیا اس لئے قاضی تسریح بالاحسان میں شوہر کا قائم مقام ہو کر تفریق کر دے گا اور ہماری دلیل ہے ﴿وان كان ذو عسرة فنظرة الى ميسرة﴾" اگر مدیون تنگدست ہو جائے تو دین یعنی قرض خواہ اس کو مالدار ہونے تک مہلت دے"۔ پس اس سے ثابت ہو گیا کہ شوہر کے مفلس ہونے کی وجہ سے تفریق نہیں کی جائیگی بلکہ عورت اس کو مہلت دے دوسری بات یہ ہے کہ اگر تفریق کی جائے تو شوہر کا حق بالکلیہ باطل ہو جائیگا اور عورت کا حق ایسا ہے کہ اس میں تاخیر ہو سکتی ہے تو شوہر کے حق کا بالکلیہ باطل ہو جانا ضرر میں بڑھ کر ہے پس اعلیٰ ضرر کو دور کرنے کیلئے ادنیٰ ضرر کو برداشت کر لیا جائیگا۔

وَتَتِمُّ نَفَقَةُ الْيَسَارِ بِطُرُوِّهِ وَإِنْ قَضَى بِنَفَقَةِ الْإِعْسَارِ: اگر قاضی نے کسی عورت کیلئے تنگی اور غربت کا نفقہ فرض کیا پھر اس کا شوہر خوشحال ہو گیا پس عورت نے قاضی کے پاس خوشحال کے نفقہ کا دعویٰ کیا تو قاضی خوشحالی کا نفقہ مقرر کر دے گا کیونکہ فراخی اور تنگی کے موافق نفقہ بدلتا رہتا ہے۔ کیونکہ نفقہ پوری زندگی کیلئے یکبارگی واجب نہیں ہوتا بلکہ ہر روز تھوڑا تھوڑا واجب ہوتا ہے اس لئے ہر دن شوہر اور بیوی کے حال کا اعتبار کیا جائیگا۔

وَلَا تَجِبُ نَفَقَةُ مُضِيٍّ إِلَّا بِالْقَضَاءِ أَوِ الرِّضَا: اگر ایک مدت گزر گئی اور شوہر نے اپنی بیوی کو نفقہ نہیں دیا پھر اس نے اپنے شوہر سے اس مدت کے نفقہ کا مطالبہ کیا تو ہمارے نزدیک بیوی کو کچھ نہیں ملے گا۔ کیونکہ مدت گذر جانے کی وجہ سے نفقہ شوہر کے ذمہ قرض نہیں ہوتا مگر دو صورتوں میں ایک یہ کہ قاضی نے عورت کیلئے نفقہ کی کوئی مقدار مقرر کی ہو۔ دوم یہ کہ عورت نے اپنے شوہر سے نفقہ کی کسی مقدار پر صلح کر لی تو ان دونوں صورتوں میں شوہر پر گذشتہ ایام کا نفقہ دینا ضروری ہوگا۔ کیونکہ نفقہ عطیہ ہے اور ہمارے نزدیک ملک کا عوض نہیں لہذا نفقہ کا وجوب مستحکم نہیں ہوگا مگر جب کہ قاضی کا حکم ہو جائے اور عورت کا اپنے شوہر کے ساتھ کسی چیز پر صلح کرنا ایسا ہے جیسا کہ قاضی کا حکم کیونکہ شوہر کی ولایت اپنی ذات پر قاضی کی ولایت سے بڑھ کر ہے۔

وَبِمَوْتِ أَحَدِهِمَا تَسْقُطُ الْمَقْضِيَّةُ: اگر قاضی نے شوہر پر نفقہ کا حکم کر دیا مگر قاضی نے بیوی کو قرض لینے کا حکم نہیں دیا پھر چند ماہ گذر گئے کہ بیوی کے نفقہ پر قبضہ کرنے سے پہلے ان دونوں میں سے کوئی ایک مر گیا تو نفقہ ساقط ہو جائیگا کیونکہ نفقہ ایک عطیہ ہے اور ایسے عطایا موت کی وجہ سے ساقط ہو جاتے ہیں۔

شوہر نے ایک سال کا نفقہ پیشگی دیدیا پھر شوہر مرگیا تو اسکا حکم

وَلَا تُرَدُّ الْمُعَجَّلَةُ: اگر شوہر نے بیوی کو ایک سال کا نفقہ پیشگی دیدیا پھر اس مدت کے گذرنے سے پہلے ان دونوں میں سے کوئی ایک مرگیا تو شیخینؒ کے نزدیک اس عورت سے یا اس کے ترکہ سے کچھ واپس نہیں لیا جائیگا اور امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ جتنا زمانہ گذرا اس کا نفقہ حساب کرکے عورت کے پاس چھوڑ دیا جائیگا اور باقی شوہر کو واپس کردیا جائیگا۔ شیخینؒ کی دلیل یہ کہ نفقہ ایک عطیہ ہے لیکن وہ عورت کے قبضہ میں آچکا ہے اور عطیات موت کے بعد واپس نہیں دیئے جاتے کیونکہ ان کا حکم پورا ہوجاتا ہے جیسے کہ ہبہ میں حکم ہے۔

وَيُبَاعُ الْقِنُّ فِي نَفَقَةِ زَوْجَتِهِ: اگر غلام نے اپنی مولیٰ کی اجازت سے کسی آزاد عورت کے ساتھ نکاح کیا تو اس عورت کا نفقہ غلام پر قرضہ ہوگا اور یہ غلام اپنی بیوی کے نفقہ میں فروخت کردیا جائیگا کیونکہ نفقہ ایک قرض ہے جو غلام کے ذمہ واجب ہوا ہے اس لئے کہ نفقہ واجب ہونے کا سبب پایا گیا اور نفقہ کا واجب ہونا اس کے مولیٰ کے حق میں بھی ظاہر ہوگیا کیونکہ مولیٰ نے راضی ہوکر اجازت دی تھی۔

وَلِنَفَقَةِ الْأَمَةِ الْمَنْكُوحَةِ إِنَّمَا تَجِبُ بِالتَّبْوِئَةِ: اگر کسی آزاد مرد نے کسی کی باندی سے نکاح کیا اور مولیٰ نے اپنی باندی کو اس کے شوہر کے ساتھ رات میں الگ رہنے دیا تو شوہر پر اس کا نفقہ واجب ہوگا کیونکہ باندی کے جانب سے احتباس پایا گیا اور نفقہ احتباس کی وجہ سے واجب ہوتا ہے اور اگر مولیٰ نے الگ ٹھکانا نہیں دیا تو شوہر پر نفقہ واجب نہیں ہوگا کیونکہ احتباس نہیں پایا گیا۔

> وَالسُّكْنَى فِي بَيْتٍ خَالٍ عَنْ أَهْلِهِ وَأَهْلِهَا وَلَهُمُ النَّظَرُ وَالْكَلَامُ مَعَهَا وَفُرِضَ لِزَوْجَةِ الْغَائِبِ وَطِفْلِهِ وَأَبَوَيْهِ فِي مَالٍ لَهُ عِنْدَ مَنْ يُقِرُّ بِهِ وَبِالزَّوْجِيَّةِ وَيُؤْخَذُ كَفِيلٌ مِنْهَا وَلِلْمُعْتَدَّةِ الطَّلَاقِ لَا لِلْمَوْتِ وَالْمَعْصِيَةِ وَرِدَّتُهَا بَعْدَ الْبَتِّ تُسْقِطُ نَفَقَتَهَا لَا تَمْكِينُ ابْنِهِ وَلِطِفْلِهِ الْفَقِيرِ أُمُّهُ لِتُرْضِعَ وَلَا تُجْبَرُ أُمُّهُ لِتُرْضِعَ وَيَسْتَأْجِرُ مَنْ تُرْضِعُهُ عِنْدَهَا لَا أُمَّهُ لَوْ مَنْكُوحَةً أَوْ مُعْتَدَّةً وَهِيَ أَحَقُّ بَعْدَهَا مَا لَمْ تَطْلُبْ زِيَادَةً

ترجمہ: اور بیوی کو ایسے گھر میں رکھنا واجب ہے جو میاں بیوی کے اہل سے خالی ہو اور بیوی کے گھر والوں کو دیکھنے اور بات چیت کرنے کی اجازت ہے اور غائب شخص کی بیوی بچوں اور والدین کا نفقہ اس کے مال میں مقرر کیا جائیگا جو ایسے شخص کے پاس ہو جو مال کا اور زوجیت کا اقرار کرتا ہو اور عورت سے ایک ضامن لے لیا جائیگا اور نفقہ واجب ہے طلاق کی عدت والی کیلئے نہ وفات کی عدت والی کیلئے اور نہ اسکی جدائی کی عدت والی کیلئے جو عورت کی طرف سے ہو طلاق بائن کے بعد عورت کا مرتد ہوجانا اس کے نفقہ کو ساقط کردیتا ہے نہ کہ شوہر کے لڑکے کو قابو دیدینا اور چھوٹے محتاج بچہ کا نفقہ واجب ہے اور ماں کو مجبور نہیں کیا جائیگا کہ وہ اپنے بچہ کو دودھ پلائے اور باپ ایسی عورت کو اجرت پر رکھے جو اس کی ماں کے پاس دودھ پلائے نہ کہ اس کی ماں کو اگر وہ منکوحہ یا معتدہ ہو اور ماں زیادہ حقدار ہے عدت کے بعد جب تک زیادہ نہ مانگے۔

وَالسُّكْنَى فِي بَيْتٍ خَالٍ عَنْ أَهْلِهِ وَأَهْلِهَا: والسکنی کا عطف تجب النفقة میں النفقة پر ہے جو شروع باب میں

مذکورہ ہے۔ یعنی نفقہ کی طرح سکنی بیوی کیلئے ضروری ہے جس میں زوجین کے اہل وعیال، ماں، بہن، بھائی وغیرہ میں سے کوئی نہ ہو، وہ گھر چاہے مرد کی ملکیت ہو یا کرایہ پر لیا ہو یا عاریۃً ملا ہوا ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حکم سکنی کے بعد ارشاد فرمایا "ولا تضاروهن لتضيقوا عليهن" کہ اس میں مرد کو عورت کے ضرر پہنچانے سے منع کیا گیا ہے۔ اور جس گھر میں مرد کے دوسرے قرابت دار ہوں گے تو اس سے عورت کو ضرر پہنچے گا۔ کیونکہ وہ آزادی کے ساتھ دل کھول کر نہیں رہ سکتی اور اپنی خواہش کے مطابق شوہر کے ساتھ معاشرت ومباشرت نہیں کر سکتی اور اپنے سامان وغیرہ کی حفاظت کے بارے میں مطمئن نہیں ہو سکتی۔

ولهم النظر والكلام معها: اگر بیوی کے والدین وغیرہ اس کو دیکھنا چاہتے ہیں یا باتیں کرنا چاہتے ہیں تو شوہر اس عورت کو ان کی طرف دیکھنے اور باتیں کرنے سے منع نہیں کر سکتا کیونکہ اس میں قطع رحمی لازم آتی ہے اور قطع رحمی حرام ہے۔ البتہ اپنے گھر میں داخل ہونے سے روک سکتا ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ ان کو داخل ہونے سے روکنے کا حق نہیں ہے لیکن وہاں رہنے اور دیر تک ٹھہرنے سے منع کر سکتا ہے تیسرا قول یہ ہے کہ والدین کو ہفتہ میں ایک بار آنے سے اور دوسرے محرم رشتہ داروں کو سال میں ایک بار آنے سے نہیں روک سکتا۔ صاحب ہدایہ نے آخری قول کو صحیح قرار دیا ہے۔

وفرض لزوجة الغائب وطفله وأبويه في مال له عند من يقر به وبالزوجية ويؤخذ كفيل منها: اگر کوئی شخص سفر میں چلا گیا اور اس کا کچھ مال کسی شخص کے قبضہ میں ودیعت ہے اور وہ اس ودیعت کا اقرار کرتا ہے اور اس بات کا بھی کہ یہ عورت اس غائب مرد کی بیوی ہے، یا قاضی کو خود یہ بات معلوم ہو تو قاضی اس مال میں سے اس غائب کی بیوی اور اس کے نابالغ اولاد اور اس کے والدین کا نفقہ مقرر کر دے کیونکہ جب اس نے زوجیت اور ودیعت دونوں کا اقرار کر لیا تو اس نے یہ بھی اقرار کر لیا کہ بیوی کو اس مال سے لینے کا حق ہے کیونکہ بیوی کو اختیار ہوتا ہے کہ شوہر کے مال سے بغیر اس کی رضامندی کے بقدر ضرورت لے لے اس لئے کہ حضرت ابوسفیانؓ کی بیوی ہندہؓ سے نبی کریم ﷺ نے فرمایا تھا "خذي من مال زوجك ما يكفيك وولدك بالمعروف"۔ اور اس عورت کیلئے مال مقرر کرنے سے پہلے قاضی اس عورت سے قسم لے گا تا کہ اس کا حق ظاہر ہو جائے اس کے بعد غائب کی رعایت کرتے ہوئے عورت کی طرف سے ایک کفیل بھی لے گا اس لئے کہ ہو سکتا ہے کہ عورت نے پورا نفقہ وصول کر لیا ہو یا شوہر نے اس کو طلاق دیدی ہو اور عدت گزر چکی ہو اب جب شوہر واپس آ جائے اور اس کی تصدیق کر دے تو ٹھیک ہے اور اگر شوہر تکذیب کرے تو وہ اپنا مال عورت کے کفیل سے وصول کرے گا اور کفیل سے عورت مال واپس لے گا۔

معتدۂ طلاق کیلئے نفقہ کا حکم

وللمعتدة الطلاق: اگر کسی نے اپنی بیوی کو طلاق دی خواہ طلاق رجعی ہو یا بائن تو عورت کی عدت میں اس کیلئے نفقہ وسکنی واجب ہوگا۔ ائمہ ثلاثہؒ فرماتے ہیں کہ اگر مطلقہ ثلاث ہو یا طلاق بائن ہو تو اس کا نفقہ واجب نہیں۔ ہاں اگر حاملہ ہو تو بالاجماع نفقہ واجب ہے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے "وإن كن أولات حمل فأنفقوا عليهن حتى يضعن حملهن" ائمہ ثلاثہؒ کی دلیل فاطمہ بنت

قیسؓ کی حدیث ہے وہ فرماتی ہیں: "میرے شوہر نے تین طلاقیں دیدیں نبی کریم ﷺ نے ان کیلئے نفقہ اور سکنی مقرر نہیں فرمایا"
"ہم کہتے ہیں حضرت عمرؓ نے فاطمہ بنت قیس کی حدیث سن کر فرمایا کہ ہم کتاب اللہ و سنت رسول اللہ کو ایک عورت کے قول کی وجہ سے نہیں چھوڑ سکتے کیا خبر اس نے یاد رکھا یا بھول گئی۔ اس لئے اس کو رہائش اور نفقہ کا حق ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔
"لا تخرجوهن من بيوتهن" اور حضرت عمرؓ کے فیصلہ پر صحابہ کرامؓ کا اجماع ہو گیا۔

لا للموت والمعصية وردتها بعد البت تسقط نفقتها لا تمكين ابنه: متوفی عنہا زوجہا کیلئے نفقہ نہیں ہے اس لئے اس کا احتباس حق زوج کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ حق شرع کی وجہ سے ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ موت کے بعد شوہر کی ملک باقی نہیں رہی اور ورثہ کی ملک میں نفقہ واجب کرنا ممکن نہیں ہے۔ اسی طرح وہ جدائی جس کا باعث عورت کی طرف سے معصیت ہے مثلاً وہ مرتد ہو جائے یا شہوانی جذبات کے تحت شوہر کے بیٹے کا بوسہ لے لے تو اس کے لئے نفقہ نہیں ہوگا کیونکہ وہ اپنے آپ کو ناحق روکنے والی ہے اور یہ اس نافرمان عورت کی طرح ہو گئی جو نافرمانی کرتے ہوئے شوہر کے گھر سے نکل جائے۔

ولطفله الفقير لمه لم يرضع: نابالغ لڑکے کا نفقہ اس کے باپ پر ہوگا اگر وہ مفلس ہو۔ مصنفؒ نے الفقیر کی قید اس لئے لگائی کہ اگر وہ غنی ہو تو اس کا نفقہ اس کے وجود مال میں لازم ہوگا چاہے زمین کپڑا ہو یا کوئی اور چیز یعنی جب بھی نفقہ کی ضرورت ہوگی تو باپ کو یہ چیزیں بیچ کر اس پر خرچ کرنے کا حق ہوگا۔

ولا تجبر أمه لترضع: اور بچہ کی ماں پر دودھ پلانے میں زبردستی نہیں کی جائیگی یعنی اگر وہ نہ پلانا چاہے تو بچہ کا باپ اس پر زبردستی نہ کرے کیونکہ اس پر واجب نہیں کہ وہ دودھ پلائے خواہ وہ اس کی منکوحہ ہو یا معتدہ۔ یہ حکم قضاءً ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ بچہ کی ضروریات پوری کرنا والد پر واجب ہے اور دودھ پلانے کی اجرت ضروریات میں داخل ہے۔ اس لئے باپ پر لازم ہے کہ وہ اجرت پر بچہ کو دودھ پلائے لیکن دیانت کے اعتبار سے ماں پر دودھ پلانا ہر حال واجب ہے اور قضاءً اس وقت لازم ہے جبکہ بچہ کو دودھ پلانے والی دوسری کوئی عورت میسر نہ ہو۔

ويستأجر من ترضعه عندها: اگر بچہ کا باپ کسی دودھ پلانے والی کو اجرت پر رکھے تو ضروری ہے کہ وہ بچہ کی ماں کے گھر میں یہ خدمت انجام دے کیونکہ حضانت و پرورش کا حق دراصل ماں کو حاصل ہے۔ اس لئے باپ کیلئے جائز نہیں ہے کہ وہ بچہ کو ماں کے قبضے سے نکال کر مرضعہ کے حوالہ کردے اور وہ دوسری جگہ لیجا کر دودھ پلائے۔

لا أمه لو منكوحة أو معتدة: اگر باپ نے ماں ہی کو اجرت پر دودھ پلانے کیلئے رکھ لیا حالانکہ وہ اس کی بیوی ہے یا طلاق رجعی کی عدت میں ہے تو اس کیلئے اجرت لینا جائز نہیں ہے کیونکہ دیانۃً اس پر دودھ پلانا ضروری واجب ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ ﴿والوالدات يرضعن أولادهن﴾ "مائیں اپنی اولاد کو دودھ پلائیں" مگر اس کو احتمال عجز کی وجہ سے معذور رکھا گیا تھا لیکن جب اس نے اجرت لیکر دودھ پلانے کا اقدام کیا تو ظاہر ہوگا کہ وہ دودھ پلانے پر قادر ہے تو اس پر دودھ پلانا واجب ہوا

وراثت پر ہے اور مسلم وکافر کے مابین وراثت نہیں بخلاف زوجہ اور اصول وفروع کے کہ زوجہ کیلئے وجوب نفقہ کی علت احتباس ہے
تو زوجین کے دین کے اعتبار سے متحد ہونے کو کوئی دخل نہیں اور اصول وفروع میں علت وجوب جزئیت ہے اور آدمی کا جز اس کی
ذات کے حکم میں ہوتا ہے پس جس طرح آدمی اپنے ذات کا نفقہ اپنے کافر ہونے کی وجہ سے نہیں روک سکتا ایسے ہی جس کے
ساتھ ان کو جزئیت کا علاقہ ہے ان کا نفقہ بھی نہیں روک سکتا لہذا اگر یہ محتاج ہوں تو ان سب کا نفقہ واجب ہوگا لیکن اگر یہ لوگ حربی
ہیں تو ان کا نفقہ واجب نہ ہوگا۔

<u>اولاد اور والدین کے نفقہ میں کوئی اور شریک نہیں ہوگا</u>: ولا یشارک الأب والولد فی نفقۃ ولدہ وأبویہ أحد:
اولاد اور والدین کے نفقہ میں باپ اور بیٹے کے ساتھ کوئی اور شریک نہیں ہوگا یعنی اولاد کا نفقہ باپ ہی پر واجب ہے نہ کہ کسی اور پر
اور اسی طرح باپ کا نفقہ بیٹے پر واجب ہے نہ کہ اس کے چچا وغیرہ پر اسی طرح بیوی کا نفقہ شوہر ہی پر واجب ہے نہ کہ غیر پر۔

ولقریب محرم فقیر عاجز عن الکسب بقدر الإرث لو موسرا: اگر قریبی ذی رحم محرم محتاج ہو اور کمانے
سے عاجز ہو تو اس کا نفقہ واجب ہے کیونکہ احسان کرنا قرابت قریبہ میں واجب ہوتا ہے اور قرابت بعیدہ میں نہیں اور اللہ تعالیٰ
فرماتے ہیں ﴿وعلی الوارث مثل ذالک﴾ یعنی وارث پر اس کے مثل واجب ہوتا ہے اور ابن مسعودؓ کی قرأت میں "وعلی
الوارث ذی رحم المحرم مثل ذالک" یعنی ہر ایسے وارث پر جس کا رشتہ دائمی حرام کیا گیا ہو اس کے مثل واجب ہے اور قرابت
قریبہ اور بعیدہ میں فاصل یہ ہے کہ اگر ذی رحم محرم ہے تو قرابت قریبہ ہے اور اگر یہ نہ ہو تو قرابت بعیدہ ہے وجوب نفقہ کیلئے محتاج
ہونے کی شرط اس لئے لگائی کیونکہ نفقہ واجب ہونے کیلئے محتاج ہونا شرط ہے اس لئے کہ جو شخص کمائی کر سکتا ہے وہ اپنی کمائی کی
وجہ سے محتاج نہیں ہوتا بلکہ غنی ہوتا ہے بخلاف والدین کے کہ اگر یہ کمائی کر سکتے ہوں تب بھی ان کا نفقہ اولاد پر واجب ہوگا
کیونکہ کمائی سے والدین کو مشقت لاحق ہوگی حالانکہ اولاد کو حکم دیا گیا ہے کہ والدین سے ضرر کو دور کریں۔ اور وراثت کی صراحت
کرنا اس بات پر تنبیہ ہے کہ جس قدر میراث ملتی ہے اسی قدر اس پر نفقہ واجب ہوگا اور نفقہ کی اس مقدار کو دینے پر اس کو مجبور کیا
جائیگا نفقہ دینے والے کا مالدار ہونا اس لئے ضروری ہے کہ نفقہ صلہ رحمی کے طور پر واجب ہوتا ہے حالانکہ محتاج خود اس کا مستحق ہے
کہ دوسرا اس پر احسان کرے لہذا اس پر نفقہ کس طرح واجب کیا جا سکتا ہے البتہ محتاج شوہر پر بیوی کا نفقہ اور محتاج باپ پر نابالغ
بچوں کا نفقہ واجب ہوگا کیونکہ جب اس نے نکاح کرنے پر اقدام کیا تو نفقہ دینے کا اپنے اوپر التزام بھی کر لیا۔

وصح بیع عرض ابنہ لا عقارہ لنفقتہ: باپ کیلئے جائز ہے کہ وہ اپنے بیٹے کی منقولہ اشیاء بیچ کر قیمت اپنے نفقہ میں
خرچ کرے یہ امام صاحب کا مذہب ہے صاحبینؒ کا اس میں اختلاف ہے وہ فرماتے ہیں کہ بلوغ کے سبب سے بالغ بیٹے پر باپ
کی ولایت منقطع ہوگئی اس لئے وہ اس کا مال فروخت نہیں کر سکتا جیسے اس کا غیر منقولہ مال بالاتفاق نہیں بیچ سکتا اور صاحبین کا
مذہب قیاس کے موافق ہے بہر حال یہ حکم تب ہے جبکہ بیٹا غائب ہو اور اگر بیٹا موجود ہو تو بالاتفاق اس کا مال بیچنا جائز نہیں ہے۔

امام صاحبؒ فرماتے ہیں کہ باپ کو بوقت ضرورت بیٹے کے مال پر مالکانہ ولایت حاصل ہے۔ جیسا کہ بچے کی باندی کو ام ولد بنانے کا اختیار باپ کو حاصل ہے اس لئے (بیٹے کے مال کی حفاظت کی خاطر نہیں بلکہ) خود زندہ رہنے کیلئے باپ کو بیٹے کا مال بیچنے کا حق حاصل ہے اور زمین بیچنے کا اختیار اس لئے نہیں کہ زمین کی ملکیت کا منشاء یہی ہوتا ہے کہ اصل کو باقی رکھ کر اس سے زراعت وغیرہ شکل میں نفع اٹھایا جائے اور باپ کی ولایت شفقت پر مبنی ہے اور زمین کے بیچنے میں کوئی شفقت نہیں بلکہ اس کی بیچ میں نقصان ہے اس لئے بیٹے کی مصلحت کا تقاضا یہ ہے کہ زمین باقی رکھ کر اس سے نفع اٹھایا جائے۔

وَلَوْ أَنْفَقَ مُوْدَعُهُ عَلَى أَبَوَيْهِ بِلَا أَمْرٍ ضَمِنَ: اگر بیٹا غائب ہو اور اس کا مال کسی اجنبی کے قبضہ میں ہو اور اس نے اس کے والدین کو بغیر قاضی کی اجازت کے اس میں سے نفقہ دے دیا تو یہ اجنبی ضامن ہوگا کیونکہ اس اجنبی نے غیر کے مال میں بغیر ولایت کے تصرف کیا ہے اس لئے کہ وہ صرف حفاظت کا نائب تھا کوئی دوسرا اختیار اس کو نہیں تھا اور اگر قاضی نے اس کو حکم دیا تو یہ اجنبی ضامن نہ ہوگا کیونکہ قاضی کا حکم اس پر لازم ہے اس لئے کہ قاضی کو ولایت عامہ حاصل ہے۔

وَلَوْ أَنْفَقَا مَا عِنْدَهُمَا لَا: اگر کوئی شخص سفر میں چلا گیا اور اس کا مال والدین کے قبضہ میں ہے اور محتاج والدین نے اس میں سے اپنا نفقہ لے لیا تو وہ ضامن نہ ہوں گے کیونکہ ان میں دونوں نے اپنا حق حاصل کر لیا اس لئے کہ قاضی کے حکم سے پہلے ان کا نفقہ واجب ہے۔

وَلَوْ قَضَى بِنَفَقَةِ الْأَوْلَادِ وَالْقَرِيبِ وَمَضَتْ مُدَّةٌ سَقَطَتْ إِلَّا أَنْ يَأْذَنَ الْقَاضِيْ بِالْاِسْتِدَانَةِ وَلِمَمْلُوْكِهِ فَإِنْ أَبَى فَفِيْ كَسْبِهِ وَإِلَّا أُمِرَ بِبَيْعِهِ: اگر قاضی نے کسی آدمی پر اس کے بچے، والدین اور دوسرے قرابت داروں کا نفقہ مقرر کیا پھر بغیر نفقہ کے ایک مدت گزر گئی تو اس مدت کا نفقہ ساقط ہو گیا کیونکہ ان لوگوں کا نفقہ ضرورت پوری کرنے کیلئے واجب ہوتا ہے حتیٰ کہ اگر یہ لوگ خوشحال ہوں تو ان کیلئے نفقہ واجب نہیں ہوتا اور اتنی مدت گزرنے سے اس مدت کی کفایت ہو گئی اس لئے اس مدت کا نفقہ ساقط ہو جائیگا اور اگر قاضی نے ان لوگوں کو غائب پر قرض لینے کا حکم دیا تو مدت گزرنے سے ان کا نفقہ ساقط نہیں ہوگا کیونکہ قاضی کو ولایت عامہ حاصل ہے۔

کِتَابُ الإِعْتَاقِ

<u>اعتاق کا لغوی معنی</u>: امام لغت سید محمد مرتضیٰ زبیدی لکھتے ہیں عتق کے متعدد معانی ہیں کرم، جمال، شرف ونجابت اور حریت کہا جاتا ہے۔ " أعتق العبد فلان " فلاں شخص نے غلام آزاد کر دیا۔

<u>غلام کی تعریف</u>: غلام وہ شخص ہوتا ہے جو غیر کا مملوک ہو اس میں ملکیت اور ولایت کی اہلیت ہوتی ہے نہ شہادت کی اور وہ از خود کسی چیز میں تصرف کرنے کا مجاز نہیں ہوتا نہ اپنے نفس میں نہ غیر میں۔

<u>غلامی کے اسباب</u>: غلامی کا ایک سبب ہے کسی شخص کا نسلاً غلام ہونا دوسرا سبب ہے میدان جہاد میں جو کافر قید کیے گئے ان کے مردوں کو غلام اور عورتوں کو باندیاں بنانا، اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور غلامی سے باغی اور منحرف تھے اس لیے بطور سزا کے انہیں اللہ کے بندوں کا غلام بنا دیا گیا پھر جب امیر لشکر انہیں مجاہدین میں تقسیم کرے گا تو یہ جن مجاہدین کے حصہ میں آئیں گے ان کے شخصی غلام قرار پائیں گے، اسی طرح میدان جنگ میں پکڑی جانے والی عورتیں جن کے حصہ میں آئیں گی ان کی باندیاں ہوں گی یا مال غنیمت کا خمس یا پانچواں حصہ بیت المال روانہ کیا جائیگا اس حصہ میں سے سلطان جس شخص کو جو قیدی تقسیم کرے گا وہ اس کے غلام اور باندیاں ہوں گے اگر تقسیم سے پہلے کسی شخص نے کسی قیدی مرد یا عورت کو پکڑ لیا تو وہ اس کے غلام اور باندی نہیں ہوں گے تیسرا سبب یہ ہے کہ کسی شخص سے غلام یا باندی کو خرید لیا جائے، چوتھا سبب ہے ان کا ہبہ اور پانچواں سبب ہے ان کی وراثت۔

اسلام نے سب سے پہلے غلامی کے خاتمہ کیلئے قانون بنائے

اسلام کے مخالفین یہ کہتے ہیں کہ اسلام نے انسانوں کو لونڈی اور غلام بنانا جائز قرار دیا ہے حالانکہ یہ فعل اخلاق اور انسانیت دونوں کے خلاف ہے یہ لوگ اس پر غور نہیں کرتے کہ اسلام سے پہلے دنیا میں یہ عام چلن تھا کہ آزاد انسان کو کوئی شخص پکڑ کر کہیں بیچ ڈالتا تھا اور خریدنے والا اس کو غلام بنا لیتا تھا حضرت یوسف کا واقعہ اس کی واضح مثال ہے اسی طرح جنگ میں گرفتار ہونے والے قیدیوں کا غلام اور باندیاں بنانے کے سوا اور کوئی صورت نہیں تھی انسانیت پر اس ظلم کے خلاف سب سے پہلے اسلام نے قانون بنایا اور آزاد انسان کی بیع کو حرام کر دیا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے قیامت کے دن میں تین شخصوں سے جھگڑا کروں گا ایک وہ شخص جس نے میرے نام سے عہد کر کے عہد شکنی کی، دوسرا وہ شخص جس نے کسی آزاد انسان کو بیچ کر اس کی قیمت کھائی اور تیسرا وہ شخص جس نے کسی مزدور سے مزدوری کرانے کے بعد اس کو اجرت نہیں دی اسی طرح جنگی قیدیوں کو پہلے صرف غلام بنایا جاتا تھا اسلام نے اس کے علاوہ تین اور صورتیں بیان کیں۔ (ا) جنگی قیدیوں سے جزیہ لے کر ان کو آزاد کر دیا جائے (ب) مسلمان قیدیوں کے بدلہ میں ان کو رہا کر دیا جائے۔ (ج) ان پر احسان کر کے بلا معاوضہ چھوڑ دیا جائے۔

قرآن مجید نے غلام اور باندیوں کیلئے "ما ملکت ایمانکم" کا لفظ استعمال کیا ہے یعنی جن کو تم نے اپنے زور بازو سے اپنا مملوک بنایا ہے، اور محض زور بازو سے قبضہ کی جائز صورت صرف شرعی جہاد ہے اسی طرح قرآن مجید میں ہے۔

مسلمانوں کے غلام آزاد کرنے کی چند مثالیں

مسلمانوں نے بکثرت غلام آزاد کئے ہیں نواب صدیق حسن خان بھوپالی نے نجم وہاج سے نقل کر کے لکھا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے تریسٹھ غلام آزاد کیے، حضرت عائشہؓ نے انہتر غلام آزاد کیے، ابوبکر صدیقؓ نے بھی بکثرت غلام آزاد کیے، عباسؓ نے ستر غلام آزاد کیے، عثمانؓ نے صرف دوران محاصرہ بیس غلام آزاد کیے، حکیم بن حزامؓ نے ایک سو غلام آزاد کیے، ابن عمرؓ نے ایک ہزار غلام آزاد کیے، ذوالکلاع حمیریؓ نے ایک دن میں آٹھ ہزار غلام آزاد کیے اور عبد الرحمان بن عوفؓ نے تیس ہزار غلام آزاد کیے۔

اسلام میں غلامی کی حقیقت

اسلام اور دوسرے مذاہب واقوام کے تصور غلامی کے فرق کو سمجھنے کیلئے چند بنیادی نکات کی وضاحت ضروری ہے۔ اول: یہ کہ اسلام نے غلام بنانے کی صرف اس وقت اجازت دی ہے جب کفار کے خلاف شرعی جہاد ہو، اسلام نے یہ اعلان اس وقت کیا جب رومانی بعض غلطیوں کے ارتکاب پر بھی آزاد انسانوں کو غلام بنالیا کرتے تھے، پھر جہاد شرعی میں بھی قیدیوں کو غلام بنانا ضروری نہیں بلکہ امیر المؤمنین کو چار اختیارات حاصل ہیں۔

ثانی: اسلام نے غلاموں کے ایسے حقوق رکھے ہیں، اسلام کے سوا کسی دوسرے دین میں ان کی مثال نہیں ملتی، قرآن کریم میں غلاموں اور لونڈیوں کے ساتھ بھی اچھا سلوک کرنے کا حکم دیا گیا ہے (سورۃ النساء آیت نمبر ۳۶)

احادیث تو اس بارے میں بے شمار ہیں کسی حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ انہیں وہی کھلاؤ جو تم کھاتے ہو، وہی پہناؤ جو تم پہنتے ہو (بخاری کتاب الایمان) کسی حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا جو غلاموں کے ساتھ برا سلوک کرے گا وہ جنت میں داخل نہیں ہو سکتا (ابن ماجہ کتاب الادب) جب نبی کریم ﷺ پر غرغرہ کی کیفیت طاری تھی اس وقت آپ ﷺ کی زبان مبارک سے جو آخری کلام نکلا وہ بھی غلاموں کے ساتھ حسن سلوک کے بارے میں تھا، آپ نے فرمایا: الصلاۃ وما ملکت ایمانکم۔

غلاموں کے حقوق بارے میں سرور دو عالم ﷺ نے اس قدر تاکیدات فرمائیں کہ مسلمانوں کے ہاں غلام کا تصور مظلومیت کے بجائے محبت اور بھائی چارے کا عنوان بن کر رہ گیا یہاں تک کہ آپ ﷺ نے بندگی و آقائی کے اظہار کیلئے استعمال ہونے والے بعض الفاظ تک کو بدل دیا کہ کوئی آقا غلام اور لونڈی کو "عبدی وامتی" نہ کہے بلکہ "فتای و فتاتی" کہہ کر پکارے اور غلام اپنے آقا کو "ربی و ربتی" نہ کہے بلکہ "سیدی و سیدتی" کہہ کر پکارے۔

یہ حقوق و احکام محض کتابوں میں پوشیدہ نہیں بلکہ مسلمانوں نے اپنی عملی زندگی میں ان پر اس انداز سے عمل کیا کہ غلاموں کیلئے علمی، عملی، تحقیقی، سیاسی اور جہادی کارناموں کی راہیں کھل گئیں اور وہ ایسے مراتب تک پہنچے کہ آزاد ان پر رشک کرنے لگے۔

عَلَيْكَ إِنْ نَوَى وَهٰذَا ابْنِي أَوْ أَبِي أَوْ أُمِّي وَهٰذَا مَوْلَايَ أَوْ يَا مَوْلَايَ أَوْ يَا حُرُّ أَوْ يَا عَتِيقُ.

ترجمہ: اور اعتاق غلام کیلئے ایک شرعی قوت ثابت کرتا ہے اور اعتاق صحیح ہے آزاد عاقل بالغ سے جبکہ وہ کہے اپنے غلام سے کہ تو آزاد ہے اور ان الفاظ سے جن کے ذریعہ کل کی تعبیر ہوتی ہے اور اس سے کہ تو آزاد شدہ یا آزاد کردہ ہے اور میں نے تجھے آزاد کر دیا آزادی کی نیت کرے یا نہ کرے اور اس سے کہ تجھ پر میری ملک نہیں یا تو میرا غلام نہیں یا تجھ پر میرا کوئی قبضہ نہیں بشرطیکہ آزادی کی نیت کرے اور اس سے کہ یہ میرا بیٹا یا باپ یا ماں یا مولی ہے یا یوں کہے اے میرے مولی یا اے آزاد یا اے عتیق۔

لَا بِيَا ابْنِي وَيَا أَخِي وَلَا سُلْطَانَ لِي عَلَيْكَ وَأَلْفَاظِ الطَّلَاقِ وَأَنْتَ مِثْلُ الْحُرِّ وَعَتَقَ بِمَا أَنْتَ إِلَّا حُرٌّ وَبِمِلْكِ قَرِيبٍ مَحْرَمٍ وَلَوْ كَانَ الْمَالِكُ صَبِيًّا أَوْ مَجْنُونًا وَبِتَحْرِيرٍ لِوَجْهِ اللّٰهِ وَلِلشَّيْطَانِ وَلِلصَّنَمِ وَبِكُرْهٍ وَسُكْرٍ وَإِنْ أَضَافَهُ إِلَى مِلْكٍ أَوْ شَرْطٍ صَحَّ وَلَوْ حَرَّرَ حَامِلًا عَتَقَا وَإِنْ حَرَّرَهُ عَتَقَ فَقَطْ وَالْوَلَدُ يَتْبَعُ الْأُمَّ فِي الْمِلْكِ وَالْحُرِّيَّةِ وَالرِّقِّ وَالتَّدْبِيرِ وَالْاِسْتِيلَادِ وَالْكِتَابَةِ وَوَلَدُ الْأَمَةِ مِنْ سَيِّدِهَا حُرٌّ

ترجمہ: لیکن اس سے آزاد نہ ہوگا کہنا اے میرے بیٹے اے بھائی تجھ پر کچھ قبضہ نہیں اور نہ الفاظ طلاق سے اور نہ اس سے کہ تو مثل آزاد کے ہے اور آزاد ہو جائیگا اس سے کہ نہیں ہے تو مگر آزاد اور محرم رشتہ دار کے مالک ہونے سے گو مالک بچہ یا دیوانہ ہو اور خدا کی رضا یا شیطان یا بت کیلئے آزاد کرنے سے اور زبردستی اور حالت نشہ میں آزاد کرنے سے اگر عتق کو ملک یا شرط کی طرف منسوب کیا تو صحیح ہے اور اگر حاملہ کو آزاد کیا تو باندی اور حمل دونوں آزاد ہو جائیں گے اور اگر حمل کو آزاد کیا تو صرف وہی آزاد ہوگا اور بچہ ماں کا تابع ہوتا ہے ملک میں آزادی میں غلامی میں مدبر ہونے میں ام ولد اور مکاتب ہونے میں اور جو بچہ باندی کے آقا سے ہو وہ آزاد ہے۔

بَابُ الْعَبْدِ يُعْتَقُ بَعْضُهُ

باب اس غلام کے بیان میں جس کا کچھ حصہ آزاد کیا جائے

مَنْ أَعْتَقَ بَعْضَ عَبْدِهِ لَمْ يَعْتِقْ كُلُّهُ وَسَعَى لَهُ فِيمَا بَقِيَ وَهُوَ كَالْمُكَاتَبِ وَإِنْ أَعْتَقَ نَصِيبَهُ فَلِشَرِيكِهِ أَنْ يُحَرِّرَ أَوْ يَسْتَسْعِيَ وَالْوَلَاءُ لَهُمَا أَوْ يُضَمِّنَ لَوْ مُوسِرًا وَيَرْجِعُ بِهِ عَلَى الْعَبْدِ وَالْوَلَاءُ لَهُ وَلَوْ شَهِدَ كُلٌّ بِعِتْقِ نَصِيبِ صَاحِبِهِ سَعَى لَهُمَا وَلَوْ عَلَّقَ أَحَدُهُمَا عِتْقَهُ بِفِعْلِ فُلَانٍ غَدًا وَعَكَسَ الْآخَرُ وَمَضَى وَلَمْ يَدْرِ عَتَقَ نِصْفُهُ وَسَعَى فِي نِصْفِهِ لَهُمَا وَلَوْ حَلَفَ كُلٌّ وَاحِدٌ بِعِتْقِ عَبْدِهِ لَمْ يَعْتِقْ وَاحِدٌ.

ترجمہ: جو شخص اپنے غلام کا کچھ حصہ آزاد کرے تو وہ کل آزاد نہیں ہوگا بلکہ وہ باقی میں سعایت کریگا اور وہ مکاتب کے حکم میں ہے اور اگر اپنا حصہ آزاد کیا تو شریک کو اختیار ہے آزاد کرے یا سعایت کرائے اور ولاء دونوں کیلئے ہوگی یا ضامن بناوے اگر مالدار ہو اور وہ غلام سے

لے لے اور دوسرے صرف عتق کیلئے ہوگی اگر ہر ایک نے اپنے شریک کے حصے کے آزاد کرنے پر گواہی دی تو غلام دونوں کیلئے سعایت کرے
اور اگر ایک نے معلق کیا آزادی کو فلاں کے فعل پر کل کے دن اور دوسرے نے برعکس کیا اور کل کا دن گزر گیا اور معلوم نہ ہوا تو نصف آزاد
ہو جائیگا اور نصف میں دونوں کیلئے سعایت کرائیگا اور اگر ہر ایک نے قسم کھائی ہے غلام کی آزادی کی تو کوئی بھی آزاد نہ ہوگا۔

ومن ملك ابنه مع آخر عتق حظه ولم يضمن ولشريكه أن يعتق أو يستسعي وإن اشترى نصف ابنه ممن يملك كله لا يضمن لبائعه عبد لموسرين دبره واحد وحرره آخر ضمن الساكت المدبر والمدبر المعتق ثلثه مدبرا لا ما ضمن ولو قال لشريكه هي أم ولدك وأنكر تخدمه يوما وتتوقف يوما ومالأم ولد تقوم فلا يضمن أحد الشريكين بإعتاقها.

ترجمہ: جو شخص اپنے بیٹے کا دوسرے کیساتھ مالک ہو گیا تو اس کا حصہ آزاد ہو جائیگا اور باپ ضامن نہ ہوگا اب اس کا شریک آزاد کرے یا
سعایت کرائے اور اگر کسی نے بیٹے کو خریدا تو شریک چاہے باپ سے تاوان لے چاہے سعایت کرائے اور اگر اپنے بیٹے کے نصف کو اس
شخص سے خریدا جو کل کا مالک تھا تو باپ بائع کیلئے ضامن نہ ہوگا ایک غلام تھی دو مالداروں کا ہے ایک نے اس کو مدبر بنایا دوسرے نے
آزاد تو ساکت ضامن بنائیگا مدبر (بکسر الباء مدبر بنانے والے) کو اور مدبر ضامن بنائیگا معتق کو ثلث قیمت کا مدبر ہونے کی حالت میں نہ کہ
اس قیمت کا جو اس نے دی ہے اگر کسی نے اپنے شریک سے کہا کہ یہ باندی تیری ام ولد ہے اور شریک نے انکار کیا تو باندی ایک روز منکر
کی خدمت کرے اور ایک روز یونہی رہے اور ام ولد کی کوئی قیمت نہیں ہے پس شریکین میں سے کوئی ضامن نہ ہوگا اس کو آزاد کرنے سے۔

له أعبد قال لاثنين أحدكما حر فخرج واحد ودخل آخر وكرر ومات بلا بيان عتق ثلاثة أرباع الثابت ونصف كل من الآخرين ولو في المرض قسم الثلث على هذا والبيع والموت والتحرير والتدبير بيان في العتق المبهم لا الوطء وهو والموت بيان في الطلاق المبهم ولو قال إن كان أول ولد تلدينه ذكرا فأنت حرة فولدت ذكرا وأنثى ولم يدر الأول رق الذكر وعتق نصف الأم والأنثى ولو شهدا أنه حرر أحد عبديه أو أمتيه لغت إلا أن تكون في وصية أو طلاق مبهم

ترجمہ: ایک شخص کے تین غلام ہیں اس نے دو سے کہا کہ تم میں سے ایک آزاد ہے پس ایک باہر گیا اور دوسرا آیا مالک نے پھر یہی کہا اور بلا
بیان مر گیا پس جو غلام دونوں دفعہ موجود تھا اس کے تین ربع اور دوسرے دو میں سے ہر ایک کا نصف آزاد ہوگا اور اگر یہ صورت مرض میں
ہو تو ترکہ کا ثلث انہی سہاموں پر تقسیم کیا جائیگا اور فروخت کرنا مر جانا آزاد کرنا مدبر کرنا عتق مبہم کا بیان ہے نہ کہ وطی کرنا اور وطی کرنا اور
مر جانا طلاق مبہم کا بیان ہے شوہر نے کہا کہ اگر پہلا بچہ جو تو جنے لڑکا ہو تو آزاد ہے پس اس نے لڑکا اور لڑکی دونوں جنے اور پہلا معلوم نہ ہو
سکا تو لڑکا غلام رہے گا اور ماں اور اس کی لڑکی نصف آزاد ہو جائینگی اور دو آدمیوں نے گواہی دی کہ فلاں نے اپنے دو غلاموں یا باندیوں
میں سے ایک کو آزاد کیا ہے تو یہ گواہی لغو ہوگی الا یہ کہ وصیت یا طلاق مبہم میں ہو۔

بَابُ الْحَلِفِ بِالدُّخُوْلِ

باب آزادی پر قسم کھانے کے بیان میں

وَمَنْ قَالَ إِنْ دَخَلْتُ الدَّارَ فَكُلُّ مَمْلُوْكٍ لِيْ يَوْمَئِذٍ حُرٌّ عَتَقَ مَا يَمْلِكُ بَعْدَهُ بِهِ وَلَوْ لَمْ يَقُلْ يَوْمَئِذٍ لَا وَالْمَمْلُوْكُ لَا يَتَنَاوَلُ الْحَمْلَ كُلُّ مَمْلُوْكٍ لِيْ أَوْ أَمْلِكُهُ حُرٌّ بَعْدَ غَدٍ أَوْ بَعْدَ مَوْتِيْ يَتَنَاوَلُ مَنْ مَلَكَهُ مُنْذُ حَلَفَ فَقَطْ وَبِمَوْتِهِ عَتَقَ مَنْ مَلَكَ بَعْدَهُ مِنْ ثُلُثِهِ أَيْضًا.

ترجمہ: کسی نے کہا کہ اگر میں گھر میں داخل ہوں تو اس روز جتنے میرے غلام ہوں سب آزاد تو اس شرط کے بعد جس کا مالک ہوگا وہ آزاد ہو جائیگا اور اگر "یومئذ" نہ کہے تو آزاد نہ ہوگا اور لفظ مملوک حمل کو شامل نہیں ہوتا جو میرا غلام ہو یا میں اس کا مالک ہوں وہ پرسوں یا میرے مرنے کے بعد آزاد ہے تو یہ صرف اس غلام کو شامل ہوگا جس کا وہ قسم کے وقت سے مالک ہو اور اس کے مرنے سے وہ غلام بھی تہائی مال سے آزاد ہو جائیگا جس کا وہ شرط کے بعد مالک ہو۔

بَابُ الْعِتْقِ عَلَى جُعْلٍ

باب مال کے عوض آزاد کرنے کے بیان میں

حَرَّرَ عَبْدَهُ عَلَى مَالٍ فَقَبِلَ عَتَقَ وَلَوْ عَلَّقَ عِتْقَهُ بِأَدَائِهِ صَارَ مَأْذُوْنًا وَعَتَقَ بِالتَّخْلِيَةِ وَإِنْ قَالَ أَنْتَ حُرٌّ بَعْدَ مَوْتِيْ بِأَلْفٍ فَالْقَبُوْلُ بَعْدَ مَوْتِهِ وَلَوْ حَرَّرَهُ عَلَى خِدْمَتِهِ سَنَةً فَقَبِلَ عَتَقَ وَخَدَمَهُ فَلَوْ مَاتَ تَجِبُ قِيْمَتُهُ وَلَوْ قَالَ أَعْتِقْهَا بِأَلْفٍ عَلَى أَنْ تُزَوِّجَنِيْهَا فَفَعَلَ فَأَبَتْ أَنْ تَتَزَوَّجَهُ عَتَقَتْ مَجَّانًا وَلَوْ زَادَ عَنِّيْ قُسِمَ الْأَلْفُ عَلَى قِيْمَتِهَا وَمَهْرِ مِثْلِهَا وَيَجِبُ مَا أَصَابَ الْقِيْمَةَ فَقَطْ

ترجمہ: اپنے غلام کو مال پر آزاد کیا پس غلام نے قبول کر لیا تو آزاد ہو جائیگا اور اگر اس کی آزادی مال کی ادائیگی پر معلق کی تو ماذون ہو جائیگا اور آزاد ہو جائیگا مال حاضر کر دینے سے اگر کہا تو ہزار کے عوض میں میرے مرنے کے بعد آزاد ہے تو قبول کرنا موت کے بعد معتبر ہوگا اگر ایک سال خدمت کے عوض آزاد کیا اور غلام نے قبول کر لیا تو آزاد ہو جائیگا اور خدمت کریگا پس اگر مالک مر جائے تو غلام کی قیمت واجب ہوگی کسی نے کہا کہ تو اس باندی کو ہزار کے عوض آزاد کر دے اس شرط پر کہ اس کا نکاح مجھ سے کریگا مالک نے آزاد کر دیا اور باندی نے اس کے ساتھ نکاح کرنے سے انکار کر دیا تو مفت آزاد ہو جائیگی اور اگر متکلم نے عنی بڑھا دیا تو ہزار کو باندی کی قیمت اور اس کے مہر مثل پر تقسیم کیا جائیگا اور جو حصہ قیمت کے مقابل ہوگا صرف وہی واجب ہوگا۔

كل بإرث ابن وورثاه إرث أب ولو ادعى ولد أمة مكاتبه وصدقه المكاتب لزم النسب والعقر وقيمة الولد ولم تصر أم ولده وإن كذبه لم يثبت النسب

ترجمہ: اور اگر مشترک باندی کے بچہ کا دعویٰ کیا تو نسب ثابت ہوگا اور وہ اس کی ام ولد ہو جائیگی اور باندی کی نصف قیمت اور نصف عقر واجب ہوگا نہ کہ بچہ کی قیمت اور اگر دونوں شریکوں نے بچہ کا دعویٰ کیا تو دونوں سے نسب ثابت ہو جائیگا اور وہ دونوں کی ام ولد ہوگی اور ہر ایک پر نصف عقر واجب ہوگا اور مقاصہ ہو جائیگا اور بچہ ہر ایک سے پورے بیٹے کی وراثت پائیگا اور دونوں شریک باپ کا ورثہ پائیں گے اگر اپنے مکاتب کی باندی کے بچہ کا دعویٰ کیا اور مکاتب نے تصدیق کردی تو نسب عقر اور بچہ کی قیمت لازم ہوگی اور باندی اس کی ام ولد نہ ہوگی اور اگر مکاتب نے تکذیب کردی تو نسب ثابت نہ ہوگا

كتاب الأيمان

قسموں کا بیان

ایمان کے الف پر زبر ہے، یمین کی جمع ہے، جس کے اصلی معنی قوت کے ہیں۔ اس لئے انسان کے دائیں ہاتھ کو یمین کہتے ہیں کیونکہ اس میں دوسرے ہاتھ کی بنسبت زیادہ قوت ہوتی ہے اور حلف کو بھی یمین کہتے ہیں کیونکہ کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے پر قسم کھانے سے اس میں قوت پیدا ہو جاتی ہے اور اس کی شرعی تعریف مصنف رحمہ اللہ نے خود کتاب میں ذکر کی ہے۔

اليمين تقوية أحد طرفي الخبر بالمقسم به فحلفه على ماض كذبا عمدا غموس وظنا لغو وأثم في الأولى دون الثانية وعلى آت منعقدة وفيه كفارة فقط ولو مكرها أو ناسيا أو حنث كذلك واليمين بالله تعالى والرحمن الرحيم وعزته وجلاله وكبريائه وأقسم وأحلف وأشهد وإن لم يقل بالله ولعمر الله وايم الله وعهد الله وميثاقه وعلي نذر ونذر الله وإن فعل كذا فهو كافر لا بعلمه وغضبه وسخطه ورحمته والنبي والقرآن والكعبة وحق الله وإن فعلته فعلي غضب الله وسخطه أو أنا زان أو سارق أو شارب خمر أو آكل ربا

ترجمہ: یمین خبر کی دو طرفوں میں سے ایک کو مقسم بہ کے ذریعہ مضبوط کرنا ہے، گزشتہ بات پر جان بوجھ کر جھوٹی قسم کھانا غموس ہے اور گمان سے لغو ہے اور اول میں گنہگار ہوگا نہ کہ ثانی میں اور آئندہ پر منعقدہ ہے اور صرف اس میں کفارہ ہے اگرچہ مجبوری یا بھول کر ہو یا حانث ہو جائے اسی طرح اور قسم اللہ تعالیٰ کی اور رحمن اور رحیم کی اور اس کی عزت و بزرگی اور اس کی کبریائی کی ہوتی ہے (اس کے الفاظ یہ ہیں) اقسم (قسم کھاتا ہوں) احلف (حلف اٹھاتا ہوں) اشہد (گواہی دیتا ہوں) اگرچہ لفظ باللہ نہ کہے اور لعمر اللہ، وایم اللہ سے اور عہد اللہ اور میثاق اللہ سے اور (اس سے کہ) مجھ پر نذر ہے یا اللہ کی نذر ہے۔ اور اگر ایسا کروں تو کافر ہوں، نہ کہ خدا کے علم، غضب، غصہ، رحمت، نبی، قرآن، کعبہ اور حق اللہ کی قسم کھانا۔ نہ یہ کہنا کہ اگر میں یہ کام کرلوں تو مجھ پر خدا کا غضب یا غصہ یا میں زانی یا چور یا شراب خور یا سود خور ہوں۔

یمین کی اصطلاحی تعریف اور اسکی اقسام ثلاثہ اور ان کا حکم

اليمين تقوية أحد طرفي الخبر بالمقسم به فحلفه على ماض كذبا عمدا غموس وظنا لغو وإثم في الأولى دون الثانية وعلى آت منعقدة وفيه الكفارة فقط: یہاں سے مصنفؒ یمین کے اصطلاحی معنی اور کی قسمیں بیان فرمارہے ہیں چنانچہ یمین کہتے ہیں خبر کی دو طرفوں میں ایک کو مقسم بہ کے ذریعہ مضبوط کرنا قسم کی تین قسمیں ہیں: (۱) غموس (۲) لغو (۳) منعقدہ۔

غموس: اس قسم کو کہتے ہیں کہ کسی گزشتہ یا حالیہ بات پر جھوٹی قسم کھائی جائے مثلاً یوں کہا جائے، خدا کی قسم میں نے یہ کام کیا تھا حالانکہ واقعۃً وہ کام نہیں کیا تھا، یا یوں کہا جائے، خدا کی قسم میں نے وہ کام نہیں کیا تھا۔ حالانکہ واقعۃً وہ کام کیا گیا تھا۔ غموس کا حکم یہ ہے کہ اس طرح جھوٹی قسم کھانے والا شخص گنہگار ہوتا ہے لیکن جمہور علماء کے نزدیک اس پر کفارہ واجب نہیں ہوتا البتہ توبہ اور استغفار ضروری ہوتا ہے اور امام شافعیؒ اور اوزاعیؒ کے نزدیک اس میں کفارہ واجب ہے، جمہور کہتے ہیں کہ یہ اتنا بڑا گناہ ہے کہ اس کی تلافی کفارہ سے ہو ہی نہیں سکتی اور جو لوگ وجوب کفارہ کے قائل ہیں وہ کہتے ہیں: انه احوج الى الكفارة من غيره کہ اس میں تو کفارہ کی اور زیادہ حاجت ہے۔

لغو: اس قسم کو کہتے ہیں جو کسی گزشتہ یا حالیہ پر کھائی جائے اور قسم کھانے والے کو یہ گمان ہو کہ وہ اسی طرح ہے جس طرح میں کہہ رہا ہوں لیکن واقعہ کے اعتبار سے وہ بات اس طرح نہ ہو جس طرح وہ کہہ رہا ہے مثلاً کوئی شخص یوں کہے کہ واللہ میں نے یہ کام نہیں کیا تھا حالانکہ اس شخص نے یہ کام کیا تھا مگر اس کو گمان ہے کہ میں نے کام نہیں کیا ہے۔

لغو کا حکم: لغو کا حکم یہ ہے کہ اس طرح قسم کھانے والے کے بارے میں امید یہی ہے کہ اس سے مواخذہ نہیں ہوگا۔

منعقدہ: اس قسم کو کہتے ہیں کہ کسی آئندہ کام کرنے یا نہ کرنے کے بارہ میں قسم کھائی جائے اس کا حکم یہ ہے کہ اگر قسم کے خلاف کیا جائیگا تو کفارہ واجب ہوگا مثلاً زید نے یوں کہا کہ خدا کی قسم میں آنے والی کل میں خالد کو سو روپے دوں گا اب اگر اس نے آنے والی کل میں خالد کو سو روپے نہیں دیئے تو اس پر قسم کو توڑنے کا کفارہ واجب ہوگا۔

منعقدہ قسم کی بعض صورتیں ایسی ہوتی ہیں جن میں قسم کا پورا کرنا واجب ہوتا ہے جیسے فرائض کو کرنے یا گناہ کو ترک کرنے کی قسم کھائی جائے، بعض صورتیں ایسی ہوتی ہیں جن میں قسم کا پورا نہ کرنا واجب ہوتا ہے۔ جیسے کوئی گناہ کو کرنے یا کسی واجب پر عمل نہ کرنے کی قسم کھائے تو اس قسم کو توڑنا ہی واجب ہے، اسی طرح منعقدہ قسم کی بعض صورتوں میں قسم کو توڑنا واجب تو نہیں ہوتا مگر بہتر ہوتا ہے جیسے کوئی یوں کہے کہ ”خدا کی قسم میں کسی مسلمان سے ملاقات نہیں کروں گا“ تو اس قسم کو پورا نہ کرنا بہتر ہے ان کے علاوہ اور صورتوں میں محافظت قسم کے پیش نظر قسم کو پورا کرنا افضل ہے۔

ولو مكرها او ناسيا او حنث كذلك: چنانچہ وجوب کفارہ کے سلسلے میں یہ ذہن نشین رہنا چاہئے کہ منعقدہ قسم توڑنے پر بہر

صورت کفارہ واجب ہوتا ہے قسم خواہ قصداً اٹھائی گئی ہو اور خواہ قسم کھانے والے کو قسم کھانے پر یا قسم توڑنے پر زبردستی مجبور کیا گیا ہو

وَالْیَمِیْنُ بِاللّٰہِ تَعَالٰی وَالرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ وَعِزَّتِہٖ وَجَلَالِہٖ وَکِبْرِیَائِہٖ: قسم کا انعقاد لفظ اللہ سے یا اللہ تعالیٰ کے دوسرے اسماء سے ہوتا ہے جیسے الرحمٰن، الرحیم وغیرہ یا صفات الٰہیہ میں سے کسی ایسی صفت سے جو عرف عام میں قسم کیلئے مستعمل ہو جیسے عزت، جلال اور کبریاء (مثلاً یوں کہے مجھے اللہ تعالیٰ کی عزت کی قسم یا مجھے اللہ تعالیٰ کی عظمت وجلال کی قسم کیونکہ ان الفاظ کے ساتھ قسم کھانا عرف عام میں رائج ہے۔

وَاُقْسِمُ وَاَحْلِفُ وَاَشْھَدُ وَاِنْ لَّمْ یَقُلْ بِاللّٰہِ: اُقسم، اَحلف، اَشہد مضارع کے صیغے ہیں جو حقیقۃً حال کیلئے موضوع ہیں اور کسی قرینے کی بناء پر مجازاً استقبال کیلئے بھی استعمال ہوتے ہیں تو اسے فی الحال یعنی اسی وقت حالف قرار دیا جائیگا اور ماضی کے صیغے کا حکم بھی ایسا ہی ہے، مثلاً حلفت شہدت یا اقسمت کہے کیونکہ یہ الفاظ لغت اور عرف دونوں میں یمین کیلئے مستعمل ہیں اس لئے ان کے ساتھ اللہ کا نام ذکر نہ کرنے سے بھی قسم منعقد ہو جائیگی اگرچہ حالف باللہ کا لفظ ذکر نہ کرے کیونکہ صرف اللہ تعالیٰ کے نام کی قسم کھانا ہی معہود شرعی ہے اور غیر اللہ کی قسم ممنوع ہے لہٰذا اقسم وغیرہ کو اقسم باللہ پر محمول کیا جائیگا۔

وَلَعَمْرُ اللّٰہِ وَاَیْمُ اللّٰہِ وَعَھْدُ اللّٰہِ وَمِیْثَاقِہٖ وَعَلَیَّ نَذْرٌ وَنَذْرُ اللّٰہِ: لعمر اللہ اور ایم اللہ کہنے سے حالف ہوگا کیونکہ لعمر اللہ کے معنی بقاء اللہ کے ہیں اور یہ اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اور کسی صفت الٰہیہ سے قسم منعقد ہو جاتی ہے اور ایم اللہ میں نحویوں کا اختلاف ہے۔ چنانچہ کوفیین کے نزدیک یہ لفظ "یمین" سے ماخوذ ہے اور قسم میں اس کا نون لازمی طور پر محذوف رہتا ہے اور "ایمن" بفتح الہمزہ وضم المیم یمین کی جمع ہے اور بصریین کے نزدیک "وایم اللہ" واللہ کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے "ایم" واو کی طرح مستقل کلمہ ہے اور ان دونوں الفاظ سے قسم کھانا مروج ومتعارف ہیں اسی طرح عہد اللہ اور میثاق اللہ کے الفاظ بھی قسم بن سکتے ہیں کیونکہ عہد قسم ہوتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿واوفوا بعہد اللہ﴾ اور میثاق کا معنی بھی عہد ہے لہٰذا دونوں الفاظ کے استعمال سے قسم کا انعقاد ہو جائیگا اسی طرح اگر کسی نے کہا کہ مجھ پر نذر ہے یا مجھ پر نذر اللہ ہے تو یہ قسم ہوگی کیونکہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ جس شخص نے نذر مانی لیکن نذر کی توضیح نہ کی ہو تو اس پر قسم کا کفارہ واجب ہوگا۔

اگر وہ ایسا کرے تو کافر ہے یہ قسم ہے

وَاِنْ فَعَلَ کَذَا فَھُوَ کَافِرٌ: اگر کوئی شخص اس طرح کہے کہ اگر وہ ایسا کام کرے تو وہ کافر ہے تو قسم منعقد ہو جائیگی اگرچہ اسکے خلاف کرنے پر وہ کافر نہ ہوگا کیونکہ جب اس نے شرط کو کفر پر علامت قرار دیا تو اس نے یہ اعتقاد کرلیا کہ جس چیز پر قسم کھائی ہے اس سے احتراز واجب ہے جیسے کوئی شخص یوں کہے کہ مجھ پر یہ حرام ہے تو یہ جملہ قسم کے قائم مقام ہوتا ہے۔ اسی طرح مذکورہ صورت میں بھی محلوف علیہ سے امتناع واجب ہے تو جملہ شرطیہ قسم کے قائم مقام ہوگا۔

لَا بِعِلْمِہٖ وَغَضَبِہٖ وَسَخَطِہٖ وَرَحْمَتِہٖ: اور اگر کوئی شخص کہے بعلم اللہ، وغضب اللہ، وسخط اللہ، ورحمۃ اللہ تو

قسم منعقد نہیں ہوگی کیونکہ ان الفاظ کے ساتھ قسم کھانا عرف عام میں رائج نہیں ہے۔

نبی، قرآن اور کعبہ کی قسم کا حکم

وَالنَّبِيِّ وَالْقُرْآنِ وَالْكَعْبَةِ وَحَقِّ اللّٰهِ: اگر کوئی شخص غیر اللہ کے نام سے قسم کھائے مثلاً کہے نبی کی قسم، قرآن کی قسم، کعبہ کی قسم تو قسم منعقد نہیں ہوگی۔ غیر اللہ کی قسم کھانا حرام ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں اپنے باپ دادا کے نام پر قسم کھانے سے منع فرماتا ہے۔ تو جسے قسم کھانی ہے وہ اللہ کے نام سے قسم کھائے یا خاموش رہے۔ اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ اللہ کے نام پر قسم بلاشبہ یمین ہے اور اللہ کی صفات سے قسم میں عرف کا اعتبار ہے اور غیر اللہ کے نام سے قسم کھانا مطلقاً یمین نہیں ہے۔ بعض مشائخ فرماتے ہیں کہ آج کل قرآن کریم کی قسم کھانا لوگوں میں متعارف ہے۔ لہٰذا اگر کوئی شخص قرآن کریم کی قسم کھا بیٹھا تو حالف شمار ہوگا۔ (شرح وقایہ، البحر الرائق) اور اگر حق اللہ کہے تو قسم منعقد نہیں ہوگی کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کے صفات میں نہیں ہے البتہ اگر والحق کہے تو قسم ہو جائے گی کیونکہ یہ صفات الٰہیہ میں سے ہے۔ (تبیین الحقائق)

وَإِنْ فَعَلْتُهُ فَعَلَيَّ غَضَبُ اللّٰهِ وَسَخَطُهُ: اگر کوئی شخص یہ کہے کہ اگر وہ یہ کام کرے تو اس پر اللہ کا غضب یا اس کی ناراضگی یا اس کی لعنت نازل ہو اس سے قسم منعقد نہیں ہوتی ہے کیونکہ ایک تو ان صفات سے قسم کھانا مروج و متعارف نہیں ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ اس نے اپنے آپ پر بددعا کی اور اس کا تعلق شرط سے نہیں ہے۔

أنَا زَانٍ أوْ سَارِقٌ أوْ شَارِبٌ سے قسم کھانے کا حکم

أوْ أنَا زَانٍ أوْ سَارِقٌ أوْ شَارِبُ خَمْرٍ أوْ آكِلُ رِبَا: اسی طرح اگر کہے کہ اگر میں ایسا کام کروں تو میں زانی ہوں، یا چور ہوں، یا شراب خوار ہوں، یا سود خوار ہوں تو حالف نہ ہوگا کیونکہ ان امور کی حرمت میں تبدیلی و نسخ کا احتمال ہے لہٰذا یہ امور اللہ تعالیٰ کے نام کی حرمت کے معنی میں نہ ہوں گے لہٰذا ان الفاظ سے قسم کھانا متعارف بھی نہیں۔ مثلاً سود دار الاسلام میں حرام ہے مگر دار الحرب میں کفار سے سود لینا حرام نہیں لیکن اسم الٰہی کی عظمت و حرمت میں کوئی تبدیلی نہیں آتی۔ اللہ تعالیٰ کے نام کی عظمت ازل سے ہے اور ابد تک رہے گی۔

وَحُرُوفُهُ الْبَاءُ وَالْوَاوُ وَالتَّاءُ وَقَدْ تُضْمَرُ وَكَفَّارَتُهُ تَحْرِيرُ رَقَبَةٍ أوْ إطْعَامُ عَشَرَةِ مَسَاكِينَ كَمَا فِي الظِّهَارِ أوْ كِسْوَتُهُمْ بِمَا يَسْتُرُ عَامَّةَ الْبَدَنِ فَإنْ عَجَزَ عَنْ أحَدِهَا صَامَ ثَلَاثَةَ أيَّامٍ مُتَتَابِعَةً وَلَا يُكَفِّرُ قَبْلَ الْحِنْثِ وَمَنْ حَلَفَ عَلَى مَعْصِيَةٍ يَنْبَغِي أنْ يَحْنَثَ وَيُكَفِّرَ وَلَا كَفَّارَةَ عَلَى كَافِرٍ وَإنْ حَنِثَ مُسْلِمًا وَمَنْ حَرَّمَ مِلْكَهُ لَمْ يَحْرُمْ وَإنِ اسْتَبَاحَهُ كَفَّرَ كُلُّ حِلٍّ عَلَيَّ حَرَامٌ فَهُوَ عَلَى الطَّعَامِ وَالشَّرَابِ وَالْفَتْوَى عَلَى أنَّهُ تَبِينُ امْرَأتُهُ مِنْ غَيْرِ نِيَّةٍ وَمَنْ نَذَرَ نَذْرًا مُطْلَقًا أوْ مُعَلَّقًا بِشَرْطٍ وَوُجِدَ

روایت خبر مشہور کی وجہ سے بھی ہے اور خبر مشہور سے کتاب اللہ پر زیادتی کرنا جائز ہے۔

ولا یکفر قبل الحنث: ہمارے نزدیک قسم توڑنے سے پہلے کفارہ دینا جائز نہیں چنانچہ اگر قبل الحنث کفارہ دیدیا پھر حانث ہوا تو دوبارہ کفارہ دینا واجب ہوگا۔ بخلاف امام شافعی کے کہ ان کے نزدیک قبل الحنث کفارہ دینا درست ہے کیونکہ ان کے نزدیک کفارہ کا سبب یمین ہے اور حنث وجوب ادا کی شرط ہے چونکہ سبب متحقق ہو چکا ہے تو حنث پر کفارہ کو مقدم کرنا جائز ہوگا اور ہمارے نزدیک قسم کو توڑنا سبب کفارہ ہے کیونکہ یمین تو منعقد ہوئی ہے کہ اس کو پورا کیا جائے اور کفارہ قسم توڑنے کی صورت میں واجب ہوتا ہے اس لئے یمین سبب کفارہ نہیں ہے بلکہ حنث کفارہ کا سبب ہے اور یمین شرط وجوب ہے لہذا کفارہ حنث پر مقدم نہیں ہو سکتا اور امام شافعی کا یہ اختلاف صرف کفارہ مالیہ میں ہے کیونکہ مالی کفارہ میں یہ ممکن ہے کہ نفس وجوب ثابت ہو اور وجوب ادا ثابت نہ ہو جیسے ثمن کے اندر نفس وجوب ثابت ہوتا ہے بیع سے اور وجوب ادا مطالبہ ثمن سے تو نفس وجوب کا تعلق مال سے اور وجوب ادا کا تعلق فعل سے ہوگا۔ ہم کہتے ہیں کہ حقوق اللہ میں مال مقصود نہیں ہوا کرتا اس لئے کفارہ مالیہ اور غیر مالیہ دونوں برابر ہوں گے علاوہ ازیں عبادات بدنیہ میں بھی نفس وجوب وجوب ادا سے جدا ہوتا ہے چنانچہ نفس وجوب عبادت کی مخصوص ہیئت سے متعلق ہوتا ہے اور وجوب ادا اس ہیئت مخصوصہ کے واقع کرنے سے متعلق ہوتا ہے۔

معصیت پر قسم کھانے کا حکم

ومن حلف علی معصیة ینبغی ان یحنث ویکفر: اگر کوئی شخص معصیت پر قسم کھائے مثلاً والدین کے ساتھ کلام نہ کرنے پر تو اس پر لازم ہے کہ وہ قسم توڑ دے اور کفارہ ادا کرے کیونکہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ اگر کوئی شخص کسی بات پر قسم کھائے اور پھر دیکھے کہ اس کے خلاف کرنا اس قسم پوری کرنے سے بہتر ہے تو اسے چاہئے کہ اس کام کو کرلے اپنی قسم توڑ دے اور اپنی قسم کا کفارہ ادا کردے۔

ولا کفارة علی کافر وان حنث مسلما ومن حرم ملکه لم یحرم وان استباحه کفر: اور اگر کافر نے قسم کھائی تو اس پر کفارہ نہیں ہے اگرچہ وہ اسلام لانے کے بعد حانث ہو کیونکہ کفارہ ایک طرح سے عبادت ہے یہی وجہ ہے کہ روزے سے بھی ادا ہو جاتا ہے اور کافر عبادت کا اہل نہیں ہے اور یمین کا اہل بھی نہیں اس لئے کہ وہ اللہ کی تعظیم کے لئے منعقد ہوتا ہے اور کفر اس کی منافی ہے۔

کل حل علی حرام کہنے سے طلاق کا حکم

کل حل علی حرام فهو علی الطعام والشراب والفتوی علی انه تبین امراته من غیر نیة: اگر کوئی شخص یوں کہے کہ ہر حلال شے مجھ پر حرام ہے تو اس قسم کے تحت صرف کھانے اور پینے کی اشیاء داخل ہوں گی۔ ہاں اگر ان کے علاوہ دیگر اشیاء کی نیت کرے تو وہ اشیاء بھی شامل ہوں گی لیکن فتویٰ اس پر ہے کہ قسم کے مذکورہ جملے سے نیت کے بغیر بھی طلاق ہو جاتی ہے کیونکہ

اس قسم کے الفاظ ذاتاً ایسے معانی میں استعمال ہوتے ہیں۔

نذر میں کفارۂ یمین کا حکم

وَمَنْ نَذَرَ نَذْرًا مُطْلَقًا أَوْ مُعَلَّقًا بِشَرْطٍ وَوُجِدَ وَفَى بِهِ: اگر کوئی شخص مطلق نذر مانے یعنی نذر کو کسی شرط کے ساتھ معلق نہ کرے مثلاً کہے۔ اللہ کیلئے مجھ پر آج کے دن کا روزہ ہے، یا کسی شرط کے ساتھ معلق کرے اور شرط بھی ایسی ہے کہ اس کے وجود کو وہ چاہتا ہے مثلاً کہے کہ اگر میرا فلاں غائب واپس آ جائے تو مجھ پر ایک روزہ ہے اور وہ شرط پائی گئی تو اپنی نذر پوری کرے اور اگر شرط ایسی ہے کہ اس کے ہونے کو نہیں چاہتا بلکہ اس کے باز رہنے کا ارادہ ہے مثلاً کہے کہ اگر میں زنا کروں تو مجھ پر ایک روزہ ہے تو صحیح یہ ہے کہ اس میں اختیار ہے چاہے نذر پوری کرے اور چاہے کفارہ دے۔

وَلَوْ وَصَلَ بِحَلْفِهِ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ بَرَّ: اگر کسی شخص نے کسی بات پر قسم کھائی اور اس کے ساتھ متصل ہی ان شاء اللہ بھی کہہ دیا تو وہ حانث نہیں ہوگا کیونکہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: جو شخص جس نے قسم کھائی اور ساتھ ہی ان شاء اللہ کہہ دیا تو وہ اپنی قسم کی ذمہ داری سے بری ہو گیا چونکہ ان شاء اللہ کہنے سے قسم کا انعقاد نہیں ہوتا لہٰذا حانث ہونے کی صورت ممکن نہیں رہتی لیکن قسم سے فراغت کے بعد کچھ دیر توقف کرکے ان شاء اللہ کہنا قسم کے عدم انعقاد میں موثر نہیں ہوتا

بَابُ الْيَمِيْنِ فِي الدُّخُوْلِ وَالْخُرُوْجِ وَالسُّكْنٰى وَالْإِتْيَانِ وَغَيْرِ ذٰلِكَ

داخل ہونے نکلنے اور رہنے آنے وغیرہ کی قسم کا بیان

اس باب میں اصل ضابطہ یہ ہے کہ ہمارے نزدیک ایمان کی بنیاد عرف پر ہے جب تک کہ متکلم اپنے لفظ سے دوسرے کسی احتمالی مفہوم کی نیت نہ کرے کیونکہ متکلم عرف کے مطابق کلام کرتا ہے اور اسی اصل پر اس باب کے فروع متفرع ہیں اور امام شافعیؒ کے نزدیک ایمان کی بنیاد حقیقت لغویہ پر ہے اور امام مالکؒ کے نزدیک اس کی بنیاد استعمال قرآنی پر ہے۔

حَلَفَ لَا يَدْخُلُ بَيْتًا لَا يَحْنَثُ بِدُخُوْلِ الْكَعْبَةِ وَالْمَسْجِدِ وَالْبِيْعَةِ وَالْكَنِيْسَةِ وَالدِّهْلِيْزِ وَالظُّلَّةِ وَالصُّفَّةِ وَفِيْ دَارٍ بِدُخُوْلِهَا خَرِبَةً وَفِيْ هٰذِهِ الدَّارِ يَحْنَثُ وَإِنْ بُنِيَتْ دَارًا أُخْرٰى بَعْدَ الْاِنْهِدَامِ وَإِنْ جُعِلَتْ بُسْتَانًا أَوْ مَسْجِدًا أَوْ حَمَّامًا أَوْ بَيْتًا لَا كَهٰذَا الْبَيْتِ فَهُدِمَ أَوْ بُنِيَ آخَرُ وَالْوَاقِفُ عَلَى السَّطْحِ دَاخِلٌ وَفِيْ طَاقِ الْبَابِ لَا وَدَوَامُ اللُّبْسِ وَالرُّكُوْبِ وَالسُّكْنٰى كَالْإِنْشَاءِ لَا دَوَامُ الدُّخُوْلِ لَا يَسْكُنُ هٰذِهِ الدَّارَ أَوِ الْبَيْتَ أَوِ الْمَحَلَّةَ فَخَرَجَ وَبَقِيَ مَتَاعُهُ وَأَهْلُهُ حَنِثَ بِخِلَافِ الْمِصْرِ.

ترجمہ: قسم کھائی کہ وہ بیت (یعنی گھر) میں داخل نہیں ہوگا تو کعبہ میں، مسجد میں، کلیسہ میں، گرجا میں، ڈیوڑھی میں، سائبان میں اور چبوترہ میں داخل ہونے سے حانث نہ ہوگا، اور "دار" کہنے (کی صورت) میں اس کے ویران ہونے کے بعد داخل ہونے سے حانث نہ ہوگا اور

ہوتا ورنہ بلا ضرورت مسجد سے نکلنے سے اعتکاف فاسد ہو جاتا ہے۔ لیکن مختار یہ ہے کہ اگر قسم کھانے والا عجمی ہو تو چھت پر چڑھنے سے حانث نہیں ہوگا کیونکہ عجم کے عرف کے مطابق چھت پر چڑھنے کو دخول دار نہیں سمجھا جاتا۔

وَفِیْ طَاقِ الْبَابِ لَا: اگر کوئی شخص قسم کھائے کہ وہ اس گھر میں داخل نہ ہوگا تو دروازے کی چوکھٹ پر کھڑے ہونے سے حانث نہ ہوگا بشرطیکہ اگر دروازے کو بند کیا جائے تو وہ دروازے سے باہر ہے کیونکہ اس طرح کی جگہ کو گھر سے باہر شمار کیا جاتا ہے اس لئے اس میں آکر کھڑا ہونا داخل ہونے کے حکم میں نہیں اور اگر یہ چوکھٹ ایسی ہو کہ دروازہ بند کرنے سے اندر پڑ جائے تو داخل نہ ہونے کی قسم میں حانث ہو جائیگا۔

کپڑا پہنے ہوئے ہو اور قسم کھائے کہ یہ کپڑا نہیں پہنے گا اس کا حکم اور اس میں قاعدہ کلیہ

وَدَوَامُ اللُّبْسِ وَالرُّکُوْبِ وَالسُّکْنٰی کَالْاِنْشَاءِ لَا دَوَامُ الدُّخُوْلِ: کوئی شخص کپڑا پہنے ہوئے ہو اور وہ قسم کھائے کہ یہ کپڑا نہیں پہنے گا اب اگر قسم کھاتے ہی اتار دے، اسی طرح اگر ایک سواری پر بیٹھے ہوئے قسم کھائے کہ وہ اس پر سوار نہ ہوگا تو اسی وقت نیچے اتر آئے، اسی طرح جس گھر میں سکونت پذیر ہے اس نے سامان سمیٹنا شروع کر دیا تو ان سب صورتوں میں حانث نہیں ہوگا لیکن اگر کچھ دیر اسی حالت میں رہا تو حانث ہو جائیگا کیونکہ ان افعال کیلئے دوام ثابت ہے اور دوام کیلئے ابتدائی طور پر کرنے کا حکم ہوتا ہے۔ یعنی مداومت از سر نو کرنے کے برابر ہوگی البتہ دخول کیلئے دوام نہیں ہے۔ کہ اگر کسی نے قسم کھائی کہ اس گھر میں داخل نہ ہوگا حالانکہ وہ حلف کے وقت اس گھر میں موجود تھا پھر اس میں بیٹھا رہا تو اس بیٹھے رہنے سے حانث نہ ہوگا کیونکہ اس نے تو داخل ہونے کی قسم کھائی ہے اور دخول کہتے ہیں باہر سے اندر آنے کو تو ٹھہرنے کے باعث حانث نہ ہوگا کیونکہ یہ دخول نہیں ہے۔

لَا یَسْکُنُ هٰذِهِ الدَّارَ اَوِ الْبَیْتَ اَوِ الْمَحَلَّةَ فَخَرَجَ وَبَقِیَ مَتَاعُهٗ وَاَهْلُهٗ حَنِثَ بِخِلَافِ الْمِصْرِ: اگر کوئی کہے کہ میں اس گھر میں یا اس مکان میں یا اس محلے میں نہیں رہوں گا اور وہ وہاں سے چلا گیا لیکن اس کا مال و متاع اور اہل و عیال سب وہیں ہیں تو حانث ہو جائیگا کیونکہ عرفاً سکونت وہیں کی سمجھی جاتی ہے جہاں اہل و عیال ہوں مثلاً کئی بازاری تمام دن بازار میں رہتے ہیں لیکن وہیں کے کہلاتے ہیں جہاں ان کے اہل و عیال اور مال و اسباب ہوتا ہے پھر امام صاحبؒ کے نزدیک پورا سامان منتقل کرنا ضروری ہے اگر ایک کیل بھی وہاں رہ گئی تو حانث ہو جائیگا امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اکثر سامان منتقل کر لینا کافی ہے اور اسی پر فتویٰ ہے بخلاف مصر کے کہ اگر یوں قسم کھائی کہ وہ اس شہر میں نہیں رہیگا تو اس قسم کا اہل و عیال اور مال و اسباب کے منتقل کرنے پر موقوف نہیں ہوگا یعنی اس صورت میں جب کہ اس کے اہل و عیال اور مال و اسباب سابقہ شہر ہی میں ہوں تو حانث نہیں ہوگا کیونکہ جب کوئی شخص کسی شہر سے منتقل ہو جائے تو وہ عرفاً اس شہر کا باشندہ شمار نہیں کیا جاتا۔

لَا یَخْرُجُ فَاُخْرِجَ مَحْمُوْلًا بِاَمْرِهٖ حَنِثَ وَبِرِضَاهُ لَا بِاَمْرِهٖ اَوْ مُکْرَهًا لَا کَلَا یَخْرُجُ اِلَّا اِلٰی جِنَازَةٍ

شوہر نے کہا اگر تو نکلی یا نکلے گا اور مارا چاہا تو شوہر نے کہا اگر تو نے مارا تو یہ اسی نکلنے اور مارنے کی ساتھ مقید ہوگا جیسے کسی نے کہا بیٹھو اور میرے پاس ناشتہ کرو اس نے کہا اگر میں ناشتہ کروں تو غلام کی سواری ... اگر نیت کرے ... غلام پر قرض نہ ہو۔

استطاعت ہوئی تو میں کل ضرور مکہ جاؤں گا اور حقیقی استطاعت کی نیت کرے تو اس کا حکم

لَآتِيَنَّهُ إِنِ اسْتَطَاعَ فَهُوَ عَلَى اسْتِطَاعَةِ الصِّحَّةِ وَإِنْ نَوَى الْقُدْرَةَ دُيِّنَ: اور اگر وہ اس طرح قسم کھائے کہ اگر استطاعت ہوئی تو میں کل ضرور مکہ جاؤں گا اور اس روز کوئی مانع حتیٰ مرض یا بادشاہ کی طرف سے حکم امتناعی پیش نہیں آیا پھر بھی نہ گیا تو حانث ہو جائیگا اور اگر حقیقی استطاعت کی نیت کرے تو دیانۃً تصدیق کی جائیگی یعنی اگر وہ اس استطاعت سے حقیقی استطاعت مراد لے یعنی ایسی قدرت جس سے فعل کا صدور اور وجوب واجب ہو جاتا ہے اور جو فعل کے مقارن ہوتی ہے تو اس کی یہ نیت دیانۃً تصدیق کی جائیگی قضاءً معتبر نہ ہوگی کہ قاضی کے نزدیک حانث ہو جائیگا کیونکہ عرف میں سلامت اسباب اور صحت آلات پر استطاعت کا اطلاق ہوتا ہے تو اس کے دوسرے (حقیقی) معنی استطاعت ظاہر کے خلاف ہیں اسلئے قضاءً اس کی تصدیق نہیں کی جائیگی۔

لَا تَخْرُجْ إِلَّا بِإِذْنِي شَرْطٌ لِكُلِّ خُرُوجٍ إِذْنٌ بِخِلَافِ إِلَّا أَنْ وَحَتّٰى: اگر کسی شخص نے اپنی بیوی کے بارے میں کہا لا تخرجی الا باذنی تو ہر بار نکلنے کیلئے اجازت شرط ہوگی اگر بیوی ایک مرتبہ اجازت سے نکلی اور پھر دوسری بار اجازت کے بغیر نکل گئی تو حانث ہو جائیگا کیونکہ الا باذنی میں "با" الصاق کیلئے ہے پس ہر خروج کا صفت اذن کے ساتھ ملصق ہونا ضروری ہے اور اگر الا ان یا حتی استعمال کرتے ہوئے لا تخرجی الا ان اذن یا حتی اذن کہا تو ہر بار اجازت شرط نہیں کیونکہ ان اور حتی فعل کو مصدر کے معنی میں کر دیتا ہے تو اذن "اذن مصدر کے معنی میں ہو جائیگا" اور اذن و خروج ہم جنس نہیں اس لئے حقیقی معنی یعنی استثناء کا ارادہ صحیح نہ ہوگا لامحالہ اذن کو مجازاً غایت کے معنی پر محمول کرنا پڑے گا کیونکہ استثناء اور غایت میں بالکل کلی مناسبت موجود ہے اب معنی یہ ہوں گے تا وقتیکہ میں اجازت دوں اذن کے پائے جانے تک خروج ممنوع ہوگا اور جب ایک بار اذن پایا گیا تو ممانعت ختم ہو گئی۔

وَلَوْ أَرَادَتِ الْخُرُوجَ فَقَالَ إِنْ خَرَجْتِ أَوْ ضَرْبَ الْعَبْدِ فَقَالَ إِنْ ضَرَبْتِ تَقَيَّدَ بِهِ كَاجْلِسْ فَتَغَدَّ عِنْدِي فَقَالَ إِنْ تَغَدَّيْتُ جب عورت گھر سے نکلنے کا ارادہ کر رہی ہو اور اس لئے بالکل تیار ہو اس وقت خاوند کہے "اگر تو نکلی تو تجھے طلاق ہے" یا عورت غلام کو مارنے کا قصد کر رہی ہو ایسے وقت خاوند کہے اگر تو نے اپنے غلام کو یا میرے غلام کو مارا تو تجھے طلاق ہے" تو ان دونوں صورتوں میں اور ان کے مشابہ مسائل میں حانث ہونے و شرط پر جزاء مرتب ہونے کی شرط یہ ہے کہ محلوف علیہ فعل پر فوراً عمل ہو اب اگر اس وقت عورت رک جائے اور کچھ دیر کے بعد اس نے غلام کو مارا یا وہ گھر سے باہر نکلی تو طلاق واقع نہیں ہوگی اس قسم کی یمین کو "یمین الفور" کہا جاتا ہے اسی طرح اگر کوئی شخص کسی سے کہے کہ "آؤ صبح کا کھانا میرے ساتھ کھاؤ" اور اس نے کہا اگر صبح کا کھانا کھاؤں تو میرا غلام آزاد ہے تو یمین میں حانث ہونے کیلئے شرط یہ ہے کہ وہ اس کے

ساتھ کھانے اگرچہ جا کر گھر کا کھانا کھایا تو حانث نہیں ہوگا جیسا کہ گزر چکی۔

ومرکب عبده مرکبه إن نوی ولا دین علیه: اگر کسی شخص نے قسم کھائی کہ زید کے جانور پر سوار نہ ہوگا اس کے بعد زید کے عبد ماذون (فی التجارۃ) کے جانور پر سوار ہوا تو اگر غلام اتنا مدیون ہے کہ دین اس کی قیمت اور کسب کو محیط ہے تو حانث نہ ہوگا کیونکہ ایسی حالت میں دراصل زید اس جانور کا مالک نہیں ہے بلکہ عبد ماذون ہی مالک ہے اور اگر عبد ماذون پر دین محیط نہیں ہے تو اگر اس کی نیت جانور سے وہ جانور تھا جو زید کیلئے خاص ہے تو بھی حانث نہ ہوگا اور اگر مطلق جانور کی نیت کی جو زید کی ملک ہو چاہے زید کیلئے خاص ہو یا اس کے غلام کا ہو تو اس صورت میں حانث ہو جائیگا۔

بَابُ الْيَمِيْنِ فِي الْأَكْلِ وَالشُّرْبِ وَاللُّبْسِ وَالْكَلَامِ

کھانے، پینے، پہننے اور کلام کرنے پر قسم کھانے کا بیان

لا يَأْكُلُ مِنْ هٰذِهِ النَّخْلَةِ حَنِثَ بِثَمَرِهَا وَلَوْ عَيَّنَ الْبُسْرَ وَالرُّطَبَ وَاللَّبَنَ لَا يَحْنَثُ بِرُطَبِهِ وَتَمْرِهِ وَشِيْرَازِهِ بِخِلَافِ هٰذَا الصَّبِيِّ وَهٰذَا الشَّابِّ وَهٰذَا الْحَمَلِ لَا يَأْكُلُ بُسْرًا فَأَكَلَ رُطَبًا لَمْ يَحْنَثْ وَفِيْ لَا يَأْكُلُ بُسْرًا أَوْ رُطَبًا أَوْ لَا يَأْكُلُ رُطَبًا وَلَا بُسْرًا حَنِثَ بِالْمُذَنِّبِ وَلَا يَحْنَثُ بِشِرَاءِ كِبَاسَةِ بُسْرٍ فِيْهَا رُطَبٌ فِيْ لَا يَشْتَرِيْ رُطَبًا وَيَحْنَثُ فِيْ لَا يَأْكُلُ لَحْمًا وَلَحْمُ الْخِنْزِيْرِ وَالْإِنْسَانِ وَالْكَبِدُ وَالْكَرِشُ لَحْمٌ لَا بِشَحْمِ الظَّهْرِ فِيْ شَحْمٍ وَبِأَلْيَةٍ فِيْ لَحْمًا أَوْ شَحْمًا۔

ترجمہ: کھجور کے اس درخت سے نہ کھائیگا تو اس کے پھل (کھانے) سے حانث ہو جائیگا اور اگر معین کیا کچی پکی اور دودھ کو تو حانث نہیں ہوگا اس کے پکنے اور خشک اور اس سے بخلاف اس بچے اور اس جوان اور اس حمل کے اگر کچی کھجور نہ کھاؤں گا پھر پکی کھائی تو حانث نہ ہوگا پکی یا کچی نہ کھاؤں گا یا پکی نہ کھاؤں گا نہ کچی تو گدر کھانے سے حانث ہو جائیگا اور کچی کھجور کا ایسا خوشہ خریدنے سے حانث نہ ہوگا جس میں کچھ پکی بھی ہوں اس قسم میں کہ میں تر و تازہ کھجور نہ خریدوں گا اور پھل کھانے سے اس قسم میں کہ گوشت نہ کھاؤں گا اور خنزیر اور انسان کا گوشت اور کلیجی اور اوجھڑی گوشت ہے اور پیٹھ کی چربی کھانے سے چربی کی قسم میں اور دنبہ کی چکی کھانے سے گوشت یا چربی کی قسم میں۔

لا یأکل من هذه النخلة حنث بثمرها: اس کھجور کے درخت سے نہ کھاؤں گا تو یہ قسم اس کے پھل کھانے کے ساتھ محدود رہے گی کیونکہ حقیقی معنی شرعا و عرفا متروک ہے تو اس کی لکڑی، پتے کھانے سے حانث نہ ہوگا البتہ جمار کھانے سے حانث ہو جائیگا جمار درخت کھجور کا وہ نرم اور سفید حصہ ہے جو نہایت لذیذ ہوتا ہے۔ لیکن جو انسانی صنعت سے تیار ہو مثلاً مربہ، شیرہ وغیرہ اس کے کھانے سے حانث نہ ہوگا۔

ولو عین البسر والرطب واللبن لا یحنث برطبه وتمره: اور اگر کوئی شخص قسم کھائے کہ میں اس کچی کھجور میں سے

نہیں کھاؤں گا پھر اس نے پکنے کے بعد کھایا یا قسم کھائی کہ ان پکے ہوئے تر کھجوروں میں سے نہ کھاؤں گا پھر خشک ہونے کے بعد کھایا یا یہ کہا اس دودھ سے نہ کھاؤں گا پھر دہی ہونے کے بعد کھایا اگر مطلقاً کچا کھجور نہ کھانے کی قسم کھائے پھر کوئی پکا ہوا تر و تازہ کھجور کھا لیا تو حانث نہ ہوگا وضح رہے کہ "لا یا کل من هذه البسر" کا قول (متعین کھجور کی طرف اشارہ کرتے ہیں) اور "لا یاکل البسر" میں (جبکہ بلا تعین مطلق کچے کھجور کا ذکر کرے) قسم کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں خواہ متعین کھجور پکنے کے بعد کھائے یا (دوسری صورت میں) مطلق پکا ہوا تازہ کھجور کھائے (اور ان صورتوں میں حانث نہ ہونے کا حکم) اس بات پر مبنی ہے کہ کھجور میں "بسر" اور "رطب" دو الگ جنس کا نام ہے تو جب کھجور بسر کی حالت سے رطب ہو جائے تو اس کی ماہیت (بدل کر اس کی حقیقت) دوسری ہو جاتی ہے یہی وجہ دودھ میں بھی ہے۔

بخلاف هذا الصبي وهذا الشاب وهذا الحمل: بخلاف اس صورت کے جب یوں قسم کھائے کہ اس بچے سے یا اس نوجوان سے کلام نہیں کروں گا اور اگر ان کے بڑھاپے کی حالت میں کلام کیا (تو بھی حانث ہو جائے گا) اگرچہ تغیر صفت سے قسم باقی نہیں رہتی لیکن مذکورہ صورت میں شریعت نے اس صفت کو ساقط کر دیا ہے لہٰذا صفت کا اعتبار نہیں ہوگا کیونکہ مسلمان سے بات چیت اور کلام کا ترک شریعت نے ممنوع قرار دیا ہے لہٰذا اس صفت کو قسم کے انعقاد کا سبب قرار دینا شرعاً معتبر نہیں ہے۔

لا یاکل بسرا فاکل رطبا لم یحنث وفي لا یاکل بسرا او رطبا او لا یاکل رطبا ولا بسرا حنث بالمذنب: اگر قسم کھائی کہ رطب نہ کھاؤں گا اور نہ بسر پھر اس نے مذنب کھائی (مذنب وہ کھجور ہے کہ دم کی طرف سے پختہ ہوا اور شاخ کی طرف سے نیم پختہ) تو حانث نہیں ہوگا کیونکہ رطب مذنب وہ کھجور ہے جس کی دم میں کچھ نیم پختگی ہو اور بسر مذنب اس کے برعکس ہوتی ہے تو اس کا کھانے والا بسر اور رطب کا کھانے والا ہوگا اور ان میں سے ہر ایک کھانے میں مقصود بھی ہے۔

ولا یحنث بشراء کباسة بسر فيها رطب في لا یشتري رطبا: اگر قسم کھائی کہ رطب نہیں خریدوں گا پھر کھجوروں کا ایک ایسا خوشہ خریدا کہ جس میں رطب بھی ہیں تو حانث نہ ہوگا کیونکہ خرید پورے خوشے پر واقع ہوئی ہے اور قلیل کھجور کثیر کے تابع ہوگی

قسم کھائی کہ گوشت نہیں کھاؤں گا تو مچھلی کا گوشت کھانے سے حانث نہ ہوگا

وبسمك في لا یاکل لحما ولحم الخنزير والانسان والكبد والكرش لحم: اگر قسم کھائی کہ گوشت نہیں کھاؤں گا تو مچھلی کا گوشت کھانے سے حانث نہ ہوگا کیونکہ مچھلی کے گوشت کو اگرچہ قرآن حکیم میں لحم نام دیا گیا ہے چنانچہ ارشاد ہے: (لتاکلوا منه لحما طريا) مگر عرف میں اسے گوشت نہیں کہتے اور یمین کا مدار عرف پر ہے اگر جگر یا اوجھڑی یا سور کا یا آدمی کا گوشت کھایا تو حانث ہو جائے گا اور بعض فقہاء فرماتے ہیں کہ ہمارے عرف کے اعتبار سے جگر یا اوجھڑی کھانے سے حانث نہ ہوگا کیونکہ ان چیزوں کو ہمارے عرف میں گوشت نہیں کہتے ہیں البتہ سور اور آدمی کا گوشت کھانے سے حانث ہوگا کیونکہ یہ دونوں حقیقۃً گوشت ہیں اگرچہ حرام ہیں اور بعض فقہاء کرام فرماتے ہیں کہ اگر قسم کھانے والا مسلمان ہو تو حانث نہیں ہوگا اور یہی

قول صحیح ہے۔

وَبِشَحْمِ الظَّهْرِ فِي شَحْمِهِ أَوْ بِأَلْيَةٍ فِي لَحْمٍ أَوْ شَحْمٍ: اگر کسی نے قسم کھائی کہ میں چربی نہیں کھاؤں گا یا نہیں خریدوں گا تو امام صاحبؒ کے نزدیک پیٹھ کی چربی کھانے یا خریدنے سے حانث نہیں ہوگا صرف پیٹ کی چربی کھانے اور خریدنے سے حانث ہوگا اور صاحبینؒ کے نزدیک پیٹھ کی چربی میں بھی حانث ہو جائیگا کیونکہ اس میں چربی کی خاصیت پائی جاتی ہے یعنی وہ آگ پر پگھل جاتی ہے اور امام صاحبؒ کی دلیل یہ ہے کہ وہ درحقیقت گوشت ہے کیونکہ وہ خون سے پیدا ہوتا ہے اور گوشت ہی کی طرح استعمال بھی کیا جاتا ہے اور گوشت ہی کی قوت بھی دیتا ہے اس لئے اگر یہ قسم کھائی کہ میں گوشت نہیں کھاؤں گا اور اسے کھایا تو حانث ہو جائیگا اور امام صاحبؒ کا قول ہی صحیح ہے اور اگر یہ قسم کھائی کہ میں گوشت یا چربی نہیں خریدوں گا یا نہیں کھاؤں گا پھر اس نے دنبے کی چکی خریدی یا کھائی تو حانث نہیں ہوگا کیونکہ یہ تیسری قسم ہے یہاں تک کہ یہ چکی نہ تو گوشت یا چربی کی طرح استعمال نہیں کی جاتی ہے۔

وَبِقَضْمِهِ فِي هَذَا الْبُرِّ وَفِي هَذَا الدَّقِيقِ حَنِثَ بِخُبْزِهِ لَا بِسَفِّهِ وَالْخُبْزُ مَا اعْتَادَهُ بَلَدُهُ وَالشِّوَاءُ وَالطَّبِيخُ عَلَى اللَّحْمِ وَالرَّأْسُ مَا يُبَاعُ فِي مِصْرِهِ وَالْفَاكِهَةُ التُّفَّاحُ وَالْبِطِّيخُ وَالْمِشْمِشُ لَا الْعِنَبُ وَالرُّمَّانُ وَالرُّطَبُ وَالْقِثَّاءُ وَالْخِيَارُ وَالْإِدَامُ مَا يُصْطَبَغُ بِهِ كَالْخَلِّ وَالْمِلْحِ وَالزَّيْتِ لَا اللَّحْمُ وَالْبَيْضُ وَالْجُبْنُ وَالْغَدَاءُ الْأَكْلُ مِنَ الْفَجْرِ إِلَى الظُّهْرِ وَالْعَشَاءُ مِنْهُ إِلَى نِصْفِ اللَّيْلِ وَالسُّحُورُ مِنْهُ إِلَى الْفَجْرِ

ترجمہ اور چبا کر کھانے سے اس گندم کی قسم میں اور اس آٹے کی قسم میں کہ اس آٹے کو نہ کھاؤں گا اس کی روٹی کھانے سے حانث ہو جائیگا نہ کہ اس کو پھنک جانے سے۔ اور روٹی سے وہ روٹی مراد ہے جو اس شہر میں فروخت ہو اور میوہ سیب اور خربوزہ اور زردآلو ہے نہ کہ انگور اور انار اور کھجور ککڑی اور کھیرا اور سالن وہ ہے جس میں روٹی تر کی جائے جیسے سرکہ نمک اور زیتون کا تیل نہ کہ گوشت اور انڈا اور پنیر اور غداء فجر سے ظہر تک کا کھانا ہے اور عشاء نصف شب تک کا کھانا ہے اور سحور آدھی رات سے فجر تک کا کھانا ہے۔

قسم کھائی میں گندم نہیں کھاؤں گا تو صرف چبا کر کھانے سے حانث ہوگا

وَبِقَضْمِهِ فِي هَذَا الْبُرِّ: اگر کسی شخص نے قسم کھائی میں گندم نہیں کھاؤں گا تو وہ اس وقت تک حانث نہ ہوگا جب تک اسے چبا کر نہ کھائے کیونکہ کسی چیز کو کھانے کا عمل اس وقت واقع ہوگا جب اسے چبایا جائے "اکل" (کھانا) بھی ایک عمل ہے اس کیلئے تینوں قوتوں کا ہونا ضروری ہے۔ صاحبینؒ کے ساتھ اختلاف ہے اور اس اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ جس لفظ کے دو معنی (حقیقی اور مجازی) مراد لئے جا سکتے ہوں تو امام صاحبؒ کے نزدیک وہ لفظ حقیقی معنی میں مستعمل ہوگا۔ جبکہ صاحبینؒ اسے مجازی معنی کیلئے استعمال کرتے ہیں چونکہ "اکل" کے حقیقی معنی چبا کر کھانے کے متقاضی ہیں اس لئے امام صاحبؒ کے نزدیک جب تک گندم چبا

کر نہ کھائی جائے اس وقت حانث نہ ہوگا خواہ وہ گندم ابلی ہوئی ہو یا بھونی ہوئی کیونکہ یہ چبا کر کھائی جاتی ہے لہٰذا اکل کا حقیقی معنی یہاں پر راجح ہے۔

وَفِي هٰذَا الدَّقِيْقِ حَنِثَ بِخُبْزِهٖ لَا بِسَفِّهٖ وَالْخُبْزُ مَا اعْتَادَهٗ بَلَدُهٗ : اگر کسی نے قسم کھائی کہ میں آٹا نہیں کھاؤں گا پھر اس کی پکی ہوئی روٹی کھائی تو حانث ہو جائیگا کیونکہ آٹا بعینہٖ نہیں کھایا جاتا ہے اس لئے اس آٹا سے جو چیز بنا کر کھائی جائیگی وہی مراد ہوگی اور اگر آٹے کو اسی طرح پھانک کر کھالیا یا منہ میں رکھ کر نگل لیا تو حانث نہیں ہوگا کیونکہ اس جگہ مجازی معنی ہی مراد لینا متعین ہے اور اگر یہ قسم کھائی کہ میں روٹی نہیں کھاؤنگا تو اس قسم میں وہی روٹی داخل ہوگی جو عموماً اور عادتاً اس شہر میں کھائی جاتی ہے اور وہ جو یا گندم کی روٹی ہوگی کیونکہ اکثر شہروں میں یہی روٹیاں کھائی جاتی ہیں اور اگر قسم کھانے والا بلکہ دمشق کے کسی ایسے شہر کا رہنے والا ہو جن کا کھانا چاول ہوتا ہے تو حانث ہو جائیگا۔

وَالشِّوَاءُ وَالطَّبِيْخُ عَلَى اللَّحْمِ : اگر یہ قسم کھائی کہ میں بھنا ہوا نہیں کھاؤنگا تو اس کا اطلاق فقط گوشت پر ہوگا کیونکہ بھنا ہوا کہنے سے بھنا ہوا گوشت ہی مراد ہوتا ہے اور اگر یہ قسم کھائی کہ میں طبیخ یعنی پکائی ہوئی چیز نہیں کھاؤں گا تو اس قسم کا اطلاق استحساناً پکائے ہوئے گوشت پر ہوگا کیونکہ ہر پکائی ہوئی چیز کو قسم میں شامل کرنا مشکل ہے اس لئے اس کے خاص معنی ہی مراد لئے جائیں گے جو رائج ہوں یعنی پانی میں پکایا ہوا گوشت۔

وَالرَّأْسُ مَا يُبَاعُ فِي مِصْرِهٖ : اگر قسم کھائی کہ سری نہ کھاؤں گا تو جو سری اس کے شہر کے تنوروں میں پک کر بکتی ہے اس کے کھانے سے حانث ہوگا عرف پر عمل کرتے ہوئے کیونکہ قسموں کا مدار عرف پر ہے اور یہ قاعدہ کلیہ ہے جس سے بہت سے فروعی مسائل نکلتے ہیں چنانچہ الفاظ یمین سے عرفاً جو مفہوم سمجھا جاتا ہے یا عرف میں وہ جس معنی میں استعمال ہوتے ہیں حلف اسی معنی اور مفہوم پر محمول ہوگا اس میں لغوی یا شرعی مفہوم کا اعتبار نہیں ہوگا۔

وَالْفَاكِهَةُ التُّفَّاحُ وَالْبِطِّيْخُ وَالْمِشْمِشُ لَا الْعِنَبُ وَالرُّمَّانُ وَالرُّطَبُ وَالْقِثَّاءُ وَالْخِيَارُ : اور اگر کسی نے قسم کھائی کہ میوہ نہ کھاؤنگا تو سیب خربوزہ اور آلو بخارا کھانے سے حانث ہوگا لیکن امام صاحبؒ کے نزدیک انگور انار تازہ کھجور ککڑی اور کھیرا کھانے سے حانث نہیں ہوگا۔ اصل میں فاکہہ اس میوے کو کہتے ہیں جو کھانے سے پہلے یا بعد میں بطور تفکہ کھایا جاتا ہے جس سے معمول سے زیادہ آسودگی حاصل ہوتی ہے اور تازہ اور خشک کھجور اس میں برابر ہے جبکہ اس سے تفکہ حاصل کرنے کا رواج ہو سیب وغیرہ مذکورہ پھل میں یہ بات موجود ہے اس لئے ان کے کھانے سے حانث ہوگا لیکن ککڑی میں یہ صفت موجود نہیں اس کا شمار سبزیوں میں ہے انگور انار اور تازہ کھجور کے متعلق صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ ان میں معنی تفکہ موجود ہے عرف میں ان کو فاکہہ کہتے ہیں اور دوسرے پھلوں کے مقابلہ میں ان سے اور زیادہ آسودگی اور فرحت حاصل ہوتی ہے اور امام صاحبؒ فرماتے ہیں کہ ان سے غذا اور دوا کا کام لیا جاتا ہے تو بقاء حیات کی ضرورت پر استعمال ہونے کی وجہ سے ان میں تفکہ کے معنی میں کمی آگئی۔

وَالْإِدَامُ مَا يُصْطَبَغُ بِهِ كَالْخَلِّ وَالْمِلْحِ وَالزَّيْتِ لَا اللَّحْمُ وَالْبَيْضُ وَالْجُبْنُ : اگر کسی نے قسم کھائی کہ میں ادام یعنی سالن نہیں کھاؤں گا تو شیخین کے نزدیک ہر وہ چیز جو روٹی کے ساتھ لگا کر کھائی جائے ادام کہلاتی ہے جیسا گوشت اور انڈہ ہوگا کیونکہ وہ روٹی کے علاوہ الگ طور پر بھی کھایا جاتا ہے نمک ادام ہے کیونکہ روٹی کے ساتھ لگا کر کھایا جاتا ہے۔ شیخین کی دلیل یہ ہے کہ عرف و عادت کے لحاظ سے ادام وہ شے ہے جو روٹی کے ساتھ تابع کے طور پر کھائی جائے بخلاف گوشت اور اس جیسی دوسری چیزوں کے (مثلاً انڈہ اور پنیر وغیرہ یہ ادام نہ ہوں گے) کیونکہ یہ تنہا بھی کھائے جاتے ہیں البتہ نمک عادۃً تنہا نہیں کھایا جاتا بلکہ روٹی میں حل ہو جاتا ہے اور تابع بن جاتا ہے اس لئے ادام ہوگا۔

الغداء، العشاء، السحور ان اوقات کی تعریف اور ان الفاظ سے قسم کھانے کا حکم

وَالْغَدَاءُ الْأَكْلُ مِنَ الْفَجْرِ إِلَى الظُّهْرِ وَالْعَشَاءُ مِنْهُ إِلَى نِصْفِ اللَّيْلِ وَالسَّحُورُ مِنْهُ إِلَى الْفَجْرِ : اگر کسی نے عربی میں کہا "لا اتغدی" کہ میں ناشتہ نہیں کروں گا۔ غداء اس کھانے کو کہا جاتا ہے جو آفتاب نکلنے کے بعد سے ظہر تک ہو اور عشاء اس کھانے کو کہا جاتا ہے جو ظہر کی نماز کے بعد سے آدھی رات ہونے تک کھایا جاتا ہے کیونکہ زوال کے بعد کے وقت کو عشاء کہا جاتا ہے اس لئے حدیث میں ظہر کی نماز کو عشاء کی دو نمازوں میں سے ایک نماز کہا گیا ہے اور سحری کا کھانا آدھی رات سے طلوع فجر تک ہوتا ہے کیونکہ یہ لفظ سحر سے ماخوذ ہے اور قریب سحر تک جو کھایا جاتا ہے سحری کہتے ہیں یعنی سحر کے اندر جو کھایا جاتا ہے پس اگر کسی نے قسم کھائی کہ میں دن کا کھانا نہیں کھاؤں گا اور پھر اس نے صبح صادق سے لیکر ظہر تک کچھ کھا لیا تو وہ حانث ہو جائیگا اسی طرح اگر کسی نے شام کے نہ کھانے کی قسم کھائی اور ظہر کے بعد کچھ کھا لیا تو وہ حانث ہو جائیگا اسی طرح اگر کسی نے شام کے نہ کھانے کی قسم کھائی اور ظہر سے لیکر آدھی رات تک کھا لیا یا سحری نہ کھانے کی قسم کھائی اور آدھی رات سے صبح صادق تک کھا لیا تو وہ حانث ہو جائیگا۔

إِنْ لَبِسْتُ أَوْ أَكَلْتُ أَوْ شَرِبْتُ وَنَوَى مُعَيَّنًا لَمْ يُصَدَّقْ أَصْلًا وَلَوْ زَادَ ثَوْبًا أَوْ طَعَامًا أَوْ شَرَابًا دُيِّنَ لَا يَشْرَبُ مِنْ دِجْلَةَ عَلَى الْكَرْعِ بِخِلَافِ مِنْ مَاءِ دِجْلَةَ إِنْ لَمْ أَشْرَبْ مَاءَ هَذَا الْكُوزِ الْيَوْمَ فَكَذَا وَلَا مَاءَ فِيهِ أَوْ كَانَ فَصُبَّ أَوْ أَطْلَقَ وَلَا مَاءَ فِيهِ لَا يَحْنَثُ وَإِنْ كَانَ فَصُبَّ حَنِثَ حَلَفَ لَيَصْعَدَنَّ السَّمَاءَ أَوْ لَيَقْلِبَنَّ هَذَا الْحَجَرَ ذَهَبًا حَنِثَ لِلْحَالِ لَا يُكَلِّمُهُ فَنَادَاهُ وَهُوَ نَائِمٌ فَأَيْقَظَهُ أَوْ إِلَّا بِإِذْنِهِ فَأَذِنَ لَهُ وَلَمْ يَعْلَمْ فَكَلَّمَهُ حَنِثَ لَا يُكَلِّمُهُ شَهْرًا فَهُوَ مِنْ حِينِ حَلَفَ.

ترجمہ: اگر میں پہنوں یا کھاؤں یا پیوں اور کسی خاص چیز کی نیت کرے تو اس کی تصدیق نہیں کی جائیگی اور اگر "ثوبا" یا "طعاما" یا "شرابا" بڑھا دے تو دیانۃً تصدیق کی جائیگی۔ نہر دجلہ سے منہ لگا کر نہ پیئے گا مراد ہوگا۔ بخلاف اس کے کہ دجلہ کا پانی نہ پیوں گا، اگر آج اس کوزہ کا پانی نہ پیوں تو ایسا ہے حالانکہ اس میں پانی نہیں تھا، یا تھا پھر گرا دیا گیا یا وہ مطلق رہے اور اس میں پانی نہ ہو تو حانث نہ ہوگا اور اگر اس میں پانی ہو اور گرا دیا جائے تو حانث ہو جائیگا۔ اگر قسم کھائی کہ ضرور آسمان پر چڑھوں گا یا اس پتھر کو سونا بنادوں گا فی الحال حانث ہو

جائیگا اس سے نہ بولونگا پھر اس کو سوتے میں پکارا اور جگا دیا (کہا کہ اس سے نہ بولوں) مگر اس کی اجازت سے پہلے اس نے اجازت دی مگر اسے معلوم نہیں ہوئی اس سے کلام کر لیا تو حانث ہو جائیگا اس سے ایک ماہ تک نہ بولونگا تو مہینہ قسم کے وقت سے ہوگا۔

إِنْ لَبِسْتُ أَوْ أَكَلْتُ أَوْ شَرِبْتُ وَنَوَى مُعَيَّنًا لَمْ يُصَدَّقْ أَصْلًا وَلَوْ زَادَ ثَوْبًا أَوْ طَعَامًا أَوْ شَرَابًا دِيْنَ : اور جس شخص نے کہا اگر میں کھاؤں یا پہنوں۔ یوں تو اس طرح ہوگا مثلاً میرا غلام آزاد ہے تو یہ قسم تمام اشیاء کے متعلق ہوگی اور وہ کہے کہ میں نے فلاں چیزوں کی نیت کی ہے اور فلاں کی نیت نہیں کی تو اس کی نہ قضاءً تصدیق کی جائیگی اور دیانۃً کیونکہ نیت اسی چیز میں صحیح ہوتی ہے جو لفظوں میں مذکور ہو یعنی نیت کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ لفظ کے بعض احتمالات کو متعین کر دیا جائے اور مذکورہ صورت میں کپڑا، طعام یا شراب کچھ بھی صراحۃً مذکور نہیں ہے یعنی اس نے مطلقاً پہننے، کھانے اور پینے کا ذکر کیا ہے لہٰذا اب تخصیص کی نیت درست نہیں ہوگی۔ اور اگر صرف "لبست" کی بجائے "لبست ثوبا" کہا اور معین کپڑے کی نیت کی اور "اکلت" کے ساتھ "طعاما" کا لفظ ملایا اور معین کھانے کی نیت کی یا "شربت" کے ساتھ "شرابا" بھی ملایا اور معین مشروب کی نیت کی تو دیانۃً تصدیق کی جائیگی یعنی فیما بینہ وبین اللہ اس کی نیت معتبر ہوگی لیکن قضاءً معتبر نہ ہوگی کیونکہ لفظ عام ہے اس لئے تخصیص کی نیت ظاہر کے خلاف ہونے کی بناء پر قضاءً معتبر نہیں ہوگی۔

لَا يَشْرَبُ مِنْ دِجْلَةَ عَلَى الْكَرْعِ بِخِلَافِ مِنْ مَاءِ دِجْلَةَ : اگر قسم کھائے کہ دریائے دجلہ سے پانی نہیں پیوں گا تو امام صاحبؒ کے نزدیک یہ منہ لگا کر پینے پر محمول ہوگا اس لئے اگر کسی برتن سے پیئے تو حانث نہ ہوگا کیونکہ ان کے نزدیک یہاں "من" ابتدائے غایت کیلئے ہے تو حانث ہونے کیلئے ابتدائے شرب نہر سے ہونا ضروری ہے اور صاحبینؒ کے نزدیک "من" تبعیض کیلئے ہے تو معنی یہ ہوں گے کہ اس کے پانی میں سے نہ پیوں گا اور منہ لگا کر پینے کی شرط تب ہے جبکہ اس میں سے منہ لگا کر پینے کی شرط تب ہے جبکہ جبکہ اس میں سے منہ لگا کر پیا جاتا ہو لیکن اگر قسم کھائی کہ اس کنویں یا گڑھے سے نہ پیئیگا تو کسی چیز سے پانی نکال کر پینے سے بھی حانث ہو جائیگا کیونکہ یہاں منہ لگا کر پینے کے حقیقی معنی عرف وعادت میں متروک ہیں حتی کہ اگر مشقت اٹھا کر اندر اتر کر منہ لگا کر پیئے تو خلاف عرف ہونے کی بناء پر حانث نہ ہوگا۔

إِنْ لَمْ أَشْرَبْ مَاءَ هٰذَا الْكُوْزِ الْيَوْمَ فَكَذَا وَلَا مَاءَ فِيْهِ أَوْ كَانَ فَصُبَّ أَوْ أَطْلَقَ وَلَا مَاءَ فِيْهِ لَا يَحْنَثُ وَإِنْ كَانَ فَصُبَّ حَنِثَ : اس عبارت میں جو مسئلہ مذکور ہے اس کی چار صورتیں ہیں اور چاروں کا حکم ایک قاعدہ پر مبنی ہے۔ قاعدہ یہ ہے کہ طرفینؒ کے نزدیک قسم صحیح ہونے کیلئے محلوف علیہ کا ممکن ہونا شرط ہے بخلاف امام ابو یوسفؒ کے نزدیک کہ ان کے نزدیک ممکن ہونا شرط نہیں۔ اب اگر کوئی قسم کھائے کہ واللہ میں آج اس پیالہ کا پانی نہ پیوں تو میری بیوی پر طلاق ہے اور پیالہ میں پانی نہ ہو تو طرفینؒ کے نزدیک حانث نہیں ہوگا اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک حانث ہو جائیگا اور اگر حلف کے وقت پیالہ میں پانی تھا پھر اس دن وہ پانی گرا دیا گیا تو بھی طرفینؒ کے نزدیک حانث نہ ہوگا اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک حانث ہوگا۔ اور اگر مطلقاً قسم کھائی یعنی پانی پینے یا نہ پینے کے حلف میں آج کی قید نہ لگائے تو پہلی صورت میں حکم اسی طرح ہوگا لیکن دوسری

صورت میں یعنی اگر آج کا دن شرط کے بغیر طرفین کے نزدیک پیالہ میں پانی نہ ہونے کی صورت میں حانث نہ ہوگا اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک حانث ہو جائیگا اور اگر پانی موجود تھا پھر گرا دیا گیا تو بالاتفاق حانث ہو جائیگا کیونکہ اگر پیالہ میں پانی نہ ہو تو قسم کا پورا ہونا ممکن ہی نہیں، برابر ہے کہ آج کا دن مذکور ہو یا نہ ہو اور اگر پیالہ میں پانی ہو اور بوقت حلف آج کا دن ذکر کیا جائے تو دن کے آخری حصے تک قسم پوری کرلی واجب ہوگی اب جب کہ پانی گرادیا تو پھر قسم کی تکمیل ممکن نہیں رہی، اور اگر آج کا دن ذکر نہ کرے تو قسم سے فارغ ہوتے ہی قسم کی تکمیل اس پر واجب ہو جائیگی۔ البتہ وجوب اداء میں اتنی وسعت ہوگی کہ اپنی زندگی میں قسم ضرور پوری کرے کہ ہرگز فوت ہونے نہ پائے اور چونکہ قسم سے فارغ ہونے کے وقت اس کی تکمیل کا امکان موجود تھا اس لئے یمین منعقد ہوگی اب پانی گر جانے سے اسے معذور قرار نہیں دیا جائیگا بلکہ حانث ہو جائیگا اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ہر صورت میں حانث ہو جائیگا موقت کی صورت میں وقت گزر جانے کے بعد اور غیر موقت میں فی الحال حانث ہو جائیگا۔

اگر قسم کھائی کہ میں آسمان پر چڑھوں گا تو اس کا حکم

حَلَفَ لَيَصْعَدَنَّ السَّمَاءَ أَوْ لَيَقْلِبَنَّ هٰذَا الْحَجَرَ ذَهَبًا حَنِثَ لِلْحَالِ: اور اگر قسم کھائی کہ میں آسمان پر ضرور چڑھوں گا یا اس پتھر کو ضرور سونا بناؤں گا تو قسم منعقد ہو جائیگی۔ امام زفرؒ کے نزدیک قسم منعقد ہی نہیں ہوگی کیونکہ ان میں قسم پوری کر سکنا عادۃً محال ہے ہم کہتے ہیں کہ یہ امور بذات خود ممکن ہیں اور انعقاد یمین کیلئے نفس امکان ہی کافی ہے کیونکہ بندے کا اپنے اوپر کوئی امر واجب کرنا اللہ کی طرف سے واجب کرنے کے حکم میں ہے اور ایجاب الٰہی کا دار و مدار تصور امکان پر ہے خواہ وہ فعل ممکن ہو یا اس کا کوئی قائم مقام ہو، قدرت دائمی شرط نہیں، دیکھئے کہ شیخ فانی پر روزہ واجب ہے حالانکہ اسے روزہ رکھنے کی قدرت نہیں کیونکہ اس کا تصور ممکن ہے اور خلف موجود ہے ایسا ہی یہاں وجوب بر کے بعد حانث ہوگا تو کفارہ لازم ہوگا عادۃً عجز ثابت ہونے کی بنا پر جیسا کہ وہاں وجوب روزہ کے بعد فدیہ واجب ہے (عنایہ)

لَا يُكَلِّمُهُ فَنَادَاهُ وَهُوَ نَائِمٌ فَأَيْقَظَهُ: جس شخص نے قسم کھائی کہ وہ فلاں شخص سے کلام نہیں کرے گا پھر اس شخص نے کلام کیا اور اسی بات چیت سے اس شخص کو جگا دے تو حانث ہو جائیگا کیونکہ جب تک وہ شخص بیدار نہ ہو تو وہ اس شخص کی مانند ہے کہ جیسے دور سے ایسی جگہ سے پکارا جائے جہاں سے اسے آواز ہی نہ سنائی دے تو اس صورت میں جس طرح حانث نہیں ہوتا تو مذکورہ صورت میں بھی نہیں ہوگا۔

أَوْ إِلَّا بِإِذْنِهِ فَأَذِنَ لَهُ وَلَمْ يَعْلَمْ فَكَلَّمَهُ حَنِثَ: اگر قسم کھائی کہ فلاں شخص سے اس کی اجازت کے بغیر کلام نہ کروں گا اس شخص نے اجازت دے دی لیکن حالف کو اجازت دینے کا علم نہ ہو سکا اور اس سے کلام کر بیٹھا تو حانث ہو جائیگا کیونکہ اذن کے معنی آگاہ کرنے کے ہیں اور آگاہ ہونا جاننے کے بغیر متحقق نہیں ہوتا لہٰذا اسے علم ہونا ضروری ہے اگر اسے اذن کا پتا ہی نہ چلے تو گویا اس نے اذن کے بغیر ہی کلام کر لیا اور حانث ہو گیا۔

لَا يُكَلِّمُهُ شَهْرًا فَهُوَ مِنْ حِيْنِ حَلَفَ: اگر اس طرح قسم کھائی کہ فلاں شخص سے ایک ماہ تک کلام نہیں کروں گا تو مہینے کی ابتداء وقتِ قسم سے شروع ہوگی کیونکہ اگر حالف وقت کا ذکر نہ کرتا تو یہ قسم ہمیشہ کیلئے ہو جاتی اور "شہر" کا ذکر کر دینے سے مہینے کے علاوہ وقت خارج ہو گیا اور جو وقت قسم سے متصل ہے وہ قسم میں داخل رہے گا۔

لَا يَتَكَلَّمُ فَقَرَأَ الْقُرْآنَ أَوْ سَبَّحَ لَمْ يَحْنَثْ يَوْمَ أُكَلِّمُ فُلَانًا فَعَلَى الْجَدِيْدَيْنِ فَإِنْ نَوَى النَّهَارَ خَاصَّةً صُدِّقَ وَلَيْلَةَ أُكَلِّمُهُ عَلَى اللَّيْلِ إِنْ كَلَّمْتُهُ إِلَّا أَنْ يَّقْدَمَ زَيْدٌ أَوْ حَتّٰى أَوْ إِلَّا أَنْ يَّأْذَنَ أَوْ حَتّٰى فَكَذَا فَكَلَّمَ قَبْلَ قُدُوْمِهِ أَوْ إِذْنِهِ حَنِثَ وَبَعْدَهُمَا لَا وَإِنْ مَاتَ زَيْدٌ سَقَطَ الْحَلِفُ.

ترجمہ: میں تکلم نہ کروں گا پھر قرآن یا تسبیح پڑھی تو حانث نہ ہوگا جس دن فلاں سے بولوں تو رات و دن دونوں پر محمول ہوگا اور اگر خاص دن ہی کی نیت کر لی تو تصدیق کی جائیگی اور جس رات فلاں سے بولوں صرف رات پر محمول ہوگا۔ اگر میں اس سے بولوں الا یہ کہ زید آجائے یا وہ اجازت دیدے یا یہاں تک کہ اجازت دیدے زید کے آنے یا اجازت دینے سے پہلے کلام کر لیا تو حانث ہو جائیگا اور ان کے بعد حانث نہ ہوگا اور اگر زید مر گیا تو قسم ختم ہو جائیگی۔

اگر قسم کھائی کہ میں کلام نہیں کروں گا پھر قرآن یا تسبیح پڑھی تو اس کا حکم

لَا يَتَكَلَّمُ فَقَرَأَ الْقُرْآنَ أَوْ سَبَّحَ لَمْ يَحْنَثْ: اگر قسم کھائی کہ میں کلام نہیں کروں گا پھر قرآن یا تسبیح پڑھے یا لا الٰہ الا اللہ یا اللہ اکبر کہے تو ہمارے نزدیک نماز کے اندر یا نماز کے باہر تو حانث نہیں ہوگا اور امام شافعیؒ کے نزدیک حانث ہو جائیگا اور یہی ظاہر قیاس کا تقاضا ہے کیونکہ یہ درحقیقت یہ بھی کلام ہے۔

يَوْمَ أُكَلِّمُ فُلَانًا فَعَلَى الْجَدِيْدَيْنِ فَإِنْ نَوَى النَّهَارَ خَاصَّةً صُدِّقَ وَلَيْلَةَ أُكَلِّمُهُ عَلَى اللَّيْلِ: اگر کہا کہ جس روز میں فلاں سے کلام کروں تو میرا غلام آزاد ہے تو یوم میں دن و رات دونوں شامل ہوں گے کیونکہ لفظ یوم جب غیر ممتد فعل سے متصل ہو تو اس سے مطلق وقت مراد ہوتا ہے (ممتد فعل وہ ہے جس میں درازی اور طوالت ہو۔ مثلاً روزہ رکھنا اور غیر ممتد فعل وہ ہے جس میں طوالت اور درازی نہ ہو) اور کلام بھی یہ فعل ہے جو ممتد نہیں تو اگر اس سے صرف دن کی نیت کی تو معتبر ہوگی کیونکہ یوم کا لفظ خاص دن کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک دیانۃً اس کی یہ نیت معتبر ہوگی لیکن قضاءً نہ ہوگی کیونکہ یہ مشہور استعمال کے خلاف ہے اور اگر کہا کہ جس رات میں فلاں شخص سے کلام کروں تو میرا غلام آزاد ہے تو اس قسم کا تعلق صرف رات ہی سے ہوگا کیونکہ "لیل" کا لفظ تاریکی کے معنی میں آتا ہے اور اس کا استعمال مطلق وقت کیلئے نہیں ہوتا۔

إِنْ كَلَّمْتُهُ إِلَّا أَنْ يَّقْدَمَ زَيْدٌ أَوْ حَتّٰى أَوْ إِلَّا أَنْ يَّأْذَنَ أَوْ حَتّٰى فَكَذَا فَكَلَّمَ قَبْلَ قُدُوْمِهِ أَوْ إِذْنِهِ حَنِثَ وَبَعْدَهُمَا لَا وَإِنْ مَاتَ زَيْدٌ سَقَطَ الْحَلِفُ: اور اگر قسم کھائی کہ اگر میں فلاں شخص سے کلام کروں تو میری بیوی کو طلاق ہے مگر یہ کہ زید سفر سے واپس آجائے یا کہا یہاں تک کہ زید سفر سے واپس آجائے یا کہا مگر یہ کہ زید مجھے اجازت دیدے تو میری

مالک ہونا تھا جو یہاں موجود ہے۔

وَفِي الصَّدِيقِ وَالزَّوْجَةِ حَنِثَ فِي الْمُشَارِ إِلَيْهِ بَعْدَ الزَّوَالِ وَفِي غَيْرِ الْمُشَارِ لَا وَحَنِثَ بِالْمُتَجَدِّدِ: اگر کسی نے قسم کھائی کہ عثمان کے اس دوست سے یا اس کی اس بیوی سے کلام نہیں کرونگا پھر اس کی اپنے دوست سے دشمنی ہوگئی یا اس کی بیوی طلاق پا کر علیحدہ ہوگئی اور پھر حالف نے ان سے گفتگو کی تو حانث ہو جائیگا کیونکہ یہاں مقصود بالذات خود انہی سے نہ بولنا ہے زید کی طرف اضافت صرف تعریف کیلئے ہے۔

اور اگر بلا اشارہ یوں کہا کہ میں زید کے دوست سے کلام نہیں کرونگا یا اس کی بیوی سے کلام نہیں کرونگا اور پھر زید کی نسبت زائل ہوگئی تو حانث نہیں ہوگا کیونکہ یہاں عثمان کی طرف نسبت کا اعتبار ہے۔ اور اس شخص کے نئے دوست اور نئی بیوی کے ساتھ کلام کرنے سے حانث ہو جائیگا۔

اس چادر والے سے کلام نہیں کرونگا پھر اس نے وہ چادر بیچ ڈالی تو اس کا حکم

لَا يُكَلِّمُ صَاحِبَ هٰذَا الطَّيْلَسَانِ فَبَاعَهُ فَكَلَّمَهُ حَنِثَ: اگر کسی نے قسم کھائی کہ اس چادر والے سے کلام نہیں کرونگا پھر جب اس نے وہ چادر بیچ ڈالی تب اس سے کلام کیا تو حانث ہو جائیگا کیونکہ وصف مذکور کلام سے مانع ہونے کا سبب بننے کے لائق نہیں ہے اسلئے یہاں ذات ہی مراد ہوگی۔

وَالزَّمَانُ وَالْحِينُ وَمُنَكَّرُهُمَا سِتَّةُ أَشْهُرٍ وَالدَّهْرُ وَالْأَبَدُ الْعُمُرُ وَدَهْرٌ مُجْمَلٌ وَالْأَيَّامُ وَأَيَّامٌ كَثِيرَةٌ وَالشُّهُورُ وَالسِّنُونَ عَشَرَةٌ وَمُنَكَّرُهَا ثَلَاثَةٌ: اور اگر قسم میں "حین" یا "زمان" کا لفظ استعمال کیا اور کسی مدت کی نیت نہیں کی تو اس سے چھ ماہ مراد ہوں گے چاہے ان الفاظ کو نکرہ استعمال کرے یا معرفہ۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿تُؤْتِي أُكُلَهَا كُلَّ حِينٍ بِإِذْنِ رَبِّهَا﴾ کہ یہاں حین کی تفسیر چھ ماہ سے کی گئی ہے۔ اور اگر معین مدت کی نیت کی تو وہی مراد ہوگی۔ اور الدہر معرفہ کہا تو تمام عمر مراد ہوگی اور اگر دہر کا لفظ نکرہ ذکر کیا تو امام صاحبؒ کے نزدیک اس کی مدت معلوم نہیں۔ اور صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ دہر کا استعمال حین کی طرح ہے کہا جاتا ہے: "ما رأيتك منذ دهر ومنذ حين" اس لئے "حین" کا جو حکم ہے وہی حکم ہوگا۔ اور امام صاحبؒ فرماتے ہیں کہ اس میں توقف کیا جائے کیونکہ نام اور لغوی کے مقادیر نقل پر موقوف ہیں اور "دہر" کی مقدار کے سلسلہ میں نہ نص ہے اور نہ اہل لغت میں سے کسی نے کوئی تفسیر کی ہے تو جب معلوم ہونے کا ذریعہ نہیں ہے تو توقف ضروری ہے کیونکہ توقیفی امور میں قیاس کرنا باطل ہے۔ اور فتویٰ صاحبینؒ کے قول پر ہے۔ اور اگر "ایام" کو لفظ نکرہ کہا تو اس سے مراد تین دن ہوں گے اور اگر "ایام کثیرۃ" یا "الایام" یا "الشہور" یا "السنین" کہا تو امام صاحبؒ کے نزدیک ان سے دس دن مراد ہوں گے کیونکہ لفظ جمع سے زیادہ سے زیادہ دس ہی مراد ہوتے ہیں۔ اور اس سے جب بڑھ جائے یعنی گیارہ وغیرہ میں تمیز مفرد آتی ہے مثلاً احد عشر یوما اور یہی حکم ہے لفظ "ازمنہ" "احایین" اور "دہور" کا۔ اور صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ ایام

باپ کو خریدے تو ہمارے نزدیک اس کا کفارہ ساقط ہو جائیگا یعنی کوئی بھی کفارہ ہو چاہے یمین کا کفارہ ہو یا ظہار کا کفارہ یا قتل خطاء کا کفارہ لیکن امام زفر اور امام شافعی کے نزدیک ساقط نہیں ہوگا حاصل اختلاف یہ ہے کہ کفارہ ادا ہونے کیلئے علت عتق کے ساتھ نیت کفارہ کا متصل ہونا سب کے نزدیک ضروری ہے اب ہمارے نزدیک ملک عتق کی علت ہے اور قرابت اس کی شرط ہے کیونکہ شریعت نے قریب کے خریدنے کو اعتاق قرار دیا ہے تو لامحالہ ملک ہی عتق کی علت ہوگی اب جب اس نے اپنے باپ کو بہ نیت کفارہ خریدا تو نیت علت عتق سے متصل ہوگئی اس لئے کفارہ ادا ہو جائیگا۔ اور امام زفر و شافعی کے نزدیک نیت علت سے متصل نہیں ہوئی کیونکہ انہوں نے تو قرابت کو عتق کی علت اور ملک کو اس کی شرط قرار دیا ہے پس کفارہ ادا نہیں ہوگا "لـــمقـــارنة النية بالشرط لا بالعلة" بخلاف اس کے کہ اگر یوں کہے کہ اگر میں اس غلام کو خرید کروں تو وہ آزاد ہے پھر اسے کفارہ کی نیت سے خریدے تو کفارہ ساقط نہیں ہوگا کیونکہ اس صورت میں علت عتق یمین ہے اور خریدنا اس کی شرط ہے تو یہاں نیت علت سے متصل نہیں ہے بلکہ شرط سے متصل ہوئی ہے اور اسی طرح اگر اپنی منکوحہ ام ولد کو کفارہ کی ادائیگی کی نیت سے خریدا تو کفارہ صحیح نہیں ہوگا یعنی کسی نے دوسرے شخص کی باندی سے نکاح کیا اور اس سے اس کا کوئی بچہ بھی ہو گیا اس سے یہ کہہ دیا تھا کہ اگر میں تجھے خرید لوں تو تو قسم کے کفارہ میں آزاد ہوگی پھر اسے خرید لیا تو شرط پائی جانے کی وجہ سے وہ آزاد ہو جائیگی لیکن یہ قسم کے کفارہ میں آزاد نہیں ہوگی کیونکہ وہ تو آزادی کی مستحق ام ولد ہونے کی بناء پر ہو چکی ہے تو یہ حریت من کل الوجوہ قسم کی طرف مضاف نہ ہوگی اگر آزادی من کل الوجوہ قسم کی وجہ سے ہوتی تو کفارہ ادا ہو جاتا۔

اِنْ تَسَرَّیْتُ اَمَةً فَهِیَ حُرَّةٌ صَحَّ لَوْ فِیْ مِلْکِهٖ وَ اِلَّا لَا: اور اگر کہا جائے کہ اگر میں کسی باندی سے مباشرت کروں تو وہ آزاد ہے پھر اپنے اس باندی سے مباشرت کی جو قسم کے وقت اس کے ملک میں تھی تو وہ آزاد ہو جائیگی کیونکہ اس باندی کے حق میں یمین منعقد ہوگئی اس لئے کہ "امۃ" نکرہ ہے اور نکرہ عموم کو چاہتا ہے تو ایک ایک کر کے تمام باندیوں کو شامل ہے اگر قسم کے وقت اس کی ملک میں کوئی باندی نہ ہو بلکہ حلف کے بعد کوئی باندی خرید کر اس سے مباشرت کی تو وہ اس قسم سے آزاد نہیں ہوگی کیونکہ یہ باندی حلف کے زمانہ میں اس کی ملکیت میں نہ تھی اور حلف کرنے والے نے ملک یا سبب ملک کی طرف اس کے عتق کی نسبت نہیں کی البتہ اس میں امام زفر کا اختلاف ہے کہ ان کے نزدیک حرم بنانے کا ذکر کیا جیسے کا ذکر ہے

کُلُّ مَمْلُوْکٍ لِیْ حُرٌّ عَتَقَ عَبِیْدُهُ الْقِنُّ وَ اُمَّهَاتُ اَوْلَادِهٖ وَ مُدَبَّرُوْهُ لَا مُکَاتَبُهٗ: اور اگر کسی نے کہا کہ میرا ہر مملوک آزاد ہے تو اس کی ساری ام ولد باندیاں اور اس کے سارے مدبر اور غلام آزاد ہو جائینگے کیونکہ ام ولد مدبر غلام اور لونڈی میں ملک کامل ہوتا ہے اگرچہ ام ولد اور مدبر میں بسبب استحقاق حریت غلامی ناقص ہوتی ہے۔ بخلاف مکاتب کے کہ اس میں ملک ہی ناقص ہے کیونکہ اس پر ملک رقبہ ہے ملک قبضہ نہیں ہے اس لئے کہ وہ تصرفات اور معاملات میں بالکل مستقل ہے پس بلا نیت مملوک کے لفظ میں وہ داخل نہیں ہوگا۔

ھٰذِہٖ طَالِقٌ اَوْ ھٰذِہٖ وَھٰذِہٖ کہا تو کس کو طلاق ہوگی

ھٰذِہٖ طَالِقٌ اَوْ ھٰذِہٖ وَھٰذِہٖ طُلِّقَتِ الْاَخِیْرَۃُ وَخُیِّرَ فِی الْاُوْلَیَیْنِ وَکَذَا الْعِتْقُ وَالْاِقْرَارُ: اگر کسی نے اپنی چند بیویوں سے یہ کہا کہ اس کو طلاق ہے یا اس کو اور اس کو تو اس صورت میں تیسری کو (جس کی طرف سب سے آخر میں اشارہ کیا ہے) طلاق ہو جائیگی اور پہلی دو میں شوہر کو اختیار دیا جائیگا کہ ان دونوں میں سے جس کو چاہے طلاق کیلئے خاص کر دے اور یہی حکم آزاد کرنے اور اقرار کرنے کا ہے مثلاً اپنے چند غلاموں سے کہا کہ یہ آزاد ہے یا یہ اور یہ تو یہ آخر والا آزاد ہو جائیگا اور پہلے دو میں اسے اختیار دیا جائیگا کہ ان میں سے جس کی آزادی چاہے بیان کر دے اسی طرح کسی نے یہ اقرار کیا کہ میرے ذمہ فلاں کے ایک ہزار روپے ہیں یا فلاں کے اور فلاں کے تو جس کا آخر میں ذکر ہوا ہے اس کیلئے پانچ سو کا اقرار ثابت ہو جائیگا اور باقی پانچ سو میں اسے اختیار ہے کہ پہلے دونوں میں سے جس کیلئے چاہے اقرار کرے۔

بَابُ الْیَمِیْنِ فِی الْبَیْعِ وَالشِّرَاءِ وَالتَّزَوُّجِ وَالصَّوْمِ وَالصَّلٰوۃِ وَغَیْرِھَا

بیع، شراء، تزویج، صلوٰۃ، صوم وغیرہ کا بیان

عقود تین قسم پر ہیں ایک وہ ہیں جن کے حقوق عاقد اور مباشر سے متعلق ہوتے ہیں بشرطیکہ اہلیت ہو جیسے بیع اور شراء اور اجارہ اور قسمت وغیرہ۔ دوسرے وہ ہیں جن کے حقوق عاقد سے متعلق نہیں ہوتے بلکہ جس کے واسطے سے عقد ہوتا ہے اس سے متعلق ہوتے ہیں جیسے نکاح اور طلاق اور عتاق وغیرہ۔ اور تیسرے وہ عقود ہیں جن میں کچھ حقوق نہیں جیسے عاریت اور ابراء اس میں قاعدہ یہ ہے کہ وہ فعل جس کے حقوق مباشر اور عاقد کے ساتھ متعلق ہوتے ہوں جیسے بیع اور اجارہ تو مامور کے کرنے سے آمر حانث نہیں ہوتا مامور سے مراد وکیل اور رسول ہے کیونکہ وہ فعل حقیقۃً وحکماً مامور ہی سے صادر ہوا ہے اور جو فعل ایسا ہو جس کے حقوق آمر سے متعلق ہوتے ہیں۔ جیسے نکاح اور صدقہ اور وہ فعل جس کے حقوق ہی نہ ہوتے ہوں جیسے عاریۃً دینا تو ان میں آمر اپنے وکیل کے فعل سے بھی حانث ہوگا جیسے اپنے کرنے سے حانث ہوتا ہے اس لئے کہ وکیل ایسے فعل میں محض سفیر اور معبر ہوتا ہے۔

مَا یَحْنَثُ بِالْمُبَاشَرَۃِ لَا بِالْاَمْرِ اَلْبَیْعُ وَالشِّرَاءُ وَالْاِجَارَۃُ وَالْاِسْتِیْجَارُ وَالصُّلْحُ عَنْ مَالٍ وَالْقِسْمَۃُ وَالْخُصُوْمَۃُ وَضَرْبُ الْوَلَدِ وَمَا یَحْنَثُ بِھِمَا اَلنِّکَاحُ وَالطَّلَاقُ وَالْخُلْعُ وَالْعِتْقُ وَالْکِتَابَۃُ وَالصُّلْحُ عَنْ دَمِ عَمْدٍ وَالْھِبَۃُ وَالصَّدَقَۃُ وَالْقَرْضُ وَالْاِسْتِقْرَاضُ وَضَرْبُ الْعَبْدِ وَالذَّبْحُ وَالْبِنَاءُ وَالْخِیَاطَۃُ وَالْاِیْدَاعُ وَالْاِسْتِیْدَاعُ وَالْاِعَارَۃُ وَالْاِسْتِعَارَۃُ وَقَضَاءُ الدَّیْنِ وَقَبْضُہٗ وَالْکِسْوَۃُ وَالْحَمْلُ۔

ترجمہ: وہ امور جن کو خود کرنے سے حانث ہوتا ہے نہ کہ حکم کرنے سے وہ یہ ہیں خرید و فروخت مزدوری پر دینا مزدوری پر لینا مال سے صلح کرنا۔ مال تقسیم کرنا مقدمات میں جواب دہی کرنا اولاد کو مارنا اور جن میں دونوں سے حانث ہوتا ہے وہ یہ ہیں نکاح طلاق خلع آزاد کرنا کتابت

ساتھ مختص ہو اور کوئی فعل اس کے فاعل کے علاوہ دوسرے کیساتھ مختص نہیں ہوا کرتا جب تک کہ اس کی جانب سے حکم نہ پایا جائے یعنی وہ وکیل نہ بنائے اس لئے لام تخصیص کا تقاضہ یہ ہے کہ مخاطب سے اجازت وتوکیل پائی جائے خواہ مخاطب اس کا مالک ہو یا نہ ہو پس اس کی اجازت کے بغیر اس کام کو کرنے سے حانث نہیں ہوگا کیونکہ توکیل نہیں پائی گئی۔

اسی طرح عقود کو لیجئے مثلاً کہے "ان اشتریت لک ثوبا فعبدی حر" یعنی اگر میں تیرے لئے کپڑا خریدوں تو میرا غلام آزاد ہے یا کہے "ان اجرت لک دارا فعبدی حر" "اگر میں تیرے لئے مکان کرایہ پر دوں تو میرا غلام آزاد ہے" یا "ان صغت لک خاتما فعبدی حر" "اگر میں تیرے لئے انگوٹھی بناؤں تو میرا غلام آزاد ہے۔ صناعۃ کے معنی کاریگری کے ہیں اور صیاغۃ کے معنی زیور بنانے کے ہیں ہمارے ہاں موجودہ نسخے ہیں اس میں صناعۃ کا لفظ ہے لیکن علامہ زیلعیؒ وغیرہ نے صیاغۃ ذکر کیا ہے اور یہی صحیح ہے یا کہے "ان خطت لک ثوبا فعبدی حر" "اگر میں تیرے لئے کپڑا سیئوں تو میرا غلام آزاد ہے۔ خیاطۃ کے معنے سینے کے ہیں اور بناء کے معنی مکان بنانے کے۔

وَفِي الدُّخُولِ وَالضَّرْبِ وَالْأَكْلِ وَالشُّرْبِ وَالْعَيْنِ كَإِنْ بِعْتُ ثَوْبًا لَكَ لِاخْتِصَاصِهَا بِهِ بِأَنْ كَانَ مِلْكَهُ أَمَرَهُ أَوْ لَا: اور اگر ایسے فعل پر داخل ہو جو نیابت کا احتمال نہیں رکھتا ہے یعنی جن میں توکیل نہیں ہوتی۔ مثلاً مارنا پیٹنا وغیرہ۔ یا لام عین پر داخل ہو چاہے فعل پہلی قسم سے ہو یا دوسری قسم سے۔ مثلاً "ان بعت ثوبا لک" کہا اور یہ عین یعنی ذات پر لام داخل ہونے کی مثال ہے اس لئے کہ اور دخول لام علی الفعل سے مراد یہ ہے کہ لام فعل کے قریب ہو دخول سے نہ لام کا فعل کے ساتھ تعلق ہونا مراد ہے اور نہ خود فعل پر لام کا داخل ہونا مراد ہے بلکہ قرب بلا فاصلہ مراد ہے جیسے "ان بعت لک" بخلاف بعت ثوبا لک کے۔ ان اکلت طعاما لک کہا یا لک طعاما کہا۔ ان تمام صورتوں میں مخاطب کا عین کا مالک ہونا ضروری ہے فعل چاہے اس کے امر سے ہو یا بلا اجازت ہو اس سے کچھ فرق نہیں پڑتا کیونکہ یہ امور نیابت کا احتمال نہیں رکھتے۔ لہٰذا دونوں صورتوں میں حکم یکساں ہوگا بہر حال تقدیر کلام یوں ہوگا کہ اگر میں وہ کپڑا بیچوں جو تیرا مملوک ہے تو اگر مخاطب کا غیر مملوک کپڑا اس کے حکم سے فروخت کیا تو حانث نہ ہوگا۔

فَإِنْ نَوَى غَيْرَهُ صُدِّقَ فِيمَا عَلَيْهِ: اور اگر حالف نے مذکورہ دونوں صورتوں میں اس کے علاوہ کی نیت کی یعنی لفظوں میں تو فعل کے بعد بولا اور نیت ان معنی کی جو لام کے بعد ہوتے ہیں یا اس کا عکس کیا تو اس صورت میں اس کا اعتبار کر لیا جائیگا جس میں اس کا نقصان ہو۔ اور اگر اس کی نیت کے مطابق معنی لینے میں اس کا فائدہ ہو تو اس کا اعتبار نہیں کیا جائیگا مسئلہ اولیٰ میں تشدید کی صورت یہ ہے کہ مخاطب کا مملوک کپڑا بغیر اس کے امر کے بیچا اور اختصاص سے ملک کی نیت کی تو حانث ہو جائیگا اور اگر نیت نہ کرتا تو حانث نہ ہوتا۔ یا مسئلہ ثانیہ میں مخاطب کا غیر مملوک کپڑا اس کے امر سے بیچا اور اختصاص سے امر کی نیت کی تو حانث ہوگا اور اگر نیت نہ ہوتی تو حانث نہ ہوتا۔ تخفیف کی صورت یہ ہے کہ دونوں مسئلوں میں بالعکس نیت کرے یعنی مسئلہ اولیٰ میں اختصاص سے امر کی نیت کرے اور مسئلہ ثانیہ میں اختصاص سے ملک کی نیت کرے تو قضاءً اس کی تصدیق ہوگی اس لئے کہ اس نے

محتمل کلام کی نیت کی لیکن قضاءً تصدیق نہ ہوگی اس واسطے کہ خلاف ظاہر ہے اور وہ اس میں متہم ہے۔

میں اس غلام کو بیچوں تو یہ آزاد ہے پھر اسے خیار شرط کے ساتھ بیچا تو اس کا حکم

إِنْ بِعْتُهُ أَوِ ابْتَعْتُهُ فَهُوَ حُرٌّ فَعَقَدَ بِالْخِيَارِ حَنِثَ وَكَذَا بِالْفَاسِدِ وَالْمَوْقُوفِ لَا بِالْبَاطِلِ : اور اگر کسی نے یہ کہا کہ اگر میں اس غلام کو بیچوں یا خریدوں تو یہ آزاد ہے پھر اسے خیار شرط کے ساتھ بیچا یا خریدا تو وہ حانث اور غلام آزاد ہو جائیگا کیونکہ بیع کی صورت میں شرط یعنی فروخت پائی گئی اور غلام کی ملکیت ابھی قائم ہے کیونکہ بائع کے خیار کی بناء پر اس کی ملکیت قائم ہے تو جزاء یعنی آزادی بھی پائی جائیگی۔ اور اسی طرح فروخت کی صورت کیونکہ شرط یعنی خرید کا تحقق ہو گیا اور خریدار کی ملک بھی غلام میں پائی جاتی ہے تو جزاء یعنی حریت بھی ثابت ہو جائیگی۔ اور بیع کو مقید بالخیار اس لئے کہا کیونکہ اگر بیع صحیح بلا خیار ہو تو بائع کی ملکیت زائل ہونے کی وجہ سے غلام آزاد نہیں ہوگا اسی طرح بیع وشراء فاسد یا موقوف ہو تو حانث ہو جائیگا۔ کیونکہ اس میں قبضہ سے ملک حاصل ہو جاتی ہے اور بیع موقوف کی صورت یہ ہے کہ عاقد نے غلام کسی غائب پر بیچا اور فضولی نے اس کی طرف سے قبول کیا تو چونکہ بائع کی طرف سے قبول پایا گیا اور ملکیت باقی ہے تو غلام آزاد ہو جائیگا ہاں اگر بیع وشراء باطل ہو تو حانث نہیں ہوگا بسبب عدم ملک کے اگرچہ بیع پر قبضہ بھی کر لے۔

إِنْ لَمْ أَبِعْ فَكَذَا فَأَعْتَقَ أَوْ دَبَّرَ حَنِثَ. اور اگر کوئی یہ کہے کہ اگر میں اس غلام کو نہ بیچوں تو میری عورت پر طلاق ہے اور پھر خود ہی اس غلام کو آزاد کر دیا یا مدبر کر دیا تو یہ حانث ہو جائیگا یعنی اس کی عورت کو طلاق واقع ہو جائیگی کیونکہ یمین اگرچہ مطلق ہے کسی وقت کے ساتھ مقید نہیں لیکن بیع سے ہونے کا امکان ختم ہو گیا محل نہ رہنے کی وجہ سے اس لئے کہ عتق وتدبیر کے بعد اس کی بیع نہیں ہو سکتی کیونکہ پہلی صورت میں تو وہ ملک ہی سے نکل گیا ہے اور دوسری صورت میں وہ عتق کا مستحق ہو چکا ہے جسے اب رد نہیں کیا جا سکتا۔

قَالَتْ تَزَوَّجْتَ عَلَيَّ فَقَالَ كُلُّ امْرَأَةٍ لِي طَالِقٌ طَلُقَتِ الْمُحَلِّفَةُ عَلَى الْمَشْيِ إِلَى بَيْتِ اللهِ تَعَالَى أَوْ إِلَى الْكَعْبَةِ حَجٌّ أَوِ اعْتَمَرَ مَاشِيًا فَإِنْ رَكِبَ أَرَاقَ دَمًا بِخِلَافِ الْخُرُوجِ أَوِ الذَّهَابِ إِلَى بَيْتِ اللهِ تَعَالَى أَوِ الْمَشْيِ إِلَى الْحَرَمِ أَوِ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ عَبْدُهُ حُرٌّ إِنْ لَمْ يَحُجَّ الْعَامَ فَشَهِدَا بِنَحْرِهِ بِالْكُوفَةِ لَمْ يَعْتِقْ وَحَنِثَ فِي لَا يَصُومُ بِصَوْمِ سَاعَةٍ بِنِيَّةٍ وَفِي صَوْمًا أَوْ يَوْمًا بِيَوْمٍ وَفِي لَا يُصَلِّي بِرَكْعَةٍ وَفِي صَلَاةً بِشَفْعٍ.

ترجمہ: بیوی نے کہا کہ تو نے مجھ پر نکاح کر لیا شوہر نے کہا میری ہر بیوی طلاق تو قسم کھلانے والی بھی مطلقہ ہو جائیگی مجھ پر پیادہ پا جانا ہے خانہ خدا یا کعبہ کی طرف تو حج یا عمرہ کرے پیدل اگر سوار ہوگا تو خون دے بخلاف خانہ خدا کی طرف نکلنے یا جانے یا حرم محترم یا صفا ومروہ کی طرف پیادہ پا روانہ ہونے کے۔ میرا غلام آزاد ہے اگر اس سال حج نہ کروں پس دو آدمیوں نے کوفہ میں قربانی کرنے کی گواہی دی تو وہ

غلام آزاد نہیں ہوگا اور اس صورت میں کہ روزہ رکھوں گا نیت کے ساتھ ایک ساعت روزہ رکھنے سے حانث ہو جائیگا اور ایک روزے اور ایک دن کے روزے کی قسم میں تمام دن روزہ رکھنے سے اور میں نماز نہ پڑھوں گا میں ایک رکعت پڑھنے سے۔

فَإِنْ تَزَوَّجْتَ عَلَيَّ فَقَالَ كُلُّ امْرَأَةٍ لِي طَالِقٌ طَلُقَتِ الْمُحَلِّفَةُ: ایک عورت نے اپنے شوہر سے کہا کہ تو نے مجھ پر دوسری عورت سے نکاح کیا ہے اس نے جواب میں کہا کہ ہر وہ عورت جو میری بیوی ہو اس پر طلاق ہے تو اس قسم دلانے والی پر طلاق واقع ہو جائیگی کیونکہ "کل امرأة لی" میں یہ بھی شامل ہے اور اگر کوئی اور بیوی ہوئی تو اس کو بھی طلاق واقع ہو جائیگی کیونکہ اس نے جواب میں کچھ اضافہ کر دیا ہے اصل جواب تو یہ تھا اگر میں نے ایسا کیا ہو تو اسے تین طلاقیں ہیں یہ جواب سوال کے مطابق تھا مگر زوج نے لفظ کل استعمال کر کے عموم پیدا کر دیا تو اسے سوال کا جواب نہیں بلکہ نیا کلام قرار دیا جائیگا۔

فَعَلَيَّ الْمَشْيُ إِلَى بَيْتِ اللّٰهِ تَعَالَى أَوْ إِلَى الْكَعْبَةِ حَجَّ أَوِ اعْتَمَرَ مَاشِيًا فَإِنْ رَكِبَ أَرَاقَ دَمًا بِخِلَافِ الْخُرُوْجِ أَوِ الذَّهَابِ إِلَى بَيْتِ اللّٰهِ تَعَالَى أَوِ الْمَشْيِ إِلَى الْحَرَمِ أَوِ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ: اگر کوئی یہ کہے کہ بیت اللہ تک یا خانہ کعبہ تک پیدل جانا میرے ذمے ہے تو وہ پیدل جا کر حج کرے یا عمرہ کرے اور اگر اس نے آدھے سے زیادہ راستہ سواری پر طے کیا تو پھر ایک بکری ذبح کرے کیونکہ عرف میں اس لفظ سے حج یا عمرہ کا واجب ہونا متعارف ہے بخلاف اس کے اگر یوں کہا کہ بیت اللہ تک سفر کرنا یا جانا میرے ذمے ہے تو اس پر کچھ لازم نہیں ہوگا یا یہ کہا کہ حرم تک یا صفا تک یا مروہ تک پیدل جانا میرے ذمے ہے تو اس سے بھی یہی نہ حج کرنا لازم نہیں ہوتا کیونکہ عرف میں ان الفاظ کو بول کر حج یا عمرہ مراد نہیں لیا جاتا اور قسم کا دارومدار عرف پر ہے۔

عَبْدُهُ حُرٌّ إِنْ لَمْ يَحُجَّ الْعَامَ فَشَهِدَا بِنَحْرِهِ بِالْكُوْفَةِ لَمْ يَعْتِقْ: اگر کوئی کہے کہ اگر میں اس سال حج نہ کروں تو میرا غلام آزاد ہے پھر حج کرنے کا دعویٰ کیا اور دو گواہوں نے گواہی دی کہ اس نے اس سال کوفہ میں قربانی کی ہے تو اس گواہی کو اعتبار نہیں کیا جائیگا اور غلام آزاد نہیں ہوگا کیونکہ ہو سکتا ہے کہ اس نے حج کر کے قربانی کوفہ میں کی ہو اور امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ آزاد ہو جائیگا کیونکہ دونوں گواہوں نے ایک امر معلوم پر گواہی دی ہے علامہ ابن ہمامؒ نے امام محمدؒ کے قول کو راجح قرار دیا ہے کیونکہ گواہی نفی پر نہیں بلکہ امر وجودی پر ہے جو کہ محسوس ہے تو یہ گواہی مقبول ہوگی۔ شیخینؒ کی دلیل یہ ہے کہ یہ شہادت ایک نفی امر پر ہی ہے کیونکہ شہادت کا مقصد حج کی نفی کرنا ہے قربانی کو ثابت کرنا نہیں کیونکہ قربانی کا بندوں کی طرف سے کسی نے مطالبہ نہیں کیا اور بالاتفاق نفی امر پر شہادت قبول نہیں کی جاتی۔

لا اصوم صوما کہنے کا حکم

وَفِي لَا يَصُوْمُ بِصَوْمِ سَاعَةٍ بِنِيَّةٍ وَفِي صَوْمًا أَوْ يَوْمًا بِيَوْمٍ: اگر کسی شخص نے قسم کھائی کہ روزہ نہیں رکھے گا پس روزے کی نیت کی اور ساعت بھر کیلئے روزہ رکھ لیا پھر اسی روزہ کو افطار کر دیا تو حانث ہوگا کیونکہ صوم کا مقصد تقرب ہے مفطرات ثلاثہ سے رکنے سے

لَبِسَ خَاتَمَ ذَهَبٍ أَوْ عِقْدَ لُؤْلُؤٍ لَبِسَ حُلِيٌّ لَا خَاتَمَ فِضَّةٍ: سونے کی انگوٹھی یا موتیوں کا ہار پہننا زیور پہننے کے حکم میں ہے یعنی اگر کسی نے یہ قسم کھائی کہ میں زیور نہیں پہنوں گا اور پھر اس نے سونے کی انگوٹھی یا موتیوں کا ہار پہنا تو حانث ہو جائیگا البتہ چاندی کی انگوٹھی زیور کے حکم میں نہیں ہے تو اس کے پہننے سے حانث نہیں ہوگا کیونکہ عرفاً اور شرعاً سونے کی انگوٹھی تو زیور شمار ہوتی ہے نہ کہ چاندی کی انگوٹھی اسی لئے مردوں کو چاندی کی انگوٹھی پہننی مباح اور سونے کی انگوٹھی پہننی حرام ہے البتہ اگر چاندی کی انگوٹھی عورتوں کی انگوٹھیوں کی خاص شکل پر بنی ہو تو اس کے پہننے سے حانث ہو جائیگا۔

لَا يَجْلِسُ عَلَى الْأَرْضِ فَجَلَسَ عَلَى بِسَاطٍ أَوْ حَصِيرٍ أَوْ لَا يَنَامُ عَلَى هٰذَا الْفِرَاشِ فَجَعَلَ فَوْقَهُ قِرَامٌ آخَرُ فَنَامَ عَلَيْهِ أَوْ لَا يَجْلِسُ عَلَى سَرِيْرٍ فَجَعَلَ فَوْقَهُ سَرِيْرٌ آخَرُ لَا يَحْنَثُ: اگر قسم کھائی کہ زمین پر نہیں بیٹھونگا پھر بچھونے یا ٹاٹ اور چٹائی وغیرہ پر بیٹھا تو وہ حانث نہیں ہوگا کیونکہ ایسے شخص کو زمین پر بیٹھنے والا نہیں کہا جاتا ہے اگر قسم کھائی کہ وہ اس بستر پر نہیں سوئیگا پھر اس بستر پر چادر بچھا کر سو گیا یا قسم کھائی کہ تخت یا چارپائی پر نہیں بیٹھے گا پھر پہلے تخت پر ایک اور تخت بچھا کر بیٹھ جائے تو حانث نہیں ہوگا کیونکہ جو چیز ایک چیز کی مثل ہو وہ اس کے تابع نہیں ہوتی تو اول سے نسبت منقطع ہوگی۔

وَلَوْ جَعَلَ عَلَى الْفِرَاشِ قِرَامٌ أَوْ عَلَى السَّرِيْرِ بِسَاطٌ أَوْ حَصِيْرٌ حَنِثَ: اور اگر قسم کھائی کہ اس فرش یا اس چارپائی پر نہ بیٹھے گا یا نہ سوئیگا اور اس فرش پر باریک کپڑا بچھایا یا چارپائی پر بچھونا یا چٹائی ڈالی پھر اس پر بیٹھا یا سویا تو حانث ہو جائیگا کیونکہ عرف میں وہ شخص فرش پر بیٹھنے والا اور چارپائی پر سونے والا شمار ہوتا ہے

بَابُ الْيَمِيْنِ فِي الضَّرْبِ وَالْقَتْلِ وَغَيْرِ ذٰلِكَ

مارنے قتل کرنے وغیرہ میں قسم کھانے کا بیان

إِنْ ضَرَبْتُكَ وَكَسَوْتُكَ وَكَلَّمْتُكَ وَدَخَلْتُ عَلَيْكَ فَعَبْدِيْ حُرٌّ تَقَيَّدَ بِالْحَيَاةِ بِخِلَافِ الْغُسْلِ وَالْحَمْلِ وَالْمَسِّ لَا يَضْرِبُ امْرَأَتَهُ فَمَدَّ شَعْرَهَا أَوْ خَنَقَهَا أَوْ عَضَّهَا حَنِثَ إِنْ لَمْ أَقْتُلْ فُلَانًا فَكَذَا وَهُوَ مَيِّتٌ إِنْ عَلِمَ بِهِ حَنِثَ وَإِلَّا لَا وَمَا دُوْنَ الشَّهْرِ قَرِيْبٌ وَهُوَ وَمَا فَوْقَهُ بَعِيْدٌ لَيَقْضِيَنَّ دَيْنَهُ الْيَوْمَ فَقَضَاهُ زُيُوْفًا أَوْ نَبَهْرَجَةً أَوْ مُسْتَحَقَّةً بَرَّ وَلَوْ رَصَاصًا أَوْ سَتُّوْقَةً لَا وَالْبَيْعُ بِهِ قَضَاءٌ لَا الْهِبَةُ لَا يَقْبِضُ دَيْنَهُ دِرْهَمًا دُوْنَ دِرْهَمٍ فَقَبَضَ بَعْضَهُ لَا يَحْنَثُ حَتّٰى يَقْبِضَ كُلَّهُ مُتَفَرِّقًا لَا بِتَفْرِيْقٍ ضَرُوْرِيٍّ

ترجمہ: تجھے ماروں یا پہناؤں یا تجھ سے کلام کروں یا تیرے پاس آؤں یا غلام زندگی کے ساتھ مقید ہیں گے بخلاف غسل، چھونے اور حمل کے اپنے بیوی کو نہ ماروں گا پھر اس کے بال کھینچے یا گلا گھونٹا یا دانتوں سے کاٹا تو حانث ہو جائیگا اگر فلاں کو قتل نہ کروں تو ایسا ہے

حالانکہ وہ مر چکا ہے تو اگر اس کو معلوم ہے تو حانث ہو جائیگا اگر فلاں کو قتل نہ کروں تو ایسا ہے حالانکہ وہ مر چکا ہے تو اگر اس کو معلوم ہے تو حانث ہو جائیگا ورنہ نہیں ایک ماہ سے کم قریب ہے اور ایک ماہ اور اس سے زائد بعید ہے فلاں کا قرض آج ہی ادا کر دوں گا پھر ایسے اس کے جو کھرے ہیں یا چھٹے نہیں یا کوئی اور اس کا حقدار ہے تو قسم پوری ہو گئی اور اگر رانگ کے یا تین بہت کے ہیں تو نہیں اور قرض کے عوض بیچ ادا ہے ہبہ کر کرنا ہو قرض ایک ایک درہم کر کے نہیں لوں گا پھر بعض پر قبضہ کیا تو حانث نہیں ہوگا جب تک کہ پورا قرض متفرق طور پر وصول نہ کرے ضروری تفریق سے قسم نہ ٹوٹے گی

إِنْ ضَرَبْتُكَ وَكَسَوْتُكَ وَكَلَّمْتُكَ وَدَخَلْتُ عَلَيْكَ فَعَبْدِي حُرٌّ تَقَيَّدَ بِالْحَيَاةِ بِخِلَافِ الْغَسْلِ وَالْحَمْلِ وَالْمَسِّ: اگر کسی نے دوسرے سے قسم کھا کر کہا کہ اگر میں تجھ کو ماروں یا تجھے کپڑا پہناؤں یا تجھ سے بات کروں یا تیرے پاس آؤں تو میرا غلام آزاد ہے تو یہ قسم اس مخاطب کی زندگی تک رہے گی اگر اس کے مرنے کے بعد یہ کام کرے گا تو حانث نہیں ہوگا کیونکہ مارنا ایسے فعل کو کہتے ہیں جو دکھ دینے والا ہو اور بدن سے متصل ہو جبکہ میت میں ایذا کا تحقق نہیں ہوتا اور میت کو جو قبر میں عذاب دیا جاتا ہے، جمہور علماء کے نزدیک درد محسوس کرنے کی بقدر اس میں زندگی کا اعادہ کر دیا جاتا ہے اور اہل سنت کے نزدیک بدن کا ثابت رہنا شرط نہیں بلکہ اجزاء متفرقہ میں ایسی حیات عطا ہوتی ہے جو آنکھ سے معلوم نہیں ہو سکتی۔ اور کسوۃ کے مفہوم میں تملیک معتبر ہے اور میت تملیک کے لائق نہیں اور کلام سے مقصود افہام ہوتا ہے اور موت اس کی منافی ہے اور دخول سے مراد یا اکرام ہے یا اہانت یا زیارت اور بعد موت کے یہ کوئی بات حاصل نہیں بخلاف نہلانے اور اٹھانے اور چھونے کے چنانچہ اگر یوں قسم کھائے کہ زید کو غسل نہ دے گا یا اس کو نہ اٹھائیگا تو یمین مقید بحیات نہیں یعنی اگر زید کے مرنے کے بعد اس کو غسل دے گا یا اٹھائیگا یا اس کو چھوئیگا تو حانث ہو جائیگا کیونکہ یہ افعال زندہ کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ میت بھی زندہ کے ساتھ ان میں شریک ہے۔

لَا يَضْرِبُ امْرَأَتَهُ فَمَدَّ شَعْرَهَا أَوْ خَنَقَهَا أَوْ عَضَّهَا حَنِثَ: اور اگر کسی شخص نے قسم کھائی کہ وہ اپنی بیوی کو نہیں مارے گا پھر حالت غضب میں اس کے بال کھینچے یا گلا دبایا یا اسے دانتوں سے کاٹا تو حانث ہو جائیگا کیونکہ ضرب تکلیف دہ فعل کو کہتے ہیں اور مذکورہ صورتوں میں دکھ دینا پایا جاتا ہے اور اگر یہ افعال غضب کی حالت میں نہ ہوں بلکہ ملاعبت کی حالت میں ہوں تو حانث نہیں ہوگا اور یہی صحیح ہے۔

إِنْ لَمْ أَقْتُلْ فُلَانًا فَكَذَا وَهُوَ مَيِّتٌ إِنْ عَلِمَ بِهِ حَنِثَ وَإِلَّا لَا: اگر کسی نے قسم کھائی کہ اگر میں فلاں شخص کو قتل نہ کروں تو میری بیوی کو طلاق ہے حالانکہ وہ شخص پہلے ہی مر چکا ہے اور کہنے والا خود بھی یہ بات جانتا ہے تو وہ حانث ہو جائیگا اور بیوی مطلقہ ہو جائیگی کیونکہ اس نے اپنی قسم کو اس مردہ کی ایسی زندگی پر قائم کیا ہے جس کو اللہ تعالیٰ اس مردہ میں پیدا کرے اور اس کا تصور بھی کیا جا سکتا ہے اس لئے قسم منعقد ہو جائیگی اور اسی وقت حانث ہو جائیگا کیونکہ عادتاً وہ اپنی قسم کے ایفاء سے عاجز و قاصر ہے اگر حالف کو اس کی موت کا علم نہ ہو تو حانث نہیں ہوگا کیونکہ اس نے اپنی قسم اسی زندگی پر منعقد کی جو اس کے علم کے

کِتَابُ الْحُدُوْدِ

حدود کا بیان

یہ کتاب حدود کے مسائل میں ہے، چونکہ کتاب الایمان کفارہ پر مشتمل تھی اور کفارہ دائر ہے بین العبادۃ والعقوبۃ۔ لہذا کتاب الایمان کے بعد مصنف کتاب الحدود کو لائے جو عقوبات خالصہ ہے۔ اور حدود چھ طرح کی ہے ا۔ حد زنا ۲۔ حد شرب خمر۔ ۳۔ حد مسکرات ۴۔ حد قذف ۵۔ حد سرقہ اور ۶۔ حد قطع الطریق۔ حدود کو بھی حدود اسی لئے کہتے ہیں کہ وہ اسباب عقوبات کے ارتکاب سے روکتی ہیں۔

الْحَدُّ عُقُوْبَةٌ مُقَدَّرَةٌ لِلّٰهِ تَعَالٰی وَالزِّنَا وَطْءٌ فِيْ قُبُلٍ خَالٍ عَنْ مِلْكٍ وَشُبْهَةٍ وَيَثْبُتُ بِشَهَادَةِ أَرْبَعَةٍ بِالزِّنَا لَا بِالْوَطْءِ وَالْجِمَاعِ قَوْلُهُ وَيُشْتَرَطُ أَنْ تَكُوْنَ الْمَوْطُوْءَةُ مُشْتَهَاةً وَالْوَاطِئُ مُكَلَّفًا طَائِعًا فَيَسْأَلُهُمُ الْإِمَامُ عَنْ مَاهِيَّتِهِ وَكَيْفِيَّتِهِ وَمَكَانِهِ وَزَمَانِهِ وَالْمَزْنِيَّةِ فَإِنْ بَيَّنُوْهُ وَقَالُوْا رَأَيْنَاهُ وَطِئَهَا كَالْمِيْلِ فِي الْمُكْحُلَةِ وَعُدِّلُوْا سِرًّا وَجَهْرًا حُكِمَ بِهٖ۔

ترجمہ: حد وہ سزا ہے جو حق الٰہی کیلئے فرض کی گئی ہے اور زنا وہ صحبت ہے جو اگلی شرمگاہ میں ہو جو ملک اور شبہ ملک سے خالی ہو اور اس بات کا ثبوت چار آدمیوں کی گواہی سے لفظ زنا کہا ہو ہوتا ہے، نہ کہ وطی اور جماع کے ساتھ، پس امام زنا کی حقیقت اور اس کی کیفیت اس کی جگہ اور وقت اور زنیہ عورت کے بارے میں پوچھے پس اگر وہ بیان کریں اور کہیں کہ ہم نے اس کو اس طرح وطی کرتے دیکھا ہے۔ جیسے سلائی سرمہ دانی میں اور ان گواہوں کے عادل ہونے کی خفیہ و اعلانیہ تحقیق کر لی گئی ہو تو حاکم زنا ثابت ہونے کا حکم"۔

حد کا لغوی اور شرعی معنی

الْحَدُّ عُقُوْبَةٌ مُقَدَّرَةٌ لِلّٰهِ تَعَالٰی: لغت میں حد کے معنی روکنے کے ہیں اسی وجہ سے دربانوں کو عربی میں حداد کہتے ہیں کہ وہ لوگوں کو مکان میں آنے جانے سے روکتے ہیں۔ شریعت میں حد اس عقوبت مقدرہ معینہ کو کہتے ہیں جو بندوں کو افعال قبیحہ کے ارتکاب سے باز رکھنے کیلئے جو خالص اللہ تعالیٰ کے حق کیلئے ہوتی ہے۔ تو تعزیر اور قصاص حد نہیں تعزیر تو اس لئے حد نہیں ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر نہیں اور قصاص اس لئے نہیں کہ وہ ولی کا حق ہے اللہ تعالیٰ کا نہیں۔

وَالزِّنَا وَطْءٌ فِيْ قُبُلٍ خَالٍ عَنْ مِلْكٍ وَشُبْهَةٍ: اور زنا اس صحبت کا نام ہے جو اگلی شرمگاہ میں ہو کہ نہ وہ زانی کی ملک ہو یعنی بیوی ہو نہ لونڈی ہو اور نہ ملک کا شبہ ہو۔ مثلاً کسی نے اپنی بیوی کے شبہ میں کسی عورت کے ساتھ صحبت کر لی تو وہ زنا نہیں ہوگا یہ مطلق زنا کی تعریف ہے۔ اس زنا کی نہیں جو موجب حد ہوتا ہے۔ تفصیل کیلئے فتاویٰ شامیہ ملاحظہ فرمائیں۔

وَيَثْبُتُ بِشَهَادَةِ أَرْبَعَةٍ بِالزِّنَا لَا بِالْوَطْءِ وَالْجِمَاعِ قَوْلُهُ وَيُشْتَرَطُ أَنْ تَكُوْنَ الْمَوْطُوْءَةُ مُشْتَهَاةً وَالْوَاطِئُ

کردے اور اس سے اس بات کی تلقین کرنا مستحب ہے کہ شاید تو نے بوسہ لیا ہوگا یا چھوا ہوگا یا شبہ سے صحبت کی ہوگی پس اگر وہ محصن ہو تو اسے میدان میں سنگسار کرے یہاں تک کہ مر جائے اور گواہ سنگسار کرنے میں ابتداء کریں، اگر وہ انکار کریں تو حد ساقط ہو جائیگی پھر امام پھر دوسرے لوگ۔ اور امام ابتداء کرے اگر زانی اقرار کرنے والا ہو پھر دوسرے لوگ۔

اقرار زنا کا طریقہ

وبإقراره أربعا في مجالسه الأربعة كلما أقر رده وسأله كما مر فإن بينه حد: اور خود زانی کے چار مجلسوں میں چار مرتبہ زنا کا اقرار کرنے سے بھی ثابت ہو جاتا ہے۔ اور جب وہ اقرار کرے حاکم اس کے اقرار کی تردید کردے اور اس سے وہی پانچوں امور یعنی ماہیت اور کیفیت وغیرہ دریافت کرے اگر وہ ان تمام چیزوں کو بیان کردے تو اس پر حد واجب ہو جائیگی۔ اور چار مرتبہ اقرار کا شرط ہونا ہمارا مذہب ہے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک ایک دفعہ اقرار کرلینا کافی ہے۔ کیونکہ اقرار حقیقت کو ظاہر کرنے والا ہے اور بار بار اقرار کرنا ظہور میں زیادتی کا فائدہ نہیں دیتا بخلاف گواہی کے کہ اس میں گواہوں کی زیادتی اطمینان قلب میں زیادتی کا سبب ہوتی ہے۔ ہماری دلیل حضرت ماعزؓ کی حدیث ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حد قائم کرنے میں تاخیر کی یہاں تک کہ ان کی جانب سے چار بار اقرار کی چار مجالس میں تکمیل ہوئی۔ اگر چار بار سے کم اقرار حد کو واجب کرنے کیلئے ظاہر ہو جاتا تو آپ ﷺ حد قائم کرنے میں تاخیر نہ کرتے اس لئے کہ وجوب ثابت ہو گیا۔ اور حد کے وجوب کے ثبوت کے بعد نبی کریم ﷺ کیلئے مناسب نہیں ہے کہ وہ حد قائم کرنے میں تاخیر کریں۔

فإن رجع عن إقراره قبل الحد أو في وسطه خلي سبيله: اور حد قائم ہونے سے پہلے یا درمیان میں اس نے رجوع کرلیا تو اس کا رجوع قبول کرلیا جائیگا اور اسے چھوڑ دیا جائیگا۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اس پر حد قائم ہوگی اس لئے اس کے اقرار سے حد واجب ہوتی ہے تو اب اس کے رجوع اور انکار سے باطل نہیں ہوگی۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ رجوع کرنا ایک خبر ہے جو اقرار کی طرح صدق کا احتمال رکھتی ہے اور رجوع کی صورت میں کوئی اس کی تکذیب کرنے والا نہیں کیونکہ تکذیب کی صورت میں اقرار کی جانب راجح ہو جاتی ہے۔

وندب تلقينه بلعلك قبلت أو لمست أو وطئت بشبهة: اور امام کیلئے مناسب ہے کہ وہ اقرار کرنے والے کو رجوع کی تلقین کرے اور اس سے کہے کہ شاید تو نے اس عورت کو چھوا ہوگا یا صرف بوسہ لیا ہوگا اس لئے کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت ماعزؓ سے یہی فرمایا تھا اور اگر اقرار کرنے والے نے جواب میں "ہاں" کہا تو حد ساقط ہو جائیگی۔

فإن كان محصنا رجمه في فضاء حتى يموت يبدأ الشهود به فإن أبوا سقط ثم الإمام ثم الناس: جب حد واجب ہو جائیگی اور زانی محصن ہو تو اسے کھلے میدان میں لے جائے اور پتھروں سے سنگسار کریں یہاں تک کہ وہ مر جائے۔ اور گواہوں کی صورت میں ضروری ہے کہ اس کو سنگسار کرنے میں ابتداء کریں پھر امام مارے پھر عوام ماریں۔ حضرت علیؓ سے اسی طرح مروی ہے۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ کوڑوں کی طرح یہاں بھی گواہوں سے ابتداء کرانا شرط نہیں ہے۔ اگر گواہ رجم

کیا آقا کو حد قائم کرنے کا اختیار ہے کیونکہ آقا کی ولایت امام کی ولایت سے زیادہ ہے اس لئے کہ اسے غلام بیچنے خدمت لینے وغیرہ کا اختیار ہے جو کہ امام کو نہیں تو یہ تعزیر کی طرح ہو گیا۔ اور ہماری دلیل یہ ہے کہ حد اللہ تعالیٰ کا حق ہے اسی وجہ سے بندے کے ساقط کرنے سے ساقط نہیں ہوتا اس لئے شرع کی رو سے جو اللہ کا نائب ہے یعنی امام وہی اس کا قائم مقام ہے اسی کو اس کا حق ہے بخلاف تعزیر کے کہ وہ بندے کا حق ہے۔

وَإِحْصَانُ الرَّجْمِ الْحُرِّيَّةُ وَالتَّكْلِيفُ وَالْإِسْلَامُ وَالْوَطْءُ بِنِكَاحٍ صَحِيحٍ وَهُمَا بِصِفَةِ الْإِحْصَانِ وَلَا يُجْمَعُ بَيْنَ جَلْدٍ وَرَجْمٍ وَجَلْدٍ وَنَفْيٍ وَلَوْ غَرَّبَ بِمَا يَرَى صَحَّ وَالْمَرِيضُ يُرْجَمُ وَلَا يُجْلَدُ حَتَّى يَبْرَأَ وَالْحَامِلُ لَا تُحَدُّ حَتَّى تَلِدَ وَتَخْرُجَ مِنْ نِفَاسِهَا لَوْ كَانَ حَدُّهَا الْجَلْدَ

ترجمہ: اور رجم کیلئے محصن ہونا یہ ہے کہ آزاد، مکلف، مسلمان ہو اور نکاح صحیح کے ساتھ اس حال میں وطی کر چکا ہو کہ دونوں صفت احصان پر ہوں اور کوڑے مارنے اور سنگسار کرنے اور جلاوطن کرنے کو جمع نہ کیا جائے۔ اور اگر امام کی رائے جلاوطن کرنے کی ہو تو درست ہے اور بیمار کو سنگسار کیا جائیگا۔ لیکن اس کو کوڑے نہیں مارے جائیں گے یہاں تک کہ تندرست ہو جائے اور حاملہ کو حد نہ لگائی جائے یہاں تک کہ وہ بچہ جنے اور نفاس سے فارغ ہو جائے۔ اگر اس کی حد کوڑے ہوں۔

احصان کب متحقق ہوگا

وَإِحْصَانُ الرَّجْمِ الْحُرِّيَّةُ وَالتَّكْلِيفُ وَالْإِسْلَامُ وَالْوَطْءُ بِنِكَاحٍ صَحِيحٍ وَهُمَا بِصِفَةِ الْإِحْصَانِ: رجم کیلئے صفت احصان کا ہونا ضروری ہے کیونکہ صفت احصان سے زنا کی قباحت اور شناعت اور بڑھ جاتی ہے اس لئے کہ صفت احصان ان اوصاف کے مجموعے کا نام ہے جو زنا کے ارتکاب سے مانع ہے۔ لیکن اس کے باوجود زنا کا ارتکاب کر رہا ہے جس کی وجہ سے اس کا یہ جرم بہت شدید ہو جاتا ہے۔ اور وہ صفات سات ہیں۔ ۱۔ حریت ۲۔ عقل ۳۔ بلوغ ۴۔ اسلام ۵۔ نکاح صحیح ۶۔ وطی بنکاح صحیح ۷۔ دخول کے وقت واطی اور موطوءہ دونوں میں ان مذکورہ بالا صفات کا پایا جانا جن کو احصان سے تعبیر کیا جاتا ہے لہٰذا اگر کسی حرنے باندی سے نکاح کیا اور اسی حالت میں وطی کی اس کے بعد دونوں میں سے کسی سے زنا کا صدور ہو گیا اور اس کے بعد پھر وہ باندی آزاد بھی کر دی گئی تو چونکہ یہاں پر صفت احصان وقت الدخول نہیں پائی گئی۔ وطی کے وقت موطوءہ کے باندی ہونے کی وجہ سے۔ اس لئے اس صورت میں زنا کا حکم رجم نہیں ہوگا الا یہ کہ اس باندی کے آزاد ہونے کے بعد دوبارہ اس سے وطی کی گئی ہو اور اس کے بعد زنا پایا گیا تو اس صورت میں اس کا حکم رجم نہیں ہوگا۔ یا ایسے ہی کسی حرہ نے غلام سے نکاح کیا اور پھر وہ اوپر والی صورت میں پائی گئی اس کا بھی حکم یہی ہے۔ الحاصل جس مرد اور عورت میں مذکورہ بالا صفت احصان پائی جائیگی اور پھر اس کے بعد وہ مرد یا عورت زنا کرے گا تب اس کا رجم ہوگا ورنہ نہیں۔ صفت اسلام میں اختلاف ہے حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک شرائط احصان میں سے ہے۔ اور حنابلہ اور شافعیہ کے نزدیک نہیں ہے یہ احصان رجم کا بیان تھا اور احصان

القذف کا بیان آگے آرہا ہے۔ علامہ زیلعی نے ان شرائط احصان میں سے ہر شرط کی لم اور علت بھی ذکر کی ہے لہٰذا اس کو دیکھا جائے کہ مفید اور موجب بصیرت ہے۔

وَلَا يُجْمَعُ بَيْنَ جَلْدٍ وَرَجْمٍ وَجَلْدٍ وَنَفْيٍ وَلَوْ غَرَّبَ بِمَا يَرَى صَحَّ: محصن زانی کی سزا میں رجم اور کوڑوں کو جمع نہیں کیا جائیگا۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے دونوں کو جمع نہیں کیا۔ اور غیر محصن زانی کی سزا میں کوڑوں اور جلاوطنی کو جمع نہیں کیا جائیگا یعنی اسے کوڑے مارنے کے بعد ایک سال کیلئے باہر نہیں بھیجا جائیگا۔ صرف کوڑے مارے جائیں گے۔ امام شافعیؒ اور امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ دونوں سزاؤں کو جمع کرنے سے حد پوری ہوگی۔ کیونکہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ کنوارے مرد کو کنواری عورت کے ساتھ زنا کی وجہ سے سو کوڑے لگائے جائیں اور ایک سال کیلئے جلاوطن کیا جائے۔ اور ہمارے نزدیک اگر کسی خاص مصلحت کے باعث حاکم کی رائے ہو تو بطور تعزیر وسیاست کے چند روز کیلئے جلاوطن کردے تو درست ہے۔ امام شافعیؒ کی دلیل کا جواب یہ ہے کہ فقط کوڑے مارنے کا حکم کتاب اللہ سے ثابت ہے۔ اب اگر جلد مائۃ کے ساتھ نفی عام بھی داخل حد ہو تو خبر واحد کے ذریعے کتاب اللہ پر زیادتی لازم آئیگی حالانکہ یہ جائز نہیں۔

وَالْمَرِيضُ يُرْجَمُ وَلَا يُجْلَدُ حَتَّى يَبْرَأَ وَالْحَامِلُ لَا تُحَدُّ حَتَّى تَلِدَ وَتَخْرُجَ مِنْ نِفَاسِهَا لَوْ كَانَ حَدُّهَا الْجَلْدَ: اور اگر زانی مریض ہو تو اسے رجم کیا جائیگا اور کوڑے اس وقت تک نہیں مارے جائیں گے جب تک اچھا نہ ہو جائے۔ اور حاملہ عورت پر زنا ثابت ہو جائے تو وضع حمل کے بعد رجم کی جائیگی اور کوڑے نفاس کے بعد لگائے جائیں گے۔ کیونکہ رجم کی غرض اسے ہلاک کرنا ہے اس لئے مرض کی حالت میں رجم کرنے میں کوئی حرج نہیں بلکہ یہ تو اور مستحسن اور مقصود ہے کہ جلدی مرجائیگا۔ بخلاف کوڑے لگانے کے کیونکہ اس کا مقصود ہلاک کرنا نہیں ہے بلکہ محض زجر اور تکلیف پہنچانا ہے اور مرض کی حالت میں کوڑے مارنے سے ہلاکت کا اندیشہ ہے۔ اس لئے مرض وضعف دور ہو کر تندرستی حاصل ہونے تک کوڑے لگانے سے توقف کیا جائیگا۔

بَابُ الْوَطْءِ الَّذِي يُوجِبُ الْحَدَّ وَالَّذِي لَا يُوجِبُهُ

باب اس وطی کے بیان میں جو موجب حد ہے اور جو موجب حد نہیں

اس باب میں اصل یہ حدیث ہے: اِدْرَءُوا الْحُدُودَ بِالشُّبُهَاتِ. "حدود کو شبہات کے سبب ساقط کرو" جیسے امام ابوحنیفہؒ نے مرفوعاً تخریج کی ہے ابن عباسؓ سے، اور دار قطنی وبیہقی میں حضرت علیؓ سے مرفوع روایت ہے: "حدود کو دفع کرتے رہو اور ثابت ہو جانے کے بعد امام کو نہ چاہئے کہ حدود کو معطل کردے"۔ اور بیہقی اور حاکم میں حضرت عائشہ صدیقہؓ سے مرفوعاً روایت ہے کہ "جہاں تک تم میں استطاعت ہو مسلمانوں سے حدود کو دفع کرو اگر تم مسلمانوں کیلئے خلاصی کا راستہ پاؤ تو اس کو خلاصی دیدو کیونکہ حاکم کیلئے معافی دینے میں غلطی کرلینا سزا دینے میں غلطی کرلینے سے بہتر ہے" ہر چند ابن حزم وغیرہ اہل ظاہر شبہات کے ذریعہ ساقط کرنے کے منکر ہیں لیکن چونکہ حدیث مرفوع اور آثار صحابہ کرام سے یہ امر ثابت ہے اور فقہاء امصار کا اس پر

لونڈی سے وطی کرے ۔۲۔ وہ مطلقہ جسے کنایات سے طلاق دی ہو اور عدت میں ہو تو ان مواضع میں حد واجب نہیں ہوگی کیونکہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے ۔"انت و مالک لابیک" کیونکہ ظاہر حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ بیٹے کا ملک باپ کا ملک ہے اور باپ کو اس میں تصرف کرنا حلال ہے اور دادا بھی باپ کے حکم میں ہے۔ اور وہ مطلقہ عورت جو طلاق کنائی کی وجہ سے عدت میں ہو تو اس میں صحابہ کرام کا اختلاف ہے کہ یہ طلاق بائن ہے یا رجعی۔ جب بعض اخبار و آثار اس پر دلالت کرتے ہیں کہ الفاظ کنایہ سے طلاق رجعی پڑتی ہے تو ان سے مطلقہ کنایات کی عدت میں وطی حلال ہونے کا شبہ پیدا ہو گیا اگرچہ ہمارے نزدیک یہ آثار معمول بہا نہیں لیکن وطی کرنے والے پر اس وطی کی بناء پر حد جاری نہیں ہوگی

شبہ فعل میں بھی حد نہیں

وَلِشُبْهَةِ الْفِعْلِ إِنْ ظَنَّ حِلَّهُ كَمُعْتَدَّةِ الثَّلَاثِ وَأَمَةِ أَبَوَيْهِ وَزَوْجَتِهِ وَسَيِّدِهِ: اور شبہ فعل میں بھی حد نہیں اور اسے شبہ اشتباہ بھی کہتے ہیں یعنی اس کے حق میں شبہ ثابت ہے جس کو حلت میں دھوکا ہوا اور شبہ فعل کو شبہ مشابہت بھی بولتے ہیں۔ شبہ فعل سے حد اس وقت ساقط ہوگی اگر زانی نے حلت وطی کا گمان کیا ہو اور ظن کے دعوی کرنے کا اعتبار ہے اگرچہ فی الواقع اس کو ظن حاصل نہ ہو اور فعل میں شبہ اس طرح ثابت ہوتا ہے کہ وطی کرنیوالا غیر دلیل کو دلیل حلت گمان کرے مثلاً کوئی شخص اپنی اس معتدہ سے وطی کرے جو تین طلاق کی عدت میں یا اپنے باپ کی یا ماں کی یا بیوی کی یا آقا کی لونڈی سے وطی کرے تو یہ شبہ صرف اس شخص کے حق میں متحقق ہوگا جسے حلت وحرمت کے اندر اشتباہ ہو گیا کیونکہ اس کی کوئی سمعی دلیل تو ہے نہیں جس سے حلت ثابت ہو بلکہ اس نے غیر دلیل کو دلیل خیال کر لیا مثلاً بیوی کی لونڈی کے بارے میں گمان کر لیا کہ یہ حلال ہے اس خیال سے کہ یہ بھی تو ایک قسم کی خدمت لینی ہے اور بیوی سے خدمت لینا حلال ہے تو اس فعل میں شبہ پائے جانے کیلئے حلت کا گمان ہونا ضروری ہے ورنہ نفس الامر میں کوئی شبہ نہیں ہے کیونکہ ثبوت شبہ کی کوئی دلیل نہیں اب اگر اس کو بھی حلال ہونے کا گمان نہ ہو تو پھر کسی طرح کا شبہ اس میں نہ ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ اگر حرام جان کر وطی کی تو حد لازم ہوگی۔ اور اپنی بیوی کی باندی سے وطی پر حد ساقط ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ الضحیٰ میں یہ فرما کر اپنا احسان ظاہر فرمایا: ﴿ووجدک عائلا فاغنی﴾ اس میں اللہ تعالیٰ نے بیوی کے غنا کو آپ ﷺ کی طرف منسوب فرمایا کیونکہ زوجین میں باہمی بے تکلفی کی بناء پر شوہر کو بیوی کے مال میں تصرف کا پورا اختیار رہتا ہے تو بیوی کی لونڈی سے وطی کے حلال ہونے میں شبہ پیدا کرتی ہے۔

وَالنَّسَبُ يَثْبُتُ فِي الْأُولَى لَا فَقَطْ: اگر وطی کرنے والے اپنے وطی سے پیدا ہونے والے بچے کے نسب کا دعوی کیا تو شبہ محل کی صورت میں دعوی معتبر ہوگا کیونکہ دلیل حلت موجود ہے مگر شبہ فعل کی صورت میں معتبر نہ ہوگا کیونکہ وہاں سرے سے دلیل حلت موجود نہیں، اس لئے شبہ کا اثر صرف دفع حد میں ظاہر ہوگا۔ ثبوت نسب میں نہیں ہوگا۔ اور شبہ محل کی صورت میں بھی اگر دعوی نہ کیا تو نسب ثابت نہیں ہوگا۔

وبأجنبية في غير القبل وبدبر ولواطة: اگر کسی مرد نے اجنبیہ عورت کے ساتھ شرمگاہ کے علاوہ کسی اور جگہ یعنی رانوں وغیرہ میں وطی کی تو حد واجب نہیں ہوگی اور ممنوع کام کرنے کی وجہ سے تعزیر ہوگی جس شخص نے اجنبی عورت کے ساتھ پچھلے راستہ میں وطی کی یا قوم لوط والا عمل کیا تو امام صاحبؒ کے نزدیک اس پر حد واجب نہیں ہوگی اور تعزیراً سزا دی جائیگی اور صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ یہ بھی زنا کی طرح ہے تو حد جاری کی جائیگی کیونکہ یہ معنوی لحاظ سے زنا ہے امام صاحبؒ فرماتے ہیں کہ یہ زنا نہیں ہے کیونکہ اس کی سزا میں صحابہ کرامؓ کا اختلاف ہے کہ آیا اسے آگ میں جلایا جائے یا اس پر دیوار گرائی جائے وغیرہ اگر لواطت زنا ہوتا تو صحابہ کرامؓ میں اس کی سزا کے بارے میں کوئی اختلاف نہ ہوتا کیونکہ اس کی سزا مقرر ہے اور حد زنا میں صحابہ کرامؓ کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔

وبهيمة: جس شخص نے جانور کے ساتھ وطی کی تو اس پر کوئی حد نہیں کیونکہ طبع سلیم اس سے نفرت کرتی ہے اور اس فعل کا باعث انتہائی بیوقوفی یا شدت شہوت ہے اور اس وجہ سے مادہ جانور کا ستر نہیں ڈھانپا جاتا البتہ اس پر تعزیر ہوگی۔

وبزنا في دار حرب أو بغي: جس شخص نے دار الحرب یا دار البغی میں زنا کیا پھر مسلمانوں کے ملک کی طرف آگیا تو اس پر حد قائم نہیں کی جائیگی۔ امام شافعیؒ کے نزدیک حد قائم کی جائیگی کیونکہ بحیثیت مسلمان ہونے کے اس نے تمام اسلامی احکام کا التزام کیا ہے وہ جہاں کہیں بھی ہو ہماری دلیل نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ دار الحرب میں حدود قائم نہ کی جائیں۔

وبزنا حربي بذمية في حقه: اگر کوئی حربی امان لیکر یعنی پاسپورٹ کے ذریعے داخل ہوا اور اس نے ذمیہ عورت کے ساتھ زنا کیا تو امام صاحبؒ کے ہاں ذمیہ عورت پر حد جاری کی جائیگی اور حربی پر حد جاری نہیں کی جائیگی کیونکہ مستامن ہمیشہ رہنے کیلئے داخل نہیں ہوا بلکہ ضرورت کیلئے آیا ہے۔ جیسے کہ تجارت وغیرہ تو ہمارے شہر کے رہنے والوں میں سے نہیں ہوا اور اسی وجہ سے اس سے دار الحرب واپس لوٹنے کا اختیار ہے بخلاف ذمی کے اسے اختیار نہیں کہ دار الحرب جا سکتا اور مسلمان یا ذمی اگر حربی کو قتل کر دیں تو قصاص میں ان کو اس کی وجہ سے قتل نہیں کیا جائیگا جبکہ مسلمان اگر ذمی کو قتل کریں تو مسلمان قصاصاً قتل کر دیا جائیگا ان دونوں مسئلوں سے معلوم ہوا کہ ذمی اور حربی مستامن میں فرق ہے اور دونوں کے احکام ایک جیسے نہیں۔

بچہ اور مجنون نے کسی عورت کے ساتھ زنا کیا تو حد کا حکم

وبزنا صبي أو مجنون بمكلفة بخلاف عكسه: اگر بچہ اور مجنون نے کسی عورت کے ساتھ زنا کیا تو کسی پر حد جاری نہیں کی جائیگی اور امام زفرؒ اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ عورت پر حد جاری کی جائیگی کیونکہ مرد کی جانب سے عذر عورت سے حد ساقط کرنے والا نہیں ہے۔ اس لئے کہ ان میں سے ہر ایک سے اسی کے فعل کی وجہ سے مواخذہ کیا جاتا ہے۔ اور ہماری دلیل یہ ہے کہ حقیقت میں زنا کا تعلق مرد سے ہوتا ہے وہ اسی کا کام ہے اور عورت تو اس فعل کے وجود میں آنے کیلئے محل ہے اس لئے وطی کرنے والا یعنی زانی صرف مرد ہی کو کہا جاتا ہے اور عورت حقیقت میں موطوءہ اور مزنیہ بہا ہے لیکن قرآن پاک میں عورت کو

زانیہ مجاز اً کہا گیا تو عورت کے حق میں حد زنا اس وجہ سے متعلق ہوتی ہے کہ اس نے بدترین حرکت کرنے کا موقع دیا اگرچہ یہ قبیح فعل اس مرد کا تھا جس کو اس حرکت کے بجالانے سے دور رہنے کا حکم تھا لیکن بچہ اور مجنون کا فعل حکماً وشرعاً زنا نہیں اس لئے عورت پر بھی حد ثابت نہیں ہوگی اور اگر تندرست مرد نے کسی دیوانی عورت یا ایسی لڑکی سے جو قابل جماع ہو زنا کیا تو بالاجماع صرف مرد پر حد جاری کی جائیگی یعنی اس دیوانی یا اس لڑکی پر حد جاری نہیں کی جائیگی۔

وَبِالزِّنَا بِمُسْتَأْجَرَةٍ: اور اگر ایسی عورت کے ساتھ زنا کیا جس کو زنا کیلئے اجارہ پر لیا ہو یعنی اگر عورت سے مرد نے یوں کہا کہ میں تجھ کو زنا کیلئے اجارہ پر لیتا ہوں یا اس قدر دراہم لے تاکہ میں تجھ سے قربت کروں تو امام صاحبؒ کے نزدیک اس پر حد نہیں کیونکہ عقد اجارہ صورت شبہ ہے البتہ مرد اور عورت پر سخت تعزیر لازم ہے اور صاحبینؒ اور شافعیؒ اور امام مالکؒ اور احمدؒ کے نزدیک حد واجب ہے کیونکہ عقد اجارہ سے وطی مباح نہیں ہوتی تو یہ خالص زنا ہوا۔

وَبِإِكْرَاهٍ: اگر کسی کو زنا پر مجبور کیا گیا یہاں تک کہ اس نے زنا کرلیا تو اس پر حد نہیں کیونکہ مجبور کرنے والا سبب موجود ہے اور انتشار آلہ رضامندی کی دلیل نہیں ہے اس لئے کہ انتشار کبھی رضامندی اور ارادہ سے نہیں ہوتا بلکہ طبیعت کی وجہ سے ہوتا ہے جیسے سونے کی حالت میں انزال ہوجاتا ہے ارادہ سے نہیں۔

وَبِإِقْرَارٍ إِنْ أَنْكَرَهُ الْآخَرُ: اگر کسی شخص نے چار بار چار مجلس میں زنا کا اقرار کیا اور دوسرا کہے کہ میں نے زنا نہیں کیا یا نکاح کا دعویٰ کرے خواہ مقر یا منکر مرد ہو یا عورت بہر صورت حد ساقط ہوجائیگی کیونکہ زنا فعل مشترک ہے دو شخص کے بغیر نہیں ہوتا ایک شخص سے حد کا ٹلنا دوسرے شخص میں صورت شبہ ہے اور جب حد ساقط ہوگی تو مہر واجب ہوگی۔

وَمَنْ زَنَى بِأَمَةٍ فَقَتَلَهَا لَزِمَهُ الْحَدُّ وَالْقِيمَةُ: اگر کسی نے لونڈی سے اس طرح زنا کیا کہ اسے جان سے مار ڈالا تو اس مرد پر زنا کی حد لگائی جائیگی اور لونڈی کی قیمت دینی لازم ہوگی کیونکہ اس نے دو جرم کئے یعنی زنا اور مار ڈالنا اس لئے ہر ایک جرم پر اس کا حکم مرتب ہوگا اور لونڈی کی قید اس لئے لگائی کہ اگر حرہ زنا سے مقتول ہوجائے تو مرد پر حد ہوگی اور دیت بھی۔

وَالْخَلِيفَةُ يُؤْخَذُ بِالْقِصَاصِ وَبِالْأَمْوَالِ لَا بِالْحَدِّ: ہر وہ کام جسے ایسا حاکم کریں جس پر کوئی دوسرا حاکم نہ ہو تو اس پر حد نہیں مگر قصاص اور مال میں اس سے مواخذہ کیا جائیگا کیونکہ حدود اللہ تبارک وتعالیٰ کا حق ہیں اور ان کا قائم کرنا حاکم کی ذمہ داری ہے غیر حاکم کی طرف منسوب نہیں ہیں اور حقوق العباد کی حیثیت اس سے مختلف ہے اس لئے کہ حق العبد کا ولی حاکم سے یا تو حاکم کی طرف سے اپنی ذات پر قابض رہنے سے یا مسلمانوں کی قوت سے مدد طلب کرکے حاصل کرلے گا اور قصاص واموال حقوق العباد میں سے ہیں اس لئے حاکم سے قصاص اور اموال کے بارے میں مواخذہ کیا جائیگا۔

☆☆☆

بَابُ الشَّهَادَةِ عَلَى الزِّنَا وَالرُّجُوعِ عَنْهَا

زنا پر گواہی دینے اور اس سے رجوع کرنے کا بیان

شَهِدُوا بِحَدٍّ مُتَقَادِمٍ بِسِوَى حَدِّ الْقَذْفِ لَمْ يُحَدَّ وَيَضْمَنُ الْمَالَ وَلَوْ أَثْبَتُوا زِنَاهُ بِغَائِبَةٍ حُدَّ بِخِلَافِ السَّرِقَةِ وَإِنْ أَقَرَّ بِالزِّنَا بِمَجْهُولَةٍ حُدَّ وَإِنْ شَهِدُوا عَلَيْهِ بِذَلِكَ لَا كَاخْتِلَافِهِمْ فِي طَوْعِهَا أَوْ فِي الْبَلَدِ وَلَوْ عَلَى كُلِّ زِنًا أَرْبَعَةٌ وَلَوِ اخْتَلَفُوا فِي بَيْتٍ وَاحِدٍ حُدَّ الرَّجُلُ وَالْمَرْأَةُ وَلَوْ شَهِدُوا عَلَى زِنَا امْرَأَةٍ وَهِيَ بِكْرٌ أَوِ الشُّهُودُ فَسَقَةٌ أَوْ شَهِدُوا عَلَى شَهَادَةِ أَرْبَعَةٍ وَإِنْ شَهِدَ الْأُصُولُ أَيْضًا لَمْ يُحَدَّ أَحَدٌ وَلَوْ كَانُوا عُمْيَانًا أَوْ مَحْدُودِينَ أَوْ ثَلَاثَةً حُدَّ الشُّهُودُ لَا الْمَشْهُودُ عَلَيْهِ وَلَوْ حُدَّ فَوُجِدَ أَحَدُهُمْ عَبْدًا أَوْ مَحْدُودًا حُدُّوا

ترجمہ: گواہوں نے قذف کے علاوہ کسی پرانی موجب حد پر گواہی دی تو حد نہیں لگائی جائیگی اور مال کا تاوان دیگا اگر گواہوں نے کسی غائب عورت کے ساتھ اس کا زنا ثابت کیا تو حد لگائی جائیگی بخلاف چوری کے اور اگر کسی نامعلوم عورت کے ساتھ زنا کرنے کا اقرار کیا تو حد لگائی جائیگی اور اگر گواہوں نے اس کی گواہی دی تو نہیں جیسے گواہوں کا عورت کے خوشی زنا میں یا شہر میں اختلاف کرنا اگر چہ ہر زنا پر چار گواہوں ہوں اگر ایک ہی گھر کے بارے میں اختلاف کریں تو مرد و عورت دونوں کو حد لگائی جائیگی اور اگر انہوں نے کسی عورت کے زنا پر گواہی دی حالانکہ وہ باکرہ ہے یا گواہ فاسق ہے یا چار گواہوں کی شہادت پر گواہی دی اگر چہ وہ اصل گواہ بھی گواہی دیں تو کسی کو حد نہیں لگائی جائیگی اور اگر گواہ نابینا یا محدود بالقذف یا تین ہوں تو گواہوں کو حد لگائی جائیگی نہ مشہود علیہ کو اور اگر حد لگائی گئی پھر گواہوں میں سے کوئی غلام یا محدود فی القذف نکلا تو سب کو حد لگائی جائیگی۔

گواہوں نے پرانے موجب حد واقعہ کی گواہی دی تو اسکا حکم

شَهِدُوا بِحَدٍّ مُتَقَادِمٍ بِسِوَى حَدِّ الْقَذْفِ لَمْ يُحَدَّ: گواہوں نے پرانے موجب حد واقعہ کی گواہی دی خواہ چوری کی ہو یا زنا کی یا شراب خوری کی مگر حد قذف کی شہادت ہو تو مقبول ہوگی کیونکہ حدود خالص اللہ کے حقوق ہے جو پرانا ہونے کے باعث باطل ہو جاتے ہیں بخلاف امام شافعی کے کہ وہ انہیں بندوں کے حقوق پر قیاس کرتے ہیں اور اقرار پر کہ وہ قسم کی حجتوں میں سے یہ بھی ایک قسم ہے تو کیسے یہ ہو سکتا ہے کہ ایک میں تقادم کا اعتبار نہ ہو اور دوسرے میں ہو اور ہماری دلیل یہ ہے کہ گواہوں کو دو نیکیوں میں سے ایک کا اختیار ہے چاہے وہ گواہی دیدے یا اخفاء کا پہلو اختیار کریں اب اگر اس نے پوشیدگی کی نیت سے تاخیر کی تھی تو پھر مدت کے بعد گواہی دینے کا مطلب یہ ہے کہ اب اس کو کینہ اور عداوت نے اس پر برانگیختہ کیا ہے اس لئے وہ متہم ہو جائیگا۔ اگر پوشیدگی کی وجہ سے اخفاء نہ تھا تو وہ فاسق قرار پائیگا جس کی شہادت مقبول نہیں اس لئے یہ تہمت لگی ہے بخلاف

حق العباد سے کہ اس میں تاخیر شہادت موجب فسق نہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ بندہ کا حق پرانا ہونے سے بھی ساقط نہیں ہوتا۔

وَيَضْمَنُ الْمَالَ: اور مال مسروقہ کا ضامن ہوگا یعنی اگر گواہ پرانے واقعہ چوری کی شہادت دیں تو اگرچہ چور پر حد واجب نہ ہوگی لیکن مال مسروقہ کا تاوان لازم ہوگا کیونکہ یہ بندے کا حق ہے جو پرانا ہونے سے بھی ساقط نہیں ہوتا۔

وَلَوْ شَهِدُوا بِزِنَاهُ بِغَائِبَةٍ حُدَّ بِخِلَافِ السَّرِقَةِ: اور اگر گواہ زنا کی شہادت دیں اور عورت غائب ہو تو مرد پر حد لگائی جائے گی اور اگر کسی غائب کے مال کی چوری کی شہادت دیں تو حد قائم نہ کی جائے گی کیونکہ چوری کی صورت میں مالک کی طرف سے دعویٰ شرط ہے اور زنا میں کسی کے دعویٰ کی شرط نہیں۔

وَإِنْ أَقَرَّ بِالزِّنَا بِمَجْهُولَةٍ حُدَّ: زانی نے زنا کا اقرار کیا پھر کہا کہ میں عورت کو جانتا نہیں تو بھی حد قائم کی جائے گی اور مزنیہ کو نہ پہچاننا اقرار کے بارے میں نقصان دہ نہ ہوگا کیونکہ جس کے بارے میں شبہ ہو سکتا ہے وہ اس سے مخفی رہنا ممکن نہیں اس لئے کہ اس کی بیوی یا ام ولد ہوتی۔ یہ معاملہ اس کے نزدیک ذرا بھی مشتبہ ہوتا تو وہ زنا کا اقرار ہی نہ کرتا کیونکہ انسان جس طرح اپنے خلاف جھوٹا اقرار نہیں کرتا اسی طرح اشتباہ ہونے پر بھی اقرار نہیں کیا جاتا تو جب اس نے صریح اقرار کیا تو اس سے خود بخود معلوم ہو گیا کہ وہ جانتا ہے اور وہ عورت اس پر مشتبہ نہیں ہے اب اس کے کہنے کو (کہ میں نہیں پہچانتا) مطلب یہ ہوگا کہ ہو سکتا ہے کہ نام و نسب نہ جانتا ہو مگر پہچانتا ہو۔

وَإِنْ شَهِدُوا عَلَيْهِ بِذَلِكَ لَا: اگر گواہ زنا پر گواہی دیں اور یہ کہیں کہ انہوں نے موطوءہ کو نہیں پہچانا تو زانی پر حد نہیں لگے گی کیونکہ ممکن ہے کہ وہ عورت اس کی بیوی ہو یا اس کی باندی ہو اور گواہوں پر حد قذف اس لئے لازم نہیں ہوگی کہ چار گواہ موجود ہیں۔

وَإِنِ اخْتَلَفُوا فِي طَوْعِهَا: اور اگر زنا کے مقابلے میں چار آدمی گواہی دیں لیکن ان میں سے دو کہتے ہیں کہ عورت بھی راضی تھی اور دو کہیں کہ جبراً عورت سے زنا کیا گیا ہے تو دونوں میں سے کسی پر حد نہیں کیونکہ فعل زنا پر گواہی دی گئی ہے اگر یہ ایک ہی واقعہ ہے تو بعض گواہوں کا جھوٹا ہونا یقینی ہے۔ کیونکہ فعل واحد نہیں ہو سکتا کہ عورت کی خوشی سے بھی ہو اور ناراضگی سے بھی ہو اور اگر واقعہ ایک نہ ہو بلکہ دو واقعے مانے جائیں تو ہر دو واقعے پر نصاب شہادت پورا نہیں اس لئے زانی پر حد نہیں اور گواہوں پر بھی حد نہیں کیونکہ چار کا عدد موجود ہے۔

أَوْ فِي الْبَلَدِ وَلَوْ عَلَى كُلِّ زِنًا أَرْبَعَةٌ: یا چار گواہ زنا کی شہادت دیں اور ان میں سے اس شہر کے متعلق اختلاف ہو جہاں زنا سرزد ہوا تو دونوں میں سے کسی پر حد واجب نہیں ہوگی کیونکہ گواہوں کے دونوں فریق میں ایک فریق کا جھوٹا ہونا یقینی ہے اس لئے کہ یہ ناممکن ہے کہ ایک ہی فعل ایک شخص سے ایک ہی وقت میں دو مختلف دور دراز جگہوں میں متحقق ہو سکے۔ کسی بھی ایک فریق کی شہادت سے زنا ثابت نہیں ہوگا۔

وَلَوِ اخْتَلَفُوْا فِي بَيْتٍ وَاحِدٍ حُدَّ الرَّجُلُ وَالْمَرْأَةُ: اور اگر گواہوں نے ان دونوں کے ایک کمرہ میں ہونے کے باوجود جگہ کے بارے میں ایسا ہی اختلاف کیا تو اس مرد اور عورت دونوں کو حد لگائی جائے گی کیونکہ ہوسکتا ہے کہ اس کام کی ابتدا ایک حصہ میں شروع ہوئی ہو لیکن بعد میں کسی الجھن سے جگہ بدل کر دوسرے کونہ میں چلے گئے ہوں۔

وَلَوْ شَهِدُوْا عَلٰى زِنَا امْرَأَةٍ وَهِيَ بِكْرٌ: اور اگر جس عورت کی نسبت سے زنا کی گواہی دی گئی اگر اس حرّہ کو ایک عورت نے دیکھ کر بتایا کہ یہ تو ابھی تک باکرہ ہے تو اس ایک عورت کی شہادت سے بکارت مانی جائے گی اور مرد و عورت دونوں سے حد زنا ساقط ہو جائے گی اور گواہوں پر بھی حد قذف واجب نہیں ہوگی۔ کیونکہ حد قذف کے ثبوت کیلئے مردوں کی شہادت شرط ہے اور یہاں تو ان کے خلاف ایک عورت کی گواہی پائی گئی۔

أَوِ الشُّهُوْدُ فَسَقَةٌ: اور اگر زنا کا الزام لانے والے گواہ فاسق ہوں تو ان کی گواہی سے حد زنا جاری نہیں ہوگی اور ان گواہوں پر بھی حد قذف نہیں آئے گی کیونکہ فاسق بھی دراصل اہل شہادت ہے اگرچہ حد زنا میں ان کی شہادت معتبر نہیں اور یہاں چار آدمیوں کی شہادت جو کہ پورا نصاب ہے پائی گئی۔

زنا کی شہادت دینے والے خود شاہد واقعہ نہ ہوں تو اس کا حکم

أَوْ شَهِدُوْا عَلٰى شَهَادَةِ أَرْبَعَةٍ وَإِنْ شَهِدَ الْأُصُوْلُ أَيْضًا لَمْ يُحَدَّ أَحَدٌ: اور اگر زنا کی شہادت دینے والے خود شاہد واقعہ نہ ہوں بلکہ دوسرے گواہوں کی گواہی پر شہادت دیں تو حد زنا قائم نہ ہوگی کیونکہ ان کی گواہی میں تو اور زیادہ شبہ ہے اس لئے کہ جب باتیں ایک زبان سے دوسروں کی زبان میں منتقل ہوتی ہیں تو ان میں کمی بیشی آہی جاتی ہے لہٰذا ان کی شہادت رد کر دی جائے گی اب ان نقلی گواہوں کی شہادت کے مسترد ہو جانے کے بعد اگر اصل گواہ آکر بعینہٖ اس واقعہ زنا کے بارے میں گواہی دیں تو بھی ان ملزمین پر حد زنا قائم نہیں ہوگی کیونکہ ناقلین کی شہادت رد ہونے کے ضمن میں ان کی شہادت بھی من وجہ مسترد ہو چکی ہے اور کسی واقعہ میں جبکہ ایک دفعہ شہادت کسی وجہ سے مسترد ہو جائے تو پھر اس واقعہ میں وہ شہادت کبھی مقبول نہیں ہوتی۔

وَلَوْ كَانُوْا عُمْيَانًا أَوْ مَحْدُوْدِيْنَ أَوْ ثَلَاثَةً حُدَّ الشُّهُوْدُ لَا الْمَشْهُوْدُ عَلَيْهِمَا وَلَوْ حُدَّ فَوُجِدَ أَحَدُهُمْ عَبْدًا أَوْ مَحْدُوْدًا حُدُّوْا: اور اگر زنا کی گواہی دینے والے اندھے ہوں یا کسی پر زنا کے بہتان لگانے پر ان کو حد لگ چکی ہو یا تین ہی آدمی گواہی دیں یا کوئی ان میں سے حد کی سزا یافتہ ہو یا غلام ہو یا جس پر الزام لایا گیا اس پر حد لگانے کے بعد گواہوں کے اندر ان باتوں میں سے کوئی بات معلوم ہوئی تو ان تمام صورتوں میں ان گواہوں پر حد لگائی جائے گی یعنی ان پر حد قذف جاری ہوگی کیونکہ ان میں شہادت کی اہلیت نہیں ہے یا نصاب شہادت مکمل نہیں اس لئے ان پر حد قائم ہوگی۔

وَأَرْشُ ضَرْبِهِ هَدَرٌ وَإِنْ رُجِمَ فَدِيَتُهُ عَلٰى بَيْتِ الْمَالِ فَلَوْ رَجَعَ أَحَدُ الْأَرْبَعَةِ بَعْدَ الرَّجْمِ حُدَّ وَغَرِمَ رُبْعَ الدِّيَةِ وَقَبْلَهُ حُدُّوْا وَلَا رَجْمَ وَلَوْ رَجَعَ أَحَدُ الْخَمْسَةِ لَا شَيْءَ عَلَيْهِ فَإِنْ رَجَعَ آخَرُ حُدَّا

وَغَرِمَا رُبُعَ الدِّيَةِ وَضَمِنَ الْمُزَكُّونَ دِيَةَ الْمَرْجُومِ إِنْ ظَهَرُوْا عَبِيْدًا كَمَا لَوْ قَتَلَ مَنْ أُمِرَ بِرَجْمِهٖ فَظَهَرُوْا كَذٰلِكَ وَإِنْ رُجِمَ فَوُجِدُوْا عَبِيْدًا فَدِيَتُهٗ فِيْ بَيْتِ الْمَالِ وَلَوْ قَالَ شُهُوْدُ الزِّنَا تَعَمَّدْنَا النَّظَرَ قُبِلَتْ شَهَادَتُهُمْ وَلَوْ أَنْكَرَ الْإِحْصَانَ فَشَهِدَ عَلَيْهِ رَجُلٌ وَامْرَأَتَانِ أَوْ وَلَدَتْ زَوْجَتُهٗ مِنْهُ رُجِمَ.

ترجمہ: زدہ کی ضرب کا تاوان معاف ہے اور اگر مشہود علیہ کو سنگسار کر دیا گیا تو اس کی دیت بیت المال پر ہوگی اور اگر چار گواہوں میں سے ایک نے رجم کے بعد رجوع کر لیا تو سب کو حد لگائی جائیگی اور رجم ثابت نہیں ہوگا اور اگر پانچ میں سے ایک نے رجوع کیا تو اس پر کچھ نہیں ہاں اگر ایک اور رجوع کر لے تو دونوں کو حد لگائی جائیگی اور دونوں چوتھائی دیت کا تاوان دینگے اور تزکیہ کرنے والے سنگسار شدہ کی دیت کے ضامن ہوں گے اگر وہ غلام نکلے جیسے کوئی قتل کر دے اس کو جس کے رجم کا حکم کیا گیا تھا پھر وہ غلام نکلے اور اگر رجم کر دیا گیا پھر گواہ غلام نکلے تو اس کی دیت بیت المال میں ہوگی اگر زنا کے گواہوں نے کہا کہ ہم نے قصداً دیکھا تھا تو ان کی شہادت مقبول ہوگی اور اگر زانی نے محصن ہونے کا انکار کر دیا اور ایک مرد اور دو عورتیں اس کے محصن ہونے پر گواہی دیں یا اس کی بیوی کا اس سے بچہ ہے تو رجم کیا جائیگا۔

وَإِنْ ضُرِبَ فَهَدَرٌ وَإِنْ رُجِمَ فَدِيَتُهٗ عَلٰى بَيْتِ الْمَالِ: اور جن کی شہادت کے سبب سے حد لگی اور زخم یا چوٹ پہنچی اس کا تاوان کسی پر لازم نہیں ہوگا۔ اور اگر ان کی گواہی سے وہ سنگسار ہو گیا تو اس کا خون بہا بیت المال کے ذمہ ہے اور اگر رجم قائم کرنے کے بعد چار گواہوں میں سے کسی نے رجوع کر لیا تو فقط رجوع کرنے والے پر حد قذف لگائی جائیگی اور اس پر چوتھائی دیت کا تاوان لازم آئیگا کیونکہ اس کا رجم قاضی کے حکم کی بناء پر ہے اور وہ مسلمانوں کی طرف سے کام انجام دیتا ہے اس لئے ضمان بھی انہیں کے مال سے ادا کیا جائیگا۔ بخلاف کوڑے مارنے کے کہ وہ مامور بہ ایسے کوڑے ہیں کہ جن سے زخم نہ آئے اس لئے زخم کرنے والے کا فعل قاضی کی طرف منتقل نہ ہوگا بلکہ جلاد پر منحصر رہے گا اور اگر جلاد کو ضامن نہیں بنایا جا سکتا کیونکہ اگر ایسا کیا گیا تو تاوان کے ڈر سے کوئی بھی حد قائم کرنے کیلئے تیار نہ ہوگا۔

گواہوں میں سے ایک رجوع کرے تو اسکا حکم

فَلَوْ رَجَعَ أَحَدُ الْأَرْبَعَةِ بَعْدَ الرَّجْمِ حُدَّ وَغَرِمَ رُبُعَ الدِّيَةِ: اگر چار آدمیوں نے ایک آدمی کے خلاف زنا کی گواہی دی اور اسے رجم کر دیا گیا پس جب بھی ان گواہوں میں سے ایک رجوع کرے گا تو صرف رجوع کرنے والے کو حد قذف ماری جائیگی کیونکہ رجوع کرنے کی وجہ سے گواہی تہمت میں بدل گئی اس لئے کہ رجوع کرنے سے گواہی فسخ ہو جاتی ہے تو رجوع کرنے والے کے حق میں وہ محصن ہے کیونکہ قاضی کا فیصلہ اس کے رجوع سے فسخ ہو گیا تو اس کا کلام تہمت ہوا۔ ربع دیت کی وجہ یہ ہے کہ جتنے گواہ اپنی گواہی پر باقی رہے ہیں یعنی تین گواہ تو ان کے ساتھ تین چوتھائی حق باقی رہتا ہے اسی طرح ایک شخص کا ان کی گواہی سے پھر جانے کی وجہ سے ایک چوتھائی حق ختم ہو گیا۔

وَقَبْلَهٗ حُدُّوْا وَلَا رَجْمَ: جس کے خلاف گواہی دی گئی تھی ابھی تک اس پر حد جاری نہیں کی گئی کہ گواہوں میں سے ایک نے

رجوع کرلیا تو تمام گواہوں پر حد جاری ہوگی اور جس کے خلاف گواہی دی گئی تھی اس سے حد ساقط ہو جائیگی۔ کیونکہ گواہوں کا قاضی کے سامنے کلام کرنا اصل میں تہمت ہے اور اس کے ساتھ قاضی کے فیصلے کے اتصال کی وجہ سے وہ گواہی بن جاتا ہے تو جب اس کے ساتھ ایک گواہ کے رجوع کی وجہ سے قاضی کا فیصلہ نہیں ملا تو وہ کلام اپنی اصل حالت (یعنی تہمت) پر باقی رہا تو سب کو حد ماری جائیگی۔

وَلَوْ رَجَعَ أَحَدُ الْخَمْسَةِ لَا شَيْءَ عَلَيْهِ فَإِنْ رَجَعَ آخَرُ حُدَّا وَغَرِمَا رُبُعَ الدِّيَةِ: اور اگر گواہ پانچ ہوں تو ان میں سے ایک نے گواہی سے رجوع کرلیا تو حکم میں کچھ بھی فرق نہیں آئیگا کیونکہ اس وقت بھی مکمل چار گواہ باقی ہیں جس سے دعویٰ صحیح ہوتا ہے اور اگر اس کے بعد ایک اور گواہ نے بھی رجوع کرلیا تو ان دونوں پر حد قذف لگائی جائیگی اور یہ دونوں چوتھائی دیت کے ذمہ دار ہوں گے کیونکہ حد تو اس وجہ سے واجب ہوگی جو ہم نے ابھی بیان کردی جب پانچ میں سے دو گواہوں نے بھی رجوع کرلیا تو ان سب کی بات تہمت سے بدل گئی اس لئے کہ اب ان کی بات قاضی کے فیصلے جاری کرنے کے لائق نہیں رہی کہ وہ گواہی کہی جاسکے۔ کہ اور چوتھائی دیت کے ضامن وہ دونوں اس لئے ہوں گے کیونکہ باقی تینوں پر تین چوتھائی حق باقی رہ گیا، جو گواہ اپنی گواہی پر باقی رہیں اس کے باقی رہنے کا اعتبار ہوتا ہے اور جو گواہی سے رجوع کرلیں تو اس کے نکلنے کا اعتبار نہیں ہوتا۔

وَضَمِنَ الْمُزَكُّونَ دِيَةَ الْمَرْجُومِ إِنْ ظَهَرُوا عَبِيدًا: اگر چار آدمیوں نے کسی ایک کے خلاف زنا کی گواہی دی پھر تزکیہ کرنے والوں نے ان سب کو عادل اور شہادت دینے کا قابل بتلایا اس کے بعد اس ملزم کو رجم کردیا گیا پھر اچانک یہ تحقیق ہوئی کہ وہ سب غلام ہیں تو اس شخص کی دیت ان تحقیق اور تزکیہ کرنے والوں پر لازم آئیگی لیکن یہ اس وقت ہے جب انہوں نے گواہوں کو عادل بتانے سے رجوع کرلیا ہو۔ کیونکہ گواہی اس وقت معتبر اور کارآمد ثابت ہوگی جبکہ وہ مزکین ان گواہوں کے بارے میں عادل ہونا بیان کردیں اب جب کہ انہوں نے ان کے بارے میں عادل ہونا بیان کردیا جو علت کی علت ہوئی تو اس کے نتیجے کا حکم اس کی طرف منسوب ہوگا۔

كَمَا لَوْ قَتَلَ مَنْ أَمَرَ بِرَجْمِهِ فَظَهَرُوا كَذٰلِكَ: اس طرح اگر قاضی نے اس شخص کو رجم کرنے کا حکم دیا پھر ایک شخص نے اس کو قتل کردیا اور اتفاق سے وہ گواہ غلام ثابت ہوگئے تو اس قتل کرنے والے شخص پر استحساناً دیت لازم آئیگی کیونکہ اس نے ایک بے قصور شخص کو بغیر کسی حق کے قتل کیا ہے۔ استحسان کی وجہ یہ ہے کہ اس کے قتل کے وقت قاضی کا فیصلہ صحیح ہے اس لئے اس نے قصاص واجب کرنے میں شبہ پیدا کردیا۔

وَإِنْ رُجِمَ فَوُجِدُوا عَبِيدًا فَدِيَتُهُ فِي بَيْتِ الْمَالِ: اگر وہ شخص رجم کردیا گیا اس کے بعد یہ تحقیق ہوئی سارے گواہ تمام غلام تھے تو اس صورت میں دیت بیت المال پر لازم ہوگی کیونکہ امام کے حکم پر اس سے رجم کیا گیا تھا اس لئے رجم کرنے والے تمام لوگوں کا عمل امام ہی کی طرف منسوب ہوگا

وَلَوْ قَالَ شُهُوْدُ الزِّنَا تَعَمَّدْنَا النَّظَرَ قُبِلَتْ شَهَادَتُهُمْ: اگر گواہوں نے ایک شخص کے خلاف زنا کرنے کی گواہی دی اور کہا کہ ہم نے قصداً دونوں کی شرمگاہوں کو بھی دیکھا ہے تب بھی ان کی گواہی کو قبول کیا جائیگا کیونکہ گواہی دینے کیلئے ضرورتاً ان کی طرف دیکھنا گواہوں کیلئے جائز ہے لیکن اگر انہوں نے کہا کہ ہم نے لذت لینے کیلئے قصداً دیکھا ہے تو ان کی گواہی قبول نہیں کی جائیگی کیونکہ وہ اس نیت کی وجہ سے فاسق ہو گئے۔

وَلَوْ اَنْكَرَ الْإِحْصَانَ فَشَهِدَ عَلَيْهِ رَجُلٌ وَامْرَأَتَانِ اَوْ وَلَدَتْ زَوْجَتُهُ مِنْهُ رُجِمَ: اگر زنا کا ملزم اپنے محصن ہونے کا انکار کرے اور اس پر ایک مرد اور دو عورتیں گواہی دیں کہ یہ محصن ہے. یا اس کی بیوی نے بچہ جنا وقتِ انکار سے چھ ماہ کم مدت میں تو ان دونوں صورتوں میں اس کو رجم کر دیا جائیگا کیونکہ جب گواہوں سے یا بچہ کی ولادت سے اس کا محصن ہونا ثابت ہو گیا تو اس کا انکار رجم شرعاً کوئی معنی نہیں رکھتا۔

بَابُ حَدِّ الشُّرْبِ

شراب پینے کا بیان

الشُّرب: شین کے ضمہ کے ساتھ یعنی مسکر پینے کی حد اور پینا سیال چیزوں کے ساتھ مختص ہے اب اگر کسی نے غیر سیال نشہ دار چیز کھائی جیسے افیون وغیرہ تو اس پر پینے کا اطلاق نہیں ہوتا یہی وجہ ہے ان کے استعمال سے نشہ ہو تو حد نہیں لگائی جائیگی بلکہ تعزیر ہوگی۔

مَنْ شَرِبَ خَمْرًا فَاُخِذَ وَرِيْحُهَا مَوْجُوْدٌ اَوْ كَانَ سَكْرَانًا وَلَوْ بِنَبِيْذٍ وَشَهِدَ رَجُلَانِ اَوْ اَقَرَّ مَرَّةً حُدَّ اِنْ عُلِمَ شُرْبُهُ طَوْعًا وَصَحَا فَاِنْ اَقَرَّ اَوْ شَهِدَا بَعْدَ مُضِيِّ رِيْحِهَا لَا لِبُعْدِ الْمَسَافَةِ اَوْ وُجِدَ مِنْهُ رَائِحَةُ الْخَمْرِ اَوْ تَقَيَّاَهَا اَوْ رَجَعَ عَمَّا اَقَرَّ اَوْ اَقَرَّ سَكْرَانَ بِاَنْ زَالَ عَقْلُهُ لَا وَحَدُّ السُّكْرِ وَالْخَمْرِ وَلَوْ شَرِبَ قَطْرَةً ثَمَانُوْنَ سَوْطًا وَلِلْعَبْدِ نِصْفُهُ وَفُرِّقَ عَلٰى بَدَنِهِ كَحَدِّ الزِّنَا

ترجمہ: کسی نے شراب پی پس اس کو پکڑا گیا اس حال میں کہ اس کی بو موجود تھی یا وہ نشہ میں تھا اگرچہ نبیذ پینے سے ہوا اور دو آدمیوں نے گواہی دی یا اس نے ایک بار اقرار کیا تو حد لگائی جائیگی اگر اس کا خوشی سے پینا معلوم ہوا اور افاقہ بھی ہوا اور اگر اقرار کیا یا دو آدمیوں نے گواہی دی شراب کی بو ختم ہو جانے کے بعد مسافت کی دوری کی وجہ سے نہ ہو یا اس سے شراب کی بو پائی گئی یا اس نے قے کر دی یا اقرار سے رجوع کر لیا تو نشہ میں اقرار کیا یعنی نشہ کی حالت میں۔ جبکہ اس کی عقل زائل ہو چکی تھی تو حد نہیں لگائی جائیگی اور نشہ اور شراب نوشی کی حد اگرچہ ایک قطرہ پئے اسی (۸۰) کوڑے ہیں اور غلام کیلئے اس کا نصف ہے۔ حد زنا کی طرح اس کے بدن کے متفرق حصوں پر لگائی جائیگی۔

مَنْ شَرِبَ خَمْرًا فَاُخِذَ وَرِيْحُهَا مَوْجُوْدٌ اَوْ كَانَ سَكْرَانًا وَلَوْ بِنَبِيْذٍ وَشَهِدَ رَجُلَانِ اَوْ اَقَرَّ مَرَّةً حُدَّ اِنْ عُلِمَ شُرْبُهُ طَوْعًا وَصَحَا: اگر کسی نے شراب پی اور ایسے وقت گرفتار ہوا کہ اس کی بو موجود تھی یا وہ نشہ میں تھا اگرچہ نشہ کھجور وغیرہ

ساتھ تو کم نہیں کی جائیگی البتہ اس کے بدن سے اس پوستین اور موٹے کپڑے اتار لئے جائیں گے کیونکہ ایسے کپڑوں سے اس کو مار کی چوٹ نہیں پہنچے گی۔

احصان قذف اور احصان رجم میں فرق

وَاِحْصَانُهُ بِكَوْنِهِ مُكَلَّفًا حُرًّا مُسْلِمًا عَفِيْفًا عَنْ زِنًا: محصن احصان یہ ہے کہ جسے تہمت لگائی گئی ہے وہ شخص آزاد، عاقل، بالغ، مسلمان، اور فعل زنا سے پاک ہو اور احصان کی تعریف جو یہاں مذکور ہے یہ احصان قذف ہے اور وہ احصان جو زنا کی بحث میں گزرا وہ احصان رجم تھا اسی لیے ان دونوں میں فرق ہے کہ احصان رجم کے لئے سات صفات اور احصان قذف کیلئے پانچ صفات ہیں اور ان میں چار صفات دونوں میں مشترک ہیں۔

فَلَوْ قَالَ لِغَيْرِهِ لَسْتَ لِاَبِيْكَ اَوْ لَسْتَ بِابْنِ فُلَانٍ فِيْ غَضَبٍ حُدَّ وَفِيْ غَيْرِهِ لَا كَنَفْيِهِ عَنْ جَدِّهِ: اور اگر ایک نے دوسرے سے غصہ میں کہا کہ تو اپنے باپ کا نہیں اس کے باپ کا نام لے کر کہا کہ تو فلاں کا بیٹا نہیں ہے۔ مثلاً اس نے کہا کہ تو زید کا بیٹا نہیں حالانکہ زید ہی مقذوف کا معروف باپ ہے تو اس کہنے والے پر حد لگائی جائیگی اور اگر غصہ میں نہیں کہا تو حد نہ لگائی جائے گی جیسا کہ اگر کوئی کسی کو یہ کہدے کہ تو اپنے دادا کا نہیں تو اس پر حد نہیں لگی۔ کیونکہ حالت غضب میں گالی گلوچ مراد لینے کو ترجیح حاصل ہوتی ہے اور غضب کی حالت کے علاوہ میں یہ کہنا کہ تو فلاں کا بیٹا نہیں، یا تو اپنے باپ کا بیٹا نہیں، عتاب اور ملامت پر محمول ہوگا مطلب یہ ہوتا ہے کہ تو اس کے شریفانہ طریقے پر نہیں ہے۔

وَقَوْلُهُ لِعَرَبِيٍّ يَا نَبَطِيُّ وَيَا ابْنَ مَاءِ السَّمَاءِ: یا عربی کو یوں کہا کہ اے نبطی یا اے آسمان کے پانی کے بیٹے تو حد نہیں لگائی جائیگی ان دونوں سے نسب کی نفی مراد نہیں ہوتی بلکہ جس صفت کے ساتھ یہ دونوں موصوف ہیں ان سے تشبیہ دینی مقصود ہے کہ نبطی عراق میں ایک قوم ہے جو بد اخلاقی اور غیر فصیح ہونے میں مشہور ہے تو اس میں تشبیہ مقصود ہے اور پانی کا وصف فیاضی اور صفائی ہے تو اس میں تشبیہ مقصود ہے۔

وَنِسْبَتُهُ اِلٰى عَمِّهِ وَخَالِهِ وَرَابِّهِ: اور اسی طرح اگر اس کے ماموں یا چچا یا سوتیلے باپ کے بیٹا ہونے کی نفی کریں یا ان کا بیٹا ہے رابّ پرورش کنندہ سے مراد سوتیلا باپ ہے کیونکہ ان میں سے ہر ایک کو باپ بولا جاتا ہے اس لئے اگر ان کے باپ ہونے کی نفی کریں تو حد نہیں آئیگی اس طرح ان کی طرف بیٹے ہونے کی نسبت کرنے سے بھی حد نہیں آئیگی۔

وَلَوْ قَالَ يَا ابْنَ الزَّانِيَةِ وَاُمُّهُ مَيِّتَةٌ فَطَلَبَ الْوَالِدُ اَوِ الْوَلَدُ اَوْ وَلَدُهُ حُدَّ: اگر کسی شخص نے دوسرے سے کہا کہ اے زانیہ کے بیٹے اور اس کی ماں مرچکی ہے تو ہمارے نزدیک باپ بیٹے اور پوتے نواسے کو حد کے مطالبہ کا حق ہے اگر چہ وہ میراث سے محروم ہو اور امام شافعی کے نزدیک ہر وارث کو حق ہے کہ حد کا مطالبہ کریں اس لئے کہ حد قذف کا حق ان کے نزدیک ورثاء کی طرف منتقل ہوتا اور ہمارے نزدیک حد کی میراث نہیں ہوتی بلکہ نفی نسب کی بنا پر جس کو عار و ننگ لاحق ہو سکتا ہے اسی کو

حد کے مطالبہ کا حق ہے۔

ولا يطالب ولد وعبد أباه وسيده بقذف أمه: اگر مولیٰ نے غلام کی آزاد ماں پر تہمت لگائی یا باپ نے بیٹے کی آزاد مسلمان ماں پر تہمت لگائی تو غلام یا بیٹے کو حد قذف کے مطالبہ کا حق نہیں ہے کیونکہ مولیٰ کو اس کے غلام کی وجہ سے اور اسی طرح باپ کو اس کے بیٹے کی وجہ سے سزا نہیں دی جا سکتی ہے لیکن یہ حکم دنیاوی ہے اور اگر جھوٹی تہمت لگائی پھر توبہ کئے بغیر مر گیا تو آخرت میں عذاب ہوگا کیونکہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے جس نے اپنے غلام کو زنا کی تہمت لگائی تو قیامت کے دن اس پر حد قائم کی جائیگی الا یہ کہ اس صورت میں جبکہ مولیٰ نے جیسا کہا ویسا ہی ہو۔

ويبطل بموت المقذوف لا بالرجوع والعفو: اگر کسی نے دوسرے کو تہمت لگائی اور مقذوف مر گیا تو حد باطل ہو جاتی ہے اور امام شافعی فرماتے ہیں کہ حد باطل نہیں ہوگی کیونکہ ان کے نزدیک اس میں میراث جاری ہوتی ہے اور ہمارے نزدیک میراث جاری نہیں ہوتی۔ اس کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے البتہ اقرار کر کے پھر جانے یا معاف کر دینے سے حد باطل نہیں ہوتی یعنی اگر کوئی تہمت لگانے کا اقرار کر کے پھر جائے اور یہ کہے کہ میں نے جھوٹ کہا تھا یا جس پر تہمت لگائی تھی وہ کہے میں اس مجرم کو معاف کر دیتا ہوں تو سزا موقوف نہیں ہوگی کیونکہ اس میں حق اللہ بھی ہے اس لئے رجوع کر لینے یا بندے کے معاف کر دینے سے معاف نہیں ہو سکتی لیکن یہ اس وقت ہے جبکہ حاکم کے روبرو قذف ثابت ہو جائے۔ ہاں اگر حاکم کے روبرو ثابت ہونے سے پہلے معاف کر دے تو حد نہیں ہوگی۔ اس وجہ سے نہیں کہ عفو صحیح ہے بلکہ اس سبب سے کہ اس نے طلب حد کو ترک کر دیا کیونکہ حد کا طلب کرنا شرط ہے یہاں تک کہ اگر اس نے پھر حد کا مطالبہ کیا تو حد لگائی جائیگی۔

زنأت في الجبل کہا تو حد قذف واجب ہوگی یا نہیں

ولو قال زنأت في الجبل وعنى الصعود حُدّ: اگر کسی نے دوسرے سے کہا زنأت في الجبل یعنی تو پہاڑ میں چڑھا تو نے پہاڑ میں زنا کیا اور اس نے یہ کہا کہ میں نے اس کلام سے پہاڑ پر چڑھنا مراد لیا ہے کیونکہ لفظ زنأ ہمزہ کے ساتھ حقیقت میں اوپر چڑھنے کے معنی میں آتا ہے تو شیخین فرماتے ہیں کہ زنأت ان "معنوں" بدکاری اور صعود کے معنی میں مشترک ہے کیونکہ بعض عرب حرف علت کو ہمزہ پڑھتے ہیں اور غضب اور غصہ کی حالت فاحشہ اور بدکاری کی علامت کو متعین کر دیتی ہے۔ "فی الجبل" کی قید اس شک کو دور نہیں کرے گی کہ اگر "علی الجبل" کہے تو اس پر حد نہیں ہوگی کیونکہ علی کے قرینہ کی وجہ سے صعود کے معنی متعین ہو گئے۔

ولو قال يا زاني وعكس حُدّا ولو قال لامرأته يا زانية وعكست حُدّت ولا لعان ولو قالت زنيت بك بطلا وإن أقرّ بولد ثم نفاه لاعن وإن عكس حُدّ والولد له فيهما ولو قال ليس بابني ولا بابنك بطلا ومن قذف امرأة لم يُدر أبو ولدها أو لاعنت بولد أو رجلا وطئ في غير ملكه أو أمة مشتركة أو مسلما زنى في كفره أو مكاتبا مات عن وفاء لا يحدّ وحُدّ قاذف

کا احتمال موجود ہے تو شک پڑ گیا کہ کونسا معنی مراد ہے۔ اس لئے شک کی بناء پر حد اور لعان دونوں ساقط ہو جائیں گے۔

وَإِنْ أَقَرَّ بِوَلَدِهِ ثُمَّ نَفَاهُ لَاعَنَ وَإِنْ عَكَسَ حُدَّ وَالْوَلَدُ لَهُ فِيهِمَا اگر اس نے اپنی زوجہ سے لڑکے کا اقرار کیا پھر اپنے آپ سے نسب کی نفی کر دی تو لعان واجب ہوگا کیونکہ نسب کی نفی موجب قذف ہے اور اگر پہلے نسب کا انکار پھر لعان سے پہلے ہی نسب کا اقرار کر لے تو اس پر حد لازم ہوگی کیونکہ جب اس نے اقرار نسب کے ذریعہ اپنے آپ کو جھٹلا دیا تو نفی ولد کے سبب جو لعان واجب ہوا وہ باطل ہو جائیگا اس لئے کہ زوجین کی باہمی تکذیب کی بناء پر بضرورت حد قذف کی بجائے لعان کی طرف رجوع کیا گیا تھا تو گویا یہ حد کا خلف ہے اب جب نسب کے اقرار سے خلف یعنی لعان باطل ہو گیا تو اصل کی طرف رجوع کیا جائیگا اور دونوں صورتوں میں لڑکا اسی کا شمار ہوگا خواہ اقرار سابق ہو یا اقرار لاحق ہو۔

وَلَوْ قَالَ لَيْسَ بِابْنِي وَلَا بِابْنِكِ فَلَا اگر عورت سے کہا کہ یہ لڑکا نہ میرا ہے نہ تیرا تو حد، لعان کچھ واجب نہیں ہوگا کیونکہ اس نے اپنی عورت سے بچہ کی ولادت کی نفی کی ہے اور نفی ولادت سے حد، لعان واجب نہیں ہوتا کیونکہ اس سے عورت پر تہمت زنا نہیں آتی ہاں اس کا بچہ مان کر اگر اپنے سے نسب کی نفی کرے تب تہمت آتی ہے جو موجب حد یا لعان ہے۔

ایسی عورت کو تہمت لگائی جس کی اولاد ہے اور ان کا باپ معلوم نہیں اسکا حکم

وَمَنْ قَذَفَ امْرَأَةً لَمْ يُدْرَ أَبُو وَلَدِهَا أَوْ لَاعَنَتْ بِوَلَدٍ جس نے ایسی عورت کو تہمت لگائی جس کی اولاد ہے اور ان کا باپ معلوم نہیں یا ایسی عورت کو تہمت لگائی جس سے بچہ کی وجہ سے لعان کیا گیا تو اس پر دونوں صورتوں میں کوئی حد نہیں کیونکہ عورت کی جانب سے زنا کی علامات موجود ہونے کی بناء پر عفت فوت ہو گئی اور وہ احصان کی شرط ہے اور جب شرط نہیں پائی گئی تو محصنہ نہیں ہوئی اور حد محصنہ عورت پر تہمت لگانے سے ثابت ہوتی ہے۔

أَوْ رَجُلًا وَطِئَ فِي غَيْرِ مِلْكِهِ أَوْ أَمَةً مُشْتَرَكَةً أَوْ مُسْلِمًا زَنَى فِي كُفْرِهِ: اور اگر کسی شخص نے اپنی ملکیت کے علاوہ میں حرام وطی کی تو اس کے قاذف کو حد نہیں لگائی جائیگی کیونکہ قاذف اپنے کلام میں سچا ہے اور اگر ایسے آدمی پر تہمت لگائی جس نے مشترکہ باندی سے وطی کی تو تہمت لگانے والے پر حد نہیں آئیگی کیونکہ بعض وجوہ کے اعتبار سے ملکیت معدوم ہونے کی بناء پر یہ بھی زنا ہے اور اسی طرح اگر ایسے شخص پر تہمت لگائی جس نے اپنے کفر کے زمانے میں زنا کیا تھا تو قاذف پر حد نہیں آئیگی کیونکہ ملکیت معدوم ہونے کی وجہ سے زنا ثابت ہو گیا اور صفت احصان باقی نہیں رہی۔

أَوْ مُكَاتَبًا مَاتَ عَنْ وَفَاءٍ لَا يُحَدُّ: اور اگر ایسے مکاتب پر تہمت لگائی جو غلام ہونے کی وجہ سے محصن نہیں ہے اور وہ بدل کتابت کی ادائیگی کے لائق مال کو چھوڑ کر مر گیا تو اس کے تہمت لگانے والے کو حد نہیں لگائی جائیگی۔ اس لئے کہ اس کی آزادی میں صحابہ کرام کا اختلاف ہے تو اس اختلاف کی وجہ سے اس کی آزادی میں شبہ پیدا ہو گیا تو اس شبہ کی وجہ سے حد ساقط ہو جائیگی۔

وَحُدَّ قَاذِفُ وَاطِئٍ أَمَةً مَجُوسِيَّةً وَحَائِضٍ وَمُكَاتَبَةٍ اگر کسی نے ایسے شخص پر تہمت لگائی جس نے اپنی مجوسیہ باندی یا

اور اس کی سزا کو حد کہا جاتا ہے لیکن اس کی تادیب کو عقوبت کہتے ہیں اس پر تعزیر کا اطلاق نہیں ہوتا۔ ۵۔ حد قائم کرنے کا اختیار صرف امام کو حاصل ہے اور تعزیر شوہر، آقا اور ہر وہ آدمی لگا سکتا ہے جو گناہ ہوتا ہوا دیکھ لے۔ ۶۔ حد میں رجوع کا اثر ہوتا ہے لیکن تعزیر میں نہیں ہوتا۔ ۷۔ حد میں مدعیٰ علیہ کو قید کیا جا سکتا ہے تاکہ گواہوں سے تحقیقات مکمل ہو جائے اور تعزیر میں ثبوت جرم سے پہلے قید نہیں کیا جا سکتا۔ ۸۔ حد میں سفارش جائز نہیں تعزیر میں جائز ہے۔ ۹۔ واقعہ پرانا ہونے سے حد ساقط ہو جاتی ہے مگر تعزیر ساقط نہیں ہوتی۔ ۱۰۔ حد کو امام معاف نہیں کر سکتا اور تعزیر کو معاف کر سکتا ہے۔

وَمَنْ قَذَفَ مَمْلُوكًا أَوْ كَافِرًا بِالزِّنَا أَوْ مُسْلِمًا بِيَا فَاسِقُ يَا كَافِرُ يَا خَبِيثُ يَا لِصُّ يَا فَاجِرُ يَا مُنَافِقُ يَا لُوطِيُّ يَا مَنْ يَلْعَبُ بِالصِّبْيَانِ يَا آكِلَ الرِّبَا يَا شَارِبَ الْخَمْرِ يَا دَيُّوثُ يَا مُخَنَّثُ يَا خَائِنُ يَا ابْنَ الْقَحْبَةِ يَا زِنْدِيقُ يَا قَرْطَبَانُ يَا مَأْوَى الزَّوَانِي أَوِ اللُّصُوصِ يَا حَرَامْ زَادَهْ عُزِّرَ وَبِيَا كَلْبُ يَا تَيْسُ يَا حِمَارُ يَا خِنْزِيرُ يَا بَقَرُ يَا حَيَّةُ يَا حَجَّامُ يَا بَغَّاءُ يَا مُؤَاجِرُ يَا وَلَدَ الْحَرَامِ يَا عَيَّارُ يَا نَاكِسُ يَا مَنْكُوسُ يَا سُخْرَةُ يَا ضُحْكَةُ يَا كَشْخَانُ يَا أَبْلَهُ يَا مُوَسْوِسُ لَا.

ترجمہ: اور جس نے غلام یا کافر کو زنا کی تہمت لگائی یا کسی مسلمان کو یہ کہہ کر تہمت لگائی کہ اے فاسق، اے کافر، او خبیث، اے فاجر، اے منافق، او لوطی، اے بچوں سے کھیلنے والے، او سود خور، او شراب خور، اے بے غیرت، او ہیجڑے، اے خائن، اے رنڈی زادے، اے بے دین، او بے حیا، او زانیوں یا چوروں کے اڈے، او حرام زادے، ان سب کی سزا دی جائے گی اور اے کتے، او بیل، او گدھے، او سور، او بیل، او سانپ، او سینگی لگانے والے، او بے غیرت، او بدکار، او بھاڑو، او حرام زادہ، او آوارہ، او نکمے، او سر کے بل گرے، او مسخرے، او ٹھٹھے باز، او بے شرم، او بے وقوف، او وہمی کہنے میں سزا نہیں۔

فائدہ: بعض مشکل الفاظ کی تشریح: دیوث: وہ آدمی ہے جو اپنی بیوی یا محرم کے ساتھ دوسرے آدمی کو دیکھے پھر بھی اسے تنہائی میں ملنے کا موقع دے۔ اور وہ شخص ہے جو دو آدمیوں کے درمیان ناشائستہ کام ملنے کا سبب ہے۔ یا وہ شخص جو اپنی بیوی کو کسی نوجوان یا نوکر کے ہمراہ کھیتی یا کاروبار دیکھنے کیلئے بھیجے۔ یا اپنی غیر حاضری میں انہیں بیوی کے پاس جانے کی اجازت دے۔ قحبۃ: رنڈی اس کو کہتے ہیں جو زنا کی فکر میں ہوتی ہے۔ اس لئے یہ کہنے پر حد قذف نہیں آئیگی۔ زندیق: زندیق فارسی لفظ زندہ یا زندی سے معرب ہے۔ اور یہ زند نامی کتاب کی طرف نسبت ہے جیسے مجوسی کافروں کے مزدکی گروہ کے سردار مزدک نے لکھا تھا۔ یہ گروہ قباد کسریٰ کے زمانہ میں تھا۔ مزدکی خود اس کا قائل تھا اور اس کے ساتھیوں نے اس کی طرف اپنے آپ کو منسوب کیا پھر کسریٰ نوشیروان نے اس کو قتل کیا چونکہ زنادقہ کا مذہب تمام ادیان سماویہ سے خارج تھا اس لئے عربوں نے اس آدمی کو زندیق کہنا شروع کیا جو کہ آسمانی ادیان سے باہر ہوا اور فارسی میں اسے بے دین سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ قرطبان: قلتبان کا معرب ہے اور یہ دیوث کے مترادف ہے۔ حرام زادہ: کے لفظ کا مفہوم یہ ہے کہ بچہ حرام سے جنا ہوا اور وطی حرام سے ہوتا ہے چنانچہ

(۷۵) کوڑے ہیں، اور کم سے کم مقدار تین کوڑے ہیں کیونکہ اس سے کم میں زجر و تنبیہ نہیں ہوتی، اور بعض حضرات فرماتے ہیں کہ کم مقدار مقرر نہیں بلکہ امام کی رائے پر محمول ہے۔ وہ جتنی مقدار مناسب خیال کرے کیونکہ اشخاص کے اختلاف سے زجر کا اعتبار بھی مختلف ہوا کرتا ہے۔ اس لئے کہ بعض لوگوں کو معمولی سزا ہی سے تنبیہ ہو جاتے ہیں اور بعض زیادہ سزا کے بغیر نہیں ڈرتے۔

حاکم تعزیر کے ساتھ قید بھی کر سکتا ہے

وَصَحَّ حَبْسُهُ بَعْدَ الضَّرْبِ : اگر حاکم تعزیر مارنے کے ساتھ قید بھی مناسب خیال کرے تو وہ کر سکتا ہے اس لئے کہ قید میں تعزیر ہونے کی صلاحیت ہے اور یہ اظہار شریعت میں بھی وارد ہے۔ یہاں تک کہ تعزیر میں مارے بغیر صرف قید پر اکتفا کرنا بھی جائز ہے تو مار کے ساتھ ملانا بھی جائز ہوگا۔

وَأَشَدُّ الضَّرْبِ التَّعْزِيْرُ ثُمَّ حَدُّ الزِّنَا ثُمَّ الشُّرْبِ ثُمَّ الْقَذْفِ : اور سب سے زیادہ زور سے کوڑے تعزیر میں مارے جائیں اور پھر اس سے کم زور سے زنا کی حد میں اور اس سے کم شراب پینے کی حد میں اور اس سے کم تہمت لگانے کی حد میں کیونکہ تعزیر عدد کے اعتبار سے حد سے کم ہوتی ہے۔ اب اگر وصف میں بھی تخفیف ہو تو مجرم کو زجر نہ ہو سکے گا اور تعزیر قائم کرنے کا مقصد ہی ختم ہو جائیگا اور حد زنا کتاب اللہ یعنی آیت ﴿الزانیة والزانی﴾ سے ثابت ہے تو اس کی مار شراب پینے کی حد سے سخت ہونی چاہئے کیونکہ حد شراب صحابہؓ کے اجماع سے ثابت ہوئی ہے۔ نص قطعی میں اس کا ثبوت نہیں ہے اور چونکہ اس کا سبب یقینی ہے اور حد قذف کا سبب مشکوک ہے اس لئے حد قذف کی مار سے اس کی ضرب شدید ہونی چاہئے۔

وَمَنْ حُدَّ أَوْ عُزِّرَ فَمَاتَ فَدَمُهُ هَدْرٌ بِخِلَافِ الزَّوْجِ إِذَا عَزَّرَ زَوْجَتَهُ لِتَرْكِ الزِّيْنَةِ وَالْإِجَابَةِ إِذَا دَعَاهَا إِلَى فِرَاشِهِ وَتَرْكِ الصَّلَاةِ وَالْغُسْلِ وَالْخُرُوْجِ مِنَ الْبَيْتِ : جس شخص کو امام نے حد لگائی یا تعزیر کی اور مر گیا تو اس کا خون معاف ہے یعنی اس کی دیت و قصاص وغیرہ نہیں ہے کیونکہ جو کچھ اس نے کیا وہ شریعت کے حکم سے کیا اور جس شخص کو کسی کام کرنے کا حکم دیا جائے تو اس کے فعل کو وصف میں سلامتی کی قید نہیں ہوتی بلکہ اسے حکم کے مطابق کام کرنا ہوتا ہے اور اپنی بیوی کی تعزیر ہونے کی صورت میں شوہر کی حیثیت سے مختلف ہے یعنی تعزیر کی وجہ سے بیوی کے نقصان عضو یا موت کا وہ ذمہ دار ہوگا کیونکہ اسے اپنی بیوی کو تعزیر کرنے کا اگرچہ اختیار ہے مگر اسے مارنے پر مجبور نہیں کیا گیا اور اجازتوں میں یہ شرط ہوتی ہے کہ مارنے کی صورت میں کسی قسم کا نقصان نہ ہو۔

کِتَابُ السَّرِقَۃِ

چوری کا بیان

سرقہ بفتح السین وکسر الراء مصدر ہے اور سکون الراء بھی جائز ہے چونکہ مقصود حدود سے حفظ نفس اور حفظ عقل اور حفظ آبرو ہے لہٰذا حدود کے بعد کتاب السرقہ کا ذکر کرنا مناسب ہے کیونکہ مال سے مقصود جان اور آبرو کی حفاظت ہے اور سرقہ لغت میں چھپ کے مالک غیر سے کسی چیز لینے کو کہتے ہیں اور مسروق کو مجازاً سرقہ کہتے ہیں اور استراق السمع یعنی چھپ کر غیر کی بات سننا اور شرعاً سرقہ کی دو تعریفیں ہیں۔ بلحاظ حرام ہونے کے سرقہ عبارت ہے غیر کی چیز چھپا کر ناحق لینے سے خواہ وہ بقدر نصاب ہو یا نہ ہو۔ باعتبار قطع سرقہ اس سے عبارت ہے جس کو مصنف نے ذکر کیا ہے

هِيَ أَخْذُ مُكَلَّفٍ خُفْيَةً قَدْرَ عَشَرَةِ دَرَاهِمَ مَضْرُوبَةٍ مُحْرَزَةٍ بِمَكَانٍ أَوْ حَافِظٍ فَيُقْطَعُ إِنْ أَقَرَّ مَرَّةً أَوْ شَهِدَ رَجُلَانِ وَلَوْ جَمْعًا وَالْآخِذُ بَعْضُهُمْ قُطِعُوا إِنْ أَصَابَ لِكُلٍّ نِصَابٌ وَلَا يُقْطَعُ بِخَشَبٍ وَحَشِيشٍ وَقَصَبٍ وَسَمَكٍ وَطَيْرٍ وَصَيْدٍ وَزِرْنِيخٍ وَمَغْرَةٍ وَنُورَةٍ وَفَاكِهَةٍ رَطْبَةٍ أَوْ عَلَى شَجَرٍ وَلَبَنٍ وَلَحْمٍ وَزَرْعٍ لَمْ يُحْصَدْ وَأَشْرِبَةٍ وَطُنْبُورٍ

ترجمہ: چوری کہتے ہیں مکلف کا پوشیدہ طور پر ڈھلے ہوئے دس درہموں کے بقدر لینا جو کسی جگہ یا کسی نگہبان کے ذریعہ محفوظ ہوں پس ہاتھ کاٹا جائے گا اگر ایک بار اقرار کرے یا دو مرد گواہی دیں اور اگر چوری کرنے والی ایک جماعت ہو اور مال لینے والے ان میں بعض ہوں تو سب کا ہاتھ کاٹا جائے گا اگر ہر ایک کو بقدر نصاب پہنچے اور ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا لکڑی، گھاس، نرکل، مچھلی، پرندہ، شکار، ہڑتال، گیرو، چونے اور تر میوے اگرچہ درخت پر ہو اور دودھ، گوشت، بے کٹی کھیتی اور شرابوں اور طنبور میں۔

سرقہ کی تعریف

هِيَ أَخْذُ مُكَلَّفٍ خُفْيَةً: پہلی قید اخذ ہے سرقہ میں اخذ رکن ہے باقی سب شرائط ہیں مصنف نے اخذ کو مطلق ذکر کیا ہے تو اخذ حقیقی وحکمی دونوں کو شامل ہے اخذ حقیقی یہ ہے کہ بذات خود چیز کو مکان محفوظ سے نکالے اور اخذ حکمی یہ ہے کہ چند سارق کسی کے مکان میں داخل ہوں اور مال چرالیں اور ایک شخص کی پیٹھ پر لاد کر گھر سے باہر نکلیں تو سب کے ہاتھ کاٹے جائیں گے اور مکلف کی قید سے صغیر اور مجنون نکل گئے کیونکہ ان پر قطع نہیں لیکن مال کی ضمانت ہے۔ خُفْيَةً اخفاء کی قید سے غارت گری اور بزور چھین لینا اور ہاتھ سے اچک لے جانا سرقہ کی تعریف سے نکل گیا پھر اگر چوری دن میں شہر کے اندر ہوئی تو ابتداء میں بھی اور انتہاء میں بھی اخفاء شرط ہے اور اگر رات میں چوری ہوئی تو فقط ابتداء اخفاء شرط ہے نہ انتہاء۔ قَدْرَ عَشَرَةِ دَرَاهِمَ مَضْرُوبَةٍ مُحْرَزَةٍ بِمَكَانٍ أَوْ حَافِظٍ: کی قید سے وہ مقدار نکل گئی جو اس سے کم ہو کیونکہ ابن مسعودؓ سے مرفوعاً مروی ہے: لا تقطع

ہاتھ نہیں کاٹا جائیگا۔ اور جس شخص نے مسجد سے اسباب چوری کیا اور اس کا مالک اس کے پاس ہو تو ہاتھ کاٹا جائیگا اور اگر مہمان نے میزبان کے ہاں کوئی چیز چرائی یا کسی نے کوئی چیز چرائی اور اس کو مکان سے نہیں نکالا تو ہاتھ نہیں کاٹا جائیگا۔

ومن سرق من ذي رحم محرم منه: اگر کسی شخص نے اپنے ذی رحم محرم کے ہاں سے چوری کی یا ایسے ذی رحم محرم کا مال چرائے یا ان کے گھر سے دوسرے کا مال چرائے اس میں قطع نہیں ہے یہاں پوری حفاظت پائی جانے میں شبہ ہے اور شبہ مانع حد ہے۔ وجہ شبہ یہ ہے کہ ذی رحم محرم میں تو داخل ہونے کی یوں ہی اجازت ہوتی ہے تو پھر اس سے کیا حفاظت ہوگی۔

لا برضاع: اور اگر ایسے رشتہ دار کے گھر سے چوری کرے جو رضاعت کے سبب سے ہے تو قطع ید ہوگا کیونکہ رضاعت کا رشتہ عموماً کم معلوم ہوتا ہے اس لیے باہمی آمد و رفت کی بے تکلفی نہیں ہوتی اور شرعاً صرف دخول دار کی اجازت رفع قطع کیلئے کافی نہیں اس لئے اگر رضاعی ماں کے گھر جائے تو جائز ہے لیکن مال کی چوری میں بالاتفاق قطع ہے۔

ومن زوجته وزوجها وسيده وزوجة سيده وزوج سيدته ومكاتبه وختنه وصهره: اگر خاوند اور بیوی دونوں میں سے کسی نے دوسرے کا مال چرایا یا غلام نے آقا کا یا آقا کی بیوی یا بیوی کے خاوند کی چوری کی تو قطع ید نہیں ہے کیونکہ انہیں عادۃً ایک دوسرے کے ہاں آمد و رفت کی اجازت ہوتی ہے تو حرز باقی نہیں رہا۔ جو محرم نسبی کو صہر کہتے ہیں چنانچہ سسر اور سالا صہر کہلائیگا اور محرم نسبی کے خاوند کو ختن کہتے ہیں چنانچہ داماد اور بیٹی، بھانجی، بہن، پوتی کا زوج ختن کہلائیگا۔

مال غنیمت چوری کرنے کا حکم

ومن مغنم وحمام وبيت اذن في دخوله لم يقطع: اور مال غنیمت چوری کرنے سے قطع نہیں ہے اگرچہ سارق کا اس میں حصہ نہ ہو کیونکہ وہ مصرح الاصل ہے تو شبہ پیدا ہو گیا حمام سے یا گھر سے جس میں ہر شخص کو آنے کی اجازت ہو اگر کوئی شخص کچھ مال چرائے تو قطع نہیں ہوگا کیونکہ حمام میں عادۃً داخل ہونے کی اجازت ہوتی ہے اور گھر میں حقیقۃً داخل ہونے کی اجازت ہونے کی وجہ سے حرز باقی نہیں رہا اور یہاں محافظ کا اعتبار نہیں ہے۔

ومن سرق من المسجد متاعا وربه عنده قطع: اگر کسی نے مسجد سے سامان چوری کیا جانا تھا اس کا مالک پاس تھا تو قطع ید ہوگا کیونکہ وہ سامان محافظ کی وجہ سے حفاظت میں ہے اس لئے کہ مسجد حفاظت کا مقام نہیں تو محافظ ہونے کا اعتبار ہوگا۔

وان سرق ضيف ممن اضافه او سرق شيئا ولم يخرجه من الدار لا: یا کسی نے کوئی چیز چرائی مگر مال مسروقہ گھر سے نہیں نکالا تو قطع نہیں کیونکہ عدم اخذ کا شبہ پیدا ہو گیا تو حد ساقط ہو جائے گی۔

وَإِنْ أَخْرَجَهُ مِنْ حُجْرَةٍ إِلَى الدَّارِ أَوْ أَغَارَ مِنْ أَهْلِ الْحُجْرَةِ عَلَى حُجْرَةٍ أَوْ نَقَبَ فَدَخَلَ وَأَلْقَى شَيْئًا فِي الطَّرِيقِ ثُمَّ أَخَذَهُ أَوْ حَمَلَهُ عَلَى حِمَارٍ فَسَاقَهُ وَأَخْرَجَهُ قُطِعَ وَإِنْ نَاوَلَ آخَرَ مِنْ خَارِجٍ أَوْ

أَدْخَلَ يَدَهُ فِي بَيْتٍ وَأَخَذَ أَوْ طَرَّ صُرَّةً خَارِجَةً مِنْ كُمٍّ أَوْ سَرَقَ مِنْ قِطَارٍ بَعِيرًا أَوْ حِمْلًا لَا وَإِنْ شَقَّ الْحِمْلَ فَأَخَذَ مِنْهُ أَوْ سَرَقَ جُوَالِقًا فِيهِ مَتَاعٌ وَرَبُّهُ يَحْفَظُهُ أَوْ نَائِمٌ عَلَيْهِ أَوْ أَدْخَلَ يَدَهُ فِي صُنْدُوقٍ أَوْ فِي جَيْبِ غَيْرِهِ أَوْ كُمِّهِ فَأَخَذَ الْمَالَ قُطِعَ

ترجمہ: اور اگر کسی کو حجرہ سے مکان تک نکال لایا یا حجرہ والوں میں سے کسی نے دوسرے پر غارتگری کی یا نقب نکال کر داخل ہوا اور کوئی چیز راستہ میں پھینک دی پھر اس کو اٹھا لیا یا گدھے پر لاد دی اور ہانک کر نکال لے گیا تو ہاتھ کاٹا جائیگا اور اگر دوسرے کو کوئی چیز گھر کے باہر سے دیدی یا گھر میں داخل کرکے لے لی یا ہمیانی کاٹ ڈالی جو آستین سے باہر تھی یا قطار سے اونٹ یا اس کا بوجھ چوری کر لیا تو ہاتھ نہیں کاٹا جائیگا اور اگر بوجھ کو چیر کر کچھ لے لیا یا بوری چرالی جس میں اسباب تھا اور اس کا مالک اس کی حفاظت کر رہا تھا اس پر سویا ہوا تھا یا صندوق میں یا کسی کی جیب میں یا آستین میں ہاتھ ڈال کر مال لے لیا تو اس کا ہاتھ کاٹا جائیگا۔

ہوٹل کے کسی کمرے سے سامان نکالا تو قطع ید ہوگا

وَإِنْ أَخْرَجَهُ مِنْ حُجْرَةٍ إِلَى الدَّارِ: اور اگر اس گھر میں کمرے ہوں اور وہ کمرہ سے نکال کر صحن میں لے آئے تو قطع ہوگا کیونکہ ہر کمرہ اپنے رہنے والے کے لحاظ سے الگ ایک حرز ہے اور اس مسئلہ میں اور بعد والے مسائل میں دار سے ہوٹل جیسی عمارت مراد ہے جس میں متعدد کمرے ہوں اور ہر کمرہ میں رہنے والے انسان کو دوسرے کمرہ میں رہنے والے کے ساتھ کوئی تعلق نہ ہو ایسا گھر مراد نہیں جس کا مالک ایک ہی شخص ہو اور اس کے متعدد کمروں میں اس کے سامان اور ملازمین رہتے ہوں اور ان میں باہم بے تکلفی ہو۔

أَوْ أَغَارَ مِنْ أَهْلِ الْحُجْرَةِ عَلَى حُجْرَةٍ أَوْ نَقَبَ فَدَخَلَ وَأَلْقَى شَيْئًا فِي الطَّرِيقِ ثُمَّ أَخَذَهُ أَوْ حَمَلَهُ عَلَى حِمَارٍ فَسَاقَهُ وَأَخْرَجَهُ قُطِعَ: ایک جگہ چند کمرے بنے ہوئے تھے ان کمرے والوں میں سے ایک نے دوسرے کمرہ لوٹ لیا تو قطع ہوگا کیونکہ ہر کمرہ الگ الگ حرز ہے۔ یا کوئی نقب لگا کر اندر گیا اور گھر کا کچھ سامان نکال کر راستہ میں ڈال دیا پھر باہر کے سے کو اٹھا لیا یا سواری پر لاد کر اسے ہانک دیا اور اس طرح سے نکال کر لے گیا تو قطع ید ہوگا کیونکہ جب اس نے اس سامان کو اٹھا لیا تو اس سے فعل سرقہ مکمل ہو گیا اور بوجھ لادنے کے مسئلہ میں چوپائے کا چلنا اس کی طرف منسوب ہے اس لئے وہی لیجانے والا ہوا۔

وَإِنْ نَاوَلَ آخَرَ مِنْ خَارِجٍ: اور اگر دوسرے شخص کو دیدیا جو باہر کھڑا تھا تو دونوں پر قطع نہیں کیونکہ پہلے شخص نے مال کو باہر نکالا اور مال کے باہر نکلنے سے پہلے مالک کا قبضہ موجود ہے اور دوسرے شخص پر قطع اس لئے واجب نہیں کہ اس کی طرف سے حرز کی ہتک نہیں پائی گئی لہذا دونوں میں سے کسی کا چوری مکمل نہیں ہے۔

أَوْ أَدْخَلَ يَدَهُ فِي بَيْتٍ وَأَخَذَ: یا کسی نے نقب لگائی اور ہاتھ اندر داخل کرکے کوئی چیز اٹھالی تو قطع نہیں ہوگا کیونکہ ہتک حرز میں کامل شرط ہے اور یہ کمال اندر داخل ہونے کی صورت ہی میں ہو سکتا ہے اس لئے کہ عادۃً اندر داخل ہو کر ہی چوری کیجاتی ہے

أو طرَّ صرةً خارجةً من كمٍّ أو سرق من قطارٍ بعيرًا أو حملًا: اگر کسی نے ایسی تھیلی کاٹ لی یا پھاڑ کر رقم نکالی جو آستین سے باہر تھی تو قطع نہیں ہوگا کیونکہ حرز یعنی مقام محفوظ کی ہتک نہیں پائی گئی یا اونٹوں کی قطار سے کوئی اونٹ یا ان سے بوجھ چرالیا تو قطع نہیں ہوگا کیونکہ کھینچنے والے، ہانکنے والے اور ان پر سواری کرنے والے کا مقصد تو سفر طے کرنا ہوتا ہے یا مال واسباب کا پہنچانا حرز وحفظ مقصود نہیں ہوتا البتہ اگر اس سامان کے پیچھے کوئی محافظ ہو تو پھر ہاتھ کاٹا جائیگا۔

وإن شقّ الحمل فأخذ منه أو سرق جوالقًا فيه متاعٌ وربُّه يحفظه أو نائمٌ عليه: اور اگر بوجھ کو پھاڑ کر کچھ نکال لیا تو قطع ہوگا کیونکہ بوریوں میں سامان ڈالنے کا مقصد یہی ہوتا ہے کہ سامان محفوظ ہے تو اس صورت میں بوریاں حرز یعنی مقام محفوظ ہیں۔ لہٰذا بوری کو پھاڑ کر سامان نکالنا مقام محفوظ سے لینا ہوگا اور اگر ایسی بوری چرالے کہ جس میں سامان بھرا ہوا ہے اور مالک اس کی حفاظت بھی کر رہا ہے یا اس کے اوپر سویا ہوا ہے تو قطع ہوگا کیونکہ اس کے پاس بیٹھے رہنا یا سو جانا عادۃً حفاظت ہی شمار ہوتا ہے "نائمٌ علیہ" میں اشارہ ہے کہ بوجھ کے اوپر سونا اس کی حفاظت کیلئے کافی ہے۔ یہاں مسائل میں سے بعض کے بارے میں فقہاء فرماتے ہیں کہ سونے والے کا حکم ان میں جاگنے والے کے مانند ہے۔ جس کی تفصیل الاشباہ والنظائر میں موجود ہے اور ان کی اصل صفوان بن امیہ کی حدیث ہے وہ مسجد میں سوئے ہوئے تھے اور اپنی چادر سر کے نیچے رکھ لی تھی ایک چور نے چرالیا پھر چور کو پکڑ کر نبی کریم ﷺ کے سامنے لایا گیا آپ ﷺ نے اس کے قطع ید کا حکم دیدیا۔ (ابوداؤد)

أو أدخل يده في صندوقٍ أو في جيب غيره أو كمِّه فأخذ المال قُطع: یا سارق نے اپنا ہاتھ غیر کی صندوق میں ڈالا۔ یا اس کی جیب میں یا اس کی آستین میں ڈالا پھر اس سے مال لے لیا تو ان سب صورتوں میں قطع ہوگا۔ ان مسائل میں قاعدہ یہ ہے کہ اگر حرز ایسا ہے جس میں انسان کے لئے گھسنا ممکن ہو جیسے گھر ہے تو ہتک حرز اس کے دخول سے معتبر ہوگی۔ اگر ایسا ہے کہ اس میں دخول ممکن نہیں جیسے صندوق، جیب اور آستین تو ہتک حرز اس میں ہاتھ ڈالنا اور اس سے مال لینے سے معتبر ہوگی۔

فَصْلٌ فِيْ كَيْفِيَّةِ الْقَطْعِ وَإِثْبَاتِهِ

ہاتھ کاٹنے کی کیفیت اور اس کے اثبات کا بیان

تُقْطَعُ يَمِيْنُ السَّارِقِ مِنَ الزَّنْدِ وَتُحْسَمُ وَرِجْلُهُ الْيُسْرَى إِنْ عَادَ فَإِنْ سَرَقَ ثَالِثًا حُبِسَ حَتَّى يَتُوْبَ وَلَمْ يُقْطَعْ كَمَنْ سَرَقَ وَإِبْهَامُهُ الْيُسْرَى مَقْطُوْعَةٌ أَوْ شَلَّاءُ أَوْ إِصْبَعَانِ مِنْهَا سِوَاهَا أَوْ رِجْلُهُ الْيُمْنَى مَقْطُوْعَةٌ وَلَا يَضْمَنُ بِقَطْعِ الْيُسْرَى مَنْ أُمِرَ بِخِلَافِهِ وَطَلَبُ الْمَسْرُوْقِ مِنْهُ شَرْطُ الْقَطْعِ وَلَوْ مُوْدَعًا أَوْ غَاصِبًا أَوْ صَاحِبَ الرِّبَا وَتُقْطَعُ بِطَلَبِ الْمَالِكِ لَوْ سَرَقَ مِنْهُمْ لَا بِطَلَبِ الْمَالِكِ أَوِ السَّارِقِ لَوْ سَرَقَ مِنْ سَارِقٍ بَعْدَ الْقَطْعِ وَمَنْ سَرَقَ شَيْئًا وَرَدَّهُ قَبْلَ الْخُصُوْمَةِ إِلَى مَالِكِهِ أَوْ مَلَكَهُ بَعْدَ الْقَضَاءِ أَوِ ادَّعَى أَنَّهُ مِلْكُهُ أَوْ نَقَصَتْ قِيْمَتُهُ مِنَ النِّصَابِ لَمْ يُقْطَعْ

ترجمہ: چور کا دایاں ہاتھ گٹے سے کاٹا جائے اور داغ دیا جائے اور بایاں پاؤں کاٹا جائے اگر وہ دوبارہ چوری کرے اور اگر تیسری بار چوری کرے تو قید کر دیا جائیگا یہاں تک کہ توبہ کر لے اور ہاتھ نہیں کاٹا جائیگا اس شخص کی طرح کہ چوری کرے اور اس کا بایاں انگوٹھا کٹا ہوا ہو یا شل ہو یا انگوٹھے کے علاوہ دو انگلیاں کٹی ہوئی ہوں، یا اس کا دایاں پاؤں کٹا ہوا ہو اور ضامن نہیں ہوگا بایاں کاٹنے سے وہ شخص جس کو اس کے خلاف کا حکم کیا گیا ہو۔ اور قطع ید کیلئے مسروق منہ کا طلب کرنا شرط ہے اگرچہ وہ امانتدار یا غاصب یا سود خور ہو اور مالک کے طلب پر ہاتھ کاٹا جائے اگر انہیں لوگوں کے پاس سے چرایا ہو تک کہ مالک یا چور کے طلب پر اگر چور کے پاس سے قطع ید کے بعد چرایا ہے اور جس نے کوئی چیز چرائی اور نالش سے پہلے ہی مالک کے پاس واپس کر دی یا قضا کے بعد چور اس کا مالک ہو گیا، یا اس نے دعویٰ کیا کہ یہ میری ملک ہے، یا اس کی قیمت نصاب سے کم ہو گئی تو ہاتھ نہ کاٹا جائیگا۔

تُقطَعُ یَمِینُ السَّارِقِ مِنَ الزَّندِ وَتُحسَمُ : چور کا دایاں ہاتھ گٹے (یعنی کلائی کے ساتھ جو جوڑ ہے) سے کاٹا جائے اور داغ دیا جائے قطع ید تو نص قرآن سے ثابت ہے چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿والسارق والسارقة فاقطعوا ایدیهما جزاء بما کسبا﴾ باقی دائیں کی تخصیص ان احادیث کے ذریعے ہے جو اس بارے میں وارد ہے۔ اور ابن مسعودؓ کی قرات کی بناء پر جس میں "فاقطعوا ایمانهما" موجود ہے اور یہ قرات مشہورہ ہے اور مشہور روایت کے ذریعے کتاب اللہ پر زیادتی اور اس کے مطلق کو مقید کرنا جائز ہے۔ اور داغ دینا اس بناء پر ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "اس کا ہاتھ کاٹ دو اور اسے داغ دو"۔ دوسری بات یہ ہے کہ اگر داغا نہ جائے تو خون بہ جانے کی وجہ سے ہلاکت کا خدشہ ہوتا ہے۔ اور قطع کے بعد گرم لوہے سے زخم کو داغ دیتے ہیں تاکہ خون کا بہاؤ رک جائے۔

متعدد بار چوری کرنے والے چور کا حکم

وَرِجلُهُ الیُسرَی إِن عَادَ فَإِن سَرَقَ ثَالِثًا حُبِسَ حَتَّی یَتُوبَ وَلَم یُقطَع : اور اگر وہ دوبارہ چوری کرے تو اس کا بایاں پاؤں کاٹ دیا جائے اور اگر سہ باری چوری کا مرتکب ہو تو قطع نہ ہوگا۔ بلکہ اس کو توبہ کرنے تک قید میں رکھا جائیگا یا اس پر تعزیر لگائی جائے امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ تیسری بار چوری کرنے پر بایاں پاؤں کاٹا جائیگا کیونکہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: کہ جو چوری کرے اس کا دایاں ہاتھ کاٹو اگر پھر چوری کرے تو پھر قطع کرو اگر پھر کرے تو پھر قطع کرو"۔ اور ہمارا مذہب حضرت علیؓ سے منقول ہے چار بار کاٹنے کی حدیث اگر صحیح ثابت ہوتی تو حضرت علیؓ ہرگز اس کے خلاف نہ کرتے اور نہ صحابہ کرامؓ ان کے قول پر عمل کرتے امام طحاوی نے اس حدیث پر طعن کیا ہے۔ بالفرض بر ثبوت حدیث میں یہ تاویل ہو سکتی ہے کہ یہ حدیث سیاست پر محمول ہے۔

کَمَن سَرَقَ وَإِبهَامُهُ الیُسرَی مَقطُوعَةٌ أَو شَلَّاءُ أَو إِصبَعَانِ مِنهَا سِوَاهَا أَو رِجلُهُ الیُمنَی مَقطُوعَةٌ : اسی طرح اگر کسی نے چوری کی اور اس کا بایاں انگوٹھا کٹا ہوا ہو، یا شل ہو یا انگوٹھے کے علاوہ دو انگلیاں کٹی ہوئی ہو یا اس کا دایاں پاؤں کٹا ہوا ہو تو قطع نہ ہوگا کیونکہ اب قطع کرنے کی صورت میں پکڑنے اور چلنے کی جنس منفعت ہی زائل ہو جائیگی۔

وَلَا یَضمَنُ بِقَطعِ الیُسرَی مَن أَمَرَ بِخِلَافِهِ : اگر حاکم جلاد کو چور کے دائیں ہاتھ کے کاٹنے کا حکم دیا اور اس نے عمداً بایاں

وَلَوْ قُطِعَ لِبَعْضِ السَّرِقَاتِ لَا يَضْمَنُ شَيْئًا: جس شخص نے کئی چوریاں کیں اور بعض چوریوں میں اس کا ہاتھ کاٹ دیا گیا تو یہ سزا تمام چوریوں کی سزا ہوگی اور صاحبین فرماتے ہیں کہ اس مال میں ضمان لیا جائیگا جس میں قطع نہیں ہوا۔ امام صاحبؒ کی دلیل یہ ہے کہ تمام سرقات میں قطع واحد حق اللہ کی بناء پر واجب ہے کیونکہ حدود تداخل پر مبنی ہوتی ہیں اور خصومت اس لئے شرط ہے کہ قاضی کے نزدیک چوری ظاہر ہو جاتی ہے تو جب ایک سرقہ کی طرف سے قطع ہوا تو سب کی طرف سے قطع ہو چکا خواہ ایک شخص کا چند بار مال چرایا ہو یا چند شخصوں کا۔

کپڑا چرا کر وہیں گھر میں پھاڑ ڈالا تو اس کا حکم

وَلَوْ شَقَّ مَا سَرَقَ فِي الدَّارِ ثُمَّ أَخْرَجَهُ قُطِعَ: اگر کسی نے کپڑا وغیرہ چرا کر وہیں گھر میں پھاڑ ڈالا پھر باہر نکالا تو قطع ید ہوگا اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک قطع نہیں ہوگا کیونکہ خرق کثیر کے باعث ملک کا سبب پائے جانے کی وجہ سے وہ اس کپڑے کا مالک بن گیا اس لئے کہ اس پھاڑنے کی وجہ سے اس پر قیمت واجب ہوتی ہے اور شی مضمون کا مالک بن جاتا ہے جیسا کہ کتاب الغصب میں بتایا گیا ہے اب مالک بننے کے بعد اخراج کا فعل پایا گیا اور اپنا مال چرانے سے قطع ید کی سزا نہیں آتی مگر غیر کا مال چرانے پر قطع ہے بخلاف اس صورت کے جبکہ اس نے پہلے اسے نکالا پھر پھاڑا کیونکہ یہاں سرقہ مکمل ہونے کے بعد تصرف پایا گیا۔ طرفین فرماتے ہیں کہ چیز کا لینا سبب ضمان ہے سبب ملک نہیں البتہ ادائے ضمان کی ضرورت سے چور کیلئے ملکیت ثابت ہوتی ہے اب جب مالک نے کپڑے کے نقصان کا ضمان لینا پسند کیا اور ضمان وصول کر لیا تو ایک کی ملک میں دو بدل کا اجتماع نہیں آئیگا۔

وَلَوْ سَرَقَ شَاةً فَذَبَحَهَا وَأَخْرَجَهَا لَا: اگر کسی نے بکری چرا کر وہیں ذبح کر لی اور پھر باہر نکالی تو قطع ید نہیں ہوگا کیونکہ چوری گوشت پر پوری ہوتی ہے کیونکہ ذبح کی ہوئی بکری گوشت کے حکم میں ہے گوشت چرانے پر ہاتھ نہیں کٹتا بلکہ اس شی قیمت کا تاوان دینا پڑتا ہے لہذا یہاں بکری کی قیمت دینی ہوگی۔

وَلَوْ صَنَعَ الْمَسْرُوقَ دَرَاهِمَ أَوْ دَنَانِيرَ قُطِعَ وَرَدَّهَا: اگر کسی نے سونا یا چاندی چرانے کے بعد دراہم و دنانیر بنا لئے تو قطع ید لازم ہوگا اور یہ دراہم و دنانیر بھی اصل مالک کو واپس کر دئے جائیں گے۔

وَلَوْ صَبَغَهُ أَحْمَرَ قُطِعَ لَا يَرُدُّ وَلَا يَضْمَنُ وَلَوْ أَسْوَدَ يَرُدُّ: اگر چور نے کپڑا چرا لیا اور اسے سرخ رنگ میں رنگ لیا تو شیخین کے نزدیک اس پر قطع واجب ہوگا اب نہ تو اس سے کپڑا لیا جائیگا اور نہ ہی وہ کپڑے کی قیمت کا ضامن ہوگا اور امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ اس سے کپڑا لے لیا جائیگا اور رنگائی کا معاوضہ اسے دیا جائیگا کیونکہ جو چیز اصل ہے یعنی کپڑا وہ قائم ہے اور رنگ کو تابع کی حیثیت حاصل ہے۔ اگر چور نے اسے سیاہ رنگ میں رنگا ہو تو کپڑا مالک کو واپس کر دیا جائیگا اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک دونوں صورتیں برابر ہیں۔ یہ اختلاف کسی دلیل کی وجہ سے نہیں بلکہ یہ اختلاف اپنے اپنے زمانے کے لحاظ سے ہے امام

یہاں چار سزائیں ذکر کی ہیں، اگر کوئی جماعت یا شخص جس کو مدافعت کی قوت حاصل ہو رہزنی کے ارادے سے نکلیں اور کسی کا مال چھین لے یا کسی کو قتل کرلے اس سے پہلے گرفتار کر لیے جائیں تو امام ان کو قید میں ڈال دے یہاں تک کہ یہ لوگ توبہ کرلیں ہو۔ اور اگر انہوں نے معصوم مال یعنی جو کسی مسلمان یا ذمی کا ہو لوٹ لیے ہوں تو امام ان کے دائیں ہاتھ اور بائیں پاؤں کاٹ دے ہو۔ اگر انہوں نے قتل کیا ہو تو امام ان کو قصاصاً قتل کروائے اگرچہ مقتولین کے ورثاء معاف بھی کردیں ہو۔ رہزن جب قتل کا ارتکاب بھی کریں اور اموال بھی لوٹیں تو امام کو اختیار ہے کہ پہلے مخالف سمتوں سے ہاتھ اور پاؤں کاٹے اور بعد میں قتل کرے اور سولی پر چڑھادے یا چاہے تو صرف قتل کرے یا سولی پر لٹکائے اس باب میں اصل یہ آیت ہے۔ ﴿إِنَّمَا جَزَاءُ الَّذِينَ يُحَارِبُونَ اللهَ وَرَسُولَهُ وَيَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ فَسَادًا أَنْ يُقَتَّلُوا أَوْ يُصَلَّبُوا﴾ اس آیت کریمہ میں چار سزائیں منقول ہیں اور چاروں الگ الگ مواقع کیلئے ہیں۔

رہزن کو زندہ ہی سولی پر لٹکایا جائے

وَيُصْلَبُ حَيًّا ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ وَيُبْعَجُ بَطْنُهُ بِرُمْحٍ حَتَّى يَمُوتَ : رہزن کو زندہ ہی سولی پر لٹکایا جائے اور نیزہ مار کر اس کے پیٹ کو چاک کردیا جائے حتی کہ مرجائے کیونکہ سولی پر چڑھانا زیادہ خوفناک اور عبرت کا باعث ہے اور سزا کا مقصد بھی یہی ہے اور صرف تین دن تک سولی پر لٹکایا جائے کیونکہ اس مدت کے بعد لاش بدبودار ہوجاتی ہے اور لوگوں کی تکلیف کا باعث ہوتی ہے۔

وَلَمْ يَضْمَنْ مَا أَخَذَ وَغَيْرُ الْمُبَاشِرِ كَالْمُبَاشِرِ : اور جب رہزن کو قتل کی سزا دے دی گئی تو اس پر اس مال کی ضمان نہیں ہوگی جو اس نے لوٹا ہے اور اگر رہزنی میں بہت سے لوگ ہوں تو ڈاکہ نہ ڈالنے والے ڈاکہ ڈالنے والے کے حکم میں ہوں گے یعنی سزا سب پر جاری ہوگی کیونکہ یہ قتل محاربہ کی سزا ہے اور محاربہ اس صورت میں متحقق ہوتا ہے جب بعض لڑ رہے ہوں اور بعض ان کی اعانت کیلئے تیار ہوں اس لئے کہ شرط یہی ہے کہ ان میں کوئی ایک ہی رہزنی یا قتل کا ارتکاب کرے اور یہ بات پائی گئی۔

وَالْعَصَا وَالْحَجَرُ كَالسَّيْفِ : اگر انہوں نے لاٹھی یا پتھر سے قتل کیا تو پتھر اور لاٹھیاں تلوار کے حکم میں ہیں اگرچہ امام صاحبؒ کے نزدیک پتھر اور لاٹھی کے قتل سے قصاص نہیں لیکن یہاں بہر صورت ہوگا کیونکہ سزا بطریق قصاص نہیں جو لاٹھی اور تلوار میں فرق کیا جائے بلکہ یہ حد کی بناء پر ہے خدا اور رسول کی سزا ہے۔

وَإِنْ أَخَذَ مَالًا وَجَرَحَ قُطِعَ وَبَطَلَ الْجَرْحُ : اور اگر رہزن مال لوٹیں اور زخمی کریں تو اس کا ہاتھ اور پاؤں مخالف سمت سے کاٹا جائیگا اور زخموں کی حد یا تاوان ساقط ہوگا کیونکہ جب حق شرع کی وجہ سے حد واجب ہوگی تو بندے کے نفس کی عصمت ساقط ہوگی۔

وَإِنْ جَرَحَ فَقَطْ أَوْ قَتَلَ فَتَابَ أَوْ كَانَ بَعْضُ الْقُطَّاعِ غَيْرَ مُكَلَّفٍ أَوْ ذَا رَحِمٍ مَحْرَمٍ مِنَ الْمَقْطُوعِ

كِتَابُ السِّيَرِ وَالْجِهَادِ

سیر اور جہاد کا بیان

اس کو کتاب المغازی بھی کہتے ہیں، سیر بکسر اول و فتح ثانی جمع ہے سیرت کی بکسر اول و سکون ثانی، سیرت سیر باب ضرب سے ہے سیر اور سفر دو قسم پر ہے ظاہری اور معنوی تو باعتبار قسم ثانی کے سیرت طریقہ کے معنی میں مستعمل ہے خواہ طریقہ نیک ہو یا بد چنانچہ کہا جاتا ہے کہ فلاں محمود السیرت ہے اور فلاں مذموم السیرت ہے اور سیرت شرعاً کفار کے ساتھ جنگ اور ان کے متعلقات میں مستعمل ہے جیسے مناسک حج میں کیونکہ لڑائی اور جہاد کو سیر اور سفر لازم ہے، جہاد کی دو شرطیں ہیں اول یہ کہ کفار اسلام کو قبول نہ کرتے ہوں اور اہل اسلام نے ان کو امان دی ہو اور نہ ان سے صلح کا عہد کیا ہو۔ اور شرط ثانی یہ ہے کہ اپنے اجتہاد اور تخمین کے موافق یا جس کی رائے اور اجتہاد پر اعتقاد اور اعتماد ہو اس کی تجویز کے موافق قتال کرنے سے قوت اور شوکت اور غلبہ اہل اسلام متوقع ہو اور اگر قتال میں مسلمانوں کے غلبہ کی امید نہ ہو تو لڑنا جائز نہیں کیونکہ یہ خود دانستہ اپنی جان کو ہلاکت میں ڈالنا ہے۔

اَلْجِهَادُ فَرْضُ كِفَايَةٍ اِبْتِدَاءً اِنْ قَامَ بِهِ بَعْضٌ سَقَطَ عَنِ الْكُلِّ وَاِلَّا اَثِمُوْا بِتَرْكِهِ وَلَا يَجِبُ عَلٰى صَبِيٍّ وَامْرَأَةٍ وَعَبْدٍ وَاَعْمٰى وَمُقْعَدٍ وَاَقْطَعَ وَفَرْضُ عَيْنٍ اِنْ هَجَمَ الْعَدُوُّ فَتَخْرُجُ الْمَرْأَةُ وَالْعَبْدُ بِلَا اِذْنِ زَوْجِهَا وَسَيِّدِهِ وَكُرِهَ الْجُعْلُ اِنْ وُجِدَ فَيْءٌ وَاِلَّا لَا فَاِنْ حَاصَرْنَاهُمْ نَدْعُوْهُمْ اِلَى الْاِسْلَامِ فَاِنْ اَسْلَمُوْا وَاِلَّا اِلَى الْجِزْيَةِ فَاِنْ قَبِلُوْا فَلَهُمْ مَا لَنَا وَعَلَيْهِمْ مَا عَلَيْنَا وَلَا نُقَاتِلُ مَنْ لَمْ تَبْلُغْهُ الدَّعْوَةُ اِلَى الْاِسْلَامِ وَنَدْعُوْ نَدْبًا مَنْ بَلَغَتْهُ وَاِلَّا نَسْتَعِيْنُ بِاللّٰهِ تَعَالٰى وَنُحَارِبُهُمْ بِنَصْبِ الْمَجَانِيْقِ وَحَرْقِهِمْ وَتَغْرِيْقِهِمْ وَقَطْعِ اَشْجَارِهِمْ وَاِفْسَادِ زُرُوْعِهِمْ وَرَمْيِهِمْ وَاِنْ تَتَرَّسُوْا بِبَعْضِنَا وَنَقْصِدُهُمْ

ترجمہ: جہاد فرض کفایہ ہے ابتداءً، یعنی اگر کچھ لوگ ادا کریں تو سب سے ساقط ہو جائیگا ورنہ سب گنہگار ہوں گے، اور واجب نہیں ہے بچے پر عورت پر غلام پر اندھے پر اپاہج پر اور ہاتھ پاؤں کٹے ہوئے پر، اور فرض عین ہے اگر دشمن چڑھ آئے پس عورت اپنے شوہر کی اجازت کے بغیر اور غلام اپنے آقا کی اجازت کے بغیر جہاد کیلئے نکلے اور مکروہ ہے اجرت لینا اگر مال فے پایا جائے ورنہ نہیں، پس اگر ہم کافروں کا محاصرہ کریں تو ان کو اسلام کی دعوت دیں گے اگر وہ مسلمان ہو جائیں تو بہتر ورنہ جزیہ طلب کریں گے اگر وہ قبول کر لیں تو ان کیلئے وہ ہے جو ہمارے لئے اور ان پر وہ ہے جو ہم پر ہے اور ہم اس سے قتال نہیں کریں گے جس کو دعوت اسلام نہ پہنچی ہو اور استحباباً ان کو اسلام کی طرف بلائیں گے جس کو دعوت پہنچ چکی ہو ورنہ اللہ کی مدد طلب کر کے ان سے لڑیں گے منجنیق نصب کر کے اور ان کو جلانے اور ڈبونے اور ان کے درخت کاٹنے اور کھیتی برباد کرنے اور تیر اندازی کرنے کے ساتھ اگرچہ وہ ہم میں سے کسی کو ڈھال بنا لیں اور ہم انہی کی نیت کریں گے۔"

جہاد کی ابتداء کرنا فرض کفایہ ہے

الجهاد فرض كفاية ابتداء إن قام به بعض سقط عن الكل وإلا أثموا بتركه ولا يجب على صبي وامرأة وعبد وأعمى ومقعد وأقطع وفرض عين إن هجم العدو فتخرج المرأة والعبد بلا إذن زوجها وسيده: اپنی طرف سے جہاد کی ابتداء کرنا فرض کفایہ ہے یعنی مسلمانوں کو چاہئے کہ خود کافروں سے جنگ کا آغاز کریں لیکن اگر بعض مسلمان یہ فرض ادا کرلیں گے تو باقی سب کے ذمے سے ساقط ہو جائیگا اور اگر کوئی نہیں کرے گا تو سب مسلمان گنہگار ہوں گے یعنی اگر مقصد بعض کے ذریعے حاصل ہو جائے تو وہ فرض کفایہ رہتا ہے اور جب بعض سے حاصل نہ ہو تو سب پر فرض ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نبی کریم ﷺ جہاد میں تشریف لے جاتے لیکن مدینہ کے ہر آدمی کو اپنے ہمراہ نکلنے کا پابند نہ کرتے اور نفیر عام کے علاوہ پیچھے رہ جانے والوں پر ملامت نہ فرماتے تو جب کفار مسلمانوں کے کسی علاقہ پر چڑھ آئیں اور بعض اہل اسلام سے جہاد کا مقصد یعنی دفع شر حاصل نہ ہو تو پھر ہر مسلمان پر جہاد فرض عین ہو جاتا ہے حتی کہ غلام پر آقا کے اذن کے بغیر، عورت پر خاوند کی اجازت کے بغیر اور بالغ لڑکے پر والدین کی اجازت کے بغیر جہاد کیلئے نکل پڑنا فرض ہو جاتا ہے۔ کیونکہ ادائے فرض کیلئے بندے کی اجازت کی ضرورت نہیں اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں مخلوق کی اطاعت جائز نہیں جیسا کہ صراحۃً حدیث میں ارشاد ہے بلکہ اس حالت میں جو جہاد سے منع کرے گا تو وہ گنہگار ہوگا۔

وكره الجعل إن وجد فيء وإلا لا: اگر فئی کا مال بیت المال میں ہو تو غازیوں کو دینے کیلئے لوگوں سے رقم وصول کرنا مکروہ ہے اگر بیت المال میں نہ ہو تو مکروہ نہیں۔ فئی اس مال کو کہا جاتا ہے جو جنگ کے بغیر حاصل ہو جیسے خراج اور جزیہ وغیرہ اور جنگ کے ذریعہ حاصل ہونے والے مال کو غنیمت کہا جاتا ہے لیکن یہاں فئی کا لفظ عام ہے جو غنیمت وغیرہ سب کو شامل ہے یعنی کراہت صرف غنیمت کے یا صرف فئی کے موجود ہونے کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ اس کا دارومدار بیت المال میں بقدر ضرورت مال موجود ہونے پر ہے خواہ غنیمت ہو یا فئی ہو یا دوسرے ذریعے کی آمدنی البتہ اگر بیت المال میں موجود مال فوج کی ضروریات کیلئے ناکافی ہو تو امام کیلئے ملک کی اغنیاء پر بقدر ضرورت جہاد ٹیکس مقرر کرنا جائز ہے بلکہ امام کو چاہئے کہ لوگوں کو ترغیب دے کہ ایک دوسرے کی مساعدت و معاونت کریں جیسا کہ خود نبی کریم ﷺ سے غزوۂ تبوک میں ترغیب دینا ثابت ہے۔

فإن حاصرناهم ندعوهم إلى الإسلام فإن أسلموا وإلا إلى الجزية فإن قبلوا فلهم ما لنا وعليهم ما

تشریح: مسلمان جب دارالحرب میں داخل ہو کر کفار کا محاصرہ کریں تو اولاً انہیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دیں اگر وہ اسلام کی دعوت کو قبول کرلیں تو ان سے جنگ نہ کی جائیگی کیونکہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے "مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے جنگ کروں یہاں تک کہ وہ لا الہ الا اللہ کا اقرار کرلیں" اگر وہ قبول اسلام سے انکار کریں تو پھر ان سے جزیہ طلب کرے کیونکہ نبی کریم ﷺ امراء جیوش کو یہی حکم دیا کرتے تھے اور اگر کفار جزیہ دینا قبول کرلیں تو ان کیلئے وہی حقوق ہیں جو ہمارے لئے ہیں اور ان پر وہ

قسم داریاں ہیں جو ہم پر ہیں یعنی ان کے جان و مال سے تعرض نہ کیا جائے۔ اور یہ ہرگز مراد نہیں کہ عبادات وغیرہ بھی ان پر واجب ہیں جس طرح کہ ہم پر واجب ہے کیونکہ حضرت علیؓ کا ارشاد ہے کہ انہوں نے فرمایا: "جب ذمی لوگ جزیہ دینا قبول کرلیں تو ہمارے ذمہ ان کے جان و مال کی حفاظت کرنا ضروری ہے اور ان سے تعرض کرنا جائز نہیں"۔

جس کو اسلام کی دعوت نہ پہنچی ہو ان سے جنگ کرنا جائز نہیں

وَلَا نُقَاتِلُ مَنْ لَمْ تَبْلُغْهُ الدَّعْوَةُ إِلَى الْإِسْلَامِ وَنَدْعُو نَدْبًا مَنْ بَلَغَتْهُ: جس کو اسلام کی دعوت نہ پہنچی ہو ان سے جنگ کرنا جائز نہیں جب تک کہ جنگ سے پہلے اسلام کی دعوت نہ دی جائے تاکہ انہیں یہ معلوم ہو جائے کہ ہم مال لوٹنے یا قیدی بنانے کیلئے جنگ نہیں کر رہے اس لئے اب بھی اگر وہ اسلام قبول کرلیں تو پھر جنگ کی کوئی ضرورت نہ رہے گی اسی پر محمول ہیں وہ احادیث جن سے جنگ سے پہلے اسلام کی طرف دعوت دینے کا حکم وارد ہے اور جن کفار کو اسلام کی دعوت پہنچ چکی ہو انہیں جنگ سے پہلے ایک بار پھر دعوت دینا مستحب ہے مگر دوبارہ دعوت دینا ضروری نہیں کیونکہ نبی کریم ﷺ نے بنی مصطلق پر چھاپا مارا اور وہ غافل تھے۔

وَإِلَّا نَسْتَعِينُ بِاللهِ تَعَالَى وَنُحَارِبُهُمْ بِنَصْبِ الْمَجَانِيقِ وَحَرْقِهِمْ وَغَرْقِهِمْ وَقَطْعِ أَشْجَارِهِمْ وَإِفْسَادِ زُرُوعِهِمْ وَرَمْيِهِمْ: اگر محصورین جزیہ دینے سے منکر ہوں تو مسلمان اللہ تعالیٰ سے مدد چاہتے ہوئے کفار پر ٹوٹ پڑیں اور کفار کے خلاف منجنیق استعمال کی جائے یہ پرانے زمانے کی توپ تھی جس میں بڑے بڑے پتھر ڈال کر قلعوں پر پھینکے جاتے تھے اور ان کے مال و جان کو آگ سے جلانا اور پانی میں ڈبو دینا بھی جائز ہے کیونکہ ان امور کا نشانہ ان کو غیظ دلانا، ان کی قوت و شوکت توڑنا اور ان کی جمعیت کو بکھیر دینا ہے اور اس غرض سے ان کے درختوں کو کاٹنا بھی جائز ہے اور اس باب میں اصل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: ﴿ما قطعتم من لينة أو تركتموها قائمة على أصولها﴾ اور نبی کریم ﷺ نے جب طائف کا محاصرہ کرلیا تو آپ ﷺ نے ان پر منجنیق نصب فرمائی اور صحاح ستہ میں ہے کہ مدینہ منورہ کے یہودی قبیلہ بنو نضیر کو جب کہ آپ ﷺ نے جلاوطن فرمایا تو ان کے درخت کاٹ دیئے اور ان میں آگ لگوا دی گئی۔

وَإِنْ تَتَرَّسُوا بِبَعْضِنَا وَنَقْصِدُهُمْ: اگر کفار مسلمانوں کو اپنے آگے ڈھال بنالیں تو مجاہدین اسلحہ چلاتے ہوئے کفار کی نیت کریں کیونکہ اگرچہ مسلمانوں اور کافروں کے درمیان بالفعل امتیاز کرنا ممکن نہیں لیکن نیت اور قصد سے تو امتیاز کیا جاسکتا ہے۔

وَنُهِينَا عَنْ إِخْرَاجِ مُصْحَفٍ وَامْرَأَةٍ فِي سَرِيَّةٍ يُخَافُ عَلَيْهَا وَعَنْ غَدْرٍ وَغُلُولٍ وَمُثْلَةٍ وَقَتْلِ امْرَأَةٍ وَغَيْرِ مُكَلَّفٍ وَشَيْخٍ فَانٍ وَأَعْمَى وَمُقْعَدٍ إِلَّا أَنْ يَكُونَ أَحَدُهُمْ ذَا رَأْيٍ فِي الْحَرْبِ أَوْ مَلِكًا وَقَتْلِ أَبٍ مُشْرِكٍ وَلْيَأْبَ الِابْنُ لِيَقْتُلَهُ غَيْرُهُ وَنُصَالِحُهُمْ وَلَوْ بِمَالٍ إِنْ خَيْرًا وَنَنْبِذُ لَوْ خَيْرًا وَنُقَاتِلُ بِلَا نَبْذٍ لَوْ خَانَ مَلِكُهُمْ وَالْمُرْتَدِّينَ بِلَا مَالٍ فَإِنْ أُخِذَ لَمْ يُرَدَّ وَلَمْ نَبِعْ سِلَاحًا مِنْهُمْ وَلَمْ نَقْتُلْ مَنْ أَمَّنَهُ حُرٌّ أَوْ

صَحَّ وَنُبِذَ لَوْ شَرًّا وَبَطَلَ أَمَانُ ذِمِّيٍّ وَأَسِيرٍ وَتَاجِرٍ وَعَبْدٍ مَحْجُورٍ عَنِ الْقِتَالِ

ترجمہ: اور ہم کو قرآن اور عورت کو ایسے لشکر میں لے جانے سے منع کیا گیا ہے جس میں ان پر خوف ہو اور دغا اور غنیمت میں خیانت اور مثلہ کرنے اور عورت اور غیر مکلف اور شیخ فانی اور اندھے اور اپاہج کو قتل کرنے سے الا یہ کہ کوئی ان میں سے ذی رائے یا بادشاہ ہو۔ اور مشرک باپ کے قتل کرنے سے اور بیٹے کو چاہیے کہ وہ رک جائے تاکہ کوئی دوسرا اس کو مار ڈالے اور ہم ان سے صلح کریں گے اگرچہ بدلے مال ہو کر اس میں بہتری ہو اور صلح توڑ دیں گے اگر بہتر ہو اور ان سے صلح توڑے بغیر لڑیں گے اگر ان کا بادشاہ خیانت کرے اور مرتدین سے مال لئے بغیر صلح کر لیں گے اور اگر لے لیا گیا تو واپس نہ کیا جائے گا اور ان کے ہاتھ ہتھیار فروخت نہیں کریں گے اور ان سے نہیں لڑیں گے جس کو آزاد مرد یا عورت نے پناہ دی ہو اور صلح توڑ دیں گے اگر اس میں شر ہو اور ذمی قیدی تاجر اور لڑنے سے روکے گئے غلام کا امن باطل ہے۔

وَنُهِينَا عَنْ إِخْرَاجِ مُصْحَفٍ وَامْرَأَةٍ فِي سَرِيَّةٍ يُخَافُ عَلَيْهَا: جن چیزوں کی تعظیم واجب ہے اور ان کا تخلف اور بے ادبی حرام ہے قرآن کا دار الحرب میں لیجانا ممنوع ہے۔ چنانچہ قرآن کریم اور دیگر اسلامی کتب اور عورتوں کو ایسے چھوٹے سے لشکر میں ساتھ لیجانا ممنوع ہے جس کی سلامتی کا یقین نہ ہو کیونکہ رسول ﷺ نے دشمن کی سرزمین میں قرآن مجید کو لیکر سفر کرنے سے منع فرمایا۔ البتہ جب لشکر عظیم ہو اور ان کے محفوظ رہنے پر پورا اطمینان ہو تو قرآن مجید اور عورت ہمراہ لے کر جہاد کیلئے جانے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ ایسے موقع میں سلامتی کا گمان غالب ہے اور غالب کو متحقق کی طرح قرار دیا گیا ہے۔

وَغَدْرٍ وَغُلُولٍ وَمُثْلَةٍ: مسلمانوں کو اس سے بھی منع کیا گیا ہے کہ وہ عہد شکنی کریں اور مال غنیمت سے چوری کر کے غلول یعنی خیانت کریں اور مثلہ کریں کیونکہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: "نہ غلول کرو نہ غدر کرو اور نہ مثلہ کرو" غلول کا مطلب یہ ہے کہ مال غنیمت سے چوری کرنا اور غدر کا مطلب ہے خیانت اور نقض عہد اور مثلہ ناک، کان کاٹ کر شکل بگاڑ دینے کو کہتے ہیں اور آپ ﷺ نے جو عرنیین کا مثلہ کیا تھا، وہ منسوخ ہے۔

وَقَتْلِ امْرَأَةٍ وَغَيْرِ مُكَلَّفٍ وَشَيْخٍ فَانٍ وَأَعْمَى وَمُقْعَدٍ إِلَّا أَنْ يَكُونَ أَحَدُهُمْ ذَا رَأْيٍ فِي الْحَرْبِ أَوْ مَلِكًا: عورتوں، بچوں، پاگلوں، بوڑھوں، اندھوں یا اپاہجوں کو قتل کرنے سے منع کیا گیا ہے کیونکہ ہمیں ان کفار کے قتل کی اجازت ہے جو لڑنے کے قابل ہوں مگر مذکورہ لوگ جنگ کے قابل نہیں ہیں۔ ہاں ان مذکورہ افراد میں سے کوئی جنگی بصیرت رکھتا ہو یا بادشاہ ہو تو اس کا قتل جائز ہے۔

وَقَتْلِ أَبٍ مُشْرِكٍ وَلْيَأْبَ الِابْنُ لِيَقْتُلَهُ غَيْرُهُ: اور مشرک باپ کو قتل کرنے سے منع کیا گیا ہے اور اگر میدان میں باپ بیٹا مقابل آ جائے تو بیٹا خود قتل نہ کرے بلکہ اسے روکے رکھے حتی کہ کوئی دوسرا شخص اسے قتل کر دے کیونکہ جب دوسرے سے مقصد حاصل ہو سکتا ہے تو اسے مقام گناہ میں قدم رکھنے کی کیا ضرورت، البتہ اگر باپ اس کے قتل کا ارادہ کرے اور اس سے بچنے کی سوائے قتل کے کوئی صورت نہ بن سکے تو اس حالت میں کافر باپ کو قتل کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

باب الغنائم وقسمتها

مال غنیمت اور اس کی تقسیم کا بیان

مغنم اور غنیمت اس مال کو کہا جاتا ہے جو غازیوں کی قوت سے لڑائی کے ذریعہ کفار سے حاصل کیا جاتا ہے اور خراج، جزیہ وغیرہ جو بغیر لڑائی کے کفار سے حاصل ہو اسے فئی کہا جاتا ہے غنیمت کا پانچواں حصہ امام کی اختیار میں ہوتا ہے اور باقی چار حصے مجاہدین کا حق ہے جو آنے والی تفصیل کے مطابق ان میں تقسیم کئے جائیں گے اور فئی میں خمس نہیں ہوتا بلکہ یہ بیت المال میں جمع ہوگا اور حسب مصالح خرچ کیا جائیگا۔

مَا فَتَحَ الإِمَامُ عَنْوَةً قَسَمَ بَيْنَنَا أَوْ أَقَرَّ أَهْلَهَا وَوَضَعَ الْجِزْيَةَ وَالْخَرَاجَ وَقَتَلَ الأَسْرَى أَوِ اسْتَرَقَّ أَوْ تَرَكَ أَحْرَارًا ذِمَّةً لَنَا وَحَرُمَ رَدُّهُمْ إِلَى دَارِ الْحَرْبِ وَالْفِدَاءُ وَالْمَنُّ وَعَقْرُ مَوَاشٍ شَقَّ إِخْرَاجُهَا فَتُذْبَحُ وَتُحْرَقُ وَقِسْمَةُ الْغَنِيمَةِ فِي دَارِهِمْ لَا لِلإِيدَاعِ وَبَيْعُهَا قَبْلَهَا وَشَرِكَ الرِّدْءُ وَالْمَدَدُ فِيهَا لَا السُّوقِيُّ بِلَا قِتَالٍ وَلَا مَنْ مَاتَ فِيهَا وَبَعْدَ الإِحْرَازِ بِدَارِنَا يُورَثُ نَصِيبُهُ.

ترجمہ: جس شہر کو امام قہراً فتح کرے تو اس کو ہمارے درمیان تقسیم کرے یا اس کے باشندوں کو برقرار رکھے اور جزیہ اور خراج مقرر کرے اور قیدیوں کو قتل کرے یا غلام بنالے یا انہیں آزاد چھوڑ دے ہمارا ذمی بنا کر اور ان کو دار الحرب واپس کرنا حرام ہے اور فدیہ لینا اور احسان کرنا اور ان مویشیوں کی کونچیں کاٹ دی جائیں جن کا نکالنا مشکل ہو حرام ہے بلکہ ان کو ذبح کر کے جلا دیا جائے اور دار الحرب میں مال غنیمت کو تقسیم کرنا نہ کہ امانت رکھنے کی غرض سے اور اس تقسیم سے قبل فروخت کرنا بھی حرام ہے اور معین اور مددگار مال غنیمت میں شریک ہوں گے نہ کہ بازاری لوگ بغیر قتال کے اور وہ جو دار الحرب میں مر جائے اور دار الاسلام میں آنے کے بعد اس کا حصہ وارثوں کو دیا جائیگا۔

ما فتح الإمام عنوة قسم بيننا أو أقر أهلها ووضع الجزية والخراج: جو شہر بزور قوت فتح ہو تو حاکم اسلام اسے مسلمانوں کے درمیان تقسیم کردے جس طرح رسول اللہ ﷺ نے خیبر میں کیا تھا اور اگر چاہے تو وہاں کے لوگوں کو اس پر برقرار رکھے اور ان پر جزیہ اور خراج مقرر کردے جس طرح حضرت عمرؓ نے صحابہؓ کے اتفاق سے سواد عراق میں کیا تھا "جزیہ" بکسر الجیم اس ٹیکس کو کہتے ہیں جو امام کفار کے شخصوں پر ماہانہ یا سالانہ مقرر کرتا ہے اور "خراج" خا کے فتح کے ساتھ اس لگان کو کہتے ہیں جو ان کے زمینوں پر مقرر کیا جائے یہ تفصیل غیر منقول جائیداد میں ہے لیکن منقول مال کی صورت میں ان پر احسان کرتے ہوئے واپس دینا جائز نہیں کیونکہ شریعت میں اس قسم کی اجازت وارد نہیں ہے۔

وقتل الأسرى أو استرق أو ترك أحرارا ذمة لنا: قیدیوں کے بارے میں امام کو اختیار ہے چاہے تو ان کو قتل کرے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے قتل کیا تھا۔ اور اگر چاہے تو انہیں غلام بنائے کیونکہ اس سے ان کا شر وفساد دور ہو جائیگا اور مسلمانوں کیلئے منافع کی کثرت ہوگی اور اگر چاہے تو انہیں آزاد کر کے مسلمانوں کا ذمی بنا دے۔

قیدیوں کو دارالحرب کی طرف لوٹانے کا حکم

وَحَرُمَ رَدُّهُمْ إِلَى دَارِ الْحَرْبِ وَالْفِدَاءُ وَالْمَنُّ : قیدیوں کو دارالحرب کی طرف لوٹانا ناجائز نہیں کیونکہ اس میں کفار کو مسلمانوں کے خلاف تقویت دینا ہے اور یہ بھی جائز نہیں کہ ان قیدیوں کو مفت احسان کرتے ہوئے چھوڑ دے یا فدیہ لے کر چھوڑ دے "منّ" یہ ہے کہ کافر قیدی کو کچھ مال لئے بغیر چھوڑ دیا جائے اور "فداء" یہ ہے کہ مال لے کر اس کو چھوڑ دیا جائے یا مسلمان قیدی کے بدلہ میں چھوڑ جائے اور مسلمان قیدی کے بدلہ میں بھی امام صاحبؒ کے نزدیک چھوڑنا جائز نہیں البتہ صاحبینؒ کے نزدیک جائز ہے اور امام صاحبؒ سے بھی ایک روایت یہی ہے اور امام طحاویؒ نے اسی کو امام صاحبؒ کا مذہب قرار دیا ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔

وَعَقْرُ مَوَاشٍ شَقَّ إِخْرَاجُهَا فَتُذْبَحُ وَتُحْرَقُ: اور جن مویشیوں کو دارالاسلام میں لانا مشکل ہو ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ دینا حرام ہے بلکہ ان جانوروں کو ذبح کرکے ان کو جلا دیا جائے تاکہ کفار ان سے فائدہ نہ اٹھا سکیں اور ہاتھ پاؤں کاٹنا اس لئے حرام ہے کیونکہ اس سے مثلہ لازم آتا ہے جو حرام ہے۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ انہیں چھوڑ دیں۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے بکری کے ذبح کرنے سے منع فرمایا جب تک کہ اس کا کھانا مقصود نہ ہو، ہم کہتے ہیں کہ صحیح غرض کیلئے حیوان کا ذبح کرنا جائز ہے اور دشمن کی قوت کو کمزور کرنے سے بڑھ کر اور کیا غرض صحیح ہو سکتی ہے؟۔

مال غنیمت کو دارالحرب میں تقسیم کرنا جائز نہیں ہے

وَقِسْمَةُ الْغَنِيمَةِ فِي دَارِهِمْ لَا لِلْإِيدَاعِ وَبَيْعُهَا قَبْلَهَا وَشَرِكَ الرِّدْءُ وَالْمَدَدُ فِيهَا لَا السُّوقِيُّ بِلَا قِتَالٍ:
غنیمت کے مال کو دارالحرب میں تقسیم کرنا اور تقسیم سے پہلے اسے فروخت کرنا بھی حرام ہے، ہاں امانت کے طور پر غازیوں کے حوالے کر دینا حرام نہیں ہے اور جو لوگ غازیوں کی کمک اور مدد کیلئے پہنچیں وہ بھی غنیمت میں برابر کے شریک ہوں گے اگرچہ اس کمک کو لڑنے کا اتفاق نہ ہوا ہو۔ اور امام شافعیؒ کے نزدیک تقسیم اور فروخت کرنا جائز ہے کیونکہ ان کے ہاں اس میں اول قاعدہ یہ ہے کہ دارالحرب میں کفار کی شکست سے مجاہدین کی ملکیت ثابت ہو جاتی ہے اور آنے والے مسائل اسی اصل پر مبنی ہیں۔ سوقی سوق کی طرف نسبت ہے۔ یعنی بازاری یعنی جو شخص لشکر اسلام کے ساتھ بغرض تجارت ہو وہ غنیمت میں حصہ دار نہیں ہوگا۔ البتہ اگر وہ بھی لڑائی میں شریک ہو جائے تو اس کو غنیمت کا حصہ ملے گا کیونکہ وہ قتال کی نیت سے دارالحرب میں داخل نہیں ہوا اس لئے کہ اس کے حق میں سبب ظاہر کا اعتبار نہ ہوگا بلکہ حقیقی سبب یعنی قتال میں شرکت کا اعتبار ہوگا اور حضرت عمرؓ کے قول سے یہی مراد ہے۔

وَلَا لِمَنْ مَاتَ فِيهَا وَبَعْدَ الْإِحْرَازِ بِدَارِنَا يُورَثُ نَصِيبُهُ : اور مجاہدین میں سے جو شخص دارالحرب میں وفات پائے اس کا غنیمت میں کوئی حصہ نہیں ہوگا اور امام شافعیؒ کے نزدیک حصہ ہوگا جیسا کہ گزر چکا۔ اور جو شخص مال غنیمت کے دارالاسلام میں آنے کے بعد فوت ہو اس کا حصہ اس کے ورثاء کو ملے گا، کیونکہ ملک میں وراثت کا اجراء ہوتا ہے لیکن مال غنیمت کے دارالاسلام

قبضہ میں ہے البتہ امام شافعیؒ کا اختلاف ہے۔ اور اس کا لوٹنے والا غلام بھی مملوک نہیں ہوگا کیونکہ اپنے آقا کی مخالفت کرکے اس کی تبعیت سے نکل گیا۔

فَصْلٌ فِي كَيْفِيَّةِ الْقِسْمَةِ

تقسیم کی کیفیت کا بیان

لِلرَّاجِلِ سَهْمٌ وَلِلْفَارِسِ سَهْمَانِ وَلَوْ لَهُ فَرَسَانِ وَالْبَرَاذِينُ كَالْعِتَاقِ لَا الرَّاحِلَةُ وَالْبَغْلُ وَالْعِبْرَةُ لِلْفَارِسِ وَالرَّاجِلِ عِنْدَ الْمُجَاوَزَةِ وَلِلْمَمْلُوكِ وَالْمَرْأَةِ وَالصَّبِيِّ وَالذِّمِّيِّ الرَّضْخُ لَا السَّهْمُ وَالْخُمُسُ لِلْيَتَامَى وَالْمَسَاكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ وَقُدِّمَ ذَوُو الْقُرْبَى الْفُقَرَاءُ مِنْهُمْ عَلَيْهِمْ وَلَا حَقَّ لِأَغْنِيَائِهِمْ وَسَهْمُ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَقَطَ بِمَوْتِهِ كَالصَّفِيِّ وَإِنْ دَخَلَ جَمْعٌ ذُو مَنَعَةٍ دَارَهُمْ بِلَا إِذْنٍ خُمِّسَ مَا أَخَذُوا وَإِلَّا لَا وَلِلْإِمَامِ أَنْ يُنَفِّلَ وَيُنَفَّلُ بَعْدَ الْإِحْرَازِ مِنَ الْخُمُسِ فَقَطْ وَالسَّلَبُ لِلْكُلِّ إِنْ لَمْ يُنَفَّلْ وَهُوَ مَرْكَبُهُ وَثِيَابُهُ وَسِلَاحُهُ وَمَا مَعَهُ

ترجمہ: پیدل کیلئے ایک حصہ ہے اور سوار کیلئے دو حصے ہیں اگرچہ اس کے پاس دو گھوڑے ہوں اور ترکی گھوڑا عربی گھوڑے کی مانند ہے نہ کہ اونٹ اور خچر اور اعتبار سوار ہونے میں سرحد سے گزرنے کے وقت کا ہے اور غلام، عورت، بچے اور ذمی کیلئے تھوڑا سا عطیہ ہے نہ کہ پورا حصہ اور خمس یتامیٰ، مساکین اور مسافروں کیلئے ہے اور ان میں سے قرابت دار فقراء کو ان پر مقدم کیا جائیگا اور جو ان میں سے مالدار ہوں ان کا کوئی حق نہیں اور اللہ تعالیٰ کا ذکر صرف تبرک کیلئے ہے اور نبی کریم ﷺ کا حصہ آپ کی وفات کے سبب ختم ہوگیا جیسے صفی ختم ہوگیا۔

فارس اور راجل کیلئے کتنے حصے ہیں

لِلرَّاجِلِ سَهْمٌ وَلِلْفَارِسِ سَهْمَانِ: حکم غنیمت پر تو سب کا اتفاق ہے کہ گھوڑے کا باقاعدہ حصہ مال غنیمت میں ہوتا ہے لیکن اس کی مقدار میں اختلاف ہے۔ امام صاحبؒ کے نزدیک فرس کیلئے سہم واحد ہے لہٰذا فارس کے دو حصے ہوں گے ایک اس کا اور ایک اس کے فرس کا اور ائمہ ثلاثہؒ اور صاحبینؒ کے نزدیک فرس کیلئے دو سہم ہیں لہٰذا فرس اور فارس دونوں کو کل تین حصے ہوئے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے سوار کو تین حصے دیئے اور پیدل کو ایک حصہ اور امام صاحبؒ ابن عباسؓ کی روایت سے استدلال کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے سوار کو دو حصے اور پیدل کو ایک حصہ دیا۔ دوسری بات یہ ہے کہ سوار نے کس قدر کام کیا اور پیدل نے کس طرح اور دونوں کی کارکردگی میں کتنا فرق تھا اس کا صحیح طور پر علم نہیں ہو سکتا تو حکم کا مدار سبب ظاہر پر ہوگا اور سوار کے دو سبب ہیں۔ اپنی جان اور گھوڑا اور پیدل کا ایک سبب۔ تو سوار کا حق پیدل سے دگنا ہوگا۔ اور صاحبینؒ وغیرہ نے جو حدیث ذکر کی ہے اس میں یہ بھی احتمال ہے کہ تین میں سے ایک سہم بطور تنفیل کے ہو۔

وَلَوْ لَهُ فَرَسَانِ: صرف ایک گھوڑے کا حصہ دیا جائیگا۔ امام صاحبؒ کے نزدیک دو گھوڑوں کا حصہ دیا جائیگا۔ طرفین کی دلیل یہ

صفی کی تعریف

ص کے فتح اور ف کے کسرہ کے ساتھ اسے کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ غنیمت میں سے کچھ چن لیتے پسند فرماتے تھے خواہ زرہ ہو یا گھوڑا یا لونڈی ہو۔ جیسا کہ خیبر کی غنیمت میں سے آپ ﷺ نے صفیہ بنت حیی بن اخطب کو پسند فرمایا تھا۔ اور بدر کی غنیمت میں سے ذوالفقار نامی تلوار پسند فرمائی تھی لیکن نبی کریم ﷺ کی وفات سے یہ حق ختم ہوگیا بالاجماع آپ ﷺ کے بعد حاکموں کیلئے یہ حق نہیں مانا گیا ہے۔

> وَإِنْ دَخَلَ جَمْعٌ ذُو مَنَعَةٍ دَارَهُمْ بِلَا إِذْنٍ خُمِّسَ مَا أَخَذُوا وَإِلَّا لَا وَلِلْإِمَامِ أَنْ يُنَفِّلَ وَيُنَفِّلُ بَعْدَ الْإِحْرَازِ مِنَ الْخُمُسِ فَقَطْ وَالسَّلَبُ لِلْكُلِّ إِنْ لَمْ يُنَفِّلْ وَهُوَ مَرْكَبُهُ وَثِيَابُهُ وَسِلَاحُهُ وَمَا مَعَهُ۔

ترجمہ: اگر کوئی طاقتور جماعت دارالحرب میں اجازت کے بغیر داخل ہوئی تو جو کچھ وہ لائیں اس کا خمس لیا جائے ورنہ نہیں، اور امام کو اختیار ہے تنفیل کا اعلان کریں مثلاً یوں کہے کہ جو کسی کافر کو قتل کریگا اس کا سارا سامان اسی کو ملیگا۔ لشکر کی رہنمائی کی وجہ سے کہے کہ میں نے تمہارے لئے خمس کے بعد چوتھائی مقرر کردی اور جمع کرنے کے بعد وہ صرف خمس ہی سے دیا جائیگا اور مقتول کا سارا سامان سب کیلئے ہوگا اگر امام نے تنفیل کا اعلان نہ کیا ہو اور سلب مقتول کی سواری اس کے کپڑے اور ہتھیار اور جو مال جو اس کے ساتھ ہوں۔

وَإِنْ دَخَلَ جَمْعٌ ذُو مَنَعَةٍ دَارَهُمْ بِلَا إِذْنٍ خُمِّسَ مَا أَخَذُوا وَإِلَّا لَا: اگر کوئی طاقتور جماعت امام کی اجازت کے بغیر دارالحرب میں داخل ہوئی اور ان پر حملہ کرکے مال غنیمت لے آئی تو ان سے خمس لیا جائیگا لیکن اگر وہ جماعت طاقتور نہ ہو اور امام کی اجازت کے بغیر گئی ہو تو خمس نہیں لیا جائیگا، اس لئے کہ خمس غنیمت سے لیا جاتا ہے اور غنیمت وہ مال ہے جو کفار سے قہر اور غلبہ کے ذریعہ لیا جائے۔ اور یہ غلبہ اور قہر لشکر کے ذریعہ ہوتا ہے۔ اب اگر داخل ہونے والوں میں لشکری قوت نہ ہو لیکن امام کی اجازت سے حملے کئے ہوں تو خمس لیا جائیگا کیونکہ جب اس نے اجازت دیدی ہے تو ان کی نصرت و مدد بھی اس کی ذمہ داری میں سے ہے جیسے ان جماعت کی مدد کرنی امام پر ضروری ہے۔ جو اگرچہ بلا اجازت حملہ آور ہوئی ہے مگر اس میں قوت دفاع ہے تاکہ دین و ملت کی رسوائی نہ ہو۔ لہذا امام کی پشت پناہی حاصل کرنے کی بناء پر غارت گری کرنے والوں کو چور اور لٹیرا قرار نہیں دیا جائیگا۔ بلکہ اس طرح زبردستی حاصل شدہ مال، مال غنیمت شمار ہوگا۔

تنفیل میں امام کو اختیار ہے

وَلِلْإِمَامِ أَنْ يُنَفِّلَ: امام کو اختیار ہے کہ وہ کفار کے ساتھ جنگ کے وقت تنفیل کا اعلان کرے تاکہ انہیں خوب لڑنے پر آمادہ کیا جائے مثلاً یوں کہے جو کسی کو قتل کرے گا اس کا سارا سامان بطور نفل اسی کی ملکیت ہوگی یا چھوٹے دستے کو کہے کہ خمس نکالنے کے بعد ایک چوتھائی تمہیں بطور نفل دونگا کیونکہ لڑنے پر آمادہ کرنا مستحب ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِينَ عَلَى الْقِتَالِ۔ اور یہ تنفیل بھی ترغیب کی ایک قسم ہے۔ اور یُنَفِّلُ یہ مضارع کا صیغہ ہے نفل زائد کو کہتے ہیں

چنانچہ تطوع کو نفل کہا جاتا ہے اور امام جب غازی کو اس کے حصے سے زائد کچھ عطا کرے تو اسے نفل کہتے ہیں الغرض تنفیل بھی تقسیم غنائم کی ایک قسم ہے البتہ اس کا کوئی مقرر ضابطہ نہیں بلکہ یہ امام کی رائے پر موقوف ہے۔

وینفل بعد الاحراز من الخمس فقط: مال غنیمت جمع کر کے دار الاسلام میں آنے کے بعد امام خمس میں سے نفل دے سکتا ہے اس لئے کہ اس میں غانمین کا حق نہیں ہے۔ امام جس طریقے سے چاہے تصرف کر سکتا ہے اور اس میں مساکین وغیرہ کے حق کا ابطال یا نقصان لازم نہیں آتا، کیونکہ اصناف ثلاثہ مصارف خمس ہیں اس کا کوئی لازمی حق نہیں ہے۔ چنانچہ امام کو اس کی بھی اجازت ہے کہ ایک ہی صنف پر تقسیم کرے۔

والسلب للکل ان لم ینفل: اور امام قاتل کو بطور نفل دیے جانے کا اعلان نہ کرے تو مقتول کا سامان سب مجاہدین میں تقسیم کیا جائیگا، ور امام شافعیؒ کے نزدیک مقتول کا سامان ہر قاتل کو ملے گا، بشرطیکہ اگر قاتل حصہ پانے کا مستحق ہو۔ یعنی مجنون یا صبی نہ ہو۔ اور اس حال میں قتل کیا ہو کہ وہ بھی حملہ آور تھا۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے جو شخص کسی کافر کو قتل کرے تو وہی اس کے اسباب کا حقدار ہے۔ اور ہمارے نزدیک یہ حدیث اس صورت پر محمول ہے جبکہ امام نفل کا اعلان کرے، یہ شرعی ضابطہ نہیں کہ وہ ہر حال میں مستحق ہوگا۔

وهو مركبه وثيابه وسلاحه وما معه: سلب سے مراد مقتول کی سواری، بدن کا لباس، اسلحہ، انگوٹھی اور کمربند وغیرہ ہوں، نیز اس کی سواری پر جو ہو، چاندی اور زین، تھیلے اور ان کے اندر جو کچھ سامان ہو وہ سب اس میں داخل ہے، البتہ جو مال اس کے غلام اور دوسرے چوپائے پر ہو کہ جس پر وہ سوار نہیں تو وہ سلب میں داخل نہیں ہوگا۔

بَابُ اسْتِيلَاءِ الْكُفَّارِ

کفار سے غلبہ کا بیان

استیلاء الکفار میں اضافت مفعول کی طرف نہیں، بلکہ فاعل کی طرف ہے مصنفؒ جب کفار پر مسلمانوں کے غلبہ کے مسائل بیان کرنے سے فارغ ہو چکے تو مسلمانوں پر کفار کے غلبے کے احکام اور اسی طرح کفار کے باہمی ایک دوسرے پر تسلط کے مسائل بیان کررہے ہیں۔

سَبَى التُّرْكُ الرُّومَ وَأَخَذُوا أَمْوَالَهُمْ مَلَكُوهَا وَمَلَكْنَا مَا نَجِدُهُ مِنْ ذٰلِكَ إِنْ غَلَبْنَا عَلَيْهِمْ وَإِنْ غَلَبُوْا عَلٰى أَمْوَالِنَا وَأَحْرَزُوْهَا وَإِنْ غَلَبْنَا عَلَيْهِمْ فَمَنْ وَجَدَ مِلْكَهُ قَبْلَ الْقِسْمَةِ أَخَذَهُ مَجَّانًا وَبَعْدَهَا بِالْقِيْمَةِ وَبِالثَّمَنِ لَوِ اشْتَرَاهُ تَاجِرٌ مِنْهُمْ وَإِنْ فَقَأَ عَيْنَهُ وَأَخَذَ أَرْشَهُ فَإِنْ تَكَرَّرَ الْأَسْرُ وَالشِّرَاءُ أَخَذَهُ الْأَوَّلُ مِنَ الثَّانِيْ بِثَمَنِهِ ثُمَّ الْقَدِيْمُ بِالثَّمَنَيْنِ

کسی نے بھی پھوڑ دی ہو اور اس تاجر نے اس آنکھ کا معاوضہ بھی لے لیا ہے کیونکہ اوصاف کے مقابلے میں کوئی قیمت نہیں ہوتی۔

فإن تكرر الأسر والشراء أخذه الأول من الثاني بثمنه ثم القديم بالثمنين : اگر قید ہونا اور خریدنا دو دفعہ ہو جائے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ مثلاً کافر زید کے غلام کو پکڑ لے گئے اور عمر نے ان سے سو روپے دیکر خرید لایا پھر دوبارہ اس غلام کو پکڑ کر لے گئے اب بکر نے ان سے سو روپے کے بدلے میں خریدا تو پہلے آقا کو یہ اختیار نہیں کہ وہ بکر سے قیمت کے عوض لے سکے کیونکہ دوسری مرتبہ قید کا واقعہ اس کی ملک میں نہیں ہوا البتہ عمر کو اختیار ہے کہ وہ بکر کو قیمت دیکر خرید لے، کیونکہ قید کا واقعہ عمر کی ملک میں ہوا اگر قدیم مالک چاہے تو دو ہزار درہم دے کر لے سکتا ہے کیونکہ غلام پر دو قیمتیں صرف ہو چکی ہیں اور مالک اول دو ثمن ادا کرنے کے بعد مستحق ہوگا۔

وَلَا يَمْلِكُوْنَ حُرَّنَا وَمُدَبَّرَنَا وَأُمَّ وَلَدِنَا وَمُكَاتَبَنَا وَنَمْلِكُ عَلَيْهِمْ جَمِيْعَ ذٰلِكَ وَإِنْ نَدَّ إِلَيْهِمْ جَمَلٌ فَأَخَذُوْهُ مَلَكُوْهُ وَإِنْ أَبَقَ إِلَيْهِمْ قِنٌّ لَا وَلَوْ أَبَقَ بِفَرَسٍ وَمَتَاعٍ فَاشْتَرٰى رَجُلٌ كُلَّهُ مِنْهُمْ أَخَذَ الْعَبْدَ مَجَّانًا وَغَيْرَهُ بِالثَّمَنِ وَإِنِ ابْتَاعَ مُسْتَأْمَنٌ عَبْدًا مُؤْمِنًا وَأَدْخَلَهُ دَارَهُمْ أَوْ أَمِنَ عَبْدٌ ثَمَّةَ فَجَاءَنَا أَوْ ظَهَرْنَا عَلَيْهِمْ عَتَقَ

ترجمہ: اور کافر مالک نہ ہوں گے ہمارے آزاد، مدبر، ام ولد اور مکاتبوں کے اور ہم ان کے سب لوگوں کے مالک ہو جائیں گے اگر کوئی اونٹ ان کے یہاں بھاگ گیا اور انہوں نے پکڑ لیا تو مالک ہو جائیں گے۔ اگر کوئی غلام ان کے یہاں بھاگ گیا تو مالک نہ ہوں گے۔ اگر غلام گھوڑے اور اسباب کے ساتھ بھاگ گیا اور کوئی شخص ان سے خرید لے آیا تو غلام کو مفت اور اسباب کو قیمت کے ساتھ لے سکتا ہے اگر کوئی مستامن کسی مومن غلام کو خرید کر اپنے ملک میں لے جائے یا کوئی غلام حربی مسلمان ہو کر ہمارے پاس آ جائے یا ہم ان پر غالب ہو جائیں تو غلام آزاد ہو جائے گا۔

کفار ہمارے آزاد، مدبر، ام ولد اور مکاتبوں کے مالک نہیں بنیں گے

وَلَا يَمْلِكُوْنَ حُرَّنَا وَمُدَبَّرَنَا وَأُمَّ وَلَدِنَا وَمُكَاتَبَنَا وَنَمْلِكُ عَلَيْهِمْ جَمِيْعَ ذٰلِكَ : اور اہل حرب ہم پر غلبہ حاصل کر کے ہمارے آزاد، مدبر، ام ولد اور مکاتبوں کے مالک نہیں بن سکتے کیونکہ آزاد آدمی بذات خود معصوم و محترم ہے اور مدبر بھی بذات خود محترم ہے کیونکہ ان میں من وجہ حریت ثابت ہو چکی ہے بخلاف کفار کے گردنوں کے کیونکہ ان کی عصمت و احترام کو شریعت نے ان کے جرم کفر کی وجہ سے ساقط کر دیا ہے اور ان کو غلامی کا مستحق قرار دیا ہے۔

وَإِنْ نَدَّ إِلَيْهِمْ جَمَلٌ فَأَخَذُوْهُ مَلَكُوْهُ : اگر ہمارا اونٹ دار الحرب کی طرف بھاگ جائے اور کفار اسے پکڑ لیں تو اس کے مالک بن جائیں گے کیونکہ ان کا استیلاء متحقق ہو چکا ہے اور حیوانات کو کوئی اپنا ذاتی اختیار نہیں ہوتا جو دار الاسلام سے نکلنے پر ظاہر ہو اور اگر حربیوں کے پاس ہمارا غلام گھوڑا اور سامان لے کر بھاگ جائے اور مشرک ان سب پر قبضہ کر لیں اور کوئی شخص مشرکین سے یہ سب کچھ خرید کر دار الاسلام میں لے آئیں تو آقا غلام کو بغیر معاوضے کے لے لے گا اور گھوڑا اور سامان قیمت سے لے گا۔

وَإِنْ أَبَقَ إِلَيْهِمْ قِنٌّ لَا: اور اگر ہمارا کوئی غلام بھاگ کے دار الحرب چلا جائے اور وہ اسے پکڑ لیں تو امام صاحبؒ کے نزدیک وہ ان کے مالک نہیں ہوں گے اس کا قدیم مالک غلام کو معاوضے کے بغیر لینے کا مستحق ہوگا خواہ مال غنیمت میں آ جائے یا کوئی مسلمان ان سے خرید کر لائیں، دار الاسلام سے نکلنے کی وجہ سے اسے اپنے نفس پر اپنا قبضہ حاصل ہو گیا پہلے اس کا ذاتی اختیار اس کیلئے معدوم تھا کہ اس پر مولیٰ کا اختیار متحقق ہوتا ہے تاکہ آقا کو اس سے انتفاع ممکن ہو اور جب دار الحرب میں جانے سے آقا کا قبضہ جاتا رہا تو اسے خود اپنے نفس پر اختیار حاصل ہو گیا تو وہ معصوم محترم بن گیا اور ملک کا محل نہیں رہا۔

وَلَوْ أَبَقَ بِفَرَسٍ وَمَتَاعٍ فَاشْتَرَى رَجُلٌ كُلَّهُ مِنْهُمْ أَخَذَ الْعَبْدَ مَجَّانًا وَغَيْرَهُ بِالثَّمَنِ: اگر کوئی غلام ایک گھوڑا اور کچھ سامان لے کر بھاگ گیا اور وہاں کفار نے اسے پکڑ لیا اور ان سے یہ سب کا سب ایک تاجر خرید کر دار الاسلام میں لے آیا تو اب اصل مالک اپنے غلام کو مفت لے لیگا اور باقی گھوڑا اور اسباب قیمت دیکر لے گا کیونکہ گھوڑے اور اسباب کے جب کفار مالک ہو گئے اب اگر لے تو قیمت دے کر لے بخلاف غلام کے اس کے کفار مالک ہی نہیں ہوئے تھے گویا اس کی چیز اس کی اجازت کے بغیر بیچ دی گئی لہذا اب یہ اپنی چیز لے سکتا ہے۔

وَإِنِ ابْتَاعَ مُسْتَأْمَنٌ عَبْدًا مُؤْمِنًا وَأَدْخَلَهُ دَارَهُمْ أَوْ أَمِنَ عَبْدٌ ثَمَّةَ فَجَاءَنَا أَوْ ظَهَرْنَا عَلَيْهِمْ عَتَقَ: اور اگر کسی مستامن نے دار الاسلام میں مسلمان غلام خرید کر دار الحرب لے گیا تو امام صاحبؒ کے نزدیک وہ غلام آزاد ہو جائیگا کیونکہ مسلمان کو کافر کی ذلت سے رہائی دلانا واجب ہے تو شرط حق جاتی رہی تو علت حق آزادی کے قائم مقام قرار دیا جائیگا جب نبی کریم ﷺ نے طائف کا محاصرہ کیا تو ان کے غلاموں سے ابو بکرہ نفیع وغیرہ مسلمان ہو کر لشکر اسلام کی طرف نکل آئے تو آپ ﷺ نے ان کی آزادی کا فیصلہ فرمایا اور فرمایا کہ یہ اللہ تعالیٰ کے آزاد کردہ ہیں۔

بَابُ الْمُسْتَأْمَنِ

امان حاصل کرنے والے کا بیان

دَخَلَ تَاجِرُنَا ثَمَّةَ حَرُمَ تَعَرُّضُهُ لِشَيْءٍ مِنْهُمْ فَلَوْ أَخْرَجَ شَيْئًا مَلَكَهُ مِلْكًا مَحْظُورًا فَيَتَصَدَّقُ بِهِ فَإِنْ أَدَانَهُ حَرْبِيٌّ أَوْ أَدَانَ حَرْبِيًّا أَوْ غَصَبَ أَحَدُهُمَا صَاحِبَهُ وَخَرَجَ إِلَيْنَا لَمْ يُقْضَ بِشَيْءٍ وَكَذَلِكَ لَوْ كَانَا حَرْبِيَّيْنِ وَفَعَلَا ذَلِكَ ثُمَّ اسْتَأْمَنَا وَإِنْ خَرَجَا مُسْلِمَيْنِ قُضِيَ بِالدَّيْنِ بَيْنَهُمَا لَا بِالْغَصْبِ مُسْلِمَانِ مُسْتَأْمَنَانِ قَتَلَ أَحَدُهُمَا صَاحِبَهُ تَجِبُ الدِّيَةُ فِي مَالِهِ وَالْكَفَّارَةُ فِي الْخَطَأِ وَلَا شَيْءَ فِي الْأَسِيرَيْنِ سِوَى الْكَفَّارَةِ فِي الْخَطَأِ كَقَتْلِ مُسْلِمٍ مُسْلِمًا أَسْلَمَ ثَمَّةَ.

ترجمہ: دار الحرب میں ہمارا تاجر وہاں گیا تو ان کیلئے ان کی چیز سے تعرض کرنا حرام ہے پس اگر وہ کوئی چیز لے آئے تو بطریق ممنوع اس کا مالک ہو

مستامن کو کتنی مدت ٹھہرنے کی اجازت ہے

ولا یمکّن مستأمن فینا سنۃ وقیل لہ إن أقمت سنۃ وضع علیک الجزیۃ فإن مکث سنۃ فھو ذمی فلم یترک أن یرجع إلیھم: مستامن کو یہ موقع نہیں دیا جائیگا کہ وہ سال بھر اقامت کرے اور امام اسے آگاہ کردے کہ اگر تو سال بھر رہا تو میں تجھ پر جزیہ لگادوں گا اس بارے میں اصل قانون یہ ہے کہ حربی کو ہمارے ملک میں دائمی اقامت کا اختیار نہیں ہوتا مگر یہ کہ اسے غلام بنالیا جائے یا اس پر جزیہ عائد کردیا جائے کیونکہ اس قدر طویل قیام سے کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ جاسوسی کے فرائض سرانجام دینے لگے اور ہمارے خلاف مددگار ثابت ہو جس سے مسلمانوں کو ضرر لاحق ہونے کا خدشہ ہے کیونکہ اگر تھوڑی مدت کیلئے بھی منع کردیں تو تجارت کی راہیں مسدود ہو جاتی ہیں اور مدت قلیل و کثیر میں تمیز کرنے کیلئے ایک سال کا وقت مقرر کیا گیا ہے پھر متنبہ کرنے کے بعد وہ سال بھر رکا رہا تو ذمی بن جائیگا پھر اسے دار الحرب کی طرف نہیں جانے دیا جائیگا کیونکہ عقد ذمہ نہیں توڑا جاتا اور اسے کیوں جانے دیا جائے کیونکہ اس کے چلے جانے سے ایک تو جزیہ میں کمی آتی ہے اور دوسرا اس کی اولاد ہمارے خلاف جنگ میں حصہ لینے والی ہوگی اس سے مسلمانوں کو ضرر پہنچنے کا احتمال ہے۔

کما لو وضع علیہ الخراج: جیسے کوئی مستامن دار الاسلام میں زمین خریدے اور اس پر خراج مقرر کیا جائے تو وہ مستامن ذمی ہو جائیگا کیونکہ جب اس نے خراج دینے کو قبول کرلیا تو گویا اس نے دار الاسلام میں سکونت کا اختیار کرلیا اور جو کوئی دار الاسلام میں سکونت اختیار کرے وہ ذمی ہو جاتا ہے البتہ محض زمین خریدنے سے وہ ذمی نہ ہوگا زمین بسا اوقات بغرض تجارت خریدی جاتی ہے۔

مستامنہ عورت نے ذمی سے نکاح کیا تو وہ ذمیہ بن جائیگی

أو نکحت ذمیا لا عکسہ: مستامنہ عورت نے ذمی سے نکاح کیا تو وہ ذمیہ بن جائیگی اور اس کے برعکس میں نہیں یعنی اگر مستامن مرد دار الاسلام میں کسی ذمیہ سے نکاح کرے تو یہ نکاح کرنے والا ذمی نہ ہوگا کیونکہ اس کیلئے تو ہر وقت اس کا امکان ہے کہ بیوی کو طلاق دیکر وطن واپس چلا جائے بخلاف پہلی صورت کے کہ وہ عورت نکاح کرکے شوہر کی تابع ہوگئی تو اب وہ اپنے اختیار سے نکل نہیں سکتی۔

فإن رجع إلیھم ولہ ودیعۃ عند مسلم أو ذمی أو دین علیھما حل دمہ فإن أسر أو ظھر علیھم فقتل سقط دینہ: اگر مستامن دار الحرب کو لوٹ جائے اور دار الاسلام میں کوئی امانت کسی مسلمان یا ذمی کے پاس چھوڑ جائے یا ان کے ذمہ اس کا قرض ہو تو واپس جانے سے اس کا خون مباح ہو جائیگا کیونکہ واپس جاکر اس نے امان باطل کردی ہے۔ پس اگر وہ گرفتار کرلیا گیا یا دار الحرب پر مسلمانوں کے غلبے کے وقت وہ قتل ہوگیا تو اس کے دیے ہوئے قرضے ساقط ہوگئے کیونکہ دین صرف معنوی لحاظ سے گویا اس کے ہاتھ میں ہے کیونکہ اس کا قبضہ تب ثابت ہوتا ہے جب وہ مطالبہ کرتا لیکن اب مطالبے کی کوئی صورت نہیں تو مقروض کا قبضہ بہ نسبت دوسرے مسلمانوں کے قبضے سے پہلے کا ہے لہذا یہ اس کے ساتھ خاص ہوگا۔

وَعَقَارُهُ وَوَدِيعَتُهُ فَيْئًا: اور وہ جو مال بھی کسی مسلمان یا ذمی کے پاس بطور امانت ہوگا وہ فئی بن جائیگا کیونکہ مال تقدیری طور پر اس کے قبضہ میں ہے کیونکہ امانت دار کا قبضہ گویا امانت رکھنے والے کا قبضہ ہے اس لئے اس کی ذات کی طرح تبعاً اس کا مال بھی فئی ہو جائیگا۔

وَإِنْ قُتِلَ وَلَمْ يَظْهَرْ عَلَيْهِمْ أَوْ مَاتَ فَقَرْضُهُ وَوَدِيعَتُهُ لِوَرَثَتِهِ: اگر حربی قتل ہو جائے لیکن مسلمان دارالحرب پر غالب نہ آئے ہوں یا وہ مر جائے تو قرض اور امانت کے مالک اس کے وارث ہوں گے کیونکہ اس کی ذات غنیمت میں داخل نہیں ہوئی اسی طرح اس کا مال بھی غنیمت شمار نہیں ہوگا۔

وَإِنْ جَاءَنَا حَرْبِيٌّ بِأَمَانٍ وَلَهُ زَوْجَةٌ ثَمَّةَ وَوَلَدٌ وَمَالٌ عِنْدَ مُسْلِمٍ وَذِمِّيٍّ وَحَرْبِيٍّ فَأَسْلَمَ هُنَا ثُمَّ ظُهِرَ عَلَيْهِمْ فَالْكُلُّ فَيْءٌ وَإِنْ أَسْلَمَ ثَمَّةَ فَجَاءَنَا فَظُهِرَ عَلَيْهِمْ فَوَلَدُهُ الصَّغِيرُ حُرٌّ مُسْلِمٌ وَمَا أَوْدَعَهُ عِنْدَ مُسْلِمٍ أَوْ ذِمِّيٍّ فَهُوَ لَهُ وَغَيْرُهُ فَيْءٌ وَمَنْ قَتَلَ مُسْلِمًا خَطَأً لَا وَلِيَّ لَهُ أَوْ حَرْبِيًّا جَاءَنَا بِأَمَانٍ فَأَسْلَمَ فَدِيَتُهُ عَلَى عَاقِلَتِهِ لِلْإِمَامِ وَفِي الْعَمْدِ الْقَتْلُ أَوِ الدِّيَةُ لَا الْعَفْوُ

ترجمہ: ایک حربی امن لیکر ہمارے پاس آیا اور دارالحرب میں اس کی بیوی بچے اور کچھ مال کسی ذمی یا مسلمان یا حربی کے پاس ہے پھر وہ یہاں مسلمان ہو گیا پھر ہم نے ان پر غلبہ حاصل کر لیا تو کل اشیا غنیمت ہو گئیں پس اگر وہاں مسلمان ہو کر پھر ہمارے یہاں آیا اور کافروں پر غلبہ حاصل ہو گیا تو اس کا چھوٹا بچہ آزاد مسلمان ہوگا اور جو مال اس نے کسی مسلمان یا ذمی کے پاس امانت رکھا ہو وہ اسی کا ہے اور اس کے علاوہ سب غنیمت ہے اور جو شخص خطاً کسی ایسے مسلمان کو مار ڈالے جس کا کوئی ولی نہ ہو یا کسی ایسے کافر کو مار ڈالے جو امن لیکر ہمارے یہاں آگیا تب وہ مسلمان ہو گیا تھا تو اس کی دیت عاقلہ پر ہے اور اگر قصداً مار ڈالا تو اس میں قصاص یا دیت ہے معاف نہ کرے۔

وَإِنْ جَاءَنَا حَرْبِيٌّ بِأَمَانٍ وَلَهُ زَوْجَةٌ ثَمَّةَ وَوَلَدٌ وَمَالٌ عِنْدَ مُسْلِمٍ وَذِمِّيٍّ وَحَرْبِيٍّ فَأَسْلَمَ هُنَا ثُمَّ ظُهِرَ عَلَيْهِمْ

فَالْكُلُّ فَيْءٌ وَإِنْ أَسْلَمَ ثَمَّةَ فَجَاءَنَا فَظُهِرَ عَلَيْهِمْ فَوَلَدُهُ الصَّغِيرُ حُرٌّ مُسْلِمٌ وَمَا أَوْدَعَهُ عِنْدَ مُسْلِمٍ أَوْ ذِمِّيٍّ

فَهُوَ لَهُ وَغَيْرُهُ فَيْءٌ: اور اگر کوئی حربی امن لیکر دارالاسلام میں آیا اور دارالحرب میں اس کی بیوی اور بچے اور کوئی مال بطور امانت کسی مسلمان یا ذمی یا حربی کے پاس ہے اور وہ یہاں آ کر مسلمان ہو گیا اور اس کے بعد ان کافروں پر غلبہ ہو گیا تو یہ سب چیزیں فئی ہو جائیں گی کیونکہ بیوی اور بڑی اولاد کا حکم تو ظاہر ہے کیونکہ وہ تو اہل حرب ہیں اور ان کے تابع نہیں اس کی بیوی اگر حاملہ ہے تو اس کے تابع ہو کر بچہ بھی اس کے حکم میں ہوگا باقی رہ گئے اس کے نابالغ چھوٹے بچے یہ تو باپ کے تابع ہو کر اس وقت مسلمان سمجھے جاتے ہیں جبکہ وہ اس کے قبضہ میں ہوں اور اختلاف دارین کی وجہ سے یہ بات متحقق نہیں۔ اسی طرح جان دار کی وجہ سے جان کی عصمت کے تابع ہو کر مال کی عصمت حاصل نہیں ہوگی تو یہ سب کچھ فئی میں داخل ہوگا اور آپ ﷺ کا فرمان:

عصموا دماءهم وأموالهم۔ ان چیزوں پر محمول ہے جو کہ اس کے قبضہ میں ہو۔

زندہ کر لیا گیا تو اس کے قریب کا اعتبار ہوگا اور بصرہ عشری ہے اور قابل زراعت زمین میں ایک جریب کا خراج ایک صاع اور درہم ہے اور ترکاری کی زمین میں ایک جریب کا خراج پانچ درہم ہے اور انگور اور کھجور کے متصل درختوں والی زمین میں ایک جریب کا خراج دس درہم ہے اور اگر زمین مقرر کردہ مقدار کی متحمل نہ ہو تو محصول کم کر دیا جائے بخلاف زیادتی کے اور خراج نہیں ہے اگر زمین پر پانی غالب ہو جائے یا پانی منقطع ہو جائے یا کھیتی کو کوئی آفت پہنچ جائے اور اگر اس کا مالک اس کو بیکار کردے یا وہ مسلمان ہو جائے یا کوئی مسلمان خراجی زمین خرید لے تو خراج واجب ہوگا اور خراجی زمین کی پیداوار میں عشر نہیں۔

عشری اور خراجی زمینوں کی تعیین

وَأَرْضُ الْعَرَبِ وَمَا أَسْلَمَ أَهْلُهُ أَوْ فُتِحَ عَنْوَةً وَقُسِمَ بَيْنَ الْغَانِمِينَ عُشْرِيَّةٌ : تمام سرزمین عرب عشری ہے عرب کی زمین سے مراد مقام عزیب سے یمن میں مہرہ کے آخری پتھروں تک طول ہے اور عرض میں یبرہ کے ریگستان سے حد شام تک ہے عرب کی زمین کی پیداوار پر صرف عشر واجب ہونے کی وجہ یہ ہے کہ آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے خلفاء سے یہ ثابت نہیں کہ انہوں نے کبھی عرب کی زمین سے خراج وصول کیا ہو۔ اور اس کا سبب یہ ہے کہ عرب کے حق میں اور سوائے اسلام یا قتل کے سوا کوئی بات قبول نہیں ان کے اشخاص پر جزیہ عائد نہیں ہوتا اس لئے ان کی زمینوں پر بھی خراج عائد نہ ہوگا اس لئے کہ زمین کا خراج آدمی کے خراج کی طرح ہوتا ہے تو ان میں سے جو مسلمان ہو گئے ان کی زمین عشری بن کر ان کے قبضہ میں رہے گی۔ اور ہر وہ زمین جس کے باشندے اسلام لے آئیں یا اسے قوت سے فتح کیا جائے اور مجاہدین میں تقسیم کر دی جائے تو یہ عشری زمین ہوگی کیونکہ اس میں ضابطہ یہ ہے کہ ابتداءً مسلمان پر خراج مقرر نہیں ہوتا اس کی زمین کا اصل وظیفہ عشر ہے خراج کافروں کے ساتھ مختص ہے اور عشر ابتداءً مسلمان پر مقرر ہوتا ہے اس لئے کہ اس میں عبادت کے معنی پائے جاتے ہیں۔

وَالسَّوَادُ وَمَا فُتِحَ عَنْوَةً وَأُقِرَّ أَهْلُهَا عَلَيْهِ أَوْ فُتِحَ صُلْحًا خَرَاجِيَّةٌ : اور سواد عراق کی زمین خراجی ہے اور وہ عزیب سے عقبہ حلوان تک عرضاً اور طول میں ثعلب سے بعض نے علث سے کہا ہے عبادان تک ہے کیونکہ جب حضرت عمرؓ نے سواد عراق کو فتح کیا تو حضرات صحابہ کرامؓ کی موجودگی میں اس سرزمین پر خراج عائد کیا گیا اور ہر وہ زمین جو قوت و غلبہ سے فتح کی جائے لیکن وہاں کے لوگوں کی ملکیت ان پر برقرار رکھی جائے یا ان لوگوں سے صلح کر لی جائے تو وہ زمین خراجی ہوگی۔ کیونکہ ابتداءً کافر کے حق میں خراج ہی زیادہ مناسب ہے۔

وَلَوْ أَحْيَا أَرْضًا مَوَاتًا يُعْتَبَرُ قُرْبُهُ وَالْبَصْرَةُ عُشْرِيَّةٌ : جس مردہ زمین کو زندہ کیا یعنی غیر مزروعہ زمین کو مزروعہ بنا لیا پس اگر وہ خراجی زمین کے متصل ہے تو یہ خراجی ہوگی اگر عشری زمین کے قرب و جوار میں ہے تو یہ عشری ہوگی کیونکہ کسی چیز کے قرب و جوار پر وہی حکم ہوتا ہے جو اس چیز پر ہوتا ہے جیسے گھر کے آس پاس کی جگہ گھر کا حکم رکھتی ہے حتی کہ گھر کے مالک کیلئے فنا ء دار سے نفع حاصل کرنا جائز ہوتا ہے اور بصرہ کی ساری زمین عشری ہے اور قیاس کا تقاضا تھا کہ بصری کی زمینیں خراجی ہوتیں کیونکہ وہ خراجی علاقہ کی اراضی ہیں مگر حضرات صحابہ کرامؓ نے ان پر عشر مقرر کیا تو ان کے اجماع کے باعث قیاس ترک کر دیا گیا۔

وَخَرَاجُ جَرِيْبٍ صَلُحَ لِلزَّرْعِ صَاعٌ وَدِرْهَمٌ وَفِيْ جَرِيْبِ الرَّطْبَةِ خَمْسَةُ دَرَاهِمَ وَفِيْ جَرِيْبِ الْكَرْمِ وَالنَّخْلِ الْمُتَّصِلِ عَشَرَةُ دَرَاهِمَ: جس زمین میں پانی پہنچتا ہو اور زراعت کے قابل ہو اس پر ایک قفیز ہاشمی یعنی ایک صاع اور ایک درہم ہے اور ہر جریب رطبہ پر پانچ درہم ہیں رطبہ سے مراد کھیرا ککڑی خربوزہ اور بینگن وغیرہ ہیں اور ہر جریب انگور پر جو متصل ہوں اور اسی طرح ہر جریب خرمہ پر جو متصل ہوں یعنی درمیان میں کوئی کھیت نہ ہو دس درہم ہیں حضرت عمرؓ سے اسی طرح منقول ہے کیونکہ مختلف اقسام کی پیداوار کی محنت ومشقت بھی متفاوت ہوتی ہے اور غلوں کی پیداوار پر محنت اور اخراجات زیادہ ہوتے ہیں اور سبزیوں کی مشقت بین بین ہوتی ہے اور انگور پر سب سے کم محنت صرف ہوتی ہے محصولات بھی محنت و اخراجات کے متفاوت ہونے سے متفاوت ہو جاتے ہیں اور اناج اور انگور میں سب سے زیادہ لگان مقرر کیا گیا ہے۔

جریب کی مقدار

ماخو ہاتھ ساٹھ ذراع کا ہوتا ہے اور ذراع سے مراد یہاں ذراع مساحت ہے جو تقریبا اٹھارہ انچ (ڈیڑھ فٹ) کا ہوتا ہے تو اس حساب سے جریب کا کل رقبہ نو (۹۰۰) مربع گز بنتا ہے اور مرلہ کے حساب سے تیس مرلے (۳۰) بنتے ہیں

وَإِنْ لَمْ تُطِقْ مَا وُظِّفَ نُقِصَ بِخِلَافِ الزِّيَادَةِ: اگر زمین میں محصول کی مقررہ مقدار ادا کرنے کی طاقت نہ ہو یعنی جب زمین کی قوت پیداوار کے مطابق اس پر خراج عائد کیا جائے پھر زمین کی پیداوار کم ہو جائے تو خراج بھی کم ہو جائیگا اور اگر پیداوار بڑھ جائے تو خراج زیادہ نہیں ہوگا کیونکہ حضرت عمرؓ سے ثابت ہے کہ جب انہیں زمین کی قوت بڑھ جانے کی خبر دی گئی تو انہوں نے خراج میں اضافہ نہیں کیا۔

وَلَا خَرَاجَ إِنْ غَلَبَ عَلَى أَرْضِهِ الْمَاءُ أَوِ انْقَطَعَ أَوْ أَصَابَ الزَّرْعَ آفَةٌ: اگر خراجی زمین پر پانی چڑھ آئے یا پانی کا سلسلہ منقطع ہو جائے یا کسی آفت کی وجہ سے پیداوار ضائع ہو جائے تو اس پر خراج نہ ہوگا کیونکہ امکان زراعت کی بناء پر خراج واجب ہوتا ہے زراعت سے نفع حاصل کرنا ممکن نہ رہا تو خراج بھی واجب نہیں ہوگا۔

وَإِنْ عَطَّلَهَا صَاحِبُهَا أَوْ أَسْلَمَ أَوِ اشْتَرَى مُسْلِمٌ أَرْضَ خَرَاجٍ يَجِبُ: اگر زمین کا مالک اسے معطل چھوڑ دے تو اس پر خراج واجب ہوگا اس مسئلہ میں اصل یہ ہے کہ عشر میں حقیقی نمو کا اعتبار ہے اور خراج میں تقدیری نمو کا تو مالک جب قابل زراعت زمین کو خود خالی چھوڑ دے اور کھیتی نہ کرے تو عشر لازم نہیں ہوگا لیکن خراج لازم ہوگا اس لئے زمین میں صلاحیت موجود تھی اور امکان زراعت اسی کی بناء پر خراج اس کے ذمہ واجب ہے اور یہ چیز یہاں موجود ہے یا اہل خراج میں سے کوئی اسلام لے آئے یا کوئی مسلمان خراجی زمین خرید لے تو ان دونوں سے بھی خراج ہی لیا جاتا ہے کیونکہ خراج میں مشقت اور اخراجات ہیں تو مسلمان پر اس کا باقی رکھنا ممکن ہے اگرچہ ابتداء مسلمان پر خراج نہیں لگایا جا سکتا۔

وَلَا عُشْرَ فِيْ خَارِجِ أَرْضِ الْخَرَاجِ: خراجی زمین کی پیداوار میں عشر نہیں ہوتا بلکہ خراج ہی ادا کیا جاتا ہے امام شافعی

کفر کی سزا کے طور پر واجب ہوتی ہے اس وجہ سے اس کو جزیہ کہا جاتا ہے اور کفر کی سزا موت کے بعد قائم نہیں رہتی۔

وَلَا تُحْدَثُ بِيعَةٌ وَلَا كَنِيسَةٌ فِي دَارِنَا: دار الاسلام میں نئے سرے سے بیعہ یا کنیسہ بنانے کی اجازت نہیں دی جائے گی کیونکہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ اسلام میں نہ تو خصی ہوتا ہے اور نہ کنیسہ ہے اس سے مراد یہ ہے کہ نئے سرے سے تعمیر کی اجازت نہیں ہوگی اگر پرانا بیعہ یا کنیسہ منہدم ہو جائے تو اس کی تعمیر نو کر سکتے ہیں۔

وَيُعَادُ الْمُنْهَدِمُ مِنَ الْكَنَائِسِ وَالْبِيَعِ الْقَدِيمَةِ: اس سے اس طرف اشارہ ہے کہ منہدم شدہ عمارت کو پہلے کی طرح بنا سکتے ہیں البتہ اس پر زیادتی یا اضافہ نہیں کر سکتے چنانچہ اگر وہ پہلی حالت سے زیادہ خوبصورت اور شاندار بنانا چاہیں تو انہیں اجازت نہیں دی جائے گی اسی طرح اگر امام مصلحت سے گرا دے تو بھی دوبارہ بنانے کی اجازت نہیں ہوگی اور اگر وہ خود ہی اسے گرا دیں تو دوبارہ بنانے کی اجازت ہے۔

ذمیوں کو وضع قطع میں ممتاز رہنے کا حکم دیا جائیگا

وَيُمَيَّزُ الذِّمِّيُّ عَنَّا فِي الزِّيِّ وَالْمَرْكَبِ وَالسَّرْجِ فَلَا يَرْكَبُ خَيْلًا وَلَا يَعْمَلُ بِالسِّلَاحِ: اور ذمیوں کیلئے ضروری ہے کہ وہ اپنا لباس، سواری، زین وغیرہ میں مسلمانوں سے الگ اور ممتاز ہوں پس نہ تو گھوڑے کی سواری کریں اور نہ ہی ہتھیار لگا کر چلیں اور زی بکسر زاء اور تشدید یاء کے ساتھ ہیئت اور شکل کو کہتے ہیں یہاں مراد لباس ہے چنانچہ انہیں پگڑی وغیرہ جو علماء و شرفاء کا لباس ہے تو اس سے بھی منع کیا جائیگا۔

وَيُظْهِرُ الْكُسْتِيجَ وَيَرْكَبُ سَرْجًا كَالْإِكَافِ: اور ضروری ہے کہ علامت کی طور پر کستیج کو ظاہر کریں یعنی اس دھاگے کو جو اون کا انگلی برابر موٹا ہوتا ہے جسے ذمی اپنے کمر میں باندھتے ہیں۔ جبکہ زنار اس سے مختلف ہوتا ہے۔

وَلَا يُنْتَقَضُ عَهْدُهُ بِالْإِبَاءِ عَنِ الْجِزْيَةِ وَالزِّنَا بِمُسْلِمَةٍ وَقَتْلِ مُسْلِمٍ وَسَبِّ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَلْ بِاللِّحَاقِ ثَمَّةَ أَوْ بِالْغَلَبَةِ عَلَى مَوْضِعٍ لِلْحِرَابِ وَصَارُوا كَالْمُرْتَدَّةِ وَيُؤْخَذُ مِنْ تَغْلِبِيٍّ وَتَغْلِبِيَّةٍ ضِعْفُ زَكَاتِنَا وَمَوْلَاهُ كَمَوْلَى الْقُرَشِيِّ وَالْجِزْيَةُ وَالْخَرَاجُ وَمَالُ التَّغْلِبِيِّ وَهَدِيَّةُ أَهْلِ الْحَرْبِ وَمَا أَخَذْنَا مِنْهُمْ بِلَا قِتَالٍ يُصْرَفُ فِي مَصَالِحِنَا كَسَدِّ الثُّغُورِ وَبِنَاءِ الْقَنَاطِرِ وَالْجُسُورِ وَكِفَايَةِ الْقُضَاةِ وَالْعُلَمَاءِ وَالْمُقَاتِلَةِ وَذَرَارِيهِمْ وَمَنْ مَاتَ فِي نِصْفِ السَّنَةِ حُرِمَ عَنِ الْعَطَاءِ

ترجمہ: اور جزیہ سے انکار کرنے مسلمان عورت کے ساتھ زنا کرنے مسلمان کو قتل کرنے اور نبی اکرم ﷺ کی شان میں بدگوئی کرنے سے اس کا عہد ذمہ نہیں ٹوٹتا بلکہ دار الحرب چلے جانے یا لڑائی کی تیاری کیلئے کسی جگہ پر غالب آ جانے سے ٹوٹتا ہے اور ان چیزوں سے وہ مرتدین کی مانند ہو جاتے ہیں اور تغلبی مرد و عورت سے جو بالغ ہو ہماری زکوۃ سے دوگنا لیا جائیگا اور ان کا آزاد کردہ غلام قریشیوں کے آزاد کردہ غلام کی طرح ہے خراج جزیہ اور تغلبی کا مال اور کافروں کا ہدیہ اور جو مال ہم ان سے بلا قتال حاصل کریں اس کو ہماری بہتری میں

اسلام سے ارتداد اختیار کرے تو اس پر اسلام پیش کیا جائیگا اور اگر اسے کوئی شک وشبہ ہو تو اسے دور کرنے کی کوشش کی جائیگی اور اس کے شکوک دور کرنے کے دو طریقے ہیں (نقلی دلائل یا عقلی) جن سے بہتر طریقہ یہ ہے کہ اسے اسلام کے بارے میں پیدا شدہ شبہات کا صحیح حل بتایا جائے اور اسلام کی حقانیت اس پر واضح کی جائے لیکن اسلام پیش کرنا واجب نہیں ہے کیونکہ ایک بار اسے دعوت اسلام پہنچ چکی ہے اور اسے تین دن تک محبوس رکھا جائیگا اگر اسلام قبول کرے تو بہت اچھا ہے ورنہ اسے قتل کر دیا جائیگا کیونکہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو اپنے دین یعنی اسلام کو بدل ڈالے اس کو قتل کر دو اس لئے کہ وہ حربی کافر ہے اور اس کو دعوت اسلام پہنچ چکی ہے۔

وَإِسْلَامُهُ أَنْ يَتَبَرَّأَ عَنِ الْأَدْيَانِ سِوَى الْإِسْلَامِ أَوْ عَمَّا انْتَقَلَ إِلَيْهِ: اور اس کے اسلام لانے اور توبہ کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ کلمہ شہادتین کی ادائیگی کے بعد اسلام کے سوا باقی تمام مذاہب سے بیزاری کا اعلان کرے کیونکہ اس کا کوئی دین نہیں ہے یا اس نے جو دین اختیار کیا ہے اگر اس سے بیزاری کا اعلان کرے تو بھی کافی ہے کیونکہ اس سے بھی مقصد حاصل ہو جاتا ہے۔

اسلام پیش کرنے سے پہلے اسے قتل کرنا مکروہ ہے

وَكُرِهَ قَتْلُهُ قَبْلَهُ وَلَمْ يَضْمَنْ قَاتِلُهُ: اور اسلام پیش کرنے سے پہلے سے قتل کرنا مکروہ ہے، کراہت سے مراد ترک استحباب ہے اور قاتل پر دیت یا قصاص کچھ بھی واجب نہ ہوگا اور ضمان اس لئے واجب نہیں کہ کفر قتل کو مباح کرتا ہے اور دعوت کے پہنچ جانے کے بعد اسلام کا پیش کرنا واجب نہیں۔

وَلَا تُقْتَلُ الْمُرْتَدَّةُ: اگر عورت مرتدہ ہو جائے تو احناف کے ہاں اسے قتل نہیں کیا جائیگا بلکہ اسے قید میں رکھا جائیگا اور اس کے ساتھ ساتھ ترغیب و دعوت دی جاتی رہے گی اگر پھر بھی اسلام قبول نہیں کیا تو قید ہی میں رہنے دیا جائیگا یہاں تک کہ موت اس کا فیصلہ کرے۔ حضرات ائمہ ثلاثہ فرماتے ہیں کہ عورت مرتد ہو جائے تو اسے مرد کی طرح قتل کر دیا جائیگا کیونکہ نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے من بدل دينه فاقتلوه، اس میں کسی شخص کی تخصیص نہیں ہے لہذا یہ عموم حکم ہوگا دوسری دلیل یہ کہ خون کو مباح کرنے کا سبب کفر ہے جو کہ عورت میں پایا جا رہا ہے۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے عورتوں کے قتل سے منع فرمایا ہے دوسری بات یہ ہے کہ عورتوں سے جنگ کا خطرہ نہیں ہوتا کیونکہ وہ اپنی فطرت کے لحاظ سے صلاحیت جنگ سے محروم ہوتی ہیں بخلاف مردوں کے لہذا مرتدہ کافرہ اصلی کافرہ عورت کی طرح ہوگی۔

وَيَزُولُ مِلْكُ الْمُرْتَدِّ عَنْ مَالِهِ زَوَالًا مَوْقُوفًا فَإِنْ أَسْلَمَ عَادَ مِلْكُهُ: مرتد کے ارتداد کی بناء پر اس کا حق اس کے اموال سے زائل ہو جاتا ہے مگر یہ زوال موقوف ہوگا اگر دوبارہ اسلام لے آئے اس کی ملکیت بحال ہوگی کیونکہ وہ ارتداد کی وجہ سے حربی بن گیا ہے اس وجہ سے اس کا قتل جائز ہے یہاں اس کا تقاضا یہ ہے کہ اس کی ملک زائل ہو جائے البتہ اتنی بات ہے کہ اس پر جبر کر کے اسے اسلام کی دعوت دی جارہی ہے اور اسلام کی طرف اس کی واپسی کی توقع بھی ہے پس ہم نے اس کی ملکیت کے

زوال کے بارے میں توقف سے کام لیا اگر اسلام قبول کر لے تو یہی خیال کریں گے گویا عارضہ ارتداد ملکیت کے حق میں وقوع پذیر ہوا ہی نہیں۔

مرتد ہونے کی حالت میں مر گیا یا قتل کر دیا گیا تو اس کی کمائی کا حکم

وَإِنْ مَاتَ أَوْ قُتِلَ عَلَى رِدَّتِهِ وَرِثَ كَسْبَ إِسْلَامِهِ وَارِثُهُ الْمُسْلِمُ بَعْدَ قَضَاءِ دَيْنِ إِسْلَامِهِ وَكَسْبُ رِدَّتِهِ فَيْءٌ بَعْدَ قَضَاءِ دَيْنِ رِدَّتِهِ: اور اگر مرتد ہونے کی حالت میں مر گیا یا قتل کر دیا گیا تو اس کی جو کمائی اسلام کی حالت میں ہوگی تو وہ اسلامی حالت کا قرضہ اس کی طرف سے ادا کرنے کے بعد اس کے مسلمان وارث کو بطور ترکہ کے مل جائیگی اور جو اس کی کمائی مرتد ہونے کی حالت میں ہوئی تو وہ اس کی طرف سے مرتد ہونے کی حالت کا قرضہ ادا کرنے کے بعد مال غنیمت قرار دیکر بیت المال میں رکھ دیا جائیگی یہ ساری تفصیل امام صاحبؒ کے نزدیک ہے حضرات صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ دونوں قسم کی کمائی ورثاء کی ہوگی کیونکہ دونوں قسم کی کمائی میں اس کی ملکیت ارتداد کے بعد بھی باقی ہے اور یہ کہ ملکیت ارتداد سے کچھ پہلے وقت کی طرف مستند ہوگی کیونکہ مرتد ہونا اس کی موت کا سبب ہے تو مسلمان کا مسلمان ہی سے میراث پانا ہوا۔ اور امام شافعیؒ کے نزدیک دونوں قسم کی کمائی مال غنیمت ہوگی کیونکہ وہ کفر کی حالت میں مرا ہے اور مسلمان کافر کا وارث نہیں ہو کرتا۔ امام صاحبؒ کی دلیل یہ ہے کہ اسلام کی حالت میں کمائی کو اسلام کی طرف مستند کرنا کیونکہ ارتداد سے پہلے وہ کمائی موجود تھی لیکن ارتداد کی صورت میں کمائی کو اسلام کی طرف مستند کرنا ممکن نہیں کیونکہ مرتد ہونے سے پہلے وہ موجود نہ تھی اور مستند ہونے کیلئے شرط یہ ہے کہ اس وقت موجود ہو۔

وَإِنْ حُكِمَ بِلَحَاقِهِ عَتَقَ مُدَبَّرُهُ وَأُمُّ وَلَدِهِ وَحَلَّ دَيْنُهُ وَتَوَقَّفَ مُبَايَعَتُهُ وَعِتْقُهُ وَهِبَتُهُ فَإِنْ آمَنَ نَفَذَ وَإِنْ هَلَكَ بَطَلَ وَإِنْ عَادَ مُسْلِمًا بَعْدَ الْحُكْمِ بِلَحَاقِهِ فَمَا وَجَدَهُ فِي يَدِ وَارِثِهِ أَخَذَهُ وَإِلَّا لَا وَلَوْ وَلَدَتْ أَمَةٌ لَهُ نَصْرَانِيَّةٌ لِسِتَّةِ أَشْهُرٍ مُنْذُ ارْتَدَّ فَادَّعَاهُ فَهِيَ أُمُّ وَلَدِهِ وَهُوَ ابْنُهُ حُرٌّ وَلَا يَرِثُهُ وَلَوْ مُسْلِمَةً وَرِثَهُ الِابْنُ إِنْ مَاتَ عَلَى الرِّدَّةِ أَوْ لَحِقَ بِدَارِ الْحَرْبِ وَإِنْ لَحِقَ الْمُرْتَدُّ بِمَالِهِ فَظُهِرَ عَلَيْهِ فَهُوَ فَيْءٌ فَإِنْ رَجَعَ وَذَهَبَ بِمَالِهِ وَظُهِرَ عَلَيْهِ فَلِوَارِثِهِ وَإِنْ لَحِقَ فَقُضِيَ بِعَبْدِهِ لِابْنِهِ فَكَاتَبَهُ فَجَاءَ مُسْلِمًا فَالْمُكَاتَبَةُ وَالْوَلَاءُ لِمُوَرِّثِهِ:

ترجمہ: اور اگر حکم دیا گیا اس کے دار الحرب جانے کا تو اس کا مدبر اور اس کی ام ولد آزاد ہو جائیگی اور اس کا قرض بھی اسی وقت ادا کرنا ہوگا اور اس کا فروخت کرنا اور آزاد کرنا اور ہبہ کرنا موقوف ہوگا پس اگر وہ ایمان لے آئے تو نافذ ہوں گے ورنہ باطل ہوں گے اور اگر وہ مسلمان ہو کر آجائے دار الحرب جانے کے حکم کر دینے کے بعد تو جو کچھ وہ اپنے وارث کے پاس پائے اس کو لے لے ورنہ نہیں اور اگر اس کی نصرانی باندی نے اس کے مرتد ہونے کے وقت سے چھ ماہ کے اندر بچہ جنا اور مرتد نے اس کا دعویٰ کیا تو باندی اس کی ام ولد ہوگی اور بچہ اس کا بیٹا ہوگا آزاد مگر اس کا وارث نہ ہوگا اور اگر باندی مسلمان ہو تو بچہ وارث ہوگا اور اگر وہ ردت پر مر جائے یا دار الحرب میں جا ملے اور

اگر مرتد اپنے مال کے ساتھ دارالحرب چلا گیا پھر اس پر غلبہ حاصل ہو گیا تو وہ غنیمت ہوگا اور اگر دارالاسلام میں واپس ہو کر مال لے گیا پھر اس پر غلبہ حاصل ہو گیا تو اس کا مال اس کے ورثہ کا ہوگا اگر وہ دارالحرب چلا گیا اور اس کے بیٹے کیلئے اس کے غلام کا حکم کر دیا گیا اور پھر وہ مسلمان ہو کر آ گیا تو مکاتب اور بدل اس کے وارث کیلئے ہوگی۔

وإن حكم بلحاقه عتق مدبره وأم ولده وحل دينه وتوقف مبايعته وعتقه وهبته فإن أسلم نفذ وإن هلك بطل. اگر مرتد ہو کر دارالحرب کے ساتھ لاحق ہو گیا اور حاکم نے اس کے لاحق ہونے کا فیصلہ کر دیا تو اس کے مدبر غلام اور ام ولد باندی آزاد ہو جائیں گی اور اس پر جو قرض تھے وہ واجب الاداء ہو گئے اور جو کوئی مال فروخت کیا یا خرید کیا یا آزاد کیا یا ہبہ کیا یا اپنے مال میں جو بھی تصرفات کئے وہ موقوف ہوں گے اگر وہ دوبارہ اسلام لے آیا تو اس کے سب تصرفات صحیح ہوں گے لیکن اگر مر گیا یا قتل ہو گیا تو امام صاحبؒ کے نزدیک سارے تصرفات باطل ہو گئے حضرات صاحبینؒ فرماتے ہیں دونوں حالتوں میں اس کے کئے ہوئے تصرفات جائز ہوں گے۔

فائدہ اقسام تصرفات مرتد اور اس کا حکم

مرتد کے تصرفات کی کئی اقسام ہیں اول۔ جو تصرفات کہ بالاتفاق نافذ ہیں جیسے ام ولد بنانا اور طلاق دینا طلاق کی صورت یہ ہے کہ دونوں اکٹھے مرتد ہو جائیں اور زوجہ کو طلاق دیدے کیونکہ ایسے تصرف میں حقیقی ملک اور پوری ولایت کا ہونا ضروری نہیں دوم۔ وہ تصرف جو بالاتفاق باطل ہوتے ہیں جیسے کہ نکاح اور ذبیحہ کیونکہ یہ تصرف ملت و مذہب کی بناء پر ہوتا ہے اور اس کی کوئی ملت نہیں۔ سوم۔ وہ تصرف جو بالاتفاق موقوف ہیں جیسے کہ شرکت مفاوضہ کیونکہ اس کا مدار مساوات پر ہوتا ہے۔ چہارم۔ وہ تصرفات جن کے توقف میں اختلاف ہے اور یہ وہی امور ہیں جو متن میں مذکور ہیں۔

وإن عاد مسلما بعد الحكم بلحاقه فما وجده في يد وارثه أخذه وإلا لا: اگر کسی مرتد کے دارالحرب میں چلے جانے پر حاکم کی طرف سے حکم دیا جا چکا تھا اور پھر مسلمان ہو کر آ گیا تو وہ اپنے مال میں سے جو چیز اپنے وارثوں کے پاس پائے لے لے اور اگر ان کے پاس نہیں تو اب ان سے نہیں لے سکتا کیونکہ جب قاضی نے اس کے لحاق کا فیصلہ دیدیا تو اس کا مال وارثوں کی ملک بن گیا اب یہ مال قاضی کے فیصلے یا وارثین کی رضامندی ہی سے اس کو مل سکتا ہے اس کی مثال ایسی ہے کہ اگر بالفرض اللہ تعالیٰ نے کسی مردہ کو دوبارہ دنیا کی طرف لوٹا دیا تو اسے صرف وہ مال واپس لینے کا حق ہوگا جو وارثوں کے قبضہ میں موجود ہے۔

ولو ولدت أمة له نصرانية لستة أشهر منذ ارتد فادعاه فهي أم ولده وهو ابنه حر ولا يرثه: اگر دوسرے مرتد کی لونڈی عیسائی تھی اور اس کے مرتد ہونے کے وقت سے چھ مہینے میں یا اس سے زیادہ میں اس کے بچہ پیدا ہوا اور اس مرتد نے دعویٰ کیا کہ یہ بچہ میرا ہے تو وہ لونڈی اس کی ام ولد ہو جائیگی اور یہ بچہ اس کا بیٹا ہوگا اور آزاد قرار دیا جائیگا اور یہ بچہ اس مرتد کا وارث نہ ہوگا اس لئے کہ بچہ اس صورت میں باپ کے تابع نہیں ہوگا کیونکہ مرتد باپ کو قبول اسلام پر

مجبور کیا جائیگا تو ممکن ہے کہ جبر کرنے سے وہ مسلمان ہو جائے تو لڑکا اس کے اسلام کی وجہ سے مسلمان شمار ہوگا اور نصرانیہ عورت پر اسلام کے بارے میں جبر نہیں کیا جا سکتا ہے اور لڑکا ان کے تابع ہو تو وہ ہمیشہ کیلئے کافر رہے گا اس لئے اس صورت میں اس کا باپ کے تابع ہونا ماں کے تابع ہونے سے بہتر ہے کیونکہ اس کے ایمان کی توقع ہے اور جب اسے باپ کے تابع قرار دیا گیا تو وہ اب اس کا وارث نہ ہوگا اس لئے کہ مرتد مرتد کا وارث نہیں ہوتا۔

وَلَوْ مُسْلِمَةً وَرِثَهُ الِابْنُ إِنْ مَاتَ عَلَى الرِّدَّةِ أَوْ لَحِقَ بِدَارِ الْحَرْبِ : اگر لونڈی مسلمان تھی اور مرتد اپنے مرتد ہونے کی حالت میں مر گیا یا دارالحرب والوں میں جا ملا تو اب یہ بچہ اس کا وارث ہو جائیگا کیونکہ اب یہ بچہ اپنی مسلمان ماں کے تابع ہو کر مسلمان قرار دیا جائیگا اور مسلمان مرتد کا اس کی حالت اسلام کی کمائی کا وارث ہوتا ہے۔

وَإِنْ لَحِقَ الْمُرْتَدُّ بِمَالِهِ فَظُهِرَ عَلَيْهِ فَهُوَ فَيْءٌ فَإِنْ رَجَعَ وَذَهَبَ بِمَالِهِ وَظُهِرَ عَلَيْهِ فَلِوَارِثِهِ : اگر وہ مرتد مع اپنی مال کے دارالحرب میں جا بسا پھر مسلمان اس پر غالب ہوں تو وہاں مسلمانوں کیلئے مال غنیمت ہوگی کیونکہ اس میں وراثت کا اجراء نہیں ہوا اور اگر وہ مرتد پہلی مرتبہ بغیر مال کے دارالحرب میں چلا جائے اس کے بعد مسلمانوں کو اس پر غلبہ حاصل ہو جائے تو وہ مال غانمین میں تقسیم کرنے سے پہلے وارثین کو ملے گا کیونکہ قاضی نے جب اس کے دارالحرب میں مل جانے کا فیصلہ کر دیا تو وارثین بطور مالک قدیم کے ہو گئے اس لئے دوسروں پر ان کا حق مقدم ہوگا

وَإِنْ لَحِقَ فَقَضِيَ بِعَبْدِهِ لِابْنِهِ فَكَاتَبَهُ فَجَاءَ مُسْلِمًا فَالْمُكَاتَبَةُ وَالْوَلَاءُ لِمُوَرِّثِهِ: اگر مرتد دارالحرب سے لاحق ہو گیا اور دارالاسلام میں اس کا غلام تھا اس کا فیصلہ بیٹے کے حق میں کر دیا گیا اور بیٹے نے اسے مکاتب بنا دیا پھر مرتد مسلمان ہو کر آ گیا تو بدل کتابت اور ولاء کا حقدار وہ مرتد ہوگا جو مسلمان ہو کر آ گیا ہے کیونکہ مکاتب بنانا درست ہوا ہے۔ اس لئے کہ بیٹا باپ کا قائم مقام ہے اب جب باپ مسلمان ہو کر واپس آ گیا تو بیٹا باپ کی جانب سے بطور وکیل کے ہو گیا اور بدل کتابت اسی کو ملے گا اور اسی کی جانب سے آزادی واقع ہوگی چنانچہ وہ ولاء کا بھی مالک ہوگا۔

فَإِنْ قَتَلَ مُرْتَدٌّ رَجُلًا خَطَأً وَلَحِقَ أَوْ قُتِلَ فَالدِّيَةُ فِي كَسْبِ الْإِسْلَامِ وَلَوِ ارْتَدَّ بَعْدَ الْقَطْعِ عَمْدًا وَمَاتَ مِنْهُ أَوْ لَحِقَ وَجَاءَ مُسْلِمًا فَمَاتَ مِنْهُ ضَمِنَ الْقَاطِعُ نِصْفَ الدِّيَةِ فِي مَالِهِ لِوَرَثَتِهِ وَإِنْ لَمْ يَلْحَقْ وَأَسْلَمَ وَمَاتَ ضَمِنَ الدِّيَةَ وَلَوِ ارْتَدَّ مُكَاتَبٌ وَلَحِقَ وَأُخِذَ بِمَالِهِ وَقُتِلَ فَمُكَاتَبَتُهُ لِمَوْلَاهُ وَمَا بَقِيَ لِوَرَثَتِهِ وَلَوِ ارْتَدَّ الزَّوْجَانِ وَلَحِقَا فَوَلَدَتْ وَوُلِدَ لَهُ وَلَدٌ فَظُهِرَ عَلَيْهِمْ فَالْوَلَدَانِ فَيْءٌ وَيُجْبَرُ الْوَلَدُ عَلَى الْإِسْلَامِ لَا وَلَدُ الْوَلَدِ وَارْتِدَادُ الصَّبِيِّ الْعَاقِلِ صَحِيحٌ كَإِسْلَامِهِ وَيُجْبَرُ عَلَيْهِ وَلَا يُقْتَلُ.

ترجمہ: اگر مرتد کسی کو خطاءً قتل کر کے دارالحرب چلا جائے یا مارا جائے تو دیت اسلامی کمائی سے ادا ہوگی اور اگر عمداً ہاتھ کاٹے کے بعد مرتد ہو گیا اور وہ اس کی وجہ سے مر گیا یا دارالحرب چلا گیا اور مسلمان ہو کر آ گیا پھر اس کی وجہ سے مر گیا تو قاطع اپنے مال میں سے مرتد کے ورثہ کیلئے

نصف دیت کا ضامن ہوگا اور اگر وہ دار الحرب نہ جائے اور مسلمان ہو کر مر جائے تو قاطع کل دیت کا ضامن ہوگا، اگر مکاتب مرتد ہو کر دار الحرب چلا جائے اور مع مال گرفتار ہو جائے تو بدل کتابت اس کے آقا کا ہوگا اور باقی اس کے ورثہ کا، اگر زوجین مرتد ہو کر دار الحرب چلے گئے وہاں ان کے بچہ ہوا اور اس بچہ کا بھی بچہ ہو گیا اور سب پر غلبہ حاصل ہو گیا تو دونوں بچے تقسیم ہوں گے اور لڑکے کو اسلام پر مجبور کیا جائے گا پوتے کو مجبور نہ کیا جائے گا مرتد ہو تو کیا حکم ہے ہمیشہ یہی کہ اسلام لانا اور اسلام قبول کرنے پر مجبور کیا جائیگا لیکن قتل نہیں کیا جائیگا۔

مرتد کسی کو خطاءً قتل کر کے دار الحرب میں چلا جائے تو اس کا حکم

فَإِنْ قَتَلَ مُرْتَدٌ رَجُلًا خَطَأً وَلَحِقَ أَوْ قُتِلَ فَالدِّيَةُ فِي كَسْبِ الْإِسْلَامِ: اور اگر مرتد کسی کو خطاءً قتل کر دے اور دار الحرب میں چلا جائے یا قتل کر دیا جائے تو اس کی دیت مرتد کے مال میں سے ادا کی جائیگی اس لئے کہ دیت قاتل کے عاقلہ پر واجب نہیں ہوگی کیونکہ مرتد کے حق میں ان کی طرف سے نصرت متحقق نہیں تو لامحالہ اسی کے مال سے دی جائیگی اور امام صاحبؒ کے نزدیک اس کے اسلام کی حالت کی کمائی سے ادا ہوگی کیونکہ زمانہ ردت کی کمائی تو غنیمت ہے اور صاحبینؒ کے نزدیک دونوں حالتوں کی کمائی سے ادا کی جائیگی۔

وَلَوِ ارْتَدَّ بَعْدَ الْقَطْعِ عَمْدًا وَمَاتَ مِنْهُ أَوْ لَحِقَ وَجَاءَ مُسْلِمًا فَمَاتَ مِنْهُ ضَمِنَ الْقَاطِعُ نِصْفَ الدِّيَةِ فِي مَالِهِ لِوَرَثَتِهِ: اور اگر کوئی شخص کسی کا ہاتھ عمداً کاٹ دے پھر جس کا ہاتھ کاٹا گیا معوذ باللہ وہ مرتد ہو گیا اور اسی زخم میں مر جائے یا دار الحرب میں چلا جائے پھر وہاں مسلمان ہو کر واپس آ جائے اور اسی زخم میں مر جائے تو مرتد کے ورثاء کو ہاتھ کاٹنے والے کے مال سے نصف دیت دلائی جائیگی کیونکہ قطع اس وقت ہوا جبکہ محل قطع معصوم تھا اور اس کی اثر کی سرایت اس وقت ہوئی جبکہ محل غیر معصوم ہو گیا تو قطع یدکی جنایت کا اعتبار ہوگا سرایت کا اعتبار نہ ہوگا اس لئے نصف دیت واجب ہوگی اور دیت قاطع ہی کے مال میں اس لئے واجب ہوگی کیونکہ عمداً جنایت کا تاوان عاقلہ پر عائد نہیں ہوتا اور قصاص اس لئے واجب نہ ہوگا کہ ارتداد کی وجہ سے عصمت میں شبہ پیدا ہو گیا اور شبہ مانع قصاص ہے۔

وَإِنْ لَمْ يَلْحَقْ وَأَسْلَمَ وَمَاتَ ضَمِنَ الدِّيَةَ: اور اگر دار الاسلام میں ہی وہ مسلمان ہو جائے اور اسی زخم کے اثر سے مر جائے تو ہاتھ کاٹنے والا کل دیت کا ضامن ہوگا کیونکہ وہ ہاتھ کاٹے جانے کے وقت معصوم تھا اسی طرح اس کی سرایت سے مرنے کے وقت بھی معصوم تھا۔

وَلَوِ ارْتَدَّ مُكَاتَبٌ وَلَحِقَ وَأُخِذَ بِمَالِهِ وَقُتِلَ فَمُكَاتَبَتُهُ لِمَوْلَاهُ وَمَا بَقِيَ لِوَرَثَتِهِ: اگر مکاتب غلام مرتد ہو کر دار الحرب چلا جائے پھر اس مال سمیت پکڑ لیا جائے لیکن وہ اسلام لانے سے انکار کرے تو اسے قتل کر دیا جائیگا تو اس مال سے آقا کو بدل کتابت ادا کیا جائیگا۔ اور جو باقی بچے وہ مکاتب کے مسلمان ورثاء کا ہوگا کیونکہ مکاتب کتابت کی وجہ سے اپنی کمائی کا مالک ہوتا ہے اور کتابت چونکہ موت حقیقی سے باطل نہیں ہوتی اسی طرح موت حکمی یعنی ردت سے باطل نہیں ہوتی۔

وَلَوِ ارْتَدَّ الزَّوْجَانِ وَلَحِقَا فَوَلَدَتْ وَوُلِدَ لَهُ وَلَدٌ فَظُهِرَ عَلَيْهِمْ فَالْوَلَدَانِ فَيْءٌ وَيُجْبَرُ الْوَلَدُ عَلَى

الإسلام لا ولد الولد: اگر شوہر اور بیوی دونوں مرتد ہو کر دار الحرب سے چلے جائیں اور عورت دار الحرب میں حاملہ ہو جائے اور بچہ جنے اور پھر جب وہ بڑا ہوا اور اس کا بچہ پیدا ہو پھر ان سب پر غلبہ حاصل کر لیا جائے تو بیٹا اور پوتا دونوں مال غنیمت ہوں گے کیونکہ مرتدہ کو قتل نہیں کیا جاتا بلکہ غلام بنا دیا جاتا ہے اور اس کا بیٹا بھی اس کے تابع ہوگا کیونکہ رقیت اور حریت میں اولاد ماں کے تابع ہوتے ہیں البتہ پوتا کے بارے میں حکم مختلف ہے کیونکہ وہ تو دادا یا دادی کے تابع شمار نہیں ہوتا ہے اور نہ باپ کا کیونکہ وہ تو خود ہی تابع ہے اور جو خود تابع ہو تو وہ دوسرے کو اپنا تابع نہیں بنا سکتا تو اس کا حکم ہونا اس لحاظ سے ہے کہ دار الحرب میں پیدا ہو کر حربی کے حکم میں ہو گیا۔

جو لڑکا کچھ بوجھ رکھتا ہو اس کا مرتد ہونا اور اسلام لانا دونوں صحیح ہیں

وَارْتِدَادُ الصَّبِيِّ الْعَاقِلِ صَحِيحٌ كَإِسْلَامِهِ وَيُجْبَرُ عَلَيْهِ وَلَا يُقْتَلُ: اور جو لڑکا کچھ بوجھ رکھتا ہو اس کا مرتد ہونا اور اسلام لانا دونوں صحیح ہیں ایسے مرتد لڑکے کو اسلام قبول کرنے کیلئے مجبور کیا جائے لیکن اگر انکار کرے تو سے ہمارے نزدیک قتل نہیں کیا جائیگا اور امام شافعی اور امام زفر کے نزدیک نہ اس کا ارتداد صحیح ہے اور نہ اسلام اور ہماری دلیل یہ ہے کہ حضرت علیؓ بچپن میں اسلام لائے اور آنحضرت ﷺ نے ان کے اسلام لانے کو صحیح قرار دیا اور اس بچپنے کے اسلام لانے پر آپؓ کا افتخار مشہور و معروف ہے۔

بَابُ الْبُغَاةِ

باغیوں کا بیان

خَرَجَ قَوْمٌ مُسْلِمُونَ عَنْ طَاعَةِ الْإِمَامِ وَغَلَبُوا عَلَى بَلَدٍ دَعَاهُمْ إِلَيْهِ وَكَشَفَ شُبْهَتَهُمْ وَبَدَأَ بِقِتَالِهِمْ وَلَوْ لَهُمْ فِئَةٌ أُجْهِزَ عَلَى جَرِيحِهِمْ وَاتُّبِعَ مُوَلِّيهِمْ وَإِلَّا لَا وَلَمْ تُسْبَ ذُرِّيَّتُهُمْ وَحُبِسَ أَمْوَالُهُمْ حَتَّى يَتُوبُوا وَإِنِ احْتَاجَ قَاتَلَ بِسِلَاحِهِمْ وَخَيْلِهِمْ وَإِنْ قَتَلَ بَاغٍ مِثْلَهُ فَظَهَرَ عَلَيْهِمْ لَمْ يَجِبْ شَيْءٌ وَإِنْ غَلَبُوا عَلَى مِصْرٍ فَقَتَلَ مِصْرِيٌّ مِثْلَهُ فَظَهَرَ عَلَى الْمِصْرِ قُتِلَ بِهِ وَإِنْ قَتَلَ عَادِلٌ بَاغِيًا أَوْ قَتَلَهُ بَاغٍ وَقَالَ أَنَا عَلَى حَقٍّ وَرِثَهُ وَإِنْ قَالَ أَنَا عَلَى بَاطِلٍ لَا وَكُرِهَ بَيْعُ السِّلَاحِ مِنْ أَهْلِ الْفِتْنَةِ وَإِنْ لَمْ يَدْرِ أَنَّهُ مِنْهُمْ لَا:

ترجمہ: کچھ مسلمان امام کی اطاعت سے نکل جائیں اور کسی شہر پر غالب آجائیں تو امام ان کو اپنی اطاعت کیلئے بلائے اور ان کے شبہ دور کرے اور ان سے لڑائی شروع کرے اور اگر ان کی کوئی جماعت ہو تو ان کے زخمیوں کو قتل کر دیا جائے اور بھاگنے والوں کا پیچھا کیا جائے ورنہ نہیں اور ان کی اولاد کو قید نہ کرے اور ان کے مال کو روک لے یہاں تک کہ وہ توبہ کر لیں اور اگر ضرورت ہو تو ان کے ہتھیاروں

اور گھوڑوں کو کام میں لائے۔ اور ایک باغی دوسرے کو مار ڈالے پھر ان پر غلبہ حاصل ہو گیا تو کچھ واجب نہ ہوگا اور اگر باغی کسی شہر پر غالب آ گئے اور ایک شہری دوسرے شہری کو مار ڈالے پھر شہر پر غلبہ حاصل ہو گیا تو قاتل کو قتل کیا جائیگا اور اگر عادل باغی کو مار ڈالے یا باغی عادل کو مار ڈالے اور باغی کہے کہ میں حق پر ہوں تو قاتل وارث ہوگا اور اگر وہ کہے کہ میں باطل پر ہوں تو وارث نہ ہوگا اور اہل فتنہ کے ہاتھ ہتھیار فروخت کرنا مکروہ ہے اور اگر یہ معلوم نہ ہو کہ وہ اہل فتنہ میں سے ہیں تو مکروہ نہیں۔

خرج قوم مسلمون عن طاعة الإمام وغلبوا على بلد دعاهم إليه وكشف شبهتهم وبدأ بقتالهم: اگر مسلمانوں کی کوئی جماعت امام کی اطاعت سے نکل جائے اور کسی علاقے پر غالب آ جائیں تو امام انہیں اطاعت کی طرف بلائے اور ان کے شبہات زائل کرے کیونکہ حضرت علیؓ نے جنگ شروع کرنے سے پہلے حروراء والوں سے ایسے ہی کیا تھا کیونکہ ممکن ہے کہ افہام وتفہیم سے فتنے کا دروازہ بند ہو جائے لہذا دعوت سے ابتداء کرے جب تک باغی جنگ میں پہل نہ کریں امام جنگ کی ابتداء نہ کرے لیکن باغی اگر باقاعدہ لشکر کی صورت میں اجتماع کریں تو امام ان سے جنگ کی ابتداء کر سکتا ہے۔

باغیوں کی مددگار جماعت ہو تو ان کے زخمیوں کو قتل کیا جائے

ولو لهم فئة أجهز على جريحهم واتبع موليهم وإلا لا: اگر باغیوں کی مددگار جماعت ہو تو ان کے زخمیوں کو قتل کیا جائے اور ان کے بھاگنے والوں کا تعاقب کیا جائے تاکہ شر وفساد کا ازالہ ہو سکے ورنہ پھر باغی طاقت وقوت حاصل کر لیں گے اگر باغیوں کے ساتھ کوئی دوسری جماعت نہ ہو تو ان کے زخمیوں کو قتل نہ کیا جائے اور نہ ان کے بھاگنے والوں کا تعاقب کیونکہ اب اس کا اندیشہ نہیں کہ وہ اپنی جماعت سے مل کر قوت حاصل کرے گا اس لئے اب قتل کی ضرورت نہیں رہی اور بلا ضرورت مسلمان کو قتل نہیں کیا جا سکتا۔

ولم تسب ذريتهم وحبس أموالهم حتى يتوبوا وإن احتاج قاتل بسلاحهم وخيلهم: اور ان کے چھوٹے بچے اور ایسے ہی ان کی عورتوں کو قیدی نہیں بنائیں اس باب میں اصل وہ طریقہ کار ہے جو حضرت علیؓ نے باغیوں کے ساتھ مقابلہ کرتے ہوئے اختیار فرمایا اور ان کے مالوں کو روکے رکھیں گے یہاں تک کہ وہ توبہ کر لیں البتہ ان گھوڑوں اور ہتھیاروں کو اپنے لشکر میں تقسیم فرمایا اور یہ تقسیم ضرورت کے تحت تھی ان کی ملکیت میں دینے کیلئے نہیں تھی۔

وإن قتل باغ مثله فظهر عليهم لم يجب شيء: اور اگر باغی دوسرے باغی کو قتل کر دے پھر ان پر مسلمانوں کا قبضہ ہو جائے تو قاتل پر کچھ واجب نہیں ہوگا کیونکہ بوقت قتل امام برحق کی ولایت ان سے منقطع تھی۔

وإن غلبوا على مصر فقتل مصري مثله فظهر على المصر قتل به: اور باغی کسی شہر پر قبضہ کر لیں اور شہر والوں میں سے کوئی شہری دوسرے شہری کو مار ڈالے پھر وہ شہر فتح ہو تو شہری قاتل کو مقتول کے قصاص میں مارا جائیگا یہ حکم اس صورت میں ہے جبکہ اس شہر میں باغیوں کے احکام جاری نہ ہوئے ہوں ایسی صورت میں اس شہر سے امام وقت کی ولایت منقطع نہیں ہوتی اس لئے احکام نافذ ہوں گے۔

وإن قتل عادل باغيا أو قتله باغ وقال أنا على حق ورثه وإن قال أنا على باطل لا: اگر دو آدمی آپس میں

ورثہ پانے کی قرابت رکھتے تھے ان میں سے ایک بادشاہ کا فرمانبردار یعنی عادل تھا اور دوسرا باغی اور عادل نے باغی کو یا باغی نے عادل کو قتل کر ڈالا اور یہ کہا کہ میں اس قتل میں حق پر ہوں تو وہ اس مقتول کا وارث ہوگا یعنی اس قتل کے باعث وہ ترکہ سے محروم نہیں اگر باغی کہے کہ میں نے ناحق اس کو قتل کیا ہے تو اسے ترکہ نہیں ملے گا۔ یہ طرفین کا مذہب ہے اور امام ابو یوسفؒ اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ باغی فرمانبردار کا وارث نہ ہوگا اگرچہ اپنے برحق ہونے کا دعویٰ کرے یا خود باطل پر ہونے کا اقرار کرے کیونکہ تاویل فاسد دفع ضمان میں تو معتبر ہے وراثت کے استحقاق کے مسئلہ میں معتبر نہیں ہو سکتی اس لئے میراث سے مطلقاً محروم ہوگا کیونکہ اس نے ناحق قتل کیا ہے اور طرفین فرماتے ہیں کہ جس طرح بضرورت دفع ضمان میں معتبر ہے اسی طرح حرمان وراثت کو دور کرنے میں بھی اس کے اعتبار کی ضرورت ہے کیونکہ سبب ارث یعنی قرابت تو موجود ہے۔

باغیوں اور ڈاکوؤں کو ہتھیار بیچنا مکروہ ہے

وَكُرِهَ بَيْعُ السِّلَاحِ مِنْ أَهْلِ الْفِتْنَةِ وَإِنْ لَمْ يَدْرِ أَنَّهُ مِنْهُمْ لَا: اور مفسدوں کے ہاتھ خواہ وہ باغی ہوں یا ڈاکو ہوں ہتھیاروں کا بیچنا مکروہ ہے اور اگر یہ معلوم نہ ہو کہ خریدار مفسدوں میں سے ہے تو اس وقت اس کے ہاتھ بیچنا مکروہ نہیں اور دوسرے اسباب تملیک سے مالک ہونے کا بھی یہی حکم ہے لیکن جن مواد سے اسلحہ بنایا جاتا ہے مثلاً لوہا وغیرہ اس کا بیچنا ممنوع نہیں اس کی نظیر لہو و لعب کے آلات ہیں کہ ان کی بیع تو مکروہ ہے لیکن اس لکڑی کی مکروہ نہیں جس سے آلات لہو و لعب بنائے جاتے ہیں اسی بناء پر انگور کے شیرہ کی بیع تو جائز ہے مگر خمر کی بیع جائز نہیں۔

کِتَابُ اللَّقِيطِ

گرے پڑے بچہ کا بیان

نُدِبَ الْتِقَاطُهُ وَوَجَبَ إِنْ خَافَ الضَّيَاعَ وَهُوَ حُرٌّ وَنَفَقَتُهُ فِي بَيْتِ الْمَالِ كَإِرْثِهِ وَجِنَايَتِهِ وَلَا يَأْخُذُهُ مِنْهُ أَحَدٌ وَيَثْبُتُ نَسَبُهُ مِنْ وَاحِدٍ وَمِنِ اثْنَيْنِ وَإِنْ وَصَفَ أَحَدُهُمَا عَلَامَةً بِهِ فَهُوَ أَحَقُّ بِهِ وَمِنْ ذِمِّيٍّ وَهُوَ مُسْلِمٌ إِنْ لَمْ يَكُنْ فِي مَكَانِ أَهْلِ الذِّمَّةِ وَمِنْ عَبْدٍ وَهُوَ حُرٌّ وَلَا يُرَقُّ إِلَّا بِبَيِّنَةٍ وَإِنْ وُجِدَ مَعَهُ مَالٌ فَهُوَ لَهُ وَلَا يَصِحُّ لِلْمُلْتَقِطِ عَلَيْهِ نِكَاحٌ وَبَيْعٌ وَإِجَارَةٌ وَيُسَلِّمُهُ فِي حِرْفَةٍ وَيَقْبِضُ هِبَتَهُ:

ترجمہ: لقیط کو اٹھا لینا مستحب ہے اور ضروری ہے اگر ضائع ہونے کا خوف ہو اور وہ آزاد ہوگا اور اس کا خرچ بیت المال سے ہوگا جیسے اس کی میراث اور جنایت اور بچہ کو اٹھانے والے سے کوئی نہ لے اس کا نسب ایک شخص سے بھی ثابت ہو جائیگا اور دو سے بھی اور اگر کوئی اس کی مخصوص علامت بتادے تو وہ اس کا زیادہ مستحق ہے اور ذمی سے بھی اور بچہ مسلمان ہوگا اگر ذمیوں کے محلہ میں نہ ملا اور غلام سے بھی اور بچہ آزاد ہوگا اور اس کو غلام نہیں بنایا جاسکتا مگر بینہ کے ساتھ اور اگر اس کے ساتھ مال ملے تو وہ اسی کا ہے اٹھانے والے کیلئے اس کا نکاح کرنا

ساتھ مال کو پایا ہے تو قاضی کی اجازت سے اس مال کو اس بچہ پر خرچ کرے کیونکہ اس مال کا کوئی دوسرا مالک دکھائی نہیں۔

فَهُوَ لَهُ وَلَا يَصِحُّ لِلْمُلْتَقِطِ عَلَيْهِ نِكَاحٌ وَبَيْعٌ وَإِجَارَةٌ وَيُسَلِّمُهُ فِي حِرْفَةٍ وَيَقْبِضُ هِبَتَهُ: اور ملتقط کیلئے یہ جائز نہیں کہ وہ اس بچہ کا نکاح کرے یا اس کی کوئی چیز فروخت کردے یا اس لقیط کو مزدوری والی ملازمت پر لگادے کیونکہ ان تصرفات کیلئے ولی کا ہونا ضروری ہے اور ولی بننے کیلئے سبب ہوتا ہے قریبی رشتہ داری کا ہونا اور مالک ہونا اور حکومت کا ہونا اور اس کے حق میں ان میں سے کوئی ایک بات بھی نہیں۔

وَيُسَلِّمُهُ فِي حِرْفَةٍ وَيَقْبِضُ هِبَتَهُ: ملتقط کو اس بات کا اختیار ہے کہ اس لقیط کو پیشہ اور ہنر سیکھنے میں لگادے کیونکہ یہ بات تو اس بچہ کی بہتری اور مستقبل میں حفاظت کی قسموں میں سے ہے اس کیلئے یہ بھی جائز ہے کہ لقیط کے نام پر آئے ہوئے ہبہ کے مال پر قبضہ کرے کیونکہ ایسا کرنے میں بچہ کا سراسر نفع ہے اسی لئے بچہ خود بھی جو ابھی عقل و ہوش کا مالک ہوا ایسے مال پر قبضہ کرسکتا ہے

كِتَابُ اللُّقَطَةِ

گری پڑی چیز کا بیان

لُقَطَةُ الْحِلِّ وَالْحَرَمِ أَمَانَةٌ إِنْ أَخَذَهَا لِيَرُدَّهَا عَلَى رَبِّهَا وَأَشْهَدَ وَعَرَّفَ إِلَى أَنْ عَلِمَ أَنَّ رَبَّهَا لَا يَطْلُبُهَا ثُمَّ تَصَدَّقَ فَإِنْ جَاءَ رَبُّهَا نَفَّذَهُ أَوْ ضَمَّنَ الْمُلْتَقِطَ وَصَحَّ الْتِقَاطُ الْبَهِيمَةِ وَهُوَ مُتَبَرِّعٌ فِي الْإِنْفَاقِ عَلَى اللَّقِيطِ وَاللُّقَطَةِ وَبِإِذْنِ الْقَاضِي يَكُونُ دَيْنًا وَلَوْ كَانَ لَهَا نَفْعٌ آجَرَهَا وَأَنْفَقَ عَلَيْهَا مِنْ أُجْرَتِهَا وَإِلَّا بَاعَهَا وَمَنَعَهَا مِنْ رَبِّهَا حَتَّى يَأْخُذَ النَّفَقَةَ وَلَا يَدْفَعُهَا إِلَى مُدَّعِيهَا بِلَا بَيِّنَةٍ فَإِنْ بَيَّنَ عَلَامَتَهَا حَلَّ لَهُ الدَّفْعُ بِلَا جَبْرٍ وَيَنْتَفِعُ بِهَا لَوْ فَقِيرًا وَإِلَّا تَصَدَّقَ عَلَى أَجْنَبِيٍّ وَصَحَّ عَلَى أَبَوَيْهِ وَزَوْجَتِهِ وَوَلَدِهِ لَوْ فُقَرَاءَ.

ترجمہ: حل و حرم کی پڑی ہوئی چیز امانت ہے اگر اس کو مالک کے پاس لوٹانے کی نیت سے اٹھایا ہو اور گواہ بنالیے ہوں اور اعلان کرتا رہے یہاں تک کہ غالب گمان ہو جائے کہ اب اس کا مالک تلاش نہ کرتا ہوگا پھر اس کو صدقہ کردے پھر اگر اس کا مالک آجائے تو چاہے اس کو نافذ کردے اور چاہے تو اٹھانے والے کو ضامن قرار دے اور چوپائے کو پکڑ لینا صحیح ہے اور لقیط اور لقطہ پر خرچ کرنے میں متبرع ہوگا اور قاضی کے حکم سے مالک کے ذمہ قرض ہوگا اور اگر اس سے کوئی نفع ہو سکتا ہو تو ملتقط اجرت پر دیدے اور اجرت سے اس پر خرچ کرتا رہے ورنہ فروخت کردے اور اس کو مالک سے روک سکتا ہے یہاں تک کہ وہ خرچہ وصول کرلے اور اس کے دعویٰ کرنے والے کو بینہ کے بغیر نہ دے لیکن اگر وہ نشانی بتادے تو دینا جائز ہے مگر جبر نہیں اور اس سے خود نفع اٹھائے اگر محتاج ہو ورنہ کسی کو خیرات کردے اور اپنے والدین اور بیوی بچوں پر بھی صدقہ کرسکتا ہے اگر وہ محتاج ہوں۔

لُقَطَةُ الْحِلِّ وَالْحَرَمِ أَمَانَةٌ إِنْ أَخَذَهَا لِيَرُدَّهَا عَلَى رَبِّهَا وَأَشْهَدَ. حرم اور خارج حرم کی پڑی ہوئی چیز امانت کے حکم

مکن ہوتی ہے بشرطیکہ اٹھانے والے نے اس قصد سے اٹھائی ہو کہ وہ اس کے مالک کو واپس دیدیگا اور اس بات پر لوگوں کو گواہ بھی کرلیا ہو کہ یہ چیز میں نے اس لئے اٹھائی ہے کہ یہ اس کے مالک کو واپس دیدوں گا پس یہ دونوں شرطیں ہونے کے بعد اگر یہ چیز اس کے پاس تلف ہوئی تو تاوان نہیں آئیگا کیونکہ امانت تھی اور امانت میں تاوان نہیں آیا کرتا اگر پانے والا اقرار کرلے کہ اس نے اس چیز کو اپنے لئے اٹھائی تھی تو بالاجماع وہ اس چیز کا ضامن ہوگا اور اگر اس کا قرار نہ کرے بلکہ اس پر گواہی پیش کردے کہ اس نے واپسی کی غرض سے اٹھائی تھی تو وہ ضامن نہ ہوگا اور اگر اس نے کسی کو گواہ نہیں بنایا تو طرفینؒ کے نزدیک وہ ضامن ہوگا لیکن امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ضامن نہیں ہوگا بلکہ پانے والے کا قول مع الیمین معتبر ہوگا کیونکہ مسلمان کی شان کا تقاضہ یہ ہے کہ اس کے فعل کو شرعاً جائز اختیار کرنے پر محمول کیا جائے نہ کہ ارادہ گناہ پر اور طرفینؒ کی دلیل یہ ہے کہ اس نے سبب ضمان کا اقرار کرلیا ہے یعنی غیر کا مال لیا ہے اور اس دعوی کی صحت میں شبہ ہے اس لئے برأت نہ ہوگی۔

وَعَرَّفَ اِلٰى اَنْ عَلِمَ اَنَّ رَبَّهَا لَا يَطْلُبُهَا ثُمَّ تَصَدَّقَ فَاِنْ جَاءَ رَبُّهَا نَفَذَهُ اَوْ ضَمَّنَ الْمُلْتَقِطَ: اگر اس کی قیمت دس درہم سے کم ہو تو چند روز تک اس کی منادی کرے اور دس درہم یا اس سے زیادہ ہو تو ایک سال تک اعلان کرے۔ صحیح یہ ہے کہ کوئی مدت مقرر نہیں بلکہ اٹھانے والے کے رائے پر ہے کہ جب اسے ظن غالب ہو جائے کہ اب اس کا مالک طلب نہیں کرے گا پھر اسے صدقہ کرے۔

جانور کا التقاط اور تعریف مستحب ہے

وَصَحَّ الْتِقَاطُ الْبَهِيْمَةِ: اور بھولے بھٹکے جانور کا اٹھالینا اور تعریف مستحب ہے جب تک اس کے ضائع ہونے کا خوف نہ ہو اگر خوف ہو تو التقاط واجب ہے اور التقاط مکروہ ہے اگر جانور کے ساتھ وہ چیز ہو جس سے وہ اپنی جان بچا سکتا ہے جیسے گائے بیل کے سینگ اور اونٹ کا دانت سے کاٹنا۔ قاموس میں ہے کہ بہیمہ وہ جانور ہے جس کے چار پاؤں ہوں اگرچہ پانی میں رہتا ہو۔ بے تمیز جانور کا نام بہیمہ ہے۔ تفسیر ثعالبی کے مطابق دواب، گھوڑا اور اونٹ، خچل، بیل، بھیڑ، بکری، مرغی اور پالتو کبوتر کو لفظ بہیمہ شامل ہے اور یہ جو حدیث صحیح میں لقطہ بہیمہ سے نہی وارد ہے اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حکم اہل صلاح کے غلبہ کے سبب تھا اور ہمارے زمانے میں تو اہل فساد اور اہل طمع کا غلبہ ہے تو ہر گز اطمینان نہیں کہ اہل خیانت اس کو چھوڑ دیں تو اب اس کا التقاط ہی افضل ہے تاکہ مومن کا مال محفوظ رہے۔

وَهُوَ مُتَبَرِّعٌ فِي الْاِنْفَاقِ عَلَى اللَّقِيْطِ وَالْمُلْتَقَطِ بِاِذْنِ الْقَاضِيْ يَكُوْنُ دَيْنًا: ایسے جانور یا بچہ پر اگر حاکم کی اجازت کے بغیر کچھ خرچ کرے تو وہ احسان ہوگا اور سلوک کے درجے میں ہے یعنی یہ اس کا معاوضہ نہیں لے سکتا ہاں اگر حاکم کی اجازت سے خرچ کیا تھا تو مالک کے ذمہ قرض ہوگا جب وہ لینے آئے تو اس سے وصول کرے کیونکہ قاضی کو ولایت عامہ حاصل ہے۔

وَلَوْ كَانَ لَهَا نَفْعٌ اٰجَرَهَا وَاَنْفَقَ عَلَيْهَا مِنْ اُجْرَتِهَا وَاِلَّا بَاعَهَا: اور لقطہ سے اگر نفع مل سکتا ہے تو قاضی اسے

اجرت پر دے سکتا ہے اور اس طرح سے اس کا خرچ ادا کرے مثلاً بھاگے ہوئے غلام کو کوئی آدمی اپنی حفاظت میں رکھے تو اسے اجرت پر دینا درست ہے اور جس لقطہ سے منفعت نہ ہو تو قاضی اگر مناسب سمجھے تو اس پر خرچ کرنے کی اجازت دے دے کہ جب مالک آجائے تو اس سے خرچہ لے لیا جائے اور اگر اس پر خرچ کرنا مناسب نہ سمجھے تو قاضی اسے فروخت کرادے اور اٹھانے والے کو اس کی رقم حفاظت سے رکھنے کی ہدایت کردے۔

ومنعها من ربها حتى يأخذ النفقة: جب مالک آجائے اور اپنا مال طلب کرے تو ملتقط کو حق ہے کہ اسے خرچہ ادا کرنے تک روکے رکھے اس لئے کہ لقطہ خرچہ کے ذریعے باقی رہتا ہے تو گویا مالک نے خرچ کرنے والے کی طرف سے ملکیت کا فائدہ حاصل کیا اس لئے بیع کے مشابہ ہو گیا۔

ولا يدفعها إلى مدعيها بلا بينة فإن بين علامتها حل له الدفع بلا جبر: اگر کسی شخص نے دعویٰ کیا کہ وہ مال لقطہ میرا ہی ہے تو جب تک اس پر گواہ پیش نہ کر دے نہیں دیا جائیگا اس کے بعد اگر اس نے کوئی علامت بیان کی تو ملتقط کیلئے جائز ہے کہ لقطہ اس کے حوالے کر دے پھر بھی قاضی اسے دینے پر مجبور نہیں کرے گا اور نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ اگر اس کا مالک آجائے اور اس مال کے بارے میں بتادے کہ وہ کیسے تھیلے میں تھا اور اس کی تعداد کتنی تھی تو مال اس کے حوالے کر دیں۔ یہ حکم اباحت پر محمول ہے تاکہ حدیث مشہور پر عمل ہو سکے اور حدیث مشہور آپ ﷺ کا ارشاد ہے البينة على المدعي واليمين على المنكر۔

ويتصدق بها لو فقيرا وإلا تصدق على أجنبي وصح على أبويه وزوجته وولده لو فقراء: اور اگر پائی ہوئی چیز کا مالک نہ ملے تو اٹھانے والا اگر فقیر ہو تو اس سے نفع اٹھا سکتا ہے اور اگر وہ محتاج نہ ہو تو کسی ضرورت مند پر صدقہ کر دے خواہ وہ اپنے اصول جیسے ماں باپ ہو یا فروع جیسے لڑکے اور لڑکیوں پر اور اپنی بیوی پر صدقہ کر دے جبکہ یہ محتاج ہوں اس لئے کہ یہ صدقہ بطور تبرع ہے زکوٰۃ کے حکم میں داخل نہیں کہ ان پر حرام ہو۔ یہاں ملتقط تو اصل مالک کا نائب ہو کر صدقہ کر رہا ہے اپنے طرف سے صدقہ نہیں کر رہا اس لئے یہاں نسب کے اصل یا فرع یا قرابت زوجیت کا ہونا معتبر نہیں۔

كتاب الآبق

بھاگے ہوئے غلام کا بیان

أَخْذُهُ أَحَبُّ إِنْ قَوِيَ عَلَيْهِ وَمَنْ رَدَّهُ مِنْ مُدَّةِ سَفَرٍ وَهُوَ مَسِيرَةُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ فَلَهُ أَرْبَعُونَ دِرْهَمًا وَلَوْ قِيمَتُهُ أَقَلَّ مِنْهُ وَإِنْ رَدَّهُ لِأَقَلَّ مِنْهَا فَبِحِسَابِهِ وَالْمُدَبَّرُ وَأُمُّ الْوَلَدِ كَالْقِنِّ وَإِنْ أَبَقَ مِنَ الرَّادِّ لَا يَضْمَنُ وَيُشْهِدُ أَنَّهُ أَخَذَهُ لِيَرُدَّهُ وَجُعْلُ الرَّهْنِ عَلَى الْمُرْتَهِنِ وَأَمْرُ نَفَقَتِهِ كَاللُّقَطَةِ:

ترجمہ: بھاگے ہوئے غلام کا پکڑ لینا مستحب ہے اگر اس پر قدرت ہو اور جو اس کو تین دن کی مسافت سے واپس لائے اس کیلئے چالیس درہم ہیں اگرچہ غلام کی قیمت اس سے کم ہو اور جو غلام کو اس سے کم فاصلہ سے واپس لائے تو اسی حساب سے پائیگا اور مدبر اور ام ولد خالص غلام کے مثل ہیں اور اگر واپس لانے والے کے پاس سے بھاگ جائے تو وہ ضامن نہیں ہوگا اور گواہ بنالے کہ میں نے اس کو پکڑا ہے تاکہ اس کو واپس لوٹا دوں اور رہن کی اجرت مرتہن پر ہے اور بھاگے ہوئے غلام کے نفقہ کا حکم لقطہ کی طرح ہے۔

أَخْذُهُ أَحَبُّ إِنْ قَوِيَ عَلَيْهِ: ضال وہ غلام ہے جو بلا ارادہ اپنے مالک کے گھر کا راستہ بھول جائے اور آبق وہ غلام ہے جو اپنے مالک سے بقصد و ارادہ بھاگ جائے ایسے غلام کو اس شخص کیلئے پکڑ لینا مستحب ہے جو اس کو پکڑ رکھنے پر قادر ہو کیونکہ اس سے غلام کے مولی کے حق کو زندہ اور محفوظ رکھنا ہوتا ہے کیونکہ مولی ایک حد تک اس غلام سے محروم ہو چکا ہے گویا اس کیلئے غلام مر چکا ہے۔

وَمَنْ رَدَّهُ مِنْ مُدَّةِ سَفَرٍ وَهُوَ مَسِيرَةُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ فَلَهُ أَرْبَعُونَ دِرْهَمًا وَلَوْ قِيمَتُهُ أَقَلَّ مِنْهُ وَإِنْ رَدَّهُ لِأَقَلَّ مِنْهَا فَبِحِسَابِهِ: بھاگے ہوئے غلام کو تین دن یا تین دن سے زائد کی مسافت سے آقا کے پاس لانے والے کا عوض چالیس درہم ہے اگرچہ غلام کی قیمت اس سے کم ہو اور اگر اس سے کم فاصلے سے غلام کو لایا گیا تو اس حساب سے معاوضہ دیا جائیگا امام شافعی فرماتے ہیں کہ جب کوئی بھاگے ہوئے غلام کو لایا تو ضال یعنی بھٹکے ہوئے غلام کی طرح اس کو کوئی معاوضہ نہیں دیا جائیگا یہ تبرع اور احسان ہے ہاں اگر آقا شرط لگادے تو عوض دیا جائیگا اور ہماری دلیل یہ ہے کہ وجوب معاوضہ میں تو سب حضرات صحابہ کرام کا اجماع ہے لیکن مقدار میں فرق ہے بعض کے نزدیک چالیس درہم اور بعض کے ہاں اس سے کم دینا لازم ہیں۔

مدبر اور ام ولد اس حکم میں مثل غلام کے ہیں

وَالْمُدَبَّرُ وَأُمُّ الْوَلَدِ كَالْقِنِّ وَإِنْ أَبَقَ مِنَ الرَّادِّ لَا يَضْمَنُ وَيُشْهِدُ أَنَّهُ أَخَذَهُ لِيَرُدَّهُ: مدبر اور ام ولد اس حکم میں مثل غلام کے ہیں یعنی پکڑ کے لانے میں بھی اس مزدوری کا مستحق ہوگا جس مزدوری کا لونڈی غلام کو پکڑ کے لانے سے کوئی ہوتا ہے کیونکہ مدبر اور ام ولد بھی اپنے آقا کے مملوک ہوتے ہیں۔ کیونکہ مولی کی زندگی میں واپس لانے میں اس کو حق ہے کہ زندہ اور محفوظ رکھتا ہے اور اگر وہ غلام اس واپس لانے والے شخص کے ہاتھ سے بھاگ گیا تو اس پر کوئی جرمانہ نہیں ہوگا کیونکہ وہ غلام اس وقت اس کے ہاتھ میں امانت کے طور پر تھا کسی کو اس بات پر گواہ بنالیا ہو کہ میں اس کے مالک کے پاس واپس پہنچانے کیلئے پکڑ رہا ہوں۔

وَجُعْلُ الرَّهْنِ عَلَى الْمُرْتَهِنِ وَأَمْرُ نَفَقَتِهِ كَاللُّقَطَةِ: اگر بھاگنے والا غلام کسی کے پاس رہن رکھا ہوا تھا تو اس کے واپس لانے کا جعل اس مرتہن کے ذمہ ہوگا کیونکہ واپس لانے والے نے اس کی ملکیت زندہ کردی ہے اس لئے اس مرہون غلام کی واپسی سے اس کی دی ہوئی رقم اسے واپس ملے گی اور اس کے بغیر اسے واپس نہیں ملے گی اور اپنی مالیت کے حق کو باقی رکھنے کیلئے اس کا جعل ادا کرنا واجب ہے اس لئے وہ جعل اسی مرتہن کے ذمہ ہوگا اور اس کے کھانے وغیرہ میں جو کچھ صرف کیا اس کے وصول کرنے کا حکم لقطہ کی طرح ہے اگر حاکم کی اجازت سے خرچ کیا تو لیا جائیگا ورنہ نہیں۔

مفاوضہ اور عنان کس چیز سے منعقد ہوتی ہے

وَلَا تَصِحُّ مُفَاوَضَةٌ وَعِنَانٌ بِغَيْرِ النَّقْدَيْنِ وَالتِّبْرِ وَالْفُلُوْسِ النَّافِقَةِ: مفاوضہ اور عنان صرف دراہم و دنانیر سونا، چاندی اور رائج الوقت سکوں سے ہی منعقد ہوتی ہے ان کے علاوہ کسی اور چیز سے منعقد نہیں ہوتی اور امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ اسباب اور ناپ تول کی جانے والی چیزوں سے منعقد ہوتی ہے بشرطیکہ ایک جنس ہوں اور ہماری دلیل یہ ہے کہ اسباب پر شرکت مفاوضہ کا انجام یہی ہے کہ ایسی چیز سے نفع حاصل کیا گیا جو ابھی ضمان میں نہیں آیا کیونکہ اگر مفاوضہ کرنے والے اپنا اپنا راس المال فروخت کریں اور ان میں قیمت کے اعتبار سے کمی اور بیشی ہو مثلاً ہر ایک کے مال کی قیمت ایک ایک ہزار ہو پھر ان میں سے ایک اپنا دو ہزار میں اور دوسرا تین ہزار میں فروخت کر دے تو ان میں سے ایک شخص اپنے ساتھی کے مال سے شرکت کے استحقاق کی بنا پر زیادہ نفع پائیگا جس کا وہ خود مالک نہیں ہے اور ابھی تک وہ ضمان میں بھی نہیں آیا تو بخلاف اس صورت کے جبکہ راس المال احد النقدین درہم یا دنانیر ہوں تو اس وقت نفع کا استحقاق شرط کے مطابق ہوتا ہے علاوہ ازیں دراہم و دنانیر عقود میں متعین کرنے سے بھی متعین نہیں ہوتے اس لئے ان سے جو نفع حاصل ہوگا وہ راس المال کا اضافہ شمار نہیں ہوگا۔

وَلَوْ بَاعَ كُلٌّ نِصْفَ عَرْضِهِ بِنِصْفِ عَرْضِ الْآخَرِ وَعَقَدَ الشَّرِكَةَ: اور جب کوئی شخص کسی کے اسباب میں شرکت کا معاملہ کرنا چاہے تو ہر ایک شخص اپنے آدھے مال کے عوض فروخت کر دے اس کے بعد دونوں عقد شرکت طے کر لیں عقد شرکت کی ضرورت اس لئے ہے کہ ہر ایک دوسرے کا وکیل ہونا بھی ثابت ہو جائے کیونکہ عقد شرکت کے بغیر ملک میں شریک ہونا ثابت ہوتا ہے اور شرکت ملک سے کفالت یا وکالت ثابت نہیں ہوتی۔

شرکت عنان کا بیان

صَحَّ وَعِنَانٌ إِنْ تَضَمَّنَتْ وَكَالَةً فَقَطْ وَتَصِحُّ مَعَ التَّسَاوِي فِي الْمَالِ دُوْنَ الرِّبْحِ وَعَكْسِهِ وَبِبَعْضِ الْمَالِ: (۲) اور شرکت عنان صحیح ہے اگر صرف وکالت کو متضمن ہو اور شرکت عنان میں جو کفیل بننے کے لائق نہیں مگر توکیل کا اہل ہے اس کے ساتھ یہ شرکت جائز ہے مثلاً بچہ یا ذمی جو بیع کو سمجھتا ہے دونوں کے مالوں کا برابر ہونا شرط نہیں چنانچہ بعض مال میں شرکت یا کل مال میں مگر ایک کا مال زیادہ ہو یا دونوں کے مال برابر ہوں مگر نفع برابر نہ ہو یا اس کے برعکس تمام صورتیں جائز ہیں۔

وَبِخِلَافِ الْجِنْسِ وَعَدَمِ خَلْطٍ وَطُوْلِبَ الْمُشْتَرِي بِالثَّمَنِ فَقَطْ وَرَجَعَ عَلَى شَرِيْكِهِ بِحِصَّتِهِ مِنْهُ: اور یہ بھی درست ہے کہ ایک شریک سرمایہ میں دراہم لگائے اور دوسرا اشرفی اور ہر ایک ان میں سے اپنے مال کو دوسرے کے مال کے ساتھ نہ ملائے بخلاف امام زفرؒ اور امام شافعیؒ کے کہ ان کے نزدیک سرمایہ ایک جنس کا اور مخلوط ہونا لازمی ہے اور شرکت عنان میں جو شریک کوئی چیز خریدے اس کی قیمت کا مطالبہ صرف اسی مشتری سے کیا جائے دوسرے سے نہیں یعنی جس نے خود نہیں خریدا ہے اس سے مطالبہ نہیں ہو سکتا ہے کیونکہ اس شرکت میں باہمی کفالت ومضانت نہیں ہوتی البتہ خریدنے والے شریک اگر اپنے مال میں سے اس چیز کی قیمت بائع کو ادا کرے تو بقدر حصہ شریک غیر مشتری سے وصول کرے گا۔

وتبطل بهلاك المالين أو أحدهما قبل الشراء: اگر شریک کا مال یا دونوں کے مالوں میں سے ایک کا مال کچھ خریدنے سے پہلے تلف ہو جائے تو شرکت باطل ہو جائے گی کیونکہ عقد شرکت میں معقود علیہ مال تھا اور وہ عقد میں متعین ہوتا ہے جیسا کہ ہبہ اور وصیت میں ہوتا ہے اور قاعدہ ہے کہ معقود علیہ ہلاک ہونے سے عقد باطل ہو جاتا ہے بہرحال جب دونوں کے مال تلف ہو گئیں تب تو مسئلہ بالکل ظاہر ہے اور ایک کا اگر تلف ہو جائے تو بھی یہی حکم ہے اس لئے کہ یہ شخص اپنے مال میں دوسرے کی شرکت پر اس بناء پر راضی ہوا تھا کہ وہ بھی اس کے مال میں شریک ہوگا اب جب اس کا مال ہی نہ رہا تو وہ اس کی شرکت پر کس طرح راضی ہوگا۔

وإن اشترى أحدهما بماله وهلك مال الآخر فالمشترى بينهما ورجع على شريكه بحصته منه: اگر دونوں شریکوں میں سے ایک نے اپنے مال کے عوض میں کچھ سامان خریدے اور خریدنے کے بعد دوسرے کا مال تلف ہو جائے تو خریدا ہوا سامان دونوں میں مشترک ہوگا اور خریدنے والا اپنے دوسرے شریک سے جس کا مال ہلاک ہو گیا ہے بقدر حصہ ثمن اس سے وصول کرے گا اس لئے کہ خریداری دونوں کی طرف سے واقع ہوئی ہے تو مال تلف ہو جانے کی وجہ سے اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوگی۔

وتفسد إن شرط لأحدهما دراهم مسماة من الربح ولكل من شريكي العنان والمفاوضة أن يبضع ويستأجر ويودع ويضارب ويوكل ويده في المال أمانة وتقبل إن اشترك خياطان أو خياط وصباغ على أن يتقبلا الأعمال ويكون الكسب بينهما وكل عمل يتقبله أحدهما يلزمهما وكسب أحدهما بينهما وإن اشتركا بلا مال على أن يشتريا بوجوههما ويبيعا وتتضمن الوكالة وإن شرطا مناصفة المشترى أو مثالثته فالربح كذلك وبطل شرط الفضل.

ترجمہ: اور شرکت فاسد ہو جاتی اگر ان میں سے کسی ایک کیلئے نفع سے چند متعین درہم مقرر کئے گئے اور ہر ایک عنان و مفاوضہ کے ہر شریک کو اختیار ہے کہ وہ بطور بضاعت دے اور مزدوری پر یا بطور امانت یا مضاربت پر دے یا کسی کو وکیل بنائے اور مال میں ہر ایک کا قبضہ طریق امانت ہوگا اور تقبل ہے اگر شریک ہو جائیں دو درزی یا ایک درزی اس شرط پر کہ دونوں کام لیا کریں اور کمائی بانٹ لیا کریں اب جو کام ان میں سے کوئی ایک لے گا وہ دونوں کو لازم ہوگا اور کمائی دونوں میں شریک ہوگی اور شرکت وجوہ ہے اگر وہ دونوں بلا مال شریک ہو جائیں اس شرط پر کہ اپنی وجاہت سے مال خرید کر فروخت کریں گے اور یہ وکالت کو شامل ہو جاتی ہے پس اگر نصف نصف یا ایک تہائی یا دو تہائی کی شرط کی تو نفع بھی اسی طرح ہوگا اور زیادتی کی شرط باطل ہوگی۔

وتفسد إن شرط لأحدهما دراهم مسماة من الربح: اگر کسی ایک نے چند درہم کے ساتھ شرکت کی کہ نفع میں سے متعین درہم اس کے ہوں گے تو یہ معاملہ درست نہیں ہوگا کیونکہ یہ شرط ایسی لگائی گئی ہے جو اس شرکت ہی کو ختم کر دیتی ہے کیونکہ یہ احتمال ہے شاید کل نفع بھی اتنے ہی درہم ہوئے ہوں اس طرح ایک ہی کو کل دینے کے بعد دوسرا شریک بالکل محروم بھی ہو سکتا ہے۔

ولكل من شريكي العنان والمفاوضة أن يبضع ويستأجر ويودع ويضارب ويوكل ويده في المال

افادہ: شرکت مفاوضہ اور شرکت عنان کے دونوں شریکوں میں سے ہر ایک کو اس کا اختیار ہے کہ مال مشترک کسی اور شخص کو بطور بضاعت (یعنی مالک کیلئے کل نفع حاصل ہونے کی شرط پر) حوالہ کریں کیونکہ بضاعت پر دینے کا تجار کے ہاں دستور و عادت ہے یا کسی کو مزدوری پر رکھ لے جو مال کی حفاظت کرے اور اس کام تھ بٹائے اس لئے کہ تجار کے ہاں اس کا عام معمول ہے یا کسی کے پاس امانت رکھے کیونکہ تاجر کیلئے بعض اوقات اس کے بغیر چارہ نہیں ہوتا یا کسی کو یہ مال مضاربت کے طور پر دیدے کیونکہ مضاربت کا درجہ شرکت سے کم ہے لہٰذا شرکت اس کو شامل ہے یا کسی اجنبی کو بیع و شراء وغیرہ تصرف کیلئے وکیل بنادے اس لئے کہ وکالت توابع تجارت میں سے ہے اور عقد شرکت میں دونوں شریکوں میں سے ہر ایک کے قبضہ میں مال بطور امانت کے ہوگا یعنی اگر اس کی زیادتی کے بغیر ہلاک ہو جائے تو اس پر ضمان نہیں ہوگی۔

شرکت صنائع و تقبل کا بیان

وتقبل إن اشترك خياطان أو خياط وصباغ على أن يتقبلا الأعمال ويكون الكسب بينهما. (۳) شرکت صنائع و تقبل یہ شرکت عقد کی یہ تیسری قسم ہے اس کی صورت یہ ہے کہ دو کاریگر دو درزی یا ایک درزی اور ایک رنگریز مشترک طور پر کام کریں اور دونوں لوگوں سے کام جمع کریں اس شرط پر کہ اجرت میں دونوں شریک ہوں گے تو یہ صحیح ہے اگر چہ یہ شرط کریں کہ دونوں مساوی طور پر کام کریں گے اور دو تہائی یا ایک تہائی ہوگا اور امام شافعیؒ کے نزدیک یہ شرکت جائز نہیں اور امام مالکؒ اور امام زفرؒ کے نزدیک جب عمل متحد ہو جائز ہے اور اگر مختلف ہو تو جائز نہیں کیونکہ ان حضرات کے ہاں مال کی شرکت پر نفع کی شرکت موقوف ہے اور ہماری دلیل یہ ہے کہ عقد شرکت سے مقصود مال حاصل کرنا ہے اور یہ کسی کو وکیل مقرر کر دینے سے بھی ممکن ہے کیونکہ جب ہر ایک شخص دوسرے کی طرف سے نصف مال میں وکیل ہے تو دوسرے نصف میں اصیل بھی ہوا پس جو مال حاصل ہوا اس میں شرکت ثابت ہوگی۔

وكل عمل يتقبله أحدهما يلزمهما وكسب أحدهما بينهما: دونوں شریکوں میں سے جو کوئی کام قبول کرے گا وہ اس پر اور اس کے شریک دونوں پر لازم ہوگا یہاں تک کہ ان دونوں میں سے ہر ایک سے اس کام کے پورے کرنے کا مطالبہ کیا جائیگا کیونکہ شریکوں میں سے جس نے جو کام قبول کیا ہے دوسرا بھی اس کا ضامن ہوتا ہے اس لئے تو وہ اجرت کا مستحق ہو جاتا ہے کیونکہ دوسرے کا قبول کرنا بھی اس کا قبول کرنا مانا جاتا ہے اسی طرح کام کی ضمانت اور اجرت کے مطالبہ میں شرکت مفاوضہ کے حکم میں جاری ہوگی۔

شرکت وجوہ کا بیان

ووجوه إن اشتركا بلا مال على أن يشتريا بوجوههما ويبيعا: (۴) شرکت وجوہ یہ شرکت عقد کی چوتھی قسم ہے اس کی صورت یہ ہے کہ دو شخص بغیر مال کے شریک ہوں اس طرح کہ لوگوں میں اپنی جان پہچان اور عزت و شرف ہونے کی وجہ سے مال بطور قرض خرید یں اور بیچیں اور نقد کرتے جائیں اب اس مال کی جو قیمت حاصل ہوا اس میں سے اصل دام مالک کے

حوالہ کریں جو کچھ باقی بچے اس کو دونوں بانٹ لیں لیکن یہ شرکت امام شافعیؒ کے نزدیک جائز نہیں۔

وَتَتَضَمَّنُ الْوَكَالَةَ وَإِنْ شَرَطَا مُنَاصَفَةَ الْمُشْتَرَى أَوْ مُثَالَثَةً فَالرِّبْحُ كَذٰلِكَ وَبَطَلَ شَرْطُ الْفَضْلِ: اور شرکت وجوہ وکالت کو شامل ہوتی ہے کیونکہ دوسرے پر کسی کو بھی تصرف کرنے کا حق نہیں ہوتا سوائے ان دو صورتوں کے کہ یا تو اس کا ولی ہو یا وکیل ہو اور اس جگہ چونکہ ولایت نہیں لہٰذا وکالت ہی ہوگی اور اگر دونوں نے اس شرط پر معاملہ کیا ہو کہ خریدی ہوئی چیز دونوں کے درمیان نصف نصف ہوگی اس طرح حاصل شدہ نفع بھی نصف نصف ہوگا تو جائز ہوگی اور اگر یہ شرط رکھی ہو کہ وہ چیز ان دونوں کے درمیان دو ثلث اور ایک ثلث کے حساب سے ہوگی تو نفع بھی اس طرح ثمن تہائی کے حساب سے ہوگا تو شرکت اور عقد جائز ہوگی لیکن اس میں کمی وبیشی کی شرط باطل ہے یعنی اگر یہ شرط لگائیں کہ خرید کردہ شئ دونوں میں نصفا نصف ہوگی اور ایک کا نفع اس کی ملک کی مقدار سے زیادہ ہوگا تو یہ شرط باطل ہوگی کیونکہ نفع بقدر ملک ہوا کرتا ہے تاکہ غیر مضمون سے نفع حاصل کرنا لازم نہ آئے جو کہ درست نہیں جو شخص غیر کے حکم کے بغیر ہی کسی چیز کا مالک ہوتا ہے اس کو اس چیز کے مالک ہونے میں غیر کا تابع بننا درست نہیں۔

فَصْلٌ فِي الشَّرِكَةِ الْفَاسِدَةِ

شرکت فاسدہ کا بیان

وَلَا تَصِحُّ شَرِكَةٌ فِي احْتِطَابٍ وَاصْطِيَادٍ وَاسْتِقَاءٍ وَالْكَسْبُ لِلْعَامِلِ وَعَلَيْهِ أَجْرُ مِثْلِ مَا لِلْآخَرِ وَالرِّبْحُ فِي الشَّرِكَةِ الْفَاسِدَةِ بِقَدْرِ الْمَالِ وَإِنْ شَرَطَ الْفَضْلَ وَتَبْطُلُ الشَّرِكَةُ بِمَوْتِ أَحَدِهِمَا وَلَوْ حُكْمًا وَلَمْ يُزَكِّ مَالَ الْآخَرِ فَإِنْ أَذِنَ كُلٌّ وَأَدَّيَا مَعًا ضَمِنَا وَلَوْ مُتَعَاقِبًا ضَمِنَ الثَّانِي وَإِنْ أَذِنَ أَحَدُ الْمُتَفَاوِضَيْنِ بِشِرَاءِ أَمَةٍ لِيَطَأَهَا فَفَعَلَ فَهِيَ لَهُ بِلَا شَيْءٍ.

ترجمہ: لکڑی چننے، شکار کرنے اور پانی بھرنے میں شرکت صحیح نہیں ہے، اور کمائی کام کرنے والے کی ہوگی اور اس پر دوسرے کیلئے مروجہ مزدوری ہوگی اور نفع شرکت فاسدہ میں بقدر مال ہوتا ہے اگرچہ زائد کی شرط کر لی گئی ہو اور شرکت باطل ہو جاتی ہے کسی ایک کے مرنے سے اگرچہ مرتد ہو کر جا ملا ہو اور شریکین میں کوئی ایک دوسرے کے مال کی زکوٰۃ اس کی اجازت کے بغیر نہ دے پس اگر ہر ایک نے اجازت دے دی اور دونوں نے ایک ساتھ ادا کر دی تو دونوں ضامن ہوں گے اور اگر یکے بعد دیگرے ادا کی تو ثانی ضامن ہوگا اور اگر مفاوضہ کی کسی شریک نے باندی خریدنے کی اجازت دی تاکہ وہ اس سے وطی کرے اور اس نے خرید لی تو باندی خریدنے والے کی ہوگی بلا عوض۔

وَلَا تَصِحُّ شَرِكَةٌ فِي احْتِطَابٍ وَاصْطِيَادٍ وَاسْتِقَاءٍ: ایندھن جمع کرنے میں گھاس جمع کرنے اور شکار کرنے میں اور پانی کھینچنے میں شرکت کرنا جائز نہیں دونوں میں سے جو شخص جس جانور کو شکار کرے گا یا جنگل سے جتنا بھی ایندھن لکڑی پتے وغیرہ لائیگا وہ اسی کا ہوگا اور دوسرے ساتھی کا اس میں کوئی حق نہ ہوگا اس کی وجہ یہ ہے کہ نفع صرف مال یا عمل یا ضمان سے ملتا ہے چنانچہ رب المال مال کی وجہ سے حقدار ہے اور مضارب عمل کی وجہ سے اور استاد جو کہ شاگرد کو کام سکھاتا ہے نصف در نصف کے باعث

اجازت دے دی اور دونوں نے ایک ساتھ زکوٰۃ ادا کردی تو ہر ایک دوسرے کے حصے کا ضامن ہوگا مثلاً ہر ایک نے دوسرے کی طرف سے زکوٰۃ ادا کی اور اتفاق سے دونوں کی ادائیگی ایک ہی وقت میں ہوئی یا یہ معلوم نہ ہو سکا کہ کس نے پہلے ادا کی اور کس نے بعد میں ادا کی تو اس صورت میں ہر ایک دوسرے کی زکوٰۃ کا ضامن ہوگا اور دونوں یکے بعد دیگرے کل مال کی زکوٰۃ ادا کردیں تو ثانی (یعنی جس نے بعد میں ادا کی ہے) پر اول کے حصے کی زکوٰۃ کا تاوان لازم آئیگا اگرچہ اول کے زکوٰۃ ادا کرنے سے وہ واقف نہ ہو یہ امام صاحبؒ کا مذہب ہے اور صاحبینؒ کے نزدیک اگر وہ اول کے ادا کرنے سے واقف نہ ہو تو اس پر تاوان نہیں آئیگا کیونکہ وہ متصرف ہے۔ تملیک کرنے کی طاقت رکھتا ہے زکوٰۃ واقع کرنا اس کے بس میں نہیں اس لئے اس کا تعلق موکل کی نیت سے ہے اسے تو صرف اس امر کا مطالبہ ہو سکتا ہے جس کی اسے طاقت ہے امام صاحبؒ فرماتے ہیں کہ وہ تو زکوٰۃ ادا کرنے پر مامور تھا اور زکوٰۃ ادا شدہ تھی نہیں تو اس لئے یہ خلاف امر ہوا کیونکہ امر کا مقصود یہ ہے کہ وہ واجب کی ذمہ داری سے سبکدوش کرتا ہے اس لئے کہ کوئی دانشمند آدمی بیکار مشقت کا التزام کرتا ہے اور یہ مقصد اس کے ادا کرنے سے ادا ہو گیا اور اب مامور کی ادائیگی اس مقصد سے خالی ہے اس لئے وہ معزول ہو جائیگا خواہ وہ جانے یا نہ جانے یہ عزل حکمی ہے جس کیلئے علم شرط نہیں۔

وَلَوْ اَذِنَ اَحَدُ الْمُتَفَاوِضَيْنِ بِشِرَاءِ اَمَةٍ لِيَطَاَهَا فَفَعَلَ فَهِيَ لَهُ بِلَا شَيْءٍ شرکت مفاوضہ میں اگر دو شریکوں میں سے ایک نے دوسرے کی اجازت سے وطی کرنے کی غرض سے ایک باندی خریدی تو یہ باندی اس خریدنے والے کی ہوگی اور امام صاحبؒ کے نزدیک اس پر کچھ بھی لازم نہیں ہوگا اور صاحبینؒ کے نزدیک اجازت دینے والا خریدنے والے سے باندی کی نصف قیمت وصول کرلے گا کیونکہ خریدنے والے نے اس کی آدھی رقم مشترک مال سے ادا کی ہے امام صاحبؒ کی دلیل یہ ہے کہ جب اس نے باندی خریدلی تو وہ مال مشترک بنتی مگر شریک کی جانب سے بغرض وطی خریدنے کی اجازت اس کی طرف سے ہبہ کو متضمن ہے گویا اس نے اپنے شریک کو یوں کہا کہ ایک باندی خریدلے جو میرے اور تیرے درمیان مشترک ہوگی اور میں نے اس میں سے اپنا حصہ تجھے ہبہ کردیا ہے۔

كِتَابُ الْوَقْفِ

وقف کا بیان

هُوَ حَبْسُ الْعَيْنِ عَلٰى مِلْكِ الْوَاقِفِ وَالتَّصَدُّقُ بِالْمَنْفَعَةِ وَالْمِلْكُ يَزُوْلُ بِالْقَضَاءِ لَا إِلٰى مَالِكٍ وَلَا يَتِمُّ حَتّٰى يُقْبَضَ وَيُفْرَزَ وَيَجْعَلَ آخِرَهُ لِجِهَةٍ لَا تَنْقَطِعُ وَصَحَّ وَقْفُ الْعَقَارِ بِبَقَرِهٖ وَاَكَرَتِهٖ وَمُشَاعٍ قَضٰى بِجَوَازِهٖ وَمَنْقُوْلٍ فِيْهِ تَعَامُلٌ وَلَا يُمْلَكُ الْوَقْفُ وَلَا يُقْسَمُ وَاِنْ وَقَفَ عَلٰى اَوْلَادِهٖ

ترجمہ: وقف عین شئی کو روکنا ہے واقف کی ملک پر اور منفعت کو خیرات کرنا ہے اور ملک زائل ہو جاتی ہے قاضی کے حکم سے اور دوسرا مالک نہیں ہوتا اور وقف پورا نہیں ہوتا یہاں تک کہ قبضہ کرلیا جائے اور علیحدہ کرلیا جائے اور اس کی صورت انجام ایسی کردے کہ منقطع نہ ہو اور زمین کا وقف صحیح ہے اس کے بیلوں اور کاشتکاروں کے ساتھ اور ایسی مشاع چیز کا جس کے جواز کا حکم ہو گیا ہو اور ایسی منقول شئی کا جس میں

ہونیوالی جہت ذکر کرنے کے باوجود بھی وقف صحیح ہوجاتا ہے اور اگرچہ فقراء کا حکم نہ ہوا ہو لیکن اس جہت کے بعد وقف فقراء کیلئے ہوجائیگا کیونکہ نبی کریم ﷺ اور حضرات صحابہ کرام ؓ سے وقف کرنا ثابت ہے لیکن ان سے اس شرط کا ذکر کرنا ثابت نہیں۔ نیز اگرچہ واقف نے فقراء کا ذکر نہ کیا ہو لیکن اس شرط کا ذکر از روئے دلالت ثابت ہو وہ ایسا ہوتا ہے گویا کہ تصریح کی وجہ سے ثابت ہے جو طرفین ؒ کی دلیل یہ ہے کہ جواز وقف کیلئے تابید و ہمیشگی شرط ہے جب کہ ختم ہونے والی جہت کا ذکر از روئے معنی وقف کیلئے توقیت ہے لہٰذا جواز سے مانع ہوگا۔

وَصَحَّ وَقْفُ الْعَقَارِ بِبَقَرِهٖ وَاَكَرَتِهٖ: غیر منقولہ جائیداد زمین و مکان کا وقف جائز ہے کیونکہ حضور و صحابہ کرام ؓ نے وقف کیا ہے منقولہ اشیاء کا وقف جائز ہے اگر یہ زمین وغیرہ کے تابع ہو کر ہو مثلاً کسی نے زمین بمعہ بیل اور کسانوں کے جو کہ اس کے اپنے غلام ہیں وقف کی تو جائز ہوگا اور منقولہ اشیاء کے وقف کا جواز اس کے مقصود وقف کے جواز پر دلالت نہیں کرتا۔ جیسا کہ شرب پانی کے باری اور پانی کے بہاؤ اور راستہ کی بیع مقصوداً جائز نہیں البتہ زمین اور مکان کے تابع ہو کر جائز ہے۔

منقولہ اشیاء کے وقف کا حکم

وَمَشَاعٍ قَضٰى بِجَوَازِهٖ وَمَنْقُوْلٍ فِيْهِ تَعَامُلٌ: اور مشاع یعنی تہائی یا نصف زمین کا وقف بھی درست ہے بشرطیکہ قاضی نے اس کے جواز کا حکم کر دیا ہو کیونکہ جواز وقف مشاع مختلف فیہ ہے اس لئے قاضی کا حکم ضروری ہے اور اگر کوئی ایسی چیز ہو جس کو وقف کرنے کا رواج جاری ہو جیسے قبر کھودنے کیلئے پھاوڑا اور کلہاڑی اور پانی گرم کرنے کیلئے دیگ اور جنازہ کیلئے چارپائی اور کپڑے وغیرہ تو قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ یہ جائز نہ ہو کیونکہ یہ منقول کا وقف ہے جبکہ استحسان کی رو سے لوگوں کے تعامل کی بناء پر یہ جائز ہے اور جس کام کو مسلمان اچھا سمجھے وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھا ہے امام صاحب ؒ کے نزدیک گھوڑے اور ہتھیار اللہ تعالیٰ کی راہ میں وقف کرنا جائز نہیں کیونکہ یہ منقول ہے اور ان کو وقف کرنے کی عادت بھی رائج نہیں ہے جبکہ صاحبین ؒ کے نزدیک ان کو وقف کرنا جائز ہے صاحبین ؒ نے نص کی بناء پر قیاس کو ترک کیا ہے اور وہ نص یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ رہے خالد تو انہوں نے زمین اور گھوڑے اللہ تعالیٰ کے راستے میں روکے ہیں۔

وَلَا يُمْلَكُ الْوَقْفُ وَلَا يُقْسَمُ وَاِنْ وَقَفَ عَلٰى اَوْلَادِهٖ: وقف کے جواز میں علماء کے اختلاف کے مطابق جب وقف جائز ہو تو اس کا حکم یہ ہے کہ اسے بیچنا یا ملکیت میں لانا جائز نہیں ہے کیونکہ حضرت عمر ؓ کے وقف کرنے کی حدیث کہ اس کی اصل وقف کر دو کہ اس کی بیع نہ ہوگی اور نہ اس کی اصل صدقہ ہوگی۔ اور وقف کو تقسیم بھی نہیں کیا جائیگا لیکن امام ابو یوسف ؒ کے قول کے مطابق وہ وقف مشاع ہو اور دوسرے ساتھی نے اس کے بٹوارے کا مطالبہ کیا ہو تو اس کے ساتھ بٹوارہ کیا جائیگا اگرچہ اولاد پر وقف کیا ہو کیونکہ موقوفہ چیز موقوف علیہ کی ملکیت میں داخل نہیں ہوتی البتہ موقوف علیہ اس کی آمدنی سے منتفع ہو سکتا ہے کیونکہ وقف اصل کو حبس اور فرع یعنی اس کی آمدنی اور پیداوار کا صدقہ ہوتا ہے اور وقف زمین کی طرح موقوف میں ملکیت کو واجب نہیں کرتا۔

انتقال نہیں ہوگا اس وقف کو میرے قبضے سے نکال کر اس پر کسی دوسرے شخص کو متولی بنا دے حالانکہ اس وقف کرنے والے کی ظاہری حالت کی بنا پر اس وقف پر اس کی طرف سے اطمینان نہ ہو تو قاضی کو اختیار ہوگا کہ اس کے قبضہ سے نکال کر کسی دوسرے کو متولی مقرر کردے کیونکہ وقف کرنے والے کی یہ شرط شرعی حکم اور مصلحت کے خلاف ہونے کی وجہ سے باطل ہے۔

فَصْلٌ

> وَمَنْ بَنٰی مَسْجِدًا لَمْ یَزُلْ مِلْکُہٗ عَنْہُ حَتّٰی یُفْرِزَہٗ عَنْ مِلْکِہٖ بِطَرِیْقِہٖ وَیَأْذَنَ بِالصَّلٰوۃِ فِیْہِ وَاِذَا صَلّٰی فِیْہِ وَاحِدٌ زَالَ مِلْکُہٗ وَمَنْ جَعَلَ مَسْجِدًا تَحْتَہٗ سِرْدَابٌ اَوْ فَوْقَہٗ بَیْتٌ وَجَعَلَ بَابَہٗ اِلَی الطَّرِیْقِ وَعَزَلَہٗ اَوِ اتَّخَذَ وَسْطَ دَارِہٖ مَسْجِدًا وَاَذِنَ لِلنَّاسِ بِالدُّخُوْلِ فَلَہٗ بَیْعُہٗ وَیُوْرَثُ عَنْہُ وَمَنْ بَنٰی سِقَایَۃً اَوْ خَانًا اَوْ رِبَاطًا اَوْ مَقْبَرَۃً لَمْ یَزُلْ مِلْکُہٗ عَنْہُ حَتّٰی یَحْکُمَ بِہٖ حَاکِمٌ وَاِنْ جَعَلَ شَیْئًا مِنَ الطَّرِیْقِ مَسْجِدًا صَحَّ کَعَکْسِہٖ۔

ترجمہ: جس نے مسجد بنائی تو اس سے اس کی ملک زائل نہ ہوگی یہاں تک کہ اس کو راستہ کے ساتھ اپنی ملک سے جدا کردے، اور نماز پڑھنے کیلئے اجازت دیدے پھر اگر اس میں کوئی ایک شخص بھی نماز پڑھ لے تو اس کی ملکیت زائل ہو جائیگی اور جو شخص مسجد بنائے جس کے نیچے تہہ خانہ ہو یا اس کے اوپر بالا خانہ ہو اور اس کا دروازہ راستے کی طرف کر کے اس کو جدا کردے یا اپنے گھر کے اندر مسجد بنائے اور اس میں لوگوں کو آنے کی اجازت دیدے تو وہ اس کو فروخت کر سکتا ہے اور ورثاء اس کے وارث ہوں گے اور جو شخص سقایہ یا سرائے یا لشکر کے پڑاؤ کیلئے کوئی جگہ یا قبرستان بنائے تو اس کی ملکیت زائل نہ ہوگی یہاں تک کہ حاکم اس کا حکم کرے، اور اگر کچھ راستہ مسجد بنا دیا گیا تو درست ہے جیسے اس کا عکس صحیح ہے۔

مسجد بنانے والے کی ملکیت کب زائل ہوگی

وَمَنْ بَنٰی مَسْجِدًا لَمْ یَزُلْ مِلْکُہٗ عَنْہُ حَتّٰی یُفْرِزَہٗ عَنْ مِلْکِہٖ بِطَرِیْقِہٖ وَیَأْذَنَ بِالصَّلٰوۃِ فِیْہِ وَاِذَا صَلّٰی فِیْہِ وَاحِدٌ زَالَ مِلْکُہٗ: اس بات پر ہمارے ائمہ ثلاثہؒ کا اتفاق ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی مکان یا اپنی زمین کو مسجد بنا دے تو جائز ہے اور وقف کرنے والے کی ملکیت نکل جائیگی البتہ طرفینؒ کے ہاں اس کا راستہ علیحدہ کرنا اور لوگوں کو اس میں نماز پڑھنے کی اجازت دینا اور لوگوں کا اس میں نماز پڑھنا شرط ہے لہذا ایسا کرنے سے قبل مالک وقف میں رجوع کر سکتا ہے کیونکہ طرفینؒ کے سپرد کرنا ضروری ہے اور مسجد میں نماز پڑھنے سے سپردگی ہو جاتی ہے جبکہ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک وہ وقف اس کی ملکیت سے صرف یہ کہنا کہنے سے نکل جائیگی کہ میں نے اس کو مسجد بنا دیا اور پھر اس کو رجوع کرنے کا حق نہیں ہوگا کیونکہ ان کے نزدیک اعتاق کی طرح سپرد کرنا شرط نہیں ہے۔

وَمَنْ جَعَلَ مَسْجِدًا تَحْتَہٗ سِرْدَابٌ اَوْ فَوْقَہٗ بَیْتٌ وَجَعَلَ بَابَہٗ اِلَی الطَّرِیْقِ وَعَزَلَہٗ اَوِ اتَّخَذَ وَسْطَ دَارِہٖ